درسِ قرآن

جلد اوّل

تفسیر سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ

مرتبہ و مؤلفہ:

جناب مولانا الحاج محمد اعجاز احمد

ناشر:

ادارہ اشاعت القرآن

اے ۴۲، ۷ بلاک ایچ۔ شمالی ناظم آباد

کراچی ۳۳ - پاکستان

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ

(سورۂ بنی اسرائیل)

بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے

درسِ قرآن

جلد اوّل

تفسیر سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ

مُرتّب و مؤلّف:

جناب مولانا الحاج محمّد احمد صاحب مدظلہ العالی

یکے از خلفائے { حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ مفتی اعظم پاکستان
عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہ

ناشر:

ادارہ اشاعت القرآن

اے ۷۴۲۔ بلاک ایچ ۔ شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳

TEL 6645912

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

۲۹۷۶۱۶
۲۸۸ م
۲۳۵۹ ے

درس قرآن - جلد اوّل

اشاعت اوّل ——— ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۷ء

اشاعت دوم ——— ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۱ء

اشاعت سوم ——— شوال ۱۴۰۳ھ مطابق جولائی ۱۹۸۳ء

اشاعت چہارم ——— جمادی الاول ۱۴۰۷ھ مطابق جنوری ۱۹۸۷ء

اشاعت پنجم ——— ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ مطابق جولائی ۱۹۸۸ء

اشاعت ششم ——— شوال ۱۴۱۱ھ مطابق مئی ۱۹۹۱ء

اشاعت ہفتم ——— جمادی الآخر ۱۴۱۵ھ مطابق نومبر ۱۹۹۴ء

اشاعت ہشتم ——— جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۷ء

تعداد اشاعت اول ——— ایک ہزار

تعداد اشاعت دوم ——— ایک ہزار

تعداد اشاعت سوم ——— ایک ہزار

تعداد اشاعت چہارم ——— ایک ہزار

تعداد اشاعت پنجم ——— ایک ہزار

تعداد اشاعت ششم ——— ایک ہزار

تعداد اشاعت ہفتم ——— گیارہ سو

تعداد اشاعت ہشتم ——— گیارہ سو

ناشر:- ادارہ اشاعت القرآن

اے ۷۴۲ - بلاک ایچ - شمالی ناظم آباد - کراچی ۳۳ -

مطبع:- تجارتی پریس - ناظم آباد کراچی

درس قرآن ملنے کا پتہ:-

اے ۷۴۲ - بلاک ایچ - شمالی ناظم آباد -

کراچی ۳۳ - پاکستان -

TEL. 6645912

صفحہ یادداشت

نوٹ :۔ دوران مطالعہ درس قرآن جلد اوّل اگر قارئین و ناظرین اپنی یادداشت کے لئے کچھ تحریر کرنا چاہیں
تو اس صفحہ کو استعمال فرمائیں۔

صفحہ نمبر	یادداشت

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بشارتِ عظمیٰ

دس پندرہ منٹ وقت کی قدر و قیمت

معزز ناظرین و قارئین و سامعین!

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ

درسِ قرآن سے ایک درس پڑھنے یا سننے میں آپ کا دس پندرہ منٹ کا وقت جو صرف ہوتا ہے اسکے اجر و ثواب اور قدر و قیمت کو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجۂ ذیل ارشادِ عالی سے سمجھیے :-

حدیث شریف : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- کہ اے اَبُوذَرؓ! (یہ ایک صحابی کا نام ہے) اگر تم کہیں جاکر ایک آیت قرآن کی سیکھ لو یہ تمہارے لئے **سو رکعت** (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تم کہیں جاکر ایک مضمون علم (دین) کا سیکھ لو خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو یہ تمہارے لئے **ہزار رکعت** (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح :- اس حدیث سے علم دین حاصل کرنیکی کتنی بڑی فضیلت ثابت ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بعضے لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ جب عمل نہ ہو سکا تو پوچھنے اور سیکھنے سے کیا فائدہ۔ یہ غلطی ہے۔ دیکھیے اس میں صاف فرمایا ہے کہ خواہ عمل ہو یا نہ ہو دونوں حالت میں یہ فضیلت حاصل ہوگی اور اس کی تین وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہوگئی تو گمراہی سے تو بچ گیا یہ بھی بڑی دولت ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہوگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی تو عمل کی بھی توفیق ہو جاوے گی۔ تیسری وجہ یہ کہ کسی اور کو بھی بتلا دے گا تو یہ بھی ضرورت اور ثواب کی بات ہے۔

(ماخذ حیاۃ المسلمین (روح دوم)
مؤلفہ حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(احقر مؤلف غفرلہٗ)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات درس قرآن جلد اوّل

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر: ابتدا	صفحہ نمبر: انتہا
۱	حرفِ آغاز	۶	۱۰
۲	عرضِ مؤلف	۱۱	۲۲
۳	علمائے کرام ومشائخ عظام کی آرا و تقریظات سے متعلق معروضِ مؤلف	۲۳	۲۶
۴	چہل حدیث در فضائل قرآن مجید	۲۷	۳۶
۵	چہل حدیث در فضائل سُوَر قرآن مجید	۳۷	۴۶
۶	فضیلت وضرورت دُعا اور قرآن کریم کی بابرکت دعائیں ..	۴۷	۷۰
۷	فہرست اجزائے قرآن کریم (یعنی تیس پاروں کے ناموں کی فہرست)	۷۱	—
۸	قرآنی سورتوں کی فہرست بحساب ترتیب تلاوت بمعہ تعداد رکوعات وآیات ومقامات سجدہ	۷۳	۸۲
۹	فہرست دروس جلد اوّل	۸۳	۹۳
۱۰	فہرست مضامین تفسیر یہ جلد اوّل	۹۴	۱۴۶
۱۱	درس استعاذہ (درس ۱)	۱۴۷	۱۵۲
۱۲	درس تسمیہ (درس ۲)	۱۵۳	۱۵۷
۱۳	دروس سورۂ فاتحہ (درس ۳ تا درس ۶)	۱۵۸	۱۷۴
۱۴	دروس سورۂ بقرہ (درس ۷ تا درس ۱۵۸)	۱۷۵	۸۲۱
۱۵	خاتمہ جلد اوّل پر احقر مؤلف کی ایک گذارش	۸۲۲	—
۱۶	مکمل درسِ قرآن کی گیارہ جلدوں کا نقشہ	۸۲۳	۸۲۴

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حرفِ آغاز

قرآن کریم کی جو عزت و وقعت اور قدر و منزلت ایک مسلم کی نظر میں ہونی چاہیئے وہ محتاج بیان نہیں۔ مگر قرآن مجید جس طرح اپنے ماننے والے اہلِ اسلام کے لئے ہے دوسرے سارے انسانوں کے لئے بھی ہے۔ اس کی جامعیت اور کاملیت کا یہ عالم ہے کہ یہ مبارک صحیفہ چودہ سو سال سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس عرصہ میں انسانی ذہن و فکر کے زمین و آسمان بدل گئے۔ نظریات و خیالات میں کیسے کیسے انقلاب آئے معاشرہ میں کتنی تبدیلیاں رونما ہوئیں کبھی کوئی تہذیب آئی اور کبھی کوئی تمدن آیا۔ آج نام نہاد مغربی تہذیب اور تمدن کا دور دورہ ہے۔ مگر ہر دور میں سلیم الطبع اور منصف مزاج انسانوں کو اپنی قلبی تسکین کے لئے اگر کوئی نسخہ کیمیا ملا تو وہ یہی قرآن کریم تھا۔

یہ نہ صرف انسانوں کی اخلاقی و مذہبی فلاح و بہبود کا سب سے اہم دستور نامہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی تمام دینی و دنیوی سرگرمیوں کا مرکز اور ان کے تمام علوم ہدایت کا اصلی سرچشمہ ہے۔ قرآنِ عظیم نے اخلاقیات۔ تہذیب و تمدن و معاشرت کا جو درس دیا ہے اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو اس سے محض اہلِ اسلام ہی بہرہ اندوز نہیں ہوئے بلکہ دنیا کی اکثر و بیشتر قومیں کم و بیش متاثر ہوتی رہی ہیں۔ اور آج بعض اخلاقی اور تمدنی و معاشرتی اصول و قواعد جنہیں اغیار اپنے تہذیب و تمدن کا رکن رکین بتا کر ان پر فخر و ناز کرتے ہیں وہ دراصل اور حقیقتاً اسی تعلیم ربانی پر مبنی ہیں جو پہلی بار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیاتِ قرآنی کی شکل میں دنیا کی مختلف اقوام تک آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل پہنچی تھی۔ چنانچہ بعض ان غیر مسلم محققین نے جو بیجا تعصب مذہبی کا شکار نہیں رہے قرآنِ مجید کی عظمت اور اس کے مضامین کی رفعت اور اس کی راستی و صداقت کا اعتراف کیا ہے۔

بلاشبہ قرآن مجید نے دنیاوی زندگی کے ضروری اصول و قواعد مرتب فرمائے۔ قوموں کے عروج و زوال سے بحث کی۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے قوانین۔ عادات و اخلاق۔ معاملات حقوق و آداب ان سب مباحث پر گفتگو فرمائی مگر ان تمام امور میں اس کا بنیادی نقطۂ نظر اُخروی سعادت ہے۔ اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن مجید کی اصل دعوت انسان کو سعادتِ ابدی کی طرف

مبلا نا ہے ۔ وہ انسان کے ظاہر اور باطن کی ایسی تعمیر کرنا چاہتا ہے کہ اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ خالق کائنات کی رضا حاصل ہو اور حیاتِ اخروی میں پورا پورا چین و سکون نصیب ہو ۔ وہ عبد اور معبود کے رشتہ کو صحیح اصولوں پر استوار کرتا ہے اور دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی کی بنیاد بناتا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ قرآنی دعوت اور تعلیم بلاشبہ پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے اور اسی قرآنی تعلیم کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے علمائے اسلام نے قرآنِ کریم کے درس تدریس معانی و مطالب اور اس کی توضیح و تشریح میں عمریں صرف کردیں اور آج عربی فارسی ۔ اردو اور دیگر زبانوں میں تفاسیر قرآن کے جو بیش بہا مجموعے موجود ہیں وہ ان کی ان مساعی جمیلہ کی شاہد و آئینہ دار ہیں ۔ یہ بالکل حقیقت ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں کہ اکابر اسلاف اور علمائے اسلام نے جتنی محنت و کاوش تحقیق و تدقیق قرآن کریم کے مطالعہ اور اس کی تعلیم و تبلیغ میں دکھائی ہے اس کی نظیر ملنا نہ صرف دشوار بلکہ محال ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ تشریح و تفسیر قرآنی کا جو سلسلہ اسلام کے قرون اولیٰ میں شروع ہوا تھا وہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا ۔ لیکن گذشتہ چند صدیوں میں دنیا کی حالت بہت بدل گئی ہے ۔ عرصے سے ہر ملک اور قوم میں بتدریج مادیت کا غلبہ اور مذہبیت کا انحطاط اور زوال ہوتا رہا ہے ۔ اور اب تو کچھ ایسی فضا ساری و طاری ہے کہ چھوٹے اور بڑے ۔ مرد و زن ۔ جوان و پیر سب کے سب مذہب سے بیگانہ ہوتے جارہے ہیں ۔ دنیا میں یہ سائنسی دور ہے ۔ دہریت و نیچریت کا عقیدہ واضح ہوتا جارہا ہے حتیٰ کہ اب کہا جانے لگا ہے کہ انسان اب اتنی سائنس میں ترقی کرچکا ہے کہ اسے مذہب اور مذہبی کتابوں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ۔ اور اپنی عقل سے کام لے کر اور جدید مادہ پرست سائنس دانوں کی تعلیم و تلقین پر کاربند ہوکر تہذیب اخلاق کے ان اعلیٰ مدارج و مراتب پر پہنچ سکتا ہے جہاں تک مذہب اس کی رہنمائی نہ کرسکا تھا

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔

دہریت ملحدانہ نیچریت اور بدعقیدگی کے اس باد سموم کے جھونکوں سے مسلمان اقوام بھی محفوظ نہیں رہیں ۔ اور مسلمانوں نے جب سے قرآن سے غفلت اور دین سے لاپرواہی برتی ان کی حالت بدلی ۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ نہ وہ ایمانی حوصلے ان میں رہے ۔ نہ وہ اسلامی جوش و خروش ۔ نہ فدویت اور ایثار کے نشانات ہیں ۔ نہ بقائیت اور فنائیت کے جذبے ۔ مسجدیں اور عبادت خانے سنسان ، ویران اور غیر آباد ہیں مگر سینما ۔ پکچر ہاؤس ۔ تفریح گاہیں اور تماشہ گاہیں ۔ نائٹ کلب اور لہو و لعب و فسق و فجور کے مقامات بھرے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن ۔

لیکن دنیا کا یہ جدید ۔ دہریت و مادیت و لادینیت کا نظریہ کس قدر باطل اور بے اصل ہے ۔

Marfat.com

اس کا ثبوت وہ کشمکش۔ وہ بے چینی۔ وہ منافقت اور نا روا داری۔ وہ بہیمیت و بربریت ہے جس کے مظاہرے اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتے رہتے ہیں اور دُنیا کے ہر گوشہ میں صاحبِ انصاف اور صاحبِ بصیرت لوگوں کو اس کا احساس ہے کہ مذہب سے بیگانگی اور بیزاری کا نتیجہ سوائے مصائب انسانی کے فراوانی کے اور کچھ نہ ہوا۔ گویا دہریت و مادیت کا تجربہ کر لینے کے بعد پھر مذہب و روحانیت کی طرف لوٹنے ہی میں عافیت اور چین و سکون کا نصیب ہونا نظر آنے لگا۔

ہم اغیار کی کیا حکایت و شکایت کریں۔ ہمیں گلہ ہے تو مسلمانوں سے ہے کہ مسلمان قرآن اور اس کی تعلیمات کی عظمت کو کیوں بھلا بیٹھے۔ ہمارے آقا و سردار۔ سرورِ کائنات۔ رحمۃ اللعالمین۔ محبوب خالقِ ارض و سما صلی اللہ علیہ وسلم۔ فداہ اَبی وَاُمّی نے اپنے آخری حج میں جو عظیم الشان خطبہ دیا اور ملتِ اسلامیہ کو جو اہم وصیتیں فرمائیں اُن میں سے ایک فقرہ یہ بھی تھا :-

"لوگو میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑتا ہوں کہ جس کو اگر مضبوط پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ قرآن ہے"۔

ہمارا فرض تو یہ تھا کہ جس امانتِ الٰہی کے ہم حامل تھے۔ اور جس کتابِ مبین۔ آسمانی رحمت سرچشمۂ ہدایت اور ذریعہ سعادت دارین کے ہم وارث تھے اسکو سینہ سے لگائے رکھتے۔ خود اس کے عامل بن کر اقوامِ عالم تک اس کو پہنچاتے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ہم اس کی بجائے دُنیا کی خرافات میں پڑ گئے۔ مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ بن کر دشمنانِ دین یہود و نصاریٰ کے اتباع و تقلید کو مایۂ ناز اور قابلِ فخر سمجھنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے عقائد اور خیالات میں تفریق پیدا ہو گئی۔ نہ وہ وحدتِ اسلامی باقی رہی نہ قوتِ ایمانی۔ دُنیا بھی کھوئی اور دین بھی خراب کیا۔ ہم ہر طرح سے مارے گئے۔ کہیں محکومی اور غلامی اور کہیں بیکسی و لاچاری اور کہیں ذلت و رسوائی یہ ہمارے حصہ میں رہ گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

اس موقعہ پر مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظم بعنوان "ہمارا ماضی اور حال" سے کچھ اشعار یاد آ گئے جو ناظرین کی عبرت و نصیحت کے لئے نقل کئے جاتے ہیں

ہم سب ہی کچھ تھے مگر جبکہ مسلماں تھے ہم — پیروِ دینِ نبیؐ حاملِ قرآں تھے ہم
ہم میں اخلاقِ رسُل جلوہ نما تھے جب تک — اسوۂ احمدؐ مختار پہ قرباں تھے ہم
ایک در چھوڑ کے ہم ہو گئے لاکھوں کے غلام
ہم نے آزادیٔ عرفی کا نہ سوچا انجام
دینِ فطرت پہ فدا حق کے پرستار تھے ہم — سب فضائل کے کمالات کے معیار تھے ہم
نقل کرتی تھیں سب اقوام ہماری ہیئت — فخرِ عالم تھے کبھی غیرتِ اغیار تھے ہم

آج افسوس کہ ہر قوم کے پامال ہیں ہم
کبھی ہندو کبھی انگریز کے نقال ہیں ہم

تھا کبھی ذوق عبادت کا مسلمانوں میں — اور سلیقہ تھا اطاعت کا کچھ انسانوں میں
فکرِ دُنیا ہی فقط قبلہ مقصود نہ تھا — ذکرِ حق ساتھ تھا بازاروں میں دکانوں میں

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخواست ہوئی
اب ہر اک عیب و خطا اپنے لئے لست ہوئی

ہم میں وہ سیرتِ اسلاف وہ صورت نہ رہی — کُفر سے ہم کو وہ نفرت وہ کدورت نہ رہی
ہے ہر ایک لغو کی دنیا میں ضرورت ہم کو — مگر افسوس کہ سنّت کی ضرورت نہ رہی

اب ہر اک عیب ہیں ہر ننگ ہیں ہر عار ہیں ہم
جو مرض ہی کو دوا سمجھے وہ بیمار ہیں ہم

چھوڑ کر اپنی روش ہم ہوئے جدّت کے شکار — نقد گم ہو گیا پایا نہیں موہوم اُدھار
نقل غیروں کی اتاری بھی، وہ حاصل نہ ہوئی — ہنس کی چال چلے اپنی بھولے رفتار

نہ وہ تقویٰ نہ دیانت نہ وہ وضع اسلاف
نہ وہ سیرت نہ وہ صورت نہ وہ پچھلے اوصاف

اپنے ہاتھوں سے ہے واللہ یہ ذلّت اپنی — نہ سبب اس کا ہے افلاس نہ قلّت اپنی
غلطی ہے کہ کریں غیروں پہ مسلم کو قیاس — کہ نرالی ہے ہمیشہ سے یہ ملّت اپنی

اپنی پستی و بلندی کا ہے معیار ہی اور
قوم مسلم کے ہمیشہ سے ہیں اطوار ہی اور

اگر مسلمان پھر عامل قرآن ہو جائیں تو پھر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ قرآن کا وعدہ ہے :-

۱:- وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے۔

۲:- وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ج

اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو۔

ع — آج بھی موجود ہے ہم میں وہی شمع ہدیٰ
کاش آئے راہ پر پھر کارواں بھٹکا ہوا

اب جو کام قرآن ماننے والوں کے لئے ہے وہ یہی ہے کہ یہ کتاب پڑھی جائے، پڑھائی جائے۔ اس کو خود سمجھیں دوسروں کو سمجھائیں۔ اس کے خود عامل بنیں اور دوسروں کو بھی عامل بنانے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

قرآنی تعلیمات کو عام کیا جائے تفسیر تشریح سے اس کے احکام و ہدایات کو دلنشیں کیا جائے اور تقریراً و تحریراً جس سے قرآن کی جو خدمت بن پڑے وہ انجام دیتا چلا جائے۔ کرنے والے بحمداللہ تمام شعبوں پر کام کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس وقت بھی جنہیں اللہ نے توفیق بخشی ہے کر رہے ہیں اور انشاءاللہ العزیز کرتے چلے جائیں گے جب تک کہ اس کتاب مبین کا وجود دنیا میں موجود ہے۔ اسی قرآنی خدمت کے سلسلہ میں بتوفیق رب العزت جل وعلیٰ یہ "دَرسِ قُرآن" مرتب کیا گیا ہے۔ جسے یہ احقر مؤلف اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں جو نبی اُمّی خاتم الانبیاء والمرسلین۔ سیدنا و مولانا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فداہ ابی و امی و روحی و قلبی۔ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جن کو خالقِ ارض و سماء۔ خالق کائنات اَللّٰہ جلّ جلالہٗ عمّ نوالہٗ کے کلام۔ قرآن کریم سے محبت ہے اور جن کو نبی کریم محبوبِ رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسوۂ حسنہ سے عشق ہے اور جو اپنی زندگی اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے خواہشمند ہیں اور جو قرآن مجید کی ہدایت و پیروی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم کی نجات کا یقین رکھتے ہیں پیش کرتا ہے تاکہ اس چشمۂ انوار سے اپنے قلوب کو منور کریں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے اس سعی کو مقبول فرمائیں اور تمام عالم کے انسانوں کے لئے عموماً اور جملہ اہلِ اسلام کے لئے خصوصاً باعثِ رشد و ہدایت و صلاح و فلاح دارین بنائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مورخہ یکم ربیع الاوّل ۱۳۹۶ھ ہجری
مطابق
۳ مارچ ۱۹۷۶ء عیسوی

راقم احقر ناکارہ بندہ محمد احمد عفی عنہٗ
اے ۴۲-۷ بلاک ایچ، شمالی ناظم آباد۔ کراچی ۱۳
پاکستان (فون نمبر ۶۶۴۵۹۱۲)

تاریخ طباعت درسِ قرآن

از جناب الحاج محمد بشیر اللہ صاحب بشیر زواری دام زادعنایۃ

بحمداللہ شائع ہو گیا ہے — ہے سب درسوں سے بہتر درسِ قرآں
خدا کی رحمتیں برسا کریں گی، — دیا جائے گا گھر گھر درسِ قرآں
ملائے گا یہ بندوں کو خدا سے — کرے گا دل منور درسِ قرآں
وہی ہوگا اثاثہ آخرت کا — لٹائے گا جو گوہر درسِ قرآں
بشیر اس کا ہے یہ سالِ طباعت — "قیم روح پرور درسِ قرآں"

۱۳۹۷ھ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

عَرضِ مُؤلِّف

۱ :- حق تعالیٰ کا یہ خاص فضل وکرم اور انعام واحسان تھا کہ جو اس احقر ناکارہ کو حکیم الامت مجدد الملت محی السنت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ سے تعلق اصلاح وتربیت نصیب ہوا۔ احقر اس زمانہ میں شہر دھرہ دون (ہندوستان) میں بسلسلہ ملازمت گورنمنٹ در محکمہ سروے آف انڈیا مقیم تھا۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کی برکت سے احقر کا یہ دائمی معمول رہا کہ محلہ کی مسجد میں بعد نماز فجر یا بعد نماز عشاء یا ہر دو وقت کوئی مستند دینی کتاب تھوڑی دیر نمازیوں کو پڑھ کر سنایا کرتا۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں آنے کے بعد بھی بحمد اللہ یہ معمول حتی الوسع جاری رہا اور اب جنوری ۱۹۶۳ء سے بفضلہ تعالیٰ اس درسِ قرآن کے ایک درس کو بعد نماز فجر مسجد میں سنانے کا معمول تاہنوز جاری ہے۔

۲ :- اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بھی بڑا انعام واحسان ہے کہ بعد تقسیم ہند اس مملکتِ پاکستان میں عوام مسلمین کے لئے اردو زبان میں بہت بڑا ذخیرہ دینی علوم کا موجود رہا ہے اسی لئے اردو زبان کی حفاظت بھی ایک دینی فریضہ قرار دی گئی تھی جیسا کہ امداد الفتاویٰ میں حضرت اقدس مولانا تھانوی رح نے اردو زبان کی ضرورت کے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ میں تحریر فرمایا تھا۔

"..... اس انتاج کے بعد معلوم ہو گیا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے۔ اس بناء پر یہ حفاظت حسب استطاعت طاعت اور واجب ہوگی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ آخرت ہوگا۔ واللہ اعلم ....."

۳ :- باوجود ایک عظیم الشان ذخیرہ علوم قرآن وحدیث کا اردو زبان میں موجود ہونے کے اب سے ۱۵-۲۰ سال قبل کوئی تفسیر قرآن اردو زبان میں احقر کو ایسی نہ مل سکی کہ جو آسان عام فہم

Marfat.com

زبان میں ہو یعنی اس میں عالمانہ بحث و دلائل اور دقیق مضامین کہ جو عوام الناس کی سمجھ سے باہر ہوں شامل نہ ہوں اور اس لائق ہو کہ بشکل درس روزانہ مسجد میں عام نمازیوں کو سنادی جائے کہ وقت بھی سامعین کا زیادہ خرچ نہ ہو۔ پھر تفسیر و تشریح بھی معتبر علمائے محققین اور سلف صالحین کی تفاسیر کے مطابق ہو۔ پھر جو تلاوت قرآن اور تفسیر کا مقصد اعلیٰ ہے کہ قرآنی احکام کا علم ہو اور اس کے مطابق عمل اور عقیدہ ہو اس کا بھی ایسا مناسب بیان ہو کہ جو عوام میں اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کا شوق پیدا ہو۔ پھر قرآنی احکام و ہدایات کے ساتھ ساتھ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآنی مضمون سے متعلق ہوں وہ بھی بیان کی گئی ہوں۔ پھر مناسب طرز میں اپنے ملک و قوم یا تمام عالم اسلام و امت مسلمہ میں قرآنی احکام کی صریح خلاف ورزیوں پر تاکید و تنبیہ بھی ہو۔ پھر غیر مسلمین اور معاندین کے اعتراضات مشہورہ اور شبہات معروفہ کے معقول دلنشین طرز پر جوابات بھی ہوں۔ پھر حال کے بعض گمراہ اور بیدین فرقوں مثل قادیانی۔ پرویزی۔ منکرین حدیث۔ کمیونسٹ۔ سوشلسٹ وغیرہم کی طرف سے جو غلط تفسیرات اور گمراہ کن تشریحات، قرآنی آیات کی پیش کی جاتی ہیں ان کی مناسب تردید بھی ہو۔ پھر قرآنی آیات سے جو عبرت و نصیحت اور مسائل و احکام محقق مفسرین نے اخذ کئے ہیں اور جو عوام کے لئے مفید اور نافع ہوں وہ بھی موجود ہوں۔ پھر جن شرعی مسائل کی طرف آیات قرآنی میں اشارہ ہو۔ اجمالاً یا تصریحاً اس کی متعلقہ تشریحات فقہ حنفیہ سے بیان کی گئی ہوں تاکہ ضروری متعلقہ مسائل سے عوام کو آگاہی ہو۔ ان جملہ صفات کی حامل مجھے کوئی ایک عام فہم تفسیر نہ مل سکی۔

۴:۔ دل میں یہ شوق تھا کہ قرآنی تعلیم جو دین اسلام اور ایمان کی جڑ اور بنیاد ہے اور جس سے ابتداء میں امت میں انقلاب آیا اور جو اب بھی اصلاح امت کے لئے نہایت ضروری و لازمی ہے اس کو عوام مسلمین کے سامنے پیش کیا جائے اور ہر مسجد و مدرسہ۔ اسکول و کالج میں اور ہر گھر۔ کنبہ اور خاندان کے مردوں، عورتوں اور بچوں میں قرآنی تعلیم کو عام کیا جائے۔ مگر نہ کوئی ایسی جامع معتبر مستند۔ عام فہم آسان اردو زبان میں کوئی تفسیر کہ جس کا روزانہ ایک درس دس۔ پندرہ منٹ کا پڑھ کر سنایا جا سکے دستیاب ہو سکی نہ اس شوق کو احقر پورا کر سکا اور اسی فکر اور حال و خیال سے پہلی مرتبہ جب ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ اور زیارت مسجد نبوی و روضہ مطہر فخر دو عالم۔ سرور کائنات۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو اکثر مواجہ شریف میں صلوٰۃ و سلام کے بعد بارگاہ رسالت میں دلی توجہ سے عرض کرتا کہ حضور آپ کے دین کی کوئی خدمت مجھ احقر ناکارہ کو بھی نصیب ہو جائے۔

Marfat.com

کہ جمیراحث بھی قیامت میں حضور اقدس کے دین کے خادموں کے ساتھ ہو جائے اور میں دین کے خدمت گذاروں میں شامل فرمالیا جاؤں۔ سرکار دو عالم نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم و توجہ کا حال اور اس احقر کی عاجزانہ درخواست کی منظوری کی شکل کچھ عرصہ بعد یوں سمجھ میں آئی اور اس طرح ظاہر ہوئی کہ یہ سلسلہ درس قرآن جواب ناظرین اور عام مسلمین کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے بفضلہ تعالیٰ شروع ہو کر قریب پندرہ سال میں اس کے اختتام کی نوبت آئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اب جب کبھی سوچتا ہوں تو میری عقل خود حیران رہ جاتی ہے کہ مجھ میں اتنی علمیت۔ اہلیت اور استعداد کہاں تھی جو اس طرح یہ پورا درس قرآن مکمل ہوا۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ کئی مساجد میں طبع ہونے سے پہلے سنایا جا سکا۔ اور بفضلہ تعالیٰ بڑے مفید اثرات اس کے آنکھوں سے دیکھنا نصیب ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ جب توفیق عطا فرمائیں اور کوئی کام کسی سے لینا چاہیں تو وہ قادر مطلق ہیں۔

"مور بے مایہ کو ہمدوش سلیماں" بھی فرما سکتے ہیں۔

۵:- اب مختصراً یہ سن لیجئے کہ یہ کام کب کس طرح اور کس نوعیت سے شروع ہوا اور کب اور کس طرح اختتام کو پہنچا۔ ۱۹۶۲ء میں "درس قرآن" کے نام سے چند رسائل میری نظر سے گذرے جو ادارہ تبلیغ و اصلاح۔ لاہور نے شائع کئے تھے۔ ان رسائل کو دیکھ کر کچھ اپنا پرانا شوق بیدار ہوا اور میں نے "درس قرآن" مذکورہ کی پہلی جلد لاہور سے حاصل کی جس کے "پیش لفظ" میں اس درس قرآن کی اشاعت کا مقصد اس طرح تحریر تھا:۔

"درس قرآن کی اشاعت سے ہمارا ایک مقصد تو یہ ہے کہ کلام اللہ سمجھنے کی اجتماعی کوشش کی جائے۔ مزید براں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہر گھر قرآنی اسکول بن جائے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہر روز کوئی خواندہ فرد باقی افرادِ خانہ کو مطبوعہ درس کا ایک صفحہ ان کی مادری زبان میں صرف پانچ منٹ کے اندر پڑھ کر باقاعدگی سے سنا دیا کرے۔

ہر کارخانے۔ فیکٹری۔ دفتر۔ مدرسہ۔ کالج۔ مسجد اور ادارہ میں کارکنوں اور طلبہ کو مطبوعہ درس مستقل طور پر سنانے کا اہتمام کیا جائے۔ ہر فرد ملت قرآن مجید کا متعلم۔ معلم اور مبلغ بن جائے کہ قرآنِ کریم کا درس ان کے ہاتھ میں ہو۔ وہ خود پڑھے۔ دوسروں کو پڑھائے اور غیروں تک پہنچائے۔ ہم نے ابتدا ہی سے کوشش کی ہے کہ یہ اسباق ایسی عام فہم اور سادہ زبان میں پیش کریں کہ بچے اور معمولی خواندہ بھی اسے سمجھ سکیں"۔

میں تو اسی حصولِ مقصد کا متمنی تھا چنانچہ اپنے محلہ کی جامع مسجد جہانگیری۔ گورنمنٹ کالونی مغربی جہانگیر روڈ۔ کراچی میں روزانہ ایک درس اس مذکورہ "درسِ قرآن" سے سنانے کا سلسلہ ۱۲ شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۶۳ء بروز جمعرات یعنی شب جمعہ سے شروع کر دیا گیا اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس سلسلہ درسِ قرآن کے پڑھنے اور سننے کو ہم سب پڑھنے اور سننے والوں کے لئے باعثِ ہدایت اور صلاح و فلاح دینی و دنیوی بنائیں اور اس کی برکت سے ہم کو قرآنِ کریم کی تعلیم و ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق کاملہ نصیب فرمائیں۔

اب درس شروع تو کر دیا گیا مگر اس مذکورہ "درسِ قرآن" میں مجھے بعض قابلِ اصلاح الفاظ اور قابلِ اعتراض جملہ اور بعض غلط عبارات نظر آئیں جن کو کہ کاٹ چھانٹ کر یا کچھ اصلاح و اضافہ کر کے اسی درسِ قرآن کو کچھ عرصہ جاری رکھا مگر بعد میں یہ شدت سے محسوس ہوا کہ اس مذکورہ درسِ قرآن کا عام نمازیوں کو سنانا بوجہ متعدد قابلِ اعتراض عبارات مناسب نہیں مگر اس سلسلہ کو جو شروع ہو چکا تھا ترک کرنا بھی گوارا نہ ہوا اور چند تفاسیر جو میرے پاس موجود تھیں مثلاً۔

۱۔ تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ تفسیر حقانی مؤلفہ شیخ التفسیر علامہ عبدالحق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ از حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ تفسیر فوائد از حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

اور دیگر متعدد دینی کتب کی مدد سے ایک درس روزانہ احقر خود تیار کرتا اور اس کو بعد نماز فجر مسجد میں سنا دیتا۔ یہ کام مجھ کو عموماً دفتر کے اوقات کے بعد زیادہ تر شب میں کرنا پڑتا۔ بعدہٗ مزید متعدد تفاسیر جو دستیاب ہو سکیں ان کو جمع کرتا رہا۔ مثلاً:۔

۵۔ تفسیر معارف القرآن از مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۶۔ تفسیر معارف القرآن از شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح

۷۔ تفسیر موضح القرآن از حضرت شاہ عبدالقادر صاحب مفسر و محدث دہلوی رح

۸۔ تفسیر حل القرآن از حضرت مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۹۔ تفسیر مظہری از حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۰۔ تفسیر بیان السبحان از مولانا سید عبدالدائم جلالی دہلوی۔

۱۱۔ تفسیر جواہر القرآن از رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی رح مرتبہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہٗ۔

۱۲۔ تفسیر ابن کثیر اردو مطبوعہ ہندوستان و پاکستان۔

Marfat.com

۱۳۔ تفسیر کمالین شرح اردو جلالین شریف از حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی ۔ استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند
۱۴۔ تفسیر فتح العزیز پارہ تَبٰرَكَ الَّذِیْ از حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۔
۱۵۔ تفسیر فتح العزیز پارہ عم از حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۔
۱۶۔ تفسیر پارۂ عم از مولانا ابوسلیم محمد عبدالحی مطبوعہ مکتبۃ الحسنات ۔ رام پور ۔ ہندوستان ۔
۱۷۔ تفسیر آیاتِ قرآنی از امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ۔
۱۸۔ تفسیر سورۂ فاتحہ از حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۱

مذکورہ بالا تفاسیر کے علاوہ جن خاص کتب سے میں نے مواد اخذ کیا اور اپنے دروس کی تکمیل میں مدد لی ان کی فہرست حسبِ ذیل ہے :۔

۱۔ قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مطبوعہ ندوۃ المصنفین ۔ دہلی ۔ ہندوستان ۔
۲۔ لغات القرآن مؤلفہ عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ مطبوعہ ندوۃ المصنفین ۔ دہلی ۔ ہندوستان
۳۔ کتب احادیث صحاح ستہ ۔
۴۔ الاتقان از علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ ترجمان السنۃ از حضرت مولانا بدر عالم صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ ۔
۶۔ سیرۃ المصطفےٰ از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ۔
۷۔ سیرۃ خاتم الانبیاء از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۔
۸۔ سیرۃ النبی کامل ابن ہشام
۹۔ ختم نبوت کامل از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ بوادر النوادر از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۔ قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ؟ از حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی ۔ مدظلہ ۔ لکھنؤ ۔ ہندوستان ۔
۱۲۔ اسلام کیا کہتا ہے ؛ از حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی ۔ مدظلہ ۔ لکھنؤ ۔ ہندوستان ۔
۱۳۔ آپ حج کس طرح کریں ؛ از حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی ۔ مدظلہ ۔ لکھنؤ ۔ ہندوستان
۱۴۔ معارف الحدیث از حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی ۔ مدظلہ ۔ لکھنؤ ۔ ہندوستان
۱۵۔ مواعظ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ۔
۱۶۔ علاماتِ قیامت از حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۔
۱۷۔ الاعتدال فی مراتب الرجال از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی ۔
۱۸۔ فضائل حج . . . . از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی ۔
۱۹۔ فضائل قرآن از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی ۔

Marfat.com

۲۰۔ بہشتی زیور از حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۱۔ رحمۃ القدوس ترجمہ بہجۃ النفوس از حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۲۔ آداب المساجد از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۲۳۔ گناہ بے لذت از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۴۔ تبریز ترجمہ ابریز (ملفوظات حضرت سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ)۔
۲۵۔ تاریخ اسلام از حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔
۲۶۔ تبلیغ دین اردو ترجمہ الثلاثین من الاربعین مصنفہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۷۔ انبیاء قرآن از محمد جمیل احمد صاحب ایم اے۔
۲۸۔ جزاء الاعمال از حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۹۔ موضوعات کبیر از ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ۔
۳۰۔ بوارق الغیب از حضرت مولانا محمد منظور احمد صاحب نعمانی لکھنوی۔ مدظلہ العالی۔
۳۱۔ توحیدی پاکٹ بک از شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہ العالی۔
۳۲۔ معلم الحجاج از حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب مفتی مظاہر العلوم۔ سہارنپور۔
۳۳۔ درس توحید از مولانا محب الحق صاحب حسینی مطبوعہ "رسالہ الفرقان"۔ بریلی۔ ہندوستان۔
۳۴۔ اعمالِ قرآنی از حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۵۔ دیگر مختلف متعدد کتب دینیہ۔

الغرض ان متعدد تفاسیر اور کتب کے مطالعہ کی مدد سے روزانہ ایک درس قرآن تیار کرنے اور اس کو مسجد میں سنانے کا سلسلہ بفضلہ تعالیٰ بڑی پابندی سے جاری رہا۔ اور سوائے اپنی شدت علالت یا سفر حرمین شریفین۔ یا اپنی ملازمت بہ محکمہ سروے آف پاکستان کی وجہ سے دورہ پر جانے کے باعث عارضی طور پر یہ سلسلہ منقطع رہتا اور پھر کراچی واپس آجانے یا صحت یاب ہو جانے پر یہ سلسلہ جاری ہو جاتا۔

۶:۔ کچھ عرصہ یعنی چند سال تو اس دینی خدمت کو اسی طرح جاری رکھا مگر پھر شدت سے محسوس ہونے لگا کہ سرکاری ملازمت اور اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ اس دینی خدمت کا جاری رکھنا مشکل ہے۔ صحت پر بڑا اثر ہونے لگا۔ اس لئے دونوں خدمات میں سے ایک ہی کو جاری رکھنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ حق تعالیٰ کی تائید اور توفیق سے یہی فیصلہ کیا کہ سرکاری عہدہ (ایڈمنسٹریٹو آفیسر۔ سروے جنرل آفس۔ سروے آف پاکستان) کو خیرباد کہہ کر ملازمت سے پنشن لے کر یکسو دلی حاصل کروں اور اس دینی خدمت یعنی درس قرآن کو مرتب کرنے کے لئے شب و روز کے اوقات فارغ رکھوں۔

Marfat.com

چنانچہ یکم جولائی ۱۹۶۶ء سے میں نے دفتر سے طویل رخصت ۲۸ ماہ کی حاصل کر کے دفتر کے کام سے فراغت حاصل کی اور بفضلہ تعالیٰ روزانہ درس قرآن مرتب کرنے اور مسجد میں سنانے کا سلسلہ جاری رکھا۔

۷ :- جب چوتھی مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے لئے کراچی سے ۲۶۔اکتوبر ۱۹۶۹ء (۱۳ شعبان ۱۳۸۹ھ) کو جدہ کے لئے روانہ ہوا تو بفضلہ تعالیٰ اُس وقت تک ۲۹ ویں پارہ کے نصف تک کا بیان جامع مسجد جہانگیری میں ہو چکا تھا۔ پورے پانچ ماہ بعد ۲۵۔مارچ ۱۹۷۰ء کو جب حجاز مقدس سے کراچی واپسی ہوئی تو احقر نے گورنمنٹ کوارٹر جہانگیر روڈ مغربی سے منتقل ہو کر اپنے نئے تعمیر کردہ مکان بمقام شمالی ناظم آباد بلاک ایچ میں سکونت اختیار کی۔ کچھ اپنی کمزوری طبع۔ کچھ آئے دن کی علالت۔ کچھ فاصلہ کی دوری۔ ان وجوہات سے درس قرآن کا سلسلہ جامع مسجد جہانگیری میں ۲۹ ویں پارہ کے نصف کے بعد منقطع رہا۔ مگر اپنے محلہ کی زیر تعمیر مسجد بلاک ایچ شمالی ناظم آباد میں بعد نماز فجر اس درس قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا جو بحمداللہ اب تک جاری و ساری ہے۔ طبیعت میں یہ تقاضا برابر رہا کہ بقیہ ½ ۱ پارہ (یعنی ۲۹ ویں پارہ کا نصف اور تیسواں پارہ) بھی جامع مسجد جہانگیری میں پورا کر دیا جائے تاکہ پورے قرآن شریف کی تفسیر ایک جگہ ختم کرنے کی سعادتِ عظمیٰ حاصل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمت اور توفیق عطا فرمائی۔ اور ۲۱۔جون ۱۹۷۱ء مطابق ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ سے پھر یہ سلسلہ بقیہ ½ ۱ پارہ کی تفسیر کے تکمیل کے لئے اس طرح شروع کیا کہ روزانہ (علاوہ جمعہ کے) شمالی ناظم آباد سے جامع مسجد جہانگیری سفر کر کے پہنچتا اور نماز عصر وہیں جماعت سے ادا کرتا اور بعد نماز درس سناتا اور پھر مغرب یا عشاء تک گھر واپسی ہوتی۔ الحمدللہ کہ اس طرح پورے قرآن شریف کا بیان ۱۸۔رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۸۔نومبر ۱۹۷۱ء بروز دوشنبہ بعد نماز عصر جامع مسجد جہانگیری میں پورا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جو اسی مسجد میں ۱۰۔جنوری ۱۹۶۳ء مطابق ۱۲۔شعبان ۱۳۸۲ھ بروز جمعرات شروع کیا گیا تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جو حق تعالیٰ نے اتنی زندگی بخشی اور اس دینی خدمت کی توفیق عنایت فرمائی۔

۸ :- اب ابتدائی پاروں کے جو درس "درسِ قرآن" مطبوعہ ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور کی اصلاح اور کاٹ چھانٹ یا مناسب اضافہ کے ساتھ سنائے گئے تھے وہ یقیناً اس نوعیت اور معیار کے نہ تھے کہ جو درس بعد میں جملہ مذکورہ تفاسیر و کتب کے مطالعہ کے بعد لکھے گئے تھے۔ اس لئے اوّل سے قرآن کے درس دوبارہ لکھنے کا سلسلہ شروع کیا اور مسودات ایک ایک پارہ کے علیحدہ علیحدہ جمع کرتا گیا حتیٰ کہ توفیق ایزدی سے شروع کے چودہ پاروں کے درس از سرِ نو لکھنے کا کام حق تعالیٰ نے بخیر و خوبی کرا دیا اور بحمداللہ یہ کام ۲۹۔رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۸۔جولائی ۱۹۷۶ء بعد نماز مغرب خاتمہ کو پہنچا۔

Marfat.com

۹ :- اب جب تالیف و ترتیب کا کام قریب قریب ختم ہوا اور پورے قرآن شریف کے درس قرآن مسودات کی شکل میں جمع ہو گئے تو اکثر بارگاہِ خداوندی میں دعا کرتا رہتا کہ مولائے کریم اگر اس درسِ قرآن کو آپ کے ہاں مقبولیت حاصل ہے اور یہ اُمتِ مسلمہ کے لئے نافع اور سود مند ہے تو اس کی طباعت کا سامان غیب سے فرما دیجئے۔ خصوصاً حرمین شریفین کی حاضری کے ایام میں حق تعالیٰ سے ملتجی رہتا کہ یا اللہ مجھے اپنی زندگی میں اس درسِ قرآن کا مساجد اور گھروں میں پڑھنا اور سننا سنانا اپنی آنکھوں سے دیکھنا نصیب فرما دے۔

اب میرے پاس تو اتنا سرمایہ نہ تھا کہ اس درسِ قرآن کی ایک جلد کی طباعت کا بار بھی اُٹھا سکتا اور نہ مالی اعانت کے سلسلہ میں کسی سے کچھ کہنا سننا طبیعت کو گوارا تھا۔ بس حق تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر بھروسہ کر کے خاموش تھا اور اکثر وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ (پ ۱۶ سورۂ مریم) (ترجمہ:- اور آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں) کو ورد کر کے دل کو مطمئن کر لیتا تھا کہ وسط اکتوبر ۱۹۷۶ء میں میرے ایک قدیم مخلص کرمفرما اور کئی مرتبہ کے عمرہ اور حج کے رفیق جناب ---- (ع۵) ----- جو اب کئی سال سے سعودی حکومت سے اقامہ حاصل کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں کچھ دن کے لئے کراچی آئے تھے اور احقر سے ملاقات کے لئے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے میرے درسِ قرآن کے متعلق دریافت فرمایا۔ میں نے جو صورتِ حال تھی ظاہر کر دی کہ بحمداللہ تعالیٰ جہاں تک تصنیف و تالیف کا کام تھا وہ تو ختم ہو چکا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ پھر طبع کیوں نہیں کراتے؟ اس سلسلہ میں جو معذوری اور مجبوری مالی وسائل کے نہ ہونے کی تھی وہ تبلا دی جس پر انہوں نے فرمایا کہ طباعت کے خرچ کا اسٹیمیٹ (تخمینہ) تو حاصل کیا جائے۔ چنانچہ ان کے ارشاد کے مطابق اسٹیمیٹ حاصل کیا گیا جو تقریباً بیس ہزار روپیہ فی جلد تھا۔ اور اور کل درسِ قرآن کی تقسیم گیارہ جلدوں میں تجویز کی گئی۔ اسٹیمیٹ دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ آپ روپیہ کی فکر نہ کریں اور اللہ کا نام لے کر پہلی جلد کی طباعت کا کام شروع کرا دیں۔ اور اس سلسلہ میں بغرضِ کتابت و طباعت جلد اوّل مبلغ دس ہزار روپیہ بذریعہ چیک ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو عطا فرما کر بقیہ کا وعدہ فرمایا کہ جس وقت ضرورت محسوس کریں مزید رقم طلب کر لیں جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

جب حق تعالیٰ نے یہ غیبی امداد کی صورت ظاہر فرمائی تو پھر کتابت کا انتظام کیا گیا اور جلد اوّل ابھی کتابت ہی کے مرحلہ میں ہے سو دعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کرم سے بقیہ مراحل طباعت بھی بسہولت طے فرمائیں اور اس درسِ قرآن کی اشاعت تک اس احقر ناکارہ کو زندگی عطا فرمائیں اور جناب ----- (ع۵) ---- کی اس دینی خدمت کو شرفِ قبولیت بخشیں اور موصوف کے لئے ذخیرۂ آخرت و ترقی درجاتِ قرب کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

(ع۵)۔ صاحب موصوف نے بربنائے اخلاص اپنے نام کے اظہار کو پسند نہیں فرمایا۔ احقر مؤلف

Marfat.com

امید کی جاتی ہے کہ پہلی جلد ۱۳۹۸ھ کی پہلی سہ ماہی میں انشاءاللہ العظیم شائع ہو سکے گی۔

۱۰:۔ اب اس درس قرآن کی نوعیت اور خصوصیت کے متعلق عرض ہے کہ:۔

۱:۔ قرآنی آیات کا لفظی ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کیا گیا ہے سوائے چند مقامات کے جہاں دوسرے اکابر کا مستند اردو ترجمہ مطابق تفسیر کے لکھا گیا ہے۔

۲:۔ تشریحی ترجمہ بھی درس میں تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا گیا ہے

۳:۔ دوسری تفاسیر اور کتب سے عموماً وہی تشریح و تفسیر درس میں لی گئی ہے جو بیان القرآن سے مطابقت رکھتی ہے۔

۴:۔ اکثر درس میں تشریح اور تفسیر کے دوران جہاں مناسب اور ضروری سمجھا گیا وہاں اسم گرامی مفسر کی تصریح کر کے اُن کی عبارت بمعہ حوالہ کتاب کے نقل کی گئی ہے۔ ورنہ علمائے محققین یا مفسرکرام کا قول کہہ کر عبارت کو نقل کر دیا گیا ہے۔

۵:۔ چونکہ یہ درسِ قرآن خاص طور پر عوام الناس اردو خواں عورتوں اور مردوں اور طلبہ و طالبات کے لئے مرتب کیا گیا ہے اس لئے اس میں منطقی و فلسفیانہ دلائل عالمانہ تقریر یا طالبعلمانہ بحث یا ایسے دقیق مضامین جو عوام کی استعداد اور سمجھ سے باہر ہوں اختیار نہیں کئے گئے۔

۶:۔ عام قارئین کی سہولت اور صحیح تلفظ کی غرض سے اس درسِ قرآن میں اسماء و اعلام اور تاریخی مقامات و جگہوں کے نام اعراب کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔

۷:۔ ہر سورۃ کے ابتدائی درس میں سورۃ کی وجہ تسمیہ۔ مقام و زمانہ نزول۔ شانِ نزول۔ فضیلت و خصوصیت تعداد آیات۔ کلمات و رکوعات۔ تاریخی پس منظر۔ خلاصہ مضامین سورۃ وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔

۸:۔ ہر سورۃ کے خاتمہ کے درس میں پوری سورۃ کے ہر رکوع کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے تاکہ ختم سورۃ کے بعد پوری سورۃ کے مضامین کا مفہوم پھر تازہ ہو جائے۔

۹:۔ ہر درس میں گذشتہ درس سے ربط اور اگلے درس کا تعلق بھی بیان کیا گیا ہے۔

۱۰:۔ عموماً ہر درس دس پندرہ منٹ کے وقت میں پڑھنے کا رکھا گیا ہے۔ اگر کوئی درس طویل مضمون اور تفسیر و تشریح پر مشتمل ہے تو اسکو کئی ضروری حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ ہر حصہ دس پندرہ منٹ روزانہ کے وقت کا رہے۔

۱۱:۔ قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح کے ساتھ متعلقہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ ضروری شرح بھی بیان کی گئی ہیں۔

۱۲:۔ درس کے مضمون کی مناسبت سے غیر مسلموں یا گمراہ بیدین فرقوں کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا ازالہ اور ان کے الزام کی تردید کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

Marfat.com

۱۳۔ قرآنی مضمون کی مناسبت سے ہر درس میں تفسیر و تشریح کے بعد جو عبرت و نصیحت مسائل و احکام تاکید و تنبیہ۔ وعید و بشارت قارئین و سامعین کو زمانہ حال سے متعلق پہنچانا مقصود ہے اس کا بیان بھی التزام کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۱۴۔ قرآنی آیت یا آیات کی مناسبت سے جہاں مناسب خیال کیا گیا متعلقہ فقہی مسائل حنفیہ مسلک کے بیان کیے گئے ہیں۔

۱۵۔ بعض قرآنی آیت سے متعلق بزرگانِ دین اہل اللہ مشائخ طریقت کے مجرب عملیات بھی نقل کر دیئے گئے ہیں تاکہ عوام مسلمین بوقتِ ضرورت اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

۱۶:۔ درس قرآن کے صرف جلد اوّل میں قارئین کے ذوق و شوق تلاوتِ قرآن کو بڑھانے اور قرآن پاک سے مناسبت اور اس کی عظمت پیدا کرنے کے لئے اور اتباع قرآن کا جذبہ ابھارنے کے لئے ایک چہل حدیث در فضائل قرآن کریم اور دوسری چہل حدیث بعض سورتوں اور آیات کے مخصوص فضائل میں بطور مقدمہ شامل کی گئی ہے۔ پھر ایک باب قرآنی دعاؤں کے متعلق ہے جس میں دعا کی حقیقت کو بتلایا گیا ہے تاکہ قرآنی دعاؤں سے دلچسپی پیدا ہو اور ان کے ورد کی توفیق نصیب ہو۔ نیز قرآنی معلومات میں اضافہ کی غرض سے قرآنی سورتوں کی ایک فہرست بحساب ترتیب اور مکمل فہرست دروس و مضامین تفسیر یہ جلد اوّل پیش کی گئی ہے۔

۱۱:۔ میں کوئی ادیب یا ماہر لسان و زبان نہیں ہوں اس لئے ہو سکتا ہے کہ کہیں کسی درس میں جو زبان استعمال ہوئی ہے وہ ٹوٹی پھوٹی ہو اور معیاری نہ ہو تو اس کا خیال نہ فرمایا جائے بلکہ نفس مضمون کو ملاحظہ اور غور کیا جائے۔

۱۲:۔ یہ درس قرآن اس زمانہ میں تحریر کیا گیا ہے جبکہ پاکستان میں دین کے حقیقی درمندوں کو خون کے آنسو رونے پڑ رہے تھے۔ بیدینی کا دور دورہ تھا کہیں قادیانی اسلام اور مسلمانوں کی جڑ کاٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ کہیں پرویزیت کے جال پھیلائے جا رہے تھے۔ کہیں منکرین حدیث نے زور پکڑ رکھا تھا۔ کبھی کوئی فتنہ اور کبھی کوئی فتنہ ظہور میں آ رہا تھا۔ اس لئے احقر مؤلف کا لہجہ کہیں کچھ سخت اور الفاظ تنبیہ میں کچھ تشدد سا آگیا ہے جو طبعاً ایک درمند کے قلم سے ماحول سے متاثر ہو کر نکلے ہیں جس میں احقر کو معذور سمجھا جائے۔ جس سے تعلق ہوتا ہے اسی سے شکایت بھی کی جاتی ہے۔

۱۳:۔ میرا طرزِ عمل اس درسِ قرآن کو مسجد میں سنانے کا حسبِ ذیل رہا ہے:۔

۱:۔ آدابِ تلاوتِ قرآن کریم کے مطابق پہلے زبانی جہر سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا۔

۲:۔ قرآن شریف کی اس آیت یا آیات کی تلاوت جہر سے جس کی تفسیر و تشریح مقصود بیان ہے

۳:۔ مطلوبہ آیت یا آیاتِ قرآنی کی تلاوت کے بعد جہر سے صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم پڑھنا۔

۴:۔ تلاوت کردہ آیت یا آیات کا لفظی اُردو ترجمہ سنانا۔

۵:۔ اس کے بعد تفسیر و تشریح پڑھ کر سنانا۔

۶: تفسیر و تشریح کے خاتمہ پر قدرے بلند آواز سے دُعا مانگنا۔ جو ہر درس کے ساتھ تحریر ہے اور مضمون درسِ قرآن کے مناسب ہوتی ہے۔

۷:۔ جملہ دَاخِرُدَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن پر دُعا ختم کرنا۔

۸:۔ جب کبھی درس میں آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی تو بعد دُعا کے سامعین و حاضرین کو سجدۂ تلاوت کر لینے کی تاکید و یاد دہانی کر دینا۔

اس لئے جو حضرات اس مطبوعہ درسِ قرآن کو مساجد میں۔ مجالس میں گھروں میں یا دیگر مجامع میں پڑھنا اور سنانا چاہیں تو وہ مذکورہ بالا طریقہ اختیار کریں بہترین وقت اس درسِ قرآن کے لئے مساجد میں بعد نماز فجر کا ہے۔ گھروں میں سنانے کے لئے جو وقت سب اہل خانہ کی سہولت کا ہو وہ مقرر کر لیا جائے مگر یہ خیال رہے کہ جہاں جو وقت مقرر کر لیا جائے تو پڑھنے اور سننے والے سب اس کی پابندی کریں اور اسی معینہ وقت پر ذوق و شوق سے جمع ہو جایا کریں۔

۱۴:۔ چونکہ اپنے گمان کے موافق میں اُمید قوی رکھتا ہوں کہ اس درسِ قرآن کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے سے نہ صرف اہلِ اسلام کی اصلاح اور دین میں پختگی و استقامت اور یقیناً روحانی ترقی نصیب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ بلکہ ایک غیر مسلم بھی اگر اس درسِ قرآن کا خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرے تو ناممکن ہے کہ قرآن کی حقانیت اور دینِ اسلام کی صداقت اس کے دل میں گھر نہ کر لے۔ اس لئے میں یہاں یہ عام اجازت بھی دیتا ہوں کہ اگر کوئی صاحبِ علم و فضل یا ادارہ اشاعتِ دین اس درسِ قرآن کا پورا پورا ترجمہ کسی دوسری زبان مثلاً سندھی پشتو۔ بلوچی۔ بنگالی۔ فارسی۔ انگریزی۔ ہندی۔ چینی، جاپانی۔ فرانسیسی۔ جرمنی۔ ترکی وغیر زبان میں کرنا چاہیں تو احقر مؤلف کی طرف سے اس کی اجازت ہے مگر یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ عبارت درسِ قرآن کی پوری کی پوری ترجمہ کریں۔ اختصار کر کے پھر ترجمہ کرنا یہ مناسب نہیں اور اس میں بعض خدشات ہیں اس لئے ایسا نہ کیا جائے۔ اور اگر اس امر کی اطلاع احقر مؤلف و ناشر ادارہ اشاعت القرآن کر دی جا سکے تو یہ ہمارے لئے باعث مسرت ہوگا۔

۱۵:۔ ایک التماس صاحبِ علم و فضل حضرات سے یہ ہے کہ اگر اس درسِ قرآن میں کہیں کوئی لغزش اور فروگذاشت قابلِ اصلاح نظر آئے تو احقر مؤلف یا ادارہ اشاعت القرآن کو مطلع فرمائیں تاکہ ممکن اصلاح کی طرف توجہ کیا جا سکے۔

۱۶:۔ اس عرضداشت کے اخیر میں دست بدعا ہوں کہ:۔

۱:- حق تعالیٰ اُن تمام اکابر اور علمائے اُمت اور مفسرینِ کرام کو بہترین جزائے خیر عطا فرمادیں اور ان کے درجات بلند فرمادیں اور ان کو اپنا قرب خاص عطا فرمادیں جنہوں نے قرآن و حدیث کو سمجھانے کے لئے تفاسیر۔ ترجمے۔ حاشیئے۔ شروح اور کتب دینیہ تصنیف و تالیف فرما کر اُمت کو دین پہنچانے کا فریضہ ادا کیا اور ہمارے لئے دین کا سمجھنا آسان سے آسان کر دیا۔

۲:- یا مولائے کریم! میری اس خدمت کو جو آپ ہی کی توفیق۔ آپ ہی کی دی ہوئی صحت و قوت اور آپ ہی کی بخشی ہوئی ہدایت سے یہ درس قرآن لکھا۔ پڑھا اور سنایا گیا اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے اور اس میں جو کوتاہیاں مجھ سے سرزد ہوئی ہوں اور ظاہری و باطنی آداب قرآن میں جو تقصیرات سرزد ہوئی ہوں ان کو اپنے کرم سے معاف فرما دیجئے اور اس درسِ قرآن کو میرے اور میرے والدین اور میرے متعلقین و اہل و عیال اور میرے اعزا و اقارب و محبین کے لئے باعثِ مغفرت و نجاتِ آخرت بنا دیجئے۔ آمین۔

۳:- یا اللہ اس درسِ قرآن کی تکمیل میں یعنی اس کی کتابت۔ طباعت۔ نشر و اشاعت میں جس طرح بھی جن حضرات نے معاونت کی ہے ان سب کی کوشش و سعی کو قبول فرما اور ان سب کے لئے اجرِ عظیم مقدر فرما اور سب کو اپنی مغفرت و رحمت سے دین و دنیا میں سرفراز فرما۔ آمین۔

۴:- یَارَبُّ الْعِزَّتْ اس درسِ قرآن کے قارئین و سامعین کو اپنے کلامِ پاک کی سچی محبت و عظمت نصیب فرما۔

یا اللہ جملہ قارئین و سامعین کو جو قرآنی احکام و ہدایات معلوم ہوں اُن پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عزم و جذبہ عطا فرما۔ اور اپنے دین کی خدمت کا کوئی نہ کوئی حصہ ان سب کے لئے مقدر فرما۔ آمین۔

۱۷:- قارئین و سامعین حضرات جو اس درسِ قرآن کا جہاں بھی پڑھنے سننے کا معمول رکھیں وہ اس احقر ناکارہ کو بھی اپنی دعاءِ خیر میں شامل فرمالیا کریں۔ یہ ان حضرات کا اس حقیر فقیر عاصی گنہ گار بندہ کمترین پر احسانِ عظیم ہوگا۔ اور اسی التماس پر اپنی عرضداشت کو ختم کرتا ہوں۔

واللہ الموفق والمعین۔

راقم احقر بندہ محمد احمد عفی عنہ
اے ۲ ۴۷ - بلاک ایچ - شمالی ناظم آباد
کراچی ۳۳ - پاکستان
(فون نمبر ۶۶۲۵۹۱۲)

مورخہ یکم جنوری ۱۹۷۷ء
مطابق ۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ

۲۳۵۹

Marfat.com

درسِ قرآن جلد اوّل پر علمائے کرام و مشائخ عظام کی آراء و تقریظات سے متعلق معروض مؤلف

نحمدہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان و انعام و اکرام ہے کہ جو اس درس قرآن کے جلد اوّل کی کتابت و طباعت کی تکمیل ہو کر اشاعت کی نوبت آئی۔ اِس احقر و ناکارہ کی خواہش تو یہی تھی کہ طباعت سے قبل اس جلد اوّل کو کوئی محقق و متبحر عالم از ابتدا تا انتہا حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمالیں تاکہ ان کی توثیق و تصدیق کے بعد اشاعت ہو سکے مگر احقر اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا اور جن بزرگ و محترم سے یہ استدعا کی گئی انہوں نے اپنی دینی مصروفیات کی بنا پر اس امر سے معذوری ظاہر فرمائی۔

پھر خیال ہوا کہ طباعت کے بعد اشاعت سے پہلے جلد اوّل ہذا کو متعدد حضرات علمائے کرام و مشائخ عظام کی خدمت میں پیش کیا جائے اور ان حضرات کی جو آراء موصول ہوں اُن کو عام مسلمین و قارئین درس قرآن کی معلومات کے لئے طبع کرا کے جلد ہٰذا میں شامل کر دیا جائے اور جلد اوّل کی جلد سازی اس وقت تک التوا میں رکھی جائے مگر اس گمان سے کہ شاید بعض آراء کے موصول ہونے میں چند ماہ کا عرصہ لگ جائے اور کتاب کی اشاعت میں مزید تاخیر کا باعث ہو اس لئے بعض مخلصین و محبین کے مشورہ سے فیصلہ توکل علی اللہ یہ کیا گیا کہ فی الحال جلد اوّل کو اشاعت و طباعت کے بعد متعدد حضرات کی خدمت میں بغرض تقریظ پیش کر دیا جائے۔ خصوصاً مندرجہ ذیل اکابرین کی خدمت میں۔ اور ان مکرم و محترم و مقدس ہستیوں کے جو کلمات متبرکہ موصول ہوں اُن کو بہ اطمینان درس قرآن جلد دوم کی اشاعت میں بطور دیباچہ و تمہید شامل کر کے مشتہر کر دیا جائے۔ بعدہٗ اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا اور جلد اوّل کے دوسرے ایڈیشن کو طبع کرانے کی نوبت آئی تو پھر یہ آراء تبصرے و تقریظات متعلق جلد اوّل۔ جلد اوّل ہی کا تتمہ بنا کر شامل کتاب کیے جائیں گے۔ اور یہی مذکورہ بالا طریقہ کار آئندہ ہر جلد درس قرآن کے متعلق اختیار کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ (۱) بقیۃ السلف و حجۃ الخلف شیخ الحدیث حضرت الحافظ مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی مہاجر مدنی۔ دامت برکاتہم و فیوضہم

(۲) حضرت علامہ محمد یوسف بنوری مدظلہ العالی شیخ الحدیث مدرسہ العربیہ الاسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی

(۳) حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ العالی۔ امیر جمعیت علمائے اسلام پاکستان

(۴) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی ناظم عمومی جمعیۃ علمائے اسلام و صدر پاکستان قومی اتحاد
(۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ۔ دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک۔ پشاور۔ پاکستان۔
(۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر مدظلہ مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ۔ پاکستان
(۷) حضرت مولانا الحاج محمد مالک کاندھلوی مدظلہ۔ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ۔ لاہور
(۸) شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب مدظلہ دارالعلوم تعلیم القرآن۔ راولپنڈی
(۹) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدیر ماہنامہ بینات۔ کراچی
(۱۰) حضرت علامہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی مدظلہ (سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)
مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن۔ کراچی
(۱۱) شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب مدظلہ۔ ناظم آباد۔ کراچی
(۱۲) حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ۔ ٹنڈو الہ یار۔ سندھ
(۱۳) جناب مولانا محمد تقی صاحب عثمانی۔ مدیر ماہنامہ البلاغ۔ دارالعلوم کورنگی۔ کراچی۔
(۱۴) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ خطیب جامع مسجد مدنی و امیر تحریک
خدام اہل سنت۔ چکوال (ضلع جہلم)
(۱۵) جناب الحافظ الحاج القاری مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ۔ ناظم جامعہ اسلامیہ
کشمیر روڈ۔ راولپنڈی

۲۔ فی الحال اس سلسلہ میں احقر مؤلف اپنی انتہائی خوش نصیبی اور سعادت سمجھ کر اپنے نہایت ہی مشفق و کرم فرما بزرگ و شیخ مخدوم محترم حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان کے ایک گرامی نامہ کو تبرکاً نقل کرتا ہے جو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رحلت سے ایک ماہ چھ یوم قبل ۴ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو احقر کے ایک عریضے کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جس میں درس قرآن کی مقبولیت کی دعاء کے ساتھ اس کے نافع اور مفید ہونے کی امید بھی ظاہر فرمائی گئی تھی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی دعاء کو قبولیت سے سرفراز فرمائیں اور حضرت کی امید و گمان کے موافق امت مسلمہ کے لئے اس درس قرآن کا نافع اور مفید ہونا ثابت فرمائیں۔ آمین

دوسرا گرامی نامہ (اقتباس) اپنے مربی و شیخ عارف باللہ جامع شریعت و طریقت۔ محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ اجل حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ۔ محی السنۃ مرشدنا و مولانا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کا پیش کر کے دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ میرے حق میں حضرت شیخ کی دعا مقبول فرمائیں۔

Marfat.com

تیسرا دعائیہ گرامی نامہ (اقتباس) اپنے محترم وکرم فرما بزرگ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامع اشرفیہ لاہور کا پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور حق جلّ وعلا کی بارگاہ عالی میں درخواست و دُعا کرتا ہوں کہ حضرت والا کے کلمات دعائیہ کو قبولیت بخشیں اور اس درس قرآن کی اشاعت سے مسلمانوں کو بیش از بیش مستفیض فرمائیں۔ آمین

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر دارالعلوم کراچی کا گرامی نامہ بنام احقر مؤلف

برادر محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ سے مسرور فرمایا۔ پاؤں میں چوٹ لگنے کی خبر سے فکر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ جلد صحتِ کاملہ عطا فرماویں۔ میں تو بیمار کمزور ہو کر بیکار ہی ہو گیا ہوں۔ اب آپ بھی ضعیف ہو گئے ہیں۔ یہاں تکلیف کرنے کی زحمت نہ فرماویں۔ بس غائبانہ دعا میں یاد رکھیں تو یہ سب سے بڑی نعمت ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے اعمال رمضان میں مشغول ہوں گے۔ مجھ ناکارہ کے پاس تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں۔ آپ کے لئے دعاء صحت و عافیت کرتا ہوں۔ اور یہ کہ جو دن [illegible] کے مقدر ہیں ان کو خالص اپنی طاعات میں عافیت کے ساتھ صرف فرماویں۔ آپ سے بھی [illegible] دعا کی درخواست ہے۔

درس قرآن کا سلسلہ جاری ہونے سے مسرت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

ترجمہ سے متعلق جو کچھ یادداشتیں تحریر فرمائی ہیں اُمید ہے کہ بہت نافع اور مفید ہونگی۔ احقر کی نہ تو اب نظر رہی نہ دماغ۔ اس لئے دیکھنے سے بالکل معذور ہو گیا ہوں۔ بہرحال اگر تشریف لائیں گے تو مشورہ ہو جائیگا۔ والسلام

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۵ ۹/۶۲

Marfat.com

نقل عریضۂ احقر (اقتباس)	جواب حضرت مولانا صاحبؒ (اقتباس)
حضرت اقدس مخدومی محترمی ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ	مکرم ومحترم زاد مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ
الحمد للہ کہ دفتر سے جو وقت فارغ ملتا ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر اور کتب حدیث کے مطالعہ میں صرف ہوتا ہے۔ صبح بعد نماز فجر بیان القرآن سے ایک دو آیت کا ترجمہ و تفسیر پڑھ کر نمازیوں کو سنا دیتا ہوں اور بعد نماز عشا حضرت مولانا بدر عالم صاحب مدنی مدظلہٗ کی کتاب "ترجمان السنۃ" سے ایک دو حدیث اور اس کی تشریح سنا دیتا ہوں۔ الحمد للہ یہ سلسلہ کافی عرصہ سے قائم ہے۔	آمین۔ بہترین معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے
اللہ تعالیٰ اس خدمت کو میری نجات کا ذریعہ بنا دیں۔ والسلام۔ احقر الخدام بندہ محمد احمد عفا عنہٗ کراچی ۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۴ھ	فقط والسلام بندہ عبدالرحمٰن غفرلہٗ ۱۶ ۷/۶۴ ء

اقتباس از گرامی نامہ از حضرت الحاج مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہٗ العالی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور بنام احقر مؤلف

گرامی قدر محترم و مکرم زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

..... آپ کے گرامی نامہ کو پڑھ کر خوشی ہوئی خاص طور سے اس بات سے کہ آپکے مرتب کردہ درس قرآن کی اشاعت کا حق تعالیٰ نے بندوبست فرمایا۔ اللہ رب العزت موجب خیر و برکت فرمائے اور علم قرآن و حدیث کی اشاعت سے مسلمانوں کو بیش از بیش مستفیض فرمائے۔ آمین

..... فقط والسلام۔ محمد مالک غفرلہٗ ۳ صفر الخیر سنہ ۱۳۹۷ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ دِیْنِھَا بَعَثَہُ اللّٰہُ فَقِیْھًا وَکُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ شَافِعًا وَّشَھِیْدًا ۝

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری اُمت کے لئے اُن کے دینی امور میں چالیس حدیثیں محفوظ کریگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو قیامت میں عالم اُٹھائیگا اور میں اس کے لئے سفارشی اور گواہ ہوں گا)

چہل حدیث (اوّل)

در

فضائل قرآن مجید

مُرتّبہ

احقر العباد بندہ محمد احمد عفا اللہ عنہٗ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

چہل حدیث در فضائلِ قرآن مجید

قرآنِ پاک کی سب سے بڑی فضیلت بلکہ سب فضیلتوں کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ رب العلمین کا کلام ہے۔ جو سرورِ کائنات فخرِ موجودات خاتم الانبیاء امام المرسلین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور بلا کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے بعینہٖ آج تک محفوظ ہے۔

لائق شاگرد اپنے اساتذہ کے علمی افادات کی قدر کرتے ہیں۔ سعادت مند مریدوں کو اپنے پیرانِ طریقت اور مشائخ کے مکتوبات اور تبرکات سے عشق ہوتا ہے وہ ان کے ایک ایک تبرک کو حرزِ جان بنا کر رکھتے ہیں عشاق کا معاملہ تو اس سے بھی آگے ہے۔ سنا ہے کہ مجنوں اُس کتے کے بھی قدم چومتا تھا جس پر اس نے کبھی لیلےٰ کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ؎

پائے سگ بوسیدہ مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود + گفت گاہے گاہے ایں در کوئے لیلیٰ رفتہ بود

قرآن پاک حق جل جلالہٗ اور رسولِ عربی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ زندہ اور پائندہ تبرک اور وثیقۂ ہدایت ہے جس میں کسی قسم کے شک اور ریب کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ اگر مسلمان پوری طرح اس حقیقت کو سمجھ لیں تو قرآن پاک کا درجہ و مرتبہ معلوم کرنے کے لئے اِس کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی علاوہ ازیں خود حق تعالےٰ جلّ و علےٰ نے اس کِتَابٌ مُّبِیْن کا ذکر جن بلند کلمات میں کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ ساری فضیلتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ کبھی اس کو اَحْسَنَ الْحَدِیْث فرمایا کبھی اس کا نام ھُدًی اور رَحْمَۃٌ رکھا۔ کہیں اسکو شِفَآء اور نُوْرٌ مُّبِیْن بتایا۔ کسی جگہ اس کو بُرْھَانٌ فُرْقَان اور حَبْلُ اللّٰہ قرار دیا۔ کبھی اس کا نام مَوْعِظَۃٌ وَّرَحْمَۃٌ بتلایا۔ تو کہیں اس کے بارہ میں تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْئٍ فرمایا اور ایک جگہ خود ہی اس کے بارہ میں شہادت دی لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ الغرض قرآنِ پاک کے درجے اور بلند مرتبہ کا اندازہ کرنے کے لئے صرف یہی ارشاداتِ قرآنی کافی ہیں اور احادیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تو اس کے اسقدر فضائل وارد ہوئے ہیں کہ علمائے کرام نے اسی موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ یہاں ہم اس سلسلہ کی صرف چالیس حدیثیں مسلمانوں کے دلوں میں قرآن پاک کی عظمت اور

اس کی محبت اور اس کی طرف رغبت پیدا کرنے کے لئے نقل کرتے ہیں وَاللّٰہ الموفق والمعین۔

حدیث نمبر ۱:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الٓمٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف میم ایک حرف ہے۔ (دارمی)

(ف) یعنی قرآن پاک سے صرف الٓمٓ پڑھنے سے تیس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوگا۔

حدیث نمبر ۲:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اَبُوذَر رضؓ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے اَبُوذَر اگر تو صبح کو جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس وقت وہ معمول بہ ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

حدیث نمبر ۳:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالےٰ سبحانہٗ وتقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالےٰ شانہٗ کو تمام مخلوق پر (ترمذی)

حدیث نمبر ۴:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے (بخاری)

حدیث نمبر ۵:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جاویگا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی [illegible] اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر ۶:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت میں داخل فرماویں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارہ میں اس کی شفاعت قبول فرماویں گے جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو (ابن ماجہ۔ دارمی و ترمذی)

حدیث نمبر ۷:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔ (ترمذی)

حدیث نمبر ۸:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور قرآن پاک میں دیکھ کر پڑھنا دو ہزار تک بڑھ جاتا ہے۔ (بیہقی)

Marfat.com

حدیث نمبر۹:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ اُن کی صفائی کی کیا صورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد رکھنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ (بیہقی)

حدیث نمبر۱۰:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اللہ جل شانہٗ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہٗ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔ (الحاکم)

حدیث نمبر۱۱:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے لئے لوگوں میں سے بعض لوگ خاص گھر کے لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ قرآن شریف والے کہ وہ اللہ کے اہل ہیں اور خواص (نسائی۔ ابن ماجہ)

حدیث نمبر۱۲:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑالو ہے کہ جس کا جھگڑا تسلیم کر لیا گیا۔ جو شخص اُس کو اپنے آگے رکھے اس کو یہ جنت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اس کو پسِ پشت ڈال دے اسکو جہنم میں گرا دیتا ہے (ابن حبان)

حدیث نمبر۱۳:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اِس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔ (مسلم)

(ف) بعض مشائخ سے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ بندہ ایک سورۃ کلام پاک کی شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ فارغ ہو اور دوسرا شخص ایک سورۃ شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے ختم تک اُس پر لعنت کرتے ہیں۔ بعض علماء سے منقول ہے کہ آدمی تلاوۃ کرتا ہے اور خود اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ قرآن شریف میں پڑھتا ہے :۔
اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ اور خود ظالم ہونے کی وجہ سے اس وعید میں داخل ہوتا ہے۔
اسی طرح پڑھتا ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اور خود جھوٹا ہونے کی وجہ سے اِس کا مستحق ہوتا ہے (فضائل القرآن)

حدیث نمبر۱۴:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے تاکہ اس کی وجہ سے کھاوے لوگوں سے، قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا (بیہقی) یعنی جو لوگ قرآن شریف کو طلب دنیا کی غرض سے پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

حدیث نمبر۱۵:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا :۔

Marfat.com

یارسُول اللہ مجھ کو کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرتے رہنے کو اپنے اوپر ضروری سمجھ لو کیونکہ یہی تمام اچھے کاموں کی جڑ ہے۔ اَبُوذَر رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا یارسُول اللہ کچھ اور وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا تلاوتِ قرآن کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ کیونکہ تلاوتِ قرآن تمہارے لئے زمین میں نور اور آسمان (یعنی آخرت) میں ذخیرہ ہے۔ (ابن حبان)

حدیث نمبر۱۶:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز اور قرأت قرآن سے اپنے اپنے گھروں کو منوّر کرو۔ (بیہقی)

حدیث نمبر۱۷:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن خوف دامنگیر نہ ہوگا۔ نہ ان کو حساب کتاب دینا پڑیگا۔ جب تک مخلوق اپنے اپنے حساب کتاب سے فارغ ہوگی۔ وہ مشک کے ٹیلوں پر تفریح کریں گے۔ ایک وہ شخص جس نے صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر قرآن پڑھا اور ان لوگوں کی اس نے امامت کی جو اُس سے راضی ہیں۔ دوسرا وہ شخص جو خالص رضاء الٰہی کی خاطر لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہو۔ تیسرا وہ شخص جو اپنے ماتحتوں سے اچھا برتاؤ کرے۔

(معاجم ثلاثہ للطبرانی)

حدیث نمبر۱۸:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے سایہ تلے ہونگی ان میں ایک قرآن ہے جو اپنے پڑھنے والے بندوں کے لئے جھگڑے گا (یعنی باصرار و الحاح شفاعت کرے گا) (شرح السنہ)

حدیث نمبر۱۹:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حَسَد کی اجازت نہیں مگر دو شخصوں پر ایک وہ جو قرآن مجید پڑھا ہو اور وہ اس کی تلاوت میں دن رات مشغول رہتا ہو۔ دوسرا وہ جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو دن رات اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو (بخاری و مسلم)

(ف) اس حدیث میں حَسَد سے مراد غِبطَہ ہے۔ غِبطَہ اور حَسَد میں فرق یہ ہے کہ کسی شخص کی نعمت کے زائل ہونے کی خواہش کرنا حَسَد ہے اور اس نعمت کی اپنے لئے خواہش کرنا بغیر اس کے کہ دوسرے شخص سے زائل ہو غِبطَہ ہے۔ غِبطَہ مطلقاً جائز اور حَسَد مطلقاً ناجائز ہے۔

حدیث نمبر۲۰:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ جمع ہوکر اللہ کے گھروں (مسجدوں) میں کلام پاک کی تلاوت اور اس کا ورد کرتے ہیں۔ ان پر اللہ کی طرف سے سکینہ نازل ہوتا ہے۔ اور رحمت کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور رحمت کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ان لوگوں کا ذکر فرشتوں کی مجلس میں کرتے ہیں۔ (مسلم۔ ابوداؤد)

حدیث نمبر۲۱:- حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کو قرآن نے جس کی شفاعت

Marfat.com

کی وہ نجات پا جائیگا۔ اور جس کے ساتھ قرآن نے جھگڑا کیا (اور اس کی شکایت کی) تو اُس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیگا۔ (علی قاریؒ)

حدیث نمبر ۲۲:۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کتاب اللہ کی کسی کو ایک آیت بھی سکھائی تو وہ اس کا آقا ہے۔ پھر اس کو مناسب نہیں کہ وہ اس کو چھوڑے۔ اگر وہ ایسا کریگا تو (گویا) اس نے اسلام کے حلقوں میں سے ایک حلقہ کو توڑ ڈالا (یعنی اس نے بہت سخت گناہ کیا) (بیہقی۔ طبرانی)

حدیث نمبر ۲۳:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابوہریرہ قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور جب تک تم کو موت آئے اس میں مشغول رہو۔ اگر تم کو اسی مشغولیت میں موت آگئی تو سمجھ لو کہ تمہاری قبر پر فرشتے اس طرح آئیں گے جس طرح مسلمان بیت اللہ کے حج کو جاتے ہیں۔ (علی قاریؒ)

حدیث نمبر ۲۴:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب (دنیا میں بہت سے) فتنے پیدا ہوں گے۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ پھر ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ کتاب اللہ کا اتباع۔ اس میں اگلے اور پچھلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے معاملات کا اس میں فیصلہ ہے۔ وہ کوئی ژٹل بات نہیں ہے بلکہ وہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کا واحد معیار ہے جو ظالم اس کو چھوڑیگا اور اس سے منہ موڑیگا اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کر رکھ دیگا۔ اور جو اس کے سوا (کہیں اور) ہدایت کو تلاش کریگا وہ گمراہ ہوگا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسّی ہے (تم اسی کو پکڑ کر یعنی اس پر عامل ہو کر خدا تک پہنچ سکو گے) اور وہ حکمت والا ذکر ہے۔ وہی سیدھا راستہ ہے (جس پر چلنے سے منزلِ مقصود تک پہنچا جا سکے گا) انسانی خود رائیاں اس میں کجی نہ پیدا کر سکیں گی اور نہ زبانیں اس کو گڑبڑ کر سکیں گی۔ (یعنی وہ ہدایت کی ایک مستحکم دستاویز ہے) اور علماء کی اس سے شکم سیری نہ ہوگی۔ نہ زیادہ پڑھنے پڑھانے سے وہ پرانا ہوگا۔ نہ قیامت تک اس کے عجائبات ختم ہوں گے۔ اس کی ایسی شان ہے کہ جنات نے بھی جب اس کو سنا تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے ایک عجیب طور کا قرآن سُنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو قرآن کے موافق کہے تو وہی سچا ہے اور جو اُس پر عمل کرے تو ثواب پائے اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے تو واقعی انصاف کرے۔ اور جس نے قرآن کی طرف لوگوں کو بُلایا یا اس کو سیدھی راہ دکھائی گئی۔ (ترمذی)

حدیث نمبر ۲۵:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ جب تک ان دونوں کو

Marfat.com

تم لوگ مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہی میں نہ پڑو گے۔ قرآن اور حدیثِ رسول (مشکوٰۃ)

حدیث نمبر ۲۶:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو میں بھی ایک آدمی ہوں۔ قریب ہے کہ میرے پروردگار کی طرف سے کوئی مجھکو بلانے آئے اور میں چلا جاؤں۔ میں تم میں دو گراں چیزیں چھوڑے دیتا ہوں۔ ایک خدا کی مقدس کتاب اس میں نور ہدایت ہے۔ پس تم لوگ اللہ کی کتاب کو مضبوط پکڑو اور اس پر عمل کرو (راوی کہتے ہیں کہ پھر آپؐ نے لوگوں کو اس پر بہت رغبت دلائی) دوسرے میرے اہل بیت۔ میں تم کو خدا کا خوف دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کی رعایتِ حقوق میں (دارمی)

حدیث نمبر ۲۷:۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ یہ قرآن پاک اللہ کا نعمت خانہ ہے۔ اس سے لو جس قدر لے سکو۔ میرے نزدیک اس گھر سے زیادہ کوئی بے برکت مقام نہیں جس گھر میں خدا کی کتاب نہ ہو اور بیشک وہ دل جس میں کچھ بھی قرآن نہ ہو ایک ویران گھر ہے جس میں کوئی رہنے والا نہیں (دارمی)

حدیث نمبر ۲۸:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن کو یاد کر کے بھول جائے وہ قیامت کے دن جذامی ہوگا (بخاری)۔ معاذ اللہ

حدیث نمبر ۲۹:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھے اس کو اکہرا ثواب ملے گا اور جو اس کو سنے اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ (دارمی)

حدیث نمبر ۳۰:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے قرآن کی تلاوت خدا کے راستہ میں کی (یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے) اس کو صدیقین اور شہداء اور صالحین کی معیت حاصل ہوگی۔

(اخرج احمد من حدیث معاذ رضی اللہ عنہ)

حدیث نمبر ۳۱:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے اعمال مجھ پر پیش کئے گئے (شب معراج میں یا اور کسی وقت) یہاں تک کہ وہ تنکا پیش کیا گیا جس کو مسجد سے نکالتا ہے اور میری امت کے گناہ مجھ پر پیش کئے گئے تو میں نے کوئی گناہ زیادہ بڑا اس سے نہ پایا کہ آدمی کوئی سورۃ یا آیت قرآن کی یاد کر کے بھلا دے (ترمذی)

حدیث نمبر ۳۲:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے تمام آسمانوں اور زمین اور ان چیزوں سے جو اس میں ہیں (دارمی)

حدیث نمبر ۳۳:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے افضل ہے۔ اور بغیر نماز کی تلاوت تسبیح و تکبیر سے افضل ہے اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزہ سے افضل ہے اور روزہ بچاؤ ہے آگ سے۔ (بیہقی)

حدیث نمبر ۳۴:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کے لئے کوئی شرافت و افتخار ہوا کرتا ہے۔

Marfat.com

جس سے وہ تفاخر کیا کرتا ہے۔ میری امت کی رونق اور افتخار قرآن شریف ہے۔ (الحلیہ)

حدیث نمبر ۳۵:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دس آیتوں کی تلاوت کسی رات میں کرے وہ اس رات میں غافلین سے شمار نہیں ہوگا۔ (الحاکم)

حدیث نمبر ۳۶:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن شریف کی خبر گیری کیا کرو قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قرآن پاک جلد نکل جانے والا ہے سینوں سے بہ نسبت اونٹ کے اپنی رسیوں سے (بخاری مسلم)

حدیث نمبر ۳۷:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھ لیا اس نے علم نبوت کو اپنے پہلو میں لے لیا۔ فرق یہ ہے کہ اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی۔ صاحب قرآن کو مناسب نہیں کہ غصہ والوں کے ساتھ غصہ کرے یا جاہلوں کے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرے۔ حالانکہ اس کے پیٹ میں کلام اللہ ہے (حاکم)

حدیث نمبر ۳۸:۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ فرمایا جو تلاوت قرآن پاک کرتا ہے۔ گویا وہ اللہ پاک سے ہم کلام ہوتا ہے پس جو چاہے کہ رب العزت سے ہمکلام ہو تو زیادہ سے زیادہ تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو (مسند ابی شیبہ)

حدیث نمبر ۳۹:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کو اُس وقت تک پڑھو جب تک اس میں دل لگا رہے پس جب طبیعت گھبرا جائے تو اٹھ کھڑے ہو (بخاری و مسلم)

حدیث نمبر ۴۰:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمین پر جب کوئی کتاب اللہ گر پڑتی ہے تو اس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیج دیتا ہے۔ وہ فرشتے اپنے پروں سے اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں میں سے کسی کو بھیجدیتا ہے وہ اس کو زمین سے اُٹھالیتا ہے۔ اور جو زمین سے کسی ایسی تحریر کو اٹھالے جس میں اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے نام کو (علیین میں) بلند کریگا اور اس کے ماں باپ کے عذاب میں کمی کر دیگا۔ اگرچہ اس کے ماں باپ کافر ہوں۔ (رواہ الصغیر طبرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چالیس احادیث قرآن پاک کی عظمت و رفعت کا اندازہ کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ مزید ترغیب کے لئے چار ارشادات صحابہ کرام۔ تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین سے بھی ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں :۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نفلی روزے کیوں کم رکھتے ہیں ؟ آپ نے جواب دیا کہ میں جب نفلی روزے رکھتا ہوں تو قرآن کی تلاوت سے کمزور ہو جاتا ہوں (یعنی خوب تلاوت نہیں کر سکتا) اور نفلی روزہ سے قرآن کی تلاوت میں مشغول رہنا مجھ کو زیادہ پسند ہے (فیض النفع)

Marfat.com

(۲) حضرت ابنِ سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس مکان میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس میں رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور شیاطین اس سے نکل جاتے ہیں۔ اور اہل خانہ کو فراخی حاصل ہوتی ہے اور ان کی خوبیاں زیادہ ہوجاتی ہیں اور جس مکان میں قرآن نہیں پڑھا جاتا۔ اس میں شیاطین آجاتے ہیں اور فرشتے رحمت کے اس مکان سے چلے جاتے ہیں اور اہلِ خانہ پر تنگی ہوجاتی ہے اور اس کی بھلائی کم ہوجاتی ہے۔ (رعایہ)

(۳) امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کو میں نے خواب میں (۹۹) نانوے بار دیکھا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اب کی سوویں مرتبہ اللہ تعالےٰ کو خواب میں دیکھوں گا تو معلوم کروں گا کہ وہ چیزیں جن سے مقربین آپ کا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سب سے افضل کونسی چیز ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں چنانچہ میں نے سوویں مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا یارب! کونسی چیز سب سے افضل ہے جس سے مقربین آپ کی قربت حاصل کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ احمد! وہ چیز میرا کلام (قرآن) ہے۔ میں نے عرض کیا یارب قرآن کے معانی سمجھ کر پڑھنا آپ کی قربت کا سبب بنتا ہے یا بغیر معنیٰ سمجھے ہوئے بھی۔ فرمایا سمجھ کر اور بغیر سمجھ کر دونوں حالتوں میں میرا تقرب حاصل ہوتا ہے۔
(علی قاری۔ زبدہ)

(۴) حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کیمیائے سعادت (اردو ترجمہ اکسیر ہدایت) میں لکھتے ہیں:۔

"اے عزیز جان لے کہ جس نے قرآن شریف سیکھا اس کا درجہ بزرگ ہے۔ پس قرآن کی [illegible] کا خیال رکھے اور اپنے آپ کو بُرے افعال سے بچائے اور ہر وقت مؤدب رہے [illegible] کا ڈر ہے کہ قرآن شریف اس کا دشمن ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اُمت کے بہت سے منافق قرآن خواں ہوں گے اور ابو سلیمان دارانی نے کہا کہ دوزخ کا فرشتہ بہ نسبت بُت پرستوں کے قرآن خواں مفسدوں کو جلدی پکڑے گا۔ توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے تجھے شرم نہیں آتی۔ اگر تجھ کو تیرے بھائی کا خط پہنچے اور تو راستہ میں ہو تو ٹھہر جاتا ہے۔ یا ایک طرف ہو جاتا ہے اور اس کا ایک ایک حرف پڑھتا ہے اور غور کرتا ہے اور یہ میری کتاب میرا نامہ ہے جو میں نے تیری طرف لکھا ہے تاکہ تو اس پر غور کرے اور عمل کرے اور تو اس سے اعراض کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اور اگر پڑھے بھی تو غور نہیں کرتا۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ تم سے پیشتر تھے وہ قرآن شریف کو نامہ سمجھتے تھے جو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو پہنچا۔ رات کو اس پر غور کرتے تھے اور دن کو عمل

کرتے تھے۔ اور تم نے اس کا درس اختیار کر لیا ہے اور اس کے حروف و اعراب کو درست کرتے ہو اور اس کے احکام پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کا صرف پڑھنا ہی مقصد نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا ہے۔ پڑھنا یاد رکھنے کے لئے ہوتا ہے اور یاد رکھنا عمل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اور جو پڑھتا ہے اور عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس غلام کی سی ہے کہ اپنے مالک کا خط اس کو پہنچے اور مالک نے اس کو چند کام کرنے کے لئے لکھا ہو۔ لیکن وہ بیٹھے اور نامہ کو خوش الحانی سے پڑھے اور اس کے حروف خوب درست نکالے اور ان احکام میں سے ایک پر بھی عمل نہ کیا ہو۔ پس ایسا غلام بلا شک و شبہ دشمن اور عذاب کے قابل ہے۔ (اکسیر ہدایت)

الغرض مسلمانوں کے لئے قرآن عزیز سے زیادہ کوئی نعمت نہیں ہے۔ یہ صحیفۂ ربانی سراسر حکمت و موعظت کے انمول جواہر سے لبریز ہے۔ رشد و ہدایت کا ایک بحر ذخار ہے حقائق و معارف کا ایک بے بہا خزانہ ہے۔ دین و دنیا کی فلاح و بہبود کا واحد اور کامیاب ذریعہ ہے۔ وہی ہماری ہر ضرورت کے پورا کرنے کا پکا و سچا ضامن ہے۔ وہ ہمارے لئے اوّل سے آخر تک رحمت ہی رحمت ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ بے شمار مواعظ اور لا انتہا حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس کے امثال و قصص بھی ہمارے لئے عبرت و بصیرت و پند و نصائح کا کبھی ختم نہ ہونے والا ذخیرہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو مضبوط پکڑ لیں۔ اس کی تعلیمات سے بال برابر باہر نہ جائیں۔ اسکے سیکھنے اور سکھانے میں مشغول رہیں۔ ہمارے بچے۔ بوڑھے۔ جوان۔ مرد اور عورتیں سب اس کے بتلائے ہوئے طریقے پر ثابت قدم رہیں۔ اسی سے حکمت و دانشمندی کے سبق حاصل کریں۔ اپنے عقائد و خیالات کی اصلاح اپنے اعمال و اخلاق اور معاملات کے درست رکھنے کا واحد ذریعہ اسی کو بنائیں اور خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہماری دنیا اور آخرت کی زندگی کو درست کرنے کی صرف یہی کتاب ربانی کفالت کر سکتی ہے۔ دعاء :- اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو توفیق بخشیں کہ ہم ہر حال میں قرآن کریم کا اتباع کریں اور قرآنی صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں۔ آمین۔ وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تَمَّتْ بِالْخَیْر

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَھَا وَوَعٰھَا وَاَدّٰی ھَا۔ (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو (خوش اور) شاداب رکھے جس نے میری بات سُنی۔ اسے یاد رکھا۔ اور اس کی حفاظت کی اور اُسے (صحیح طور پر لوگوں تک) پہنچا دیا۔

چہل حدیث (دوم)

بعض قرآنی سورتوں کے فضائل

مرتّبہ

احقر الناس بندہ محمّد احمد عفا اللہ عنہٗ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

سُورَۃ فاتحہ

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے۔
فائدہ :۔ مشایخ نے لکھا ہے کہ اگر سورۃ فاتحہ کو ایمان و یقین کے ساتھ پڑھے تو ہر بیماری سے شفا ہے ہے۔ دینی ہو یا دنیوی۔ ظاہری ہو یا باطنی..... اس سورۃ کو چینی کے برتن پر گلاب اور مشک و زعفران سے لکھ کر اور دھو کر پلانا چالیس روز تک امراض مزمنہ کے لئے مجرب ہے (مظاہر حق)

(۲) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ انہیں نے اوپر کی جانب دروازہ کے کھلنے کی سی آواز سنی پس انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ یہ آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے اور آج ہی کھولا گیا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا اور اس دروازہ سے ایک فرشتہ نکلا اور جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ فرشتہ آج ہی زمین کی طرف اترا ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ پھر سلام کیا اس فرشتے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر) اور کہا خوشخبری ہو آپ کو کہ عطا کئے گئے ہیں آپ کو دو ایسے نور جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے ہیں۔ یعنی فاتحۃ الکتاب (سورۃ الحمد) اور سورۃ بقر کا آخری حصہ (مسلم)

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبَیؓ بن کعبؓ سے پوچھا تم نماز میں کس طرح پڑھتے ہو؟ انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ایسی کوئی سورۃ نہ توراۃ میں نازل کی گئی نہ انجیل میں اور نہ زبور میں نازل کی گئی نہ قرآن میں۔ اس سورۃ میں سات آیتیں ہیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں اور یہ سورۃ قرآنِ عظیم ہے جو مجھ کو دی گئی ہے۔ (ترمذی)

(۴) بخاری شریف کی ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک صحابی سے کہ کیا میں تم کو ایک ایسی سورۃ نہ بتلاؤں جو قرآن کی سورتوں میں سب سے اعظم ہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے (یعنی سورہ فاتحہ) اس میں سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں (بخاری)

(۵) ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابلیس کو اپنے اوپر نوحہ اور زاری اور سر پر خاک ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی اوّل جبکہ اس پر لعنت ہوئی۔ دوسرے جبکہ اس کو آسمان

Marfat.com

سے زمین پر ڈالا گیا۔ تیسرے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اور چوتھے جبکہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ (فضائل قرآن)

(۶) ایک روایت میں رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سونے کے ارادہ سے لیٹے اور سورۂ فاتحہ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھکر اپنے اوپر دم کرلے تو موت کے سوا ہر بلا سے امن پائے (فضائل القرآن)

(۷) ایک روایت میں رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عرش کے خاص خزانے سے مجھ کو چار چیزیں ملی ہیں کہ اور کوئی چیز اس خزانہ سے کسی کو نہیں ملی (۱) سورۂ فاتحہ (۲) آیۃ الکرسی (۳) سورہ بقرہ کی آخری آیات (۴) سورۂ کوثر (فضائل القرآن)

سورۂ بقرہ و آلِ عمران

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے۔ جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم)

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لایا جائے گا قرآن کو اور اس کے پڑھنے والوں کو اور اس پر عمل کرنے والوں کو اس طرح کہ قرآن کی دو سورتیں یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ان کے آگے ہوں گی گویا یہ دونوں سورتیں ابر کے دو ٹکڑے ہیں کہ ان میں چمک ہے یا دو ٹکڑیاں صف بستہ پرندوں کی ہیں جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کریں گی (مسلم)

(۱۰) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ پڑھا کرو سورۂ بقرہ کو اس لئے کہ ہمیشہ پڑھنا اس سورۃ کا موجب برکت ہے اور نہ پڑھنا اس کا موجب حسرت و ندامت ہے اور اس کے پڑھنے کی وہ لوگ طاقت نہیں رکھتے جو سست اور کسلمند ہیں (مسلم)

(۱۱) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے سورہ بقرہ اپنے گھر میں پڑھی تین دن تک شیطان اس میں داخل نہ ہوگا۔ اور جس نے اس کو رات میں پڑھا تو تین رات تک وہاں شیطان نہیں آئے گا (ابن حبان)

(۱۲) ایک روایت میں ہے کہ سورۂ بقرہ جس گھر میں پڑھی گئی۔ جب اس کو شیطان سنتا ہے تو وہاں سے نکل جاتا ہے۔ (ترمذی)

خَوَاتِیمُ الْبَقَرَہ

(۱۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سورۂ بقرہ کے آخر میں دو آیتیں ہیں جو شخص ان کو پڑھے رات میں وہ اس کے لئے کافی ہوتی ہیں یعنی ہر قسم کی آفت اور شر سے اس کو بچاتی ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار

برس پہلے کتاب لکھی یعنی خدا کے حکم سے فرشتوں نے لوح محفوظ پر لکھا۔ پھر اس کتاب میں خدا نے دو آیتوں کو اتارا کہ ان آیتوں پر سورۂ بقرہ ختم ہو جاتی ہے۔ پس جس گھر میں ان آیتوں کو تین رات برابر پڑھا جائے شیطان اس گھر کے قریب نہیں آتا (ترمذی)

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو دو آیتوں پر ختم کیا ہے یہ دونوں آیتیں مجھ کو اسی خزانہ سے عطا کی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ پس سیکھو ان آیتوں کو اور سکھاؤ اپنی عورتوں کو اس لئے کہ یہ آیتیں رحمت ہیں۔ خدا سے قربت کا ذریعہ ہیں اور دعا ہیں (دارمی)

آیۃ الکرسی (پ۳ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۵)

(۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کتاب الٰہی میں سب سے اعظم آیت آیۃ الکرسی ہے (مسلم)

(۱۷) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر چیز کے واسطے ذروہ اعلیٰ یعنی چوٹی ہے اور قرآن کے لئے ذروہ اعلیٰ سورۂ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔ (ترمذی و الحاکم)

(۱۸) ایک حدیث میں رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی اس کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں سوائے اس کے کہ موت آئے۔ (النسائی و ابن حبان)

(۱۹) ایک روایت میں ارشاد ہے کہ آیت الکرسی چہارم قرآن ہے۔ (مسند امام احمد)

سورۂ کہف

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص یاد کر لے دس آیتیں سورۂ کہف کے شروع کی بچایا جائے گا اس کو دجّال سے (مسلم)

(۲۱) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سورۂ کہف جمعہ کے دن جو شخص پڑھے اس کے لئے ایک نور ہوگا دوسرے جمعہ تک (مستدرک حاکم)

سورۂ یٰسین

(۲۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا دل ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے۔ پس جو شخص سورۂ یٰسین کو پڑھے اس کے لئے دس قرآن پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے (ترمذی)

(۲۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص پڑھے سورۂ یٰسین کو شروع دن میں پوری

Marfat.com

کی جاتی ہیں اس کی حاجتیں تمام دن کی (دارمی)

(۲۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے سورۂ یٰسین پڑھی اس کے پہلے گناہ معاف کئے جاتے ہیں پس تم اس سورۃ کو اپنے مُردوں کے سامنے پڑھا کرو یعنی قریب المرگ لوگوں کے سامنے (بیہقی)

(۲۵) ایک روایت میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورۂ یٰسین میرے ہر اُمتی کے دل میں ہو۔ (فضائل قرآن)

(۲۶) ایک روایت میں ہے کہ جو سورۂ یٰسین پڑھتا ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور جو بھوک کی حالت میں پڑھتا ہے وہ سیر ہو جاتا ہے اور جو گم ہونے کی وجہ سے پڑھتا ہے وہ راستہ پالیتا ہے۔ اور جو شخص جانور کے گم ہونیکی وجہ سے پڑھتا ہے وہ پالیتا ہے اور جو ایسی حالت میں پڑھے کہ کھانا کم ہو جانے کا خوف ہو تو وہ کھانا کافی ہو جاتا ہے۔ اور جو ایسے شخص کے پاس پڑھے جو نزع میں ہو تو اس پر نزع میں آسانی ہو جاتی ہے اور جو ایسی عورت پر پڑھے جس کے بچہ ہونے میں دشواری ہو رہی ہو اس کے لئے بچہ جننے میں سہولت ہوتی ہے۔

سورۂ فتح

(۲۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورہ فتح مجھ کو تمام چیزوں سے محبوب ہے۔ (بخاری)

سورۂ واقعہ

(۲۸) حضرت ابنِ مسعودؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے اس کو کبھی فاقہ نہیں ہوگا۔ اور ابنِ مسعودؓ اپنی بیٹیوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہر شب میں اس سورۃ کو پڑھیں۔ (بیہقی)

(فائدہ) سورۂ واقعہ کے فضائل بھی متعدد روایات میں وارد ہوئے ہیں ایک روایت میں ہے کہ سورۂ واقعہ سورۃ الغنیٰ ہے اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کو اپنی بیبیوں کو سکھاؤ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی اس کے پڑھنے کی تاکید منقول ہے مگر بہت ہی پست خیالی ہے کہ چار پیسے کے لئے اس کو پڑھا جائے البتہ اگر غنائے قلب اور آخرت کی نیت سے پڑھے تو دنیا خود بخود ہاتھ جوڑ کر حاضر ہوگی۔ (فضائل قرآن از شیخ الحدیث مولانا زکریا مدظلہ)

سورۂ حشر

(۲۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے صبح کے وقت تین بار یہ کہا:۔

Marfat.com

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور پھر تین آیتیں سورۂ حشر کی آخر کی پڑھیں (یعنی ھُوَاللّٰہُ الَّذِیْ لَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ سے آخر سورۃ تک) تو مقرر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتوں کو جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے اور اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور اگر مرتا ہے وہ اسی دن تو شہید مرتا ہے۔ اور جو شخص ان الفاظ اور آیات کو شام کے وقت پڑھے اس کا یہی مرتبہ ہوتا ہے (ترمذی)

(۳۰) ایک حدیث میں ارشاد ہے جس نے سورۂ حشر کے اواخر کو رات یا دن میں پڑھا پھر اس رات یا دن میں مرگیا تو خدا اس کے لئے جنت واجب کریگا (بیہقی)

(۳۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کے لئے لیٹے تو سورۂ حشر پڑھے۔ اگر اس رات میں مرجائے گا تو شہید ہوگا۔

سورۂ تبارک (سورۂ ملک)

(۳۲) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن میں ایک سورۃ تیس ۳۰ آیتوں کی ہے۔ شفاعت کی اس سورۃ نے ایک شخص کی یہاں تک کہ بخشش کی گئی اُس کے لئے اور وہ سورۃ تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ ہے۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد وغیرہ)

(۳۳) ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ یہ سورۃ روکنے والی اور نجات دینے والی ہے عذاب قبر سے (ترمذی)

(۳۴) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مجھے یہ محبوب ہے کہ یہ سورۃ ہر مسلمان کے دل میں ہو تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ (حاکم)

(۳۵) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے ہر رات کو سورۂ تَبٰرَکَ الَّذِیْ پڑھی۔ خدا اسکو عذاب قبر سے محفوظ رکھیگا (نسائی)

سورۂ زلزال۔ سورۂ کافرون

(۳۶) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ اِذَا زُلْزِلَتْ آدھے قرآن کے برابر ہے یعنی نصف قرآن کا ثواب رکھتی ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ رُبع یعنی چوتھائی قرآن کے برابر ثواب رکھتی ہے (ترمذی)

سورۂ تکاثر

(۳۷) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہیں طاقت رکھتا تم میں سے کوئی شخص اس کی کہ

Marfat.com

پڑھے روزانہ ہزار آیتیں ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کون اس کی طاقت رکھتا ہے کہ روزانہ ہزار آیتیں پڑھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ روزانہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھے۔ (بیہقی)

سورۂ اخلاص

(۳۸) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے یعنی سورۂ اخلاص میں تہائی قرآن کا ثواب ہے (ترمذی)

(۳۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص رات میں تہائی قرآن نہیں پڑھ سکتا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ تہائی قرآن کیونکر پڑھا جائے۔ آپ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (پوری سورت) تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور بخاری و مسلم میں ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجا اور وہ اپنے ساتھیوں کی امامت بھی کرتے تھے۔ پس وہ نماز میں قرأت کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پر ختم کر دیتے تھے۔ جب لوگ واپس آئے تو اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا ان سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں خدا کی صفت ہے اور میں اس کا پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اس شخص کو آگاہ کر دو کہ خدا بھی اس کو پسند کرتا ہے اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس سورۃ کو بہت پسند کرتا ہوں یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو آپ نے فرمایا اس کو تیرا پسند کرنا تجھ کو جنت میں لے جائے گا۔

مُعَوَّذَتَیْن

(۴۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عجیب آیات ہیں جو نازل کی گئی ہیں آج کی رات کہ ان کی مانند آج تک نہیں دیکھی گئیں (یعنی پناہ پکڑنے کے معاملہ میں) اور وہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہیں۔ (مسلم)

اور حضرت عائشہ رضؓ سے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سونے کے لئے اپنے بستر پر جاتے تو دونوں ہاتھوں کو ملاتے پھر ان پر دم کرتے اور پھر اُن پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر پھونکتے اور پھر دونوں ہاتھوں کو سارے جسم پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیرتے اور سر اور چہرہ سے ہاتھوں کو پھیرنا

Marfat.com

شروع کرتے اور بدن کے اگلے حصہ پر پھیرتے ہوئے سارے جسم پر پھیرتے اور تین مرتبہ اس طرح کرتے یعنی تین مرتبہ پڑھ کر ہاتھوں پر دم کرتے اور جسم پر ہاتھوں کو پھیرتے اور ابوداؤد میں حضرت عُقبہؓ بن عامر رضؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقامات جُحفہ اور اَبْوَاء کے درمیان سفر کر رہے تھے کہ ہم کو تیز و تند ہوا اور تاریکی نے گھیر لیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسْ پڑھ پڑھ کر پناہ مانگنی شروع کی اور مجھ سے کہا عُقبہؓ پناہ مانگ ان دونوں سورتوں کے ذریعے سے کہ پناہ مانگنے کے معاملہ میں یہ دونوں سورتیں سب سے بہتر ہیں۔

اور حضرت عَبْدُاللہ بن خُبَیبؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک بارش کی رات میں جو نہایت تاریک تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے پس پالیا ہم نے آپ کو۔ آپ نے ہم کو دیکھ کر فرمایا۔ کہہ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کہوں۔ آپ نے ہم کو دیکھ کر فرمایا پڑھ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسْ صبح شام تین تین بار۔ کافی ہوں گی تجھ کو ہر چیز سے یعنی ہر بلا کو دفع کریں گی۔ (ابوداؤد)

ضروری تنبیہ

بعض سورتوں اور آیات کی جو منجملہ قرآن کے خاص طور سے فضیلت آئی ہے تو یہ فضیلت ان سورتوں کے الفاظ یا ذات کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ کل آیات بحسب الذات اور باعتبار الفاظ کے خداوند تعالیٰ کا کلام ہیں۔ لہٰذا بعض کا بعض پر تفاضل فی حد ذاتہا نہیں بلکہ تفاضل آیات و سُوَر کے یہ معنی ہیں کہ فلاں سورۃ یا آیت کی تلاوت بندے کے لئے زیادہ نافع ہے دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں (حاشیہ بیضاوی)

حرفِ آخر

قرآن مجید کے فضائل اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا ثواب مختصر بیان ہو چکا اب اس قدر اجر و ثواب اور فضیلت معلوم کرنے کے بعد پھر کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا کہ قرآن کی تلاوت اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں غفلت کرے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب اس پر موقوف نہیں کہ اس کے معنی سمجھ کر تلاوت کی جائے جو شخص عربی زبان نہ جانتا ہو۔ قرآن مجید کے معنیٰ نہ سمجھتا ہو اس کو بھی قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب ملے گا۔

Marfat.com

یہاں تک ہم نے قرآن مجید کے فضائل احادیث سے بیان کیئے اور بھی بے شمار احادیث ہیں جن سے قرآن پاک کی فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن ہم نے صرف چالیس ہی احادیث پر فضیلت قرآن اور اسی تعداد میں فضائل سُوَر و آیات میں. اس واسطے اکتفا کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فداہ ابی وامی) چالیس حدیثیں محفوظ کرنیوالے کے لئے اپنے شافع ہونے کی اور اس کے فقیہہ مبعوث ہونے کی بشارت دی ہے۔ اس وجہ سے علمائے کرام نے بکثرت چہل احادیث لکھی ہیں۔ لہذا اس ناکارہ عاصی سیہ کار حقیر فقیر نے بھی اسی فضیلت کی توقع پر چالیس ہی کے عدد پر اکتفا کی ہے۔ چالیس ہی فضائل قرآن میں اور چالیس ہی فضائل سُوَر میں لکھیں اس طرح بفضلہٖ تعالیٰ دو چہل حدیثیں جمع ہو گئیں۔

دُعا ہے کہ

حق تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائیں بحرمت قرآن کریم اور سب پڑھنے والوں اور سننے والوں کو اپنے کلام پاک کی محبت و عظمت و اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین بحق سید المرسلین و آلہٖ و اصحابہٖ الطاہرین۔

آداب تلاوت القرآن کریم

خاتمہ "چہل حدیث" پر مناسب معلوم ہوا کہ کلام اللہ شریف کی تلاوت کے کچھ آداب بھی لکھ دیئے جائیں۔

ع :- بے ادب محروم گشت از فضل رب :-

مسواک اور وضو کے بعد کسی یک سوئی کی جگہ میں نہایت وقار و تواضع کے ساتھ رُو بقبلہ بیٹھے اور نہایت ہی حضور قلب اور خشوع کے ساتھ اس لطف سے جو اس وقت کے لئے مناسب ہے۔ اس طرح پڑھے کہ گویا خود حق سبحانہٗ و عزاسمہٗ کو کلام پاک سُنا رہا ہے۔ اگر وہ معنیٰ سمجھتا ہے تو تدبر و تفکر کے ساتھ آیات وعد و رحمت پر دُعائے مغفرت مانگے اور آیات عذاب و وعید پر اللہ سے پناہ چاہے کہ اس کے سوا کوئی بھی چارہ ساز نہیں۔ آیات تنزیہ و تقدیس پر سبحان اللہ کہے اور از خود تلاوت میں رونا نہ آوے تو بہ تکلف رونے کی سعی کرے۔ اگر یہ کرنا مقصود نہ ہو تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ کلام پاک کو رحل یا تکیہ یا کسی اونچی جگہ پر رکھے۔ تلاوت کے درمیان میں کسی سے کلام نہ کرے۔ اگر کوئی ضرورت پیش ہی آجائے تو کلام پاک بند کر کے بات کرے اور پھر اس کے بعد اَعُوْذ. پڑھ کر دوبارہ شروع کرے۔ اگر مجمع میں لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھنا افضل ہے۔ ورنہ آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے۔ مشائخ نے تلاوت کے چھ آداب ظاہری اور چھ باطنی

Marfat.com

ارشاد فرمائے ہیں۔

ظاہری آداب :۔

(۱) غایت احترام سے باوضو رُو بہ قبلہ بیٹھے۔

(۲) پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ ترتیل و تجوید سے پڑھے۔

(۳) رونے کی سعی کرے چاہے بہ تکلف ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) آیات رحمت و آیاتِ عذاب کا حق ادا کرے۔

(۵) اگر ریا کا احتمال ہو یا کسی دوسرے مسلمان کی تکلیف و حرج کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے ورنہ آواز سے پڑھے۔

(۶) خوش الحانی سے پڑھے کہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھنے کی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔

باطنی آداب :۔

(۱) کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے۔

(۲) حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی علوشان اور رفعت و کبریائی کو دل میں رکھے جس کا کلام ہے۔

(۳) دل کو وساوس و خطرات سے پاک رکھے۔

(۴) معانی کا تدبّر کرے اور لذّت کے ساتھ پڑھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب تمام رات اس آیت کو پڑھ کر گذار دی۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورہ مائدہ) ترجمہ:۔ اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کی مغفرت فرما دے تو تُو عزت و حکمت والا ہے۔ حضرت سعید بن جُبیرؓ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ کر صبح کر دی۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (سورہ یٰسین) ترجمہ:۔ اومجرمو! آج قیامت کے دن فرمانبرداروں سے الگ ہو جاؤ)

(۵) جن آیات کی تلاوت کر رہا ہے دل کو ان کا تابع بنا دے مثلاً اگر آیت رحمت زبان پر ہے۔ دل سُرورِ محض بن جائے۔ اور آیتِ عذاب اگر آگئی ہے تو دِل لرز جائے۔

(۶) کانوں کو اس درجہ متوجہ بنا دے کہ گویا خود حق تعالیٰ سبحانہ کلام فرما رہے ہیں اور یہ سُن رہا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف و کرم سے مجھے بھی اِن آداب کے ساتھ تلاوت کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی۔ (فضائلِ قرآن از حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مدظلہ)

تمّت بالخیر

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

(القرآن ۔ سورۃ المؤمن)

فضیلت اور ضرورتِ دُعا

اور

قرآن شریف کی

بابرکت دُعائیں

مُرتّبہ

احقرالنّاس بندہ محمّد احمد عفا اللہ عنہ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ الدُّعَآءَ لِرَدِّ الْقَضَآءِ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اما بعد کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو ہر قسم کی صلاح و فلاح کی ضرورت نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دارین کی صلاح و فلاح کے واسطے کثرت سے اسباب اور بہت سے ابواب پیدا فرما کر تعلیم فرمادئے کہ اہلِ حاجت ان سے مدد لیں اور دین و دنیا کے نقصانات سے بچیں اور دارین کا نفع حاصل کریں۔ ان تمام اسباب میں سے صرف دُعا ایک ایسی چیز ہے کہ فلاحِ دین اور فلاح دنیا دونوں کے لئے یکساں ایک مرتبہ میں مشروع و موضوع ہے اور بوجہ اس جامعیت کے اس کی وقعت و عظمت ظاہر ہے۔ اس لئے قرآن شریف و حدیث شریف میں نہایت درجہ اس کی ترغیب و فضیلت و تاکید جابجا وارد ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (دعا کرو مجھ سے میں قبول کروں گا) (سورۂ المومن) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بڑی عبادت تو دُعا ہے" اور فرمایا "جس شخص کو دعا کی توفیق ہوگئی اُس کے لئے قبولیت کے دروازے کھل گئے" اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں مانگی گئی جو عافیت کے مانگنے سے زیادہ محبوب ہو"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی حاجتیں بھی مانگنے کا حکم ہے اور ارشاد فرمایا کہ "قضا کو صرف دُعا ہٹا دیتی ہے"۔ اور ارشاد فرمایا کہ "احتیاط و تدبیر سے تقدیر نہیں ٹلتی"۔ اور دعا نازل شدہ بلا کے لئے بھی نافع ہے اور اس بلا کے لئے جو ابھی نازل نہیں ہوئی اور کبھی بلا نازل ہوتی ہے اور اِدھر سے دعا پہنچ کر اس سے ملتی ہے اور دونوں میں قیامت تک کشتی ہوتی رہتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعا تمام تر تدبیروں اور احتیاطوں سے بڑھ کر مفید ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبل مصیبت بھی دعا کرنا ہے۔ اُس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی قبولیت کی یہ بھی شکل ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی بلا ٹل جاتی ہے۔ پس دُعا کر کے خواہ قبول ہونا معلوم ہو یا نہ ہو بدگمان نہ ہونا چاہئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قدر و منزلت کی نہیں" اور ارشاد فرمایا "جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمالیا کریں اس کو چاہئے کہ خوش عیشی کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا مصیبت کے دعا مانگنے کا اثر مصیبت کے وقت مانگنے میں ہوتا ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ "دعا میں ہمت نہ ہارو کیونکہ دعا کرتے ہوئے کوئی ضائع نہیں ہوتا" اور ارشاد فرمایا کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کا نور ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بلا زدہ قوم پر گزر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ لوگ اللہ

تعالےٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگتے" اور فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعا میں اڑجائے اور پھر اس کو عطا نہ ہو خواہ سر دست اس کو دیدیں یا آئندہ کیلئے جمع کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دُعا قبول تو ضرور ہوتی ہے۔ مگر صورتیں اس کی مختلف ہیں۔ کبھی وہی چیز مل جاتی ہے اور کبھی اس کے لئے جمع ہو جاتا ہے اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کبھی اس کی برکت سے بلا ٹل جاتی ہے۔ غرض اس دربار میں ہاتھ پسارنے سے کچھ نہ کچھ مل کر رہتا ہے لیکن باوجود اس کے دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو۔ عوام تو کیا بہت سے خواص کو بھی اس سے محض بے رغبتی و بے توجہی ہے حتیٰ کہ جو معمولی اوقات دعا کے ہیں جیسے نماز پنجگانہ ان میں بھی بجز آموختہ سا پڑھ لینے کے اصلا الحاح یا لجاجت کا اثر تک نہیں پایا جاتا۔ اور یہ سمجھ کر دُعا کرنے کا تو ذکر ہی کیا کہ یہ عرضداشت اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کر دینا اور بار بار درخواست گزارنا کامیابی کا ایک مؤثر اور اعلےٰ درجہ کا طریقہ ہے۔ جس طرح اپنے بعض حوائج کے لئے دنیا کے امراء و حکام سے بار بار التجا کرنا اپنی مطلب براری کا قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور تکرار عرض معروض سے روزانہ امیدیں اور اُمنگیں ابھرتی اور تازہ ہوتی ہیں۔

اگر کبھی کسی پر کوئی بڑی ہی مصیبت پڑتی ہے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے کام نہیں چلتا تب مجبوراً کسی ایک آدھ کو شاذ و نادر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے وہ بھی دعا کے ساتھ نہیں بلکہ بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ کوئی وظیفہ عمل عزیمت شروع کر دیا جائے خواہ شرع کے موافق ہو یا مخالف اور اگر کسی نے بڑی احتیاط کی اور موافقت شرع کا بھی لحاظ کر لیا تب بھی ان اعمال میں وہ برکت کہاں جو اللہ اور رسول کریمؐ کی تعلیم فرمودہ دُعاؤں میں ہے۔ غرض مقدمہ دعا میں چند کوتاہیاں واقع ہو رہی ہیں :-

اوّل ۱ بدون آڑے وقت کے دعا کی طرف توجہ نہ ہونا۔

دوم ۲ ایسے وقت میں بھی اللہ اور رسولؐ کی بتلائی ہوئی دعائیں چھوڑ کر نئے نئے وظائف پڑھنا۔

سوم ۳ بدشوقی اور بے رغبتی سے دعا کرنا اور جی نہ لگانا

چہارم ۴ قبولیت کا یقین اور امنگ نہ ہونا

پنجم ۵ جلدی اور تقاضا مچانا اور ذرا توقف ہو جائے تو تنگ ہو کر چھوڑ دینا۔

ان کوتاہیوں کے تدارک کے لئے بمقتضائے مصلحت و ضرورت وقت مناسب معلوم ہوا کہ جو جامع دعائیں قرآن کریم میں وارد ہیں ان میں سے منتخب کر کے ان کو جمع کر دیا جائے بمعہ اردو سلیس ترجمہ کیونکہ ان کو دوسری دعاؤں پر متعدد وجوہ سے ترجیح ہے۔ مثلاً

اوّل ۱ یہ کہ جب خود حاکم عرضی کا مضمون بتلا دیتا ہے تو اس کی منظوری میں پھر کوئی تردد نہیں رہتا۔ اسی طرح جو دعائیں اللہ تعالیٰ نے بواسطہ وحی خود تعلیم فرمائیں تو بلا شک وہ اقرب الی الاجابۃ ہیں۔

دوم ۲ یہ کہ ان قرآنی دعاؤں میں جس قدر دینی اور دنیوی ضرورتوں کی رعایت کی گئی ہے اگر ہم لوگ قیامت تک بھی سوچیں تو ممکن نہیں کہ ایسے جامع مضامین تجویز کر سکیں۔

Marfat.com

سوم ۳ یہ کہ بعض اوقات مضمون دُعا میں سوءِ ادب ہو جاتا ہے جس سے وہ دُعا الٹی وبالِ جان ہو جاتی ہے۔ جس طرح کسی صحابیؓ نے صبر کی دُعا کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم نے بلا کی درخواست کی یا ایک صحابیؓ نے دعا کی تھی کہ جتنا عذاب مجھ کو آخرت میں ہونا ہو وہ سب یہیں ہو جائے اور آپؐ نے تنبیہ فرمائی تھی۔ غرض اپنی رائے اور قیاس سے مضمون معین کرنے سے اس قسم کا احتمال اس میں رہتا ہے اور جو دعائیں منصوص ہیں وہ ان خدشات سے منزّہ و مبرّا ہیں۔

اس لئے کہ ہر مسلمان حسب ضرورت قرآنی بابرکت دُعاؤں کا ورد کر سکے اور اپنے مقاصد دنیا و عقبیٰ حاصل کر سکے قرآن شریف سے مشہور دعاؤں کو ذیل میں بمعہ اردو ترجمہ جمع کر دیا ہے۔ اور ہر دعا کی مخصوص فضیلت بھی مختصراً لکھ دی ہے تاکہ دعا ذوق شوق اور دلی توجہ سے اور قبولیت کے یقین کے ساتھ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کی جائے اور اپنے مقاصد کو حاصل کریں جس طرح ان ہی دعاؤں کے ذریعے انبیاء علیہم السّلام۔ اولیائے کرام اور خاصان خدا نے اپنے مقاصد دنیا و عقبیٰ کو حاصل کیا۔ اور جو صاحب اس سے منتفع ہوتے رہیں حقیر فقیر عبد ضعیف جامع مسکین کو بھی دعائے خیر سے یاد فرماتے رہیں۔

(ماخوذ از دیباچہ "مناجات مقبول" از حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بتسہیل و قدرے تبغیر از احقر مرتب)

قرآن مجید کی بابرکت دُعائیں

(۱) دونوں جہان کے حصول خیر و برکت کی دُعا

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(پارہ ۲ سورۂ بقرہ رکوع ۲۵)

اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی خیر و برکت عطا فرما اور آخرت میں بھی ہم کو بھلائی دے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا۔

ایسی جامع و ہمہ گیر دعا کی نظیر سے دوسرے ادیان و ملل کے صحیفے خالی ہیں۔ اس دُعا میں دونوں جہان کی بھلائی طلب کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اکثر پڑھا کرتے تھے۔ اس دعا کی فضیلت خود حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

Marfat.com

(۲) بخشش و رحم کی دُعاء

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

(پارہ ۸۔ سورہ اعراف رکوع ۲)

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہم کو نہ بخشے اور رحم نہ فرمائے تو ہم خسارہ میں پڑ جائیں گے۔

یہ دعا حضرت آدم وحوّا علیہما السلام کو تعلیم کی گئی تھی۔ یہ اس وقت کی دعاء ہے جب کہ یہ جنت سے اتار دئے گئے تھے۔ آخر جب مدتوں آہ وزاری کرتے رہے تو اس دعاء کی برکت سے ان کا قصور معاف ہوا۔ اس مناجات اور دعا میں ادب اور استغفار کی تعلیم سارے انسانوں کے لئے قیامت تک ہے۔

(۳) دشمن پر فتح کی دُعاء

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(پارہ ۲۔ سورۂ بقرہ رکوع ۳۳)

اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں غالب کر کافر لوگوں پر

اس دعا کی بدولت قوم طالوت نے باوجود قلت کے لشکر جالوت پر فتح پائی۔ اہل اسلام کو اعدائے دین کے ساتھ جنگ میں یہ دعاء پڑھنی چاہیئے۔

(۴) دعائے بخشش وکامیابی

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا

اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پیشتر تھے۔ اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ نہ اٹھوا جس کی برداشت

Marfat.com

وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (پارہ ۳ سورۂ بقرہ کا آخری رکوع آخری آیت)	ہم سے نہ ہو۔ اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر۔

یہ مومنین کو جامع و کامل دعاء کی تعلیم ہے۔ یہ دُعاء کمال عبدیت کی مظہر ہے۔ سورۂ بقرہ کی اس خاتمہ کی آیت کی بہت فضیلت حدیث میں آئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے خاص خزانے میں سے ایک یہ آیت ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس دعاء کی ہر درخواست پر حق تعالیٰ نے ثُمَّ قَبِلْتُ فرمایا۔ یعنی ہم نے قبول کیا۔

(۵) دعائے استقامت

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (پارہ ۳۔ آل عمران کا رکوع اوّل)	اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ٹیڑھا مت کر بعد اس کے کہ تو ہم کو ہدایت دے چکا ہے اور اپنی جانب سے رحمت ہم کو عطا فرما بیشک تو بہت دینے والا ہے۔

اس دعاء میں استقامت حق کی تعلیم ہے۔ اس کو ضرور ورد میں رکھنا چاہیئے۔ اس کے ورد سے ہدایت پر استقامت نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ کی رحمت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت تھانویؒ نے اعمال قرآنی میں لکھا ہے کہ جو کوئی ہر نماز کے بعد اس کو پڑھ لیا کرے وہ دنیا سے انشاء اللہ تعالےٰ باایمان اُٹھے گا۔

(۶) دُعائے طلب مغفرت

رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (پارہ ۳ سورۂ آلِ عمران کا دوسرا رکوع)	اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہیں۔ پس بخش دے ہمارے گناہ اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

نیک مومنین صالحین کی دعا ہے جس کی تعریف خود حق تعالےٰ نے فرمائی ہے۔

(۷) دُعائے ایمان ومغفرت

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

(پارہ ۴ سورۂ آل عمران کا آخری رکوع)

اے ہمارے رب تونے یہ عبث پیدا نہیں کیا تو پاک ہے پس بچا ہمیں دوزخ کے عذاب سے اے رب ہمارے تو جسے دوزخ میں ڈالے تو ضرور اُسے رسوا کر دیا اور ستمگاروں کا کوئی ساتھی نہیں اے رب ہمارے ہم نے ایک پکارنے والے کو ایمان کے لیے پکارتے ہوئے سنا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیوں کو اتار دے اور ہمارا نیکوں کے ساتھ خاتمہ کر اے رب ہمارے دے ہمیں جو اپنے رسولوں کی معرفت تونے ہم سے وعدہ کیا اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

یہ اللہ تعالےٰ کے نیک بندوں کی دعائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں جیسا کہ اس کے بعد فَاسْتَجَابَ۔ فرمایا اس کے پڑھنے والوں کی تعریف حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اور اجابت کا وعدہ کیا ہے

(۸) دُعائے صبر واستقامت

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ

پارہ ۹ سورۂ اعراف کا رکوع ۱۴

اے ہمارے رب تو ہم پر صبر فراں دے اور حالت اسلام پر موت دے۔

موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو جادوگر آئے تھے جب وہ ایمان لے آئے تھے اور فرعون نے ان کو قتل کی دھمکی دی تھی تو انہوں نے ایمان پر ثابت قدمی کی توفیق اللہ سے طلب کی تھی مصیبت کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے

Marfat.com

(۹) دُعائے مغفرت و رحمت و فلاح دارین

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ ۝ (پارہ ۹۔ سورۂ اعراف کا رکوع ۱۹)	تو ہی ہمارا مددگار ہے۔ پس بخش دے ہم کو اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ ہمارے حق میں بھلائی لازم کر دے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ہم تو تیرے ہی آگے جھک گئے ہیں۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا ہے۔

(۱۰) دعائے مغفرت

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (پارہ ۳، سورۂ بقر کا آخری رکوع ۴۰)	ہم نے سُنا اور مانا۔ اے ہمارے رب تیری ہی بخشش ہے اور تیری طرف لوٹنا ہے۔

یہ رسولوں اور مومنوں کی دُعا ہے۔

(۱۱) دعائے عزّت و آبرو و اَدائے قرض

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (پارہ ۳ سورۂ آل عمران رکوع ۳)	اے اللہ مُلک کے مالک۔ تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔ اور جسے چاہے عزّت دے۔ اور جسے چاہے ذلّت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دُعا تعلیم فرمائی۔ اس کے پڑھنے سے بادشاہت یا عزّت ملے گی۔ حضرت تھانوی رح نے اعمال قرآنی میں لکھا ہے کہ ادائے قرض کے لئے سات بار صبح اور سات بار شام پڑھ لیا کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ قرض ادا ہو جائے گا۔

Marfat.com

(۱۲) دُعا برائے طلب اولاد

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ (پارہ ۳۔ سورۂ آلِ عمران کا رکوع ۴)	اے میرے پروردگار تو مجھ کو عطا فرما اپنی جانب سے نیک اولاد۔ بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے طلب اولاد کے لئے یہ دعا مانگی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ حضرت تھانویؒ نے اعمال قرآنی میں لکھا ہے کہ جس کو اولاد سے مایوسی ہو گئی ہو اس آیت کو پڑھا کرے۔ خداوند کریم اس کی برکت سے اولاد صالح عطا فرمائے گا۔

(۱۳) کامیابی اور فتح کی دُعا

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ ۝ (پارہ ۴۔ سورۂ آل عمران کا رکوع ۱۵)	اے ہمارے رب ہماری خطائیں معاف کر اور ہماری بے اعتدالیوں کو نظر انداز فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

اللہ تعالےٰ کے نیک بندوں کی دعا ہے۔ جنگ کے وقت اس دُعا کو پڑھنا چاہئے

(۱۴) دُعائے قبول ایمان

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (پارہ ۳ سورۂ آل عمران کا رکوع ۵)	اے ہمارے رب ہم نے مان لیا جو کچھ آپ نے نازل فرمایا اور اس رسول کی پیروی کی تو ہم کو لکھ لیجئے گواہوں کے ساتھ۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی دعا ہے۔

Marfat.com

(۱۵) دُعائے رہائی از ظالم

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝
(پارہ ۵ سورۂ نسآء رکوع ۱۰)

اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے باشندے سخت ظالم ہیں۔ اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی دوست پیدا کر دے اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی حمایتی کھڑا کر دے۔

یہ مکہ کے مظلوم کمزور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی دعا ہے جو کفار مکہ کے نہ دفع ظلم ہی پر قادر تھے اور نہ ہجرت پر۔ یہ ان کی مناجات اور فریاد ہے۔ ظالموں سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ دعا مجرب ہے اس قرآنی دعا کی خاصیت حضرت تھانوی رح نے اعمال قرآنی میں اس طرح لکھی ہے کہ اگر کسی ظالم یا بدکار کے شہر یا موضع میں گرفتار ہو اور وہاں سے نجات مشکل ہو تو اس آیت کو کثرت سے پڑھا کرے۔ اور اللہ تعالےٰ سے اپنی رہائی کے لئے دعا مانگے۔ انشاء اللہ ضرور رہا ہو جائے گا۔

(۱۶) دُعائے رزق

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (پارہ ۷۔ سورہ مائدہ کا رکوع ۱۵)

اے اللہ ہم پر آسمان سے رزق کا دسترخوان نازل فرما جو ہمارے اور ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے عید ہو اور تیری نشانی ہو اور تو ہم کو روزی دے اور تو سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جو اپنی امت کے لئے طلب رزق کے لئے کی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے قبول فرمائی اور ان کے لئے آسمان سے دسترخوان نازل ہوا کرتا تھا۔ طلب رزق کے لئے یہ دعا پڑھنی چاہیئے

۱۷۔ دعائے قبول ایمان

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝
(پارہ ۷۔ سورۂ مائدہ کا رکوع ۱۱)

اے ہمارے رب ہم ایمان لائے۔ پس تو ہم کو تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے

قبولیت اسلام کے بعد یہ دعا بادشاہ نجاشی شاہ حبشہ اور ان کے درباریوں نے کی تھی۔

Marfat.com

(۱۸) دعا قبولیت توبہ

سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (پارہ ۹۔ سورۂ اعراف کا رکوع ۱۷)	آپ کی ذات پاک ہے۔ میں نے توبہ کی آپ کی طرف اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے۔ جب آپ کوہِ طور پر تجلّی الٰہی سے بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ جب اُٹھے اور ہوش میں آئے تو یہ دُعا پڑھی۔

(۱۹) دشمنوں پر فتح کی دُعا

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ (پارہ ۹۔ سورۂ اعراف کا رکوع ۱۱)	اے ہمارے رب تو فیصلہ فرمادے۔ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف کے ساتھ اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دُعا ہے۔ جو حق تعالیٰ سے آپ نے اپنی قوم کے خلاف مانگی جس پر قوم کے ایمان نہ لانے والے کافر عذاب سے ہلاک ہوئے۔

(۲۰) دعائے اعانت و حفاظت

اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ (پارہ ۹ سورۂ اعراف کا رکوع ۲۴)	میرا حمایتی تو اللہ ہے جس نے اُتاری کتاب اور حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ جس نے مجھ پر کتاب نازل کی وہی ساری دنیا کے مقابلے میں میری حمایت و حفاظت کریگا کیونکہ حق تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت و اعانت کرتا ہے۔

۲۱۔ دعائے طلب حمایت و نصرت خداوندی

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (پارہ ۹۔ سورۂ انفال کا رکوع ۵)	اللہ کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار ہے

یہ دعا حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے جہاد کے وقت کے لئے تعلیم فرمائی کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے کفار سے جہاد کریں۔ کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں۔

Marfat.com

(۲۲) دعائے برائے رفع جملہ ہموم وغموم

حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ (پارہ ۱۱ سورۂ توبہ کی آخری آیت آخری رکوع)	کافی ہے مجھ کو اللہ۔ کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی مالک ہے عرشِ عظیم کا۔

یہ دعا حق تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی کہ اگر آپ کی شفقت و خیر خواہی اور دل سوزی کی لوگ قدر نہ کریں تو کچھ پرواہ نہیں۔

اگر ساری دنیا بھی آپ سے منہ پھیر لے تو تنہا خداوند قدوس آپ کو کافی ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کا مالک اور عرش عظیم کا مالک وہی ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابو دَرْدَاء رضی سے روایت ہے کہ جو شخص صبح و شام سات سات مرتبہ یہ پڑھ لیا کرے۔ خداوند کریم اس کے تمام ہموم و غموم کو کافی ہو جائیگا۔ اور حضرت ابو دَرْدَاء رضہ سے منقول ہے کہ جو شخص اس آیت کو ہر روز سو بار پڑھے تو تمام مہمات دنیا و آخرت کے لئے اسکو کافی ہے۔

(۲۳) دُعائے نجات از غلامی و محکومی

عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (پارہ ۱۱ سورۂ یونس کا رکوع ۹)	ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب نہ آزما ہم پر زور اس ظالم قوم کا اور چھڑا دے ہم کو مہربانی فرما کر ان کافر لوگوں سے

یہ قوم بنی اسرائیل کی دعا ہے جو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات و رہائی کے لئے وہ دُعا کرتے تھے۔ بالآخر حق تعالےٰ نے ان کو غلامی و محکومی سے نجات بخشی۔

(۲۴)۔ سمندر یا دریا میں کشتی و جہاز میں سلامتی سفر کی دُعا

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (پارہ ۱۲ سورۂ ہود کا رکوع ۴)	اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور پھرنا تحقیق میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

Marfat.com

یہ دعا نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھی ایمان والوں کو تعلیم فرمائی کہ بنام خدا کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کچھ فکر نہ کرو۔ اس کے نام کی برکت سے غرقابی کا کوئی اندیشہ نہیں وہ اپنے فضل سے ہم کو صحیح سلامت اتار دیگا۔ کشتی یا پانی کے جہاز پر سوار ہونے لگے تو اس آیت کو پڑھ کر سوار ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ راہ کی آفتوں سے محفوظ رہیگا۔

(۲۵) دعا سلامتی وحفاظت بروقت رخصت

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (پارہ ۱۳ سورۂ یوسف کا رکوع ۶)	سو اللہ بہتر ہے نگہبان محافظ اور وہی ہے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان۔

یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا ہے۔ جو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بن یامین کو رخصت کرتے وقت پڑھی تھی۔

(۲۶) سلامتی ایمان اور اسلام پر موت کی دعا

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (پارہ ۱۳ سورۂ یوسف رکوع ۱۱)	اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو نیکوں میں۔

یہ یوسف علیہ السلام کی دعا ہے۔

(۲۷) اولاد کے نمازی ہونے کی دعا

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ (پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم کا رکوع ۶)	اے میرے پروردگار مجھ کو بھی نماز کا پابند رکھئے اور میری نسل میں سے بھی اے ہمارے رب ہماری دعا قبول کر

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے۔ ایک نبی جلیل القدر اپنے حق میں بھی نمازی اور اپنی اولاد کے بھی

Marfat.com

نمازی ہونے کی دعا کرتے ہیں۔

(۲۸) اپنی۔ والدین اور تمام مومنین کی مغفرت کی دُعا

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (پارہ ۱۳۔ سورہ ابراہیم کا رکوع ۶)	اے ہمارے پروردگار میری مغفرت کردے اور میرے والدین کی اور ایمان والوں کی جس روز حساب کتاب قائم ہو

یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہے

(۲۹) سفر شروع کرنے یا سفر سے واپس آنیکی دُعا

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ (پارہ ۱۵۔ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۹)	اے پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے کے وقت خوبی کے ساتھ اور مجھے نکالتے وقت خوبی سے نکالیو

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے جو مکہ سے ہجرت کے وقت تعلیم فرمائی گئی تھی بڑی مبارک دعا ہے جب کسی بستی یا شہر سے رخصت ہو یا کسی بستی اور شہر میں داخل ہو تو اس دعا کو پڑھے۔

(۳۰) دعائے طلب رحمت و کامیابی مقصد

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ (پارہ ۱۵۔ سورۂ کہف کا رکوع اوّل)	اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت و فضل عطا کر اور ہمارے لئے اس کام میں درستی کا سامان کردے۔

یہ اصحاب کہف کی دعا ہے جب وہ دین کے فتنے کے خوف سے شہر چھوڑ کر اور اپنا دین سلامت لے کر پہاڑ کی غار میں جا کر چھپے تھے تو وہاں حق تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ ہمیں مقصد میں بھی کامیاب فرما اور ہمارے لئے ذرائع اور سامان بھی اپنی مرضیات کے مطابق مہیا کردے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اصحاب کہف کی مدد فرمائی جیسا کہ پندرھویں پارہ سورۂ کہف میں تفصیل سے ان کا قصہ بیان ہوا ہے۔

Marfat.com

(۳۱) تبلیغ دین اور وعظ نصیحت کرنیوالے کی دُعا

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ (پارہ ۱۶۔ سورۂ طٰہٰ کا رکوع ۲)	اے میرے پروردگار میرا حوصلہ اور فراخ کردے اور میرا کام مجھ پر آسان کردے۔ اور میری زبان سے لکنت دور کردے تاکہ لوگ میری بات خوب سمجھ سکیں۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بغرض تبلیغ دین جانے کا حکم ہوا تو تبلیغ میں انقباض اور مخالفت و تکذیب سے دل تنگ نہ ہونے کی دعا مانگی۔ یہ دعا دل کو روشن اور زبان میں قوتِ بیان پیدا کرنے کے لیے مجرب ہے۔

(۳۲) بیماری سے صحتیاب ہونے کی دُعا

رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ (پارہ ۱۷۔ سورۂ انبیاء کا رکوع ۶)	اے رب مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہیں۔

یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے بیماری کی حالت میں کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرما کر سب تکلیفیں دُور فرما دیں۔

(۳۳) آیت کریمہ۔ ہر غم سے نجات کی دُعا

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (پارہ ۱۷ سورۃ الانبیا کا رکوع ۶)	تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی سب نقائص سے پاک ہے۔ بیشک میں ہی قصوروار ہوں

یہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے شکم ماہی میں پہنچکر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کی بہت فضیلت ارشاد فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا جو اس دعا کو پڑھیگا اس کی دعا قبول ہوگی۔ امت مسلمہ میں اس آیت کریمہ کے ورد کا معمول ہمیشہ سے رہا ہے اور شدائد و مصائب کے دفع کرنے کے لئے اس دعا کو ہمیشہ مجرب پایا ہے۔

Marfat.com

(۳۴) دعائے طلب اولاد

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ (پارہ ۱۷ سورۂ انبیاء رکوع ۶)	اے میرے پروردگار مجھ کو لاوارث مت رکھ اور بہترین وارث تو تُو خود ہی ہے۔

یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اولاد کے لئے ہے۔ آپ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے تھے مگر کوئی وارث جانشین اولاد نہ تھی اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

(۳۵) دعائے خیر وسلامتی

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝ (پارہ ۱۸ سورۂ مومنون کا رکوع ۲)	اے پروردگار مجھے برکت کا اتارنا اتاریو اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ہمراہی ایمان لانے والوں کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی تھی اس وقت پڑھنے کے لئے کہ جب طوفان کے بعد سلامتی سے زمین پر دوبارہ قدم رکھیں۔ یعنی جب کشتی خشکی پر ٹھہرنے کے قریب ہو۔ جب کسی نئی بستی یا نئے شہر میں داخل ہو تو پہلے اس دعا کو پڑھے۔

(۳۶) عذاب سے سلامتی اور حفاظت کی دُعا

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (پارہ ۱۸ سورۂ مومنون کا رکوع ۶)	اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی۔ مقصد یہ ہے کہ ہر مومن کو اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ اردگرد کی پھیلی ہوئی برائیوں سے جب عذاب نازل ہونے لگے تو مجھے محفوظ اور مستثنیٰ کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ کہیں میں بھی لپیٹ میں آجاؤں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہاں محض واسطہ ہیں مقصود امت کو تعلیم دینا ہے۔

(۳۷) شیاطین اور ان کے وساوس سے حفاظت کی دُعا

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۝ (پارہ ۱۸ سورۂ مومنوں کا رکوع ۶)	اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شیاطین کے وسوسوں سے اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ یعنی شیاطین میرے پاس بھی آئیں۔

Marfat.com

یہ استعاذہ حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطہ سے آپکی اُمت کو تعلیم فرمایا ہے چونکہ شیاطین کا ہجوم بیت الخلا میں رہتا ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے یہ استعاذہ پڑھتے تھے۔ ہر مسلمان کو اس کا خاص ہونا چاہیئے۔ اور پاخانہ میں جانے سے قبل یہ دعا پڑھ کر پاخانہ میں داخل ہونا چاہیئے۔

(۳۸) ایماندار بندوں کی دُعا

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (پارہ ۱۸، سورۂ مومنون کا رکوع ۶)	اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہیں

حق تعالیٰ نے اس دعاء کی تعریف فرمائی کہ دنیا میں میرے ایماندار بندے اس طرح دعا کیا کرتے تھے

(۳۹) طلب مغفرت و رحمت کی دُعا

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (پارہ ۱۸ سورۂ مومنون آخری آیت)	اے میرے پروردگار میری مغفرت فرما اور رحم کر اور آپ سب رحم کرنیوالوں سے بہتر ہیں

یہ دعاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی اور آپ کے واسطے سے [illegible] فرمائی گئی ہے۔ طلب رحمت کی درخواست ہر حال اور ہر مقام کے لئے ہے۔

(۴۰) عذاب جہنم سے دُور رہنے کی دُعا

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ (پارہ ۱۹ سورۂ الفرقان کا رکوع ۶)	اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیو کہ بیشک اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے اور بیشک وہ جہنم بُرا ٹھکانہ ہے اور بُرا مقام ہے۔

یہ حق تعالیٰ کے خاص بندوں کی دعا نقل فرمائی گئی ہے جو راتوں کو [illegible]

Marfat.com

(۴۱) اہل و عیال و متعلقین کے دیندار ہونیکی دُعا

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ (پارہ ۱۹۔ سورۂ فرقان کا آخری رکوع)	اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا سردار بنا دے

یہ بھی حق تعالےٰ کے خاص بندوں کی دعا نقل فرمائی گئی ہے کہ جو اپنے بیوی بچوں کی دینداری اور پابند شریعت ہونا دیکھ کر اپنے دل کو باغ باغ رکھنا چاہتے ہیں۔

(۴۲) دُعائے طلب حکمت

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (پارہ ۱۹۔ سورۃ الشعراء کا رکوع ۵)	اے میرے پروردگار مجھے حکمت عطا کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر اور میرا ذکر آئندہ آنیوالوں میں جاری رکھ۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے

(۴۳) دُشمنوں سے نجات کی دُعا

رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (پارہ ۱۹ سورۂ الشعراء کا رکوع ۶)	اے میرے پروردگار میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا ہوا فیصلہ کر دیجئے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجئے۔

یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے۔ جو اپنی قوم کو ۹۵۰ برس تک تبلیغ فرماتے رہے۔ اور قوم نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ ہر طرح کی آپ کو ایذائیں دیں۔ جب قوم کی حالت اتنے عرصۂ دراز تک کہنے سننے سے درست نہ ہوئی اور ان کی ایذا رسانی بہت ہی بڑھ گئی تو آپ نے یہ دعا بارگاہِ الٰہی میں مانگی جس کے نتیجہ میں تمام کافر غرق آب ہو کر ہلاک ہوئے اور صرف مومنین کو کشتی میں سوار ہونے والوں کو نجات ملی۔

(۴۴) دعائے نجات از بدکار قوم

رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ (پارہ ۱۹ سورۃ الشعرآء رکوع ۹)	اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو نجات دے اس کام کے وبال سے جو یہ (قوم والے) کرتے رہتے ہیں۔

یہ حضرت لوط علیہ السلام کی دعا ہے جس کی قبولیت میں وہ بچا لیے گئے اور پوری بدکار قوم تباہ و برباد کر دی گئی۔ آبادی کا تختہ الٹ دیا گیا اور بجائے خشکی کے وہاں پانی کا سمندر بنا دیا گیا۔

(۴۵) دعا شکر نعمت ایمان و عمل صالح

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (پارہ ۱۹ سورۃ النمل رکوع ۲)	اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور اس پر بھی کہ میں نیک کام کیا کروں جس سے تو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت سے داخل رکھ اپنے نیک بندوں میں۔

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ہے۔

(۴۶) دعائے مغفرت

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ (پارہ ۲۰۔ سورہ القصص رکوع ۲)	اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہو گیا سو تو بخش دے۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جب مصر میں آپ سے ایک فرعونی کا قتل ناداستہ ایک گھونسہ مارنے سے ہو گیا تھا۔

(۴۷) دعا، نجات از قوم ظالم

رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (پارہ ۲۰ سورۂ قصص رکوع ۲)	اے میرے پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے بچا لیجئے

یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا ہے جب فرعون نے ایک قبطی کے قتل پر آپ کی گرفتاری کا حکم دیا تو آپ مصر سے مدین کی طرف سفر کرتے چلے گئے۔ مصر سے نکلتے وقت یہ دعا کی

(۴۸) سخت حاجت کی حالت میں دُعا

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (پارہ ۲۰ سورۂ قصص کا رکوع ۳)	اے میرے پروردگار تو جو نعمت بھی مجھے دے دے میں اس کا حاجت مند ہوں۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے۔ جب مصر سے فرعون کی گرفت سے بچ کر بے سروسامانی کی حالت میں مَدْیَنْ پہنچے تو طویل پیدل سفر کے بعد بھوکے پیاسے تھکے ماندے تھے۔ ایک درخت کے سایے میں بیٹھ کر اللہ تعالےٰ سے یہی دعا کی۔ اِسی دعا کی برکت سے حضرت شعیب علیہ السلام کے مہمان بنے پھر آپ کے داماد ہوئے سخت حاجت کی حالت میں بندہ کا اضطراری کیفیت سے اس دعا کا مانگنا تجربہ سے اکسیر ثابت ہوا ہے۔

(۴۹) مُفسدوں پر غلبہ کی دُعا

رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ (پارہ ۲۰ سورہ عنکبوت رکوع ۳)	اے میرے پروردگار مجھے (ان) مفسد لوگوں پر غالب کر دے۔

یہ حضرت لوط علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے اپنی قوم کے مفسدوں پر غلبہ کیلئے فرمائی تھی بالآخر تمام مفسد ہلاک کر دیے گئے تھے۔

(۵۰) اولاد صالح کے لئے دُعا

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (پارہ ۲۳ سورہ الصّٰفّٰت کا رکوع ۳)	اے میرے پروردگار مجھے ایک صالح فرزند دے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا جس کی اجابت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے

Marfat.com

(۵۱) دعا نیک عمل کے لئے

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

(پارہ ۲۶ سورۂ احقاف رکوع ۲)

اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا کی ہیں اور اس پر کہ میں نیک عمل کرتا رہوں کہ تو خوش ہو اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صالحیت پیدا کر دے۔ میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں

اللہ کے نیک اور سعید بندوں کی دعا جو دن رات اپنی عبدیت کے اقرار اور عبادت کے عزم و اہتمام میں لگے رہتے ہیں

(۵۲) مسلمانوں سے حسد و کینہ دُور ہونے کی دُعا

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (پارہ ۲۸ سورۂ حشر رکوع ۱)

اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار تو تو بڑا شفیق ہے۔ بڑا مہربان ہے۔

یہ دعائے خیر متقدمین اور سابقین کے حق میں ہے۔ اپنے سے پہلے کے ایمان والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا علامات ایمان سے ہے۔ اور حضرات صوفیہ کے ہاں تو سلف کے لئے دعا کرنا معمولات میں داخل ہے۔

(۵۳) رجُوع وانابت الی اللہ کی دُعا

رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۝ (پارہ ۲۸ سورۂ الممتحنہ رکوع ۱)

اے ہمارے پروردگار ہم تجھ پر توکل کرتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیرو مومنین کی دعا ہے۔

Marfat.com

(۵۴) کافروں کے ظلم اور تختۂ مشق نہ بننے کی دُعا

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۲۸ سورۂ الممتحنہ رکوع ۱)	اے ہمارے پروردگار ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کردے بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

(۵۵) اتمام نور کی دُعا

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (پارہ ۲۸ سورۂ تحریم رکوع ۲)	اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے اس نور کو اخیر تک قائم رکھیو اور ہماری مغفرت کیجو۔ بیشک آپ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔

یہ اہل ایمان کی اس وقت کی دعا ہے جب وہ آخرت میں پل صراط سے گزر رہے ہوں گے۔ اور جبکہ منافقین کا نور راستہ میں بجھ کر ختم ہو جائے گا۔

(۵۶) کافروں کے ظلم اور شر سے بچنے کی دُعا

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (پارہ ۲۸ سورۂ تحریم رکوع ۲)	اے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنا دے اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل کے اثر سے بچا دے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچا دے۔

یہ فرعون کی مومنہ بی بی حضرت آسیہ کی دعا ہے جن کی تعریف حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمائی ہے۔

(۵۷) اپنی اور اپنے والدین اور تمام مومنین کی مغفرت کی دُعا

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۂ نوح رکوع ۲)	اے میرے پروردگار مجھے بخش اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہو بحیثیت مومن کے اور کل ایمان والوں اور ایمان والیوں کو اور ظالموں کی ہلاکت تو بڑھاتا ہی جا۔

Marfat.com

یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا ہے۔ اور اس دُعا کی ترتیب قابلِ غور اور نہایت سبق آموز ہے سب سے پہلے دعا خود اپنے حق میں فرمائی۔ اس کے بعد اپنے والدین کا نام لیا۔ پھر اپنے مومن متعلقین کے لئے دعا فرمائی۔ پھر سارے اہل ایمان مرد اور عورتوں کو اپنی دُعا میں شامل فرمایا۔ حق تعالےٰ اپنے اس مقبول پیغمبر کی دُعا کی برکت سے ہماری بھی مغفرت فرمائیں۔ آمین۔

(۵۸) تمام مخلوق کے شر اور ایذا سے پناہ مانگنے کی دُعا

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۧ (پارہ ۳۰ سورۂ فلق)

میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری رات کے شر سے جب رات آجائے اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنیوالے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

(۵۹) شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کی دُعا

اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۧ (پارہ ۳۰ سورۂ الناس)

میں انسانوں کے پروردگار کی۔ انسانوں کے بادشاہ کی۔ انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے وسوسہ ڈالنے والے شیطان کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے

(۶۰) دُعاءِ ہدایت و صراطِ مستقیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۠ (پارہ ۱ سورۂ فاتحہ)

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربّی ہیں ہر ہر عالم کے۔ جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ جو مالک ہیں روزِ جزا کے۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔ تبلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا۔ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا۔ اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے

بختم شد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست اجزائے قرآن کریم

یعنی

قرآن کریم کے تیس پاروں کے ناموں کی فہرست

شمار پارہ	نام پارہ	شمار پارہ	نام پارہ
۱	الٓمٓ	۱۶	قَالَ اَلَمْ
۲	سَيَقُوْلُ	۱۷	اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ
۳	تِلْكَ الرُّسُلُ	۱۸	قَدْ اَفْلَحَ
۴	لَنْ تَنَالُوْا	۱۹	وَقَالَ الَّذِيْنَ
۵	وَالْمُحْصَنٰتُ	۲۰	اَمَّنْ خَلَقَ
۶	لَا يُحِبُّ اللّٰهُ	۲۱	اُتْلُ مَا اُوْحِيَ
۷	وَاِذَا سَمِعُوْا	۲۲	وَمَنْ يَّقْنُتْ
۸	وَلَوْ اَنَّنَا	۲۳	وَمَا لِيَ
۹	قَالَ الْمَلَاُ	۲۴	فَمَنْ اَظْلَمُ
۱۰	وَاعْلَمُوْا	۲۵	اِلَيْهِ يُرَدُّ
۱۱	يَعْتَذِرُوْنَ	۲۶	حٰمٓ
۱۲	وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ	۲۷	قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ
۱۳	وَمَا اُبَرِّئُ	۲۸	قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ
۱۴	رُبَمَا	۲۹	تَبٰرَكَ الَّذِيْ
۱۵	سُبْحٰنَ الَّذِيْ	۳۰	عَمَّ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعاء بدرگاہ ربّ العزّت

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

(اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرمائیے

بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں)

احقر مؤلف بندہ محمد احمد عفا عنہ

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

بحساب

ترتیبِ تلاوت بمعہ تعداد رکوعات و آیات
و
مقاماتِ سجدہ

مُرتّبہ

احقر بندہ محمد احمد عفا اللہ عنہ

Marfat.com

شمار سورت	نام سورت	مکی یا مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	شمار پارہ	شمار سجدہ
			منزل اوّل			
۱	سُوْرَةُ الْفَاتِحَة	مَکِّیَّۃٌ	ایک	۷	۱	
۲	سُوْرَةُ الْبَقَرَة	مَدَنِیَّۃٌ	۴۰	۲۸۶	۱-۲-۳	
۳	سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن	〃	۲۰	۲۰۰	۳-۴	
۴	سُوْرَةُ النِّسَآء	〃	۲۴	۱۷۶	۴-۵-۶	
			منزل دوم			
۵	سُوْرَةُ الْمَآئِدَة	مَدَنِیَّۃٌ	۱۶	۱۲۰	۶-۷	
۶	سُوْرَةُ الْاَنْعَام	مَکِّیَّۃٌ	۲۰	۱۶۵	۷-۸	
۷	سُوْرَةُ الْاَعْرَاف	〃	۲۴	۲۰۶	۸-۹	پہلا سجدہ
۸	سُوْرَةُ الْاَنْفَال	مَدَنِیَّۃٌ	۱۰	۷۵	۹-۱۰	
۹	سُوْرَةُ التَّوْبَة	〃	۱۶	۱۲۹	۱۰-۱۱	
			منزل سوم			
۱۰	سُوْرَةُ یُوْنُس	مَکِّیَّۃٌ	۱۱	۱۰۹	۱۱	

Marfat.com

شمار سورت	نام سورت	مکی یا مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	پارہ نمبر	شمار سجدہ
۱۱	سُوْرَۃ ھُوْد	مَکِّیَّۃٌ	۱۰	۱۲۳	۱۱ ـ ۱۲	
۱۲	سُوْرَۃ یُوْسُفْ	〃	۱۲	۱۱۱	۱۲ ـ ۱۳	
۱۳	سُوْرَۃُ الرَّعْد	〃	۶	۴۳	۱۳	دوسرا سجدہ ۲
۱۴	سُوْرَۃ اِبْرَاھِیْم	〃	۷	۵۲	۱۳	
۱۵	سُوْرَۃُ الْحِجْر	〃	۶	۹۹	۱۳ ـ ۱۴	
۱۶	سُوْرَۃُ النَّحْل	〃	۱۶	۱۲۸	۱۴	تیسرا سجدہ ۳
	منزل چہارم					
۱۷	سُوْرَۃ بَنِیْ اِسْرَائِیْل	مَکِّیَّۃٌ	۱۲	۱۱۱	۱۵	چوتھا سجدہ ۴
۱۸	سُوْرَۃُ الْکَھْف	〃	۱۲	۱۱۰	۱۵ ـ ۱۶	
۱۹	سُوْرَۃُ مَرْیَمْ	〃	۶	۹۸	۱۶	پانچواں سجدہ ۵
۲۰	سُوْرَۃُ طٰہٰ	〃	۸	۱۳۵	۱۶	
۲۱	سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآء	〃	۷	۱۱۲	۱۷	
۲۲	سُوْرَۃُ الْحَجّ	مَدَنِیَّۃٌ	۱۰	۷۸	۱۷	چھٹا سجدہ ۶

Marfat.com

شمار سورۃ	نام سورۃ	مکی یا مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	پارہ نمبر	شمار سجدہ
۲۳	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن	مَکِّیَّۃٌ	۶	۱۱۸	۱۸	
۲۴	سُوْرَۃُ النُّوْر	مَدَنِیَّۃٌ	۹	۶۴	۱۸	
۲۵	سُوْرَۃُ الْفُرْقَان	مَکِّیَّۃٌ	۶	۷۷	۱۸ – ۱۹	ساتواں سجدہ
		منزل پنجم				
۲۶	سُوْرَۃُ الشُّعَرَآء	مَکِّیَّۃٌ	۱۱	۲۲۷	۱۹	
۲۷	سُوْرَۃُ النَّمْل	〃	۷	۹۳	۱۹ – ۲۰	آٹھواں سجدہ
۲۸	سُوْرَۃُ الْقَصَص	〃	۹	۸۸	۲۰	
۲۹	سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت	〃	۷	۶۹	۲۰ – ۲۱	
۳۰	سُوْرَۃُ الرُّوْم	〃	۶	۶۰	۲۱	
۳۱	سُوْرَۃُ لُقْمٰن	〃	۴	۳۴	۲۱	
۳۲	سُوْرَۃُ السَّجْدَۃ	〃	۳	۳۰	۲۱	نواں سجدہ
۳۳	سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب	مَدَنِیَّۃٌ	۹	۷۳	۲۱ – ۲۲	
۳۴	سُوْرَۃُ سَبَا	مَکِّیَّۃٌ	۶	۵۴	۲۲	

Marfat.com

شمار سورۃ	نام سورت	مکی یا مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	پارہ نمبر	شمار سجدہ
۳۵	سُوْرَۃُ فَاطِرْ	مَکِّیَّۃٌ	۵	۴۵	۲۲	
۳۶	سُوْرَۃُ یٰسٓ	〃	۵	۸۳	۲۲ ـ ۲۳	
			منزل ششم			
۳۷	سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت	مَکِّیَّۃٌ	۵	۱۸۲	۲۳	
۳۸	سُوْرَۃُ صٓ	〃	۵	۸۸	۲۳	دسواں سجدہ
۳۹	سُوْرَۃُ الزُّمَرْ	〃	۸	۷۵	۲۳ ـ ۲۴	
۴۰	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنْ	〃	۹	۸۵	۲۴	
۴۱	سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ	〃	۶	۵۴	۲۴ ـ ۲۵	گیارھواں سجدہ
۴۲	سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی	〃	۵	۵۳	۲۵	
۴۳	سُوْرَۃُ الزُّخْرُفْ	〃	۷	۸۹	۲۵	
۴۴	سُوْرَۃُ الدُّخَانْ	〃	۳	۵۹	۲۵	
۴۵	سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃ	〃	۴	۳۷	۲۵	
۴۶	سُوْرَۃُ الْاَحْقَاف	〃	۴	۳۵	۲۶	

Marfat.com

شمار سورۃ	نام سورۃ	مکی یا مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	پارہ نمبر	شمار سجدہ
۴۷	سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم	مَدَنِیَّۃٌ	۴	۳۸	۲۶	
۴۸	سُوْرَۃُ الْفَتْحِ	〃	۴	۲۹	۲۶	
۴۹	سُوْرَۃُ الْحُجُرٰتِ	〃	۲	۱۸	۲۶	
		منزل ہفتم				
۵۰	سُوْرَۃُ قٓ	مَکِّیَّۃٌ	۳	۴۵	۲۶	
۵۱	سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ	〃	۳	۶۰	۲۶ - ۲۷	
۵۲	سُوْرَۃُ الطُّوْرِ	〃	۲	۴۹	۲۷	
۵۳	سُوْرَۃُ النَّجْمِ	〃	۳	۶۲	۲۷	بارھواں سجدہ ۱۲
۵۴	سُوْرَۃُ الْقَمَرِ	〃	۳	۵۵	۲۷	
۵۵	سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ	〃	۳	۷۸	۲۷	
۵۶	سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ	〃	۳	۹۶	۲۷	
۵۷	سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ	مَدَنِیَّۃٌ	۴	۲۹	۲۷	
۵۸	سُوْرَۃُ الْمُجَادَلَۃِ	〃	۳	۲۲	۲۸	
۵۹	سُوْرَۃُ الْحَشْرِ	〃	۳	۲۴	۲۸	

Marfat.com

شمار سورۃ	نام سورۃ	مکی یا مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	پارہ نمبر	شمار سجدہ
٦٠	سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة	مَدَنِيَّة	٢	١٣	٢٨	
٦١	سُوْرَةُ الصَّفِّ	〃	٢	١٤	٢٨	
٦٢	سُوْرَةُ الْجُمُعَة	〃	٢	١١	٢٨	
٦٣	سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْن	〃	٢	١١	٢٨	
٦٤	سُوْرَةُ التَّغَابُن	〃	٢	١٨	٢٨	
٦٥	سُوْرَةُ الطَّلَاق	〃	٢	١٢	٢٨	
٦٦	سُوْرَةُ التَّحْرِيْم	〃	٢	١٢	٢٨	
٦٧	سُوْرَةُ الْمُلْك	مَكِّيَّة	٢	٣٠	٢٩	
٦٨	سُوْرَةُ الْقَلَم	〃	٢	٥٢	٢٩	
٦٩	سُوْرَةُ الْحَآقَّة	〃	٢	٥٢	٢٩	
٧٠	سُوْرَةُ الْمَعَارِج	〃	٢	٤٤	٢٩	
٧١	سُوْرَةُ نُوْح	〃	٢	٢٨	٢٩	
٧٢	سُوْرَةُ الْجِنّ	〃	٢	٢٨	٢٩	

Marfat.com

شمار سورۃ	نام سورۃ	مکی یا مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	پارہ نمبر	شمار سجدہ
۷۳	سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلْ	مَكِّيَّةٌ	۲	۲۰	۲۹	
۷۴	سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرْ	〃	۲	۵۶	۲۹	
۷۵	سُوْرَةُ الْقِيَامَةِ	〃	۲	۴۰	۲۹	
۷۶	سُوْرَةُ الدَّهْرِ	〃	۲	۳۱	۲۹	
۷۷	سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ	〃	۲	۵۰	۲۹	
۷۸	سُوْرَةُ النَّبَا	〃	۲	۴۰	۳۰	
۷۹	سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ	〃	۲	۴۶	۳۰	
۸۰	سُوْرَةُ عَبَسَ	〃	۱	۴۲	۳۰	
۸۱	سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ	〃	۱	۲۹	۳۰	
۸۲	سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ	〃	۱	۱۹	۳۰	
۸۳	سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ	〃	۱	۳۶	۳۰	
۸۴	سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ	〃	۱	۲۵	۳۰	تیرھواں ۱۳ سجدہ
۸۵	سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ	〃	۱	۲۲	۳۰	

Marfat.com

شمار سورۃ	نام سورۃ	مکی مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	پارہ نمبر	شمار سجدہ
۸۶	سُوْرَۃُ الطَّارِق	مَکِّیَّۃٌ	۱	۱۷	۳۰	
۸۷	سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی	〃	۱	۱۹	۳۰	
۸۸	سُوْرَۃُ الْغَاشِیَہ	〃	۱	۲۶	۳۰	
۸۹	سُوْرَۃُ الْفَجْر	〃	۱	۳۰	۳۰	
۹۰	سُوْرَۃُ الْبَلَدْ	〃	۱	۲۰	۳۰	
۹۱	سُوْرَۃُ الشَّمْسْ	〃	۱	۱۵	۳۰	
۹۲	سُوْرَۃُ الَّیْلْ	〃	۱	۲۱	۳۰	
۹۳	سُوْرَۃُ الضُّحٰی	〃	۱	۱۱	۳۰	
۹۴	سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ	〃	۱	۸	۳۰	
۹۵	سُوْرَۃُ التِّیْنِ	〃	۱	۸	۳۰	
۹۶	سُوْرَۃُ الْعَلَقْ	〃	۱	۱۹	۳۰	۱۴ چودھواں سجدہ
۹۷	سُوْرَۃُ الْقَدْر	〃	۱	۵	۳۰	
۹۸	سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃ	مَدَنِیَّۃٌ	۱	۸	۳۰	

شمار سورۃ	نام سورۃ	مکی یا مدنی	تعداد رکوع	تعداد آیات	پارہ نمبر	شمار سجدہ
۹۹	سُوْرَۃُ الزِّلْزَال	مَدَنِیَّۃٌ	۱	۸	۳۰	
۱۰۰	سُوْرَۃُ العٰدِیٰت	مَکِّیَّۃٌ	۱	۱۱	۳۰	
۱۰۱	سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃ	〃	۱	۱۱	۳۰	
۱۰۲	سُوْرَۃُ التَّکَاثُرُ	〃	۱	۸	۳۰	
۱۰۳	سُوْرَۃُ الْعَصْرِ	〃	۱	۳	۳۰	
۱۰۴	سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃ	〃	۱	۹	۳۰	
۱۰۵	سُوْرَۃُ الْفِیْلِ	〃	۱	۵	۳۰	
۱۰۶	سُوْرَۃُ الْقُرَیْش	〃	۱	۴	۳۰	
۱۰۷	سُوْرَۃُ الْمَاعُوْن	〃	۱	۷	۳۰	
۱۰۸	سُوْرَۃُ الْکَوْثَرُ	〃	۱	۳	۳۰	
۱۰۹	سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْن	〃	۱	۶	۳۰	
۱۱۰	سُوْرَۃُ النَّصْرُ	مَدَنِیَّۃٌ	۱	۳	۳۰	
۱۱۱	سُوْرَۃُ اللَّھَبُ	مَکِّیَّۃٌ	۱	۵	۳۰	
۱۱۲	سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصُ	〃	۱	۴	۳۰	
۱۱۳	سُوْرَۃُ الْفَلَقُ	〃	۱	۵	۳۰	
۱۱۴	سُوْرَۃُ النَّاسُ	〃	۱	۶	۳۰	

ختم شد

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست دُروس جلد اوّل درسِ قرآن

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورت	رکوع نمبر	آیت نمبر	
-	درس ۱	اَلْاِسْتِعَاذَہْ (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم)			۱۴۷
-	درس ۲	تَسْمِیَہْ (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم)			۱۵۳
۱	درس ۳	سورۂ فاتحہ (حصہ اوّل)			۱۵۸
۲	درس ۴	سورۂ فاتحہ (حصہ دوم)	۱-۲-۳		۱۶۲
۳	درس ۵	سورۂ فاتحہ (حصہ سوم)	۴-۵		۱۶۶
۴	درس ۶	سورۂ فاتحہ (حصہ چہارم)	۶-۷		۱۷۱
		پہلا پارہ الٓمٓ			
۱	درس ۷	سورۂ بقرہ	رکوع ۱	آیت ۱ و ۲	۱۷۵
۲	درس ۸	〃	〃 ۱	〃 ۳،۴،۵	۱۸۳
۳	درس ۹	〃	〃 ۱	〃 ۶،۷	۱۹۰
۴	درس ۱۰	〃	〃 ۲	〃 ۸،۹،۱۰	۱۹۴

Marfat.com

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۵	درس ۱۱	سورۃ بقرہ	۲	۱۱ر۱۲ر۱۳ر۱۴ر۱۵ر۱۶	۱۹۹
۶	درس ۱۲	″	۲	۱۷ر۱۸ر ۱۹ ر۲۰	۲۰۴
۷	درس ۱۳	″	۳	۲۱ ر ۲۲	۲۰۹
۸	درس ۱۴	″	۳	۲۳ ر ۲۴	۲۱۴
۹	درس ۱۵	″	۳	۲۵	۲۱۹
۱۰	درس ۱۶	″	۳	۲۶ ر ۲۷	۲۲۳
۱۱	درس ۱۷	″	۳	۲۸ ر ۲۹	۲۲۸
۱۲	درس ۱۸	″	۴	۳۰ر۳۱ر۳۲ر۳۳	۲۳۲
۱۳	درس ۱۹	″	۴	۳۴	۲۳۸
۱۴	درس ۲۰	″	۴	۳۵ ر ۳۶	۲۴۲
۱۵	درس ۲۱	″	۴	۳۷ر۳۸ر۳۹	۲۴۸
۱۶	درس ۲۲	″	۵	۴۰	۲۵۴
۱۷	درس ۲۳	″	۵	۴۱ر۴۲ر۴۳	۲۵۸
۱۸	درس ۲۴	″	۵	۴۴-۴۵-۴۶	۲۶۴
۱۹	درس ۲۵	″	۶	۴۷ ر ۴۸	۲۶۹
۲۰	درس ۲۶	″	۶	۴۹ ر ۵۰	۲۷۳

Marfat.com

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۲۱	درس ۲۷	سورۃ بقرہ	۶	۵۴،۵۳،۵۲،۵۱	۲۷۷
۲۲	درس ۲۸	″	۶	۵۷،۵۶،۵۵	۲۸۲
۲۳	درس ۲۹	″	۶	۵۹،۵۸	۲۸۷
۲۴	درس ۳۰	″	۷	۶۰	۲۹۲
۲۵	درس ۳۱	″	۷	۶۱	۲۹۵
۲۶	درس ۳۲	″	۸	۶۲	۳۰۰
۲۷	درس ۳۳	″	۸	۶۶،۶۵،۶۴،۶۳	۳۰۴
۲۸	درس ۳۴	″	۸	۷۱،۷۰،۶۹،۶۸،۶۷	۳۱۰
۲۹	درس ۳۵	″	۹	۷۴،۷۳،۷۲	۳۱۵
۳۰	درس ۳۶	″	۹	۷۷،۷۶،۷۵	۳۲۰
۳۱	درس ۳۷	″	۹	۸۳،۸۱،۸۰،۷۹،۷۸	۳۲۴
۳۲	درس ۳۸	″	۱۰	۸۳	۳۳۰
۳۳	درس ۳۹	″	۱۰	۸۶،۸۵،۸۴	۳۳۴
۳۴	درس ۴۰	″	۱۱	۸۷	۳۳۹
۳۵	درس ۴۱	″	۱۱	۹۰،۸۹،۸۸	۳۴۲
۳۶	درس ۴۲	″	۱۱	۹۳،۹۲،۹۱	۳۴۹

Marfat.com

شمار درس ہر سورہ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۳۷	درس ۴۳	سورۃ بقرہ ۵	۱۱	۹۶ ، ۹۵،۹۴	۳۵۴
۳۸	درس ۴۴	〃	۱۲	۱۰۱ر۱۰۰ر۹۹،۹۸،۹۷	۳۶۰
۳۹	درس ۴۵	〃	۱۲	۱۰۳ ر ۱۰۲	۳۶۵
۴۰	درس ۴۶	〃	۱۳	۱۰۵ ر ۱۰۴	۳۷۲
۴۱	درس ۴۷	〃	۱۳	۱۰۷ ر ۱۰۶	۳۷۶
۴۲	درس ۴۸	〃	۱۳	۱۱۰ ر ۱۰۹ ر ۱۰۸	۳۸۰
۴۳	درس ۴۹	〃	۱۳ ۱۴	۱۱۱ و ۱۱۲ ۱۱۳	۳۸۵
۴۴	درس ۵۰	〃	۱۴	۱۱۵ ر ۱۱۴	۳۹۲
۴۵	درس ۵۱	〃	۱۴	۱۱۷ و ۱۱۶	۳۹۸
۴۶	درس ۵۲	〃	۱۴	۱۱۹ و ۱۱۸	۴۰۱
۴۷	درس ۵۳	〃	۱۴	۱۲۱ و ۱۲۰	۴۰۵
۴۸	درس ۵۴	〃	۱۵	۱۲۳ و ۱۲۲	۴۰۸
۴۹	درس ۵۵	〃	۱۵	۱۲۴	۴۱۱
۵۰	درس ۵۶	〃	۱۵	۱۲۵	۴۱۷
۵۱	درس ۵۷	〃	۱۵	۱۲۶	۴۲۱

Marfat.com

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۵۲	درس ۵۸	سورۂ بقرہ	۱۵	۱۲۷، ۱۲۸ و ۱۲۹	۴۲۴
۵۳	درس ۵۹	〃	۱۶	۱۳۰ تا ۱۳۲	۴۲۸
۵۴	درس ۶۰	〃	۱۶	۱۳۳ و ۱۳۴	۴۳۱
۵۵	درس ۶۱	〃	۱۶	۱۳۵ و ۱۳۶	۴۳۵
۵۶	درس ۶۲	〃	۱۶	۱۳۷ و ۱۳۸	۴۳۸
۵۷	درس ۶۳	〃	۱۶	۱۳۹، ۱۴۰ و ۱۴۱	۴۴۴
		دوسرا پارہ سَیَقُوْل			
۵۸	درس ۶۴	سورۂ بقرہ	۱۷	۱۴۲	۴۴۷
۵۹	درس ۶۵	〃	۱۷	۱۴۳	۴۵۰
۶۰	درس ۶۶	〃	۱۷	۱۴۴	۴۵۴
۶۱	درس ۶۷	〃	۱۷	۱۴۵، ۱۴۶ و ۱۴۷	۴۵۷
۶۲	درس ۶۸	〃	۱۸	۱۴۸، ۱۴۹ و ۱۵۰	۴۶۱
۶۳	درس ۶۹	〃	۱۸	۱۵۱ و ۱۵۲	۴۶۵
۶۴	درس ۷۰	〃	۱۹	۱۵۳	۴۷۰
۶۵	درس ۷۱	〃	۱۹	۱۵۴	۴۷۴
۶۶	درس ۷۲	〃	۱۹	۱۵۵، ۱۵۶ و ۱۵۷	۴۷۷

Marfat.com

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۶۷	درس ۷۳	سورۂ بقرہ	۱۹	۱۵۸	۴۸۰
۶۸	درس ۷۴	〃	۱۹	۱۵۹ و ۱۶۰ و ۱۶۱ و ۱۶۲	۴۸۳
۶۹	درس ۷۵	〃	۱۹ و ۲۰	۱۶۳ و ۱۶۴	۴۸۷
۷۰	درس ۷۶	〃	۲۰	۱۶۵ و ۱۶۶ و ۱۶۷	۴۹۲
۷۱	درس ۷۷	〃	۲۱	۱۶۸ و ۱۶۹	۴۹۶
۷۲	درس ۷۸	〃	۲۱	۱۷۰ و ۱۷۱	۵۰۰
۷۳	درس ۷۹	〃	۲۱	۱۷۲ و ۱۷۳	۵۰۵
۷۴	درس ۸۰	〃	۲۱	۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۷۶	۵۱۰
۷۵	درس ۸۱	〃	۲۲	۱۷۷ (حصّہ اوّل)	۵۱۳
۷۶	درس ۸۲	〃	۲۲	۱۷۷ (حصّہ دوم)	۵۱۷
۷۷	درس ۸۳	〃	۲۲	۱۷۷ (حصّہ سوم)	۵۲۱
۷۸	درس ۸۴	〃	۲۲	۱۷۸ و ۱۷۹	۵۲۵
۷۹	درس ۸۵	〃	۲۲	۱۸۰ و ۱۸۱ و ۱۸۲	۵۲۹
۸۰	درس ۸۶	〃	۲۳	۱۸۳ و ۱۸۴	۵۳۴
۸۱	درس ۸۷	〃	۲۳	۱۸۵	۵۳۷
۸۲	درس ۸۸	〃	۲۳	۱۸۶	۵۴۱

Marfat.com

شمار درس ہر سورہ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۸۳	درس ۸۹	سورہ بقرہ	۲۳	۱۸۷	۵۴۴
۸۴	درس ۹۰	〃	۲۳	۱۸۸	۵۴۸
۸۵	درس ۹۱	〃	۲۴	۱۸۹	۵۵۲
۸۶	درس ۹۲	〃	۲۴	۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴	۵۵۶
۸۷	درس ۹۳	〃	۲۴	۱۹۵	۵۶۳
۸۸	درس ۹۴	〃	۲۴	۱۹۶ (جزء)	۵۶۶
۸۹	درس ۹۵	〃	۲۴	۱۹۶ (جزء)	۵۷۰
۹۰	درس ۹۶	〃	۲۵	۱۹۷	۵۷۴
۹۱	درس ۹۷	〃	۲۵	۱۹۸	۵۷۷
۹۲	درس ۹۸	〃	۲۵	۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳	۵۸۲
۹۳	درس ۹۹	〃	۲۵	۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶ و ۲۰۷	۵۸۸
۹۴	درس ۱۰۰	〃	۲۵	۲۰۸ ، ۲۰۹	۵۹۲
۹۵	درس ۱۰۱	〃	۲۵ و ۲۶	۲۱۰ و ۲۱۱	۵۹۵
۹۶	درس ۱۰۲	〃	۲۶	۲۱۲	۵۹۸
۹۷	درس ۱۰۳	〃	۲۶	۲۱۳	۶۰۱
۹۸	درس ۱۰۴	〃	۲۶	۲۱۴	۶۰۵

Marfat.com

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۹۹	درس ۱۰۵	سورۂ بقرہ	۲۶	۲۱۵	۶۰۸
۱۰۰	درس ۱۰۶	〃	۲۶	۲۱۶	۶۱۱
۱۰۱	درس ۱۰۷	〃	۲۷	۲۱۷	۶۱۵
۱۰۲	درس ۱۰۸	〃	۲۷	۲۱۸	۶۲۰
۱۰۳	درس ۱۰۹	〃	۲۷	۲۱۹ (جزء)	۶۲۳
۱۰۴	درس ۱۱۰	〃	۲۷	۲۱۹ (جزء)	۶۲۶
۱۰۵	درس ۱۱۱	〃	۲۷	۲۲۰	۶۲۹
۱۰۶	درس ۱۱۲	〃	۲۷	۲۲۱	۶۳۲
۱۰۷	درس ۱۱۳	〃	۲۸	۲۲۲و۲۲۳	۶۳۶
۱۰۸	درس ۱۱۴	〃	۲۸	۲۲۴ و۲۲۵	۶۴۲
۱۰۹	درس ۱۱۵	〃	۲۸	۲۲۶ و ۲۲۷	۶۴۵
۱۱۰	درس ۱۱۶	〃	۲۸	۲۲۸	۶۴۸
۱۱۱	درس ۱۱۷	〃	۲۹	۲۲۹	۶۵۱
۱۱۲	درس ۱۱۸	〃	۲۹	۲۳۰	۶۵۵
۱۱۳	درس ۱۱۹	〃	۲۹	۲۳۱	۶۵۹
۱۱۴	درس ۱۲۰	〃	۳۰	۲۳۲	۶۶۳

Marfat.com

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۱۱۵	درس ۱۲۱	سورۂ بقرہ	۳۰	۲۳۳	۶۶۷
۱۱۶	درس ۱۲۲	〃	۳۰	۲۳۴	۶۷۲
۱۱۷	درس ۱۲۳	〃	۳۰	۲۳۵	۶۷۶
۱۱۸	درس ۱۲۴	〃	۳۱	۲۳۶ و ۲۳۷	۶۸۰
۱۱۹	درس ۱۲۵	〃	۳۱	۲۳۸ و ۲۳۹	۶۸۴
۱۲۰	درس ۱۲۶	〃	۳۱	۲۴۰ و ۲۴۱ و ۲۴۲	۶۸۷
۱۲۱	درس ۱۲۷	〃	۳۲	۲۴۳ و ۲۴۴	۶۹۱
۱۲۲	درس ۱۲۸	〃	۳۲	۲۴۵	۶۹۴
۱۲۳	درس ۱۲۹	〃	۳۲	۲۴۶	۶۹۹
۱۲۴	درس ۱۳۰	〃	۳۲	۲۴۷	۳
۱۲۵	درس ۱۳۱	〃	۳۳	۲۴۸	۷۰۶
۱۲۶	درس ۱۳۲	〃	۳۳	۲۴۹	۷۰۹
۱۲۷	درس ۱۳۳	〃	۳۳	۲۵۰ و ۲۵۱ و ۲۵۲	۷۱۳
		تیسرا پارہ تِلْكَ الرُّسُلُ			
۱۲۸	درس ۱۳۴	سورۂ بقرہ	۳۳	۲۵۳	۷۱۸
۱۲۹	درس ۱۳۵	〃	۳۴	۲۵۴	۷۲۴

Marfat.com

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۱۳۰	درس ۱۳۶	سورۂ بقرہ	۳۴	۲۵۵	۷۲۷
۱۳۱	درس ۱۳۷	〃	۳۴	۲۵۶	۷۳۳
۱۳۲	درس ۱۳۸	〃	۳۴	۲۵۷	۷۳۷
۱۳۳	درس ۱۳۹	〃	۳۵	۲۵۸	۷۳۹
۱۳۴	درس ۱۴۰	〃	۳۵	۲۵۹	۷۴۳
۱۳۵	درس ۱۴۱	〃	۳۵	۲۶۰	۷۴۸
۱۳۶	درس ۱۴۲	〃	۳۶	۲۶۱ و ۲۶۲ و ۲۶۳	۷۵۲
۱۳۷	درس ۱۴۳	〃	۳۶	۲۶۴ و ۲۶۵	۷۵۷
۱۳۸	درس ۱۴۴	〃	۳۶	۲۶۶	۷۶۰
۱۳۹	درس ۱۴۵	〃	۳۶	۲۶۷، ۲۶۸ و ۲۶۹	۷۶۳
۱۴۰	درس ۱۴۶	〃	۳۷	۲۷۰ و ۲۷۱	۷۶۹
۱۴۱	درس ۱۴۷	〃	۳۷	۲۷۲	۷۷۲
۱۴۲	درس ۱۴۸	〃	۳۷ و ۳۸	۲۷۳ و ۲۷۴	۷۷۵
۱۴۳	درس ۱۴۹	〃	۳۸	۲۷۵	۷۷۹
۱۴۴	درس ۱۵۰	〃	۳۸	۲۷۶	۷۸۴
۱۴۵	درس ۱۵۱	〃	۳۸	۲۷۷، ۲۷۸ و ۲۷۹	۷۸۷

Marfat.com

شمار درس ہر سورۃ میں	شمار درس در جلد اوّل	تفصیل حوالہ جس کی تفسیر و تشریح درس میں کی گئی ہے			صفحہ
		نام سورۃ	رکوع نمبر	آیت نمبر	
۱۴۶	درس ۱۵۲	سورۂ بقرہ	۳۸	۲۸۰ ، ۲۸۱	۷۹۲
۱۴۷	درس ۱۵۳	〃	۳۹	۲۸۲ (جزء)	۷۹۶
۱۴۸	درس ۱۵۴	〃	۳۹	۲۸۲ (جزء)	۷۹۹
۱۴۹	درس ۱۵۵	〃	۳۹	۲۸۳	۸۰۴
۱۵۰	درس ۱۵۶	〃	۴۰	۲۸۴	۸۰۷
۱۵۱	درس ۱۵۷	〃	۴۰	۲۸۵ ، ۲۸۶	۸۱۱
۱۵۲	درس ۱۵۸	〃	پوری سورۂ بقرہ کے ہر رکوع کا خلاصہ		۸۱۷

فہرست دروس جلد اول ختم شد

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین تفسیریہ جلد اوّل درسِ قرآن

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱	اَلْاِسْتِعَاذَہْ۔ -- -- -- -- -- --	۱۴۷
	استعاذہ کے معنی اور حکم۔ استعاذہ کی حکمت، ضرورت، حقیقت و اہمیت۔ استعاذہ کے الفاظ، استعاذہ کی فضیلت، انبیاء کرام کے استعاذہ قرآن کریم میں۔ شیاطین جنات میں بھی ہیں اور انسانوں میں بھی۔ پہلے فرشتوں کی تخلیق ہوئی نور سے، فرشتوں کے بعد جنات کی تخلیق آگ سے۔ جنات مستقل مخلوق ہیں۔ انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف شریعت ہیں۔ ان میں بھی نیک و بد۔ کافر و مسلم ہوتے ہیں۔	
	حضرت آدمؑ کی پیدائش سے کئی ہزار برس پہلے زمین پر جنات آباد تھے۔ جنات میں فتنہ و فساد، قتل و خونریزی، ابلیس اور اس کی عبادت۔	
	ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار۔ ابلیس کا راندۂ درگاہ ہونا۔ استعاذہ کی تعلیم کا خلاصہ۔ دعاء	۱۵۲
درس ۲	تَسْمِیَہْ۔ -- -- -- -- -- --	۱۵۳
	تلاوت قرآن یا کسی نیکی کے عمل میں استعاذہ کے بعد بِسْمِ اللّٰہ کی ہدایت۔ بسم اللہ کی اہمیت اور اس کی تاثیر۔ بسم اللہ کی حقیقت۔ برکت و افادیت۔ بسم اللہ پڑھنے کی ہدایات احادیث میں۔ امام المفسرین امام رازیؒ کا نکتہ۔ بسم اللہ کی تشریح۔ حق تعالیٰ کے تین نام اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم کی تشریح عبدالرحمٰن کے نام کا ادب۔ رحمٰن اینڈ کو۔ رحمٰن برادرز۔ رحمٰن اینڈ سنز یہ سب نام رکھنا گناہ ہیں۔ بسم اللہ سے متعلق ضروری احکام و مسائل۔ بسم اللہ سے متعلق بزرگان دین کا فرمودہ ایک عمل۔ دعاء	۱۵۷

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۳	سورۃ الفاتحہ (حصہ اوّل)۔	۱۵۸
	سورۂ فاتحہ کے اسماء۔ سورۃ کے فضائل وخصوصیات۔ شان نزول، تعداد آیات وکلمات ترتیب نزول اور ترتیب تلاوت۔ خلاصہ مضامین سورۂ فاتحہ۔ دعاء	۱۶۱
درس ۴	سورۃ الفاتحہ (حصہ دوم)۔	۱۶۲
	اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تشریح۔ ہر حمد وثنا کی مستحق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اس کی وجہ ودلیل۔ لفظ رَبّ کی تشریح۔ اَلرَّحْمٰن، اَلرَّحِیْم کی تشریح۔ رحمٰن ورحیم کے مفہوم جدا ہیں۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن کی تشریح۔ تین ابتدائی آیات کا خلاصہ۔ دعاء	۱۶۵
درس ۵	سورۃ الفاتحہ (حصہ سوم)۔	۱۶۶
	اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تشریح۔ لفظ عبادت کا مفہوم۔ عبادت کی دس قسمیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ کی حکایت۔ تشریح مطلق استعانت واستعانت بالغیر۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی تشریح۔ ہدایت وصراطِ مستقیم کا مطلب ہدایت کی قسمیں۔ صراطِ مستقیم کی وضاحت دعاء	۱۷۰
درس ۶	سورۃ الفاتحہ (حصہ چہارم)۔	۱۷۱
	صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تشریح۔ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے مصداق انبیاء، صدیقین، شہداء ورصالحین ہیں۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کی تشریح لفظ آمین کی تشریح۔ آمین آہستہ کہنا بہتر ہے۔ سورۂ فاتحہ سے متعلق چند مجربات جو مشائخ طریقت سے منقول ہیں۔ دعاء	۱۷۴
درس ۷	اِبْتَدَا سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ۔ پہلا پارہ الٓمّٓ	
	سورۂ بقرہ کی وجہ تسمیہ خصوصیات وفضائل۔ مقام نزول وشان نزول، تعداد آیات رکوعات وکلمات۔ خلاصہ مضامین سورۃ۔ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ میں ربط۔ حروف	۱۷۵

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	متقطعات کی تشریح۔ حروفِ مقطعات کے متعلق صحیح عقیدہ۔ یہود مدینہ کے رفع شک کے لئے ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ خصوصیت قرآن کریم تقویٰ کے معنی اور مطلب۔ قرآن کریم سے فائدہ متقین اٹھائیں گے۔ اِس کی مثال تقویٰ کے درجات۔ دُعاء	۱۸۲
درس ۸	قرآنی ہدایات کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں۔ مومنین[۱]۔ کفار[۲]۔ منافقین[۳]۔ مومنین یعنی متقین کی پانچ صفات۔ ایمان کی تعریف۔ غیب کے مطلب و معنیٰ۔ ایمان بالغیب کی فضیلت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر دیکھے ہوئے ایمان لانے کی فضیلت۔ نماز کے قائم رکھنے کی مراد۔ ایمان کے بعد نماز کا درجہ۔ نماز کی اہمیت۔ لفظ رزق کی تشریح۔ اللہ کے رستے میں مال خرچ کرنے کی سات قسمیں۔ سابقہ کتب آسمانی پر ایمان رکھنے کا مطلب۔ مسئلہ "ختم نبوت" کی ایک عجیب اور واضح دلیل۔ آخرت اور اس پر یقین کا مطلب۔ آخرت سے مراد عالم آخرت ہے۔ عالم آخرت کی اہمیت۔ دنیا دار العمل ہے۔ آخرت دار الجزا ہے۔ عالم برزخ موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ عالم برزخ اور عالم آخرت اور عالم دنیا کا گہرا تعلق۔ آخرت پر ایمان رکھنا نہیں فرمایا بلکہ یقین رکھنا فرمایا۔ ایمان و یقین دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ متقین کی جزا کا بیان۔ لفظ مُفلِحُون کا مطلب۔ صحابہ کرام اور قرنِ اوّل کے اہل ایمان کی کامیابی۔ آج مسلمان بھی عامل بالقرآن ہو جائیں تو ان سے بھی وعدہ کامیابی ہے۔ دُعاء	۱۸۳ ۱۸۹
درس ۹	متقین کے ضد کفار و منکرین کا انجام۔ کفر کے مطلب۔ کفر کی پانچ قسمیں۔ کافروں کو ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں اس کا مطلب۔ ایک شبہ کا جواب اور اس کا ازالہ۔ اللہ کا دلوں پر بند لگانے کا مطلب۔ حصولِ علم ہدایت کے تین ذریعے ہیں۔ کفار کے ایمان نہ لانے پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ سزا کی مختلف شکلیں۔ دُعاء	۱۹۰ ۱۹۳
درس ۱۰	منافقین کا ذکر۔ نفاق اور منافقت کا مطلب۔ منافق کس طرح اور کہاں پیدا ہوئے۔ عبد اللہ بن اُبَی بن سلول رئیس المنافقین کا ذکر۔ نفاق کی قسمیں۔ منافق کی سزا۔ منافقین	۱۹۴

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	کی غرض وغایت ۔ منافقین کی چالبازی کا اظہار۔ منافقین کے قلبی مرض کا بیان ۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کا مرض اور بڑھا دیا اس کا مطلب دل کے امراض کا بیان ۔ منافق صرف عہدِ نبویؐ میں موجود تھے یا اب بھی موجود ہیں؟ منافقوں کا وجود اسلام میں ہمیشہ رہا۔ پاکستان میں منافقین کا کام۔ دعاء	۱۹۸
درس ۱۱	منافقین مدینہ کا ذکر۔ منافقین کس طرح فساد پھیلاتے تھے ۔اور دعویٰ کرتے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ منافقین کی بعض خباثتوں کا ذکر۔ اب بھی منافقین کی تقلید کرنیوالے موجود ہیں منافقین کا پرزور رد فرمایا گیا۔ صحابہ کے ایمان کی فضیلت کا ثبوت ۔ منافقین کی ایک دوسری خباثت کا ذکر۔ لفظ شیطان کا مفہوم ۔ منافقین کی تجارت۔ دعاء	۱۹۹ ۲۰۳
درس ۱۲	منافقین مدینہ کی حالت کی دو مثالیں۔ مثالوں کی توضیح۔ منافقین کو بہرا۔ گونگا۔ اندھا بتلایا گیا۔ اس کی تشریح۔ علم حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے ہیں۔ کان زبان اور آنکھ ۔ قیامت میں ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا۔ قیامت کے دن انسان کئی قسم کے ہوں گے (۱) خالص مومن پھر ان کی دو قسمیں ہوں گی ۔سابقین و اصحاب یمین (۲) خالص کفار پھر ان کی بھی دو قسمیں ہوں گی (۳) منافقین پھر ان کی بھی دو قسمیں ہوں گی۔ نفاق کی خصلتیں اور منافق کی نشانیاں اور انجام ۔اس وقت کے مسلمانوں کو بھی اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے دعاء	۲۰۴ ۲۰۸
درس ۱۳	تمام انسانوں کو خطاب اور دعوتِ توحید۔ عبادت کے معنی اور مفہوم ۔ رب کی عبادت کے عقلی دلائل۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال ۔ امام رازیؒ۔ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے دلائل وجود باری تعالیٰ پر۔ تمام موجودات بتا رہی ہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے ۔ تمام مصنوعات بتا رہی ہیں کہ ان کا صانع کوئی ہے ۔ تمام انسانوں کو سلیم اللہ تعالیٰ کی عبادت کا دیا گیا۔ اور یہی ممانعت شرک نہ کرنے کی کی گئی دعاء	۲۰۹ ۲۱۳

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۴	قرآنی ہدایت کے دو بنیادی اصول توحید و رسالت۔ معجزہ دلیل نبوت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا علمی معجزہ قرآن پاک ہے جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ قرآن پاک پر کفار مکہ اور مشرکین عرب کا شبہ اور الزام۔ قرآنی صداقت پر چیلنج۔ اس جیسی ایک ہی سورۃ پیش کرنے کا مطالبہ۔ مکی دور میں بھی یہ چیلنج قرآن پاک میں کئی مرتبہ دیا گیا۔ پیش گوئی کہ کوئی اس کلام جیسا پیش نہیں کر سکتا اور نہ آئندہ کر سکیگا۔ منکرین قرآن کو تنبیہ اور وعید۔ جہنم کی کیفیت۔ دعاء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۱۴ ۲۱۸
درس ۱۵	اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی کتاب پر ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو جنت کی بشارت۔ جنت کے لغوی معنی اور مقام جنت کی کیفیت۔ جنت کے بعض حالات اور وہاں کی بعض نعمتوں کا ذکر۔ جنت کے پھلوں کی تعریف۔ جنت کے مکانات۔ جنت کی غذاؤں اور جنت کی بیویوں کی کیفیت۔ جنت کی بشارت دو باتوں پر ہے۔ ۱ ایمان و ۲ عمل صالح۔ اپنے اعمال پر ناز و گھمنڈ بھی نہ ہونا چاہئے۔ مطلب حدیث شریف کہ کسی کو اُس کا عمل جنت میں داخل نہیں کریگا۔ جہنم سے بچ جانا اور جنت میں پہنچ جانا صرف رحمت و فضلِ خداوندی کے باعث ہوگا۔ دعاء۔ ۔ ۔	۲۱۹ ۲۲۲
درس ۱۶	منکرین قرآن کا اعتراض کہ اس کلام میں مکھی۔ مچھر و مکڑی جیسی خسیس و حقیر چیزوں کی مثال بیان کی گئی ہے۔ منکرین کے اس اعتراض کا رد۔ مثال کا مقصد۔ قرآنی مثال سے بہتوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے اور بہتوں کی گمراہی اور بڑھتی ہے۔ فاسقین کون لوگ ہیں جن کی گمراہی قرآنی امثلہ سے بڑھتی ہے۔ فاسقین کی تین صفات اور خصلتیں۔ فاسقین کا انجام۔ دعاء۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۲۳ ۲۲۷
درس ۱۷	اظہار تعجب کہ اللہ تعالیٰ کے بے انتہا احسانات ہوتے ہوئے منکرین اللہ کی وحدانیت صفات و کمالات سے کس طرح کفر و انکار کرتے ہیں۔ انسان کو خود اپنی حقیقت پر غور کرنا چاہئے کہ کس طرح یہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر انسانی جسم و روح کے لئے اللہ نے زمین و آسمان و دیگر مخلوقات پیدا کیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر اور ترتیب پیدائش اور دعاء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۲۸ ۲۳۱

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۸	باطنی نعمتیں جو بنی نوع انسان کو عطا کی گئی ہیں ان کی یاد دہانی میں حضرت آدم علیہ السلام جو تمام انسانوں کے جدِّ امجد ہیں ان کے شرف و فضیلت کا ذکر۔ پہلا تذکرہ حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پر ملائکہ کا اشکال۔ اللہ تعالیٰ کا ایک حکیمانہ اور دوسرا حاکمانہ جواب۔ حضرت آدمؑ کا صفت علم سے نوازا جانا۔ ملائکہ کا اپنے عجز کا اعتراف۔ ملائکہ کے متعلق ضروری معلومات۔ مسئلۂ خلافت کی تشریح۔ خلافت الٰہیہ کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت و برتری ملائکہ پر۔ دعاء	۲۳۲ ۲۳۷
درس ۱۹	ملائکہ کو حضرت آدمؑ کو سجدۂ تعظیمی کرنے کا حکم۔ سجدہ کی تشریح اور اقسام۔ شریعت محمدیہ میں سجدۂ تعظیمی کی بھی ممانعت، ابلیس کا سجدہ سے انکار۔ ابلیس و جنات کے متعلق ضروری معلومات۔ ابلیس کا راندۂ درگاہ ہونا۔ ابلیس کے کافر ہو جانے کے دو سبب۔ تکبر کی تشریح۔ ابلیس جو علم و معرفت کا ایسا بلند مقام رکھتا تھا اس سے یہ حرکت کیسے سرزد ہوئی؟ اس کا جواب۔ ابلیس کے مردود ہو جانے کے واقعہ پر متعدد فوائد اور نتائج دعاء	۲۳۸ ۲۴۱
درس ۲۰	حضرت آدمؑ کو اور ان کی بی بی حضرت حوا کو جنت میں رہنے کا حکم مگر ایک شجر ممنوعہ کے پھل نہ کھانے کی تاکید۔ ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام سے حسد۔ حضرت حوا کی پیدائش کا حال۔ عقد نکاح۔ مہر۔ شجرہ ممنوعہ کونسا درخت تھا؟ ظلم کی تشریح۔ ظلم کی قسمیں۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو کس طرح دھوکہ دیا؟۔ لغزش ہو جانے پر جنت سے اتر کر زمین پر جانے کا حکم۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے نتائج و نصائح۔ دعاء	۲۴۲ ۲۴۷
درس ۲۱	حضرت آدم علیہ السلام کی ندامت و پشیمانی و معذرت۔ قبولیت توبہ۔ جمعہ کی فضیلت جنت سے اتر کر دنیا میں کون کہاں اترا؟ حضرت آدم و حوا کی دنیا میں ملاقات۔ ان کی قبریں کہاں ہیں؟ حضرت آدم کی گریہ وزاری۔ وہ کلمات جن کے باعث حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی توبہ کی حقیقت۔ بعد قبولیت توبہ حضرت آدمؑ سے ارشادِ خداوندی۔ پیروئ ہدایت اور کفر و	۲۴۸

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	تکذیب کا انجام۔ کفر کی سزا دائمی عذاب جہنم کیوں ہے؟ اِس کا جواب۔ دُعاء۔ ...	۲۵۳
درس ۲۲	بنی اسرائیل کو خطاب۔ یہ حصّہ قرآن کریم کا خاص توجہ سے پڑھنے کے لائق ہے بغرض عبرت و نصیحت۔ بنی اسرائیل کی تشریح اور ان کی تاریخ۔ مدینہ میں کبھی یہود کے آباد ہونے کی وجہ۔	۲۵۴
	یہود کو اپنے عہدوں کی پابندی کی یاد دہانی۔ آیت مذکورہ سے کیا تعلیم ملتی ہے؟ دعاء۔ ..	۲۵۷
درس ۲۳	یہود مدینہ کو خطاب جاری ہے۔ سب سے پہلے قرآن کے منکر نہ ہونے کی ہدایت۔ یہود کا حسد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ یہود کو حق و باطل مخلوط نہ کرنے کی ہدایت۔ گمراہی کے دو ہی طریقہ ہیں۔ ملت اسلامیہ کے لئے بعض عظیم الشان اعمالِ صالحہ کا حکم۔ عام تعلیم و احکام جو آیاتِ مذکورہ سے ملتے ہیں۔ نماز باجماعت کے وجوب پر استدلال۔ نماز باجماعت کی اہمیت و فضیلت احادیث میں اور ترک جماعت پر تنبیہ و وعید۔ دعاء	۲۶۳
درس ۲۴	یہود کو خطاب جاری ہے۔ عالم بے عمل کی مذمت۔ واعظ کو بے عمل بننا جائز نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے عمل کو وعظ و نصیحت کرنا بھی جائز نہیں۔ استعانت بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃ کا حکم۔ صبر کی تعریف۔ جن کے دل میں خشوع ہو ان کو نماز گراں نہیں ہوتی۔ یہود کی تنبیہ میں علمائے اسلام کو سبق۔ عالم بے عمل کے لئے وعید۔ عالم بے عمل کی مثال حدیث شریف میں۔	۲۶۴
	استعانت بالصلوٰۃ کی تعلیم احادیث میں دعاء	۲۶۸
درس ۲۵	انعامات و احسانات جو بنی اسرائیل پر فرمائے گئے اُن کی تفصیلات۔ سب سے پہلی نعمت تفضیل کا بیان قریب ۷۰ ہزار انبیاء بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے نبوت۔ رسالت امارت۔ حکومت بنی اسرائیل کو حاصل رہی۔ ایمان اور اسلام نہ لانے پر بنی اسرائیل یعنی یہود مدینہ کو وعید۔ منکرین اسلام کے حق میں کسی قسم کی شفاعت قبول نہ ہوگی۔ یہاں مطلق شفاعت کی نفی نہیں کی گئی۔ اہل اسلام کو سبق و تعلیم۔ دعاء	۲۶۹
		۲۷۲

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۲۶	یہود مدینہ کو بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر سے نجات ملنے کی یاد دہانی۔ بنی اسرائیل مصر میں کب اور کس طرح آباد ہوئے۔ فرعونیوں کا ظلم بنی اسرائیل پر۔ فرعون مصر کا خواب۔ بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو فرعون مصر سے نجات ملنا۔ مصر سے نکلنے پر بنی اسرائیل کا بحر قلزم کو پار کرنا۔ اور فرعون کا بمعہ لشکر اسی سمندر میں غرق ہو جانا۔ یہود مدینہ عاشورہ یعنی ۱۰ محرم کا روزہ کیوں رکھتے تھے۔ عاشورہ کے روزے کا حکم حدیث میں۔ عاشورہ کے روزہ کے احکام۔ دعآء	۲۷۳
		۲۷۶
درس ۲۷	موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عطا کرنے کا وعدہ۔ موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر تشریف لے جانا۔ آپ کے پیچھے بنی اسرائیل کا گئوسالہ پرستی میں لگ جانا۔ لوٹ طور سے واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کا قوم پر ناراض ہونا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے گوسالہ پرستی کی سزا۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اس جرم سے بھی درگزر فرمایا گیا۔ چلہ (چالیس دن) کی اصل۔ بہ کے عدد کی اہمیت۔ مسجد نبوی میں ۴۰ نمازیں ادا کرنے کی فضیلت۔ دعآء	۲۷۷
		۲۸۱
درس ۲۸	بنی اسرائیل کی ایک گستاخی۔ سزا میں بجلی گرکر ان کے ستر سرداروں کا ہلاک ہو جانا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہو جانا۔ اس واقعہ سے اہل اسلام کو نصیحت۔ میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ فگن ہونا۔ من وسلویٰ کا نازل ہونا۔ بنی اسرائیل کی خلاف ورزی پر من وسلویٰ کا بند ہو جانا۔ بنی اسرائیل کے خلاف خصوصیات کفر پر ان کا قتل رسول وغیرہ۔ دعآء	۲۸۲
		۲۸۶
درس ۲۹	بنی اسرائیل کے واقعات کے بیان میں ترتیب وقوع مقصود نہیں کیونکہ قرآن کوئی قصوں کی کتاب نہیں۔ باوجود انعامات واحسانات کے بنی اسرائیل کی نافرمانیاں اور غلطیاں۔ آسمانی عذاب کا تسلط۔ طاعون بے حکموں کے لئے عذاب اور حکم برداروں کے لئے رحمت ہے۔ آیات میں مذکورہ واقعات سے عبرت ونصیحت۔ فتح مکہ کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تواضع اور مسکینی کے آثار۔ فتح مکہ کے موقعہ پر نماز۔ یہ نماز صلوٰۃ الفتح تھی یا صلوٰۃ الضحیٰ۔ قبرص فتح ہونے پر حضرت ابو درداءؓ کے رونے کا واقعہ۔ پاکستان کا غلط ہونا انعام الٰہی ہے بجائے شکر کے	۲۸۷

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	کے نافرمانیاں یہ بڑا خطرناک مقام ہے۔ عربوں پہ یہود کا تسلط اور بیت المقدس پر قبضہ۔ مشرقی پاکستان پر ہندوستان کا حملہ کر کے اس پر قابض ہو جانا۔ یہ سب قابلِ عبرت واقعات ہیں۔ دُعاء	۲۹۱
درس ۳۰	وادیٔ تیہ میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات۔ پانی نہ ملنے پر پتھر سے ۱۲ چشموں کا جاری ہو جانا۔ بارہ چشمے پھوٹ نکلنے کی حکمت۔ جس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹے تھے اس کی تفصیل۔ معجزاتِ انبیاء کرام کا ثبوت۔ اِسی نوع کا ایک معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہونا۔ معجزہ کا عقلاً بھی قابلِ تسلیم ہونا۔ معجزۂ انبیاء پر مختصر مگر ضروری تحقیق۔ دُعاء۔	۲۹۲ ۲۹۴
درس ۳۱	بنی اسرائیل کا کفرانِ نعمت۔ سرکشی۔ نافرمانی اور احکام الٰہیہ سے حیلہ سازی جس کی وجہ سے یہ قوم اللہ کے غصہ و غضب کی مورد ہوئی اور ذلت و مسکنت۔ محکومی و رسوائی ان پر مسلط ہوئی۔ وادی تیہ میں ان کو بے مشقت و محنت من و سلویٰ ملتا تھا جس کا انہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے زمین کی سبزی ترکاری ککڑی، گیہوں مسور، پیاز جیسی چیزیں طلب کیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے نصیحت کی مگر اس کو نہ مانا اور اپنے مطالبہ پر اصرار کیا اس واقعہ میں بنی اسرائیل کی متعدد گستاخیاں۔ یہود قوم کا ہمیشہ کسی نہ کسی ذلت کا شکار رہنا۔ چار وجوہات جن کی باعث اس قوم پر اللہ کا غضب ہوا۔ آیت مذکورہ سے امت مسلمہ کو جو تعلیم اور سبق عبرت و نصیحت ملتی ہے اُس کا بیان۔ دعاء	۲۹۵ ۲۹۹
درس ۳۲	ملت اسلامیہ کا ایک قانون کلی اللہ کے ہاں دار و مدار ایمان اور عمل صالحہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محض نام اور لقب کوئی چیز نہیں۔ نہ مخصوص نسل یا قوم یا خاندانی عزت قابل امتیاز و لائق انحصار ہے۔ آیت میں تین باتوں کا ماننا نجات اخروی کے لئے ضروری بتایا۔ ایک اللہ کو ماننا۔ دوسرے آخرت کو ماننا۔ تیسرے عمل صالح کرنا۔ اس قانون میں مسلمانوں کی ذکر کی کیا ضرورت تھی؟ اسکا جواب۔ اور ایک ضروری تنبیہ، ایمان بالانبیا۔ ایمان بالملائکہ، اور ایمان بالکتب بھی ضروری ہے۔ خلاصہ	۳۰۰

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	مطلب آیت کا۔ دعا۔	۳۰۳
درس ۳۳	بنی اسرائیل سے مخاطبت کا سلسلہ جاری ہے۔ مقصد مخاطبت۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کے دو اہم واقعات کا ذکر۔ ایک طور پہاڑ کا بنی اسرائیل کے اوپر معلق کر دینا۔ واقعہ کی تفصیل۔ ایک اشکال کہ دین میں تو جبر و اکراہ نہیں۔ پھر بنی اسرائیل پر پہاڑ لٹکا کر انہیں توراۃ کے احکام قبول کرنے پر کیوں مجبور کیا گیا۔ اس کا محققانہ جواب۔ دوسرے بنی اسرائیل کا ہفتہ کے دن احکام تورات کی حکم عدولی جس کا نتیجہ مسخ و ہلاکت کی شکل میں ملا۔ واقعہ کی تفصیل داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا۔ مچھلیوں کے شکار میں حیلہ بازی۔ بندروں کی شکل میں مسخ ہو جانا اور تین دن کے اندر مجرموں کا ہلاک ہو جانا۔ سزائے مسخ کی حکمت۔ آیاتِ متعلقہ سے عام تعلیم و سبق جو حاصل ہوتا ہے۔ دعا۔	۳۰۴ ۳۰۹
درس ۳۴	قوم بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گائے کا ایک واقعہ۔ واقعہ کی تفصیل بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کٹ حجتی اور طرح طرح کے سوالات۔ مطلوبہ گائے کی قیمت جو بنی اسرائیل کو دینی پڑی۔ اس گائے کا عجیب و غریب واقعہ۔ آیات متعلقہ سے کیا اہم تعلیمات ملتی ہیں۔ دعا۔	۳۱۰ ۳۱۴
درس ۳۵	مذکورہ گائے کے ذبح کرنیکے واقعہ کا ذکر جاری ہے۔ ایک شبہ اور اس کا جواب۔ حق تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ مقتول کے زندہ کرنے کے لئے گائے کے ذبح کرانے کی حکمتیں۔ مقتول کے زندہ ہو کر کلام کرنے اور اپنے قاتل کا نام بتانے سے اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا اظہار مطلوب تھا کہ قیامت میں اسی طرح مُردوں کو زندہ کر کے حساب کتاب ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل کو خطاب کہ ان کے دل مثل پتھر کے سخت ہیں کہ کسی نصیحت کا اثر ہی نہیں لیتے۔ بلکہ پتھر بھی بعض باتوں کا اثر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جمادات میں بھی حس و ادراک کا مادہ پیدا کیا ہے۔ اُحد کے پہاڑ اور مسجد نبوی کے کھجور کے تنے کا رونے کا واقعہ۔ مکہ کے ایک پتھر اور حجر اسود کی حس کا واقعہ۔ دل کی سختی اور غفلت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔ دل کی سختی بدبختی کی نشانی ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ دعا۔	۳۱۵ ۳۱۹

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۳۶	صحابۂ کرام سے خطاب کہ یہود کی شقاوت قلبی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ان سے ایمان و اسلام کی توقع بیکار ہے یہود اپنی خباثت کے لحاظ سے پانچ گروہ تھے۔ پہلا گروہ یہود کے احبار و رہبان یعنی مذہبی پیشوا اور درویشوں کا تھا۔ دوسرا گروہ منافقین یہود کا تھا۔ ان ہر دو گروہ کی خصلتوں اور خباثتوں کا بیان اور ان کو تنبیہ۔ دُعاء..	۳۲۰ ۳۲۳
درس ۳۷	یہود کے تیسرے اَن پڑھ اور جاہل گروہ کا ذکر۔ ان کے باطل خیالات کی تردید یہود کے چوتھے گروہ یعنی علمائے یہود کا ذکر جو اپنی کتابوں میں تحریف کرتے تھے۔ ان کو وعید سنائی گئی۔ یہود کے پانچویں گروہ کا ذکر جو اُن عوام کا تھا جن کو اپنے آباؤ اجداد پر ناز تھا کہ وہ ہم کو خدا سے بخشوا لیں گے۔ ان کے باطل خیالات کی تردید۔ یہود کو ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وعید اور ان کے بالمقابل اہل ایمان جو اللہ پر اور اس کے تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں ان کو جنت کی بشارت۔ قرآن پاک میں یہود کی بد خصلتیں اور نافرمانیوں کے ذکر کی اہمیت اور مقصد۔ امت مسلمہ کو یہود و نصاریٰ کے اتباع سے تاکید و تنبیہ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئی تھی میری امت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہوگی جن میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ باقی سب فرقے جہنمی ہوں گے۔ جنتی فرقے کی پہچان۔ دُعاء	۳۲۴ ۳۲۹
درس ۳۸	وہ امور جن کا بنی اسرائیل سے توراۃ میں عہد لیا گیا تھا لیکن جن کو پختہ عہد کے بعد یہود نے توڑا:۔ (۱) صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا (۲) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک (۳) اہل قرابت یتیم اور مساکین سے احسان و سلوک کرنا (۴) تمام لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آنا (۵) نماز کی پابندی رکھنا (۶) زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ تمام رسولوں کے ذریعے مخلوق کو یہی احکام ملے۔ امت محمدیہ کو بھی یہی احکام قرآن میں ملے ہیں۔ ماں باپ کے حکم کی اطاعت اللہ کے حکم کے خلاف کسی معصیت میں نہیں۔ دُعاء	۳۳۰ ۳۳۳
درس ۳۹	۔یہود کو خطاب۔ اُن کو مزید عہد شکنیاں یاد دلائی جاتی ہیں۔ ان سے قول و قرار لیا گیا تھا کہ (۱) خانہ جنگی کر کے باہم خونریزی مت کرنا (۲) ایک دوسرے کو ترک وطن مت	۳۳۴

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیر یہ	صفحہ
	کرانا۔ اس عہد و پیمان کے باوجود یہود باہم قتل و قتال بھی کرتے۔ ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے۔ ابتدائے اسلام میں مدینہ میں دو قومیں آباد تھیں یہود کی بھی دو قومیں آباد تھیں۔ یہود کا حق اللہ اور حق العبد ضائع کرنا۔ خدا کے بعض حکموں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا۔ اس جرم کی سزا دنیا میں اور آخرت میں۔ یہود کی دنیا میں سزا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں۔ دنیا کی زندگی میں رسوائی و ذلت بھی ایک عذاب ہے۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا نہایت مہلک مرض ہے۔ ان یہود کے واقعات سے اہل اسلام کے لئے عبرت۔ دعاء	۳۳۸
درس ۴۰	یہود کو خطاب جاری ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور انبیاء و رسل کا سلسلہ بنی اسرائیل میں جاری رہا۔ عیسیٰ علیہ السلام تک ہزاروں انبیا بنی اسرائیل میں آئے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا تذکرہ۔ یہود کا طرز عمل اپنے پیغمبروں کے ساتھ۔ بعض انبیا کو قتل تک کر ڈالا۔ یہود کی ایذا رسانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ سحر آپ پر کیا۔ زہر آپ کو کھلایا۔ دعاء	۳۳۹ ۳۴۱
درس ۴۱	یہود مدینہ کا قول کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں اس کی تشریح۔ یہود کے قول کا رد۔ ایمان پورا مقبول ہوتا ہے۔ تھوڑا ایمان مقبول نہیں۔ دین و شریعت کے تمام احکام ماننا یہ شرعاً ایمان ہے۔ یہود مدینہ کا کافر ہونا اور ان پر لعنت خداوندی ہونا۔ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی پہچانتے تھے مگر بوجہ حسد انکار کرنے لگے۔ بعض یہود کے صدق دل سے ایمان لانے کے واقعات۔ ایک مالدار یہودی زید بن سعنہ کے اسلام لانے کا واقعہ۔ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اپنے کو مستحق غضب الٰہی بنایا۔ یہود پر دوہرا غضب الٰہی کیوں ہوا۔ کافر اور مومن گنہ گار کے عذاب میں فرق۔ ایک سزائے تعذیب ہوتی ہے ایک سزائے تہذیب ہوتی ہے۔ دعاء	۳۴۲ ۳۴۸

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۴۲	یہود کا توراۃ کے سوا باقی تمام کتابوں پر ایمان لانے سے انکار۔ درحقیقت یہود کا توراۃ پر بھی ایمان نہ تھا کیونکہ وہ انبیاء کو قتل کرتے تھے۔ یہود کے دعوئے ایمان کا رد تین طرح پر۔ یہود کے دعوئے ایمان کے رد میں ان کا گائے کے بچھڑے کو پوجنے کی دلیل۔ یہود کے دعوئے ایمان کے رد میں ایک اور دلیل۔ متعدد وجوہ سے یہود کے دعوئے ایمان کی تردید۔ دعاء	۳۴۹
		۳۵۳
درس ۴۳	یہود کا دعویٰ کہ جنت یعنی دار آخرت خاص ہمارے لئے مخصوص ہے۔ اس دعوے کی تردید میں کہا گیا ہے کہ موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود مدینہ کو جمع کر کے ارشاد فرمانا کہ موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ حق و باطل کے فیصلے کے دو ہی طریق ہیں، ایک مناظرہ دوسرا مباہلہ۔ یہود کی حالت کا ذکر کہ یہ موت کی تمنا تو کیا کریں گے۔ ہر ایک ان میں سے ہزار برس کی عمر کی ہوس رکھتا ہے۔ موت کے یاد رکھنے کا حکم اور فضیلت احادیث میں۔ موت ایک پردہ ہے۔ اس پردے کے ہٹتے ہی سعید روح والے سعادت اخروی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ اور عاصی گنہگار اس حجاب کے دور ہوتے ہی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ دعاء	۳۵۴
		۳۵۹
درس ۴۴	آیت کا شانِ نزول۔ علمائے یہود کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چار سوال اور ان کے جوابات۔ یہود کی حضرت جبرئیلؑ سے عداوت۔ قرآن کے نازل ہونے کا طریقہ۔ ملائکہ سے یا حضرت جبرئیلؑ اور میکائیلؑ سے عداوت کا قانون۔ جو شخص خدا کے رسولوں اور فرشتوں کا دشمن ہو وہ کافر ہے۔ حدیث قدسی کہ اللہ والوں سے دشمنی رکھنے والے کو اللہ کا اعلانِ جنگ۔ قوم یہود کی ایک اور خصلت کہ جب کبھی انہوں نے کوئی عہد دین کے معاملہ میں کیا اُسے پورا نہ کیا۔ یہود میں سے بعض نے اپنے عہد کو پورا بھی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لائے مگر من حیث القوم حضور کے منکر رہے۔ دعاء	۳۶۰
		۳۶۴

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۴۵	یہود کی بے عقلی کہ کتاب اللہ کا تو اتباع نہ کیا اور سحر جیسی خبیث چیز کا اتباع کیا۔ سحر اعتقاداً یا عملاً کفر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین اور جنات آسمان تک چڑھ جاتے اور فرشتوں کی بات سن کر اس میں کچھ جھوٹ ملا کر کاہنوں سے کہہ دیتے۔ بنی اسرائیل کا اعتقاد کہ جنات و شیاطین غیب داں ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے حضرت سلیمانؑ کو ان کی وفات کے بعد جادوگر جانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان کو زمرۂ انبیاء میں ہونا بیان فرمایا۔ یہود میں سحر متوارث طور پر آتا رہا۔ یہود مدینہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کرنا۔ اس واقعہ کی تفصیل۔ کیا انبیاء پر بھی جادو ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب۔ یہود کا ایک دوسری قسم کے سحر کا بھی اتباع کرنا جو دو فرشتوں ہاروت و ماروت کو بابل شہر میں دیا گیا تھا۔ ہاروت و ماروت کا ذکر۔ سحر کا ایک اثر میاں بیوی میں جدائی ڈالنا ہے ایک حدیث کہ میاں بیوی میں جدائی شیطانی چیلوں کا بڑا کارنامہ ہوتا ہے۔ سحر اور جادو سے کوئی ضرر نہیں پہنچایا جا سکتا بغیر حکم خداوندی کے۔ یہود کو نصیحت کہ کفر و سحر کی بجائے ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو لاکھوں درجہ بہتر ہوتا۔ ہاروت و ماروت سے متعلق زہرہ کا قصہ غیر معتبر ہے۔ شریعت اسلامیہ میں سحر و جادو کے احکام و مسائل۔ دعاء	۳۶۵
		۳۷۱
درس ۴۶	یہود کی ایک خباثت و شرارت کا ذکر۔ اہل اسلام کو لفظ رَاعِنَا کہنے کی ممانعت اور اس کی بجائے اُنْظُرْنَا کہنے کا حکم۔ اس حکم سے کیا احکام شرعی نکلتے ہیں۔ نبی کی اہانت اشارۃً اور کنایۃً بھی کفر ہے۔ قرآن کریم میں پہلا موقع جہاں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے مسلمانوں کو خطاب فرمایا گیا۔ اس طرح ۸۸ جگہ خطاب فرمایا گیا ہے۔ امت مسلمہ کا یہ ایک خاص شرف ہے۔ ایسے خطابات کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نصیحت و وصیت۔ یہود و نصاریٰ کفار و مشرکین کو پیغمبر اسلام سے حسد کی وجہ۔ نبوت وہبی چیز ہے نہ کہ کسبی۔ دعاء	۳۷۲
		۳۷۵

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۴۷	یہود کا اعتراض کہ احکام توراۃ کیوں منسوخ ہوئے؟ اس کا جواب کہ نسخ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت و مصلحت ہوتی ہے۔ نسخ کے مطلب و معانی۔ نسخ کی قسمیں۔ نسخ صرف احکام امر و نہی میں جاری ہوتا ہے۔ اخبار میں نسخ جاری نہیں ہوتا۔ تغیر و تبدل باقتضائے عقل عقلا کے نزدیک مسلم ہے۔ نسخ کی مثال۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جب چاہتا ہے ایک حکم دیتا ہے جب چاہے اپنی مشیت سے حکم بدل دے۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں میں بندہ کو دخل نہ دینا چاہیئے۔ دعا	۳۷۶ ۳۷۹
درس ۴۸	اہل اسلام کو ہدایت کہ رسول اللہ علیہ وسلم سے الٹے سیدھے سوالات نہ کیا کریں۔ یہ یہود کی خصلت تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سوالات کر کے غضب الٰہی اپنے اوپر بلایا۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول کلام۔ کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام کا ادب کہ سال سال بھر گزر جاتا تھا اور سوال کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ مومن و مسلم کا فریضہ احکام خداوندی کے آگے سر تسلیم خم رکھنا ہے۔ یہود کا اہل اسلام کو دین سے برگشتہ کرنا۔ اہل اسلام کو اس معاملے میں ہدایت۔ نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید۔ اگر مسلمان ان دو چیزوں کے پابند رہے تو دشمنان اسلام کی دشمنی کارگر نہ ہو سکے گی۔ پاکستان میں عیسائیت کی تبلیغ میں کامیابی کی وجہ۔ دعا	۳۸۰ ۳۸۴
درس ۴۹	یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ جنت میں کوئی نہ جائیگا سوائے اُن کے۔ اس دعویٰ کی تردید۔ جنت میں جانے کا قانون خداوندی، یہود کا الزام نصاریٰ پر۔ نصاریٰ کا الزام یہود پر۔ آیت کا شان نزول۔ نجران کے عیسائیوں کا مدینہ حاضر ہونا۔ ان آیات کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحقیق۔ مذہب کی روح دو چیزیں ہیں عمل صالح کی تشریح۔ اہل اسلام کے لئے تنبیہ۔ حقیقی مسلمان محض دعوے سے نہیں بنتا۔ قرآن و حدیث میں فلاح دنیا اور آخرت کے جو وعدے ہیں وہ نام کے مسلمان کے لئے	۳۸۵

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	نہیں۔ آجکل پوری دنیا کے مسلمان طرح طرح کے مصائب و آفات کا شکار ہیں اِس کا کیا سبب ہے؟ ایک اشکال کہ کفار ترقی کر رہے ہیں اور مسلمان اسلام کے نام لیوا تو ہیں۔ اگر مسلمانوں کو بدعملی کی سزا مل رہی ہے تو کفار کو تو اور زیادہ سزا ملنی چاہیئے اس کا محققانہ جواب۔ مسلمانوں نے یورپ سے بے حیائی بداخلاقی تو سیکھ لی مگر وہ کام نہ سیکھے جن کی وجہ سے وہ دنیا میں کامیاب بنے ہوئے ہیں۔ دُعاء۔	۳۹۱
درس ۵۰	مشرکین بھی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور سب بے دین و گمراہ ہیں۔ مشرکین کے اس دعوے کی مذمت اور تردید۔ آیت کی شانِ نزول۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ۔ آیت کا کا حکم عام ہے۔ ہر وہ شخص جو مسجد میں ذکر اللہ سے منع کرے اور خانۂ خدا کو ویران کرنے کی کوشش کرے اِس آیت کی وعید میں داخل ہے۔ مساجد کی بربادی سے کیا مراد ہے؟ مسجدوں کی حقیقی آبادی ذکر اللہ سے ہے۔ قربِ قیامت میں مسجدوں کا حال۔ محبوب ترین جگہ مسجدیں ہیں اور مبغوض ترین جگہ بازار ہیں۔ مسجد کے آداب و بعض احکام۔ تحریٰ سے متعلق بعض احکام۔ بعض حالات میں قبلہ کے خلاف سمت نوافل پڑھنا درست ہے۔ ہجرت کے چند ماہ بعد تک مسلمانوں کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا پھر کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لئے مسجد بنا دیا۔ دُعاء۔ ..	۳۹۲ ۳۹۷
درس ۵۱	اللہ کے اولاد ہونے کے عقیدہ کا رد پانچ دلائل سے۔ پہلی دلیل۔ دوسری دلیل۔ تیسری دلیل۔ چوتھی دلیل۔ پانچویں دلیل۔ ایک حدیث قدسی سے اس عقیدہ کا رد۔ اس عقیدۂ اولاد کا بطلان پوری طرح سورۂ اخلاص میں فرمایا ہے۔ دُعاء۔	۳۹۸ ۴۰۰
درس ۵۲	یہود، نصاریٰ اور مشرکین کے اس مطالبہ کا رد کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتے۔ اس جاہلانہ قول کا جواب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے کھلے معجزات و نشانیاں کفار و مشرکین سحر پر محمول کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴۰۱

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	کی تسلی کہ آپ کا کام تبلیغ دین ہے۔ ماننا نہ ماننا بندوں کا کام ہے۔ اسی مضمون کی دیگر قرآنی آیات۔ ہدایت اللہ ہی کے مخصوص قبضہ میں ہے۔ دُعاء	۴۰۴
درس ۵۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کہ یہود و نصاریٰ کبھی آپ سے خوش نہ ہوں گے جب تک کہ آپ خدانخواستہ اُن کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں۔ شروع شروع میں بعض امور مباحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ کتاب کی موافقت فرما لیتے تھے۔ اس غرض سے کہ یہ کچھ نرم ہو کر اسلام لے آویں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فہمائش کہ آپ اس خواہش کو چھوڑ دیجئے۔ بعض یہود و نصاریٰ نے صدق دل سے حضور کا اتباع اختیار کیا۔ اور جو اہلِ کتاب نبی آخر الزماںؐ پر ایمان نہیں لاتے وہ درحقیقت اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتے کیونکہ حضورؐ کے ظہور کی بشارتیں اُن کی کتاب میں موجود ہیں۔ اِس طرح انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا۔ دُعاء	۴۰۵ ۴۰۷
درس ۵۴	پھر بنی اسرائیل سے خطاب اور متعدد نعمتوں کی یاد دہانی۔ اور روزِ قیامت سے ڈرانا مقصود دعوتِ اسلام کا دنیا ہے۔ سفارش و شفاعت کا قیامت میں کام نہ آنا کفار کے لئے ہوگا۔ اہلِ ایمان کو انبیاء، اولیاء۔ ملائکہ۔ وغیرہ کی سفارش نفع دیگی۔ دُعاء۔۔۔ ۔۔۔	۴۰۸ ۴۱۰
درس ۵۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جس سے کئی امور بیان کرنا مقصود ہیں امر اوّل۔ امر دوم۔ امر سوم۔ امر چہارم۔ امر پنجم۔ حضرت ابراہیمؑ کے دو صاحبزادے۔ حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل۔ حضرت ابراہیم کا نام پہلی بار اس آیت میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ضروری معلومات۔ آپ کا سنہ ولادت و وفات۔ آپکا زمانۂ نبوت۔ حضرت ابراہیمؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ آپ کی قوم کا مذہب۔ آپ کی تبلیغ۔ بادشاہِ وقت سے مناظرہ۔ آپکی قوم میں سوائے آپکی بیوی حضرت سارہ اور آپکے بھتیجے حضرت لوط کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ آپ کا آگ میں ڈالا جانا۔ آگ کا گلزار ہو جانا۔ آبائی وطن سے ہجرت کر جانا۔ شام۔ فلسطین پھر مصر جانا۔ حضرت ہاجرہ سے آپ کی شادی۔ حضرت ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیلؑ کا پیدا ہونا۔ حضرت ہاجرہ	۴۱۱

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	اور شیر خوار بچہ اسمٰعیل کو عرب کے ریگستان بیابان میں چھوڑ کر جانا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم۔ آپ کی عمر۔ وفات۔ تدفین۔ حضرت ابراہیمؑ کے مختلف امتحانات۔ ان میں کامیابی اور پھر ان کا صلۂ عظیم۔ حضرت ابراہیمؑ کے امتحانات کا مقصد کیا تھا؟ اس کا جواب۔ پہلا امتحان۔ دوسرا امتحان۔ تیسرا امتحان۔ چوتھا امتحان۔ ان امتحانات میں کامیابی کا صلہ۔ نبوت۔ امامت ولایت کسی کافر۔ فاسق۔ ظالم کو نہیں مل سکتی۔ بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں نبوت کی منتقلی۔ اہل اسلام کا فرض اپنے امیر یا پیشوا یا دینی مقتدا کے مقرر کرنے میں دُعا	۴۱۶
درس ۵۶	یہود خانہ کعبہ کی بزرگی و فضیلت کے قائل نہ تھے۔ حج بیت اللہ کو بھی لغو حرکت خیال کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کا خانہ کعبہ بنانا بھی تسلیم نہ کرتے تھے۔ یہود کے ان باطل خیالات کا رد۔ بیت اللہ اور مقام ابراہیمؑ کی فضیلت۔ خانہ کعبہ کی تاریخ۔ جب تک دنیا میں اللہ کا نام لینے والے رہیں گے۔ یہ اللہ کا گھر بھی قائم رہیگا۔ قرب قیامت میں خانہ کعبہ کا انہدام اس کے بعد بھی صور کا پھونکا جانا۔ بیت اللہ کی فضیلت میں دو باتیں فرمائی گئیں۔ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اس کی تشریح۔ حرم کی فضیلت۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ارض حرم میں قتال جائز کیا گیا تھا۔ پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ مقام ابراہیم کی تشریح و تاریخ۔ حج بیت اللہ کی فضیلت	۴۱۷
	دُعا۔	۴۲۰
درس ۵۷	خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں۔ پہلی دعا۔ اس غیر آباد جنگل بیابان کو شہر بنا دے۔ دوسری دُعا مکہ کے دارالامن ہونے کی۔ شریعت اسلامیہ میں حرم کی تعظیم اور اس کے احکام۔ دجّال ملعون حرمین شریفین میں داخل نہ ہو سکے گا۔ تیسری دعا اہل مکہ کو رزق دینے کی۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کی برکت کا ظہور اب تک ہو رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے صرف صاحب ایمان لوگوں کے لئے دعا کی کافروں کے حق میں دعا نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ۔ کافروں کو بھی رزق دنیا میں دینے کا خداوندی وعدہ لیکن آخرت میں عذاب جہنم۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بالکل قلیل ہے۔ دُعا۔	۴۲۱ ۴۲۳

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۵۸	حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دوسری دعاؤں کا ذکر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی دیوار چنتے تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ پتھر اور گارا اٹھا کر دیتے۔ اس خدمت کی قبولیت کی دعاء۔ مزید تین دعائیں مانگیں۔ پہلی دعا کہ اے اللہ ہم کو اپنا مسلم اور حکم بردار بندہ بنا۔ دوسری دعا۔ اے اللہ ہماری ذریت میں ایک امتِ مسلمہ پیدا فرما۔ تیسری دعا کہ ہم کو اپنے دربار کی حاضری یعنی حج و طواف وغیرہ کے احکام و آداب تبلا دیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید ایک دعاء کہ ہماری ذریت میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمائیے جو لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائے اور آسمانی کتاب کی تعلیم دے اور حکمت و دانائی کی باتیں بتائے۔ اور جہالت کے خیالات اور اعمال سے پاک کرے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس کے دلائل۔ دُعاء	۴۲۴
درس ۵۹	ملت ابراہیمی جو ملت اسلام ہے اس کے فضائل اور اس کے اتباع کی ترغیب۔ ملّتِ ابراہیمی سے وہی روگردانی کریگا جو احمق، نادان اور کم عقل ہو۔ آیت کا شانِ نزول۔ حضرت عبداللہ بن سلام کی روایت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتِ ابراہیمی کی تجدید کی۔ ملت ابراہیمی کا بنیادی اصول ایک لفظ اسلام میں مضمر ہے۔ جس کے معنی ہیں اطاعت حق۔ اسلام یعنی اطاعتِ حق ہی وہ چیز ہے جس کے لئے ساری کائنات پیدا کی گئی۔ جس کے لئے انبیاء بھیجے گئے اور کتابیں نازل کی گئیں۔ اسلام ہی تمام انبیاء کا مشترک دین ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے نبی آخر الزماںؐ تک سب نے اسلام ہی کی دعوت دی۔ حضرت ابراہیمؑ کی وصیت اپنے بیٹوں کو۔ انتقال کے وقت اپنے لڑکوں اور چھوٹوں کو وصیت کرنا انبیاء کی سنت ہے۔ سب سے اہم چیز دین ہے۔ جبھی تو انبیاء نے اپنی اولاد کو دین پر قائم رہنے اور اُسی پر مرنے کی وصیت کی۔ دُعاء	۴۲۸
درس ۶۰	حضرت یعقوب علیہ السلام جنکا لقب اسرائیل تھا اُن کی وصیت اپنے بیٹوں کو۔ یہود مدینہ کا اعتراض قرآنی خبر پر۔ یہود کی تردید میں آیت کا نازل ہونا۔ یعقوب علیہ السلام کا اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں سے سوال کہ میرے بعد کس کی پرستش کروگے؟	۴۳۱

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	بیٹوں کا جواب۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت مصر میں ہوئی تھی۔ مصری بت پرست ستارہ پرست تھے اور بیل۔ بلی وغیرہ کو پوجتے تھے۔ اس لئے وصیت فرمائی۔ یہود کو نصیحت کہ بدون اتباع حق محض بزرگوں کا انتساب آخرت میں کوئی نفع نہ دیگا خاندانی بزرگی یا مقبولین کا آخرت میں نافع ہونے یا نہ ہونے کی شرط۔ یہود و نصاریٰ کو حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ یا دیگر انبیاء کی بزرگی سے کوئی نفع نہ پہنچیگا۔ نہ یہ انبیاء ان کی قیامت میں شفاعت کریں گے۔ مومنین کے لئے محبت کا تعلق مقبولین سے نافع ہوگا۔ آیت کا قانونِ شفاعت۔ دُعاء ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔	۴۳۴
درس ۶۱	یہودی و نصرانیوں کا مسلمانوں سے کہنا کہ تم یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو راہِ حق پر پڑ جاؤ گے۔ اس کے دو جواب تلقین فرمائے گئے۔ ایک یہ کہ صاف کہہ دیا جائے کہ ہم ملت ابراہیمی کے پیرو ہوں گے یہودی و نصرانی کبھی نہ ہوں گے۔ دوسرا جواب یہ کہ تمہارے دین میں شرک کی آمیزش ہوگئی ہے۔ اہل اسلام کو تفصیلی جواب بھی تلقین فرمایا گیا۔ یعنی ملت ابراہیمی کی تفصیل بیان کی گئی دین اسلام کیسا انصاف و حق کا دین ہے کہ مسلمان سب انبیاء کو مانتے ہیں کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے۔ اہل کتاب محض حسد اور ضد میں بعض کی تصدیق کرتے ہیں بعض کی تکذیب۔ یہود و نصاریٰ کو نہایت واضح دلائل کے ساتھ دعوت حق دیا جانا۔ دُعاء ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔	۴۳۵ ۴۳۷
درس ۶۲	یہود و نصاریٰ کو دعوت اسلام حضرات صحابہ کرام کے ایمان کو ایک مثالی نمونہ قرار دیا گیا۔ اس لئے جو صحابہ کرام کے اعتقاد و اعمال تھے وہی عند اللہ حق اور مقبول ہیں۔ اس تصریح سے تمام باطل فرقوں کے دعوئے ایمان کا رد۔ ان مدعیان اسلام کو بھی سبق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی مخالفت و عداوت کے خلاف فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ کی تسلی اور پیشین گوئی۔ یہ پیشین گوئی کس طرح حضورؐ کی حیات مبارکہ میں پوری ہوئی۔ شقاق یعنی ضد کی برائی۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے رنگ کی تشریح۔ نصاریٰ کے رسم	۴۳۸

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	بپتسمہ کی تردید حقیقی رنگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ہے۔ دین وایمان کی علامت مومن کے چہرہ بشرہ لباس طرز وطریق معاملات وعادات سے ظاہر ہونا چاہیئے۔ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد اذان واقامت اس کے کان میں کہنے کا حکم۔ عبادت کا مفہوم دعاء	۴۴۳
درس ۶۳	یہود مدینہ کی مسلمانوں سے حجت کہ تم آخرت میں نہ بخشے جاؤ گے۔ اس کا جواب جو تلقین فرمایا گیا۔ یہود ونصاریٰ کا دعویٰ کہ حضرت ابراہیم۔ اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب میں جو انبیاء گزرے ہیں سب یہود ونصاریٰ تھے۔ اس کا جواب جو تلقین فرمایا گیا۔ توریت وانجیل بھی شاہد ہیں کہ حضرت ابراہیم کی اور ان کی اولاد کی ملت حنیفیت تھی۔ ختنہ اور حج بیت اللہ ان کا شعار تھا۔ توراۃ اور انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور اوصاف۔ شہادت کا چھپانا ظلم ہے۔ یہود ونصاریٰ کو تنبیہ کہ کفر وشرک کے ساتھ انبیاء کی اولاد ہونا کچھ کام نہ دیگا	۴۴۴
	پہلے پارہ الٓمٓ کا بیان ختم۔ دعاء	۴۴۶
	دوسرا پارہ سَیَقُوْلُ	
درس ۶۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں رہے تو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو بحکم خداوندی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد پھر کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا۔ اس پر یہود اور منافقین اعتراض کرنے لگے۔ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے یہود کے اعتراض کی خبر دے دی گئی اعتراض کا جواب تلقین فرمایا گیا۔ اہل کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا حسد تین چیزوں پر ہے۔ ایک جمعہ کے دن دوسرے تحویل قبلہ اور خانہ کعبہ کی طرف نماز میں منہ کرنے پر تیسرے امام کے پیچھے نماز میں آمین کہنے پر۔ سلامتی اور امن اسی میں ہے کہ اللہ اور رسول کا حکم بلا چون وچرا اختیار کر لیا جائے۔ اور اس کی حکمت وعلت کی تفتیش میں نہ پڑے۔ دعاء	۴۴۷

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۶۵	امتِ محمدیہ سے خطاب۔ اُمّتِ وَسَط کی تشریح۔ اُمت مسلمہ کا ایک عظیم شرف۔ اُمت محمدیہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے گواہی میں قیامت میں پیش ہوگی۔ کفار کی جرح۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی توثیق و تصدیق فرمائیں گے۔ محشر کے ان واقعات کی تفصیل۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طلبی اور تبلیغ احکام الٰہی کی پرسش۔ قوم نوح کا انکار۔ امت محمدیہ کی گواہی۔ امت مسلمہ کی فضیلت شرف اور برتری کا اظہار۔	۴۵۰
	بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کا راز و مصلحت۔ تحویل قبلہ سے سچے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہوگیا۔ ہدایت و گمراہی کا معیار۔ دُعاء۔	۴۵۳
درس ۶۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کہ مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ کو قرار دیا جائے۔ تحویل قبلہ کے لئے دعا کرنا۔ قبولیت دعا کا وعدہ۔ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونا۔ مسجد الحرام کی تشریح تحویل قبلہ کا حکم نماز کی حالت میں نازل ہوا۔ مدینہ منورہ کی اس مسجد کو جہاں یہ حکم نازل ہوا "مسجد قبلتین" کہتے ہیں۔ تحویل قبلہ کا حکم عام قانون ہونا۔ اس آیت میں چونکہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ بھی ہمیشہ رہیگا جب تک کہ دنیا میں اہل اسلام رہیں گے قیامت کے متعلق اہم نشانیوں میں یہ ہے کہ اہل ایمان سب دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔ روئے زمین پر اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ ایک حبشی خانہ کعبہ کو منہدم کریگا جس کے بعد ہی جمعہ کے دن محرم کی دس تاریخ کو کافروں پر صور پھونک کر قیامت قائم کر دی جائیگی۔ دُعاء۔	۴۵۴ ۴۵۶
درس ۶۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب یہود کے عناد کے بارہ میں کہ اگر آپ دنیا بھر کی دلیلیں بھی جمع کر کے پیش کر دیں جب بھی یہ اہل کتاب آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں۔ اہل کتاب بھی ایک دوسرے کے قبلہ کو قبول نہیں کرتے یہود نے بیت المقدس اور نصاریٰ نے مشرق کی سمت کو قبلہ بنا رکھا تھا۔ حضورؐ کو خطاب کر کے امت کو تنبیہ مقصود ہے کہ بعد وضوح حق باطل کے پیچھے لگ جانا یہ صریح ظلم ہے۔ افسوس باوجود اس تنبیہ کے اُمت کے اکثر افراد اب یہود و نصاریٰ کے اتباع میں عزت سمجھتے ہیں۔ اہل کتاب کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد۔ باوجود تمام نشانیاں اور صفات اپنی کتابوں	۴۵۷

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	میں پانے کے آپ کو اللہ کا رسول ماننے سے انکار۔ حضورؐ کو پہچاننے کے بارہ میں حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن سلام جو پہلے یہود کے عالم تھے کے درمیان مکالمہ دعا	۴۶۰
درس ۶۸	تحویل قبلہ کی بعض دوسری حکمتیں۔ مسلمانوں کو ہدایت کہ تم قبلہ کی بحث چھوڑ کر اپنے دین کے نیک کاموں میں لگ جاؤ۔ نیکی کی تعریف۔ بدی کی تعریف۔ تحویل قبلہ کا حکم حالت حضر میں ہوا تھا۔ اس لئے سفر کے لئے الگ حکم ہوا۔ تمام اہل اسلام کو خطاب کہ سفر و حضر میں نماز مسجد حرام کی طرف منہ کر کے پڑھا کریں۔ تحویل قبلہ کی ایک اور حکمت۔ آیت سے اہم تعلیمات جو حاصل ہوتی ہیں۔ دُعاء	۴۶۱ ۴۶۴
درس ۶۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے جو فرمائی گئی تھی اُس کا ذکر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ خصوصیات:۔ (۱) آپ کتاب اللہ کی آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔ (۲) لوگوں کا تزکیہ نفس فرماتے ہیں (۳) آپ کتاب اللہ کی تعلیم۔ مطالب یعنی اسرار و رموز سکھاتے ہیں۔ (۴) آپ لوگوں کو حکمت و دانائی کی باتیں بتاتے ہیں۔ (۵) آپ تمام وہ امور دین جن کا لوگوں کو علم نہ ہو تعلیم فرماتے ہیں۔ حضور کی بعثت سے پہلے عرب کی حالت۔ بعثت کے بعد عرب کی حالت۔ اس وقت کتاب و سنت کو چھوڑ کر مسلمانوں نے تباہی و بربادی مول لے رکھی ہے۔ امت مسلمہ کو تین باتوں کا حکم: (۱) اللہ تعالیٰ کو ہر دم یاد رکھو (۲) اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو (۳) اللہ کی نعمتوں کی ناشکری مت کرو۔ ذکر اللہ شکر نعمت اور کفران نعمت کی تشریح و تفصیل۔ دُعاء	۴۶۵ ۴۶۹
درس ۷۰	ایمان والوں سے خطاب۔ مسلمانوں کو ذکر اور شکر کے حاصل کرنے اور کفران نعمت سے بچنے کا طریقہ تعلیم فرمایا جاتا ہے۔ یہ نسخہ اکسیر قرآنی دو جزء سے مرکب ہے۔ ایک صبر دوسرے نماز۔ صبر کی تشریح۔ صبر کے تین شعبہ ہیں۔ صبر صرف انسان کو عطا کیا گیا۔ صبر کی دو قسمیں۔ مصیبت یا تکلیف میں اظہار غم یا آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں۔ نماز کی ایک خاص تاثیر۔ ہماری نمازیں جو غیر مؤثر ہیں یہ ہمارا قصور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور عادت شریفہ۔ صَلٰوۃُ الْحَاجَۃ کی تعلیم و	۴۷۰

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	طریقہ حدیث شریف میں۔ صبر سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے اللہ تعالیٰ نے ۱۸ جگہ خطاب فرمایا ہے۔ یہ دوسرا ایسا موقعہ ہے۔ دُعاء	۴۷۳
درس ۷۱	اُن مواقع اور حالات کا ذکر جہاں صبر کی ضرورت ہے۔ سب سے اعلیٰ موقع صبر کے قتل فی سبیل اللہ کا ہے۔ شہید کی تعریف اور فضیلت۔ شہید کی روح کے متعلق ایک حدیث۔ شہید کے حسنات ہمیشہ ترقی کرتے رہیں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی آرزو کی۔ شہداء کو زندہ کیوں کہا گیا؟۔ شہید کے اقسام جو حدیث میں ارشاد ہوئے ہیں۔ شہید کے تجہیز و تکفین کے احکام۔ دُعاء	۴۷۴
		۴۷۶
درس ۷۲	شہادت کے بعد صبر کے دوسرے مواقع۔ مصائب کی مختلف قسمیں۔ مسلمان کو جب کوئی مصیبت پیش آئے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنا چاہیئے۔ اس کا مفہوم و مطلب۔ مصیبت کا مفہوم۔ حدیث میں اس کلمہ کو پڑھنے کی تعلیم۔ یہ کلمہ خاص اُمت مسلمہ کو ملا ہے۔ بچہ کی موت پر صبر کا اجر۔ چار عادتیں جس میں جمع ہو جائیں اس کے لئے بہشت میں گھر بنتا ہے۔ صابرین کے لئے رحمت کی بشارت۔ مومن کی حالت عجیبہ کہ اس کے ہر کام میں خیر ہے۔ دُعاء	۴۷۷
		۴۷۶
درس ۷۳	صابرین پر اللہ کی خاص توجہ و عنایت کی دلیل۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے صبر کی یادگار۔ صَفَا و مَرْوَہ کا ذکر۔ حضرت ہاجرہ کو بمعہ شیر خوار بچہ اسمٰعیل کے وادی فاران میں حضرت ابراہیم ؑ کا چھوڑ جانا۔ حضرت ہاجرہ کا پانی کے لئے پہاڑیوں پر اِدھر اُدھر آنا جانا۔ یہی عمل حاجیوں کے لئے حج و عمرہ میں یعنی سعی کا لازم ہونا۔ زمانہ جاہلیت کی سعی۔ اُساف اور نائلہ کا واقعہ مرد و عورت سے پتھر بن جانا۔ صفا و مروہ کی سعی اسلام میں۔ خانہ کعبہ میں ایام جاہلیت میں ۳۶۰ بت رکھ چھوڑے تھے۔ مشابہت کفار کا مسئلہ کہاں عائد ہوتا ہے اور کہاں نہیں۔ سعی حضرت ہاجرہ کی سنت ہے اور یادگار۔ دعاء	۴۸۰
		۴۸۲

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۴،	نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں جو دلائل اور پیشین گوئیاں آسمانی کتابوں میں موجود تھیں اُن کے چھپانے اور ظاہر نہ کرنے پر اللہ اور تمام عالم کی طرف سے لعنت ہونے کی وعید۔ اس آیت کے تحت اللہ کی باتیں اور شرعی مسائل چھپانے والوں کے لئے بھی وعید ہے۔ احادیث میں حق کو چھپانے کی سزا۔ یہ مسئلہ صرف قرآن و حدیث کے واضح مسائل کو بیان نہ کرنے میں ہے۔ دقیق مسائل جن کو عوام نہ سمجھ سکیں ان کے بیان نہ کرنے ہی کی حدیث میں ہدایت ہے۔ اگر کتمان حق کے جرم سے توبہ کر لی جائے اور اپنے عمل کی اصلاح کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ گزشتہ جرم کو معاف فرما دیتے ہیں۔ قبولیت توبہ کے لئے تین شرائط۔ ایک غلطی کا احساس۔ دوسرے اصلاح۔ تیسرے تلافیٔ مافات کرنا۔ سچی توبہ کی مثال۔ اب ہمیں کسی شخص کے خاتمہ کا یقینی علم ہونے کا ذریعہ نہیں۔ کفار پر من حیث الجماعت لعنت بھیجنا چاہیئے۔ دُعاء۔	۴۸۳
		۴۸۶
درس ۵،	دین کے دو ہی بنیادی مرکزی مسئلے ہیں۔ توحید[1] اور رسالت[2]۔ توحید باری تعالیٰ کے آٹھ عقلی دلائل (۱) آسمانوں کو پیدا کرنا (۲) زمین کا پیدا کرنا (۳) دن رات کا آنا جانا (۴) جہازوں کا سمندر میں چلنا (۵) بارش کا پانی آسمان سے برسانا (۶) ہر قسم کے حیوانات زمین میں پھیلا دینا (۷) ہواؤں کی کیفیت بدلنا کبھی پُروا ہے کبھی پچھوا کبھی گرم کبھی سرد (۸) ابر کا زمین آسمان کے درمیان معلق رہنا۔ ان میں سے ہر چیز مختلف وجوہ سے ذاتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے۔ پہلی دلیل کی تفصیلات۔ دوسری دلیل کی تفصیلات۔ تیسری دلیل کی تفصیلات۔ چوتھی دلیل کی تفصیلات۔ پانچویں دلیل کی تفصیلات۔ چھٹی دلیل کی تفصیلات۔ ساتویں دلیل کی تفصیلات۔ آٹھویں دلیل کی تفصیلات یہ عقلمندوں کے لئے قدرت کی نشانیاں ہیں۔ دُعاء۔	۴۸۷
		۴۹۱
درس ۶،	مشرکین کی حالت۔ ان کے برخلاف مومنین کی حالت جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہوتی ہے۔ مومن کے دل میں کسی درجے میں دوسرے کی بھی محبت ہوتی ہے۔ اور وہ مذموم نہیں البتہ اللہ کی محبت سب سے قوی اور سب کی محبت پر حاوی ہونا چاہیئے۔ محبت الٰہی کی پہچان اور تین خاص علامتیں۔ (۱) انسان نفس کی خواہش پر حق تعالیٰ کے	۴۹۳

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	حکم کو ترجیح دیتا ہو۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو اور موت سے گھبراتا نہ ہو۔ (۳) حکم الٰہی اور قضا وقدر پر راضی رہتا ہو۔ بزرگوں کے تجربہ کی بات کہ محبت الٰہی کس طرح پیدا ہو۔ اس کے لئے چار چیزیں ہونی چاہئیں۔ (۱) ہر نیک عمل میں نیت اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہونے کی (۲) ذکر اللہ کی پابندی (۳) اہل محبت یعنی اہل اللہ کی صحبت (۴) اہل اللہ کی غیر موجودگی میں اُن کے حالات کا مطالعہ۔ شرک کی سزا بہت سخت ہے۔ مشرک کے لئے قیامت کا ایک حسرتناک منظر۔ ایک دفعہ دنیا میں پھر آنے کی تمنا۔ کفار مشرکین کی ہر حجت جواب دے کر ختم کردی جائے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جہنمیوں کا گروہ علیحدہ کرنے کا حکم۔ فی ہزار ۹۹۹ جہنم کے لئے۔ کفار و مشرکین کو بوجہ کفر کبھی جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ دُعاء۔	۴۹۵
درس ۷۷	مشرکین کے بعض اعمال و رسوم شرکیہ کی برائی۔ تمام نوع انسانی کو خطاب۔ کھانے پینے کی چیزوں میں دو شرطیں ضروری ہیں — ایک حلال ہونا دوسرے طیب ہونا۔ حلال اور طیب کی تشریح۔ اسلام نے غذا کے ساتھ حلال اور طیب کی شرط لگا کر بڑی خوبی پیدا کردی۔ جو شے حلال اور طیب نہ ہو وہ جسم و روح کے لئے لازمی طور پر مضر اور نقصان دہ ہوگی۔ اکلِ حلال کی شریعت میں اہمیت۔ رزق حلال کی تلاش فرض ہے۔ رزق حرام کھا کر عبادت کرنا ایسا بیکار ہے جیسا گوبر پر مکان تعمیر کرنا۔ اس لئے مال حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا بہت ضروری ہے جس کے چار درجہ ہیں۔ (۱) عام مومنین کا تقویٰ (۲) صُلحا کا تقویٰ (۳) اتقیا کا تقویٰ۔ (۴) سب سے اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے۔ شیطان کی پیروی نہ کرنے کا حکم کیونکہ وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔ شیطان ہمیشہ سوء اور فحشاء کا حکم دیتا ہے۔ سوء اور فحشا کی تعریف۔ شیطان کے وسوسہ اور فرشتے کے الہام کی پہچان اور اثر۔ بدعت کی حقیقت۔ ایک اشکال کہ شیطان کبھی نیک کام کا بھی حکم دیتا ہے۔ اس کا جواب۔ دُعاء۔	۴۹۶ ۴۹۹
درس ۷۸	مشرکین کا اپنے کفر و شرک پر مُصر رہنا اور اپنے باپ دادا کے طریقہ کا اتباع کرنا۔ روایات شانِ نزول۔ یہ منکرین اسلام کی بدعقلی اور کم فہمی ہے کہ ہر بات میں باپ دادا ہی کے	۵۰۰

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	رسم کی پیروی کی جائے۔ اندھی تقلید اور غلط پیروی کی مذمت۔ بعض مسلمانوں کی بھی آجکل یہی حالت ہے کہ خاندانی روایات اور اپنے بڑوں کی رسموں کی تقلید لازمی جانتے ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تین شخصوں پر حق تعالیٰ کا بہت غصہ ہوتا ہے۔ صحابہ کرام کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نصیحت اور وصیت۔ اگر کسی کے آباو اجداد عقل بھی رکھتے ہوں اور ہدایت یافتہ بھی ہوں تو ان کا اتباع و تقلید عین عقل و عین ہدایت ہے۔ امام قرطبی کا قول ہے کہ آبائی تقلید کا ممنوع ہونا باطل عقاید اور اعمال میں ہے نہ کہ عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ میں۔ ائمہ کے تقلید کی دلیل۔ کفار کی نافہمی کی ایک مثال۔ آنکھ۔ کان اور زبان کا صحیح فائدہ۔ دعاء	۵۰۴
درس ۷۹	ایمان والوں کو خطاب۔ اللہ کی دی ہوئی طیبات کھانے پینے کا حکم اور اس پر شکر گزاری۔ حلال چیزوں کا شکریہ بھی ہے کہ انہیں عصیان و نافرمانی کا ذریعہ نہ بنائے۔ چار چیزوں کا ذکر جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (۱) مَیتَہ (۲) خون بہتا ہوا (۳) خنزیر (۴) ایسا جانور جو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو۔ ہر ایک کی تفصیل و تشریح۔ ان کے علاوہ حدیث میں بعض دوسرے جانور بھی آئے ہیں جن کا کھانا جائز نہیں۔ دو فقہی مسئلوں کا ذکر۔ حرام اور حلال کے اثرات۔ بعض حالات میں حرام چیزوں کے کھا لینے سے گناہ نہ ہوگا بعض شرطوں کے ساتھ۔ اس کی تفصیل۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ایک تحقیق "حالتِ اضطرار میں حرام چیزوں کے استعمال" کے متعلق۔ دعاء	۵۰۵
		۵۰۹
درس ۸۰	یہود کی عادت حرام خوری کی مذمت۔ اس کی سزا۔ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت میں کلام نہ فرمائیں گے۔ نہ ان کی صفائی کریں گے اور ان کو سزائے دردناک ہوگی۔ قیامت میں بات نہ کرنے پر ایک اشکال اور اس کا جواب۔ یہود کی مذمت تعجب کے پیرایہ میں کہ جہنم میں جانے کے لئے بڑے باہمت ہیں۔ ان آیات سے اہل اسلام کو کیا تعلیمات ملتی ہیں۔ دعاء.	۵۱۰
		۵۱۲

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۸۱ (حصہ اوّل)	اُمّت دعوت اور اُمّت اِجابت کی تعریف۔ اُمّت اجابت یعنی اہل اسلام سے خطاب اور مختلف احکام دین کی تعلیم و تلقین جو عبادات۔ معاملات اخلاقیات معاشرت سب کو شامل ہیں۔ یہود کا دعویٰ کہ ہم عبادت میں بیت المقدس کی طرف منہ کرتے ہیں اور آسمانی کتابوں کی پیروی کرتے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں ہوگا اِس خیال کی تردید کہ یہ بات باعث کمال نہیں بلکہ کمال اس میں ہے کہ (۱) اللہ کی ذات پر یقین رکھے (۲) قیامت پر بھی یقین رکھے (۳) فرشتوں کے وجود پر یقین رکھے (۴) تمام کتب سماویہ پر یقین رکھے۔ (۵) تمام پیغمبروں پر یقین رکھے۔ (۶) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہو۔ نماز کی پابندی رکھتا ہو اور مقررہ زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ شریعت اسلامیہ میں کل احکام کا حاصل تین چیزیں ہیں (۱) عقائد (۲) اعمال (۳) اخلاق باقی تمام جزئیات اِن ہی کلیات میں داخل ہیں۔ یہ آیت قرآن کریم کی اہم آیات میں سے ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب۔ اللہ کی کتابوں پر ایمان کا مطلب اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب۔ دُعاء۔	۵۱۳
		۵۱۶
درس ۸۲ (حصہ دوم)	اعمال و افعال کی اصلاح کے متعلق۔ کامل نیکی حاصل کرنیوالا وہ ہے جو صحیح عقائد کے علاوہ اپنا مال اللہ کی محبت میں خرچ کرتا ہو یا مال کن پر خرچ کرنا چاہئے۔ یعنی حقوق العباد کا ذکر حقوق اللہ کا ذکر۔ اس میں نماز کو قائم کرنے اور زکوٰۃ کو ادا کرنے کا حکم۔ اقامت صلوٰۃ کا مطلب۔ اقامت صلوٰۃ کے لئے تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔	۵۱۷
	ان کی تشریح زکوٰۃ کے ادا کرنے کے آداب و قواعد۔ دُعاء۔	۵۱۰
درس ۸۳ (حصہ سوم)	کامل نیکی حاصل کرنے کی تیسری شرط اچھے اخلاق کا ہونا ہے۔ اخلاق کے اچھا ہونے کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ انسان اپنے عہد۔ قول و قرار اور وعدے کا پورا پابند ہو۔ عہد کی صورتیں۔ اللہ تعالیٰ سے عہد کی مثالیں۔ ایفائے عہد لازمی ہے۔ انسانوں سے عہد کی مثالیں۔ منافق کی تین نشانیاں۔ عہد شکنی اور وعدہ خلافی ایمان کامل کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ صبر و ثبات کی صفت۔ جنگ و جہاد میں دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی۔ پوری آیت کا مقصود۔ یہود و نصاریٰ تمام عقائد و اعمال میں ناقص اور ناقص ہیں۔ اس کی مثالیں۔ دُعاء۔	۵۲۱
		۵۲۴

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۸۴	قِصَاص کے متعلق حکم۔ قِصَاص کے مطلب و معنیٰ۔ قتل کی سزا یہود میں صرف قتل تھی معافی کی کوئی صورت نہ تھی۔ نصاریٰ کے یہاں عفو و درگذر کا قانون تھا قصاص کی کوئی صورت نہ تھی۔ ایام جاہلیت میں قصاص و عفو میں افراط و تفریط۔ دِیَت یعنی خون بہا کا حکم و قانون۔ قصاص کے احکام کی مثالیں۔ دِیَت کا نصاب۔ قانون قصاص کی خوبی۔	۵۲۵
	دعاء ...	۵۲۸
درس ۸۵	وَصِیَّت کے لفظی معنیٰ۔ اصطلاح شریعت میں وَصِیَّت کا مطلب۔ وصیت کی قسمیں۔ شروع اسلام میں وصیت کا حکم۔ آیت میراث نازل ہونے پر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ایک ضروری مسئلہ۔ تین چیزیں تقسیم ترکہ سے مقدم ہیں (۱) میت کی تجہیز و تکفین کا خرچ (۲) دَین یعنی ادائیگی قرض میت (۳) تیسرے وصیت کا پورا کرنا۔ ان لوگوں کو تنبیہ جو مرنے والے کے پاس بوقت وصیت موجود ہوں۔ وصیت کی تبدیلی اور ردّ و بدل گناہ ہے۔ وصیت بدلنے کی ایک جائز صورت۔ وصیت میں ظلم سے جہنمی بن جانا۔ ایک حدیث کہ وصیت میں ظلم سے جہنمی بن جاتا ہے۔ اور عدل و انصاف سے جنتی ہو جاتا ہے۔ میراث کے احکام کی اہمیت۔ میراث کے مسائل و احکام سے غفلت ظلم عظیم ہے۔ علماء سے تحقیق کر کے عمل کرنا چاہیئے۔ دُعاء ...	۵۲۹
		۵۳۱
درس ۸۶	اہل ایمان کو خطاب۔ روزہ کی فرضیت کا حکم۔ روزہ کا مقصد۔ روزہ میں بیمار اور مسافر کے لئے آسانی۔ روزہ کا فدیہ۔ روزہ ہر اُمت میں فرض رہا ہے۔ شروع اسلام میں روزہ کا حکم پھر حکم میں دوسری تبدیلی۔ پھر حکم میں تیسری تبدیلی۔ رمضان کے روزہ نہ رکھنے کی شرعاً صورتیں۔ بیماری اور مسافرت کے احکام۔ مسافر اور مقیم کے مسائل۔ قضا روزوں کے رکھنے کا طریقہ۔ ابتدائے اسلام میں فدیہ دے کر روزہ نہ رکھنے کا حکم موقوف ہو گیا۔ رمضان کے روزوں کے فدیہ کے مسائل۔ نماز فرض فائتہ کا فدیہ۔ دُعاء	۵۳۲
		۵۳۶
درس ۸۷	ماہ رمضان کی فضیلت۔ قرآن کریم اسی ماہ رمضان میں نازل ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے۔ توراۃ و انجیل اسی ماہ میں نازل ہوئے۔ قرآن کریم پورا لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر رمضان کی رات میں نازل کیا گیا۔ قرآن کریم کی تین خصوصیات۔	۵۳۷

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	(۱) هُدًى لِّلنَّاسِ (۲) بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى (۳) اَلْفُرْقَانُ۔ اِن کی تشریح۔ سفر اور مرض میں سہولت رخصتوں میں۔ شریعت میں کوئی دشواری اور سختی نہیں۔ اگر شریعت کے کسی حکم میں ہم کو دشواری معلوم ہو تو وہ ہماری کمزوری سستی کاہلی اور تن آسانی یا راحت طلبی کی بنا پر ہوتی ہے۔ دُعاء۔	۵۴۰
درس ۸۸	شانِ نزول کی روایات۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں بندوں کے قریب ہوں۔ اِس کا مطلب دُعا کی ترغیب۔ ایک حدیث میں ہے کہ دُعا کرنا اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ بلکہ عبادت کی رُوح اور اس کا مغز ہے۔ حدیث میں دعا کی فضیلت۔ دعا کی حقیقت۔ دل کی غفلت کے ساتھ جو دعا کی جائے وہ قبول نہیں ہوتی۔ بعض اوقات میں دُعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ اِس کی تفصیل۔ دعا ہر ایک کی سنی جاتی ہے۔ اگر دعا کی قبولیت میں دیر ہو تو مایوس ہو کر چھوڑنا نہ چاہیئے۔ دعا، ضائع اور بیکار کبھی نہیں جاتی۔ قبولیت دعا کی مختلف صورتیں۔ ہر ضرورت کے لئے خواہ دین کی ہو یا دنیا کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیئے۔ دُعاء..	۵۴۱ ۵۴۳
درس ۸۹	شانِ نزول کی روایات۔ رمضان کی راتوں میں غروب آفتاب کے بعد سے صبح صادق تک کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت۔ پہلا حکم منسوخ۔ مسجد کے اعتکاف کے احکام۔ ثبوت احکام شرعیہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی مثل قرآن کے ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لباس ہیں۔ اس کا مطلب۔ میاں بیوی دونوں پر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کا لباس یعنی رازدار۔ امین۔ پردہ پوش۔ زیب و زینت راحت و آسائش۔ قلبی و جسمانی اور ذہنی چین و سکون کا موجب ثابت ہوں۔ بیبیوں سے قربت اولاد حاصل کرنے کی غرض سے ہونا چاہیئے۔ "ضبط تولید" اور "منصوبہ بندی" کی تحریکیں من حیث القوم لغو اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اعتکاف فی المسجد خاص مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کا اعتکاف گھر میں ہو سکتا ہے۔ حدود اللہ کی کامل پابندی کی تاکید۔ دُعاء.	۵۴۴ ۵۴۷

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۹۰	آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر کھانے کی ممانعت۔ یہاں اگرچہ صراحتاً کھانے کی ممانعت مذکور ہے لیکن مراد صرف کھانا ہی نہیں بلکہ مطلقاً استعمال کرنا ہے۔ اس میں حصولِ مال کے تمام ناجائز ذرائع اور طریقہ اختیار کرنے کی ممانعت آگئی۔ کسی کا مال غصب کر لینا بھی اس میں شامل ہے۔ چوری۔ ڈاکہ بھی اس میں داخل ہے۔ جبراً مال چھین لینا۔ سود قمار۔ رشوت اور تمام معاملات فاسدہ۔ اور جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کرنا۔ ایسی کمائی جس کو شریعت نے ناجائز اور ممنوع قرار دیا ہو اس آیت کی رو سے سب حرام اور باطل ہیں۔	۵۴۸
	جھوٹا مقدمہ بنانے جھوٹی قسم کھانے۔ جھوٹی شہادت دینے اور دلوانے کی ممانعت۔ حاکموں کو اپنا طرفدار بنانے۔ ان تک رسائی حاصل کرنے۔ رشوت یا مالی تحفہ تحائف دیکر حاکموں پر اثر ڈالنے۔ ان سے رسوخ پیدا کر کے ان کو اپنا طرفدار بنانے کی ممانعت۔ اگر امام۔ قاضی یا حاکم کسی مغالطہ کی وجہ سے کوئی فیصلہ کر دے جس میں ایک کا حق ناجائز طور پر دوسرے کو مل رہا ہو تو اس عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ اس کے لئے حلال اور جائز نہیں ہو جاتا۔ اسی ایک آیت پر اگر مسلمان عمل درآمد کر لیں تو حرام کے مال کی نحوستیں۔ وبال۔ گمراہیاں۔ فتنہ فساد ختم ہو جائیں اور حلال کی برکات۔ خیر و ثمرات پھیل جائیں۔ حلال و حرام کی اہمیت۔ حرام مال کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پاک اور حلال کھانا کھانے والا مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔ حرام لقمہ سے چالیس روز تک کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ حرام مال کی مذمت اور خرابیاں۔ دعاء۔۔۔	۵۵۱
درس ۹۱	حج و جہاد کے متعلق احکام و مسائل۔ رویتِ ہلال کا ذکر۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں کیا حکمت ہے۔ صحابہ کرام کی ایک خاص شان۔ بوجہ عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات بہت کم کئے ہیں۔ قرآن کریم میں کل چودہ سوالات کا ذکر ہے۔ اَھِلَّۃ یعنی شروع مہینہ کے چاند کے متعلق سوال۔ شریعت اسلامیہ میں حساب چاند ہی کا متعین ہے۔ قمری حساب میں سہولت بہ نسبت شمسی حساب کے۔ مدار احکام شرعیہ قمری حساب پر ہے اس لئے اس کو محفوظ اور منضبط رکھنا فرض علی الکفایہ ہے۔ افسوس کہ اب بہت سے مسلمانوں کو اسلامی بارہ مہینوں کے نام بھی نہیں معلوم۔ زمانہ جاہلیت	۵۵۲

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	کی ایک رسم کی اصلاح کہ حالتِ احرام میں گھروں میں دروازہ سے داخل نہ ہوتے تھے۔ اس آیت سے بہت سے شرعی احکام و قواعد کا استنباط۔ دُعاء۔	۵۵۵
درس ۹۲	کفارِ مکہ سے جہاد و قتال کا حکم۔ ہجرتِ مدینہ سے قبل کفار سے جنگ و جہاد کی اجازت نہ تھی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد کفار کی بیجا زیادتیوں کی مدافعت کا حکم ملا اور جنگ بدر۔ اُحد۔ خندق وغیرہ واقع ہوئیں۔ سنہ ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ کیا۔ مگر قریش مکہ لڑنے پر آمادہ ہو گئے اور مکہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ صلح حدیبیہ کا وقوع۔ سنہ ۷ھ میں عمرہ کی قضا پر کفار کے جدال و قتال کا خوف اُس وقت اِس حکم کا نزول اور مسلمانوں کو جدال قتال کا حکم اگر کفار لڑنے لگیں۔ کفار عرب کے لئے قانونِ جزیہ نہیں ان کے واسطے اسلام ہے یا قتل۔ اہل اسلام کو ہدایت کہ کسی امر میں حدِ قانونی سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ آیات متعلق فقہ حنفیہ کے مسائل کفار سے قتل و قتال کے بارے میں حرم یا غیر حرم میں۔ احکام جہاد و قتال میں اوّلین آیت۔ اسلام کے فرائض میں جہاد بھی ایک فرض ہے۔ مخالفین اسلام کا جہاد پر اعتراض۔ علمائے اسلام کا جواب۔ اسلام صرف تین صورتوں میں جہاد کی اجازت دیتا ہے۔ اس کی تفصیل۔ جہاد کے بعض اسلامی احکام۔ دُعاء۔	۵۵۶ ۵۶۲
درس ۹۳	اللہ کی راہ میں یعنی جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم۔ آیت کے تین جزو ہیں۔ پہلا جزو جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم۔ اس میں اسلحہ۔ ہتھیار۔ آلاتِ جنگ کا خریدنا۔ مجاہدین کے خورد و نوش کا انتظام۔ مجاہدین کے پس ماندگان کی کفالت۔ شہداء کے یتیم بچوں اور بیواؤں کی کفالت وغیرہ سب شامل ہیں۔ دوسرا جزو کہ اپنے اختیار سے اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس سے کیا مراد ہے۔ مفسرین کے مختلف اقوال۔ تیسرا جزو کہ جو کام کرو اچھی طرح کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند فرماتے ہیں۔ قرآن میں لفظِ احسان کی تعبیر۔ احسان کی تفسیر حدیث میں۔ دُعاء۔	۵۶۳ ۵۶۵
درس ۹۴	حج اور عمرہ کے احکام کا بیان۔ حج و عمرہ کے باب میں یہ سب سے اوّل آیت ہے۔ حج اور عمرہ کو اللہ کے خوش کرنے کے واسطے پورا پورا کرنے کی ہدایت۔ رسول اللہ صلی	۵۶۶

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	اللہ علیہ وسلم کی تنبیہہ اُمت کو آپ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ مالدار لوگ سیر و سیاحت اور تفریح کے لئے حج کریں گے۔ متوسط طبقہ کے لوگ تجارت کیلئے فقراء سوال کرنے کیلئے۔ قراء اور علما نام و نمود کے لئے۔ حج اسلام کا ایک رکن ہے۔ فرض عین ہے۔ حج کی فرضیت کی شرط۔ مناسک حج کے ایام ۸ ذی الحجہ سے ۱۲ یا ۱۳ ذی الحجہ تک۔ عمرہ کو جو حج کہتے ہیں اس کے لئے وقت کی قید نہیں البتہ ۹ ذی الحجہ اور ایام تشریق میں یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ میں عمرہ کرنا مکروہ ہے جو کہ ایام حج ہیں۔ حج کی تین قسمیں (۱) اِفراد (۲) تمتع (۳) قِران۔ قِران حنفیہ کے نزدیک اعلیٰ اور افضل ہے۔ حج کی فرضیت کے متعلق ضروری مسئلہ۔ حج کی تاکید۔ جو باوجود قدرت اور استطاعت کے حج کو نہ جائے اس کیلئے سخت وعید۔ کسی صاحب استطاعت مسلمان کو حج سے محروم نہ رہنا چاہیئے۔ حج اور عمرہ کی برکتیں اور فضائل۔ حج و عمرہ کرنیوالوں کو مکہ اور مدینہ میں نقد لذتیں جو حاصل ہوتی ہیں۔ حج کی عبادت۔ ہر نبی و پیغمبر نے حج کیا ہے۔ دُعاء	۵۶۹
درس ۹۵	زمانۂ نزول آیت سنہ ۶ھ۔ مُحْصَر کا حکم۔ مُحْصَر اُسے کہتے ہیں جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو مگر کسی مجبوری سے حج یا عمرہ پورا نہ کر سکا۔ مُحْصَر کیلئے قربانی کے احکام۔ احرام کھولنے اور سر منڈانے کے احکام۔ بیماری یا تکلیف کی بنا پر سہولت اور فدیہ ادا کرنے کا حکم۔ فدیہ کے احکام۔ آیت سے متعلق فقہ حنفی کے مسائل۔ حج و عمرہ کے قربانی کے بعض مسائل حالت امن میں عمرہ یا افراد حج میں قربانی ضروری نہیں۔ تمتع اور قِران میں قربانی واجب ہے۔ لیکن جس کو قربانی کا مقدور نہ ہو تو اس کے عوض میں دس روزے رکھنے ضروری ہیں۔ اِفراد۔	۵۷۰
	تمتع اور قِران کے بعض مسائل۔ دُعاء۔	۵۷۳
درس ۹۶	زمانہ حج یعنی حج کے مہینہ۔ شوال سے حج کے مہینے شروع ہونے کا مطلب۔ جو شخص اپنے ذمہ حج مقرر کرلے اور حج کا احرام باندھ لے اس کو تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے (۱) رَفَث (۲) فُسُوق (۳) جِدَال۔ ہر ایک کی تشریح و مطلب۔ حج میں ان ہی تین امور میں ابتلا اکثر پیش آتا ہے۔ اس لئے ان امور پر خاص طور سے متنبہ کیا گیا۔ مگر افسوس کہ اب اس زمانہ میں ایسا حج کہ جو ان اُمور سے پاک ہو خال خال اللہ کے خاص بندوں ہی کو نصیب ہوتا ہے ورنہ فسوق و جدال تو عام حجاج میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ حج کرنیوالوں کو ایک ضروری ہدایت کہ حج کو جانے لگو تو خرچ ضرور ساتھ لے لیا کرو۔ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا بار بار حکم اور اس کی وجہ۔ دعاء	۵۷۴ ۵۷۶

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۹۷	حج کے متعلق مزید ہدایات۔ شان نزول کی روایت۔ اگر کوئی شخص دوران حج میں کوئی خرید و فروخت یا مزدوری یا تجارت کر کے کچھ نفع اُٹھا لے یا کچھ کما لے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ اجازت کے درجے میں ہے۔ اور اس کا مدار اصل نیت پر ہے۔ اس کی تشریح۔ حج کے سلسلہ میں ایک دوسری ہدایت کہ جب عرفات میں ٹھہر کر واپس آنے لگو تو مشعر حرام یعنی مزدلفہ میں شب کو قیام کر کے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ میدان عرفات کے متعلق معلومات۔ جبلِ رحمت کے نیچے جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر پڑے ہیں یہاں حج الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے قیام فرمایا تھا۔ حج میں منیٰ۔ عرفات۔ مزدلفہ۔ اور پھر منیٰ کے اعمال مسنونہ۔ اصل طریقہ عبادت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ذریعہ سے بتایا۔ آیت سے ایک اہم اصولی مسئلہ کا استنباط۔ دُعاء..	۵۷۷ ۵۸۱
درس ۹۸	جب اہل اسلام پر حج فرض کیا گیا تو رسوم جاہلیت کی اصلاح فرمائی گئی۔ قریش مکہ عرفات میں نہ جاتے تھے بلکہ مزدلفہ سے واپس آجاتے تھے۔ قریش مکہ کو بھی وقوف عرفات کا حکم اور اپنی امتیازی شان رکھنے سے توبہ کرنے کا حکم۔ عبادات میں قومی امتیاز اور نسلی برتری کوئی چیز نہیں۔ خصوصاً حج میں لباس احرام میں۔ یہی سبق دیا جاتا ہے کہ امیر غریب بڑے چھوٹے کی تفریق مٹتی ہے۔ عرب کی ایک اور جاہلانہ رسم مٹا کر ہدایت کی تعلیم۔ دعا میں دین اور دُنیا دونوں جہاں کی بھلائی کی طلب کا حکم۔ دُعاء رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ کی فضیلت۔ جو لوگ وظائف اور دعاؤں سے محض دولت کی ترقی۔ مال دولت میں برکت۔ آفات و بلیّات کے دُور ہونے کی غرض رکھتے ہیں ان کی دنیا طلبی کی مذمت محض دنیا کے طلبگاروں کو تنبیہہ۔ منیٰ میں قیام اور جمرات پر کنکریاں مارنے کی ہدایات۔ دُعاء	۵۸۲ ۵۸۷
درس ۹۹	محض دنیا طلبی کی مذمت۔ ان آیات کی شان نزول کی روایت۔ یہ آیات ہر اُس شخص پر صادق آتی ہیں جو منافقانہ خصلت و فطرت کا آدمی ہو۔ اس کے مقابل سچے مومن و مخلص کا ذکر اور صفات کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک بیچ ڈالتا ہے۔	۵۸۸

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	حضرت صہیب رضؓ رومی کا مکہ سے ہجرت کا واقعہ۔ مدینہ پہنچنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت۔ مومن کو اس مقصد کے لئے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے جان دے دینا کیوں آسان ہوتا ہے؟۔ دعاء	۵۹۱
درس ۱۰۰	ان آیات کا شان نزول حضرت عبداللہ بن سلام اور دیگر علمائے یہود کے بارے میں ہے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ احکام اسلامیہ کی تعمیل کے ساتھ ہم کو شریعت موسویہ کے مطابق ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز اور توریت کی تلاوت کی اجازت دی جائے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کی ہدایت کی گئی۔ یعنی عقائد، اعمال عبادات۔ اخلاق و معاملات سب میں ظاہراً و باطناً اسلام کی ہدایات پر عمل کرنا چاہئے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہودیت یا نصرانیت کی کوئی رعایت کرنا گویا شیطان کی پیروی کرنا ہے۔ اسلام کی مکمل اطاعت کے لئے صاف و صریح حکم۔ اس سے احداث فی الدین کی جس کا حاصل بدعت ہے مذمت۔ بدعت نہایت سخت چیز ہے جس کا حاصل غیر دین کو دین بنانا ہے۔ بدعتی ایک درجہ میں نبیؐ کی بھی تنقیص کرتا ہے۔ بدعت کا بدترین اثر یہ ہوتا ہے کہ بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ اسلام صرف مسجد اور عبادت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ حقوق معاشرت و معاملات حکومت سیاست تجارت۔ صنعت و حرفت ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی و قرآن و سنت کے احکام اپنانا ظاہراً و باطناً یہ ہے اسلام میں پورا پورا داخل ہونا۔ دعاء	۵۹۲
		۵۹۴
درس ۱۰۱	جو لوگ حقانیت اسلام کو تسلیم نہیں کرتے ان کو وعید سنائی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کے نزول اجلال کا واقعہ قیامت میں پیش آئے گا۔ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست و دعا پر حق تعالیٰ بندوں کے حساب کے لئے اس طرح تشریف لائیں گے کہ آسمان کے پھٹنے کے بعد ابر کے سائبانوں میں نزولِ اجلال فرمائیں گے۔ ایک ضروری ہدایت کہ قرآن و حدیث میں جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے آنا، اترنا وغیرہ مذکور ہے اس میں سلف صالحین کا مسلک یہی ہے کہ ان امور کی تحقیق و تفتیش میں نہ پڑے۔ بلا تشبیہ اور بلا تمثیل اس پر ایمان لائے۔	۵۹۵

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	ہدایت ملنے پر گمراہی اختیار کرنا سخت سزا کا باعث ہوتی ہے جیسے بنی اسرائیل کو سزا ملی گویا قانونِ الٰہی یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی نعمت کو بدلتا ہے بعد اس کے کہ وہ نعمت اس کو پہنچ چکی ہو تو یقیناً حق تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں۔ دُعاء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵۹۷
درس ۱۰۲	مخالفت حق اور خدا کی نعمت ہدایت سے منہ موڑنے کی وجہ، لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت ہے۔ حُبِّ دنیا کے آثار میں سے ہے کہ اہل دُنیا ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ ان آیات کا شان نزول۔ غربا اسلام جو خدا سے ڈرتے ہیں قیامت کے دن وہ بلند درجات میں ہوں گے۔ اور متکبر معاند کفار جہنم کے نچلے طبقہ میں ہونگے۔ دنیا میں مال کی کثرت، رزق کی فراوانی یہ خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے دیدے۔ وہی فقرائے مسلمین جن کو کفار مکہ حقیر و ذلیل سمجھتے تھے رُوم اور فارس کی عظیم سلطنتوں کے مالک بنا دئے گئے۔ اِس شبہ کا ازالہ کہ کافر اگر حق پر نہیں تو اتنی دولت۔ حکومت و سلطنت انہیں کیوں ملی۔ افسوس کہ حُبِّ دنیا کا مرض جو کفار میں تھا اب مسلمانوں میں بھی آگیا ہے۔ اس پر وعید و تنبیہ حدیث میں۔ دُعاء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵۹۸ ۶۰۰
درس ۱۰۳	"حُبِّ دنیا" کا مرض مدت دراز سے اس دنیا میں چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ دین حق کی حقانیت پر واضح دلائل قائم فرماتے ہیں اور منکرین حق طالبین دنیا اپنی دنیوی اغراض کے سبب اس سے مخالفت کرتے رہے ہیں۔ کسی وقت دنیا میں سب ایک ہی طریق پر تھے۔ ایک مدت کے بعد اختلاف طبائع سے اغراض میں اختلاف ہونا شروع ہوا۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے پیغمبروں کو دنیا میں بھیجا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ لوگوں کو چاہئے تو یہ تھا کہ ان کتابوں کو مان کر سب مذہبی اختلافات مٹا دیتے مگر بعضوں نے خود اس کتاب ہی سے اختلاف شروع کر دیا۔ اصل وجہ باہمی ضد اور حسد کی حُبِّ دنیا ہی ہوتی ہے۔ اس آیت سے کیا باتیں معلوم ہوئیں۔ اب دینی اختلافات کا فیصلہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر ہے۔ افسوس کہ اس وقت امت اجابت خود دینی اختلافات میں مبتلا ہے۔ اس کے باثرات ضرور	۶۰۱

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اختلافات کا فیصلہ اور حل تعلیم فرمادیا ہے۔ ایک حدیث۔ آیت سے مزید نصائح و ہدایات جو ملتی ہیں۔ دُعاء۔	۶۰۴
درس ۱۰۴	آیت کے شان نزول کی روایات۔ صحابہ کرام کی تسکین کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ گزشتہ اہلِ ایمان کو بھی کفار اور اعدائے دین سے سختی اور سخت تکالیف پہنچیں۔ اور انہوں نے سختیاں برداشت کیں اور دین پر قائم رہے۔ اسی طرح سے صحابہ کو بھی دشمنانِ دین کے ہاتھوں سختیاں برداشت کرنا ہوں گی۔ آیت میں یہ فرمانا کہ کیا جنت میں بے مشقت چلے جاؤ گے تو مشقت جھیلنے کو شرط فرمایا گیا۔ وہ امور جو اس آیت سے معلوم ہوئے	۶۰۵
	ان کا بیان۔ دُعاء۔	۶۰۷
درس ۱۰۵	انفاق فی سبیل اللہ کا حکم۔ صحابہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کہ ثواب کے واسطے کیا چیز خرچ کریں اور کس موقع پر صرف کریں۔ اس کا تفصیلی جواب اور مال خرچ کرنے کے مواقع۔ یہاں آیت میں صدقات نافلہ کا بیان ہے۔ صدقاتِ واجبہ مثل زکوٰۃ اور فطرہ وغیرہ کا نہیں۔ مسلمانوں کو اپنی نیک کمائی اور پاکیزہ دولت کے خرچ کے مواقع پانچ بتلائے گئے:	۶۰۸
	(۱) سب سے پہلے ماں باپ کی خدمت (۲) والدین کے بعد قرابت و رشتہ دار (۳) یتیموں پر خرچ کرنا (۴) عام محتاجوں اور مساکین پر خرچ کرنا (۵) مسافروں پر خرچ کرنا۔ یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ نیکی تم کروگے اور حلال کی کمائی اور مال سے راہِ خدا میں صرف کروگے اس کی جزا اور ثواب یقینی ملے گا۔ نفلی صدقات میں اس کا خیال اور رعایت ضروری ہے کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہی خرچ کیا جائے۔ اہل و عیال بیوی بچوں کو تنگی اور پریشانی میں ڈال کر اور ان کے حقوق تلف کر کے خرچ کرنا ثواب نہیں اسی طرح کسی کے ذمہ قرض ہو تو قرض خواہ کو نہ دینا اور نفلی صدقات و خیرات میں مال دینا اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ .. .. دُعاء۔	۶۱۰

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۰۶	جہاد کی فرضیت کا اعلان۔ جہاد فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ کی تعریف۔ جہاد کے فرض عین یا فرض کفایہ ہونے کی تحقیق۔ جہاد کی ترغیب کے لئے فرمایا گیا کہ ہو سکتا ہے تم کسی بات کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر و بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں باعث خرابی ہو۔ اس لئے اچھے برے کا فیصلہ اپنی رائے پر نہ رکھو بلکہ جو کچھ اللہ کا حکم ہو جائے اس پر کاربند رہا کرو۔ دعا	۶۱۱
		۶۱۴
درس ۱۰۷	شانِ نزول۔ اَلشَّہرُ حُرُم چار مہینے یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب حرمت کے مہینے سمجھے جاتے تھے جن میں قتل و قتال ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ ایک جہاد میں مسلمانوں نے ۳۰ جمادی الثانی سمجھ کر قتال کیا۔ جب کہ وہ پہلی رجب تھی۔ کفار کا اعتراض مسلمانوں پر کہ رجب میں قتال کیا۔ اس کا تحقیقی و الزامی جواب۔ کفار کی بعض حرکتیں شہرِ حرام میں قتال سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اسلام سے پھر جانے کی سزا۔ مرتدین اسلام کی حالت کافر اصلی سے بھی بدتر ہے۔ مرتد کی سزا قتل ہے مرد کو عورت کو حبس دوام یعنی ہمیشہ کی قید۔ آیا الشہر حرم میں قتال کی اب بھی اسلام میں ممانعت ہے یا یہ حکم منسوخ ہو چکا اس کا فیصلہ اور تحقیق۔ دعا۔	۶۱۵
		۶۱۹
درس ۱۰۸	شانِ نزول۔ صحابہ کو بشارت۔ مگر بشارت اُسی ہجرت اور جہاد پر ہے جو فی سبیل اللہ ہو۔ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ اس حدیث کی فضیلت۔ امام شافعیؒ سے روایت۔ بغیر درستی نیت کے کوئی عمل لائق ثواب نہیں۔ دعا۔	۶۲۰
		۶۲۲
درس ۱۰۹	شراب اور جوئے کے متعلق سوال۔ اُس کا جواب۔ خمر و میسر کی تشریح۔ اسلام سے پہلے عرب میں شراب اور جوئے کا عام دستور۔ بعد ہجرت اہل مدینہ میں بھی شراب اور قمار کا رواج تھا۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔ شراب اور جوئے کے مفاسد اور خرابیاں۔ اس آیت کے نزول کے بعد مدینہ میں ایک واقعہ۔ اس پر دوسری آیت نازل ہوئی کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ اس کے بعد ایک اور واقعہ اس پر سورۂ	۶۲۳

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	مائدہ کی آیت نازل ہوئی اور شراب کو حرام قرار دیا گیا اس طرح ۳ھ میں شراب کی قطعاً ممانعت و بندش ہوگئی۔ دُعاء۔	۶۲۵
درس ۱۱۰	شان نزول۔ صحابہ کرام کا سوال کہ ہم اللہ کی راہ میں کتنا اور کیا خرچ کریں۔ اس کا جواب۔ عفو کی مختلف تفاسیر۔ سوال عام صدقات و خیرات کے متعلق تھا نہ کہ صدقات واجبہ کے متعلق۔ ضرورت اور حاجت سے زائد مال خرچ کرنے کے حکم سے بعض عشاق مستثنیٰ ہیں۔ اصحاب صُفّہ کا واقعہ صحابہ میں اور اولیاء اللہ میں دونوں ہی مذاق کے حضرات ہوئے ہیں۔ یعنی زائد مال سب خرچ کر دینا چاہیئے یا کچھ آئندہ ضرورت کے لئے بھی ذخیرہ رکھنا چاہیئے۔ مال کے خرچ کرنے یا نہ کرنے کی تفصیل یعنی کس صورت میں ممنوع اور کس صورت میں مباح ہے۔ دُعاء۔	۶۲۶ ۶۲۸
درس ۱۱۱	یتامیٰ کے متعلق صحابہ کرام کا سوال۔ یتیم کی تعریف۔ ابتدائے اسلام میں عرب میں یتیموں کا حق دینے میں پوری احتیاط نہ تھی اس لئے بعض ہدایات کا نزول ہوا جس پر وہ صحابہ جو یتیموں کے والی تھے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ یتیموں کا کھانا بھی الگ پکواتے اس پر دشواری اور تنگی ہوئی تو حضورؐ سے سوال کیا گیا اس کا جواب۔ غیر مسلم بچہ کے احکام بھی مثل مسلم یتیم کے ہیں۔ بلکہ غیر مسلم کی مذہبی آزادی کی مزید رعایت ہے۔ یتیموں کی پرورش کی حدیث میں فضیلت اور ثواب کثیر۔ دُعاء۔	۶۲۹ ۶۳۱
درس ۱۱۲	ابتدائے اسلام میں مسلمان مَرد اور کافر عورت یا مسلمان عورت اور کافر مَرد دونوں صورتوں میں نکاح کی اجازت تھی۔ آیت کا شانِ نزول۔ آیت نے اس بات کو منسوخ کر دیا۔ مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کو کافروں کے نکاح میں دینے کی ممانعت آیت میں دو حکم۔ ہر حکم کی تفصیل و تشریح اور علت اور وجہ۔ آج کل کے اکثر یہود و نصاریٰ دہریئے ہیں اہلِ کتاب نہیں۔ اس لئے اُن سے مسلمان کا نکاح درست نہیں۔ دُعاء۔	۶۳۲ ۶۳۵

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۱۳	حائضہ عورتوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال۔ حائضہ عورتوں کے متعلق یہود و نصاریٰ میں افراط و تفریط۔ حائضہ عورتوں کے متعلق اسلامی احکام اور دوسری نصیحتیں۔ حیض کی مدت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ حائضہ عورتوں کو کیا کام جائز نہیں۔ بیوی سے پیچھے کے موقع میں صحبت کرنا حرام ہے حدیث میں وعید۔	۶۳۶
	نکاح کا اصل مقصد نسل کی افزائش ہے۔ اولاد صالح کی حدیث میں فضیلت ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک من حیث القوم احمقانہ اور دین کے خلاف ہے۔ ہر کام کو طاعت و عبادت بنانے کا حکم۔ بیوی سے قربت کے وقت اللہ کا نام لینے کا حکم۔ تقویٰ یعنی خوف خداوندی کا بار بار حکم۔ دعاء	۶۴۱
درس ۱۱۴	غلط قسموں کے استعمال کی ممانعت۔ ایام جاہلیت کی ایک بری رسم۔ خدا کے نام کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے لئے مانع نہ بنانے کا حکم۔ شان نزول کی روایات۔ اللہ کے نام کی یہ قسم نہ کھاؤ کہ ہم فلاں نیک کام نہ کریں گے۔ قسم کھانے سے متعلق چند ضروری مسائل۔ قسم کے توڑنے کا کفارہ۔ لغو یعنی بے معنی قسم کی تفصیل و تشریح کس قسم پر مواخذہ ہوگا اور کس پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ بلا ارادہ اور نادانستہ فعل کی گرفت نہیں فرماتے۔ دعاء۔	۶۴۲
		۶۴۴
درس ۱۱۵	"ایلاء" یعنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینے کے متعلق احکام۔ ایلاء کی تشریح۔ عربوں میں زمانہ جاہلیت میں اپنی بیویوں سے ایلا کا دستور تھا۔ اور یہ عورتوں پر بڑا ظلم تھا۔ اسلام نے اس خرابی کو دور کیا۔ جاہلیت کے ایلا کی اصلاح چار ماہ کی مدت کا تعین ایلا کے لئے اس کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی طلاق کی تشریح۔ اسلام سے پہلے بھی دنیا میں طلاق کے مختلف طریقے رائج تھے ایلا کا حکم اور اس کی تشریح جو فقہاء نے کی ہے یعنی ایلا کی چار صورتیں۔	۶۴۵
	دعاء۔	۶۴۷

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۱۶	شانِ نزول ۔ مطلقہ کی عدت کا زمانہ ۔ رجعت کے احکام طلاق رجعی میں عورتوں کے بھی حقوق ہیں مَردوں پر ۔ مگر مَردوں کا درجہ بڑھا ہوا ہے عورتوں کے مقابلہ میں عدّت کے اعتبار سے عورتوں کی قسمیں (۱) صغیرہ (۲) سِن رسیدہ (۳) حاملہ (۴) شوہر کا فوت ہو جانا (۵) وہ عورت جو نہ حاملہ ہو ۔ نہ نابالغ ہو اور آزاد ہو اور خلوت صحیحہ ہو چکی ہو ۔ (۶) وہ عورت جسے خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق مل جائے ۔ (۷) شرعی باندی اگر مطلقہ ہے ۔ مطلقہ عورت کو حمل اور حیض ظاہر کر دینے کا حکم ۔ مرد پر خاص حقوق عورت کے ۔ عورت پر خاص حقوق مرد کے ۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں عورتوں کے بارے میں ہدایات ۔ دعاء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۴۸
		۶۵۰
درس ۱۱۷	حق رجعت کب تک رہتا ہے ۔ زمانۂ جاہلیت کی طلاق ۔ رجوع دو طلاقوں تک ہے ۔ دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد دو اختیار ہیں مرد کو ۔ عدت کے اندر اندر رجعت ہو سکتی ہے ۔ عدت کے بعد رجعت نہیں ۔ تیسری مرتبہ طلاق دینے کی صورت ۔ حَلَالَہ کی تعریف ۔ زمانۂ جاہلیت کی بدسلوکی سے ممانعت ۔ خلع کی تعریف اسلام میں پہلا خلع ۔ خلع سے متعلق بعض فقہی مسائل ۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ازدواجی تعلقات اور دنیا کا معاشرہ نیکی اور تقویٰ پر قائم ہو ۔ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے دعاء ۔	۶۵۱
		۶۵۴
درس ۱۱۸	دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق بھی دیدی تو اس کا حکم ۔ نہ اب رجوع کر سکتا ہے نہ نکاح کر سکتا ہے ۔ سوائے طریقہ حَلَالَہ کے ۔ حَلَالَہ کی پانچ شرطیں ۔ تین طلاقیں خواہ علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا اکٹھی دی ہوں وہ لازم اور واقع سمجھی جائیں گی غیر مقلدین کا قول کہ تین طلاقوں سے ایک طلاق پڑتی ہے شیعوں کے نزدیک ۔ تین طلاق دینے سے ایک بھی نہیں پڑتی ۔ ائمہ اربعہ کا اجماعی اور متفقہ فتویٰ کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں ۔ جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہے تو طلاق کا احسن طریقہ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کہ باوجود ناراضگی کے آپ نے تین طلاقوں کو نافذ کیا ۔ اگر کسی نے غیر مستحسن یا غیر مشروع طریقہ سے تین طلاقیں دیں تو اس کا کیا اثر ہوگا ؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا جواب ۔ مسئلہ طلاق پر غیر مسلموں کا اعتراض اس کا جواب ۔ دعاء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۵۵
		۶۵۸

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۱۹	طلاق رجعی کا قانون۔ رجعت کی صحیح غرض و غایت۔ اگر مرد عورت کو اپنی زوجیت میں واپس لینا چاہے تو شرافت و عزت سے لوٹائے اور اگر تعلق توڑنا چاہے تو بھی شرافت و عزت کے ساتھ گھر سے رخصت کرے۔ حق تعالیٰ کے احکام کو لہو لعب کی طرح بے وقعت مت سمجھو۔ طلاق و نکاح کو اگر کسی نے کھیل یا مذاق میں بھی پورا کر دیا تو وہ نافذ ہو جائیں گے ایک حدیث کہ تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہنسی کے طور پر کرنا اور واقعی طور پر کرنا برابر ہے۔ کوئی شخص احکام الہیہ کے ساتھ استہزاء کرے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر واجب ہے۔ قرآن کریم کا انداز بیان یہ ہے کہ ہر قانون کے پیچھے خدا کا خوف اور آخرت کا حساب یاد دلایا جاتا ہے۔ دعاء	۶۵۹
		۶۶۲
درس ۱۲۰	زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم یہ تھی کہ بعض لوگ مطلقہ بیویوں کو دوسری شادی کرنے نہیں دیتے تھے۔ اس طرح عورتوں پر ظلم ہوتا تھا۔ شان نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ احکام الٰہی پر مرمٹنے والے تھے۔ خلاف شرع صورتوں میں تو ہر مسلمان کو بالخصوص اعزا و اقربا کو نکاح کا روکنا واجب ہے۔ لیکن نکاح اگر شرعی احکام کے موافق باہمی رضامندی سے ہو تو مرد عورت کو نکاح سے روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ قرآنی احکام کی پابندی کے اچھے نتائج اور عمل پیرا نہ ہونے کے خراب نتائج لازمی ہیں۔ نرے قانون سے کبھی کسی قوم یا فرد کی اصلاح نہیں ہوئی۔ جرائم سے روکنے والی اصل چیز خوف خدا اور خوف حساب آخرت ہے	۶۶۳
	دعاء	۶۶۶
درس ۱۲۱	بچہ کو دودھ پلانے کے مسائل و احکام۔ پوری مدت دو سال ہے۔ کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے اس کے بچے کی وجہ سے۔ نہ کسی باپ کو تکلیف دی جائے اس کے بچے کی وجہ سے۔ اگر باپ زندہ نہ ہو تو بچہ کی پرورش کا انتظام کس پر ہے؟ دو سال سے کم میں ماں باپ رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ ماں کے ہوتے ہوئے کسی عذر سے آیا کا دودھ پلوایا جائے تو بھی کچھ گناہ نہیں۔ بچہ کو	۶۶۷
	دودھ پلانے یا پلوانے سے متعلق شرعی مسائل۔ دعاء	۶۷۱

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۲۲	عدّت وفات کے احکام۔ عورت کی عدّت تین طرح کی ہوتی ہے (۱) عدت طلاق (۲) عدّت وفات (۳) عدّت حاملہ جس کا شوہر مرگیا ہو۔ عدّت وفات کی مدّت چار ماہ دس دن ہے اس بیوہ کی جو حاملہ نہ ہو۔ اگر حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے تک عدت کا زمانہ ہے۔ شروع اسلام میں عدت کی میعاد ایک سال تھی۔ ایک سالہ عدت کا حکم اس آیت سے منسوخ ہوگیا۔ عدت کی حکمت اور بعض احکام۔ عدت کے بعد عورت کے لئے احکام۔ بیوہ عورتوں کی شادی خاندانی رسم کے مطابق نہ کرنا عورت پر ظلم ہے	۶۷۲
	عدّت سے متعلق ضروری مسائل۔ دُعاء۔	۶۷۵
درس ۱۲۳	عدت کے زمانہ میں جو عورتیں ہوں ان سے نکاح ثانی کا صریح پیغام یا وعدہ جائز نہیں۔ اس حکم کی وجہ۔ ہاں اس قسم کی کوئی بات اشارۃً ہو تو مضائقہ نہیں۔ ناجائز امر کا دل میں ارادہ بھی نہ کرنا چاہئے۔ آیت میں عدت کے اندر چار فعل مذکور ہیں دو زبان کے دو دل کے اور ہر ایک کا حکم جدا ہے۔ معاملات چھوٹے ہوں یا بڑے تعلیم قرآنی اور شریعت اسلامیہ قدم قدم پر ہدایت بخشتی ہے۔ مگر افسوس آج مسلمانوں کا دعویٰ ایمان تو قرآن پر ہے۔ مگر قرآنی احکامات و ہدایات کی کوئی قدر نہیں۔ ہر امر میں یہود و نصاریٰ کا اتباع پسند ہے۔ قرآن کریم	۶۷۶
	چاہتا ہے کہ مسلمان کسی طرح بھی غافل نہ ہوں۔ دُعاء۔	۶۷۹
درس ۱۲۴	مطلقہ عورت کے احکام باعتبار لزوم مہر۔ جن عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ بوقت نکاح مہر متعین ہوا تھا اور خلوت کے بعد طلاق دی گئی۔ اس کا حکم مہر کے متعلق (۲) دوسرے یہ کہ بوقت نکاح مہر معین ہوا تھا مگر خلوت سے پہلے ہی طلاق واقع ہوگئی۔ اس کا حکم مہر کے متعلق (۳) تیسرے یہ کہ نکاح کے وقت نہ مہر معین ہوا تھا اور نہ خلوت کی نوبت آئی اس کا حکم مہر سے متعلق (۴) چوتھے یہ کہ بوقت نکاح مہر تو مقرر نہ ہوا تھا مگر خلوت کے بعد طلاق دی۔ اس کے متعلق مہر کا حکم۔ آیت میں لفظ متاع کی تشریح۔ نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک کم از کم مہر۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔	۶۸۰
	عورتوں کے حقوق میں جہاں تک ہو سکے مرد کو رعایت اور احسان سے کام لینا چاہئے۔ دُعاء	۶۸۳

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۲۵	نماز کے احکام۔ بیویوں کے حقوق۔ عدت۔ طلاق۔ مہر وغیرہ کے احکام میں نماز کے ذکر کی وجہ۔ نماز سے اللہ کا تقرب اور باہمی معاملات میں خدا ترسی پیدا ہوتی ہے۔ نیز دنیا کے معاملات اور باہمی نزاعات میں پڑکر خدا کی عبادت سے غفلت نہ ہونی چاہیئے۔ شریعت میں اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ شان نزول کی روایت۔ نماز کی محافظت کا حکم خصوصاً عصر کی نماز۔ نمازوں کی حفاظت اور نگرانی کا مطلب۔ اس آیت سے	۶۸۴
	نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت آئی۔ دشمن سے مقابلہ کے وقت بھی نماز کی تاکید کا حکم۔ دُعا۔	۶۸۶
درس ۱۲۶	بیوہ اور مطلقہ عورت سے متعلق مزید بعض احکام۔ شروع اسلام میں عورت کی عدت ایام جاہلیت کے مطابق ایک سال تھی۔ بیوہ کے لئے نان نفقہ اور سکونت کا حق۔ جب آیت میراث نازل ہوگئی اور شوہر کے ترکہ میں بیوی کا حق مقرر ہوگیا تو سال بھر کے نفقہ و سکونت کا حکم جو اس آیت میں تھا موقوف ہوگیا۔ طلاق دی ہوئی عورتوں کو متاع یعنی ان کو نفع پہنچانے کا مطلب اور تشریح۔ نکاح۔ طلاق۔ عدت۔ مہر وغیرہ کے تاکیدی احکام۔ دُعا۔	۶۸۷
		۶۹۰
درس ۱۲۷	احکام الٰہیہ کی پابندی کرنے اور عدول حکمی سے بچنے اور خلاف ورزی نہ کرنے کی ایک مثال میں بنی اسرائیل کا ایک قصہ سنایا جاتا ہے۔ احکام خداوندی سے روکنے والی زیادہ تر دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک حُبِّ دنیا دوسری کراہت موت اس لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں یہی دو چیزیں مخل ہوتی ہیں۔ موت و حیات کا مالک و خالق صرف خدا تعالیٰ ہے۔ وہ ہر جگہ موت دے سکتا ہے۔ اس لئے جہاد سے جی چرانا زندگی بچانے کے لئے لاحاصل ہے۔ شریعت اسلامیہ کا مسئلہ ہے کہ جس طرح جہاد سے بھاگنا حرام ہے اسی طرح کسی وبا یا طاعون سے بھاگنا حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کہ جہاں وبا اور طاعون ہو تو اس جگہ داخل نہ ہونا اور اگر وبا اور طاعون اس جگہ پھیل جائے جہاں تم رہتے ہو تو	۶۹۱
	وہاں سے بھاگ کر نہ نکلنا۔ خدائی راہ میں دل کھول کر لڑنے کی ترغیب۔ دُعا۔	۶۹۳
درس ۱۲۸	راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے یہ اندیشہ نہ ہونا چاہیئے کہ مال کم ہوجائے گا۔	۶۹۴

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	اللہ کو قرض دینے کا یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ کے بندوں کو کون قرض دیتا ہے۔ ایک حدیث قدسی حدیث میں قرض دینے کی فضیلت۔ اس آیت کو سن کر لوگوں کے تین فرقے ہو جانا۔ ایک انصاری صحابی کا واقعہ۔ صحابہ کرام کا ایمان و یقین۔ قرض کی واپسی کے متعلق ایک مسئلہ کہ قرض میں واپسی کے وقت اگر زیادتی کی شرط نہ ٹھہرائی گئی ہو تو اور اپنی طرف سے قرض سے کچھ زیادہ دے دے تو یہ پسندیدہ ہے۔ اگر زیادتی کی شرط ٹھہرائی گئی تو وہ سود ہے جو حرام ہے۔ دُعاء	۶۹۸
درس ۱۲۹	قوم بنی اسرائیل کے ایک قصہ کا ذکر جس سے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب منظور ہے۔ اور جہاد میں استقلال۔ ثابت قدمی اور مصائب پر برداشت کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ طالوت و جالوت کا قصہ۔ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا دشمن کافر بادشاہ جالوت تھا۔	۶۹۹
	جالوت کو جنگ میں حضرت داؤد نے قتل کیا۔ دُعاء	۷۰۲
درس ۱۳۰	طالوت و جالوت کا قصہ جاری ہے۔ بنی اسرائیل نے طالوت کے بادشاہ بنائے جانے پر اعتراض کیا تو پیغمبر وقت نے بنی اسرائیل کے جواب میں پانچ دلائل طالوت کے بادشاہ مقرر کرنے پر بیان فرمائے۔ دولت مندی کو فضیلت انسانی میں دخل نہیں۔ بنی اسرائیل کا طالوت کے بادشاہ مقرر کیے جانے کی کوئی نشانی طلب کرنا۔ دُعاء	۷۰۳ ۷۰۵
درس ۱۳۱	طالوت کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی ظاہری علامت تابوت سکینہ کا بنی اسرائیل کے پاس واپس آجانا۔ تابوت سکینہ کی تشریح۔ بنی اسرائیل کا طالوت کی بادشاہی پر مطمئن ہو جانا اور ان کے ماتحت جہاد کے لئے تیار ہو جانا۔ دُعاء	۷۰۶ ۷۰۸
درس ۱۳۲	طالوت بادشاہ کے تحت بنی اسرائیل کا ۸۰ ہزار کا لشکر تیار ہوا اور جہاد کے لئے جالوت کے مقابلے میں روانہ ہوا۔ راستہ میں صبر و استقلال کا ایک امتحان صرف پختہ ایمان والے طالوت کے ہمراہ جہاد کے لئے رہ گئے باقی نے جواب دیدیا۔ جالوت کا لشکر ایک لاکھ سے متجاوز تھا۔ فتح شکست کا مدار لشکر کی کثرت و قلت پر نہیں بلکہ یہ معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ دُعاء	۷۰۹ ۷۱۲

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۳۳	طالوت بادشاہ کے لشکر کے مجاہدین کی حق تعالےٰ سے دعا۔ مجاہدین کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی دعا قبول فرمائی۔ جالوت کی فوجوں کو شکست اور جالوت کا داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونا۔ طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو سلطنت ملنا اور بادشاہت و نبوت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں حضرت داؤد علیہ السلام میں جمع ہوئیں۔ اس قصہ سے کیا تعلیم ملتی ہے اور کیا نتائج حاصل ہوتے ہیں۔	۷۱۳
	پارہ سیقول ختم۔ دعاء	۷۱۷
	تیسرا پارہ۔ تِلْكَ الرُّسُلُ	
درس ۱۳۴	منکرین و معاندین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر انکار و تکذیب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی۔ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت۔ قرآن کریم میں جن انبیاء و مرسلین کے نام آتے ہیں وہ ۲۵ ہیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام انبیاء پر ہے۔ مگر حضور کی ایسی تعریف کرنا کہ جس سے دوسرے انبیاء کی تنقیص یا توہین ہو ہرگز جائز نہیں۔ وہ خاص فضائل و کمالات جو حق تعالیٰ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے جو احادیث میں خود حضورؐ نے ارشاد فرمائے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو جو لوگ پیغمبروں کے بعد ہوئے ان میں اختلاف نہ ہوتا اور نہ قتل و قتال ہوتا۔ دنیا میں کفر و معصیت کا وجود بھی حکمت سے خالی نہیں۔ ایمان عام کسی پیغمبر کی امت میں نہیں ہوا۔ دعاء	۷۱۸ ۷۲۳
درس ۱۳۵	ایمان والوں کو خطاب۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا موقعہ اس دنیا ہی میں ہے۔ آخرت میں یہ موقعہ نہیں۔ دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء۔ ہر شخص کی موت اس کے لئے ابتدائے قیامت ہے۔ کافر ہی حقیقی ظالم ہیں جو نجاتِ آخرت سے محروم ہوں گے۔ دعاء	۷۲۴ ۷۲۶
درس ۱۳۶	آیۃ الکرسی جس کو حدیث میں اعظم آیت کتاب اللہ فرمایا گیا۔ آیۃ الکرسی کی فضیلت و عظمت۔ یہ ہر مسلمان اور ہر نمازی کو خصوصاً حفظ یاد ہونا چاہیے۔ اس آیت میں توحید ذاتی	۷۲۷

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	کمالات صفاتی۔ عظمت وشان حق تعالیٰ اور تقدس وجلالِ باری تعالیٰ کا اظہار ہے۔ آیت مبارکہ میں دس جملے ہیں۔ ہر جملہ کی علیحدہ علیحدہ تشریح وتفسیر۔ دعاء۔	۷۳۲
درس ۱۳۷	شانِ نزول مسلمان بنانے میں جبر وزبردستی نہیں۔ اسلام کی خوبی تو دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ جبر واکراہ تو وہاں ہوتا ہے جہاں خوبی ثابت نہ ہو۔ جس نے اسلام قبول کر لیا تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ اسلام ہر شخص کو دین ومذہب کے بارے میں اختیار عطا کرتا ہے ہاں اپنے متبعین پر تبلیغ دین ضرور واجب کرتا ہے لیکن جبر واکراہ سے اسلام میں داخل کرنے کو نہیں کہتا۔ تاریخ اسلام اس پر گواہ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جو اپنی رضا ورغبت سے اسلام قبول کرلے تو اس کے بعد بھی وہ آزاد ہے کہ جو حکم دیا جائے چاہے مانے چاہے نہ مانے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد پھر آزادی نہیں۔ غیر مسلموں کا اعتراض کہ اسلام میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ جب ہے تو جہاد وقتال کی تعلیم کیوں دی؟ یعنی اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس کا نہایت معقول جواب۔ دعاء۔	۷۳۳ ۷۳۶
درس ۱۳۸	صاحب ایمان کی خوبی اور کافر کی برائی۔ ہدایت اور گمراہی اختیار کرنے کا نتیجہ۔ جو حق کا طالب ہو۔ اللہ کی طرف جھکے۔ توحید ورسالت پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ شکوک وشبہات کی الجھنوں سے نکال کر نور ایمان اور دولت یقین عطا فرماتا ہے۔ اور جو ضد اور عناد سے کفر پر رہنا چاہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر شیطانوں کو مسلط کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل کفر وشرک اور شکوک شبہات کی ظلمت سے بالکل ڈھک جاتا ہے دعاء	۷۳۷ ۷۳۸
درس ۱۳۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور کافر بادشاہ نمرود کا ذکر۔ قصص وحکایات سے بھی مقصود توحید ہے۔ نمرود اور حضرت ابراہیمؑ میں مکالمہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل پر نمرود کا لاجواب ہو جانا مگر ضد اور عناد میں ایمان نہ لانا۔ نمرود کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔ ایک مچھر کا اس کے دماغ میں گھس جانا اور اس کا دماغ چاٹنا اور سخت عذاب اور تکلیف میں نمرود کا دیواروں اور پتھروں پر سر مارنا اور تڑپ تڑپ کر ہلاک ہونا۔ آیت سے اور اس واقعہ سے جو تعلیم حاصل ہوتی ہے اس کا بیان۔ دعاء۔	۷۳۹ ۷۴۲

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۴۰	بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ۔ نُجتِ نصر شاہ بابل کا یہود پر تسلط۔ یہود کی بے انتہا تباہی و بربادی اور قتل قید۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی درخواست کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کی کیا کیفیت ہوگی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کیفیت کا مشاہدہ کرانے کے لئے حضرت عزیرؑ کو سو سال تک مردہ رکھا اور پھر زندہ کیا۔ اس پر حق تعالےٰ سے سوال جواب۔ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں۔ دُعاء	۷۴۳ ۷۴۷
درس ۱۴۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ کہ احیاء موتیٰ کا عینی مشاہدہ کر کے اطمینانِ قلب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہ درخواست حضرت ابراہیمؑ نے کس وقت اور کس موقع پر کی۔ یہ سوال حضرت ابراہیم کا کسی شک کی بنا پر نہ تھا بلکہ مشاہدہ اور معائنہ کے ساتھ خاص اطمینان قلب حاصل کرنا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حکم کہ چار پرندے پالیں اور انہیں مانوس کرلیں۔ پھر اُن کا قیمہ کر کے گوشت پوست خلط ملط کر دیں اور مختلف پہاڑوں پر ڈال دیں پھر ان جانوروں کو بلائیں تو وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپہنچیں گے۔ حضرت عزیرؑ کے واقعہ اور اس واقعہ سے جو امور واضح دلیل سے ثابت ہوئے اس کا بیان۔ دُعاء	۷۴۸ ۷۵۱
درس ۱۴۲	عالم آخرت کے لئے توشہ تیار کرنے کی ترغیب۔ انفاق فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب اور اس کی مثال کہ ایک سے لے کر ۷۰۰ گنا تک پہنچتا ہے۔ اور پھر ۷۰۰ گونہ کی بھی تحدید نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ کاشتکار کے ایک دانہ بونے سے ۷۰۰ دانہ پیدا ہونے کی مثال کی تشریح۔ انفاق فی سبیل اللہ کے مقبول ہونے کی بعض منفی شرائط۔ ناداری اور معذوری کی حالت میں سائل کو کچھ دینا نہ ہو تو نرم گفتاری اور شیریں کلامی سے جواب دے دینا چاہئے۔ صدقہ خیرات کے بعد احسان جتانا نہ صرف اجر و ثواب کو باقی نہیں رکھتا بلکہ از خود یہ بڑا گناہ ہے۔ اس امر پر حدیث میں ممانعت اور وعید۔ دُعاء	۷۵۲ ۷۵۵

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۴۳	اہل ایمان سے خطاب۔ صدقہ کی قبولیت کی بعض شرائط۔ صدقہ کی مقبولیت اور غیر مقبولیت کو مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ نہایت تاکید سے مَنّ اور اَذیٰ یعنی صدقہ کے بعد احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ جو شخص ریاکاری سے مال خرچ کرتا ہے اس کے عمل کے رائیگاں ہونے کی مثال۔ صدقاتِ مقبولہ کی بھی ایک مثال۔ قرآنِ پاک کے طرزِ بیان کا عمومی طریقہ کہ اچھائی کے مقابلہ میں برائی اور برائی کے مقابلہ میں اچھائی۔ نیک کے مقابلے میں بد اور بد کے مقابلے میں نیک۔ تاکہ نیکی کی رغبت اور برائی سے نفرت ہو۔ صدقہ و خیرات میں جس درجے کا اخلاص ہوگا۔ ویسا ہی	۷۵۶
	اجر و ثواب ہوگا۔ دُعاء " " " " " " " " " " " "	۷۵۹
درس ۱۴۴	صدقہ و خیرات کے اجر و ثواب کی ایک اور مثال کہ کسی کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ سرسبز و شاداب ہو۔ زمانۂ احتیاج میں اس باغ کو ایک آگ کا بگولہ جلا کر رکھ دے۔ مثال کی تشریح۔ تنبیہ کہ اپنے صدقے کے باغ کو تباہ مت ہونے دو۔ طاعات کے ساتھ	۷۶۰
	کسی معاصی یا گناہ میں مشغولیت کس طرح نقصان دہ ہے۔ انفاق مقبولہ کی چھ شرائط۔ دُعاء	۷۶۲
درس ۱۴۵	ایمان والوں کو خطاب۔ شانِ نزول کی روایت۔ اللہ کی راہ میں عمدہ اور اچھی اور حلال چیز	۷۶۳
	دینا چاہیئے۔ ناکارہ اور ردّی چیز خیرات میں دینے کی برائی۔ جس چیز کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے تو اپنے محتاج بھائی کے لئے کیسے پسند کرتے ہو۔ ہاں جس کو اچھی چیز میسر ہی نہ ہو تو وہ اس آیت کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔ جو حرام طریقے سے مال حاصل کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی نہ اس کے صدقے کو قبول کیا جاتا ہے۔ اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے	
	سے اکثر یہ وسوسہ شیطانی مانع آتا ہے کہ مال کم ہو جائے گا۔ اس کا توڑ اور علاج بیان فرمایا	
	گیا۔ فرشتہ بھی انسان پر تصرف کرتا ہے اور شیطان بھی۔ جس کو حکمت مل گئی اس کو بڑی خیر	
	مل گئی۔ حکمت کی تشریح۔ دُعاء " " " " " " " " " " " "	۷۶۸
درس ۱۴۶	انفاق فی سبیل اللہ ہی کے متعلق مزید بیان۔ جو کچھ صدقہ خیرات کیا جاتا ہے خواہ مدد و	۷۶۹
	شرائط کی رعایت سے یا بغیر رعایت سے سب اللہ کو خبر ہے۔ وہی جزا دیگا۔ جو ضروری	

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	شرائط کی رعایت نہیں کرتے وہ اپنے حق میں ظلم و ناانصافی کرنے والے ہیں۔ صدقات و خیرات کے اظہار اور اخفاء کے متعلق۔ صدقہ کا اخفاء زیادہ اچھا اور بہتر ہے۔ ایک حدیث جس میں قیامت میں سات گروہوں کو عرش کے سایہ میں جگہ دی جائے گی اس میں ایک گروہ صدقۂ خفیہ دینے والا بھی ہوگا۔ دعاء	۷۷۱
درس ۱۴۷	انفاق فی سبیل اللہ کا بیان جاری ہے۔ نفلی خیرات میں کچھ مسلمانوں ہی کی تخصیص نہیں۔ غیر مسلم بھی اگر حاجت مند ہے تو اس کے ساتھ بھی سلوک سے گریز نہ کرنے کا حکم۔ ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں کو خیرات دینے کو فرمایا کرتے تھے اور مقصد یہ تھا کہ شاید اس طرح کچھ غیر مسلم مسلمان ہو جائیں۔ اسی طرح بعض صحابہؓ کا عمل تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صدقاتِ واجبہ مثل زکوٰۃ وغیرہ وہ مسلمان فقراء ہی کو دیا جا سکتا ہے۔ صدقات کے مراتب اور آداب قرآن و حدیث کی روشنی میں۔ کسی کی ہدایت کے لئے زیادہ درپے نہ ہونا چاہئے۔ دعاء	۷۷۲ ۷۷۴
درس ۱۴۸	صدقات و خیرات کا بیان جاری ہے۔ شانِ نزول کی روایت۔ صدقات و خیرات کے کون زیادہ مستحق ہیں۔ سب سے زیادہ وہ مستحق ہیں جو دین کی خدمت کے لئے وقف ہو جائیں اور جنہیں دین کی مشغولیت کے باعث دنیا کا کام دھندا کرنے کی فرصت نہ ہو۔ مدینہ میں اصحاب صُفّہ کی جماعت ایسی ہی تھی۔ اصحاب صُفّہ کے حالات۔ جن فقراء کو زیادہ مستحق بتلایا گیا ان کی پانچ صفات۔ آج کل مسلمانوں کو ان دین کے حاجت مند طالب علموں کا خاص طور پر خیال چاہئے۔ جو علم دین کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں اُن لوگوں کے اجرِ عظیم کا بیان جو اللہ کی راہ میں ہمہ وقت ظاہر اور پوشیدہ دن میں رات میں اللہ کے لئے مال خرچ کرتے ہیں۔ دعاء	۷۷۵ ۷۷۸
درس ۱۴۹	سُود کی حرمت کا بیان۔ سُود ضد ہے صدقہ خیرات کی۔ صدقہ کے فوائد، سُود کے نقصانات۔ ربوٰ کے لغوی معنیٰ۔ سود خوری کا اثر و انجام قیامت میں۔ سود خور قبر سے کس طرح اُٹھے گا۔ محشر میں سود خور کی کیا حالت ہوگی۔	۷۷۹

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	سود اور بیع میں فرق؟ اس کا حاکمانہ جواب کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام بیع کو مثل ربوٰ کہنے والوں کی غلطی۔ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ فقہا نے تصریح کی ہے کہ جو سود کو حلال سمجھے وہ باجماع امت کافر مرتد ہے۔ زکوٰۃ حلال مال پر واجب ہوتی ہے۔ سود کے ہزاروں اور لاکھوں روپے پر زکوٰۃ نہیں۔ حرام مال صدقہ کر کے اللہ سے ثواب کی امید رکھے تو اندیشہ کفر کا ہے۔ دعاء۔	۷۸۳
درس ۱۵۰	سود لینے پر وعید اور صدقہ خیرات کی ترغیب۔ انجام کار اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں تضاد۔ سود کے مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کا مطلب۔ برکت کی حقیقت۔ کسی مفلس قرض خواہ کو مہلت یا قرض معاف کر دینے کا ثواب۔ دعاء۔	۷۸۴ ۷۸۶
درس ۱۵۱	سود خوروں کے مقابلے میں مومنین صالحین کا اجر و ثواب۔ سود کا بقایا چھوڑ دینے کا حکم۔ ایسا نہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ۔ سود کا جس طرح لینا حرام ہے اسی طرح دینا حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سود کی برائی اور مذمت میں اور سود سے بچنے میں۔ دعاء	۷۸۷ ۷۹۱
درس ۱۵۲	مقروض تنگدست کو ادائیگی قرض کے لئے مہلت دینے کا حکم۔ اگر مقروض اتنا غریب ہو کہ قرض نہ دے سکتا ہو تو معاف کر دینے کی ترغیب۔ احادیث میں بھی قرضدار کو مہلت دینے اور قرض معاف کر دینے کی فضیلت۔ جو احکام کہ قوانین سود کے متعلق یہاں تک بیان ہوئے ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے خوف آخرت دلایا گیا۔ ایک دنیا کے حریص اور دلدادہ کو ہوش میں لانے کے لئے سوائے آخرت کی یاد کے اور کوئی موثر علاج نہیں۔ پورے قرآن شریف کی سب سے آخری آیت جس کے نورات لبعد یا ۳۱ روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ دعاء۔	۷۹۲ ۷۹۵

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
درس ۱۵۳	اہل ایمان کو خطاب۔ یہ پوری آیت قرآنِ کریم کی سب سے بڑی آیت ہے۔ اس پوری آیت میں دَین یعنی ادھار کے لین دین کے احکام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ایمان والوں کو کہ جب تم اُدھار کا معاملہ کرو تو لکھ لیا کرو۔ اُدھار کا معاملہ کرنے کے لئے آداب تعلیم فرمائے گئے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ اُدھار لکھنے کا حکم استحبابی ہے۔ بعض ضروری مسائل آیت سے متعلق۔ دُعاء۔	۷۹۶ ۷۹۸
درس ۱۵۴	اُدھار لین دین کے کتابت وگواہی کے احکام۔ کاتب کو ہدایت کہ لکھنے سے انکار نہ کرے گواہ کو حکم کہ گواہی سے انکار نہ کرے۔ معاملہ دَین چھوٹا ہو یا بڑا لکھ لینا ہی بہتر ہے۔ اس کے فوائد۔ شہادت اور گواہی سے متعلق مسائل۔ شہادت کے اصول واحکام کو نظر انداز کر کے سارا نظام عدالت تباہ ہو گیا۔ دَین سے متعلق پوری آیت کے احکام کا خلاصہ۔ دُعاء	۷۹۹ ۸۰۳
درس ۱۵۵	قرض لینے کے لئے کسی چیز کو رہن رکھ دینے کا حکم۔ رہن جس کو گِروی رکھنا بھی کہتے ہیں۔ یعنی قرض کے سلسلہ میں بطور ضمانت قرض خواہ کو کچھ دے دینا مثلاً زیور مکان جائداد ہتھیار وغیرہ۔ رہن رکھنا سفر اور حضر دونوں میں جائز ہے۔ رہن شدہ چیز سے فائدہ اٹھانا شریعت میں ممنوع ہے۔ اگر قرض دینے والا رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھائے تو یہ سود کے حکم میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی ایک زِرہ ابو شحم یہودی کے پاس کچھ غلہ کے عوض گروی تھی۔ جسے حضرت صدیق اکبرؓ نے چھڑایا۔ جس طرح امانت میں خیانت جرم ہے اسی طرح قرض نہ ادا کرنا بھی جرم ہے۔ اور اس میں کوئی بدنیتی جائز نہیں۔ گواہوں کو صحیح صحیح گواہی دینے کی ہدایت۔ شہادت کو چھپانا جرم ہے اور سخت گناہ ہے۔ شہادت سے متعلق بعض ضروری مسائل۔ آج کی عدالتوں کا حال دیکھ لیا جائے کہ کس طرح جھوٹی شہادت دیکر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے دُعاء...	۸۰۴ ۸۰۶
درس ۱۵۶	سورہ بقرہ کا آخری رکوع شروع جس میں تین آیات ہیں۔ پہلی آیت کی تشریح اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب کچھ جانتے ہیں۔ ہر خطرۂ قلبی بھی ان پر ظاہر ہے۔ وہ بدنیتی	۸۰۷

Marfat.com

نمبر شمار درس	مضامین تفسیریہ	صفحہ
	اور باطن کے فریب اور حیلوں سے خوب واقف ہیں اور ان پر گرفت کر سکتے ہیں اور عذاب دے سکتے ہیں حق تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام اعمال کا محاسبہ فرمائیں گے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے کہ مومن کے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائی جائے گی اور حسنات کا اعمال نامہ اس کو دیدیا جائیگا۔ لیکن کفار و منافقین کے گناہوں کو مجمع عام میں بیان کیا جائیگا اسی طرح اعمالِ باطنہ کا حساب ہوگا۔ نزولِ آیت پر صحابہ کرام کا فکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا نہ کہو بلکہ تم سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ پڑھو۔ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے بندہ اس کا مکلف نہیں۔ اس لئے دل کے خطرات اور نفس کے وسوسوں سے پکڑ اٹھ گئی۔ پکڑ اسی پر ہے جو زبان سے کہیں یا عمل کریں۔ سورۂ بقرہ کے آخر میں یہ آیت لانے کی حکمت — دُعاء	۸۱۰
درس ۱۵۷	سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات۔ ان آیات کی فضیلت حدیث میں۔ شانِ نزول۔ صحابہ کرام کی مدح اور تعریف اور ان کا رفع خلجان۔ صحابہ کے عقائد حقہ کی تفصیل و تشریح۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ میں مکلف نہیں بنایا مگر اسی کا جو اس کی طاقت و اختیار میں ہو۔ ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادے سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی پر ہوگا جو ارادہ سے کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ افعال اختیاریہ۔ مثلاً غلط عقائد۔ بُرے اخلاق۔ گناہ کا عزم ان پر تو عذاب و مواخذہ ہوگا لیکن غیر اختیاری اور اضطراری افعال قلب میں وساوس و خطرات آنا ان پر مواخذہ اور گناہ نہیں۔ مومنین کو خاتمہ پر ایک خاص دعا کی تلقین۔ سورۃ کا خاتمہ معافی اور مغفرت کی درخواست پر اور ایمان و تقویٰ کے ساتھ کافرین پر فتح و نصرت اور دینی و دنیوی فلاح و کامیابی کی طلب پر فرمایا گیا۔ جس طرح سورۃ کی ابتدا مسئلہ ایمان کی تحقیق اور متقین کی مدح سے ہوئی تھی اس کی انتہا بھی اسی مضمون پر ہوئی — دُعاء	۸۱۱ ۸۱۶
درس ۱۵۸	سورۂ بقرہ میں چالیس رکوعات تھے۔ ہر رکوع کا خلاصہ جس سے پوری سورۃ کے مضامین کا مفہوم تازہ ہوتا ہے۔ سورۂ بقرہ ختم — دُعاء	۸۱۷ ۸۲۱

Marfat.com

درس ۱

اَلْاِسْتِعَاذَہْ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے

مفسرین قرآن کریم کا عمومی طریقہ یہی ہے کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر سے پہلے اِسْتِعَاذَہْ اور تَسْمِیَہْ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا بیان کرتے ہیں۔ اسی طریق کی تعلیم میں پہلے اِسْتِعَاذَہْ کا بیان اس درس میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر دوسرا درس ہوگا اس کے بعد اَلْحَمْدُ شریف یعنی سورۂ فاتحہ کا بیان ہوگا پھر قرآن کریم کی ابتدا یعنی پہلے پارہ الٓمٓ کی سورۂ بقرہ سے تفسیر شروع ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب اِسْتِعَاذَہْ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ جس کا لفظی ترجمہ ہے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے اس کی تشریح سنیئے :-

تفسیر و تشریح :- قرآن کریم کلام خداوندی ہونے کے باعث وہ مقدس اور مبارک آسمانی کتاب ہے جو لفظاً اور معنیً دونوں اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اور اللہ تعالےٰ کا کلام ہونے کی وجہ سے نہایت مقدس بغایت فضیلت اور نہایت پُرعظمت قابلِ تعظیم و تکریم ہے جس کو ہاتھ لگانے اور چھونے کے لئے جس کو پڑھنے اور سننے کے لئے اس کے شایان شان آداب اور تکریم و تعظیم کے طریقہ بھی حق تعالےٰ نے اپنے کرم سے قرآن کریم میں بیان فرما دیتے ہیں مثلاً قرآن کریم کو ہاتھ لگانے اور چھونے کے لئے خود قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :- لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ ○ (پارہ ۲۷ سورۂ واقعہ) یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ یعنی بدون طہارت و پاکی کے بغیر وضو قرآن کریم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا احادیث سے ثابت ہے۔ اور جب یہ کلام پڑھا جائے تو اس کے سننے کا احترام یہ بتلایا گیا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (پارہ ۹ سورۂ اعراف) یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ اسی طرح تلاوت و قرأت قرآن کے آداب میں سے ایک ادب قرآن کریم میں یہ فرمایا گیا فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ (پارہ ۱۴ سورۂ نحل) یعنی جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے یعنی اس آیت میں "اِسْتِعَاذَہْ" کا حکم دیا گیا ہے۔

اِسْتِعَاذَہْ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی پناہ چاہنا۔ پناہ مانگنا۔ پناہ میں آنا ہیں۔ اور قرآن کریم کی اصطلاح میں اِسْتِعَاذَہْ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اب یہ

Marfat.com

حکم ربانی جو اِسْتِعَاذَہ کا دیا گیا یعنی تلاوتِ قرآن سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھنا اس میں نہ معلوم کتنی حکمتیں اور مصلحتیں ہو سکتی ہیں۔ مگر ایک نہایت واضح اور نمایاں مصلحت یہ ہے کہ شیطان کی ہمیشہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان کو نیکی سے روکے، بُرائی اور بے حیائی کے کاموں پر آمادہ کرے۔ جھوٹ بولنے کی ترغیب دے۔ اُسکے دِل میں وسوسہ پیدا کر کے اُسے یادِ الٰہی سے غافل کرے۔ اور جو نیکی اپنی اہمیت اور عظمت کے لحاظ سے جتنی زیادہ موجبِ اجر و ثواب اور باعثِ قربِ خداوندی ہوتی ہے اتنا ہی شیطان اس سے باز رکھنے پر زور لگاتا ہے اور اپنے وسوسوں کے ذریعے سدِّ راہ بن جاتا ہے۔ تو تلاوت و قرأت قرآن جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور سب سے زیادہ قربِ خداوندی حاصل کرنے والی عبادت ہے اس کو شیطان کب ٹھنڈے دِل سے گوارا کر سکتا ہے۔ ضرور اُس کی کوشش ہوگی کہ مومن کو اس سے باز رکھے اور تلاوتِ قرآن کا جو حقیقی فائدہ ہے اُس سے یہ محروم رہے اور اس کے لئے وہ طرح طرح کی مُغوِیانہ تدبیریں کرے گا، جن سے حفاظت کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ جب مومن قرأت قرآن کا ارادہ کرے تو پہلے صدقِ دِل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ اور حفاظت میں آجائے اور حق تعالیٰ سے اپنی عاجزی اور کمزوری کا اظہار کر کے درخواست کرے کہ یا اللہ مجھ میں تو اتنی طاقت نہیں کہ اپنے کس بل سے شیطان کا مقابلہ کروں اور اس پر غالب رہ سکوں اس لئے میں آپ کی ذاتِ عزیز کا سہارا لیتا ہوں۔ آپ ہی کی مدد میری قوت ہے اور آپ ہی کی حفاظت میری ڈھال ہے۔ اگر آپ نے مجھے اپنے فضل و رحمت کے دامن میں جگہ نہ دی تو میں تلاوتِ قرآن جیسی اہم عبادت کی انجام دہی سے اور اس کے فوائد حقیقی حاصل کرنے سے عاجز اور محروم رہوں گا۔ یہی ہے حقیقت اِسْتِعَاذَہ کی کہ دِل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا مگر دل و زبان کو موافق کرنے اور ظاہر و باطن کو یکساں کرنے کے لئے مشروع ہے کہ ابتدائے تلاوت قرآن میں زبان سے بھی اِسْتِعَاذَہ کرے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھے۔ پھر اس اِسْتِعَاذہ یعنی اَعُوْذ پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو خود حق تعالیٰ نے اسی اِسْتِعَاذَہ کے حکم والی آیت سے آگے ارشاد فرمایا یعنی اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ ۝ (پارہ ۱۴ سورۂ نحل) اُس کا یعنی شیطان مردود کا زور نہیں چلتا اُن پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اُس کا زور تو انہی پر ہے جو اُس کو یعنی شیطان کو رفیق سمجھتے ہیں اور جو اس کو شریک مانتے ہیں یعنی جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اُس کی پناہ ڈھونڈی اُس پر شیطان زور سے حاوی نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق بنالیں اور بجائے ایک خدا پر بھروسہ کرنے کے شیطان کے چکموں میں آکر اس کی بات مان لیں اُس پر بھروسہ کر لیں گویا اُس کو خدائی کا شریک ٹھہرالیں اُنہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہوتا ہے کہ جس طرح چاہتا ہے اُنگلیوں پر نچاتا ہے۔ تو اِسْتِعَاذَہ یعنی اَعُوْذ پڑھنے کی اہمیت سے معلوم ہوا

کہ تلاوتِ قرآن کے علاوہ بھی ہم جب کسی نیکی کا ارادہ یا ابتدا کریں تو شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لئے ہم کو اِستعاذہ کے الفاظ پڑھنے چاہئیں جیسا کہ قرآن پاک کی دو آخری سورتوں میں بھی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ جن کو مُعَوَّذَتَیْنِ بھی کہتے ہیں تعلیم دی گئی ہے۔

احادیث میں اِستعاذہ یعنی اَعُوْذُ پڑھنے کے الفاظ جو وارد ہوئے ہیں اُن میں سب سے افضل و مختار سب کے نزدیک اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ہے جس ذیل دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی اَعُوْذُ پڑھنا جائز ہے:۔

۱:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

۲:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

۳:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

۴:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

۵:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

۶:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

۷:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَاَسْتَقِیْمُ اللّٰہُ وَھُوَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ ط

۸:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

اب اِستعاذہ کی فضیلت سُنیئے۔ بزرگانِ دین نے لکھا ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھنے سے بندہ کو پانچ فائدے حاصل ہوتے ہیں:۔

۱:۔ دین و ہدایت پر استقامت۔

۲:۔ شیطان مردود کے شر اور تکلیف سے بچاؤ۔

۳:۔ اللہ کی حفاظت کے مضبوط قلعہ اور مقامِ قرب میں داخلہ۔

۴:۔ پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ مقامِ امن تک رسائی۔

۵۔ مالک زمین و آسمان کی مدد کا حصول۔

اسی لئے انبیاء اور اولیاء نے بھی ہمیشہ اِستعاذہ کیا ہے جیسا کہ قرآن کریم شاہد ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا۔ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (پارہ ۱۲ سورۂ ہود) اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا۔

جب زلیخا عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی نفسانی خواہش کا اظہار کیا تو آپ

Marfat.com

یوسف علیہ السلام نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (پارہ ۱۲ سورۂ یوسف) اللہ کی پناہ وہ یعنی عزیز مصر میرا مُربّی ہے۔ اس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول سورۂ بقرہ پہلے پارہ میں اِس طرح نقل کیا گیا ہے قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نَعُوْذُ بِاللّٰه جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں۔

جب حضرت مریم کے سامنے فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا اور وہ یہ نہ جان سکیں کہ یہ فرشتہ ہے تو اُنہوں نے اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۂ مریم) میں تجھ سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مکرر اور بار بار اِسْتِعَاذَہ کا حکم ہوا۔ سورۂ مُؤْمِنُوْنَ اٹھارویں پارہ میں ارشاد ہے:۔ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہیئے کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے، اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ یعنی شیاطین میرے پاس بھی آئیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِسْتِعَاذَہ کا حکم سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں ہوا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ شیاطین جن و انس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اِسْتِعَاذَہ کرتے تھے اور شیاطین جنوں میں بھی ہیں اور انسانوں میں بھی جیسا کہ آٹھویں پارہ سورۂ اَنْعَام کی آیت ظاہر کرتی ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے پیدا کئے کچھ انسان اور کچھ جنات جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالدیں

اب چونکہ اِسْتِعَاذَہ میں ذکر شیطان کا ہوا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ کچھ تشریح و تفصیل شیطان کے متعلق بیان کر دی جائے۔ خداوند تعالےٰ نے جب اپنی قدرتوں کو آشکارا کرنا چاہا تو اُس نے سب سے پہلے نُور کو پیدا کیا اور اس نور سے مستقل مخلوق فرشتوں کی تخلیق ہوئی۔ نورانیت کے سبب سے یہ فرشتے طبعاً اطاعت شعار اور عبادت گذار پیدا ہوئے۔ غرور اور تکبر کی بجائے ان پر خوف خشیت کا غلبہ طاری رہا۔ اسی لئے یہ ہر وقت اَللّٰه جَلَّ شَانُهٗ سے خائف رہتے ہیں اور انہیں بارگاہِ رب العزت سے جو حکم بھی ملتا ہے اُسے بلا تاخیر اور بلا چون و چرا فوراً بجا لاتے ہیں اور دن رات اللہ کی تسبیح و عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ فرشتوں کے بعد جو دوسری مستقل مخلوق پیدا کی گئی وہ "جن" ہیں اور ان کی تخلیق آگ سے ہوئی جیسا کہ قرآنِ کریم نے بتلایا ہے۔ گو فرشتوں کی طرح جنات بھی ہم کو عام انسانی آبادی کی طرح نظر نہیں آتے لیکن قرآنِ کریم اور احادیث نبوی میں جو تصریحات اس مخلوق کے متعلق موجود ہیں اس بنا پر ہمارا اعتقاد و یقین ہونا چاہیئے کہ جنات بھی انسان کی طرح مستقل مخلوق ہیں۔ اور یہ بھی شریعت کے مکلف ہیں اور ان میں بھی موت و پیدائش

Marfat.com

کا سلسلہ ہے۔ اور ان میں بھی نیک و بد، کافر و مسلم ہیں۔ چونکہ ان کی خلقت آگ سے ہے اس لئے ان کی سرشت میں بڑی تیزی اور تندی پائی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے کئی ہزار برس پہلے جنات زمین میں آباد تھے اور آسمان پر بھی آتے جاتے تھے۔ جب جنات نے آپس میں زمین پر فتنہ و فساد اور خونریزی پھیلائی تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ جنات کو زمین کے اوپر سے دور کیا جائے تاکہ زمین ان کی آلودگی سے پاک ہو۔ چنانچہ فرشتوں نے زمین پر آکر بہت سے جنات کو قتل کیا اور بہتوں کو پہاڑوں اور جزیروں اور سمندر میں دھکیل دیا۔ انہی جنات میں سے ایک اِبلیس بھی تھا جس کا نام عَزَازِیل تھا اور یہ بڑا عالم فاضل اور عبادت گذار تھا، اور بباعثِ کثرتِ علم و عبادت کے سب جنوں میں ممتاز تھا اور زمین کے چپہ چپہ پر اس نے عبادت کی تھی اور کوئی ٹکڑا زمین کا ایسا نہ تھا کہ جس پر اس نے سجدہ نہ کیا ہو جس کی وجہ سے اسے تمام آسمانوں پر آنے جانے کی اجازت اور آزادی تھی۔ اور آسمان دنیا کے فرشتوں میں اسے قدر و منزلت حاصل تھی۔ جب اللہ کو منظور ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمائے تو مٹی سے ان کا خمیر تیار کیا گیا اور جب جسدِ خاکی میں روح پھونکی گئی تو باری تعالےٰ کا تمام فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم آدم کے سامنے تعظیم کے لئے سربسجود ہو جاؤ۔ تمام فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی مگر ابلیس جو اپنے علم و عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شامل کر لیا گیا تھا اس نے غرور و تمکنت کے سبب سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اللہ تعالےٰ اگرچہ عالم الغیب اور دلوں کے بھیدوں سے واقف ہیں اور ماضی، حال، مستقبل سب ان کے لئے یکساں ہیں مگر امتحان و آزمائش کے لئے ابلیس سے سوال فرمایا کہ تجھے کس بات نے آدم کو سجدہ سجدہ کا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟ تو ابلیس نے جواب دیا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ اس پر غرور و تکبر کی وجہ سے ابلیس راندہ درگاہ ہوا اور مردود کو نکل جانے کا حکم ہوا۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ وہ مردود و ملعون ہو کر شیطان بن گیا ہے تو اس نے انتہائی جرأت و جسارت سے درخواست کی کہ مجھ کو تا قیامت مہلت عطا کر دی جائے اور میری زندگی کو اس طویل مدت کے لئے دراز کر دیا جائے حکمتِ الٰہی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ لہٰذا اس کی درخواست منظور کر لی گئی۔ یہ منظوری سن کر اس نے پھر ایک مرتبہ اپنی شیطنت کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگا کہ جب آپ نے مجھ کو راندۂ درگاہ کر ہی دیا تو جس آدم کی بدولت مجھے یہ رسوائی نصیب ہوئی، میں بھی بنی آدم کی راہ ماروں گا اور ہر طرح سے ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم کو اس کی کیا پرواہ جو بھی بنی آدم میں سے تجھ سے روگردانی کر کے تیری پیروی کرے گا ان سب کو تیرے ہی ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ سب تفصیلات قرآنِ کریم میں بیان فرمائی گئی ہیں جو اپنے موقعہ پر ان شاء اللہ آپ کے سامنے آئیں گی۔

مُسْنَدُ اَحْمَدْ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابلیس کا تخت سمندر میں ہے۔ وہ روزانہ اپنے لشکر کی ٹکڑیاں بھیجتا رہتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کریں۔ جو جتنا زیادہ لوگوں میں فتنہ پھیلاتا ہے اتنا ہی زیادہ ابلیس کے نزدیک اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔

تو عُرف میں شیطان سے مراد یہی ابلیس علیہ اللعنۃ ہے لیکن عربی لُغت میں شیطان کے معنی باطل یا دُور ہونے یا ہلاک ہونے کے ہیں اور عربی زبان میں ہر سرکش و شریر شیطان ہے خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو یا چوپایوں میں سے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا جب آپ ایک ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہ لگا اٹھکھیلیاں کرنے۔ آپ نے اُسے مارنا شروع کیا لیکن اس کی شرارت اور بڑھتی ہی گئی تب آپ اس پر سے اُتر آئے اور فرمانے لگے کہ تم نے مجھے شیطان ہی پر سوار کر دیا میں اس سے اس وقت تک نہیں اُترا جب تک میں نے اپنے آپ میں تبدیلی محسوس نہیں کی۔

تو خلاصہ یہ کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کا مطلب یہ ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا کا کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ جن احکام کی بجا آوری کا حکم ہے ایسا نہ ہو کہ میں اس سے رُک جاؤں اور جن کاموں سے میں منع کیا گیا ہوں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ افعال بد سرزد ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوا خداوند تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اسی لئے پروردگارِ عالم سمیعٌ علیم نے شیطان جان مال کے دشمن کے شر سے بچنے کی یہ تعلیم دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے پناہ طلب کر کے اس کی حفاظت میں آجائیں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اِستعاذہ کی توفیق بخشیں اور اس کی حقیقت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب انشاء اللہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تشریح آئندہ درس میں بیان کی جائیگی اس کے بعد انشاء اللہ سورۂ فاتحہ کا بیان شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے

حق تعالیٰ ہر آن اور ہر حال میں ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں اور شیطانی وساوس اور اور اس کی گمراہیوں، فتنوں اور شرور سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ یا اللہ اپنے متوکل بندوں میں ہمیں شامل فرمالے کہ جن پر شیطان غلبہ نہیں پا سکتا۔ یا اللہ اس درسِ قرآن کے سلسلہ کو جو آج سے شروع کیا گیا ہے اس میں ہم کو اخلاص نصیب فرمائیے اور اسکے پڑھنے سننے کو اپنی مرضیات کا ذریعہ بنائیے اور پڑھنے سننے والوں کے لئے باعثِ رحمت، ہدایت و مغفرت بنائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۲
تسمیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں

تفسیر و تشریح :- گذشتہ درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ قرآنِ کریم کی ہدایت کے موافق کلامِ خداوندی کی تلاوت سے پہلے اِسْتِعَاذَہ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا چاہیئے تاکہ شیطانی وساوس سے حفاظت ہو جائے اور شیطان مردود کے فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آجائے مگر تلاوتِ قرآن ہو یا اور کوئی نیکی کا عمل محض شیطانی وساوس اور شیطانی رخنے و رکاوٹ سے پناہ مانگنا کافی نہیں ہے جب تک کہ حق تعالیٰ کی رحمت و تفضل اور اس کی توفیقِ حسن بھی شاملِ حال نہ ہو۔ اسی غرض و غایت کے لئے تلاوتِ قرآن سے پہلے اور اِسْتِعَاذَہ کے بعد بسم اللہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی گئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کی اہمیت اور اس کی تاثیر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر اہم کام جو خدا کے نام سے یعنی بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت رہتا ہے اور جس طرح اِسْتِعَاذَہ کی حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے جال میں پھنسنے سے محفوظ ہو جائے اسی طرح بسم اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی رحمت میں داخل ہو جائے اس لئے اِسْتِعَاذَہ بسم اللہ پر مقدم ہوا، کیونکہ دفعِ مضرت حصولِ منفعت پر مقدم ہے۔

ایامِ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے عربوں کی عادت تھی کہ وہ اپنے کاموں کو بتوں کے نام سے شروع کیا کرتے تھے۔ اس رسمِ جاہلیت کو اس طرح مٹایا گیا کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت جو جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اس میں وحی الٰہی یعنی قرآن کریم کو اَللّٰہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنیسویں[19] پارہ کی سورۂ نمل کی آیت اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے نزول سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ پڑھا کرتے تھے یا لکھوایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن کی آیت بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا نازل ہوئی تو بِسْمِ اللّٰه لکھوانا شروع کیا۔ پھر جب آیت قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ نازل ہوئی تو رَحْمٰن کا اضافہ ہو گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ لکھوانے لگے۔ اس کے بعد جب سورۂ نمل کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو آپ نے پوری بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے اور پڑھنے کا حکم دیا۔

قرآن کریم میں جا بجا اس کی ہدایت ہے کہ ہر کام کو اَللّٰہ کے نام سے شروع کیا جائے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ ارشاد سے کہ ہر مہم کام جو اللہ کے نام سے نہ شروع کیا جائے وہ بے برکت رہتا ہے بسم اللہ کی غیر معمولی اہمیت اور رفعتِ شان کا پتہ چلتا ہے اور اس کی تاثیر اور افادیت صرف تلاوتِ قرآن کی ابتدا میں برکت و رحمت

Marfat.com

بسم اللہ

حاصل کرنے تک ہی محدود نہیں بلکہ دین یا دُنیا کے ہر چھوٹے بڑے کام کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا اور اس سے اُس کا آغاز کرنا ضروری ہے تاکہ ہمارا ہر کام خیر و برکت کے ساتھ پورا ہو جائے۔ چنانچہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ گھر کا دروازہ بند کرو تو بسم اللہ کہو۔ چراغ گل کرو تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھکو تو بسم اللہ کہو، کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہونے، اور اُترنے، اور بیت الخلاء میں جانے سے پہلے، اپنی بیوی سے قربت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ اس سلسلہ کی چند احادیث یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱:۔ مُسلم کی روایت ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس میں شیطان کا حصّہ ہوتا ہے۔

۲:۔ اَبُوْدَاوٗد کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ طعام میں کسی صحابی نے بغیر بسم اللہ کھانا شروع کر دیا۔ آخر میں جب یاد آیا تو بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھ کر ہنسی آگئی اور فرمایا کہ شیطان نے جو کچھ کھایا تھا ان کے بسم اللہ پڑھتے ہی کھڑے ہو کر سب قے کر دیا۔

۳:۔ تِرمذی کی روایت حضرت علیؓ سے ہے کہ بیت الخلا میں جاتے وقت بسم اللہ پڑھنے سے جنات و شیاطین کی نظر اُس کے ستر تک نہیں جاتی ہے۔

۴:۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہوتا یعنی کامل وضو نہیں ہوتا اس لئے بعض ائمہ تو وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب بتلاتے ہیں۔

۵:۔ صَحِیحَین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے قربت کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے:۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَارَزَقْتَنَا۔ یعنی اے خدا ہمیں اور جو ہمیں تو دے اُسے شیطان سے بچانا۔

۶:۔ مُسْنَد احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے اُن کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی ذرا پھسلی تو میں نے کہا شیطان کا ستیاناس ہو۔ آپ نے فرمایا یہ نہ کہو اس سے شیطان پھُولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ ہاں بسم اللہ کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔

۷:۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت خالد بن وَلید کے مقابل دشمن میدان جنگ میں پرے جمائے کھڑے ہیں اور زہر ہلاہل کی ایک شیشی پیش کر کے حضرت خالد کے دین کی صداقت کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ آپ نے پوری شیشی بسم اللہ پڑھ کر پی لی لیکن اس کی برکت سے آپ پر زہر کا معمولی اثر بھی نہیں ہوا۔

الغرض بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک ایسا مختصر جملہ ہے جس کے پڑھنے میں نہ کوئی مشقت ہے نہ زیادہ وقت خرچ ہوتا ہے مگر اس کے آثار و برکات نہایت عظیم الشان اور دینی و دنیوی فوائد پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسکے ورد کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کی حقیقت نصیب فرمائیں۔ آمین۔ امام المفسرین امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم تمام سابقہ آسمانی کتابوں کے علوم پر اس طرح حاوی اور جامع ہے کہ گویا وہ تمام کتبِ سماویہ کا نچوڑ و خلاصہ ہے اور کل قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے یعنی جتنے مضامین قرآن کریم میں

تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ ان سب کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں موجود ہے اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں موجود ہے اور اس سے بھی زیادہ کمال اعجاز یہ ہے کہ پوری بسم اللہ کا خلاصہ بسم اللہ کے ابتدائی حرف یعنی "ب" میں موجود ہے اور وہ اس طرح کہ مفسرین کے ایک قول کے مطابق اس "با" کے معنی ہیں ملانا۔ قریب کرنا اور غور کیا جائے تو تمام قرآنِ کریم کا منشا اور غرض و غایت ایک ہی ہے اور وہ بھٹکے ہوئے اور گمراہ انسانوں کو خدا سے ملانا اور انسانوں کو خدا سے قریب کرنا اور یہی حرف "ب" کے معنی ہیں ملانا۔

اب بسم اللہ شریف کے حقائق کو مستحضر کرنے کے لئے اس کی تشریح کو سمجھنا ضروری ہے جو بیان کی جاتی ہے

بسم اللہ کی "ب" سے یہاں تین معنی لئے جاسکتے ہیں۔ اس طرح کلمہ بسم اللہ کے معنی ہوئے :-

(۱) اللہ کے نام کے ساتھ (۲) اللہ کے نام کی مدد سے (۳) اللہ کے نام کی برکت سے،

اس آیت رحمت یعنی بسم اللہ شریف میں حق تعالےٰ کے ناموں میں سے خاص طور پر تین ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اَللّٰہ ۔ رَحْمٰن اور رَحِیْم۔

اَللّٰہ اس ذات واجب الوجود کا نام ہے جو یکتا اور بے مثال ہے اور جو تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے اور ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک و منزّہ ہے اور جو سب کا خالق اور رازق ہے۔ یہ نام اللہ تعالےٰ کے ناموں میں سب سے بڑا اور سب سے جامع نام ہے اور یہ اسم عظیم ربِ اعلیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ نام اللہ تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہوسکتا۔ اسلئے اس لفظ کا نہ تثنیہ آتا ہے نہ جمع کیونکہ اللہ واحد ہے اس کی ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح اس اسم عظیم میں بھی کوئی اس کا ساتھی نہیں۔ حضرات صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ نے لفظ اللہ کو اسم ذات قرار دیا ہے اور اس کو اسمِ اعظم کہا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی لفظ اللہ کو اسمِ اعظم قرار دیا ہے، الغرض اس لفظ کے بولتے ہی موجود حقیقی اور موجدِ حقیقی خالقِ کائنات اور خالق اسباب کا مفہوم کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے اور ہر کام خواہ وہ دین کا ہو یا دنیا کا چھوٹا ہو یا بڑا بسم اللہ سے شروع کرنے سے وقت گویا بندہ اس حاکمِ حقیقی کی طرف رجوع ہوتا ہے جو حاجتوں کا پورا کرنے والا ہے اور جس نے تمام حاجتوں کی تکمیل کے لئے ساز و سامان اور اسباب پیدا کئے ہیں اور جس کی امداد و اعانت ہی سے خاطر خواہ کسی کام کی تکمیل ہوسکتی ہے

رَحْمٰن۔ یہ بھی اللہ تعالےٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کا مرتبہ اسم اللہ کے بعد تمام اسمائے حسنیٰ میں بلند معلوم ہوتا ہے اور یہ لفظ رحمٰن بھی اللہ جل شانہٗ کی ذاتِ عالی کے ساتھ مخصوص ہے کسی مخلوق کو رحمٰن کہنا جائز نہیں اور اور جس طرح لفظ اللہ کا جمع و تثنیہ نہیں آتا اسی طرح لفظ رحمٰن کا بھی جمع و تثنیہ نہیں آتا کیونکہ وہ صرف ایک ہی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہاں ایک مفید تنبیہ بھی زمانہ حال کے مطابق عرض کر دینا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ مگر آج کل دین کی کمی، اور ادب کی قلت ہے اس لئے اگر عبدالرحمٰن جیسا مبارک نام رکھا جائے تو ہمیشہ پورا نام لیا جائے یعنی عبدالرحمٰن اور کبھی کسی حال میں تخفیف سے کام لے کر خالی رحمٰن کہہ کر ایسے شخص کو نہ پکارا جائے۔ مگر آج کل

خصوصاً انگریزی دانوں میں یہ فیشن چل گیا ہے کہ عبدالرحمٰن کو "اے رحمٰن" لکھتے ہیں۔ کسی شخص کو اس طرح سے خطاب کرنا کہ اس میں اسم الٰہی کی اہانت ہوتی ہے یہ بالکل ناجائز اور گناہ ہے۔ اسی طرح رحمٰن اینڈ کو یا رحمٰن برادرز یا رحمٰن اینڈ سنز لکھنا، کہنا، سننا سب گناہ ہے۔ یہ بات درمیان میں ضمناً عرض کر دی گئی جو ذہن میں رکھنے کے لائق ہے۔ لفظ رحمٰن جو رحمت سے بنا ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے اس کے معنی ہوئے ایسی رحمت کرنیوالا کہ کوئی اس جیسی رحمت نہ کر سکے۔ بعض علماء نے صفت رحمٰن کا تعلق دنیا سے اور دنیا کی ہر شے اور سب کے یعنی مومن و کافر ہر کسی کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہونا اور صفت رحیم کا جس کا ذکر آگے آتا ہے، آخرت سے تعلق ہونا بیان کیا ہے۔ تو یہاں بسم اللہ میں اسم رحمٰن کا ذکر فرما کر یاد دلایا گیا کہ رحمٰن ہی وہ شفیق و مہربان ذات ہے کہ جو ہمارے تمام کاموں کی تکمیل میں اپنی رحمت سے مدد فرمانے والی ہے اور جس کی رحمت ہی سے ہمارا کام یا عمل خاطر خواہ طریقہ سے انجام پا سکتا ہے۔

رَحِیْم۔ یہ لفظ بھی لفظ رحمٰن کی طرح رحمت سے بنا ہے اور یہ بھی اللہ تعالےٰ کا ایک صفاتی نام ہے۔ اور اس کے معنیٰ بھی صاحبِ رحمت اور مہربان کے ہیں مگر لفظ رحمٰن اور رحیم میں ایک خاص فرق ہے کہ لفظ رحمٰن صرف اللہ تعالےٰ کے لئے بولا جا سکتا ہے اور لفظ رحیم انسان کے لئے بھی بولا جا سکتا ہے۔ چنانچہ خود قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا گیا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ اس صفاتی اسم کو "بسم اللہ" میں ذکر کرنے کی ایک حکمت علماء نے یہ لکھی ہے کہ کسی عمل کی تکمیل یا کسی کام کی غرض و غایت اس کا صحیح نتیجہ اور ثمرہ میسر ہونے میں ہے۔ جیسے کہ مکان کی تعمیر کہ اس کی غرض و غایت جبھی پوری ہوتی ہے کہ جب تکمیل کے بعد اس میں سکونت اور رہائش بھی نصیب ہو ورنہ شداد کی جنت کی طرح اگر تکمیل کے بعد داخلہ اور قدم رکھنا میسر نہ آئے تو وہ کام اب بھی ناتمام اور نامکمل ہے۔ اس لئے صحیح نتائج اور اچھے ثمرات کے حصول کے لئے اللہ کی صفتِ رحیمی کا دروازہ کھٹکھٹانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ عمل اپنے مقصد اور منشاء کے لحاظ سے بھی پورا اور مکمل ہو جائے۔ تو تلاوت کرنے والا تلاوت کے آغاز میں یا کسی اور نیک کام کی ابتدا کرنیوالا اس کے آغاز میں جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو گویا وہ اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ اے خداوند قدوس جس کام کا میں آغاز کر رہا ہوں اس کے ابتدائی اسباب اور سامان کا خالق بھی تو ہی ہے اور اسباب و سامان کو استعمال کرنے کی توفیق دینے والا بھی تو ہی ہے اور میرے اس کام پر اجر و ثواب اور اچھے اور صحیح نتائج کا پیدا کرنا بھی تیرے ہی اختیار میں ہے، پس میرا یہ کام اللہ کی مدد، اور رحمٰن کی توفیق اور استعانت اور رحیم کی مشفقانہ شفقت ہی کے بھروسہ ممکن ہے۔

اب غور کیجئے کہ تلاوتِ قرآن کی ابتدا ہو یا کسی اور عمل صالح کا آغاز ہو کیا اس موقع پر بسم اللہ سے بہتر کلمات اور حکیمانہ دعا و درخواست ممکن ہے۔

اب اخیر میں اس آیت رحمت یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے متعلق چند ضروری

Marfat.com

اَحْکَامَات و مَسَائِل سُن لیجئے امام ابو حنیفہؒ اور فقہائے مدینہ و بصرہ و شام کا مسلک یہی ہے کہ سورۂ نَمل کے علاوہ قرآن میں جو "بسم اللہ" ہے وہ جزء قرآن ضرور ہے لیکن سورۃ فاتحہ یا کسی دوسری سورۃ کا جزو نہیں محض تبرکاً اور دو سورتوں میں فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے اور اس طرح ہر دو سورت کے درمیان مستقل آیت ہے۔ ہاں سورۂ نَمل پارہ ۱۹ میں جو اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ آیا ہے وہ سورۃ کا جزو ہے۔ اسلئے بسم اللہ کا احترام قرآنِ کریم کی آیت ہی کی طرح واجب ہے، اس کا بے وضو لکھنا، چھُونا اور ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ اور جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں اس کو بطور تلاوت پڑھنا بھی پاک ہونے سے پہلے جائز نہیں۔ ہاں کسی کام کے شروع میں جیسے کھانے پینے سے پہلے بطور دعا پڑھنا یہ ہر حال میں جائز ہے۔

جب قرآن شریف کی تلاوت کی جائے اس وقت اَعُوْذُ بِاللّٰہ اور بِسْمِ اللّٰہ دونوں پڑھنا شروع ہیں درمیان تلاوت میں جب ایک سورۃ ختم ہو کر دوسری سورۃ شروع ہو تو صرف بسم اللہ پڑھی جائے، سوائے دسویں پارہ کی سورۃ برأت جس کو سورۃ تَوْبَہ بھی کہتے ہیں وہاں بسم اللہ نہ لکھی ہوئی ہوتی ہے نہ پڑھنا چاہیئے البتہ اگر سورۃ برأت (سورۃ توبہ) ہی سے تلاوتِ قرآن کا آغاز اور ابتدا کر رہا ہے تو عام طریقہ کے موافق اس سورۃ برأت کے شروع میں بھی اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنی چاہیئے۔

اس سلسلہ میں تمام اہلِ اسلام کے نفع کے لئے نہایت مناسب معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے متعلق ایک عمل قضائے حاجت کا نقل کر دیا جائے جس کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر عزیزی میں اور حضرت تھانویؒ نے اپنی کتاب "اعمالِ قرآنی" میں لکھا ہے اور وہ یہ کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو بارہ ہزار بار اس طرح پڑھے کہ جب ایک ہزار بار ہو جاوے تو دو رکعت نماز پڑھ کر اپنی حاجت کے لئے دعا کرے پھر پڑھنا شروع کرے۔ ایک ہزار کے بعد پھر اسی طرح دو رکعت پڑھے اور دعا مانگے۔ غرض اسی طرح بارہ ہزار ختم کرے، انشاء اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کی برکات حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اب انشاء اللہ آئندہ سورۂ فَاتِحَہ یعنی الحمد شریف کا بیان شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے

کہ یہ سلسلۂ درس قرآن پڑھنے اور سننے کا جو شروع کیا گیا ہے وہ بسم اللہ شریف کی برکت سے حق تعالیٰ اپنی برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ تکمیل کو پہنچائیں اور قرآنی برکات سے ہم سب کو اپنی رحمت سے نوازیں حق تعالیٰ اس سلسلۂ درس قرآن کو ہمارے لئے باعث صلاح و فلاح بنائیں۔ اور اس کے ذریعے ہمیں قرآن کریم کی سچی محبت و عظمت کے ساتھ اس کا علم و عمل بھی نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء حسنیٰ خصوصاً اسم اعظم و اسم ذات اللہ اور اسم صفات رحمٰن و رحیم کی برکات سے ہمارے اس ابتدائے درس قرآن کو قبول فرمائیں۔ اور اسکے پڑھنے سننے کو ہمارے لئے اپنی مرضیات کا باعث بنائیں اور اپنے کرم اور بسم اللہ شریف کی برکت سے اس کو تکمیل تک پہنچا دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

Marfat.com

درس ۳

سورۂ فاتحہ (حصہ اوّل)

سَبْعُ اٰیَاتٍ ۷ آیات ہیں	(۱) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ سورۂ فاتحہ مکی ہے	رُکُوْعٌ وَّاحِدٌ ایک رکوع ہے

(المنزل الاوّل) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ (پہلی منزل)

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

جو مالک ہیں روز جزا کے ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

تبلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔

ع ۱ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷ ع ۱

نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ اُن لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے

تفسیر و تشریح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اب قرآنِ کریم کی پہلی سورۃ یعنی سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ جس میں ایک رکوع۔ ۷ آیات۔ ۲۵ کلمات اور ۱۲۶ حروف ہیں۔ اِس سورۂ مبارکہ کی تفسیر و تشریح سے پہلے اس سورۃ کے دوسرے مشہور اَسماء۔ اہم فضائل و خصوصیات۔ شانِ نزول۔ خلاصہ مضامین وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

سورۃ کے اَسماء

قرآن کریم کی یہ نہایت اہم ابتدائی سورۃ ہے جس سے قرآنِ کریم کا آغاز ہوتا ہے اس لئے اس سورۃ کا مشہور نام سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ ہے فَاتِحَہ کے معنی ہیں ابتدا کرنے والی۔ شروع یا آغاز کرنے والی چونکہ یہ سورۃ قرآن کریم کے شروع میں آئی ہے گویا اس سے قرآن مجید کا آغاز ہوتا ہے اس لئے اس کا مشہور نام اَلْفَاتِحَۃ ہے۔ اس نام کے علاوہ اور بھی متعدد نام اس سورۃ کے جلیل القدر مفسرین اور علمائے محققین نے نقل کئے ہیں سب سے بڑی اور جامع فہرست علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب اَلْاِتْقَان میں حسب ذیل نقل فرمائی ہے اور ۲۵ نام اس سورۃ کے ذکر کئے ہیں:۔

Marfat.com

(۱) فَاتِحَۃُ الْکِتَاب (۲) فَاتِحَۃُ الْقُرْاٰن (۳) اُمُّ الْکِتَاب (۴) اُمُّ الْقُرْاٰن
(۵) قُرْاٰنُ الْعَظِیْم (۶) اَلسَّبْعُ الْمَثَانِیْ (۷) اَلْوَافِیَہ (۸) اَلْکَنْز
(۹) کَافِیَۃ (۱۰) اَلْاَسَاس (۱۱) نُوْر (۱۲) سُوْرَۃُ الْحَمْد
(۱۳) سُوْرَۃُ الشُّکْر (۱۴) سُوْرَۃُ الْحَمْدِ الْاُوْلٰی (۱۵) سُوْرَۃُ الْحَمْدِ الْقُصْرٰی (۱۶) اَلرَّاقِیَہ
(۱۷) اَلشِّفَا (۱۸) اَلشَّافِیَہ (۱۹) سُوْرَۃُ الصَّلٰوۃ (۲۰) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَہ
(۲۱) سُوْرَۃُ الدُّعَاء (۲۲) سُوْرَۃُ السُّؤَال (۲۳) سُوْرَۃُ التَّعْلِیْمُ الْمَسْئَلَۃ
(۲۴) سُوْرَۃُ الْمُنَاجَاتَ (۲۵) سُوْرَۃُ التَّفْوِیْض ۔

مندرجہ بالا فہرست میں سے بعض ناموں میں مفسرین کا اختلاف بھی ہے لیکن اکثر و بیشتر اسماء متفق علیہ ہیں، الغرض اس سورۃ مبارکہ کے جتنے کثیر نام ہیں قرآن کریم کی کسی دوسری سورۃ کے بارہ میں اتنے کثیر نام منقول نہیں اور یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ عظمت و بزرگی اور خصوصیات کے لحاظ سے اس سورۃ کو نہایت اعلیٰ درجہ اور بلند مقام حاصل ہے ۔

فضائل و خصوصیات :۔ اوّل سب سے ظاہر خصوصیت تو یہ ہے کہ قرآن کریم اسی سے شروع ہوتا ہے ۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ نماز اسی سے شروع کی جاتی ہے ۔ اور ہر نماز میں خواہ وہ فرض ہو ۔ واجب یا نفل اس سورۃ کی تلاوت کو واجب قرار دیا گیا ہے ۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورۃ جو مکمل طور پر نازل ہوئی یہی سورۃ ہے ۔ سُوْرَۃُ اِقْرَاْ ۔ سُوْرَۃُ مُزَّمِّلْ اور سُوْرَۃُ مُدَّثِّرْ کی چند آیات ضرور اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں مگر مکمل سورۃ کوئی اس سے پہلے نازل نہیں ہوئی ۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورۃ ایک حیثیت سے پورے قرآن شریف کا متن ہے اور سارا قرآن کریم اس کی شرح ہے کہ وجہ سے کہ قرآن کے مقاصد ایمان اور عمل صالح میں دائر ہیں اور ان دونوں امور کے بنیادی اصول اس سورۃ میں بیان کر دیئے گئے ہیں ۔

اب احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس سورۃ کے فضائل کے متعلق ارشاد فرمایا ہے وہ سُنیئے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ سورۃ فاتحہ کی نظیر نہ توراۃ میں نازل ہوئی، نہ انجیل و زبور میں اور نہ خود قرآن کریم میں کوئی دوسری سورۃ اس کی مثل ہے ۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم کی سب سورتوں میں عظیم ترین اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ فاتحہ) ہے ۔ مسلم اور نسائی میں حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھے تھے کہ اوپر سے ایک زوردار دھماکہ کی آواز آئی اور جبرئیل علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا ۔ آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا تھا ۔ پھر وہاں سے ایک فرشتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

Marfat.com

آتا ہے اور کہتا ہے خوش ہو جایئے۔ دو نور آپ کو ایسے دیئے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے ایک سورۃ فَاتِحَہ اور دوسرے سورۃ بَقَرَہ کی آخری آیات، ایک ایک حرف پر ان میں سے نور ہے۔

شانِ نزول: ۔ تفسیر عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اس سورۃ کے شانِ نزول کے متعلق لکھا ہے کہ شانِ نزول اس سورۃ کا اس طرح پر ہے کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ یہ سورۃ مکہ معظمہ میں اتری اور اس کے اترنے کا حال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں جنگل میں جاتا تھا ایک آواز میرے کان میں آتی تھی کہ کوئی شخص کہتا ہے یَا مُحَمَّدُ اور میں دیکھتا تھا کہ ایک تخت سہ آسمان و زمین میں معلق ہے اور اس پر ایک شخص نورانی بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس آواز سے خوف زدہ ہوتا تھا۔ جب یہ ماجرا کئی بار دیکھا تو وَرَقَہ بن نوفل نے جو کہ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے اور توریت و انجیل کے بڑے عالم تھے اس حال کو بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ آئندہ جب آپ وہ آواز سنیں تو خوف نہ کریں اور کان لگا کر سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہی آواز آئی تو حضورؐ نے کہا لَبَّیْکَ یعنی میں حاضر ہوں تب اس نے کہا میں جبرئیل ہوں اور آپ اس امت کے نبی ہیں پھر مجھ سے کہا کہ کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور پھر دوسری بار کہا کہ کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تا آخر سورۃ۔

ترتیب نزول و ترتیب تلاوت: ۔ اگرچہ اس سورہ فاتحہ سے قرآن کریم کا آغاز ہوتا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن کی سورتوں اور آیتوں میں یہ سورۃ نازل بھی سب سے پہلے ہوئی ہے۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۃ فاتحہ قرآنِ کریم کی ابتدائی سورۃ ہونے کے باوجود سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ نہیں ہے۔ بلکہ سب سے پہلے جن آیتوں سے نزولِ وحی کا آغاز ہوا وہ تیسویں ۳۰ پارہ سُوْرَۃُ الْعَلَقْ کی ابتدائی پانچ آیات ہیں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے مَا لَمْ یَعْلَمْ تک۔ قرآن کریم کی ترتیب تلاوت اور ہے اور اس کی ترتیب نزولی اور ہے۔ قرآنِ کریم جو ۲۳ سال کے عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا نازل ہوا وہ وقت حالات اور حکمت کے مطابق تھا۔ کبھی آخر سے کبھی وسط و ابتدا سے کبھی ایک یا چند آیتیں کبھی پوری سورتیں پس آیاتِ قرآنیہ کا نزول تو وقت و حالات کے مطابق تھا اور جمع و تلاوت کی ترتیب لوحِ محفوظ کے مطابق ہے۔

خلاصہ مضامین: ۔ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی تعلیم کے لئے نازل فرمائی کہ مناجات اور دعا حق تعالیٰ سے اس طرح کیا کریں۔ چنانچہ اس سورۃ میں سات آیات ہیں جن میں سے پہلی تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور آخری تین آیات میں بندہ کی طرف سے دعا و درخواست کا مضمون ہے اور درمیانی ایک آیت میں کچھ حمد و ثنا کا پہلو ہے اور کچھ دعا و درخواست کا۔ اس طرح یہ سورۃ گویا ایک عرضی ہے

Marfat.com

بندوں کی جانب سے اپنے شہنشاہ حقیقی کی جناب میں جس کا نمونہ خود شہنشاہ حقیقی نے تیار کر کے اپنے بندوں کو عطا فرمایا ہے جس میں سب سے پہلے حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا اعتراف اور اس کے بعد اپنی عبدیت اور احتیاج کا اقرار اور اس کے بعد اپنے مطلب کا اظہار ہے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث قدسی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ میں نے صلوٰۃ (یعنی سورۃ فاتحہ) کو اپنے بندے کے درمیان نصفا نصف تقسیم کر دیا (یعنی حمد و ثنا میرے لئے اور دعا و درخواست بندہ کے لئے)۔ جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری حمد بیان کی اور جب وہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ نے میری خصوصی تعریف کی اور جب بندہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے واسطے وہ سب کچھ ہے جو اس نے طلب کیا اور جب بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور جو کچھ اس نے مانگا اسے ملے گا۔

بہرحال یہ معلوم ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ ہر پہلو سے بندہ کی ایک عرضی اور درخواست ہے جو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ اب جن پُرشوکت باعظمت شاہی القاب سے عرضی کو شروع کرتا ہے اور اپنی نیازمندی اور درِ کریم سے وابستگی اور اپنی وفاشعاری کا اظہار کرتا ہے۔ پھر مقصد درخواست کا پیش کرتا ہے اور پھر جس احکم الحاکمین کی بارگاہ میں معروضہ پیش کیا جا رہا ہے اس کے سچے وفادار حامیوں سے اپنے تعاون و دوستی کا اظہار کرتا ہے اور احکم الحاکمین کے مخالفین اور باغیوں کے ساتھ اپنی مکمل بیزاری و اُن سے علیحدگی اور دُوری کا اعلان کر کے عرضی کو ختم کرتا ہے۔ اس کی تفصیلات انشاء اللہ سورۃ کی تفسیر و تشریح کے دوران آئندہ تین درسوں میں بیان ہوں گی۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ اس سورۃ فاتحہ کی برکاتِ عظیم ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ اس کی برکت سے ہم کو ظاہری و باطنی بیماریوں سے شفا عطا فرمائیں۔ اسکے انوار سے ہمارے قلوب کو منور فرمائیں۔ اس کے ذریعہ سے پیش ہونے والی ہماری دعا و درخواست کو قبولیت عطا فرمائیں۔ اس کے ذریعہ سے مولائے کریم اپنی شانِ کریمی ہم گداؤں پر ظاہر فرمائیں۔ اس سورۃ کے خزانوں سے ظاہراً و باطناً حق تعالیٰ ہم سب کو مالا مال فرمائیں۔ اس سورۃ کے انوار سے حق تعالیٰ ہم کو قرآن فہمی کی دولت نصیب فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۴

سُوْرَۃ فَاتِحَہ (حصّہ دوم)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ﴿۲﴾
مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ﴿۴﴾
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ
غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴿۷﴾ ع

لفظی ترجمہ :- سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے - جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں - جو مالک ہیں روز جزا کے - ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں - بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا - رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے، نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے -

تفسیر و تشریح :- اس سورۃ فاتحہ کے گذشتہ ابتدائی درس میں سورۃ کے مشہور اسماء[۱]، اہم فضائل[۲] اور خصوصیات[۳] شانِ نزول[۴] اور خلاصۂ مضامین[۵] بیان ہوئے تھے اور بتلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ بندوں کی تعلیم کے لئے نازل فرمائی کہ اپنے مولائے کریم سے دعا و درخواست اس طرح کیا کریں گویا کہ حق تعالےٰ اس سورۃ میں اپنے بندوں کو عرضی پیش کرنے درخواست دینے اور مانگنے کا طریقہ سکھلا رہے ہیں اور جب احکم الحاکمین بندوں کو خود مانگنے کا طریقہ یسوال کا ادب اور مضمونِ درخواست بتلا رہے ہیں تو پھر اس کی منظوری میں کیا تردد ہو سکتا ہے - اسی کو حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے اپنی مشہور کتاب مناجات مقبول کے خطبہ میں اس طرح نظم فرمایا ہے :-

مانگنا ہم پر کیا ہے تو نے فرض — اور سکھا ہم کو دیئے آداب عرض
مانگنے کو بھی ہمیں فرما دیا — مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلا دیا
بلکہ مضمون بھی ہر ایک درخواست کا — ہم کو یا رب تو نے خود سکھلا دیا
ہر گھڑی دینے کو تو تیار ہے — جو نہ مانگے اُس سے تو بیزار ہے

Marfat.com

اب بندہ کی طرف سے فدویانہ عرضی اور نیازمندانہ درخواست پیش کرنے کا جو کامل اور مکمل طریقہ تعلیم فرمایا گیا اس کی تفصیلات سُنیے :-

پہلے ارشاد فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ ساری تعریفیں اور تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو رَبّ ہیں تمام جہانوں کے یعنی ہر قسم کی تعریف وثنا ابتدا سے انتہا تک، ازل سے ابد تک جہاں کہیں، جب کبھی اور جس طور پر ہو یا ہو سکتی ہو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے اور ہر حمد وثنا کی مستحق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے کیونکہ وہی تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے ۔ ہر خوبی بدرجہ کمال اس کے اندر موجود ہے ۔ اس جیسا علم، اس جیسی قدرت کسی کو نہیں اور اس کے وجود کے مثل کسی کا وجود نہیں اُسی کا وجود حقیقی ہے اسلئے وہی ہر حمد وستائش کا مستحق ہے، خواہ وہ ستائش زبان سے ہو یا دل سے ہو یا دماغ سے ہو یا عبادتِ جسمانی سے ہو یا اعضاء وجوارح اور ارکان سے بہرحال اُسی کو ہر حمد زیبا ہے ۔

آگے اس بات کی دلیل ہیں کہ وہی ایک ذات خداوندِ قدوس قابل ستائش کیوں ہے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرمایا، یعنی وہ تمام جہانوں کے مُربّی ہیں ۔ رَبّ کے معنی لغت کے اعتبار سے تربیت و پرورش کرنے والے کے ہیں اور تربیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو درجہ بدرجہ تمام مصالح کی رعایت کے ساتھ آگے بڑھایا جائے یہاں تک کہ وہ اپنے حدِ کمال کو پہنچ جائے ۔ لفظ رَبّ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک مشہور اور نہایت اہم نام ہے اور لفظ اَللّٰه اور رَحْمٰن کی طرح صرف خداوند قدوس کی ذات کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ عَالَمِیْن جمع ہے عَالَم کی جس میں دُنیا کی تمام جنس مثلاً انسان، فرشتے، جنات، حیوانات ۔ جمادات، نباتات، چاند، سورج، ستارے سب شامل ہیں ۔ اس طرح رَبِّ الْعٰلَمِیْن کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی تمام جنسوں کی تربیت کرنے والے ہیں ۔ تو خداوند قدوس اس بتلائی ہوئی درخواست میں یعنی سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت میں حمد وثنا کے ساتھ ایمان کے سب سے پہلے اور اعلیٰ رکن توحید باری تعالیٰ کا ذکر بھی مؤثر انداز میں آگیا ۔

آگے دوسری آیت میں فرمایا اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ۔ "رَحْمٰن" اور "رَحِیْم" یہ دونوں لفظ حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں جن میں صفت رحمت کا ذکر کیا گیا اور یہ دونوں صیغے مبالغہ کے ہیں جن میں رحمتِ خداوندی کی وسعت وکثرت کا بیان ہے ۔ علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ اگرچہ رحمٰن و رحیم دونوں رحمت سے بنے ہیں مگر معنی اور مفہوم کے لحاظ سے الگ الگ اور جُدا ہیں ۔ رَحْمٰن میں شان کرم کا درحم کا عموم ہے اس لئے رحمٰن کی رحمت کا محل کافر بھی ہے، مومن بھی، نیک بھی ہے بد بھی، صالح بھی فاسق بھی ۔ اچھا بھی بُرا بھی ۔ اسی لئے اس رحمت کا ظہور اسی دُنیا میں ہو رہا ہے کہ رحمٰن سب کو رزق دے رہا ہے ۔ سب کو راحت کے سامان عطا فرمائے ۔ نفع رسانی کے دروازے سب کے لئے کھولے ہوئے ہیں ۔ اس کی ہوا، بارش، گرمی سردی زمین و آسمان، چاند،

Marfat.com

سورج، دریا و سمندر۔ نباتات، جمادات حیوانات سے بلاتمیز ہر شخص فائدہ حاصل کرتا ہے اس طرح دارِ دنیا مومن، کافر سب کے لئے باعثِ رحمت ہے، کافر کے لئے دُنیا اس لئے بھی رحمت ہے کہ وہ اپنے کفر سے اس دُنیا میں توبہ کرسکتا ہے اور اگر توبہ نہ بھی کرے تو فی الحال عذابِ جہنم سے بچا رہنا ہی بڑی رحمت ہے الغرض اس رحمٰن کی رحمت کا ظہور اس دُنیا میں عام ہو رہا ہے لیکن رحیم میں تجلیٔ رحمت و مغفرت کا خصوص اہلِ ایمان کے ساتھ ہے اس لئے اس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا جہاں رحیم ہونے کے باعث مومنوں کو نیک کاموں کا اجر زیادہ سے زیادہ عنایت فرمائے گا۔ ان کی تقصیرات کی مغفرت فرما کر جنت کا وارث بنائے گا۔

آگے تیسری آیت میں فرمایا گیا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جو مالک ہیں روزِ جزا کے، یہاں دین کے معنیٰ جزا اور بدلہ کے ہیں۔ یعنی ایک دن اور زمانہ مقرر ہے جس میں اچھے بُرے، بدعمل و نیکوکار، ظالم و مظلوم، سب کو ان کے دُنیا میں کئے ہوئے اعمال کا پُورا پُورا بدلہ دیا جائے گا اور اُس دن یعنی یوم جزا میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہوگی۔ اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت تمام کائنات پر آج بھی ہے تو روزِ جزا میں ملکیت کی خصوصیت جو آیت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں فرمائی گئی کیا ہے؟ علماء مفسرین نے اس کا جواب لکھا ہے کہ دُنیا میں بھی اگرچہ حقیقی اور مکمل ملکیت تمام کائنات پر صرف خداوند قدوس پروردگارِ عالم ہی کی ہے لیکن اُس نے اپنے کرم اور حکمتِ بالغہ سے ایک قسم کی ناقص ملکیت انسان کو بھی دُنیا میں عطا فرما دی ہے اور دُنیا کے قوانین اور شرعی احکام میں اس ملکیت مجازی کا کافی احترام بھی کیا گیا ہے، اس دُنیا میں انسان کو ریاست و حکومت حاصل ہوتی ہے۔ زمین و جائیداد کا مالک بھی ہوتا ہے، مال و دولت، کوٹھی بنگلہ، اور سامانِ معیشت، حشم خدم کا بھی مالک ہوتا ہے۔ اور یہ ناقص اور نامکمل اور مجازی ملکیت جو انسانوں کو دُنیا میں حاصل ہے یہ دراصل اُن کی آزمائش کے لئے ہے تو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرما کر حق تعالیٰ نے اس انسان کو متنبہ فرما دیا کہ یہ سب ملکیتیں اور تعلقات اور ربط و نظم عارضی اور کچھ عرصہ کے لئے ہیں۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جس میں کوئی کسی چیز کا ظاہری طور پر بھی مالک نہ رہے گا۔ نہ کوئی کسی کا خادم ہے گا نہ مخدوم۔ نہ کوئی کسی کا آقا ہے گا نہ غلام۔ نہ کسی کی حکومت رہے گی نہ ریاست۔ تمام کائنات کی مِلک اور مُلک صرف ایک ذات حق جل و علیٰ ہی کو ہوگی جیسا کہ چوبیسویں پارہ سورہ مومن میں فرمایا گیا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ آج کے روز کس کی حکومت ہے؟ بس اللہ غالب واحد ہی کی ہے۔ تو اس یوم جزا میں تمام ناقص اور مجازی اور نامکمل ملکیتیں بھی ختم ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی ملکیت کا ظہور پورے طریقہ پر ہوگا۔

سورۂ فاتحہ کی ان تین ابتدائی آیات یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ کہہ کر بندہ اپنی عرضی و درخواست جو احکم الحاکمین کی بارگاہ میں

Marfat.com

پیش کرتا ہے تو گویا وہ اپنی عرضی اور درخواست کی ابتدا خداوند قدوس اور آقائے حقیقی کے شاہانہ القاب وآداب سے شروع کرتا ہے اور اپنے آقا اور مالک کے ایسے اوصاف اور کمالات کا اظہار کرتا ہے جو مقصد درخواست سے ہم آہنگ ہوں اور اصل مدعا سے میل کھاتے ہوں۔ دنیا میں بھی یہی دستور ہے کہ جب کوئی بادشاہ یا حاکم کے سامنے اپنی درخواست کسی غرض اور مدعا کے لئے پیش کرتا ہے تو پہلے القاب وآداب اور حاکم کے اوصاف بیان کرتا ہے اور پھر اپنے مقصد کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح بندہ سورۂ فاتحہ میں القاب وآداب کا آغاز حق تعالےٰ کی حمد وثنا سے کرتا ہے اور حمد باری تعالیٰ کے بعد صفتِ ربوبیت کا ذکر کرتا ہے اور پھر کمال رحمت کا ذکر کرتا ہے اور آخر میں جزا وسزا پر قدرت کاملہ اور حق تعالیٰ کی شان جلالی وجمالی دونوں کو بیان کرتا ہے۔

اس طرح سے ابتدائی تین آیات یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک دونوں جہان کے پروردگار کے شاہی آداب القاب ہیں جو خود حق تعالےٰ نے بندوں کو تعلیم فرمائے۔ اب آگے چوتھی آیت یعنی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں بندہ اپنا نیازمندانہ تعارف بارگاہ الٰہی میں بیان کرتا ہے اور اپنی عبدیت اور نیازمندی کا پورا پورا اعتراف کرتا ہے اسکے بعد پانچویں آیت یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اپنی غرض اور مدعا پیش کرتا ہے اسکے بعد چھٹی آیت صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں اللہ کے وفادار اور مخصوص ومقبول بندوں کے ساتھ محبت اور اپنی وابستگی ودوستی کے تعلق کا اظہار کرتا ہے اور آخری ساتویں آیت یعنی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں اللہ کے باغیوں اور دشمنوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے جس کا تفصیلی بیان انشاءاللہ آئندہ دو درسوں میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ يَارَحْمٰنُ۔ يَارَحِيْمُ۔ يَامٰلِكَ يَوْمِ الدِّيْنِ ہم آپ کے بندے ہیں۔ ہم آپ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔ ہماری اس حمد وثنا کو قبول فرمائیے۔ اے اللہ اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی اور آنے کے بعد بھی آپ نے ہم پر احسان وانعام فرمائے۔ اے اللہ ہم آپ کے ان انعامات واحسانات کا خاطر خواہ شکر نہیں ادا کر سکتے۔ اے اللہ اپنے کرم اور انعامات واحسانات کو ہمارے اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد عالم قبر اور عالم برزخ میں بھی ہمارے شامل حال رکھیئے گا اور پھر عالم آخرت میں بھی اپنے خصوصی کرم ورحم سے ہم سب کو نوازیئے گا اور عالم آخرت کی کامیابی اور سرخروئی ہم سب کو نصیب فرمایئے گا اور اپنی رضا کے مقام یعنی جنت میں ہم سب کا دائمی ٹھکانا بنایئے گا۔ اٰمِيْنَ يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ وَيَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۵

سورۂ فاتحہ (حصہ سوم)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝٦
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

لفظی ترجمہ:- سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے - جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں جو مالک ہیں روز جزا کے ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں - بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا - رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ اُن لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے ۔

تفسیر و تشریح:- گذشتہ درس میں سورۂ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ کا بیان ہوا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ بندہ یہ کلمات کہہ کر اپنی عرضی اور درخواست کی جب ابتدا کرتا ہے تو گویا وہ خداوند ذوالجلال وَالْاِکْرام کے شاہانہ القاب و آداب بیان کرتا ہے - اس کے بعد اب چوتھی آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے - ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے اعانت کی درخواست کرتے ہیں - اس میں بندہ اپنا نیازمندانہ تعارف بارگاہِ الٰہی میں بیان کرتا ہے - اور اپنی عبدیت عاجزی اور انکساری کا پُورا پورا اظہار کرتا ہے - اس سے پہلی آیتوں میں تو انداز کلام غائبانہ تھا لیکن اس آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں بندہ اللہ تعالیٰ سے خطاب کرکے عرض معروض کرتا ہے - گذشتہ آیات میں جب بندہ نے اللہ تعالےٰ کی صفت و ثنا بیان کی تو گویا قربِ خداوندی میں حاضر ہو گیا اور خداوند قدوس کے حضور میں پہنچ گیا اور اب اس مالک کو خطاب کرکے اپنی ذلت اور مسکینی کا اظہار کرنے لگا اور کہنے لگا کہ خدایا ہم تو تیرے ذلیل غلام ہیں اور اپنے تمام کاموں میں تیری ہی مدد کے محتاج ہیں -

اس آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں دو جملہ ہیں - پہلا جملہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہے جس میں

Marfat.com

بندگی اور عبادت کو خاص ذاتِ باری کے ساتھ مخصوص اور محدود کر دیا گیا ہے۔ گویا کہ بندگانِ خدا اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کر رہے ہیں کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی کی عبادت و بندگی نہیں کرتے۔

اب یہاں لفظ عبادت کا مفہوم بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کسی کی نہایت درجہ تعظیم کے لئے دل و جان سے انتہائی اور غایت درجہ کا تذلّل اور عاجزی اپنے ارادہ سے اختیار کرنے کا نام عبادت ہے اور دین کی اصطلاح میں جناب شارع علیہ السلام کی فرمانبرداری کا نام عبادت ہے، قولاً اور عملاً۔ اوامر میں بھی نواہی میں بھی۔ اگر کوئی کام بدون حکم شریعت مطہرہ کے کیا جائے اگرچہ وہ بشکل عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے۔ دیکھئے نماز عبادات میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر اوقاتِ مکروہہ میں یا غصب کی ہوئی زمین میں اس کا پڑھنا گناہ ہے۔ اسی طرح روزہ ایک عمدہ عبادت ہے مگر ایام عید و تشریق میں روزہ رکھنا گناہ ہے اسلئے کہ شارع علیہ السلام کے حکم کے خلاف ہے۔ تو معلوم ہوا کہ عبادت کی حقیقت فرمانبرداری ہے نہ محض نماز و روزہ۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب اَرْبَعِیْن میں عبادت کی دس قسمیں لکھی ہیں :-

نماز[1]۔ زکوٰۃ[2]۔ روزہ[3]۔ حج[4]۔ تلاوتِ قرآن[5]۔ ہر حال میں اللہ[6] کا ذکر۔ حلال روزی[7] کے لئے کوشش و سعی کرنا۔ مسلمانوں[8] کے پڑوسی اور ساتھیوں کے حقوق ادا کرنا۔ لوگوں[9] کو نیک کاموں کا حکم کرنا اور بُرے کاموں سے منع کرنا۔ رسول اللہ[10] صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا اتباع کرنا۔

یہاں اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ درخواست گذار فرد واحد ہونے کے باوجود جمع کے صیغہ کے ساتھ اپنی درخواست پیش کر رہا ہے اور اَعْبُدُ کی بجائے نَعْبُدُ کہہ رہا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ نکتہ اس میں یہ ہے کہ ایک بندہ انفرادی حیثیت میں اپنی درخواست اور عرضی قابلِ پذیرائی نہیں سمجھتا اس لئے خاصانِ خدا انبیاء کرام اور اولیاء عظام سب کو ساتھ شامل کر کے عرضی کو پیش کرتا ہے کہ اے اللہ اگر میری یہ درخواست تنہا قابلِ غور نہ ہو تو دوسروں کی قابلِ قبول درخواستوں اور عرضیوں کے ساتھ اس کو بھی قبول فرمائیے۔ یہ تو تھی اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی تشریح۔ اب اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن کی تشریح سُنئے بارگاہِ خداوندی میں بندہ کی طرف سے اپنی عبدیت اور غلامی کے تعارف کے سلسلہ میں دوسرا جملہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن ہے۔ یہاں بھی اِیَّاكَ سے حق تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مراد ہے تو ترجمہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن کا یہ ہوا کہ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور تیرے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتے۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن کہہ کر گویا بندہ اللہ کے حضور میں یہ اظہار کرتا ہے کہ ہماری حیثیت ایک عاجز اور درماندہ غلام کی سی ہے جس کا سب کچھ آقا کے لئے ہے اور جس کا سر اطاعت ہر وقت آقا کے لئے جھکا ہوا ہے اور اطاعت و بندگی کا یہ کل سرمایہ بھی ہماری قوت اور ہمت اور کوشش و تدبیر کا نتیجہ و ثمرہ نہیں بلکہ یہ بھی آقا ہی کی دی ہوئی توفیق اور اس کی اعانت اور مدد کا صدقہ ہے۔ الغرض جب بندہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن کہہ کر اپنے مالک، خالق، رازق اور مربی و معطا

Marfat.com

کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہے کہ اے خدا ہم تیری ذات و صفات کا اقرار کر چکے اس لئے ہم تیری ہی عبادت، پرستش اور بندگی کرتے ہیں۔ ہمارے ظاہری اعضاء باطنی قویٰ اور جان و مال سے جو پرستش ہو سکتی ہے وہ تیرے ہی لئے مخصوص ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔ ہم تجھ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی تسبیح و تقدیس۔ تحمید و تمجید کرتے ہیں۔ تیرے ہی احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے جانی و مالی قربانی اور زکوۃ و خیرات و صدقات دیتے ہیں اور اس تمام عبادت و بندگی کا سرچشمہ تیری ہی امداد و اعانت اور توفیق ہے۔ اس لئے ہم ہر کام میں اور ہر معاملہ میں تجھی سے مدد کے خواستگار ہیں اور تیری ہی اعانت کے جویاں ہیں۔ اس آیت کے تحت علمائے کرام و بزرگانِ دین نے لکھا ہے کہ بندہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ کر اللہ تعالیٰ کو اس طرح خطاب کرتا ہے جیسا کہ وہ حاضر اور سامنے ہے لہٰذا اس مخاطبت میں بندہ کو کمال توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیئے اور اپنے اس کہنے میں سچا ہونا چاہیئے اور سچا جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ بندہ ہر کام اللہ کے حکم کے موافق کرے اور کوئی بات اُس کی مرضی کے خلاف نہ کرے خواہ وہ ظاہر سے تعلق رکھتے ہوں یا باطن سے، زبان سے ہوں یا دِل سے، ہاتھ پیر سے ہوں یا آنکھ کان سے ہوں۔ پس بندہ اگر اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی غیر کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے تو گویا وہ غیر کی طاعت کرتا ہے اور اللہ کی بندگی سے منہ موڑتا ہے۔ ہم سب کو صدق دِل سے کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پوری طرح فرمانبرداری کریں تاکہ ہم اپنی نمازوں میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ کر اللہ تعالےٰ کے ہاں اپنے اس قول میں صادق ٹھہریں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلویؒ نے اپنی تفسیر عزیزی میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ شیخ سُفیان ثَوْرِیؒ جو ایک مشہور بزرگ اور ولی اللہ گذرے ہیں ایک روز مغرب کی نماز کی امامت کر رہے تھے جس وقت کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ زبان سے نکلا تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ اے شیخ کیا ہوا تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ جس وقت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں نے کہا خوف میرے دِل پر غالب ہوا کہ کہیں میں اپنے اس کہنے میں جھوٹا نہ قرار دیا جاؤں۔ اسی واسطے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اپنے دِل میں نادم اور شرمندہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہر مرتبہ نماز میں اپنے پروردگار کے روبرو کھڑا ہو کر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ کر جھوٹ تو نہیں بول رہا ہے۔ اس موقعہ پر حضرت شاہ صاحب نے ایک مسئلہ کی بھی وضاحت فرمائی ہے اور وہ یہ کہ مطلق اِستعانت غیر سے ناجائز اور حرام نہیں، بلکہ اس طرح حرام ہے کہ استعانت چاہنے والا اسی شخص پر بھروسہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ حقیقتاً حاجت روا حق تعالیٰ ہیں اور یہ شخص سبب ظاہری ہے۔ اگر ایسا اعتقاد کر کے غیر سے استعانت کرے اور اس شخص کو مظہر عَوْنِ الٰہی کا سمجھے تو ایسی استعانت شرع میں روا اور جائز ہے، اور انبیاء اور اولیاء نے بھی اسی طرح کی اعانت غیر سے لی ہے اور حقیقت میں ایسی استعانت،

Marfat.com

استعانت بالغیر نہیں بلکہ استعانت خدا ہی کے ساتھ ہے۔ یہاں تک سورۂ فاتحہ کی چوتھی آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا بیان ہوا جس میں بندہ اپنی عبدیت کا اظہار کرتا ہے اور اپنے خدا سے توفیق و اعانت کا طلبگار ہوتا ہے۔

اب آگے پانچویں آیت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے اے اللہ ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔ گویا بندہ نے جو درخواست بارگاہِ الٰہی میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع کی تھی اور اس درخواست سے جو مقصد اور مدعا تھا اور جو کچھ بندہ اپنے ہادیٔ مطلق سے دل کی مراد مانگنا چاہتا تھا وہ یہی جملہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے یعنی اے اللہ ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔ اب یہ زیرِ بحث ہے کہ "ہدایت" اور "صراطِ مستقیم" کا مطلب سمجھا جائے۔ ہدایت قرآن کریم کے کثیر الاستعمال اور اہم الفاظ میں سے ایک ہے اور اسکے معنیٰ ہیں کسی شخص کو منزلِ مقصود کی طرف مہربانی اور خیر خواہی کے ساتھ رہنمائی کرنا۔ اب ظاہر ہے کہ ہدایت کرنا حقیقی معنی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے جسکے مختلف درجات اور مختلف قسمیں ہیں:۔ پہلی قسم ہدایت عامّہ یا الہامی ہدایت ہے یعنی کوئی بات یا امر بطور القا کے دل میں ڈال دی جائے یا اس کی فطرت میں داخل کر دی جائے، ہدایتِ خداوندی کا یہ درجہ اور قسم تمام مخلوقات یعنی جمادات، نباتات حیوانات، انسان اور جنات سب کو شامل ہے۔ اسی ہدایت عامّہ کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سولہویں پارہ سورہ طٰہٰ میں فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے اس طرح فرمایا اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی۔ یعنی پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمائی پھر اس خلقت کے مناسب اس کو ہدایت دی۔ اسی ہدایت عامّہ کا نتیجہ ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینے کا طریقہ جانتا ہے۔ درخت زمین سے غذا حاصل کر کے بڑھنا اور پھلنا پھولنا جانتا ہے۔ غرضکہ جو چیز اللہ نے جس کام کے لئے بنا دی وہ نہایت خوبی کے ساتھ اپنا مقررہ فرض اللہ کی دی ہوئی فطرت اور ہدایت کے موافق ادا کر رہی ہے۔

دوسری قسم یا دوسرا درجہ ہدایت کا مخصوص ہے انسان اور جنات کے ساتھ جن کو جوہرِ عقل عطا فرمایا گیا ہے اور یہ ہدایت انبیاء، اولیاء، علماء، صلحاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہر انسان کو پہنچتی ہے تاکہ حق و باطل میں فرق کر سکے، پھر کوئی اس کو قبول کر کے مومن و مسلم بنتا ہے کوئی رد کر کے کافر و مشرک ٹھہرتا ہے۔

تیسری قسم یا ہدایت کا تیسرا درجہ وہ ہے جو صرف مومنین و متقین کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ فائض ہوتی ہے اور اسی ہدایت کا دوسرا نام توفیق الٰہی ہے۔ یعنی ایسے اسباب و حالات پیدا کر دینا اور دل میں ایسے خیالات، رجحانات اور عزم و ارادے ڈال دینا کہ جس سے آسمانی تعلیمات و ہدایات کا قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا اور ان پر جمے رہنا آسان اور سہل ہو جائے اور ان کی خلاف ورزی دشوار، ناممکن اور محال ہو جائے۔ ہدایت کی یہی وہ قسم ہے جس کی وسعت غیر محدود اور جس کے درجات غیر متناہی ہیں اور یہی درجہ انسان کی ترقی کا میدان ہے اور یہی وہ درجہ ہے جہاں ہر بڑے سے بڑا نبی اور رسول اور ولی اللہ اور

Marfat.com

عابد وزاہد اور صالح و مُتّقی پرہیزگار، آخر عمر تک زیادتی ہدایت کا طالب ہوتا ہے اور ہدایت پر ثبات، اِستقامت اور مزید ہدایت کی درخواست کرتا ہے اور چونکہ رُوحانی ترقیوں کی انتہا نہیں اس لئے جو جس مرتبہ پر ہے اس کی دعا و درخواست اس سے بلند اور اعلیٰ مرتبہ کی ہوتی ہے۔

اب صراطِ مستقیم کو بھی جاننا چاہیئے کہ اس سے کیا مراد ہے جس کی ہدایت اور جس پر ثبات و استقامت کی بندہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں دُعا کرتا ہے۔ صراط کے معنی ہیں راستہ کے مگر علماء نے تصریح کی ہے کہ صراط اُس راستہ کو کہتے ہیں جس میں پانچ خصوصیات ہوں:۔

(۱) وسیع و کشادہ ہو (۲) مستقیم یعنی سیدھا ہو، (۳) سب سے زیادہ نزدیک و قریبی ہو (۴) منزلِ مقصود پر پہنچانے والا ہو (۵) منزلِ مقصود کیلئے اس واحد راستہ کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو۔

مُسْتَقِيْمَ کے معنی تَوَسُّط اور اعتدال کے ہیں جو افراط و تفریط کے درمیان ہو۔ یہاں آیت میں صراطِ مستقیم سے مراد دینِ حق، دینِ اسلام ہے جس میں وہ پانچوں خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو اوپر صراط کے معنی میں بتلائی گئی ہیں چنانچہ

(۱) اسلام ہی ایسی وسیع اور کشادہ راہِ حق ہے کہ جس پر اگر پوری نسل انسانی چلے تو ذرا بھی تنگی پیدا نہ ہو۔

(۲) دینِ اسلام افراط و تفریط کے بیچ میں اعتدال کا نام ہے جس میں نہ ضرورت سے زاید سختی ہے اور نہ ضرورت سے زاید نرمی

(۳) اسلام کی سیدھی راہ منزلِ مقصود کے لئے سب سے زیادہ مختصر اور چھوٹی راہ ہے۔

(۴) اسلام کا راستہ منزلِ مقصود پر پہنچانے والا ہے۔ کیونکہ انسان کا مقصد زندگی رضائے الٰہی ہے اور دینِ اسلام اس مقصد کی واحد راہ ہے۔

(۵) منزلِ مقصود کے لئے اسلام کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

الغرض اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ اے اللہ ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔ وہ جامع اور اہم ترین دُعا ہے جو بندوں کو تعلیم فرمائی گئی کہ جس دُعا سے نوعِ انسانی کا کوئی فرد بے نیاز نہیں۔ اب سورۃ فاتحہ کی بقیہ دو آیات یعنی صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ کی تشریح اِنشاء اللہ آیندہ درس میں ہوگی۔

دُعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا حقیقی بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ آپ کی عبادت و بندگی آپ ہی کی توفیق سے ممکن ہے۔ اے اللہ ہر آن اور ہر حال میں ہماری اعانت و دستگیری فرما اور ہر قول و فعل میں ہم کو شریعتِ مطہرہ کی پابندی نصیب فرما۔ اے اللہ اپنی ہدایت سے ہم کو نواز دے۔ اپنی کامل عبدیت اور غلامی ہم کو نصیب فرما اور صراطِ مستقیم پر چلنا اور اس پر ہمیشہ قائم رہنا مقدر فرما۔ اے اللہ اس اُمتِ مسلمہ کے جو افراد صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں ان کو اپنے رحم و کرم سے صراطِ مستقیم دکھلا دے اور اس پر چلنا نصیب فرما دے۔ اے اللہ جو ہدایت آپ کی مومنین مخلصین و متقین کے ساتھ مخصوص ہے ہم کو بھی اُسی ہدایت پر چلنا اور جینا اور مرنا نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۶

سُورۃُ الفاتحہ (حصّہ چہارم)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۶

لفظی ترجمہ: ۔سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربّی ہیں ہر ہر عالم کے ۔جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔جو مالک ہیں روزِ جزا کے ۔ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں ۔ تبلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا ۔رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے ، نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے ۔

تفسیر و تشریح: ۔گذشتہ درس میں سورۂ فاتحہ کی چوتھی آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اور پانچویں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا بیان ہوا تھا اور تبلایا گیا تھا کہ بندہ اپنی عبدیت اور نیازمندی کا اظہار بارگاہِ خداوندی میں کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے خدا ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مانگتے ہیں۔اور اس کے بعد بندہ اپنا دلی مقصد اور مدعا اپنے مالکِ حقیقی سے عرض کرتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ اے مالک ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما ۔اپنی طاعات اور قوانین کا پابند بنا اپنے نورِ ہدایت سے ہمارے دلوں کو منور فرما اور منزلِ مقصود تک پہنچنا ہم کو نصیب فرما ۔

الغرض اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں جب بندہ نے صراطِ مستقیم پر چلنے اور قائم رہنے کی دعا کی تو اب آگے اس صراطِ مستقیم کی نشانی اور پہچان بتلائی گئی تاکہ صراطِ مستقیم کا تعین ہو سکے ۔محض انسانی عقل سے صراطِ مستقیم کا پتہ چلانا مشکل بلکہ ناممکن ہے اس لئے حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے صراطِ مستقیم کی علامت اور نشان بتلا کر متعین کر دیا اور انسانوں کو تعلیم فرما دی کہ وہ بھی اپنی درخواست اور عرضی میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا کے بعد یوں کہیں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے اللہ ہم کو راستہ دکھا ، اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام کیا ہے ۔اب یہاں آیت میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے کون لوگ اور کون سے

انعامات مراد ہیں۔ کیونکہ ویسے تو اللہ تعالےٰ منعم حقیقی کے بے شمار اور ان گنت انعامات تمام انسانوں پر ہیں خواہ مومن ہوں یا کافر مطیع ہوں یا نافرمان حتّٰی کہ اللہ کے باغی اور سرکش بھی دُنیاوی نعمتوں سے محروم نہیں۔ پھر نعمتیں کچھ دُنیاوی ہیں کچھ اُخروی۔ کچھ جسمانی ہیں کچھ رُوحانی، کچھ ظاہری ہیں کچھ باطنی تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں یہاں وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہوگا جیسے ایمان عمل صالح، توفیق الٰہی۔ تائید غیبی نصرتِ خداوندی تقوٰی و پرہیزگاری وغیرہ وغیرہ اور جن پر اللہ کے انعامات ہوئے اور ان نعمتوں سے سرفراز فرمائے گئے۔ ان کی نشاندہی خود قرآن کریم میں پانچویں پارہ سورۂ نساء میں فرمائی گئی جہاں ارشاد ہے :۔ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج۔ یعنی وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا۔ انبیاء۔ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں۔ قرآنِ کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہی مذکورہ بالا چار گروہ "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے مصداق ہیں، یا یوں کہیئے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے یہ چار درجات ہیں جن میں سب سے اعلیٰ اور افضل انبیاء علیہم السلام ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے چُن لیا اور جن کے پاس وحی الٰہی آئی اور جن کی تعلیم میں کسی غلطی کا امکان نہیں اور جو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ اور معصوم ہوئے۔

انبیاء کے بعد دوسرے درجہ پر صدیقین ہیں جو اپنے نبی کی اُمت میں سب سے زیادہ رتبہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ صدیقین کے بعد شہداء ہیں جنہوں نے دین و ایمان کی محبت میں اپنی جان تک قربان کردی۔ اُن کے بعد صالحین ہیں جو احکامِ خداوندی کی ہر ممکن طریقہ سے پیروی کرتے ہیں اور جو اپنے نبی کی شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں۔ تو اس مذکورہ بالا آیت سے صراطِ مستقیم کو اس طرح متعین کیا گیا کہ ان چار طبقوں کے حضرات جس راستہ پر چلے وہی صراطِ مستقیم ہے۔

صراطِ مستقیم کے مزید تعین کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ ان لوگوں کی بھی نشاندہی کردی جائے جو صراطِ مستقیم سے ہٹ کر نامقبول، ناپسندیدہ اور باغیوں اور سرکشوں کے گروہ میں شامل ہوگئے تاکہ بندہ صراطِ مستقیم کا طالب جہاں یہ درخواست کرے کہ اے اللہ ہم کو ان لوگوں کے رستہ پر چلا جن پر آپ کا انعام ہوا ہے وہیں یہ بھی درخواست کرے کہ اے اللہ ہم کو اس رستہ پر چلنے سے بچا جن پر کہ آپ کا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوگئے۔ یہی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں تعلیم دی گئی جو سورۂ فاتحہ کی ساتویں اور آخری آیت ہے یعنی اے اللہ ہم کو ان لوگوں کا رستہ نہ دکھا اور اُس رستہ پر نہ چلا جن پر آپ کا غصہ اور غضب ہوا اور جو راستہ سے گمراہ ہوگئے۔

یہاں اس آیت میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں مَغْضُوْب اور ضَآلِّيْن جن کی راہ سے بندہ بچنے کی درخواست کرتا ہے۔ اسلئے ان دونوں لفظوں کی تشریح بھی ضروری ہے۔ مَغْضُوْب :۔ غضب سے ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کے غضب کا شکار ہوئے جن پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور عذاب نازل ہوا جنہوں نے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی اسکے

نبیوں کو جھٹلایا اور حق کو مٹانے کی کوشش کی اور جو اپنے اعمال و افعال کی وجہ سے اللہ کے غضب اور غصہ کا نشانہ بنے۔
ضَآلِّیْن جس کے معنی گمراہ کے ہیں اور اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو غلط راہ پر پڑ گئے۔ عام طور سے مفسرین نے لکھا ہے اور قرآن کی دوسری آیات و احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ سے مراد یہود ہیں اور وَلَا الضَّآلِّیْن سے مراد نصاریٰ ہیں مگر محققین علماء نے لکھا ہے کہ آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن میں مراد یہود و نصاریٰ تک محدود کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ مَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو دین کے احکام کو جاننے پہچاننے کے باوجود شرارت اور نفسانی اغراض کی وجہ سے ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں احکام الٰہیہ کی تعمیل میں کوتاہی یعنی تفریط کرتے ہیں، جیسے عام طور پر یہود کا حال تھا کہ دنیا کے ذلیل مفاد کی خاطر دین کو قربان کرتے اور انبیاء کی توہین کرتے۔ ضَآلِّیْن سے مراد وہ لوگ ہیں جو ناواقفیت اور جہالت کے سبب دین کے معاملہ میں غلط راستہ پر پڑ گئے اور دین کی مقررہ حدود سے نکل کر افراط اور غلو میں مبتلا ہو گئے جیسے نصاریٰ کہ نبی کی تعظیم میں اتنے بڑھے کہ خدائی درجہ تک پہنچا دیا، الغرض غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن میں بندہ اپنے خدا سے درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ ہم وہ رستہ نہیں چاہتے جو اغراض نفسانی کے تابع بدعمل اور دین میں افراط کرنے والوں کا ہے اور نہ وہ راستہ چاہتے ہیں جو جاہل گمراہ اور دین میں غلو کرنے والوں کا ہے۔

الحاصل خلاصہ یہ کہ سورۂ فاتحہ جو اپنے مفہوم اور اندازِ بیان کے اعتبار سے بارگاہِ الٰہی میں بندہ کی ایک مناجات اور درخواست ہے جس میں پہلے بندہ اپنے آقا کے القاب و آداب یعنی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔ پھر اسکے بعد اپنا نیاز مندانہ بندگی اور عبدیت کا تعارف پیش کرتا ہے۔ پھر اسکے بعد اپنا دلی مقصد اور مدعا عرض کرتا ہے اسکے بعد اطاعت شعار اور خاصانِ خدا کے ساتھ اپنی دوستی اور محبت کا اظہار کر کے ان کے ساتھ اپنی وابستگی اور نامقبول و ناپسندیدہ اور اللہ کے باغی اور نافرمانوں سے اپنی بیزاری اور ان سے علیحدگی کا اعلان کرتا ہے۔

اس سورۃ کے ختم پر آمین کہنا مسنون ہے۔ آمین کے معنیٰ ہیں اے اللہ ایسا ہی کر، اے اللہ تو قبول فرما پس سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ جو ہم نے تجھ سے مانگا ہے وہی کر دے یعنی ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما، اور اہلِ انعام کے راستہ پر چلا اور اہلِ غضب اور اہلِ ضلال کے راستہ سے الگ رکھ لفظ آمین کے بارہ میں جملہ مفسرین اور تمام علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ آمین جزو قرآن ہے اور نہ جزو سورۂ فاتحہ ہے اسی لئے قرآن شریف میں اور سورۂ فاتحہ کے بعد آمین لکھی نہیں جاتی بلکہ جس طرح تمام دعاؤں کے بعد آمین کہنا مسنون ہے اور اجابتِ دعاء کے لحاظ سے ضروری ہے، اسی طرح سورۂ فاتحہ کے بعد بھی مسنون ہے۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ نماز میں آمین آہستہ کہنا بہتر ہے یا آواز سے۔ جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے کہ آہستہ کہنا بہتر ہے اور یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

اخیر میں مناسب معلوم ہوا کہ اس سورۂ مبارکہ سے متعلق چند مجربات جو بزرگان دین اور مشائخ طریقت

Marfat.com

سے منقول ہیں وہ حاجتمند حضرات کے لئے لکھ دیئے جائیں تاکہ اس سورت کی برکت سے اہل غرض فائدہ اٹھائیں

(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اپنی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں "اعمال مجربہ مشائخ میں مذکور ہے کہ سورۂ فاتحہ اسم اعظم ہے ہر مطلب کے واسطے۔ اور اس کا طریق یہ ہے کہ درمیان سنت فجر اور نماز فرض کے اکتالیس مرتبہ چالیس روز تک (اس طرح پڑھے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی میم کو اَلْحَمْدُ کے لام کے ساتھ ملائیں (یعنی اس طرح پڑھیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تاختم) جو مطلب کہ ہو حاصل ہو۔ اور اگر شفا مریض کی یا تندرست ہو جانا جادو کئے ہوئے کا منظور ہو پانی پر دم کر کے اس مریض کو پلا دیں (یعنی وہی ۴۱ مرتبہ روزانہ فجر کی سنت و فرض کے درمیان بطریق مذکور بالا پڑھ کر ۴۰ یوم پانی پر دم کر کے پلائیں) اور لکھنا اس سورت کا چینی کی پلیٹ یا پیالہ پر گلاب، مشک اور زعفران سے، اور دھو کر پلانا چالیس روز تک واسطے شفا بیماریوں کے مجرب ہے۔ اور درد سر اور درد شکم اور دوسرے دردوں کے اوپر پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے۔

(۲) حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ اپنی کتاب اعمال قرآنی میں لکھتے ہیں۔ درمیان سنت اور فرض فجر کے ۴۱ بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے درد جاتا رہتا ہے اور دوسرے امراض کے لئے بھی مفید اور مجرب ہے، اور بڑی شرط یہ ہے کہ عامل اور مریض دونوں خوش اعتقاد ہوں۔ اور لکھا ہے کہ

آخر شب میں ۴۱ بار سورہ فاتحہ پڑھنے سے بے مشقت روزی ملے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سورہ فاتحہ کا بیان یہاں ختم ہوا۔ اب آئندہ انشاء اللہ سورۂ بقرۂ کا بیان شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے

اللہ تبارک و تعالیٰ اس سورۂ فاتحہ کے انوار و برکات سے ہم سب کو نوازیں۔ اور اس سورت کے ذریعہ ہماری درخواست و دعاؤں کو اپنی بارگاہ میں قبولیت بخشیں، یا اللہ ہمیں اپنے مقبولین یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے نقش قدم پر چلنا نصیب فرما، اور ظاہراً و باطناً ان کا اتباع نصیب فرما۔ اور اپنے اطاعت گزار اور فرمانبردار بندوں میں تا زندگی شامل رکھنا اور گمراہ، باغی اور نامقبول و ناپسندیدہ نافرمانوں کے راستے سے ہم کو بچا کر اُن سے علیحدہ رکھنا یا اللہ اس سورت کی تلاوت میں ہم کو صدق نصیب فرما۔ اور اس کی برکت سے ہماری طاعت و بندگی کو قبول فرما۔ اور صراطِ مستقیم کی ہم کو ہدایت نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۷

اٰیٰتُھَا ۲۸۶	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ (۲) مَدَنِیَّۃٌ	رُکُوْعَاتُھَا ۴۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ②

الم — یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں — راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو

تفسیر و تشریح :- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہاں سے قرآنِ کریم کی دوسری سورۃ یعنی سورۂ بَقَرَہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس وقت اس سورۃ کی صرف ایک ابتدائی آیت تلاوت کی گئی ہے جس کی تشریح سے پہلے اس سورۃ کی وجہِ تسمیہ، خصوصیات و فضائل۔ مقامِ نزول خلاصہ مضامین، تعدادِ آیات و رکوعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

وجہِ تسمیہ :- بَقَرَہ کے معنی گائے یا بیل کے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ کے آٹھویں رکوع میں بنی اسرائیل کے زمانہ کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا اور جس کا مفصل قصہ اس سورت میں مذکور ہے اسلئے بطور علامت سورۃ کا نام بَقَرَہ مقرر ہوا۔

خصوصیات و فضائل :- یہ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورۃ ہے اور بہت سے احکام پر مشتمل ہے۔ صحیح احادیث میں سورۃ البقرہ کی بہت کچھ فضیلت ثابت ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کا ایک اعلیٰ حصہ ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کا اعلیٰ اور برتر حصہ سورۃ بَقَرَہ ہے۔ یوں تو قرآنِ کریم کی ساری سورتیں کلام اللہ ہونے کے لحاظ سے برابر و یکساں ہیں، البتہ مضامین کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت ہے۔ سورۃ بَقَرَہ میں چونکہ تمام بنیادی عقائد مثلاً توحید۔ رسالت، آخرت، جزا و سزا وغیرہ اور مرکزی اعمال مثل جہاد، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اور بعض اہم معاملات مثل نکاح۔ طلاق، عدت، قصاص، وصیت، رہن، قرض۔ سود وغیرہ تفصیل سے مذکور ہیں اس لئے اسے اس لحاظ سے باقی سورتوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سورۂ بَقَرَہ کو پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت و بدنصیبی ہے اور اہلِ باطل اس پر قابو نہیں پا سکتے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے اور حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ اس سورۃ میں ایک آیت ایسی ہے جو تمام آیاتِ قرآن میں افضل و اشرف ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ جس گھر میں سورۂ بَقَرَہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہو سکتا۔ مضامین اور مسائل و احکام کے

اعتبار سے سورۃ بقرہ کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے جب سورۂ بقرہ کو تفسیر کے ساتھ پڑھا اور اس کا علم حاصل کیا تو اس کی تعلیم میں بارہ سال خرچ ہوئے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سورۃ آٹھ سال میں پڑھی۔ اسی سے علم تفسیر کی بھی اہمیت اور فضیلت سمجھ لی جائے۔

مقام نزول اور شان نزول :۔ مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے اس سورت کا نزول شروع ہوا اور مختلف اوقات میں مختلف آیتیں نازل ہوتی رہیں۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں یہود کا دور دورہ تھا۔ یہود میں بڑے بڑے سرمایہ دار اور بڑے بڑے عالم موجود تھے۔ جب اسلام مدینہ میں پہنچا اور اس کی روشنی نے سعید روحوں کو منور کرنا شروع کیا تو یہود اہلِ کتاب کو یہ امر نہایت شاق گزرا کیونکہ اس سے اُن کی وجاہت اور وقعت اور مالی منافع میں کمی واقع ہوئی اس لئے پیشوایانِ یہود مع اپنے متبعین کے اسلام اور مسلمانوں کے سخت خلاف اور دشمن ہو گئے اور دشمنانِ اسلام کے دو گروہ مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں تھے۔ ایک تو وہ تھے جو کھلم کھلا مسلمانوں کے مخالف تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے منکر تھے اور توحید و رسالت کے ماننے والے نہ تھے۔ دوسرا گروہ منافقوں کا تھا جو بظاہر مدعیانِ اسلام تھے مگر باطن میں اسلام دشمن اور سخت مخالف اسلام تھے اس لئے مسلم آزاری کے موقعوں کے تلاش میں رہتے اور سیدھے سادے اہلِ اسلام کے دِلوں میں بھی شکوک و شبہات ڈالنے کی کوشش کرتے اور در پردہ یہود سے ملے رہتے، اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے ضرر کو دفع کرنے اور شکوک و شبہات کی اصلاح کے لئے یہ سورۃ نازل فرمانی شروع کی۔ یہود کا ایک پیشوا مالک بن صیف مسلمانوں کے دِلوں میں بہت زیادہ شکوک ڈالا کرتا تھا اور کہتا کہ یہ کتاب وہ نہیں ہے جس کی خبر گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے اُس کے شک کو رفع کیا پھر چار آیات مسلمانوں کی مدح اور صفات میں اور دو آیات کافروں کی مذمت میں اور تیرہ آیات منافقوں کے احوال میں نازل فرمائیں۔

موجودہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے یہ قرآنِ پاک کی دوسری سورۃ ہے مگر بحساب نزول اس کا شمار ۹۱ ہے یعنی نوّے سورتیں اس سے قبل مکہ میں نازل ہو چکی تھیں اور ۲۳ سورتیں اسکے بعد مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اس سورۃ میں ۲۸۶ آیات ۴۰ رکوعات۔ ۶۲۱۲ کلمات اور ۲۶۷۹۲ حروف ہونا بیان کئے گئے ہیں۔

خلاصہ مضامین :۔ حقیقت میں تو اس سورت کا مرکزی مضمون وہی دعوتِ توحید ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام کتب سابقہ کی تعلیم و تبلیغ کا ماحصل اور ان کی دعوت کا مرکزی نکتہ تھا۔ باقی تمام مضامین میں اسی کے لوازمات اور متممات ہیں۔ اس طرح خاص مضامین اس سورۃ کے توحید[۱]۔ رسالت[۲]۔ جہاد فی سبیل اللہ[۳]۔ انفاق[۴] فی سبیل اللہ ہیں اور ساتھ ساتھ بعض اہم معاملات کے متعلق احکامات کا بیان ہے۔ مختصراً پوری سورت کے مضامین کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے :۔

Marfat.com

(۱) سب سے پہلے اس سورۃ میں یہ بتلایا گیا کہ قرآن کریم کے کتابِ الٰہی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن قرآن کریم ان ہی لوگوں کے لئے باعثِ ہدایت ہے جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو۔ پھر بتایا گیا کہ قرآن سن کر دنیا میں تین قسم کے لوگ پیدا ہوں گے۔ اوّل مومن جو اس کو سُنکر اس پر تہ دِل سے ایمان لائیں گے۔ دوسرے کافر جو اس کے مخالف ہوں گے اور اس کے ماننے سے انکار کریں گے۔ اور تیسرے منافق جو ظاہری طور پر تو اس کے ماننے والے ہوں گے مگر باطناً دِل سے مُنکر ہوں گے۔ اس کے بعد تمام بنی نوع انسان کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دی گئی اور تمام انسانوں کو اللہ کی عبادت و بندگی کا حکم دیا گیا اور قرآنِ کریم کی حقانیت و سچائی کو ثابت کیا گیا۔

(۲) اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور آپ کے خلافتِ ارضی کے مستحق ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔ اسی ضمن میں شیطان ابلیس کی نافرمانی اور اس کا حضرت آدم اور ان کی بیوی حضرت حوّا علیہما السلام کو بہکانا اور پھر اللہ کے حکم سے جنت سے اُتر کر زمین پر آنا۔ پھر حضرت آدمؑ کی معذرت اور ان کی قبولیت توبہ کا ذکر کیا گیا۔

(۳) پھر بنی اسرائیل کو خطاب کر کے ان کے حالات سبق آموز طریقہ سے بیان کئے گئے کہ اس قوم پر اللہ کے کیسے کچھ انعامات ہوئے لیکن انہوں نے بجائے شکر گذاری کے ناشکری اور سرکشی کی کیسی کیسی حرکتیں کیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کے کئی اہم واقعات بیان فرمائے گئے مثلاً اُن کے عہد و پیمان۔ کوہ طور پر جلوہ خداوندی۔ سبت یعنی سنیچر کے دِن کا واقعہ۔ گائے کا واقعہ۔ قتل انبیاء کے حالات۔ سحر اور جادو کی ناپاک کوششیں۔ انبیاء کی توہین اور یہود کے غلط عقاید کی تردید کا بیان ہوا۔

(۴) پھر حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا کہ اُنہوں نے اللہ کی عبادت کے لئے کس طرح خانہ کعبہ کی تعمیر کی، اور اللہ تعالیٰ سے کیا دُعائیں مانگیں پھر مدینہ منورہ میں اہلِ اسلام کے تحویل قبلہ کی بیتُ المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا اور اس کی مصلحت بتلائی گئی اور اہل اسلام کو نماز اور صبر سے مدد لینے کی تلقین فرمائی گئی اور آزمائشوں میں دین پر مضبوطی کے ساتھ رہنے کی ہدایت فرمائی گئی۔

(۵) پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات بیان فرما کر خدا کے وحدانیت کے دلائل بیان کئے گئے اور مشرکین کے شرک کا رد فرمایا گیا اور شرک سے اجتناب کا حکم دیا گیا پھر حلال و حرام سے متعلق بعض احکام کا ذکر فرمایا گیا۔ پھر بتلایا گیا کہ حقیقی نیکی کیا ہے۔ اس کے بعد قصاص یعنی قتل کا بدلہ۔ میراث۔ روزہ۔ دُعا۔ حج۔ جہاد۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے فضائل و مسائل و احکام مذکور ہوئے۔

(۶) پھر معاشرتی اور خاندانی زندگی کے مسائل یعنی نکاح۔ حیض و نفاس۔ طلاق و عدت۔ نکاح ثانی۔ بچوں کی تربیت اور حق مہر وغیرہ کے احکام ذکر فرمائے گئے ہیں۔

Marfat.com

(۷) پھر جہاد کا بیان ہے اور مثال میں حضرت طالوت اور جالوت کے مقابلہ کا ذکر ہے۔ اسی ضمن میں بتلایا گیا کہ فتح و شکست، سامان جنگ اور لشکروں کی کمی زیادتی پر منحصر نہیں بلکہ اللہ کی مشیت اور حکم سے چھوٹی فوجیں بڑے لشکروں پر غالب آجایا کرتی ہیں۔

(۸) پھر اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات کا ذکر فرما کر بتلایا گیا کہ دین میں کوئی زبردستی اور جبر و اکراہ نہیں

(۹) اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے چند سبق آموز واقعات مذکور ہیں پھر سورۃ کے خاتمہ کے قریب انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت۔ صدقہ اور خیرات کی ترغیب اور اس کا اجر اور پھر سود اور گواہی سے متعلق بعض احکام اور لین دین سے متعلق بعض مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۰) سورۃ کے اخیر میں ایمان و اسلام کا خلاصہ اور ایک جامع دعا بیان فرمائی گئی ہے اس طرح پورے چالیس رکوع یعنی قریب ڈھائی پارہ میں اس سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔

یہ خلاصہ صرف مضامین کا ایک تصور دلانے کے لئے عرض کیا گیا ہے جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ درسوں میں سامنے آئیں گی۔

ربط: - سورۃ بقرۃ کی تفسیر اور تشریح کرنے سے پہلے عموماً تمام مفسرین نے قرآن کریم کی ابتدائی سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرۃ کے درمیان جو ربط ہے اس کو بیان فرمایا ہے اور اپنے اپنے انداز میں عجیب عجیب نکاتِ ربط بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی دو عام فہم اور مشہور ربط جو سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے درمیان ہیں مختصراً بیان کئے جاتے ہیں:-

(۱) سورۃ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے راہِ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی سورۃ بقرہ کی ابتداء میں اس کی منظوری آگئی کہ لو یہ کتاب سرچشمہ ہدایت ہے اور سیدھی راہ دکھاتی ہے اور پھر سورۃ بقرہ میں ہدایت کا جامع و مکمل پروگرام بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) سورۃ بقرہ میں ان تمام مضامین کی تشریح ہے، جو سورۃ فاتحہ میں بیان کئے گئے تھے، چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی شرح سورۃ بقرۃ کے شروع کے تین رکوع میں کردی گئی اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، پھل، پھول، میوہ، اناج اور تمام ان چیزوں کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے جس سے تمام عالم کی تربیت ہوتی ہے۔ پھر بنی اسرائیل کو بزرگی عطا کرنا۔ ان کو طرح طرح کی نعمتیں مرحمت کرنا۔ کعبہ کو حرمت و عزت بخشنا۔ مکہ کے باشندوں کے لئے رزق رسانی کا وعدہ وغیرہ یہ سب تربیت عالم کے انواع مظاہر ہیں۔ پھر مَنّ و سلویٰ بنی اسرائیل کو عطا کرنا۔ ابر کا سایہ کرنا۔ سلطنت زائلہ کا واپس ملنا۔ فرعون سے نجات حاصل ہونا یہ سب اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی شرح ہے، پھر گائے کو ذبح کرکے اسکے گوشت سے مقتول کا زندہ ہوجانا اور اپنے قاتل کا نام بتانا، بنی اسرائیل کی سرتابیوں پر ان کو طرح طرح کی سزائیں دینا، کفار و منافقین کا جہنم میں جانا یہ سب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی توضیح ہے۔ پھر سورۃ بقرہ میں فرائض دینی کے ادا کرنے کا حکم۔

تسبیح، تکبیر و تہلیل کے مسائل۔ شرک و بت پرستی کی ممانعت۔ محبت الٰہی کی تعلیم وغیرہ یہ سب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر ہے، پھر قرآن کا متقیوں کے لئے ہدایت ہونا۔ اخلاق و فضائل کی وضاحت احکام نکاح، طلاق وغیرہ اور صلہ رحمی۔ والدین کی اطاعت اور اقارب و اجانب کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم سب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفصیل ہے۔ پھر حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، یعقوب و دیگر انبیاء علیہم السلام کے اقوال و احوال اور ان پر انعام الٰہی ہونا سب صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تشریح ہے اور فرعون کا غرق ہونا۔ نمرود کا حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں ناکام و تباہ ہونا، اور یہود پر مصائب نازل ہونا سب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کی توضیح ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن مضامین کا بیان سورۂ فاتحہ میں اجمالاً تھا اس کی تفصیل اس سورۂ بقرہ میں کر دی گئی۔

اب اس تمہیدی مضمون کے بعد سورۃ کی ابتدائی آیت کی تشریح سنیئے۔ اس سورۂ بقرہ کی ابتدا الٓمّٓ سے ہوئی ہے۔ اس قسم کے حروف جو قرآن مجید کی ۲۹ سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں ان کو حروف مُقَطَّعَاتُ کہتے ہیں۔ کیونکہ ان میں کا ہر حرف جدا جدا پڑھا جاتا ہے۔ ان حروف مقطعات میں سے الٓمّٓ اس سورۂ بقرہ کے علاوہ پانچ اور سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں: بحذفِ مکرر ان حروفِ مقطعات کی تعداد جو تمام کلام پاک میں سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں ۱۴ رہ جاتی ہے جو یہ ہیں:۔

(۱) الٓمّٓ (۲) الٓمّٓصٓ (۳) الٓرٰ (۴) الٓمّٓرٰ (۵) كٓهٰيٰعٓصٓ (۶) طٰهٰ (۷) طٰسٓمّٓ (۸) طٰسٓ (۹) يٰسٓ (۱۰) صٓ (۱۱) حٰمٓ (۱۲) حٰمٓعٓسٓقٓ (۱۳) قٓ (۱۴) نٓ

اِن حروف مُقَطَّعَات کے کیا معنی اور کیا مطلب ہیں؟ اس باب میں علمائے مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:۔ (۱) بعض مفسرین ان حروف مُقَطَّعَات کو اُن ہی سورتوں کے نام مانتے ہیں، جن کے شروع میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

(۲) بعض علمائے مفسرین ان کو اسمائے الٰہیہ کہتے ہیں، جن کو تبرکاً شروع میں لایا گیا ہے۔

(۳) بعض اہل علم کے نزدیک یہ اسمائے الٰہیہ کے اجزاء ہیں۔

(۴) کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے اسماء ہیں۔

(۵) بعض مفسرین کے نزدیک یہ حروف مُتَشَابِهَاتُ میں سے ہیں اور ان کے حقیقی معنی اور مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

(۶) بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ حروف مقطعات رازِ اور بھید ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو بوجہ مصلحت و حکمت دوسروں پر ظاہر نہیں کیا گیا۔

(۷) بعض علماء کا خیال ہے کہ حروف مقطعات اصل میں طویل عبارتوں کے مخففات ہیں اور کلام عرب میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ قرآن حکیم چونکہ انہی کی زبان میں نازل ہوا اس لئے قرآن میں ان کو استعمال کیا تاکہ عربی زبان کی کوئی خوبی یا کوئی شق ایسی نہ رہے جو استعمال نہ کر لی جائے، ہر زبان میں کچھ مخصوص حروف

Marfat.com

ہوتے ہیں جو خاص معنی اور مفہوم کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اور جن کو خاص خاص لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جن کو انگریزی میں کوڈ ورڈس (CODE WORDS) کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ قرآنی حروف مقطعات ہیں جن کا مفہوم اور جن کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے مطلب نہ بتلانے سے ضروریاتِ دین میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اسلئے آپ نے کچھ صراحت نہیں فرمائی البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارات و کنایات سے مفہوم اخذ کر کے بعض مفسرین کرام اور علمائے عظام نے اسکے مطلب اپنی سمجھ کے مطابق بیان کئے ہیں جو تفسیروں میں اپنے اپنے مقام پر درج ہیں مگر خلفائے راشدین جمہور صحابہ و تابعین اور اکثر علمائے اُمت کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ یہ حروف رموز اور اسرار ہیں جس کا علم خدائے تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا۔ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم بطور ایک راز کے دیا گیا ہو۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حروف کی تفسیر و تشریح میں صراحتہً کچھ منقول نہیں۔ الغرض ان حروف کے متعلق یہی عقیدہ رکھے کہ یہ کلام الٰہی ہے اور یہ اللہ تعالےٰ کے اسرار ہیں۔ ہمیں ان پر ایمان لانا چاہیئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور جس طرح آئے ہیں ان کی تلاوت کرنا چاہیئے اور ان کے معنیٰ کی تفتیش میں نہ پڑنا چاہیئے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ۔

ترمذی کی ایک حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتابِ الٰہی سے ایک حرف پڑھا اس کے واسطے ایک نیکی ہے اور اس نیکی کا ثواب دس گنا ہے، اور میری مراد یہ نہیں ہے کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔

اب سورۃ کی ابتدائی آیت ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ کی تفسیر سنیئے بلفظی ترجمہ اس آیت کا یہ ہے "یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو"۔ جیسا کہ اُوپر شانِ نزول کے سلسلہ میں عرض کیا گیا یہ پہلی سورت ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ میں نازل ہونی شروع ہوئی۔ کسی زمانہ میں یہود اپنی کتابوں کی بشارت و پیشینگوئی کے مطابق مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں آکر آباد ہو گئے تھے نبیٔ آخرالزماں کے انتظار میں۔ یہاں انہی کو خطاب ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جن کی خبر گذشتہ انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں۔ پھر یہود مدینہ میں سے مالک بن ضیف یہودی مسلمانوں کے دل میں شک ڈالتا تھا کہ یہ وہ کتاب نہیں، کہ جس کی خبر اگلی کتابوں میں دی گئی ہے اس شک کے رفع کرنے کو بھی یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ یہ وہی کتاب ہے کہ جس کی خبر پہلی کتابوں میں دی گئی ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں وہ علمائے یہود جو حقیقت میں اپنی کتابوں کے سچے عالم تھے وہ قرآن کو سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور جو بغض و عناد اور دُنیا کی لالچ میں گرفتار تھے وہ اس سعادت سے محروم رہے۔ تو یہاں قرآن کریم کے متعلق بتلایا گیا کہ اس کی حقانیت میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ خصوصیت قرآن کریم ہی کی ہے کہ اس کے تمام مضامین عقلِ سلیم کے مطابق اور سب کے سب یقینی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس کتاب

Marfat.com

کے مضامین اور مطالب اس درجہ قطعی اور یقینی ہوں کہ اس میں کہیں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو تو اس کتاب کے کتابِ الٰہی ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ جو شخص بھی خواہشاتِ نفسانی اور اتباعِ شیطانی کا خیال ترک کر کے خالص دل سے طالبِ حق بن کر اس کلام میں غور کرے گا اور جذباتِ صادقہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کریگا تو وہ ضرور سمجھ لے گا کہ اس کتاب کے حق اور الہامی اور منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، یوں اپنی کم فہمی اور کج فہمی سے کوئی شبہات و اعتراضات کرے تو یہ سمجھنے والے کی خود اپنی کم فہمی ہے اور اس کے باوجود یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کتاب میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ آگے اس کتاب کی ایک صفت بتلائی گئی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ یہ کتاب ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ متقی اس کو کہتے ہیں جس میں تقویٰ ہو۔ اب تقویٰ کے معنیٰ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں تقویٰ کے لغوی معنیٰ مراد ہیں یعنی ڈرنا۔ بچنا، خوف کھانا۔ اس طرح هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے معنیٰ ہوتے کہ یہ کتاب خدا سے ڈرنے والوں کے لئے مشعلِ ہدایت ہے یعنی اس قانونِ عام اور ہدایت تام سے فائدہ اُٹھانے والے صرف وہ لوگ ہوں گے جن کے دِلوں میں خوفِ خدا موجود ہو۔ گو یہ کتاب تو ساری دُنیا کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے لیکن عملاً اس سے نفع وہی حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی طلب اور جستجو ہے اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ ساری دُنیا کو روشن کرنے والا ہے لیکن جو اندھا ہو اور جس کی بصارت ضائع ہو چکی ہو اسکے لئے سورج کی روشنی بیکار ہے۔ ایسے ہی اگر زمین بنجر اور مُردہ ہے تو بڑی سے بڑی فیضیاب کرنے والی بارش اس زمین کے حق میں بے اثر ہے، ایسے ہی عمدہ سے عمدہ اور بہتر سے بہتر غذا ہیضہ کے مریض کے لئے لاحاصل بلکہ مضر ہے۔ اسی طرح قرآن کریم سے فائدہ اور ہدایت لینے کے لئے دل میں خوفِ خداوندی کا ہونا اوّلین شرط ہے۔ جس کے دِل میں خدا کا خوف ہی نہ ہو وہ اس کے قانون کا کیا احترام کرے گا اور وہ قانون گو فِیْ نَفْسِہٖ کیسا ہی مفید ہو مگر ایسے شخص کے لئے کیا مفید ہوگا۔ اس کی دنیاوی مثال بالکل یُوں سمجھئے کہ ایک شخص جو حاکم یا بادشاہ سے نہیں ڈرتا وہ حاکم کے حکم اور قانون کا کیا احترام کرے گا اور وہ قانون اس کے لئے کیا مفید ہوگا۔ بس ایسے مُجرم کی آنکھ تو جبھی کھلتی ہے جب وہ پکڑا جاتا ہے اور جیل کی کوٹھڑی میں بند رکھا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے تقویٰ کے اصطلاحی اور شریعت میں عرفی معنیٰ لیتے ہوئے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اصطلاح میں تقویٰ نفس کو ان چیزوں سے بچانے کو کہتے ہیں جو آخرت کے لحاظ سے ضرر رساں ہوں، اب یہ چیزیں خواہ از قسمِ عقائد ہوں یا اعمال و افعال و اقوال و احوال ہوں۔ اب چونکہ ضرر کے درجات مختلف ہیں اسی لحاظ سے تقویٰ کے درجات بھی مختلف ہیں۔

پہلا اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کفر و شرک سے بچ کر اسلام میں داخل ہو اور اس عذاب دائمی سے اپنے کو بچا لے۔ حضرت مُعاذ بن جبل رضؓ فرماتے ہیں متقی وہ قوم ہے جو شرک و بُت پرستی سے بچتی ہے اور

خالص خدا ہی کی عبادت کرتی ہے۔

دوسرا اور درمیانی درجہ یہ ہے کہ ہر طرح کے گناہ اور معصیت سے بچنا۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اور خواہ ظاہری ہو یا باطنی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت اُبَیّ بن کعبؓ سے تقویٰ کے متعلق دریافت کیا تو یہ جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ کبھی کانٹوں سے بھرے ہوئے راستہ سے بھی گذرے ہیں۔ فرمایا کیوں نہیں، حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے دریافت کیا کہ پھر آپ نے اس وقت کیا کیا، فرمایا کہ میں نے دامن چڑھائے بچا بچا کر قدم رکھے اور کانٹوں سے بچنے کے لئے اپنی جدوجہد کو خرچ کر ڈالا۔ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے کہا کہ امیر المؤمنین بس یہی تقویٰ ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈر کر اس کی معصیت اور نافرمانی سے بچنے کے لئے اپنی پوری ہمت اور کوشش کو خرچ کر دینے کا نام تقویٰ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی ذلت یا نقصان سے ڈر کر معصیت کو چھوڑا تو وہ تقویٰ نہیں۔ صرف خدا کے ڈر سے گناہ چھوڑ دینے کا نام تقویٰ ہے۔

تیسرا اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مشتبہات اور مشکوکات سے بھی اپنے کو بچائے اور ایسی مباح اور حلال چیزوں سے بھی کنارہ کش ہو جائے جو معرفتِ الٰہی سے حجاب ہونے کا ذریعہ ہو سکتی ہوں یعنی باطن کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھا جائے کہ جو ماسوی اللہ میں مشغول کرے۔ یہ درجہ تقویٰ کا حقیقی اور کامل درجہ ہے اور اس مرتبہ کے متقی انبیاء مرسلین اور اولیاء کاملین ہوتے ہیں۔ تو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ میں عُرفی تقویٰ کے یہ تین درجات و مراتب بھی مراد ہو سکتے ہیں اس طرح آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ یہ کتابِ الٰہی کافروں کو توحید کا راستہ دکھلانے والی، فاسقوں اور گناہگاروں کو صغائر و کبائر سے بچنے کی ہدایت کرنے والی اور صالحین کو اولیاء اور صدیقین کے مراتب تک پہنچنے کا طریقہ دکھانے والی ہے۔ تو خلاصہ یہ کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے کہ جس میں ایک سمجھدار اور فہیم شخص اگر غور کرے تو اس کو قرآن کی صداقت، حقانیت اور ہادی ہونے میں شک نہیں ہو سکتا اور اسکے اندر ہر طبقہ کے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے لیکن شرط طلب صادق اور خوفِ خداوندی کا دل میں ہونا ہے۔ اب چونکہ یہاں متقین کا ذکر ہوا تھا اسلئے اگلی آیات میں متقین کی صفات بیان فرمائی جاتی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس قرآن کریم پر ایمان کے ساتھ یقین کامل عطا فرمائیں۔ اور اس کا ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے متقین بندوں میں شامل فرمائیں اور قرآن پاک کے انوارِ ہدایت سے ہمارے دلوں کو منور اور روشن فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے خوف و خشیت کا وہ درجہ عطا فرمائیں کہ جو ہر طرح کی چھوٹی بڑی ظاہری اور باطنی نافرمانی سے ہم کو روک دے اور اللہ تعالیٰ کا کامل فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھے اور اسی پر موت نصیب ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۸

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے

يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ

پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ بس یہ لوگ ہیں

عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے۔ اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب

تفسیر و تشریح: ۔گذشتہ ابتدائی آیت میں بتلایا گیا تھا کہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کے منجانب اللہ ہونے اور اس کے مضامین کی صحت و واقعیت میں کچھ شک و شبہ نہیں اور یہ ہدایت دینے والی ہے اور راہِ حق بتلانے والی ہے متقین کو یعنی خدا سے ڈرنے والوں کو۔ اب آگے اس ہدایت کو قبول کرنے یا اس کو رد کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسموں کا بیان فرمایا جاتا ہے۔ پہلی قسم یا جماعت مؤمنین کی ہے جنہوں نے دعوت حق کو ظاہراً و باطناً دل و جان سے قبول کیا۔ دوسری جماعت کفار و منکرین کی ہے کہ جنہوں نے دعوت حق کو نہ دل سے مانا نہ زبان سے۔ اور تیسری جماعت منافقین کی ہے کہ جنہوں نے ظاہری طور پر تو اسلام قبول کیا مگر باطن میں کافر ہی رہے۔ زبان سے تو اسلام کا اقرار کیا مگر دل سے منکر رہے۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے اس قسم یا جماعت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان کی بعض صفات و علامات اور ان کے جزا و انجام کا بیان فرمایا جاتا ہے جو ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنے والے ہیں اور دل و زبان سے اسلام اور ایمان کا اقرار کرنے والے ہیں۔ ان کے بعد دوسری جماعت کا یعنی کفار کا، اور ان کے بعد تیسری جماعت یعنی منافقین کا اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کی پانچ صفات یہاں بیان فرمائی گئی ہیں:۔

پہلی صفت فرمائی يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ لغت میں ایمان کے معنی تسلیم اور تصدیق کرنے کے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں ایمان اس کو کہتے ہیں کہ جو خبر یا بات اللہ کا نبی اللہ کی طرف سے لے کر آئے اس کو نبی کی سچائی کے اعتماد اور بھروسہ پر دل سے قبول کرنا اور اس کی تصدیق کرنا اور

زبان سے اس کا اقرار کرنا یہ تو ایمان ہے اور اس کی ضد انکار و کفر ہے یعنی دین کی کسی ایسی ایک بات یا خبر کو نہ ماننا اور انکار کرنا کفر ہے - امام غزالیؒ نے بھی ایمان کی یہی تعریف فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی بھی تکذیب کر دینے کا نام کفر ہے اور تمام امور میں آپ کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے، یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ایمان کے لئے فقط ایک دو امر کی تصدیق کافی نہیں بلکہ تمام امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے، ہاں کفر میں تمام امور کی تکذیب و انکار ضروری نہیں ایک شے میں بھی رسول کی تکذیب و انکار کفر ہے - اور غیب سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا ادراک انسانی عقل اور حواس خمسہ سے ناممکن ہے اور جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات - ملائکہ - انبیاء متقدمین اور کتب سابقین، احوال برزخ، علاماتِ قیامت - احوالِ آخرت - حشر - نشر - صراط و میزان، جنت و جہنم وغیرہ وغیرہ تو یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ ان تمام امور کو جو ان کی عقل و فہم اور حس و ادراک سے باہر ہیں محض پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر اور اطلاع پر اُن امور کو سچا مانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں

الغرض اسلام میں ایمان بالغیب ہی کی فضیلت ہے اور یہی مطلوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ نزع کے وقت جب کہ مرنے والے کو اُس عالم کی غائب چیزیں مثل ملائکہ، عذاب و ثواب اور آثار جنت و جہنم دکھائی دینے لگیں تو پھر ایمان قبول نہیں - کیونکہ اس وقت ایمان بالغیب نہ ہوا اور اس وقت کے ایمان لانے کو ایمانِ یاس کہتے ہیں جو مقبول نہیں - اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام آئندہ آنے والوں کے ایمان کی زیادہ قدر دانی کرتے تھے چنانچہ کتب احادیث مُسْنَدْ احمد وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک روز حارث بن قیس نے جماعتِ صحابہؓ میں بیان کیا کہ اے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نہایت افسوس و حسرت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے - ہائے اُس دولت سے محروم رہ گئے - حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا یہ صحیح ہے مگر ایک نعمت سے ہم محروم رہ گئے - وہ تم کو نصیب ہے، وہ یہ کہ تم بے دیکھے غائبانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے - خدا تعالیٰ کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دیکھ لیا - اس کے نزدیک آپ کی نبوت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی - ایمان تمہارا ہے کہ بغیر دیکھے ایمان لائے -

طبرانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ سفر میں صبح کے وقت ایک بار قافلہ میں وضو کو پانی نہ تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش کروایا تو ایک ہمراہی کے پاس صرف ایک آبخورہ پانی کا نکلا - آپؐ نے اُس میں اپنی اُنگلیاں ڈال دیں تو وہ آبخورہ فوارہ کی طرح جوش مارنے لگا - حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اعلان کر دو سب آ کر وضو کر لیں سینکڑوں صحابہ نے وضو کیا اور خوب پیٹ بھر کر پانی پیا - جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمام مخلوقات میں سے کس کا ایمان عجیب تر ہے - صحابہ نے کہا ملائکہ کا - آپؐ نے فرمایا کہ ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے - وہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہیں - اسکے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، وہ کیونکر

Marfat.com

ایمان نہ لاتے۔ صحابہؓ نے پھر عرض کیا کہ آپ کے صحابہ کا۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے صحابہ صدہا معجزات دیکھتے ہیں اُن کے ایمان میں کیا تعجب ہے۔ عجب ان کا ایمان ہوگا جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور سیاہ کاغذ دیکھ کر مجھ پر صدق دِل سے ایمان لاویں گے۔

اَبُوْ دَاوٗد میں روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور کہا اے ابو عبدالرحمٰن آپ نے ان آنکھوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہاں، پھر اس نے کہا آپ نے اپنے ہاتھوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی ہے؟ اُنہوں نے کہا ہاں۔ یہ سُن کر وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں زار زار رونے لگا اور ایک حالتِ وجد اس کو پیدا ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میں تجھ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی وہ یہ کہ آپ نے فرمایا ہے خوشحالی ہے اس کو کہ جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لایا تو ان آثار و روایات سے معلوم ہوا کہ ایمان بالغیب کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اسی لئے سب سے پہلے متقین کی صفات میں سے پہلی صفت یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ فرمائی جو عقیدہ سے تعلق رکھتی ہے۔

دوسری صفت فرمائی یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ یہاں یہ قابلِ غور ہے کہ نماز کا پڑھنا یا نماز کا ادا کرنا نہیں فرمایا بلکہ نماز کا قائم رکھنا فرمایا۔ نماز کے قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو اس کے تمام فرائض و واجبات سنن و مستحبات اور حقوق اور ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا۔ نماز بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے اور نماز کی ایک تو ظاہری صورت ہوتی ہے۔ اور ایک باطنی حقیقت ہوتی ہے۔ ظاہری صورت تو یہ ہے کہ شرعی طریقہ کے موافق نمازی کا بدن اس کے کپڑے اور نماز پڑھنے کی جگہ پاک ہو اور نماز کو اس کے تمام ظاہری ارکان یعنی قیام۔ رکوع و سجود، جلسہ وغیرہ شرعی آداب و احکام کے ساتھ ادا کیا جائے اور نماز کی باطنی صورت یہ ہے کہ نماز کو فریضۂ خداوندی سمجھ کر محض رضائے الٰہی کی خاطر پورے حضور و اخلاص اور خشوع و خضوع اور سکونِ قلب کے ساتھ ادا کیا جائے۔ خیالاتِ فاسدہ اور وساوس شیطانیہ سے دِل کو خالی اور پاک رکھا جائے۔ گویا نماز کو تمام ظاہری و باطنی حقوق کے ساتھ ادا کرنے کا نام اِقَامَتِ صلوٰۃ ہے۔ ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز ایسی بڑی دولت ہے کہ اس کی قدر وہی کرسکتا ہے جس کو اللہ جل شانہٗ نے اس کا مزہ چکھا دیا ہو۔ اسی دولت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اس میں فرمائی۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُنیا سے ظاہری پردہ فرمانے کے وقت بھی خاص طور پر نماز کی وصیت فرمائی اور اسکے اہتمام کی تاکید فرمائی۔

متقین کی تیسری صفت فرمائی وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں لغت عرب میں رِزْق کا لفظ بڑے وسیع معنیٰ رکھتا ہے اور اس کے اندر ہر قسم کی

Marfat.com

نعمتیں آجاتی ہیں خواہ ظاہری و مادی ہوں جیسے مال و اولاد، دولت و ثروت، قوت و صحت وغیرہ یا باطنی و روحانی ہوں جیسے علم و ہنر، عقل و حکمت، فہم و فراست وغیرہ۔ لہٰذا اپنے مال و دولت، قوت صحت کے ذریعہ دوسروں کی مدد کرنا یا علم و حکمت سکھانا، یا مفید و مخلصانہ مشورہ سے تعاون کرنا۔ یا باطنی و روحانی فیض پہنچانا یہ سب اس آیت کے تحت داخل ہیں۔ پھر مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ (اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے) فرما کر ہر رزق کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کر کے بتا دیا کہ جو نعمت جتنی اور جس قسم کی بھی انسان کو ملی ہے حقیقت میں وہ سب اللہ ہی کی عطا کردہ ہے اور جو کچھ مال و دولت انسان کے پاس ہے یہ سب خدا کا ہی دیا ہوا ہے اور اس کی امانت ہے تو انسان اگر خرچ بھی کرتا ہے تو اس کی اپنی کوئی چیز نہیں ہوتی بلکہ حقیقتاً وہ اللہ کی راہ میں، اللہ کی رضا کے لئے اللہ ہی کے عطا کئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتا ہے۔ پھر مِمَّا فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ ہمارے دیئے ہوئے مال کو بھی سب کا سب اور پورے کا پورا خرچ کرنا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ خرچ کرنا ہے۔ اب جہاں تک مال کے خرچ کرنے کا تعلق ہے۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے لئے خرچ کرنے کی سات قسمیں ہیں:۔

(۱) زکوٰۃ مفروضہ کا ادا کرنا۔ خواہ وہ سونا چاندی حد نصاب تک ہونے کی وجہ سے فرض ہو یا مویشی یا مالِ تجارت یا زمین عشری کی وجہ سے فرض ہو۔

(۲) صدقۂ فطر ادا کرنا جس کے اوپر شرعاً واجب ہو۔

(۳) خیرات و صدقات جیسے فقراء و مساکین کو دینا اور اعانت ضعیفوں، محتاجوں اور یتیموں کی اور قرضداروں کو قرض دینا اور مہمانوں کی مہمانداری کرنا۔

(۴) اوقاف لِلّٰہ پر خرچ کرنا جیسے مسجد اور مدرسوں کا بنانا، ان کو قائم رکھنا اور ان سے متعلقات پر خرچ کرنا۔ کنواں رفاہِ عام کے لئے کھدوانا، مسافرخانہ اور مہمان سرائے بنوانا۔

(۵) مصارفِ حج خواہ اپنے واسطے یا دوسرے کے واسطے۔

(۶) مصارفِ جہاد۔

(۷) مصارف نفقاتِ واجبہ جیسے نفقہ عیال۔ نفقہ زوجہ، نفقہ محارم۔

الغرض متقین کی تیسری صفت یہ بیان ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو بھی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس میں سے وہ اللہ کے لئے اللہ کے دین پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ تو۔ یہاں ان آیات میں سب سے پہلے حق تعالیٰ نے ایمان کا ذکر فرمایا جو تمام نیکیوں، عبادتوں اور اعمالِ صالحہ کی جڑ ہے۔ پھر نماز کا ذکر فرمایا جو عبادات بدنیہ میں سب سے افضل ہے۔ پھر عباداتِ مالیہ، زکوٰۃ و صدقاتِ نافلہ کا ذکر فرمایا۔

آگے متقین کی چوتھی صفت فرمائی وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے۔ اور ان کتابوں

Marfat.com

پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری جا چکی ہیں - اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے - ایک تو اس کتاب پر ایمان رکھنے کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یعنی قرآنِ کریم ، اور دوسرے ان کتابوں پر ایمان رکھنے کا ، جو پہلے انبیاء علیہم السلام پر اُتریں - آج بھی ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے ساتھ دوسرے سابق انبیاء کرام کی کتابوں پر بھی ایمان رکھے اور اس کے مطلب یہ ہیں کہ گذشتہ تمام آسمانی کتابوں کو اللہ کی طرف سے بھیجا مانا جائے اور انہیں سچا سمجھا جائے جب تک وہ غیر محرف رہیں کیونکہ رد و بدل اور تحریف ہونے کے بعد تو وہ دراصل کلام الٰہی ہی نہیں رہیں - اور اپنے اپنے زمانہ کے لئے واجب العمل مانا جائے مگر اب ان پر عمل کرنا واجب نہیں کیونکہ قرآن نازل ہونے کے بعد پچھلی کتابیں اور شریعتیں سب منسوخ ہوگئیں - اب عمل صرف قرآن ہی پر ہوگا - اس آیت کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں مسئلہ ختم نبوت کی ایک عجیب اور واضح دلیل تحریر کی ہے جو جستہ جستہ نقل کی جاتی ہے - لکھتے ہیں :-

"آیت کے اس طرز بیان سے ایک اہم اصولی مسئلہ بھی نکل آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں - اور آپ کی وحی آخری وحی کیونکہ اگر قرآن کے بعد کوئی اور کتاب یا وحی بھی نازل ہونے والی ہوتی تو جس طرح اس آیت میں پچھلی کتابوں اور وحی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب اور وحی پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری ہوتا بلکہ اس کی ضرورت زیادہ تھی ، کیونکہ تورات و انجیل اور تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا تو پہلے سے جاری اور معلوم تھا - اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی سلسلہ وحی اور نبوت جاری ہوتا تو ضرورت اس کی تھی کہ اس کتاب اور اس نبی کا ذکر زیادہ اہتمام سے کیا جاتا جو بعد میں آنے والے ہوں تاکہ کسی کو اشتباہ نہ رہے مگر قرآن نے جہاں ایمان کا ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور پہلے انبیاء کا ذکر فرمایا بعد میں آنے والی کسی وحی یا نبی کا کہیں قطعی ذکر نہیں - پھر صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں یہ مضمون اوّل سے آخر تک مختلف مقامات میں چالیس پچاس آیتوں میں آیا ہے - سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء پہلی وحی ، پہلی کتابوں کا ذکر ہے - کسی ایک آیت میں اس کا اشارہ تک نہیں کہ آئندہ بھی کوئی وحی یا نبی آنے والا ہے - جس پر ایمان لانا ہے . . . . . اگر ختم نبوت اور انقطاع وحی کا دوسری آیات میں صراحتہً ذکر نہ ہوتا تو قرآن کا یہ طرز ہی اس مضمون کی شہادت کے لیے کافی تھا "

الغرض چوتھی صفت متقین کی یہ بتلائی گئی کہ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی تمام کتابوں اور صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس پر بھی اور جو گذشتہ پیغمبروں پر نازل ہوئیں اُن پر بھی -

پانچویں صفت فرمائی گئی وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں

اب یہاں دو چیزیں سمجھنے کی ضرورت ہے، ایک آخرت اور دوسرے یقین ۔

آخرۃ سے مراد دار الآخرۃ یا عالم آخرت ہے یعنی وہ عالم جو موجودہ سلسلہ زندگی کے بعد شروع ہوگا، قرآن کریم جن حقیقتوں کو ماننے۔ قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے اور ان پر پورا پورا یقین کرنے کی پُرزور دعوت دیتا ہے اُن میں خدا کی ذات اور اس کی صفات یعنی توحید باری تعالیٰ کے بعد آخرت ہی کا مسئلہ ہے اور اللہ تعالےٰ کے سارے پیغمبروں اور اُس کی نازل کی ہوئی ساری کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اس پر ایمان و یقین رکھنے کی دعوت دی۔ قرآنِ کریم چونکہ اللہ تعالےٰ کی آخری کتاب ہے اس لئے اس میں تو آخرت کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی گئی ہے اور اتنی تفصیل سے اس کو بیان کیا گیا ہے کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ آخرت ہی کے بیان سے متعلق ہے۔ یہ عالم دنیا دار العمل ہے اور یہاں کی زندگی کے بعد عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد ایک دوسرا عالم دار الجزا ہے جہاں انسان کے دُنیا میں کئے ہوئے ایک ایک عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دُنیا میں بھی انسانوں کو ان کے حالات و واقعات اور اعمال و افعال کے لحاظ سے کسی درجہ میں بدلہ ملتا ہے، مگر پُورا پُورا بدلہ نہیں ملتا اور اسکے لئے عالم آخرت مقرر ہے کہ جہاں دنیا میں کئے ہوئے عملوں کا پُورا پُورا بدلہ ملے گا۔ اس دُنیا میں انسان کی موت دراصل اس دُنیا سے عالم آخرت کی طرف انتقال ہی کا نام ہے اور اسی لحاظ سے آخرت کا سفر گویا موت ہی سے شروع ہو جاتا ہے، لیکن مرنے کے وقت سے لے کر قیامت تک کا جو زمانہ ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے اس کی نسبت عالم آخرت کے لحاظ سے قریب قریب وہی ہے جو نسبت زمانۂ حمل کو اس دنیوی زندگی سے ہے گویا آخرت کی اصل زندگی اگرچہ قیامت سے شروع ہوگی۔ اور حشر نشر۔ حساب کتاب، جزا و سزا، جنت و جہنم کے ثواب و عذاب کا ظہور قیامت کے بعد ہی ہوگا لیکن موت سے لے کر قیامت تک کا دور اسی طرح کی تمہیدی اور برزخی یعنی درمیانی منزل ہے جیسے کہ اس دُنیا میں آنے کے لئے ہر آدمی کو کچھ مدت ماں کے پیٹ میں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ عالم آخرت کا اس عالم دنیا سے گہرا تعلق ہے۔ آخرۃ کی زندگی ہمارے اس دُنیا کے کاموں اور یہاں کی زندگی کا ہی نتیجہ ہوگی۔ تو متقین کی پانچویں صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ قیامت اور اس کے بعد حشر و نشر، حساب کتاب، جزا و سزا، جنت و جہنم کا ثواب و عذاب جو کچھ ہونے والا ہے اسکے وقوع پر یقین رکھتے ہیں۔

یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ بِالْاٰخِرَۃِ کے ساتھ لفظ یُوْقِنُوْنَ فرمایا ہے یُؤْمِنُوْنَ نہیں فرمایا یعنی یہ نہیں فرمایا کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و یقین دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ ایمان کا مقابل تکذیب و انکار ہے اور یقین کا مقابل شک و تردد ہے۔ تو یُوْقِنُوْنَ میں اشارہ اس طرف ہے کہ آخرت کی زندگی کی محض تصدیق کرنا مقصد کو پورا کرنا نہیں

Marfat.com

کرتا بلکہ آخرت کا ایسا یقین ضروری ہے جیسے کوئی چیز آنکھوں کے سامنے ہو اور دل و دماغ میں ہر وقت یہ مستحضر ہو کہ آخرت میں حق تعالےٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب اور جزا و سزا ہونا ہے۔ صرف ایسا عقیدۂ آخرت اور خوفِ خدا ہی انسان کی حالت درست رکھ سکتا ہے اور انسان کی زندگی میں انقلاب لا سکتا ہے اور اس کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے۔

یہاں تک تو متقین کی علامات اور صفات کا ذکر تھا۔ اب آگے ان صفات کا ثمرہ اور ان صفات کو رکھنے والوں کی جزا کا بیان ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ بس یہی لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔ یعنی ایسے لوگوں کو دنیا میں یہ نعمت ملی کہ راہِ حق نصیب ہوئی اور آخرت میں یہ دولت نصیب ہوگی کہ ہر طرح کی کامیابی ان کے لئے ہے۔ یہاں مفلحون کا ترجمہ "پورے کامیاب" سے کیا گیا ہے۔ مفلحون لفظ فلاح سے بنا ہے، جو عربی زبان میں بڑے وسیع معنیٰ میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری کامیابیاں لفظ فلاح میں جمع ہیں تو یہاں حق تعالےٰ نے صاف اور واضح طور پر فرمایا کہ کامل فلاح دنیا اور آخرت کی بس انہی لوگوں کے لئے ہے جو متقین کی ان مذکورہ صفات سے متصف ہوں۔ اسی سے اس کی ضد کو بھی سمجھ لیا جائے یعنی جو لوگ ان مذکورہ متقین کی صفات کو اختیار نہیں کرینگے وہ کبھی کامل فلاح کو نہیں پہنچ سکتے۔ صحابہ کرام اور قرن اوّل کے اہلِ ایمان جو متقین کی صفات بدرجہ اتم اپنے اندر رکھتے تھے اور قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں جنہیں پوری پختگی حاصل تھی، دنیا نے اُن کی کامیابیوں کو دیکھ لیا اور اللہ نے جو ان سے وعدے فرمائے تھے وہ سب پورے ہوئے۔ اگر آج ہم بھی قرآنِ پاک کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھال لیں اور متقین کی صفات اپنے اندر پیدا کرلیں تو کامیابی کا یہ وعدہ ہمارے لئے بھی ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابی ہم کو بھی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب یہاں تک تو ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے کتابِ ہدایت کو دل و جان سے مانا اور اُسے اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا اور متقین کی صفات اپنے اندر پیدا کیں۔ اب آگے اس کے مقابل دوسری جماعت کا ذکر ہے جنہوں نے ظاہراً اور باطناً دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اللہ اور اسکے رسول کی تکذیب کی اور دینِ حق کی پوری طرح مخالفت کی یعنی کفار جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اور اپنے متقین بندوں میں ہم کو شامل ہونا نصیب فرمائیں غیب کی اور عالمِ آخرت کی جو خبریں ہم کو قرآنِ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں اُن پر ہم کو یقینِ کامل نصیب فرمائیں۔ اور ہم کو اس دنیا کی زندگی میں آخرۃ کی زندگی کا ذکر و فکر نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو دنیا اور آخرۃ دونوں جہان کی کامیابی نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۹

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ
بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ
تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۶ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی
ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور اُن کے
سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۷ ع ۱
کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے سزا بڑی ہے ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح حاصل کرنے والے متقین کا حال اور ان کا انجام ذکر فرمایا تھا۔ اب اُنکے مقابل کفار و منکرین کا حال اور ان کا انجام بھی ذکر فرمایا جاتا ہے تاکہ دونوں گروہوں میں فرق واضح و ظاہر ہو جائے اور ایک دانشمند شخص متقیوں اور فلاح پانے والوں کا حال و مآل کو جان کر اُن کی طرف راغب ہو اور اہلِ شقاوت کے حال اور نتیجہ پر غور کر کے اُن سے اعراض و گریز کرے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے کہ بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں اُن کے حق میں برابر ہے خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کے دلوں پر بند لگا دیا ہے اور اُن کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑی سزا ہے ۔

پہلی بات تو ان آیات کے سلسلہ میں یہ سمجھ لیجئے کہ کُفر کسے کہتے ہیں۔ کُفر کے لغوی معنیٰ چھپانے کے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اُن میں سے کسی چیز کے انکار و تکذیب کا نام کُفر ہے۔ گویا ایمان کی ضد کُفر ہے۔ اور ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول و پیغمبر کی حیثیت سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت قطعی و یقینی ہے۔ ان سب چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا اور ان کو حق سمجھنا۔ اس طرح جو شخص رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات میں سے جن کا ثبوت قطعی و یقینی ہے کسی ایک بات کو بھی حق نہ سمجھے اور اس کی تصدیق نہ کرے وہ کافر کہلائے گا۔ قرآنی آیات کی روشنی میں علماء نے کفر کی پانچ قسمیں حسبِ ذیل بیان کی ہیں ۔

۱ :۔ کفر تکذیب۔ یعنی انبیاء و رسل کو جھٹلانا۔

۲ :۔ کفر استکبار یعنی تکبر اور غرور کی وجہ سے اللہ اور اسکے رسول کے احکام کو نہ ماننا اور ان کے قبول کرنے سے انکار کر دینا۔

Marfat.com

۳ :۔ کفر اعراض یعنی اللہ کے پیغمبر کی نہ تصدیق کرے اور نہ تکذیب بلکہ اعراض اور روگردانی کرے ۔
۴ :۔ کفرِ ارتیاب یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صادق ہونے کا یقین ہے نہ کاذب ہونیکا بلکہ شک و تردد ہے۔
۵ :۔ کفرِ نفاق یعنی زبان سے اقرار اور قلب سے انکار۔

دوسری بات یہاں یہ سمجھ لینے کی ہے کہ ان آیات میں مطلق ہر کافر کا بیان نہیں فرمایا گیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ پر ہزاروں لاکھوں کافر ایمان لائے ۔ اور اب بھی لا رہے ہیں اور قیامت تک لاتے رہیں گے بلکہ یہاں وہ خاص قسم کے کافر مراد ہیں جن کی نسبت اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوگا اور جن کے ضمیر ضد اور عناد کی وجہ سے ایسے مردہ اور دل ایسے سیاہ ہو چکے ہیں کہ ان پر وعظ و نصیحت اور تبلیغ و انذار کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ ایسے کافروں کے بارہ میں ان آیات میں پہلی بات تو یہ بتلائی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے کافروں کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے ۔ یعنی ایسے کافروں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا کوئی اثر نہ ہوگا ۔ اب یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ پھر ایسے کافروں کو تبلیغ کرنے اور احکامِ الٰہی سنانے اور عذابِ خداوندی سے ڈرانے کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص منصبی کام تھا ۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس ڈرانے اور نہ ڈرانے کے برابر ہونے کا مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے یہ بتلایا گیا کہ آپ ان ضدی اور معاند کفار کہ جو حقیقت کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود محض ضد و عناد کی بنا پر کفر و انکار پر جمے ہوئے ہیں ۔ آپ ان کے ایمان لے آنے کی فکر نہ کریں اور ان کے ایمان نہ لانے سے مغموم نہ ہوں ۔ تو یہاں ترکِ تبلیغ مقصود نہیں بلکہ ایسے ضدی کفار سے ایمان لے آنے کی توقع اور اُمید نہ رکھنے کو کہا جا رہا ہے ۔ یہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ پھر ایسے ضدی اور معاند کفار کو احکام سنانا اور تبلیغ کرنا فعل عبث ہوا تو آپ کو ایک بیکار، بے فائدہ اور فعلِ عبث کیوں سپرد ہوا ؟ اس کا جواب حضرت تھانوی رحؒ نے اپنی تفسیر میں خوب دیا ہے ۔ لکھتے ہیں کہ فعل عبث تو اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی بھی فائدہ نہ ہو یہاں اگر ان ضدی کافروں کو فائدہ نہ ہوگا نہ ہو ۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو فائدہ ہوگا کہ ادائے پیغام و تبلیغ کا ثواب ملیگا ۔ پھر عبث کیسے ہوا۔

دوسری بات یہاں ان آیات میں ایسے ضدی اور معاند کفار کے بارہ میں بتلائی گئی لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی وہ ایمان نہ لاویں گے ۔ مفسرین نے یہاں ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے ۔ شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب اللہ ہی نے ان کے ایمان نہ لانے کو فرما دیا ہے تو اس کی خبر کے خلاف ہونا چونکہ ناممکن ہے اس لئے ان ضدی اور معاند کفار کو ایمان نہ لانے میں معذور سمجھنا چاہیئے اور ان پر ایمان نہ لانے کا الزام نہ ہونا چاہیئے ۔ تو اس ارشاد لَا یُؤْمِنُوْنَ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر کسی خطرناک مریض کو دیکھ کر اس کے مرنے کی پیش گوئی کر دے اور وہ مریض اس ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق واقعی مر بھی جائے تو اس سے ڈاکٹر پر کوئی الزام نہیں آئے گا ۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ ڈاکٹر کے کہنے سے وہ مر گیا ہے ۔ اگر نہ کہتا تو نہ مرتا۔ بلکہ

Marfat.com

کہا یہی جائے گا کہ خود ڈاکٹر کا یہ کہنا مریض کی حالت کے پیشِ نظر تھا جو صحیح نکلا۔ اسی طرح یہاں اللہ تعالیٰ کے علم و خبر کو اُن کفار کی بے ایمانی اور بدحالی کا سبب نہیں کہا جائے گا بلکہ خود ان کفار کی حرکات ناشائستہ اور بدعملی اور بے ایمانی کو اللہ تعالیٰ کی خبر کا سبب قرار دیا جائے گا۔ یعنی ان کی بدحالی کا اندازہ کر کے اللہ تعالیٰ نے لَا یُؤْمِنُوْنَ کی خبر دی جو صحیح نکلی۔

تیسری بات جو یہاں بیان فرمائی گئی وہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ہے یعنی اللہ نے بند لگا دیا ہے ان کے دلوں پر یعنی اب اس میں کوئی خیر داخل نہیں ہو سکتی۔ اور بند لگا دیا ہے ان کے کانوں پر کہ حق بات سُن کر اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے کہ حق کو نہیں دیکھ سکتے اور ان کے لئے آخرت میں ایسا دردناک عذاب ہوگا جو قوی بھی ہوگا اور ہمیشہ بھی رہے گا۔

ایک انسان کے علم ہدایت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعہ ہیں۔ قلب یعنی دِل یہ تو اصل محل علم و ادراک ہے۔ کان جس کے ذریعہ سے بات سُنی جاتی ہے اور آنکھ جس سے انسان مشاہدات کرتا ہے لیکن جب کسی کے یہ تینوں ذرائع ماؤف ہو جائیں تو اس کی ہدایت کی کیا اُمید ہو سکتی ہے، اسی کو یہاں فرمایا گیا کہ ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگ چکی ہے اور اُنکی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔ قبولِ حق کی تمام راہیں ان پر بند ہو چکی ہیں اسلئے وہ اب ایمان نہیں لائیں گے اور اس دولت سے ہمیشہ محروم رہیں گے اور پھر اسکے نتیجہ میں عذابِ عظیم آخرت میں بھگتیں گے۔

اب یہاں پھر ایک شبہ بظاہر پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور اس طرح ان پر قبولِ ہدایت کی تمام راہیں روک دیں تو پھر اگر وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر مر گئے تو پھر انہیں سزا کس قصور پر دی جائیگی؛ کیونکہ مہرِ خداوندی کی وجہ سے وہ کفر پر مرنے پر مجبور تھے اور یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے کہ ایسے لوگوں کو سزا اور عذاب دیا جائے۔ اس کا جواب مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہیں وہ کسی کو بلا قصور سزا نہیں دیتے۔ اس جگہ جو ضدی اور معاند کفار کا انجام ذکر کیا گیا ہے وہ خود ان کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے۔ دیکھئے جہاں تک قدرتِ خداوندی کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، دیکھنے سننے کے لئے آنکھیں اور کان دیئے۔ غور و فکر اور سوچنے سمجھنے کے لئے دل و دماغ اور عقل و شعور عطا فرمائے۔ پھر واضح اور روشن دلائل کے دفتر اسکے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔ کائنات میں ایسے نشانات و دلائل بے شمار ہیں! پھر خود انسان کی اپنی جان میں ایسے واضح اور روشن دلائل موجود ہیں کہ انسان اگر غور کرے تو حق و باطل میں امتیاز کر سکے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس پر بس نہیں فرمایا بلکہ سیدھی راہ دکھانے اور عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ حق کو سمجھانے کے لئے پیغمبر بھی بھیجے جنہوں نے دن و رات اللہ کا پیغام لوگوں کو سُنایا اور ان پر حجت قائم کر دی لیکن اسکے باوجود کہ حق ان پر واضح ہو گیا اور حق کو اُنہوں نے اچھی طرح پہچان لیا مگر محض ضد و عناد کی وجہ سے حق کو نہ مانا اور کفر و انکار پر ڈٹے رہے۔ نہ آنکھوں سے کام لیا نہ کانوں سے۔ نہ عقل

Marfat.com

وشعور کو ہی استعمال کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ کفر و انکار ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا اور اُن پر گمراہی کی ظلمت و تاریکی ایسی چھا گئی کہ اب وہ اس سے باہر نہیں آسکتے۔ گمراہی کی اس کیفیت کو مُہر یا بند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اُن کے دل و حواس پر مُہر کا لگنا اور سعادتِ ایمان سے ان کی ابدی محرومی یہ اُن کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ ان کے عناد اور عناد کی وجہ سے اُن کے دلوں پر مُہر لگی ہے اور ایسا نہیں ہے کہ اس مُہر کی وجہ سے انہیں کُفر پر مجبور کیا گیا ہو اسلئے وہ جو کُفر پر اپنے اختیار سے مرتے دم تک قائم رہے اور اُنہوں نے اپنے ارادے سے ایمان پر کُفر کو ترجیح دی اس کی سزا اُن کو آخرت میں عذاب عظیم کی شکل میں ملے گی۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ کُفر اور ہر گناہ کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی مگر بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور یہ مختلف شکلوں میں ملتی ہے۔ ایک شکل یہ بھی ہے کہ اصلاح حال کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اور آخرت کی پکڑ اور وہاں کی سزا سے بے فکر ہو کر اپنی نافرمانیوں اور گناہوں میں بڑھتا جاتا ہے اور بُرائی کا احساس اس کے دل سے جاتا رہتا ہے۔ اسی کو حدیث شریف میں تبلایا گیا ہے کہ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر مثل نقطہ ایک سیاہ نشان لگ جاتا ہے۔ اگر اُس نے توبہ نہیں کی یا برابر گناہ کرتا رہا تو وہ نشان بڑھتا اور پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ گناہوں کے اثر سے قلب بالکل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور اس میں اچھے بُرے کی تمیز اور احساس نہیں رہتا۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لے تو صاف ہو جاتا ہے الغرض ان آج کی دو آیات میں ان کفار کا ذکر کیا گیا اور ان کا انجام تبلایا گیا جنہوں نے دعوتِ حق کی ہر طرح ظاہراً و باطناً مخالفت کی اور انکار و تکذیب کی۔ نہ دل سے مانا نہ زبان سے بلکہ اپنی پوری طاقت سے حق کی مخالفت کی۔ آگے ایک تیسری قسم کی جماعت جس کو منافقین کہا جاتا ہے اس کا حال اور اس کا انجام بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دُعا کیجئے :-

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی اور کفر و شرک کی نجاست سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام و ایمان پر استقامت نصیب فرمائیں اور مرتے وقت تک ایمان کامل اور اسلام صادق پر قائم رکھیں۔ یا اللہ حق کو سمجھنے اور اس کو اپنانے کی ہر حال میں ہم کو توفیق عطا فرما اور ضد و عناد جو خالص کافرانہ خصلتیں ہیں ان سے ہمارے قلوب کو بالکل پاک فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۰

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

اور لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ

مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ

وہ بالکل ایمان والے نہیں چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لاچکے ہیں اور

مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ

واقع میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے مگر اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے - ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے -

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰

سو اور بھی بڑھا دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو مرض - اور انکے لئے سزائے دردناک ہے - اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے -

تفسیر و تشریح :- یہاں تک سورت کے پہلے رکوع میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا ایک وہ کہ جو ظاہر و باطن میں مسلمان اور صاحب ایمان ہیں - دوسرے وہ کہ جنہوں نے اسلام اور دعوت حق کو نہ دل سے مانا نہ زبان سے بلکہ اس کی ظاہراً و باطناً ہر طرح سے مخالفت کی اور انکار و تکذیب پر جمے رہے - اب اس دوسرے رکوع میں ایک تیسری جماعت کا ذکر، ان کا حال اور انجام بیان فرمایا جاتا ہے - جنہوں نے صرف دکھلانے کو ظاہری طور پر اسلام تو قبول کر لیا مگر باطن میں کافر ہی رہے اور دل میں اسلام کے منکر - اس گروہ کو منافقین کہا جاتا ہے - اور یہ کافروں میں سب سے بدترین فرقہ ہے - نفاق اور منافقت اصطلاح قرآنی میں اس دورخی کا نام ہے کہ بظاہر زبان سے آدمی مومن ہونے کا اقرار کرتا ہے اور دکھاوٹ کی نمازیں بھی پڑھتا ہے اور دوسرے ارکان اسلامی بھی ظاہراً بجالاتا ہے لیکن دل میں کافر رہتا ہے - اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے - ایسے انسان کو عرف شریعت میں منافق کہا جاتا ہے - منافقوں کا گروہ مکہ معظمہ میں نہ تھا - یہ گروہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اس وقت پیدا ہوا - اور صورت اس کی یہ ہوئی جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں پر اوس اور خزرج کے قبائل میں سے اکثر نے انصار مدینہ بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور دونوں قبیلوں میں سے اکثر خوش نصیب مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن یہود اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے - ان میں سے صرف ایک حضرت عبداللہ بن سلامؓ رضی اللہ عنہ نے اس سچے دین کو قبول کیا تھا اور اس وقت تک منافقوں کا خبیث گروہ قائم نہ ہوا تھا - اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود مدینہ

Marfat.com

سے اور عرب کے بعض اور قبائل سے صلح کر لی تھی۔ جب جنگِ بدر ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور شان و شوکتِ اسلام ظاہر ہوئی اور مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا دھڑ ٹوٹ گیا تب یہ ناپاک گروہ منافقین کا قائم ہوا۔ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اُبَیّ مدینہ میں بڑا سردار مانا جاتا تھا اور اہلِ مدینہ اُسے اپنا بڑا مانتے تھے اور اس کا ارادہ باقاعدہ اپنی سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا ہو چلا تھا کہ اہلِ مدینہ کا رُخ اب اسلام کی طرف پھر چلا تھا اور اس کی سرداری یونہی دھری رہ گئی۔ عبداللہ بن اُبَیّ کے دِل میں یہ خار تو تھا ہی ادھر اسلام کی روز افزوں ترقی اور پھر جنگِ بدر میں کامیابی اور غلبہ نے تو اس کو مخبوط الحواس کر دیا۔ مگر اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آواز نہ اُٹھائے۔ لہٰذا بظاہر وہ خود بھی مسلمان ہو گیا اور اسکے ساتھی بھی مسلمان ہو گئے لیکن بہ باطن اور در پردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے اور اندرونی طور پر اس انتظار میں رہے کہ جب موقع لگے گا اسلام کو چھوڑ دیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس قائم ہو گئی مگر ان منافقین میں بحمد اللہ مکی مہاجر ایک بھی نہ تھا۔ یہود مدینہ اور قبیلہ اَوس و خزرج کے بعض لوگ اس گروہ میں شامل تھے مگر جوں جوں وقت گذرتا گیا اور اسلام کا اثر بڑھتا گیا یہ لوگ بھی دِل ہی دِل میں جلتے رہتے۔ اور اسلام دشمنی کی آگ ان کے دِلوں میں بڑھتی گئی۔ چنانچہ جب بھی اُن کا بس چلا انہوں نے اسلام کی مخالفت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ گویا یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے مار آستین ثابت ہوا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس سورۂ بقرہ میں اور قرآنِ پاک کی دوسری سورتوں میں ان منافقین کی بہت سی بدخصلتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے اقوال و افعال ناشائستہ کو ظاہر فرمایا تاکہ اُن کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آجائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فتنہ و فساد پھیل جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ نفاق کی چند قسمیں ہیں :-

۱ اول یہ کہ زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے مگر در پردہ صاف منکر ہو۔

۲ دوسرے یہ کہ در پردہ صاف منکر تو نہ ہو مگر یقین بھی نہ ہو بلکہ متردد اور مذبذب ہو۔

۳ تیسرے یہ کہ دل میں تصدیق تو ہو مگر کامل نہ ہو اور گناہوں اور حُبِّ دُنیا اور غلبۂ شہوات نے اس کو ایسا کر دیا ہو کہ یہ دنیا کے منافع کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو۔ دُنیا کی خاطر دین اسلام سے مقابلہ حتیٰ کہ دین کی ہجو بھی اسکے لئے مشکل نہ ہو، یہ تینوں گروہ منافق ہیں جن کی سزا قرآن کریم نے جہنم کا سب سے نچلا طبقہ بتلائی ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ - ان تینوں قسموں کے منافق مدینہ میں موجود تھے۔ اِن آیات میں پہلے ان منافقین کے ایمان کی حقیقت بیان فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دِن یعنی یوم قیامت پر حالانکہ وہ بالکل کسی

Marfat.com

درجہ میں بھی مومن نہیں یعنی زبان سے تو وہ اللہ کی توحید اور آخرت کا اقرار کرتے ہیں لیکن اُن کے دل یقین و ایمان و تصدیق سے یکسر خالی ہیں۔ اب اس آیت پر غور کرنے سے ایمان و اسلام کی پوری حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ منافقین نہ صرف کلمہ گو تھے بلکہ نمازیں بھی پڑھتے تھے اور جماعت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے۔ اور مسلمانوں کی طرح بظاہر دوسرے ارکان اسلام بھی بجالاتے تھے مگر اللہ تعالےٰ نے اُن کے حق میں صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں فرمادیا :۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ اور وہ بالکل مومن نہیں اسکے بعد منافقت اور دورُخی چال سے ان منافقین کی کیا غرض و غایت تھی، یہ بھی یہاں ظاہر فرمادیا گیا اور ارشاد ہوا :۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لاچکے ہیں۔ اور وہ واقع میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ یعنی اس دورُخی چال سے منافقین اپنے زعم میں اللہ اور مومنین سے فریب اور دھوکہ کرتے ہیں۔ یہاں جو يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ فرمایا یعنی وہ دھوکہ دیتے ہیں فریب کرتے ہیں اللہ سے تو مفسرین نے لکھا ہے کہ دھوکہ اور فریب تو اُسے دیا جاسکتا ہے جو لاعلم ہو اور حقیقت سے ناواقف ہو لیکن اللہ تعالےٰ تو عالم الغیب والشہادہ ہیں اور ظاہر اور چھپی چیز کو جانتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کو دھوکہ کیونکر دیا جاسکتا ہے تو اس کا جواب لکھا ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا مگر ان منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ چالبازی اور دھوکہ قرار دے کر فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے ساتھ چالبازی کرتے ہیں۔ تو یہ منافقین اللہ کے رسول کے ساتھ چالبازی اور اہلِ ایمان کے ساتھ چالبازی کرکے اور فریب دے کر اُن سے دُنیوی اور مادّی فائدے حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ ظاہری طور پر اسلام قبول کرلینے سے وہ ظاہری احکام میں مسلمان ہی شمار ہوں گے، اس طرح ان کا جان و مال مسلمانوں سے محفوظ رہے گا اور مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً حاصل ہونے والے اموال غنیمت اور دیگر مادّی فوائد میں وہ ان کے ساتھ برابر کے شریک اور حصّہ دار رہوں گے۔ لیکن حق تعالےٰ نے منافقین کی اس چالبازی کے متعلق تبلادیا کہ یہ منافق یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی اس دورنگی پالیسی اور اس دورُخی چال سے کہ ظاہر میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اور باطن میں کفر اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کو دھوکا دے کر مزے کرتے رہیں گے اور "با مسلماں اللہ اللہ و با برہمن رام رام" کے مصداق بن کر مسلمانوں کو اور ساتھ ہی کافروں کو بھی خوش رکھ سکیں گے اور دونوں طرف سے فائدے حاصل کرسکیں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے رہے بلکہ خود اپنی جانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اس منافقانہ روش سے غیر شعوری طور پر اپنی ہی دین و دنیا خراب کررہے ہیں مگر انہیں اس بات کا شعور اور احساس تک نہیں، کہ یہ ان کی غلط روش خود اُن کی تباہی و

Marfat.com

بربادی کا باعث ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطے سے تمام مومنین کو اُن منافقین کی دھوکہ دہی اور دغابازی کی اطلاع بذریعہ وحی دیتے رہتے ہیں ، اس لئے ان کے فریب سے اہلِ ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ۔ اُلٹا انہی کو نقصان ہوتا ہے ۔

آگے ان منافقین کے حال پر مزید روشنی ڈالی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے :-

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

ان کے دِلوں میں بڑا مرض ہے سو اور بھی بڑھا دیا اللہ تعالےٰ نے ان کے مرض کو اور ان کے لئے سزائے دردناک ہے اس وجہ سے کہ وہ دعوٰی ایمان میں جھوٹ بولا کرتے تھے ۔ تو یہاں ان منافقین کی باطن کی خرابی اور فساد عقائد کو مرض اور بیماری سے تعبیر فرمایا اور یہ لفظ مَرَضٌ ان کے نفاق ، شک و تردد ، کذب و انکار در پردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایمان والوں سے عداوت ، بغض ، حسد وغیرہ سب کو شامل ہے ۔ آگے بتلایا گیا کہ شک و نفاق اور بغض و حسد کی یہ بیماری جو ان کے دلوں میں لگی ہوئی تھی کم ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتی ہی گئی ۔ جوں جوں اسلام اور مسلمانوں کو دشمنوں پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہوتا گیا اور جوں جوں دین اسلام کی شان و شوکت میں ترقی ہوتی گئی ، ان کے دلوں میں حسد اور تکلیف اور ان کے سینوں میں بغض و حسد کی آگ بڑھتی گئی ، جوں جوں قرآن نازل ہوتا اُن کا کفر و نفاق بڑھتا جاتا کیونکہ ہر آیت کے ساتھ وہ منافقانہ سلوک کرتے ۔ بظاہر اُسے مانتے لیکن دِل میں اُس کا انکار کرتے ۔ تو ان کی یہ بیماری انہی کی بداعمالیوں اور بد پرہیزیوں کا نتیجہ تھی باقی یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کا مرض اور بھی بڑھا دیا ، اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی سے جلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ ترقی روز افزوں دینی ہے اور جس کے مشاہدات ہر وقت انہیں ہوتے رہیں گے اسلئے ان کا مرض بڑھتا ہی رہے گا اور ان کے دل کی جلن زیادہ ہی ہوتی رہے گی ۔ اور آخر کار یہ اپنے اس خطرناک مرض کی وجہ سے ہلاکت میں پڑیں گے اور دائمی عذاب اور دردناک سزا کے مستحق ہوں گے ۔ اور یہ سزا ان کو مسلسل ان کی کذب بیانی اور نفاق پر لگاتار اصرار کی وجہ سے ملے گی ۔ یہاں آیت میں اگرچہ خاص طور سے منافقوں کے دل کی بیماری کا ذکر کیا گیا ہے ۔ مگر اس سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ دلوں میں بیماریاں ہوتی ہیں ۔ اسی لئے تمام صوفیاء کرام اور مشائخان طریقت قلب کی صفائی ۔ باطن کی درستی اور قلب کو تمام اخلاق ذمیمہ سے پاک رکھنا ضروری فرماتے ہیں ۔ دِل کی بیماریاں یہ ہیں حَسَد ۔ بغض ۔ کینہ ۔ عداوت ، بیجا غصہ ۔ بخل ۔ مال کی محبت ۔ حُبِ جاہ ۔ حبِ شہرت ، رعونت ، دنیا کی محبت ، نخوت ، تکبر ، خود پسندی ، ریا ، ان تمام بیماریوں سے قلب کو پاک کرنا لازمی اور ضروری ہے ۔ جب بیماریوں سے دِل پاک ہوگا تو اخلاقِ محمودہ سے قلب مزیّن اور آراستہ ہوگا ۔ اور خوفِ خدا ۔ زُہد ، صبر ، شکر ، توکل اخلاص ، صدق ، محبتِ الٰہی ۔ رضا بالقضا وغیرہ صفات سے دِل منوّر ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو ہر طرح کی روحانی بیماری سے محفوظ فرمائیں ۔ آمین ۔ اب یہاں ایک بات یہ بھی قابلِ غور اور لائق تشریح ہے کہ آیا یہ نفاق جو کفر

Marfat.com

کی بدترین قسم ہے، یہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی یا اب بھی موجود ہے اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے "اس معاملہ میں صحیح یہ ہے کہ منافق کے نفاق کو پہچاننا اور اس کو منافق قرار دینا دو طریقوں سے ہوتا تھا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلا دیا کہ فلاں شخص دل سے مسلمان نہیں، منافق ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے کسی قول و فعل سے کسی عقیدۂ اسلام کے خلاف کوئی بات یا اسلام کی مخالفت کا کوئی عمل ظاہر اور ثابت ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انقطاع وحی کے سبب اُن کے پہچاننے کی پہلی صورت تو باقی نہ رہی مگر دوسری صورت اب بھی موجود ہے جس شخص کے کسی قول و فعل سے اسلامی قطعی عقائد کی مخالفت یا اُن پر استہزاء یا تحریف ثابت ہو جائے وہ منافق سمجھا جائے گا ایسے منافق کا نام قرآن کی اصطلاح میں ملحد ہے اَلَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا اور حدیث میں اس کو زندیق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے حضرت امام مالکؒ سے عمدہ شرح بخاری میں نقل کیا گیا ہے کہ بعد زمانۂ نبوت کے نفاق کی یہی صورت ہے جس کو پہچانا جا سکتا ہے اور ایسا کرنے والے کو منافق کہا جا سکتا ہے" تو معلوم ہوا کہ منافقوں کا وجود اسلام میں ہمیشہ رہا ہے۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ جو بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ دِل سے اسلام کو مسخ کرنے کے درپے ہیں اور اسلام کو اپنے مذاق کے موافق "ماڈرن اسلام" میں ڈھالنا چاہتے ہیں کہ جس میں نہ عباداتِ مفروضہ کی پابندی ہو نہ شرم و حجاب اور اسلامی پردہ کا نام ہو۔ عورتوں مردوں کے اختلاط کی پوری آزادی ہو۔ سود۔ شراب۔ جوا۔ قمار جیسی چیزیں بھی حلال ہوں۔ جہاں سُنّت کی پابندی دقیانوسیت ہو اور سلف صالحین کا اتباع ترقی کی راہ میں رُکاوٹ ہو۔ اور جہاں ہر بے دینی نام نہاد ترقی کا ذریعہ اور زینہ سمجھا جاتا ہو۔ جہاں یہود و نصاریٰ کے اتباع ان کی معاشرت اور ان کی تہذیب پر فخر کیا جاتا ہو، جہاں عیاشی، فحاشی۔ ناچ گانے، گاجے باجے سامان تفریح سمجھا جاتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کو اور اس ملک پاکستان کو ایسے مار آستینوں سے اپنی حفاظت میں رکھے اور ہمیں اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائے۔ ابھی آگے منافقین کی مزید بدخصلتیں ذکر کر کے ان کے حال کو اور واضح کیا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔ حق تعالیٰ ہم کو اسلام صادق اور ایمانِ کامل نصیب فرمائیں۔ اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا مقدر فرمائیں۔ اور نفاق کی ہر چھوٹی بڑی خصلت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔ اللہ تعالیٰ منافقین کی شرارت اور فتنوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔ اور خصوصاً اس ملک پاکستان کو جو "اسلام" کے نام پر قائم ہوا منافقین کے وجود سے پاک فرمائیں اور ان کی ریشہ دوانیوں سے اس ملک کی حفاظت فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو اپنے قلوب کی اصلاح کی فکر نصیب فرما، اور تمام دِل کی ظاہری و باطنی بیماریوں سے ہم کو نجات عطا فرما اور اخلاق محمودہ سے ہمارے قلوب کو مزین فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۱

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو

مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اصلاح ہی کرنے والے ہیں۔ یاد رکھو بیشک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لادیں گے

كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا

جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بیوقوف یاد رکھو بیشک یہی ہیں بیوقوف لیکن اس کا

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا

علم نہیں رکھتے اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب

خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ

خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ

استہزا کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی استہزا کر رہے ہیں اُن کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں انکو کہ وہ اپنی سرکشی میں

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠

حیران و سرگردان ہو رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

سو سودمند نہ ہوئی ان کو یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے۔

تفسیر و تشریح: ۔ گذشتہ آیات میں منافقین کے ایمان کی حقیقت بیان فرمائی گئی تھی کہ گو یہ زبانی دعوٰی ایمان کا کرتے ہیں اور توحید و آخرت کا اقرار کرتے ہیں مگر یہ ہرگز ایماندار نہیں اور ان کے دل ایمان و یقین و تصدیق سے بالکل خالی ہیں۔ اور یہ اپنے ظاہری اسلام اور اپنی دورنگی چال سے مسلمانوں کو فریب دینا چاہتے ہیں

Marfat.com

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو نہیں بلکہ خود اپنی جانوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور اپنی ہی عاقبت خراب کر رہے ہیں مگر انہیں اس کا شعور اور احساس تک نہیں کیونکہ اُن کے قلوب کو شک و نفاق بغض و حسد کی بیماری لگی ہوئی ہے جو بجائے کم ہونے کے روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اب یہاں ان آیات میں انہی منافقین کی مزید خباثتیں ذکر کر کے ان کے احوال کو اور واضح کیا گیا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ جب ان منافقین سے کہا جاتا کہ زمین میں فساد مت کرو۔ منافقین کئی طرح فساد پھیلاتے تھے کبھی مسلمانوں کے پوشیدہ راز فاش کرتے اور کافروں تک پہنچاتے کبھی کافروں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے اور مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کرتے کبھی کافروں کے اعتراضات و شبہات ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے سامنے نقل کرتے تاکہ وہ مُذَبْذَب اور دین اسلام سے مُتَزَلْزَل ہو جائیں۔ علاوہ ازیں نفاق خواہ دین کا ہو یا دُنیا کا خود ایک مستقل فساد ہے۔ دورویہ ہونے سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں۔ ایسا شخص ہمیشہ فساد پھیلاتا ہے اور کسی کا خیر خواہ نہیں ہوتا بس اپنی غرض اور اپنا مفاد پیشِ نظر رکھتا ہے۔ غرض جب ان منافقین سے کہا جاتا کہ تم یہ منافقانہ حرکات کہ جن سے فساد پھیلتا ہے مت کرو تو جواب میں وہ کہتے کہ واہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ہم نے جو مسلمانوں اور کافروں دونوں فریقوں سے میل جول کر رکھا ہے اس سے ہمارا مقصود دونوں فریقوں میں صلح اور آشتی کی فضا پیدا کرنا مقصود ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ سب مل جل کر شیر و شکر ہو جائیں آپس میں کوئی اختلاف نہ رہے۔ نئے دین کی وجہ سے یہ جو آپس میں جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے یہ ختم ہو جائے اور ملک و ملت میں امن و امان ہو کر سلسلہ معاش و تجارت حسب سابق جاری ہو جائے۔ حق تعالیٰ منافقین کے اس قول اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ پر کہ ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں رد فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔ یاد رکھو بیشک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ یعنی یہ لوگ مصلح ہونے کا دعوای کر رہے ہیں، حالانکہ فتنہ و فساد کا سرچشمہ یہی لوگ ہیں کہ کفر و ایمان اور شرک و توحید کو ایک کرنا چاہتے ہیں اور جس کفر و شرک کو مٹانے کے لئے حق تعالےٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ یہ فتنہ پرداز پھر اسی فتنہ و فساد کو اپنی جگہ دوبارہ لانا چاہتے ہیں۔ تو فتنہ فساد کی جڑ یہی منافقین ہیں لیکن ان کے دِل مرض نفاق کی وجہ سے اس درجہ بے حس ہو چکے ہیں کہ اصلاح و فساد میں امتیاز نہیں کر پاتے بلکہ الٹا شر و فساد کو امن و صلاح قرار دیتے ہیں ایک خباثت تو منافقین کی یہ بیان فرمائی گئی۔ آگے ایک دوسری خباثت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لے آئے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاویں گے جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بیوقوف۔ منافقین ایسی بے باکانہ گفتگو غریب عوام مسلمانوں

Marfat.com

کے رُوبرُو کر گزرتے تھے۔ جن سے اُن کو کچھ اندیشہ نہ تھا لیکن باوجاہت اور صاحبِ اثر مسلمانوں کے سامنے تو وہی نفاق اور خوشامد اور چاپلوسی کی باتیں کرتے تھے۔ یہاں آیت میں لفظ نَاسٌ سے مراد باتفاقِ مفسرین مخلص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت وہی حضرات ایمان لائے تھے۔ تو منافقین نے مَعَاذَاللہ مخلص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سُفَہَا یعنی بے وقوف کہا۔ سفیہ اُس کو کہتے ہیں جو اپنی کم عقلی کی وجہ سے اپنے نفع اور ضرر کو نہ پہچانتا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ آخرت کے نفع اور ضرر کے فکر میں اس قدر منہمک اور پیش پیش رہتے تھے کہ دین کے مقابلہ میں دُنیا کے نفع وضرر کی بالکل اور ذرہ برابر پرواہ نہ کرتے تھے تو ان منافقین نے لفظ سُفَہَا سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طنز کیا اور کہا کہ (معاذ اللہ) ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں جو اپنے دُنیا کے نفع نقصان کو بھی نہیں سوچتے۔

اور یہ اُس وقت کے منافقین ہی نہیں بلکہ ہر زمانہ کے گمراہوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جو ان کو صحیح دین کی راہ بتلائے اس کو وہ بے وقوف و کم عقل قرار دیتے ہیں۔ دیکھ لیجئے آج بھی دین کا درد رکھنے والے جب جدید تعلیم یافتہ نام نہاد روشن خیال طبقہ۔ مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادوں کو اُن کی خدا اور رسول کے احکام سے بغاوت و سرکشی پر حرف گیری کرتے ہیں تو ان کو کم فہم۔ دقیانوسی خیالات کے رکھنے والے اور موجودہ دور کے تقاضوں سے بے خبر جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے اور جن کے نزدیک سلف صالحین۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع دقیانوسیت اور تنگ نظری سمجھا جاتا ہے اور اس کی طرف متوجہ کرنے والوں کو احمق، کٹھ مُلّا۔ دُنیا کے حالات سے بے خبر۔ ضروریاتِ زمانہ سے ناواقف۔ ترقی کا دشمن اور ترقی کے راستہ میں روڑے اٹکانے والا سمجھا جاتا ہے۔ کیا آج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح دین پر سختی سے عمل کرنے والوں کو سُفَہَا نہیں ٹھیرایا جاتا؟ برخلاف اس کے ہر بددینی ترقی کا راستہ ہے۔ ہر معصیت قابلِ فخر ہے۔ ہر کفریات تک بکنے والا روشن خیال ہے۔ کیا یہ بعینہٖ ان منافقین کی تقلید نہیں جن کی مذمت آیت میں فرمائی گئی؟ مگر قرآنی ارشاد جیسا کہ منافقین مدینہ کے متعلق صحیح اور اٹل تھا، اسی طرح اب بھی اور آج بھی اٹل ہے اور وہ یہ ہے:۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔ یاد رکھو بیشک یہی ہیں بیوقوف لیکن اس کا علم نہیں رکھتے۔ یہاں بھی حق تعالیٰ نے منافقین کا پرزور اور تاکید کے ساتھ رَد فرمایا کہ اصل میں بیوقوف و کم عقل تو وہ خود ہیں کہ جو دین الٰہی اور دین حق کو سچی طرح قبول کرنے والوں پر سفاہت اور کم عقلی کا الزام لگا رہے ہیں اور پھر ان منافقین کی جہالت اور نادانی کا یہ عالم کہ اپنی اس کھلی ہوئی حماقت کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔

الغرض یہاں آیت میں اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ میں اشارہ ہے اتباع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

Marfat.com

کی طرف جس سے صحابہ کرام رضؓ کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا ایمان اس قدر کامل اور نفاق سے بالکل پاک اور خدا کے نزدیک ایسا مقبول اور پسندیدہ ہے کہ اُسے منافقین کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا گیا۔ نیز اس مومن اور مخلص جماعت کو بیوقوف کہنے والوں کو پرلے درجے کا احمق و بیوقوف قرار دیا گیا۔

آگے ان منافقین کی تیسری خباثت ظاہر فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۔ اور جب منافقین ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف مسلمانوں سے استہزا کیا کرتے ہیں یعنی ہم مسلمانوں سے براہِ تمسخر کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں ورنہ ہم دل سے تو تمہارے ہی مشرب میں ہیں۔ ہم دل سے مسلمان نہیں ہیں۔ دل تو تمہارے ساتھ ہیں مسلمانوں کے سامنے ایمان کا اظہار محض استہزا اور تمسخر کے طور پر اور انہیں بے وقوف بنانے کے لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں مسلمان سمجھیں اور ہم سے مسلمانوں کا سا معاملہ کریں: ہمارا جان و مال مسلمانوں کی طرف سے محفوظ ہو جائے اور ہمیں مالِ غنیمت وغیرہ میں بھی حصہ مل جایا کرے۔

یہاں آیت میں منافقین کے متعلق جو یہ فرمایا گیا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ اور جب یہ منافقین اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو یہاں شیاطین سے مراد سردار و رؤسائے یہود اور منافقین اور کفر و شرک کے لیڈر ہیں۔ شیطان کا لفظ عربی زبان میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور بھڑکانے اور گمراہ کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان۔ جنات۔ حیوانات سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

آگے منافقین کی اس احمقانہ بات کا جواب دیا جاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ ہی استہزا کر رہے ہیں اُن کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں یعنی منافقین بے شعور سمجھتے ہیں کہ ہم دورخی برت کر مسلمانوں سے استہزا کرتے ہیں اور ان کو بیوقوف بنا رہے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ خود بیوقوف بن رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو ڈھیل دے کر خود انہی کے ساتھ استہزا کا سامان کر دیا ہے کہ جب اپنی شرارت اور کفر میں خوب کامل ہو جائیں اور جرم سنگین ہو جائے اس وقت پھر دفعتاً پکڑ لئے جائیں چونکہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن منافقین کے استہزا کے مقابلہ میں تھا اس لئے اس کو بھی استہزا کہہ دیا گیا۔

اخیر میں ان منافقین کے بارہ میں فرمایا گیا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

Marfat.com

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ - یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے تو سودمند نہ ہوئی ان کی یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے یعنی ان منافقین کو تجارت کا سلیقہ بھی نہ ہوا کہ ہدایت جیسی اچھی چیز چھوڑی اور گمراہی جیسی بُری چیز خرید لی۔ منافقین اکثر چونکہ کاروباری اور تجارتی لوگ تھے اس لئے ان کو تجارت کی تمثیل سے سمجھایا گیا کہ ان لوگوں کو تجارت اور سوداگری کا بھی سلیقہ نہ آیا کہ بہترین قیمتی چیز یعنی ایمان دے کر ردّی، ناقص اور باطل و خراب چیز یعنی کُفر و گمراہی خرید لی۔

آگے ان منافقین کی حالت کو مزید ظاہر کرنے کے لئے دو مثالیں بیان فرمائی جاتی ہیں تاکہ ان منافقین کی کم عقلی اور بیوقوفی واضح ہو جائے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

اَللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اور منافقانہ خصلتوں سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔

یَا اَللہ ہم کو دین کی صحیح فہم اور سمجھ عطا فرما دے تاکہ ہم حق و باطل اور نیک و بد میں تمیز کر سکیں اور حق کو اختیار کر لیں اور باطل سے گریز کریں۔

یَا اَللہ ہم کو ظاہر اور باطن میں شریعتِ مطہرہ کی پابندی نصیب فرما۔ اور خلوت و جلوت ہر حال میں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔

یَا اَللہ اس دُنیا کی زندگی میں ہم کو آخرت کی تجارت اور کمائی کی توفیق عطا فرما، اور دین کو کھو کر دُنیا کے کمانے سے کامل طور پر بچا۔

یَا اَللہ آج بھی جو منافقین ہمارے ملک میں یا عالمِ اسلام میں گھسے ہوئے ہیں ان کی چالبازیوں سے مسلمانوں کی حفاظت فرما اور اُمتِ مسلمہ کو صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق دائمی عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ -

Marfat.com

درس ۱۲

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ

اُن کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو۔ پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے اس شخص کے

مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا

گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے اُنکی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کہ کچھ

يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ

دیکھتے بھالتے نہ ہوں۔ بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے۔ یا اُن منافقوں کی

مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ

ایسی مثال ہے جیسے بارش ہو آسمان کی طرف سے اُس میں اندھیری بھی ہو اور رعد و برق بھی ہو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں

اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ

وہ ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشۂ موت سے۔

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ

اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہیں کافروں کو۔ برق کی حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اُن کی بینائی اُس نے لی

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ

جہاں ذرا اُن کو بجلی کی چمک ہوئی تو اسکی روشنی میں چلنا شروع کیا۔ اور جب اُن پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے

قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ

کھڑے رہ گئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے گوش و چشم سب سلب کر لیتے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۳ ۲

بلاشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں منافقین کے گروہ کا ذکر ہوا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مدینہ میں پیدا ہو گیا تھا جس میں زیادہ تر یہود مدینہ شامل تھے جو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر در پردہ کافر اور مخالف اسلام تھے اُن کی منافقانہ بدخصلتوں اور بعض شرارتوں اور دو رُخی چالوں کا اظہار فرمایا گیا تھا۔ اب آگے انہی منافقین کی حالت کو دو مثالوں کے ذریعے واضح فرمایا جاتا ہے :۔

Marfat.com

یہ عام دستور ہے کہ جب کسی بات کو اچھی طرح سمجھانا اور ذہن نشین کرانا اور اس کی اچھائی یا برائی کو خوب کھول کر بتلانا مقصود ہوتا ہے تو مناسب حال مثال دے کر بات کو سمجھایا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی یہ طرز اختیار کیا گیا ہے اور جگہ جگہ مثالیں دے کر بات سمجھائی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین دو قسم کے تھے۔ ایک تو وہ جو دل سے اسلام کے پکے دشمن تھے اور دل کھول کر کفر اختیار کئے ہوئے تھے مگر بظاہر زبان سے مسلمانوں کے ساتھ ہونے اور مسلمانوں کے ہمدرد و رفیق ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ دوسرے وہ جو طبیعت کے کمزور اور دل کے کچے تھے اور اسلام کے حق ہونے میں کبھی کبھی تردد ہوتا تھا اور کبھی اسلام کی خوبیاں دیکھ کر کچھ کچھ اُدھر میلان ہونے لگتا تھا مگر پھر جب اغراضِ نفسانی کا غلبہ ہوتا اور ذاتی دنیوی مفاد پیشِ نظر ہوتا تو پھر وہ دلی میلان مبدل بہ انکار ہو جاتا۔ قرآن کریم نے ان آیات میں ان دونوں قسم کے منافقین کی مثالیں دی ہیں۔

اوّل پہلے قسم کے منافقین کی مثال دی گئی اور بتلایا گیا کہ اُن کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے سخت اندھیری رات میں کہیں آگ جلائی ہو اور اس آگ کی روشنی سے اردگرد کی تمام چیزیں روشن ہوگئیں اور وہ اس قابل ہو گیا ہو کہ اردگرد میں نفع نقصان کی چیزوں میں فرق کر سکے مگر اچانک اس کی آنکھ کی روشنی اللہ تعالےٰ نے چھین لی ہو کہ اب اُسے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور وہ روشنی کے باوجود اندھوں کی طرح دیکھ بھال نہیں سکتا تو جس طرح یہ شخص روشنی ہونے کے بعد اندھیرے میں رہ گیا اسی طرح منافقین باوجود نورِ حق واضح ہونے کے ظلمت ضلالت میں جا پھنسے اور اس طرح جہالت و ضلالت کے اندھیرے میں پھنس کر اُن کی یہ حالت ہوگئی کہ گویا بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ اُن کے کان حق بات سننے کے قابل نہ رہے اور زبان اُن کی حق بات کہنے کے لائق نہ رہی اور آنکھیں حق دیکھنے کے کام کی نہ رہیں تو ایسی حالت میں ان کے حق کی طرف رجوع ہونے کی کیا اُمید ہے۔

اب اس مثال کو اور کھول کر سمجھئے کہ خدائے تعالےٰ نے ہدایت کی مشعل جلائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دینِ اسلام کو روشن کیا تو مخلوق کو اس روشنی میں منزلِ مقصود کا راستہ معلوم ہو گیا لیکن منافق اندھے بن گئے اور جب آنکھ میں روشنی اور نور ہی نہیں تو مشعل کی روشنی سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ تو یہ اوّل قسم کے منافقین کی مثال بیان فرما کر اُن کے متعلق فرمایا گیا صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ وہ بہرے ہیں۔ گونگے ہیں۔ اندھے ہیں، وہ نہیں لوٹیں گے۔ صُمٌّ کے معنیٰ بہرے کے ہیں۔ تو یہ منافقین اگرچہ ظاہری طور پر بہرے نہیں تھے۔ لیکن بہرہ اس لئے کہا گیا کہ وہ دینِ حق کی باتیں سنتے نہ تھے یا سنتے تو ٹال دیتے اور سنی بات کو اَن سنی کر دیتے گویا کہ بہرے ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔

بُكْمٌ جس کے معنیٰ ہیں گونگا تو اگرچہ ان منافقین کی زبانیں موجود تھیں۔ لیکن سچی بات کہنے اور

Marfat.com

پوچھنے سے گریز کرتے تھے اور حق بات کا اقرار نہ کرتے تھے اس طرح گویا وہ گونگے ہوئے کہ بول ہی نہیں سکتے یعمُوْنَ کے معنی ہیں اندھا۔ منافقین آنکھیں رکھنے کے باوجود اللہ کی نشانیاں اور راہِ حق دیکھ کر قبول نہیں کرتے تھے اس لئے انہیں اندھا کہا گیا اور علم حاصل کرنے کے تین ہی ظاہری ذریعے ہیں۔ کان زبان اور آنکھ کبھی انسان دوسروں کی باتیں سن کر بعض چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے کبھی زبان سے پوچھ کر اور کہہ کر معلوم کرتا ہے اور کبھی آنکھ سے دیکھ کر علم حاصل کرتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ تینوں ہی ذریعے کھو بیٹھے کہ اب نہ کسی ہدایت دینے والے کی آواز سنتا ہے۔ نہ ہدایت کے بارہ میں وہ زبان سے پوچھتا ہے اور نہ ہدایت و حق کی نشانیوں کو آنکھوں سے دیکھ کر کوئی اثر حاصل کرتا ہے تو اس کے متعلق اس بات کی کوئی اُمید نہیں کہ وہ کفر سے اسلام کی طرف یا ظلمت سے نور کی طرف یا اندھیرے سے روشنی کی طرف واپس آئے گا۔ یہ تو قسم اوّل کے منافقین کی مثال اور ان کا انجام و نتیجہ بیان فرمایا گیا، آگے دوسری قسم کے منافقین کہ جن کو قبول اسلام میں تردد رہتا تھا، اور جو دل کے کچے تھے کہ کبھی اسلام کی خوبی دیکھ کر ادھر میلان ہوتا اور پھر اغراض نفسانی اور ذاتی مفاد پیشِ نظر ہوتا تو یہ میلان پھر بدل جاتا۔ ایسے منافقین کے متعلق فرمایا گیا کہ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہو اور سخت اندھیری رات ہو اور بادل کی آواز اور بجلی کی چمک بھی ہو تو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشۂ موت سے انگلیوں کو ٹھونس لیتے ہیں اور بجلی کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لی اور جہاں بجلی کی چمک اور روشنی ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جب اُن پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ تو یہاں مثال سے یہ سمجھایا گیا کہ جس طرح لوگ اندھیری طوفانی بارش میں کبھی چلنے سے رُک جاتے ہیں، کبھی موقع پاکر آگے چلنے لگتے ہیں، اسی طرح تردد میں پڑے ہوئے منافقین ہیں، کہ کبھی آثار غلبۂ اسلام میں نورِ اسلام کی جھلک دیکھ کر اُدھر کو بڑھنے لگتے ہیں اور کبھی خودغرضی کی ظلمت میں پڑ کر حق سے رُک جاتے ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ قیامت میں بھی ان منافقین کا یہی حال رہے گا جبکہ لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازہ کے مطابق نور ملے گا۔ بعض کو کئی کئی میلوں تک کا۔ بعض کو اس سے بھی زیادہ، کسی کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی وہ روشن ہوگا اور کبھی اندھیرا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سی دُور چل سکیں گے پھر ٹھیر جائیں گے پھر ذرا سی دُور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا۔ اور بعض وہ بے نصیب بھی ہونگے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائیگا۔ یہ پورے منافق ہونگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سب توحید والوں کو قیامت کے دن نور ملے گا۔ جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو مُوَحِّدْ ڈر کر کہیں گے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ خدایا ہمارے نُور کو پورا کر۔ کلامِ پاک کی دُوسری آیتوں اور احادیث

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن انسان کئی قسم کے ہوں گے۔ خالص مومن پھر ان مومنوں کی بھی دو قسمیں ہوں گی۔ سابقین اور اصحاب یمین یعنی مقرب بارگاہِ خداوندی اور نیک کار، پرہیزگار، دوسرے خالص کفار پھر ان کفار کی بھی دو قسمیں ہوں گی ایک تو کفر کی طرف بلانے والے دوسرے ان کی تقلید کرنے والے۔ تیسرے منافقین۔ ان کی بھی دو قسمیں ہوں گی ایک تو خالص اور پکے منافق اور دوسرے وہ جو تردد میں ہیں کبھی تو ایمان چمک اٹھتا ہے کبھی بجھ جاتا ہے۔ یا جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ نرا منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہو گی یہاں تک کہ اسے چھوڑ نہ دے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب وعدہ یا عہد کرے تو اسے توڑ دے اور (۴) جب کسی سے لڑے تو گالیاں بکے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین نشانیاں ہیں اور مسلم کی روایت میں ان الفاظ کے بعد یہ لفظ ہیں کہ اگرچہ وہ شخص روزہ رکھتا ہو۔ نماز پڑھتا ہو اور اپنے مسلمان ہونے کا دعوے کرتا ہو۔ اس کے بعد بخاری اور مسلم دونوں کے متفقہ الفاظ یہ ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو خلاف وعدہ کرے۔ کوئی امانت اسکے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ انسان میں نفاق کا کبھی کچھ حصہ ہوتا ہے، خواہ نفاق عملی ہو خواہ اعتقادی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائے اور نفاق کی ہر چھوٹی بڑی خصلت سے بچائے۔ آمین

الغرض منافقین کی یہ دونوں مثالیں بیان فرما کر اخیر میں ان کو ایک دھمکی دی جاتی ہے اور تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں۔ ان کی خباثتوں اور شرارتوں اور منافقانہ روش پر ہر وقت اور ہر حال میں وہ ہلاک و تباہ و برباد کئے جا سکتے ہیں اور ان کی دیکھنے اور سننے کی طاقتیں بھی سلب کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسلئے حق کو چھوڑ کر ان کو مطمئن نہ ہو جانا چاہیئے بلکہ اللہ کی قدرت سے ڈرنا اور خوف کھانا چاہیئے کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں سزا دے سکتا ہے۔

یہاں منافقین کے متعلق حق تعالیٰ نے صُمٌّ۔ بُکْمٌ۔ عُمْیٌ جیسے الفاظ استعمال کئے اور ان کی حالت کی کیسی واضح مثالیں دی گئیں۔ یہ سب اسی وجہ سے تو ہوا کہ اسلام کے زبانی دعوے کے باوجود انہوں نے حق کی اور اسلام کی دل سے مخالفت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو نہ پہچانا اور آپ کا حق ادا نہ کیا۔ حق تو آپ کا یہ تھا کہ دل و جان سے آپ پر ایمان لایا جاتا۔ آپ کی مکمل تابعداری اور فرمانبرداری کی جاتی۔ آپ کے ارشادات کو سر آنکھوں پر رکھ کر

Marfat.com

ان کی اطاعت اور تعمیل کی جاتی ۔ جس امر کو آپ خیر فرماتے اس کو خیر سمجھا جاتا جس کو آپ شر فرماتے اس کو شر سمجھا جاتا اور اس سے گریز کیا جاتا مگر ایسا نہ کرنے پر منافقین کا جو انجام بتایا گیا وہ آپ نے سُنا ۔ عقلمند وہی ہوتا ہے جو دوسرے کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے ۔ اِس وقت کے مسلمانوں کو بھی غور کرنا چاہیئے کہ خدانخواستہ ہماری حالت تو کسی درجہ میں منافقین سے مشابہت نہیں رکھتی ؟ منافقین کی صفات کسی درجہ میں ہم میں تو نہیں پائی جاتیں ؛ ہم تو اسلام کی حق باتیں سُن کر اَن سُنی نہیں کر دیتے ؛ ہم تو کہیں حق بات کے کہنے اور سُننے سے گریز نہیں کرتے ؛ ہم تو کہیں اسلام کی روشنی اور اللہ کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی ان کا کوئی اثر نہیں لیتے ؛ نورِ ہدایت کے حاصل کرنے میں ہم اپنے کان ۔ آنکھ اور زبان صحیح معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں یا نہیں ؛

نویں پارہ سورۃ اَنْفَال میں حق تعالیٰ ایمان والوں کو خطاب فرماتے ہیں :۔

"اے ایمان والو ! اللہ اور اس کے رسُول کی فرمانبرداری کیا کرو اور ان کا کہنا ماننے سے رُوگردانی مت کرنا ۔ اور تم سُن تو لیتے ہی ہو اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سُن لیا ، حالانکہ وہ سنتے سُناتے کچھ بھی نہیں ۔ بیشک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں ، گونگے ہیں ، جو کہ ذرا نہیں سمجھتے "۔

اللہ تعالےٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں اور منافقانہ خصلتوں سے ہماری حفاظت فرمائیں آمین ۔

الغرض ابتدائے سورۃ سے یہاں تک تینوں قسم کی جماعتوں کا بیان ہو چکا پہلے متقین کا پھر کفار کا ، پھر منافقین کا ، اب سب کو خطاب میں جمع کر کے وہ کام بتلایا جاتا ہے جس کے انجام دینے کے لئے یہ کتاب مقدس نازل کی گئی جس کے دو مرکزی اصول ہیں ایک اقرار توحید[1] اور دوسرے تصدیق رسالت[2] چنانچہ اگلی آیات میں پہلے توحید کے متعلق مضمون بیان فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا ۔

دُعا کیجئے

اَللّٰہ تبارک و تعالیٰ ہم کو اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اور ہر طرح کی منافقانہ خصلتوں سے ہمارے نفوس کو پاک رکھیں اور اپنے نورِ ہدایت سے ہمارے قلوب کو منور فرمائیں ، اللہ تعالیٰ ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں ۔ اور کتاب و سُنت کا ہم کو متبع بنا کر زندہ رکھیں ۔ اور اسی پر موت نصیب فرمائیں ۔

یَا اَللّٰہ اس ملک اور سرزمین پاکستان کو منافقین کے وجود سے پاک فرما اور اُن کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردازیوں سے اہلِ اسلام کی حفاظت فرما ۔ آمین ۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

درس ۱۳

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا
وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ
اور ان لوگوں کو بھی کہ تم سے پہلے گذر چکے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ - وہ ذات پاک
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ص وَّاَنْزَلَ
ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ
آسمان سے پانی پھر پردۂ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں سے
رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾
غذا کو تم لوگوں کے واسطے - اب تو مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم تو جانتے بوجھتے ہو -

تفسیر وتشریح: شروع سورۃ سے گذشتہ آیت تک تین جماعتوں یا گروہوں کا یکے بعد دیگرے ذکر فرمایا گیا یعنی متقین کا، کفار کا، منافقین کا، اُن کے اوصاف اُن کی جزا وسزا اور ان کے انجام کو بھی بیان فرمایا گیا۔ ان تینوں قسم کے لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد ایک سمجھدار انسان میں متقی بننے اور سعادت وہدایت کا مشتاق ہونے اور تقویٰ وپرہیزگاری کا شوق پیدا ہوجانا چاہیئے اس لئے اب تمام انسانوں کو خطاب کرکے اُن کے سامنے اصل تقویٰ حاصل کرنے کی راہ واضح کی جاتی ہے اور دعوتِ توحید دی جاتی ہے، کیونکہ توحید کی پابندی ہی سے تقویٰ حاصل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں تمام انسانوں کو خطاب کرکے حکم دیا جاتا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ - اے لوگو! تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔

عبادت کے معنیٰ ہیں اپنی پوری طاقت مکمل فرمانبرداری میں صرف کرنا اور خوف وعظمت کے پیشِ نظر نافرمانی سے دور رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو عاجزی وادب کے ساتھ ماننا، اب اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال وعبادات بھی شامل ہیں اور صحیح عقاید وتصدیقات معاملات وسیاسیات آدابِ معاشرت واخلاقیات وغیرہ بھی داخل ہیں۔ گویا ہر کام اللہ کے احکام کے مطابق کرنا یا نہ کرنا یہی عبادت کا مفہوم ہے۔ پھر یہاں اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ میری عبادت کرو یا اللہ کی عبادت کرو۔ بلکہ یوں فرمایا کہ اپنے رب یعنی ہر وقت اور ہر حال میں پرورش کرنے والے کی عبادت کرو اور نکتہ اس میں

یہ ہے کہ جب بندہ اپنے خالق و رازق اور آقا و مولا کے انعامات و احسانات اور اسکی بخشش و عنایات کو خیال کرے گا تو از خود اپنے خالق و رازق کی اطاعت و عبادت کو دل چاہے گا۔ پھر یہاں لفظ "رب" کا انتخاب کرنے میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے دعوے کے ساتھ دلیل بھی آگئی۔ چنانچہ آگے فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۔ یعنی اُوپر جو "رب" کی عبادت کا حکم یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ میں دیا گیا تھا اس کی پہلی عقلی دلیل خَلَقَکُمْ میں دی گئی یعنی تمہیں پیدا کیا اور نعمت وجود سے سرفراز فرمایا اس لئے وہی عبادت کے لائق ہے۔

دوسری دلیل وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ میں دی گئی۔ یعنی تمہارے آباؤ اجداد اور دوسرے تمام انسانوں کا خالق بھی وہی ہے اور سب اپنے ایجاد وجود اور ہستی میں اس کے محتاج ہیں لہٰذا قابلِ عبادت و پرستش وہی ہے ۔ پھر آگے لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ میں یہ بتلایا گیا کہ اس کی اطاعت گذاری اور عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں، بلکہ اس سے سراسر انسان ہی کا نفع ہے کہ اس کو عبادت سے تقویٰ کی صفت حاصل ہو جائے گی اور آتشِ جہنم سے بچ جائے گا۔

تیسری دلیل اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا میں دی گئی یعنی جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش کی طرح بنا دیا کہ تم اس پر چل پھر سکتے ہو، بیٹھ سکتے ہو، لیٹ سکتے ہو، اپنا گھر بار بنا سکتے ہو۔ اس پر اپنے کاروبار کر سکتے ہو ۔ یہ زمین نہ اتنی نرم ہے کہ جس پر قرار نہ ہو سکے، نہ لوہے کی طرح سخت ہے بلکہ نرمی اور سختی کے درمیان ایسا بنایا گیا جو عام انسانی ضروریات زندگی میں کام دے سکے۔

چوتھی دلیل فرمائی وَالسَّمَآءَ بِنَآءً اور جس نے تمہارے لئے آسمان کو چھت بنایا یعنی آسمان کو اللہ تعالیٰ نے خیمہ کی چھت کی طرح بنا کر کھڑا کر دیا، گویا یوں سمجھو کہ یہ سارا عالم بمنزلہ ایک مکان کے ہے کہ آسمان اس کی چھت ہے اور زمین اس کا فرش ہے اور چاند سورج اور ستارے دیئے اس گھر کے شمع و چراغ ہیں۔

پانچویں دلیل فرمائی وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ اور برسایا آسمان سے پانی، پھر نکالا بذریعہ اُس پانی کے پھلوں سے غذا کو تم لوگوں کے واسطے ۔ یعنی بارش کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر کے اس سے تمہارے لئے روزی پیدا کی ۔ انسانوں کے روزمرہ کے کھانے پینے کی چیزیں مثلاً غلہ، اناج، سبزی، ترکاری، پھل، میوے ان سب کا زمین سے اُگنے اور پیدا ہونے کا انتظام اللہ تعالیٰ ہی نے فرمایا۔ تو یہاں پانچ قسم کے دلائل اللہ تعالیٰ کے معبود اور اس کی ہی عبادت کرنے کے لئے دیئے گئے تاکہ ہر انسان غور کرلے کہ اس کو عدم سے وجود میں لانے والا، اور نیست سے ہست کرنے والا اور ایک قطرۂ ناچیز سے حسین و جمیل عاقل انسان بنا کر پیدا کرنے والا،

Marfat.com

اور پھر انسانوں کی تربیت اور پرورش کے سارے سامان مہیا کرنے والا۔ اس کے رہن سہن کے لئے زمین بنانے والا۔ اس کی دوسری ضروریات کے لئے آسمان بنانے والا۔ آسمان سے پانی برسانے والا، بجز حق تعالیٰ جل وعلیٰ کے کوئی نہیں۔ تو عبادت و بندگی کا حق دار بھی اس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور جملہ عبادات کے لائق صرف اسی کی ایک ذات ہے کسی اور کی عبادت و بندگی نہیں۔ امام رازیؒ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی ان آیات سے استدلال کیا ہے اور فی الواقع یہ آیات بہت بڑی دلیل ہیں، اللہ تعالیٰ کے وجود پر۔ یہ زمین و آسمان کی پُرحکمت موجودات۔ اُن کی مختلف شکل و صورت۔ ان کا مختلف رنگ و مزاج اور ان کے مختلف فوائد اور ان کا خاص حکمتوں کے ساتھ موجود و قائم رہنا ثبوت ہے ان کے خالق کے وجود کا اور اس کی عظیم الشان قدرت و حکمت کا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ زبانوں کا مختلف ہونا۔ آوازوں کا جدا گانہ ہونا۔ لب و لہجہ الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک موقعہ پر چند دہریوں نے یہی سوال کیا آپ نے جواب دیا کہ اس وقت میں کسی اور ہی سوچ میں ہوں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کا تجارتی سامان ہے مگر نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے مگر اس کے باوجود وہ برابر آجا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گذر جاتی ہے۔ رُکنے کی جگہ پر رُک جاتی ہے اور چلنے کی جگہ پر چلنے لگتی ہے اور نہ کوئی ملاح ہے نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا کہ آپ کس بیہودہ میں پڑ گئے۔ کوئی عقلمند انسان ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی نظام کے ساتھ طوفانی سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا نگران اور چلانے والا نہ ہو۔ حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا، افسوس تمہاری عقل پر کہ ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا آسمان، زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے اپنے کام پر لگی رہیں اور اس کا مالک، حاکم اور خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سُن کر وہ لاجواب ہو گئے اور حق معلوم کر کے اسلام لے آئے۔

ایک موقع پر حضرت امام شافعیؒ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ شہتوت درخت کے سب پتے ایک ہی جیسے ہیں ایک ہی ذائقہ کے ہوتے ہیں۔ کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائے بکریاں اور ہرن وغیرہ سب اس کو چاٹتے۔ کھاتے اور چگتے چرتے ہیں۔ اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے۔ مکھی شہد دیتی ہے، ہرن میں مُشک پیدا ہوتا ہے اور گائے بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں، کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک ہی پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ

تبارک وتعالیٰ مانتے ہیں وہی موجد اور صانع ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں، سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوراخ تک نہیں، باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اور اوپر نیچے دائیں بائیں چو طرف سے بالکل بند ہے ہوا تک اسمیں نہیں جاسکتی، اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے۔ اور ایک جاندار آنکھوں، کانوں والا بولتا چالتا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ کہو اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں ؟ مطلب آپ کا یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو جو ہر طرف سے بند ہے پھر اس کی سفیدی زردی سے پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے خدا کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالےٰ کے وجود اور پروردگار عالم کی ہستی کی ایک بڑی دلیل موجود ہے اور ہر ہر چیز اس پروردگار کی ذاتِ عالی اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔ آسمان دیکھو۔ اس کی بلندی اس کی وسعت اسکے چھوٹے بڑے لاتعداد روشن ستاروں پر نظر ڈالو۔ ان کے چمکنے دمکنے، ان کے چلنے پھرنے ٹھیر جانے، ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ کرو، پھر سمندروں کو دیکھو جو زمین کو گھیرے ہوئے ہیں، اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین پر گڑے ہوئے ہیں۔ جن کے رنگ اور جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ پھر لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز و شاداب باغات، خوشنما نہریں، طرح طرح کے پھل پھول۔ مزے مزے کے میوے ان پر غور کرو زمین ایک، پانی ایک، ہوا ایک، روشنی اور گرمی ایک، لیکن شکلیں، صورتیں، خوشبوئیں، رنگت، ذائقہ اور فائدے مختلف اور الگ الگ۔ پھر قسم قسم کی مخلوقات پر نظر ڈالو، کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی اس کی ذات اور اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتی؟ کیا یہ تمام مصنوعات انسانوں کو نہیں بتاتیں کہ ان کا کوئی صانع ہے ؟ کیا یہ تمام موجودات نہیں بتا رہی ہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے ؟ درحقیقت یہ بالکل کھلے ہوئے دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہر نگاہ کے سامنے کر رکھے ہیں جو اس کی زبردست قدرتوں۔ اس کی پُرزور حکمتوں۔ اور اس کی لاثانی رحمتوں۔ اس کے بینظیر انعاموں اور اسکے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لئے کافی ووافی ہیں۔

اس لئے اخیر میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اب تو مت ٹھیراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم تو جانتے بوجھتے ہو۔ یعنی اے انسانو! جب تم نے جان لیا کہ تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا، زمین و آسمان کا، اور ساری کائنات کا خالق و مالک و رازق بجز

حق تعالےٰ کے کوئی نہیں، تو عبادت و بندگی کا دُوسرا مستحق کون ہوسکتا ہے کہ اس کو خدا کا مقابل، ساجھی یا شریک ٹھیرایا جائے۔

یہاں ان آیات میں یہی مذکورہ بالا مضمون بیان فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اے انسانو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی کہ تم سے پہلے گذر چکے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور آتشِ جہنم سے بچ جاؤ۔ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر پردۂ عدم سے بذریعہ اس پانی کے نکالا پھلوں سے غذا کو تم لوگوں کے واسطے۔ اب تو مت ٹھیراؤ اللہ پاک کے مقابل، اور تم تو جانتے بوجھتے ہو، یعنی اس بات کو جانتے ہو کہ ان تصرفات کا بجز خدا تعالیٰ کے کوئی کرنے والا نہیں تو اس صورت میں کب زیبا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں دوسروں کو معبود بناؤ۔

غرض یہ کہ اس سورۃ میں پہلا حکم تمام انسانوں کو اللہ کی عبادت اختیار کرنے کا دیا گیا اور پہلی ممانعت اللہ تعالےٰ کے شریک نہ ٹھیرانے کی کی گئی اور یہی اسلام کی سب سے پہلی تعلیم ہے کہ صرف خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک اور مثل نہ جانو اور یہی مفہوم ہے کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا۔ یہ تو توحید باری تعالیٰ کا ثبوت تھا عقلی دلائل سے اس کے بعد رسالتِ محمدی ﷺ کا ثبوت اگلی آیات میں دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور اپنی ذاتِ عالی کی معرفت کا مدعا عطا فرمائیں۔ یَا اَللّٰہ اپنی عبادت و بندگی کی توفیق ہم کو نصیب فرما۔ اور جو کچھ ٹوٹی پھوٹی عبادت ہم سے ہوجاتی ہے اس کو اپنی رحمت سے قبول فرما۔ یَا اَللّٰہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو شرک سے بچایا اور اسلام و ایمان نصیب فرمایا۔ یَا اَللّٰہ ہم کو اسلامِ کامل اور ایمانِ صادق نصیب فرما اور اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۴

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ

تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک سورت جو اس کے ہم پلہ ہو اور بلالو اپنے حمایتوں کو جو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا

خدا سے الگ ہیں اگر تم سچے ہو پھر اگر تم یہ کام نہ کرسکے

وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ

اور قیامت تک بھی نہ کرسکو گے تو پھر ڈرتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی

وَالْحِجَارَةُ ج اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے

تفسیر و تشریح :- قرآن پاک جو ہدایت لے کر آیا ہے اس کے دو ہی بنیادی اصول ہیں۔ ایک اقرار توحید دوسرے تصدیق رسالت۔ گذشتہ آیات میں توحید عقلی دلائل سے ثابت کی گئی تھی۔ اس کے بعد ان آیات میں رسالتِ محمدی ثابت فرمائی جاتی ہے۔ نبوت کی روشن دلیل چونکہ معجزہ ہوتا ہے اسلئے دیگر انبیاء کرام کو اپنے اپنے زمانہ کے مناسب معجزات عطا کئے گئے جو ان کے لئے دلیلِ نبوت بنے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہت سے معجزات عطا ہوئے لیکن ان تمام معجزات میں سب سے بڑا علمی معجزہ قرآن پاک ہے جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ خود ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کو ایسے معجزات دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور میرا معجزہ خدا کی وحی یعنی قرآن پاک ہے۔ اس لئے مجھے اُمید ہے کہ میرے تابعدار بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے۔ لیکن کفار مکہ اور مشرکین عرب کو قرآنِ پاک کے دلیل نبوت یعنی وحی الٰہی ہونے میں شک اور شبہ تھا اور ان کا یہ کہنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام مصنفین کی طرح اس کو خود ہی تھوڑا تھوڑا تصنیف کر لیتے ہیں اور لوگوں کو کلامِ الٰہی بتلا کر سنا دیتے ہیں، منکرین و مشرکین کے اس الزام کو دلیل کے ساتھ رفع فرمایا جاتا ہے اور ان آیات میں پہلے فرمایا جاتا ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ اور اے لوگو! اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب

Marfat.com

کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک سورۃ جو اس کے ہم پلہ ہو۔ یعنی اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے میں تو ذرہ برابر کوئی شک و تردد نہیں جیسا کہ ابتدائے سورۃ ہی میں بتلا دیا گیا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اگر تم قصور فہم یا عناد کی وجہ سے اس کتاب کے بارہ میں جس کو ہم نے اپنے بندہ پر تدریج نازل کیا کسی شک اور شبہ و تردد میں مبتلا ہو گئے ہو تو تم بھی اسی طرح ایک چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جو فصاحت و بلاغت اور ہدایت و ارشاد۔ علوم و معارف حسن معانی اور لطائف احکام میں اس کتاب کے مماثل و مشابہ ہو لے آؤ یعنی مخالفین اور منکرین قرآن کو چیلنج دیا گیا کہ اگر تم کو اس کلام خداوندی میں جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندۂ خاص محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے کچھ شک ہو کہ یہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں۔ اور یہ نبی برحق ہیں یا نہیں تو قطع نظر دیگر معجزات کے اے منکرین تم اس کلام کا ہی مقابلہ کر کے دیکھو۔ کیونکہ تم بھی اہل زبان ہو اور تم بھی اسی قوم۔ اسی شہر اور اسی ملک کے افراد ہو بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اُمّی ہیں یعنی پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتے اور تم تو شعر و شاعری سخن پروری اور قوتِ کلامیہ میں بڑھ چڑھ کر ہو اور اس کے مشاق ہو تم تو ہر مجلس میں اور میلے میں شاعری اور خطابت کا مقابلہ کرنے جاتے ہو لیکن اس قوت کلامی کے باوجود پورا قرآن نہ سہی اس کا نصف یا ثلث بھی نہ سہی اس کے کسی ایک چھوٹی سی سورت ہی کے برابر تم تصنیف کر دیکھو۔ یہ تو تم بھی خوب واقف ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بندہ سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور تم لوگ زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں دعوے کمال کرتے ہو تو اگر تمہارے الزام کے موافق محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اَن پڑھ اور اُمّی ہونے کے قرآن اپنی طرف سے بنا سکتے ہیں تو تم باوجود کامل زبان دانی کے اس سے بہتر فصیح و بلیغ بنا سکتے ہو۔ لہٰذا اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خود تراشیدہ ہے تو کم از کم ایک ہی سورۃ اس کی مثل بنا لاؤ۔ اور اگر تم تنہا نہیں بنا سکتے تو وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یعنی اپنے مددگاروں کو اپنے فصحا و بلغا اور جن و انس کو جمع کر کے ان سے بھی امداد حاصل کرو اور اس کی مثل ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔

یہ ایک کھلا ہوا قرآنی چیلنج تھا کہ جو اپنے بینظیر اور بے مثل ہونے کے بارہ میں دیا گیا۔ اور صرف یہیں اس مدنی سورۃ میں نہیں بلکہ اس سے قبل کئی مکی سورتوں میں بھی دُنیا کے سامنے یہ چیلنج پیش کیا۔ سب سے پہلے سورۂ بنی اسرائیل پندرھویں پارہ میں ارشاد ہوا "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ اگر کُل انسان اور جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تب بھی اس جیسا نہ لا سکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں"۔ اس کے بعد بارہویں پارہ سورۂ ہود میں

میں ارشاد فرمایا گیا "کیا یہ منکرین کہتے ہیں کہ آپ نے اسے یعنی قرآن کو گھڑ لیا ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم بھی دس سورتیں اس کی مثل گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو بھی تم بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ یعنی اگر تمام قرآن کا مثل نہیں لا سکتے تو دس سورتیں ہی اس جیسی بنا کر پیش کرو" پھر گیارہویں پارہ سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا گیا۔ "کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو گھڑ لیا ہے۔ آپ کہیئے کہ اچھا تو تم ایک ہی سورۃ مثل اسکے لے آؤ اور اللہ کے سوا تم جس کو بلا سکو بلا لو اگر سچے ہو" یہ تینوں اعلان ہجرت سے قبل مکہ میں کئے گئے اسلئے کہ یہ تینوں سورتیں مکی ہیں، پھر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے یہی سورۂ بقرہ نازل ہونی شروع ہوئی اور پھر ایک ہی قرآن جیسی سورت لانے کا اعلان کیا گیا۔ اب اگرچہ قرآن ساری دنیا کے لئے آیا لیکن اس کے بلاواسطہ اور پہلے مخاطب عرب تھے جن کو اور کوئی علم و فن آتا تھا یا نہیں مگر زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں وہ اپنے کو اقوام دنیا سے ممتاز جانتے تھے۔ قرآن ان کو مخاطب کر کے چیلنج کرتا ہے کہ اگر تمہیں میرے کلام الٰہی ہونے میں کچھ شبہ ہے تو تم میری جیسی ایک ہی سورۃ بنا کر دکھلا دو۔

اب غور کیجئے کہ کفار مکہ اور مشرکین عرب نے قرآن اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ایذا دہی اور مغلوب کرنے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مقابلہ میں جان۔ مال، عزت، آبرو سب کچھ سر دھڑ کی بازی لگائی اور دعوت قرآن کو ختم کرنے کے لئے سبھی کچھ کر گذرے مگر یہ کسی سے نہ ہو سکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا اور چند سطریں اس کلام الٰہی کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔ قریش عرب کی تاریخ شاہد ہے کہ پورے عرب نے اس کلام کے بے مثل اور بے نظیر ہونے کو تسلیم کیا اور اس کی مثال پیش کرنے کو اپنی ذلت و رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا۔ تو سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز کیا اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی نظیر پیدا کرنا انسان کیا ساری مخلوقات کی قدرت سے باہر ہے۔ پھر عہد نبوی اور زمانہ نزول قرآن کا ذکر چھوڑ دیجئے۔ آج قریب چودہ سو برس کا طویل زمانہ گذر رہا ہے، کوئی شخص قرآن کا مثل نہ لا سکا۔ شام، دمشق۔ بیروت، مصر۔ فلسطین وغیرہ میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے اور جن کی ادارت میں سینکڑوں اخبار، جرائد اور رسائل اشاعت پذیر ہیں وہ کیوں اس دعوئے قرآن کے مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو جاتے، ان میں تو ایسے ایسے ادیب اور ماہر زبان موجود ہیں جنہوں نے لغات عربیہ پر بڑی ضخیم کتابیں لکھ ڈالیں لیکن وہ کیوں قرآن کی ایک ہی سورۃ کے برابر لکھنے کی جرأت نہ کر سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ عربیت کا ماہر اور ادب میں ید طولیٰ رکھنے والا ہے اس پر اتنا ہی زیادہ رعب کلام قرآنی کا غالب آجاتا ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے، قرآن پاک اپنے

Marfat.com

الفاظ اور مضامین میں بینظیر ہے جس کے مقابلہ اور معارضہ سے دُنیا عاجز اور بے بس ہے۔ اس کلام پاک میں جو اگلی خبریں دُنیا پر پوشیدہ تھیں وہ ہُو بہُو بیان کی گئیں اور آنے والے امور کے تذکرہ و پیشینگوئی فرمائی گئیں جو لفظ بلفظ پورے ہوئے۔ پھر ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت سے پُر ہے، پھر کلام کی ترتیب الفاظ کی بندش۔ عبارت کی روانی۔ معانی کی نورانیت مضمون کی پاکیزگی، سونے پر سہاگہ ہے۔ بار بار پڑھو دِل نہ اُکتائے مضامین سمجھتے جاؤ اور ختم نہ ہوں یہ قرآن پاک ہی کا خاصہ ہے۔

الغرض تمام دُنیا کے مخالفین و منکرین کو یہ چیلنج دیا گیا کہ اگر اس کتاب کے کلامِ الٰہی ہونے میں کسی کو شبہ ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی کوئی بنا کر پیش کرے، لیکن آگے فرما دیا فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور بیشک ایسا نہ کر سکو گے۔ یعنی ایک اعجاز تو قرآن کریم کا یہ تبلایا گیا کہ کوئی اس کے مثل کبھی نہیں لا سکتا اور دوسرا اعجاز یہ ہے کہ پہلے ہی پیشگوئی فرما دی گئی اور غیب کی خبر دے دی گئی کہ قیامت تک کوئی شخص اس کے مثل کلام نہیں لا سکتا چنانچہ بحمد اللہ چودہ سو ۱۴۰۰ برس گذر گئے اور ہر زمانہ میں قرآن کے مخالفین رہے ہیں مگر کوئی اب تک ایسا نہ کر سکا اور نہ قیامت تک ایسا ممکن ہے۔ اب اس کا نتیجہ فرمایا جاتا ہے فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۔ یعنی جب یہ قطعاً معلوم ہو گیا کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ اُتارا گیا خدا کے سچے پیغمبر ہیں تو اے منکرین اگر اب بھی تم کفر و انکار پر اڑے رہے تو تمہارا ٹھکانا جہنم کی آگ ہو گی جس کا ایندھن خدا کے نافرمان بندے اور پتھر ہو گا اور جو تم جیسے منکرین و معاندین کے لئے تیار کی گئی ہے، اس جگہ پتھر سے مراد یا تو عام پتھر مراد ہیں یا گندک کے پتھر مراد ہیں، جن کی وجہ سے آگ میں شدت ہو گی یا پتھر سے وہ بُت مراد ہیں جن کو کافر پوجتے تھے تاکہ مشرکین کو اپنے معبودوں کی بے بسی اور بے کسی دیکھ کر اور زیادہ حسرت ندامت اور تاسف ہو۔

یہاں ان آیات میں یہی مذکورہ بالا مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک سورۃ جو اس کے ہم پلہ ہو کیونکہ آخر تم بھی عربی زبان دان ہو اور بلا لو اپنے حمایتوں کو جو خدا سے الگ تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو۔ پھر تم اگر یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے تو پھر ڈرا بچتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ سے اور قرآن کریم کی دوسری آیات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جہنم پیدا شدہ اور اب موجود ہے۔ احادیث سے بھی یہی ظاہر ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جہنم

Marfat.com

کی آگ کو ایک ہزار برس روشن کیا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی پھر ایک ہزار برس تک روشن کیا گیا یہاں تک کہ وہ سُرخ ہو گئی، پھر ایک ہزار برس تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہو گئی اور اب وہ سیاہ و تاریک ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو اس جگہ سے جہاں اس کو اللہ نے پیدا کیا ہے اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں ہو گی اور وہ فرشتے اُسے کھینچتے ہوئے لائیں گے۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جہنم دراصل خاص کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے البتہ گناہوں کا میل کچیل صاف کرنے کے لئے اگر گنہ گار مسلمانوں کو کچھ وقت کے لئے جہنم میں رکھا جائے گا تو گناہوں کی عارضی نجاست سے پاک صاف ہونے کے بعد وہاں سے نکال لئے جائینگے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے عذابِ جہنم سے ہم سب کو بچائیں۔ آمین۔

الحاصل ان آیات میں منکرین قرآن کے لئے وعید مذکور تھی آگے اس کو تسلیم کرنے والوں کو بشارت سُنائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دُعا کیجئے

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر قرآن پر ایمان رکھنے والا بنایا۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت عظمیٰ کی ہم کو قدر دانی کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس پر ایمان کے ساتھ ہم کو عمل کی بھی توفیق نصیب فرمائیں۔

یَا اَللّٰہ اس ملک اور اس قوم کو بھی قرآن کی قدر عطا فرما دے۔

یَا اَللّٰہ اس ملک میں قرآنی حکومت عطا فرما دے، اے اللہ ہم نے اب تک اس قرآن کے حقوق میں جو کوتاہیاں کی ہیں اس جُرمِ عظیم کو معاف فرما دے اور اپنی قدرتِ کاملہ سے اس سرزمین پر اسلام اور قرآن کے چمکنے کی صورتیں غیب سے ظاہر فرما دے۔

یَا اَللّٰہ جہنم اور اس کے عذاب سے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ہمیں اپنی رحمت سے بچا لے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۵

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

اور خوشخبری سنا دیجئے آپ اے پیغمبرؐ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے اس بات کی کہ بیشک انکے واسطے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا

بہشتیں ہیں کہ چلتی ہوں گی اُن کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جائیں گے وہ لوگ

مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ

اُن بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے

قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

پیشتر اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا ۔ اور ان کے واسطے ان بہشتوں میں بیویاں ہونگی

مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

پاک صاف کی ہوئی اور وہ لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ کو بسنے والے ہوں گے ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں تصدیق رسالت محمدی کے سلسلہ میں قرآن کریم کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے تمام منکرین کو چیلنج دیا گیا تھا کہ اگر وہ اس قرآن کریم کو نعوذ باللہ کسی انسان کا کلام سمجھتے ہیں تو وہ اس جیسے خوبیوں کے کلام کی ایک ہی سورۃ بنا کر پیش کریں لیکن ساتھ ہی یہ بھی پیشگوئی فرما دی گئی تھی کہ مخلوق میں کوئی بھی ایسا کلام ہرگز کبھی پیش نہیں کر سکتا ۔ جب قرآن کی حقانیت کا اور اسکے بے مثل و بے نظیر ہونے کا یہ کھلا ہوا ثبوت پیش کر دیا گیا تو اب جو بھی اس قرآن کا منکر ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کرے گا تو وہ آخرت میں عذاب جہنم میں مبتلا ہوگا اور اس جہنم کا ایندھن ایسے ہی لوگ یعنی منکرین قرآن و رسول بنیں گے ۔ یہ تو وعید یعنی عذاب جہنم کی سزا سنائی گئی تھی منکرین قرآن کو اب ان کے مقابلہ میں اس آیت میں بشارت اور خوشخبری سنائی جاتی ہے ان کو جو اس قرآن پر ایمان رکھنے والے ہیں ۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں ۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ کلام نازل ہوا ان کو اللہ کا سچا رسول مانتے ہیں ۔ جو قرآن کے مطابق آخرت وغیرہ پر یقین رکھتے ہیں اور آخرت کی زندگی بنانے کے لئے دنیا میں قرآن کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اپنی زندگی گذارتے ہیں اور اعمال صالحہ کا ذخیرہ جمع کرتے رہتے ہیں کہ آخرت میں ان کو جنت کے باغات نصیب ہوں گے اور وہاں طرح طرح کی لازوال نعمتیں اور راحتیں میسر ہوں گی اس طرح ترہیب کے ساتھ ترغیب کا پہلو بھی ظاہر فرما دیا گیا کہ انکار و تکذیب

اور نافرمانی کا نتیجہ وہ تھا تو ایمان و اسلام اور فرمانبرداری کا ثمر یہ ہے چنانچہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آپ بشارت دے دیجئے اور خوشخبری سنا دیجئے اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن کریم پر ایمان لائے اور احکام الٰہیہ کے مطابق اعمالِ صالحہ کئے۔ یعنی جن کاموں کا اللہ و رسولؐ نے کرنے کا حکم دیا ان کو بجالائے اور جن کاموں سے اللہ اور رسولؐ نے منع کیا اُن سے بچے۔

اب وہ بشارت اور خوشخبری کیا ہے؛ ارشاد فرمایا اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ کہ ایسے لوگوں کے لئے جنت یعنی عجیب قسم کے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جَنَّتْ لغت میں باغ کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں اس خاص جگہ کا نام ہے جو مومنین و مسلمین اور ابرار و متقین کو آخرت میں عطا ہوگی اور جہاں خیر ہی خیر، انعام ہی انعام، راحت ہی راحت، چین ہی چین، نعمت ہی نعمت ہوں گی اور وہ بھی ابدالآباد کے لئے کہ ان کو زوال اور فنا نہ ہوگا، گویا جنت ضد اور مقابل ہوگی جہنم کی جہاں شر ہی شر، رنج ہی رنج، عذاب ہی عذاب، سختی ہی سختی، تکلیف ہی تکلیف، ذلت ہی ذلت، دکھ ہی دکھ ہوگا جس میں کفار و مشرکین کو ہمیشہ کے لئے اور گنہگار مسلمانوں کو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا سزا کا فیصلہ ہوگا ان کو وقتی طور پر کچھ وقت کے لئے رکھا جائے گا۔ الغرض ایمان اور عمل صالح رکھنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی۔

اب آگے جنت کے بعض حالات اور وہاں کی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ یعنی اہل جنت کو جنت کے پھل جب ایک مرتبہ دینے کے بعد دوسری مرتبہ دیئے جائیں گے تو وہ ان پھلوں کی ظاہری شکل و صورت پہلے دیئے گئے پھلوں کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کہیں گے کہ یہ پھل تو وہی ہیں جو ہم کو پہلے دیئے گئے تھے۔ جو ہم کھا چکے ہیں لیکن جب ان کو کھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان کا ذائقہ پہلے پھلوں سے بالکل مختلف اور جُدا ہے۔ یعنی جنت میں جو پھل جنتیوں کو دیا جائے گا وہ ظاہری شکل و صورت میں پہلے دیئے ہوئے پھلوں سے ملتا جلتا ہوگا مگر ذائقہ ہر ایک کا جداگانہ ہوگا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ پھلوں کے متشابہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ جنت کے پھل صورت اور شکل میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے تو جب اہل جنت کو جنت میں پھل ملیں گے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو دنیا میں ہمیں ملا کرتے تھے مگر جنت کے پھلوں کو دنیا کے پھلوں سے کیا نسبت۔

پھر اہل جنت کے لئے جنت میں بہترین مرغوب خاطر مکانات اور عمدہ عمدہ میوے۔ پھل اور

Marfat.com

غذائیں ہی فقط نہ ہونگی بلکہ جنّت میں اعلیٰ درجہ کی مادّی لذیذ غذاؤں کے ساتھ سکون و راحتِ قلب کے لیے حسبِ منشا رفیق بھی ملیں گے یعنی جنتیوں کو پاک و صاف بیویاں بھی نصیب ہونگی جو ہر قسم کے ظاہری و باطنی گندگیوں سے پاک صاف ہونگی ظاہری گندگیاں جیسے میل کچیل۔ غلاظت و کثافت، بول و براز، حیض و نفاس وغیرہ اور باطنی گندگیاں جیسے ناشائستہ اخلاق، ناپسندیدہ عادات، کج خلقی، بیوفائی وغیرہ۔ گویا وہ جنّت کی عورتیں ہر قسم کی ظاہری باطنی گندگی سے بالکل پاک صاف ہونگی۔ اور پھر یہ تمام جنّت کی نعمتیں عارضی اور وقتی نہ ہونگی کہ کچھ مدّت کے بعد زائل ہو جائیں یا ان میں کوئی نقصان یا کمی آجائے یا اہلِ جنّت سے لے لی جائیں یا اہلِ جنّت کو وہاں سے علیحدہ کر دیا جائے بلکہ جتنی جنّت میں ہمیشہ ہمیش ابدالآباد تک رہیں گے اور تمام نعمتیں جو ان کو میسّر ہوں گی وہ دائمی اور سرمدی ہوں گی آج کی آیت میں یہی مذکورہ بالا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ خوشخبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اس بات کی کہ بیشک ان کے واسطے بہشتیں ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جب کبھی دیئے جائیں گے وہ لوگ ان بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا اور ان کے واسطے ان بہشتوں میں بیبیاں ہوں گی پاک صاف کی ہوئی اور وہ لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ کو بسنے والے ہوں گے۔

اب یہاں جو مومنین کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے وہ دو چیزوں کے ساتھ دی گئی ہے، ایک ایمان اور دوسرے عمل صالح، اور بھی متعدد جگہ قرآنِ پاک نے اُخروی انعامات و احسانات کے حصول کی ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ شرط لگائی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان بغیر عمل صالح کے انسان کو اس بشارت کا مستحق نہیں بناتا اور عمل صالح بغیر ایمان کے تو کوئی اجر اخروی رکھتا ہی نہیں۔ اگرچہ صرف ایمان بھی جہنّم میں ہمیشہ پڑے رہنے سے بچانے کا سبب ہے اور مومن کیسا ہی بدعمل اور کتنا ہی گناہگار ہو، مگر کسی نہ کسی وقت وہ جہنّم سے نکال لیا جائے گا اور جنّت میں پہنچا دیا جائیگا لیکن عذابِ جہنّم سے بالکل دُوری یہ اعمالِ صالحہ ہی کے ساتھ ممکن ہوگا۔

موقع کی مناسبت سے ایک بات یہاں یہ بھی سمجھ لی جائے کہ کوئی اپنے اعمال ہی پر ناز و گھمنڈ کرنے لگے کہ اس کی بدولت میں جنّت کا حقدار بن جاؤں گا تو یہ بھی درست نہیں مُسلم شریف کی ایک صحیح حدیث ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنّت میں نہ لے جائے گا اور نہ اس کو دوزخ سے بچائے گا اور نہ میرا عمل مگر اللہ کی رحمت اور کرم سے۔ بخاری و مسلم میں ایک دوسری حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو جنّت میں اس کا عمل داخل نہیں کرے گا تو اصحاب نے کہا اور نہ آپ کو بھی یا رسول اللہؐ؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو بھی میرا عمل جنّت میں نہ لے جائیگا

Marfat.com

مگر یہ کہ اللہ مجھ کو اپنے فضل و رحمت میں ڈھانپ لے۔ تو ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں جانا اور جہنم سے بچ جانا صرف رحمتِ الٰہی اور فضلِ خداوندی کے باعث ہوگا۔ مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ پھر اعمالِ صالحہ کچھ کام نہ آئے۔ تو یہ بات نہیں۔ مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ آدمی اپنے اعمالِ صالحہ پر ناز اور گھمنڈ نہ کرے اس واسطے کہ نیک کام خالص نیت سے بدون خدا کی توفیق دیئے نہیں ہو سکتا۔ تو اعمال صالحہ میں بھی اصل خدا کی رحمت ٹھیری یعنی اصل سبب جنت میں جانے اور جہنم سے بچ جانے کا خدا کی رحمت ہوئی اور نیک عمل اس کا اثر اور نشان ہوا۔ اسی کی تائید میں اکیسویں پارہ سورۂ رُوم میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ط

اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح بھی کئے اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے فضل سے جزا دے گا۔

الغرض یہاں تک قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت فرمایا گیا۔ اب بعض مخالفین اس کے کلام الٰہی نہ ہونے پر یوں استدلال کرتے تھے کہ اس قرآن میں بعض حقیر اور معمولی چیزوں کا ذکر ہے جیسے مکھی و مکڑی کہ بتوں اور بُت پرستوں کی مثال بیان کرتے میں اس کا ذکر آیا ہے تو منکرین کا اعتراض اور شبہ یہ تھا کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی ذلیل اور خسیس چیزوں کا ذکر کیوں آتا؟ منکرین و مخالفین کے اس اعتراض کا جواب اگلی آیات میں دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

اَللّٰہ تَعَالیٰ ہم کو ایمان کامل نصیب فرمائیں اور ایمان کے ساتھ عمل صالحہ کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جن اعمالِ صالحہ کی ہم کو توفیق ہو جائے ان کو اپنے فضل و کرم سے قبول بھی فرمالیں۔ اور ہم کو بھی اپنے ان مومن بندوں میں شامل فرمالیں، جن کو اس آیت میں جنت کی بشارت و خوشخبری سنائی گئی ہے۔

یَا اَللّٰہ اپنے فضل و کرم و رحم سے ہم کو بھی جنت کی دائمی نعمتیں میسر فرما اور وہاں کے انعامات سے سرفراز فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۶

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً

ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کردیں کوئی مثال خواہ مچھر ہو

فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ

خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یہی یقین کرینگے کہ بیشک یہ مثال

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ

بہت ہی موقع کی ہے ان کے رب کی جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں سو چاہے کچھ ہی ہو جائے وہ یونہی کہتے رہیں گے

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ

وہ کون مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے - گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو

وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾

اور ہدایت کرتے ہیں اسکی وجہ سے بہتوں کو - اور گمراہ نہیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف بے حکمی کرنیوالوں کو

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠

جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں

فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

زمین میں - بس یہ لوگ ہیں پورے خسارہ میں پڑنے والے -

تفسیر وتشریح :- گذشتہ آیات میں قرآن کریم کی حقانیت ثابت فرمانے کے لئے تمام منکرین قرآن کو چیلنج دیا گیا تھا کہ اگر وہ اس قرآن کو کلام الٰہی نہیں سمجھتے تو اس جیسے کلام کی ایک سورت ہی پیش کریں لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا تھا کہ نہ یہ ایسا کر سکتے ہیں اور نہ قیامت تک کر سکیں گے - یہ ایک ایسا کھلا ہوا چیلنج تھا کہ جس نے منکرین قرآن کو بے بس بنا دیا تھا - اب جب ان سے اس چیلنج کا مقابلہ نہ ہو سکا تو انہوں نے قرآن کریم میں دوسرے اعتراضات اور شبہات نکالنے شروع کئے - چنانچہ منکرین قرآن نے ایک اعتراض یہ کیا کہ اس کلام میں کہیں مکھی اور کہیں مکڑی اور مچھر کی مثالیں دی ہیں اور یہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو اس میں ایسی

Marfat.com

حقیر اور خسیس چیزوں کا ذکر نہ ہونا چاہیئے کیونکہ ایسی حقیر چیزوں کا ذکر کلام الٰہی کی عظمت کے لائق نہیں اور اس کتاب میں ایسی حقیر چیزوں کا ذکر ہے اس لئے یہ (نعوذ باللہ) اللہ کی کتاب نہیں معلوم ہوتی۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور منکرین کے شبہ کا جواب دیا گیا اور ان کے اعتراض کی لغویت ظاہر کی گئی اور جس عنوان سے اعتراض کیا گیا تھا اسی عنوان سے اعتراض کو رد فرمایا گیا۔ منکرین نے اعتراض اس عنوان سے بیان کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو شرم نہیں آتی کہ وہ مکھی اور مکڑی و مچھر کی مثالیں بیان کرے تو اسی عنوان سے ان کا اعتراض رد فرمایا گیا اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا۔ بیشک اللہ تعالےٰ کو اس بات سے کچھ شرم نہیں آتی کہ کوئی مثال بیان کرے کسی مچھر کی یا اس چیز کی جو حقارت میں مچھر سے بھی بڑھ کر ہو کیونکہ مثال کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ بات جس کے لئے مثال دی گئی ہے خوب واضح اور روشن کر کے ذہن نشین کر دی جائے اب یہ مقصد جس مثال سے بہترین طریقہ پر پورا ہو سکے وہی مثال بہترین کہلائے گی خواہ وہ چیز جو مثال میں پیش کی گئی ہے بجائے خود کیسی ہی معمولی اور حقیر ہو۔ مچھر مکھی اور مکڑی ایک ادنیٰ اور بے حقیقت سی مخلوق ہے مگر جہاں بت پرستی کا لچر ہونا اور بتوں کا عاجز و درماندہ ہونا اور کفار کے دین کا بالکل بودا اور کمزور ہونا بیان کرنا مقصود ہے تو وہاں اس کی مثال میں حقیر اور ضعیف ہی چیزوں کا لانا مناسب ہوگا تاکہ اس بات کی حقارت و ذلت واضح ہو جائے۔ مثال کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مثال دینے والے کے مطابق ہو اس لئے منکرین کا یہ اعتراض کرنا بے وقوفی اور نادانی کی دلیل ہے کہ مچھر مکھی مکڑی کا ذکر مثال میں کیا جائے۔ غرض جس مثال سے جو بات سمجھانی مقصود ہوتی ہے ویسی ہی مثال دی جاتی ہے اس میں شرمانے کی کیا بات ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کے ذکر سے نہیں شرماتے۔

آگے بتلایا گیا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا۔ یعنی ایسے احمقانہ شبہات صرف ان لوگوں کو پیدا ہوا کرتے ہیں جن کے دل و دماغ میں کفر کی وجہ سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو گئی ہے اور ایمان والوں کو ایسے شبہات، اعتراضات پیدا نہیں ہوتے۔ ایمان والے تو اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسول ہونے اور قرآن کریم اللہ کا کلام ہونے پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور اللہ و رسول کی باتوں پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اگر اپنے کلام میں کوئی مثال بیان فرماتے ہیں تو اہل ایمان کوشش کرتے ہیں کہ اس مثال کا اصلی مطلب سمجھ لیں اور مثال سے جو سبق دینا مقصود ہے اس پر غور کریں لیکن کفار و منکرین جو اللہ کی توحید۔ اور رسول کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اور جن کے دل میں حق کی تلاش و جستجو نہیں ہوتی وہ صرف اسی ٹوہ اور فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اللہ کے کلام میں کسی نہ کسی طرح کوئی عیب ڈھونڈیں اور خواہ مخواہ اس پر اعتراض کریں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ جب اپنے کلام میں ان کے سمجھانے کے لئے کوئی مثال بیان فرماتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس مثال کا اصل مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے وہ اس پر بے تکے اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں اور طنزاً اہل ایمان سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس قسم کی مثال بیان کرنے سے کیا مطلب ہے ؛ اس کا جواب آگے دیا جاتا ہے اور چونکہ منکرین کا یہ سوال محض شرارت کی راہ سے تھا اس لئے جواب میں بھی وہی طرز اختیار فرمایا جاتا ہے جو ایسے ضدی اور معاند لوگوں کے مقابلہ میں مناسب ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ تم پوچھتے ہو کہ ایسی مثالوں کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے تو مطلب سنو وہ یہ کہ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو۔ یعنی قرآن کی ان مثالوں سے بہت سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے اور بہت سے لوگوں کے حصہ میں گمراہی آتی ہے۔ جن کو خدا ہدایت کرتا ہے وہ مومنین ہیں کہ امثلہ قرآنی کی تصدیق سے ان کا نور ہدایت اور دوبالا ہو جاتا ہے اور جن کو گمراہ فرماتا ہے یا گمراہ چھوڑتا ہے وہ منکرین ہیں کہ کلام الٰہی کے انکار سے اور اس پر نکتہ چینی سے ان کی تاریکی ضلالت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کی گمراہی اور بڑھ جاتی ہے اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ فاسد المزاج کو جس قدر بہت اور مقوی غذا دی جائے اسی قدر اس کے فساد اور مرض میں اضافہ ہوگا۔

آگے اسی مضمون کی مزید تشریح فرمائی جاتی ہے وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے مگر صرف فاسقین یعنی بے حکمی کرنیوالوں کو یعنی ان مثالوں سے گمراہی صرف انہی لوگوں کا حصہ ہوتا ہے جو فاسق یعنی بے حکم اور نافرمان ہیں اور جن کو اس فسق کی نحوست سے حق طلبی کی عادت نہیں رہتی، ورنہ جن میں کچھ حق طلبی اور خوف خداوندی ہوتا ہے وہ تو ہدایت ہی حاصل کرتے ہیں۔ یہاں آیت میں فاسق سے کافر ہی مراد ہے۔ ورنہ ویسے تو قرآن کریم میں فاسق کا لفظ کافر اور گنہ گار مومن دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

الحاصل حق تعالیٰ شانہٗ صرف انہی لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ جو فاسقین یعنی بدکار نافرمان ہیں۔ اب آگے فاسقین کی تشریح فرمائی جاتی ہے کہ یہ فاسقین کون لوگ ہیں یعنی ان کی کیا صفات اور خصلتیں ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں بس یہ لوگ ہیں پورے خسارہ میں پڑنے والے۔ تو یہاں فاسقین جن سے مراد کفار و منافقین ہیں ان کی تین خصلتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے توڑتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں آیت میں عَھْدَ اللّٰہِ سے اَللّٰہ کو رَبّ ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا اقرار مراد ہے جس کا ذکر نویں پارہ سورۃ اَعراف میں آیت نمبر ۱۷۲ میں فرمایا گیا جبکہ عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر اور ان کو فہم اور گویائی عطا فرما کر اقرار توحید لیا تھا اور سب نے حق تعالیٰ کے سوال اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رَبّ اور پروردگار نہیں ہوں) کے جواب میں بَلیٰ کہا تھا۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ اور حضرت اُبَیّ بن کعب رضؓ سے روایت ہے کہ یہاں آیت میں عَھْدَ اللّٰہِ سے یہی روزِ ازل کا اقرار مراد ہے۔ تو یہ عہد ازلی جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو چکا تھا اُس کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اس کی ربوبیت اور معبودیت سے منحرف نہ ہو اور اپنے رب کی اطاعت سے سرِ مو تجاوز نہ کرے لیکن کفار و مشرکین نے اس ازلی معاہدہ کو توڑ ڈالا اور اللہ کے سوا دوسرے معبود تجویز کر لئے۔

دوسری خصلت فاسقین کی یہ بیان فرمائی کہ وہ توڑتے ہیں اور قطع کرتے ہیں ان تعلقات کو کہ جن کو اللہ نے جوڑنے اور وابستہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں وہ تمام تعلقات آ گئے جو بندے اور اللہ کے درمیان ہیں جن کو حقوق اللہ کہا جاتا ہے اور وہ تعلقات بھی آ گئے جو باہم بندوں کے آپس میں ہیں جن کو حُقُوق العِباد کہا جاتا ہے جس میں اپنے ماں باپ کے، عزیز و اقربا کے۔ اپنے پڑوسیوں اور ساتھیوں کے عام مسلمانوں کے اور عام انسانوں کے حقوق سب آ گئے۔ انہی حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنے کا نام دینِ اسلام یا شریعتِ اسلام ہے اور ان کو توڑنا فسق ہے۔

تیسری خصلت یا نشانی فاسقین کی یہ فرمائی کہ وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اس میں ظاہری فساد بھی آ گئے جیسے کسی پر ظلم کرنا۔ کسی کی حق تلفی کرنا۔ کسی کی بے آبروئی کرنا، کسی کا مال لے لینا وغیرہ اور باطنی فساد بھی آ گئے جیسے کفر کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت یا حسد رکھنا۔ نومسلموں کو بہکانے رہنا وغیرہ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زمین میں جو قول و عمل اور جو حرکت و سکون خدا کی رضامندی اور اسکے حکم کے خلاف ہو وہ سب فساد اور فتنہ ہی ہے۔ انہی تین خصائل کو تیرھویں پارہ سورۃ رَعْد آیت ۲۵ میں بیان فرما کر ان کا انجام وہاں فرمایا گیا کہ ایسوں پر لعنت ہو گی اور ان کے لئے اُس جہان میں بڑی خرابی ہو گی اور یہاں اِن آیات میں ایسے لوگوں کے بارہ میں فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہی وہ لوگ ہیں جو پورا خسارہ اور نقصان اُٹھانے والے ہیں کہ دُنیا کی راحت چین و سکون قلب۔ اور آخرت کی نعمت سب ہاتھ سے دے بیٹھے۔ کیونکہ عداوت و حسد میں دُنیا کا عیش بھی تلخ ہو جاتا ہے ہر وقت اسی اُدھیڑ بُن میں رہتا ہے کہ اپنے دشمن کو کس طرح گزند پہنچاؤں اس کی ترقی کس طرح روکوں۔ اس کو نیچا کس طرح دکھلاؤں گویا سکون قلب اس خلش میں ختم ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہوا دنیا کا خسارہ اور نقصان۔ اور آخرت کا نقصان ظاہر ہے کہ رشد و ہدایت کے بدلہ گمراہی کو خریدا اور منعمِ حقیقی کو چھوڑ کر اس سے

Marfat.com

تعلق قطع کیا اس سے بڑھ کر اور کیا آخرت کا نقصان ہوگا۔

ان آیات میں یہی مذکورہ بالا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کردیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو حقیر ہونے میں۔ سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یہی یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال بہت ہی موقع کی ہے اُن کے رب کی جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں سو جا ہے کچھ ہی ہو جائے وہ یونہی کہتے رہیں گے کہ وہ کون مطلب ہوگا جس کا قصد اللہ تعالےٰ نے اس حقیر مثال سے کیا ہوگا ؛ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تم یہ پوچھتے ہو کہ ایسی مثالوں کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے، سو ہم سے مطلب سنو۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ گمراہ کرتے ہیں اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو، اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو۔ اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر فاسقین یعنی بے حکمی کرنے والوں کو کہ بے حکمی کی نحوست سے حق طلبی کی عادت نہیں رہتی جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اسکے استحکام کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے ان کو اللہ تعالےٰ نے وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں بس یہ لوگ ہیں پورے خسارہ میں پڑنے والے۔

یہاں تک تو اس شبہ اور اعتراض کا جواب تھا جو کہ کفار نے پیش کیا تھا کہ کلام الٰہی میں ایسی کم قدر چیزوں جیسے مکھی، مچھر، مکڑی کا ذکر کیوں آیا۔ اب آگے اصل مضمون یعنی توحید باری تعالیٰ کا پھر ذکر فرمایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعض انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ اپنے محسن اور منعم کا احسان ماننا اور اس کی اطاعت کرنا یہ تو ایک شریف انسان کا فطری اور طبعی تقاضا ہونا چاہیئے، نہ کہ خدا اور اسکے رسول کا انکار اور ان سے سرکشی و سرتابی کرنا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کلام پر ایمانِ صادق اور یقین کامل نصیب فرمائیں۔ اور اس میں شک و تردد سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام کے انوار سے ہمارے قلوب کو منور فرمائیں اور ہمیں اپنی کامل اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ روزِ ازل عالم ارواح میں ہم نے جو عہد کیا تھا حق تعالیٰ ہم کو اس پر قائم رکھیں۔ ادا اپنے اور اپنے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائیں اور اس زمین پر جب تک زندہ رکھیں اپنی مرضیات والی زندگی گذارنا نصیب فرمائیں اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی نصیب فرمائیں اور ہر طرح کے نقصان و خسارہ سے ہم کو بچائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۷

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ

بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تھے تم محض بے جان سو تم کو جاندار کیا

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر تم کو موت دیں گے پھر زندہ کریں گے پھر انہی کے پاس لے جائے جاؤ گے ۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ

وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر

اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ

توجہ فرمائی آسمان کی طرف سو درست کر کے بنا دیئے ان کو سات آسمان ۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳ ۵ ۳

اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں خدا تعالیٰ کے وجود۔ اس کی شانِ وحدانیت اور رسالت کے دلائل اور قرآن کی حقانیت اور منکرین و مخالفین کے اعتراضات اور ان کے خیالاتِ باطلہ کا رد اور جواب مذکور تھا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے ان احسانات و انعامات کا ذکر فرماتے ہیں جو تمام دنیا والوں کے لئے عام ہیں تاکہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ اللہ جیسے خالق، رازق ۔ مُربّی ۔ محسن اور مُنعم کا انکار اور نافرمانی کسی طرح اور کسی حال میں درست نہیں سلیم الطبع انسان کا طبعی اور فطری تقاضا ہونا چاہیئے کہ کم از کم اپنے منعم اور محسن کو تو پہچانے اور اُس کا احسان مانے اور اس کی تعظیم و اطاعت کرے چنانچہ ان آیات میں پہلے اس بات پر اظہارِ تعجب کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات کے ہوتے ہوئے اس کی وحدانیت ۔ خالقیت اور دیگر کمالات و صفات کا یہ ظالم منکرین کس طرح کفر و انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ انسان اپنی اصل حقیقت پر غور کرے تو معلوم ہوگا کہ یہ پہلے معدوم اور نیست تھا ۔ اللہ ہی نے اُس کو نیست سے ہست اور معدوم سے موجود فرمایا اور اس کو زندگی عطا کی ۔

ایک انسان جاندار بن کر ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے سے پہلے کیا تھا ؛ دُنیا میں اللہ تعالےٰ نے چار عناصر پیدا کئے ہیں ۔ آگ[۱] ۔ ہوا[۲] ۔ پانی[۳] اور مٹی[۴] ۔ انہی عناصر کے ذریعہ سے انسانی غذائیں پیدا ہوتی اور بنتی ہیں ۔ جب انسان یہ غذائیں کھاتا ہے تو اس کے جسم میں خون بنتا ہے ۔ پھر اسی خون

Marfat.com

سے اس کا جوہر یعنی منی پیدا ہوتی ہے۔ پھر وہ منی رحم مادر میں منتقل ہوتی ہے وہاں وہ بے جان نطفہ۔ پھر جما ہوا خون۔ پھر گوشت کی بوٹی پھر اس میں ہڈیاں اور پھر اعضاء جوارح بنتے ہیں پھر اس میں جان ڈالی جاتی ہے اور وہ جاندار بچہ بن کر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔ یہ ہے اس کی ابتدائی پیدائش کہ ایک بے جان نطفہ سے اس کو اللہ نے نیست سے ہست کیا اور بے جان سے جاندار بنایا۔ اس میں ماں باپ کی یا کسی اور کی کاریگری تو شامل نہ تھی۔ تو اس انسان کا موجد اور خالق اللہ ہی کی ذات تھی جس نے انسان کو ایک مستعار زندگی اور مقررہ عمر اس عالم دنیا کے لئے عطا کی اور اس مقررہ عمر دنیا میں پورا ہونے کے بعد پھر انسان کو موت دیتا ہے۔ اس دنیا کی مستعار زندگی کے بعد مرنا بھی ہر کسی کے مشاہدہ میں ہے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد قیامت میں وہ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر حساب کتاب جزا و سزا کے لئے سب اس خالق کے سامنے لائے جائیں گے۔ اس طرح ایک موت یعنی بے جان ہونا انسان کی ابتدا میں تھا پھر اللہ تعالےٰ نے زندہ کیا پھر دوسری موت دنیا کی عمر پوری ہونے کے وقت دی اور پھر دوسری زندگی قیامت کے روز ہوگی۔

تو یہاں انسان کو وہ مخصوص انعامات جتلائے گئے۔ جو ہر انسان کی ذات اور نفس سے متعلق ہیں۔ آگے اُن عام انعامات کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جن سے تمام انسان اور مخلوقات فائدہ اٹھاتی ہے اور وہ ہر انسان کی بقا اور زندگی کے لئے ضروری و لازمی ہیں، گویا یہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد یونہی بے سروسامان اور سرگرداں نہیں چھوڑ دیا بلکہ انسانی جسم و روح کے لئے تمام زمین کی چیزوں کو پیدا کیا تاکہ انسان اُن سے اپنی جسمانی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرے اور ان سے فوائد حاصل کرے اور فقط یہی نہیں بلکہ زمین کو ایک مجموعی حیثیت سے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت سے آسمانوں کے بنانے کا ارادہ فرمایا اور سات آسمان ٹھیک ٹھاک بغیر کسی خرابی، ناہمواری، رخنہ اور شگاف وغیرہ کے بنا ڈالے کیونکہ زمین کی چیزوں کا سرانجام پانا بغیر آسمانی اثرات کے نہیں ہو سکتا۔ اگر آفتاب، ماہتاب، ستارے نہ ہوتے تو دنیا کی ہزاروں چیزیں نہ ہوتیں۔ الغرض زمین کی چیزوں کو آسمان اور آسمانی چیزوں سے ایک عجیب اور خاص تعلق اور واسطہ ہے اسی لئے کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ رزق وروزی ہے وہ آسمان سے اُترتی ہے۔ پھر اخیر میں بتلایا جاتا ہے کہ ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے لاعلمی اور بے خبری میں نہیں پیدا کیا بلکہ وہ ہر چیز کی حالت، پیدائش، غرض پیدائش اور کیفیت پیدائش کو خوب جانتا ہے۔ ہر چیز کا تفصیل علم رکھتا ہے اور ہر چیز کی مصلحت اور اسرار اس کو معلوم ہیں۔

ان آیات میں یہی مذکورہ بالا مضمون بیان فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ کہ اس کے احسانوں کو بھلائے دیتے ہو اور غیروں کا کلمہ پڑھتے ہو، حالانکہ اس کے

Marfat.com

استحقاق عبادت میں یَکُتَا ہونے پر دلائل قائم ہیں کہ تم محض بے جان تھے نُطفہ میں جان پڑنے سے پہلے۔ سو تم کو جاندار کیا پھر اللہ ہی تم کو موت دے گا۔ پھر زندہ کرے گا یعنی قیامت کے دِن پھر اُس ہی کے پاس لے جائے جاؤ گے یعنی میدانِ قیامت سے حساب کتاب کے لئے اجلاس پر حاضر کئے جاؤ گے وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف یعنی اس کی تکمیل و تخلیق کی طرف سو درست کر کے بنا دیئے اُن کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔

مقصود اِن آیات سے یہ نکلا کہ جب اللہ ہی تم کو پیدا کرنے والا ہے اور تمہاری پرورش کے لئے یہ تمام کائنات عالم پیدا کی تو پھر یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ تم اُس کی ذاتِ عالی سے انکار کرو اور اُس کو چھوڑ کر دوسری مخلوق کی پرستش کرو اور اُس سے سرکشی اور سرتابی کرتے رہو۔

ان آیات کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ زمین اور آسمان کی پیدائش کا ذکر یوں تو قرآن کریم میں بہت سی جگہ آیا ہے لیکن ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا اور پیچھے کیا بنا اس کا ذکر صرف تین جگہ فرمایا گیا ہے :-

۱ :- آج کی آیت میں فرمایا هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط (ترجمہ) وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب، پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف سو درست کر کے بنا دیئے ان کو سات آسمان۔

۲ :- چوبیسویں پارہ سورۃ حٰمٓ السَّجْدَۃ میں فرمایا قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ط ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ط قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ط وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ط ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○

ترجمہ۔ آپ فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اُس کے شریک ٹھیراتے ہو۔ وہی تو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اور اسی نے زمین میں اس کے اُوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس زمین میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اُسی میں اس کی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں۔ پُوچھنے والوں کے لئے جواب پُورا ہوا۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا سو اُس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ سو دو روز میں اُس کے

Marfat.com

سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا - اور ہم نے سمارد نیا یعنی قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اس کی حفاظت کی - یہ تجویز ہے زبردست واقف الکل کی -

۳ - تیسویں پارہ سورۃ النّٰزعٰت میں فرمایا ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝

ترجمہ - " بھلا تمہارا پیدا کرنا سخت ہے یا آسمان کا ، اللہ نے اس کو بنایا - اس کی چھت کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دِن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو قائم کر دیا - تمہارے اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے "

سرسری نظر میں ان سب آیات کے مضامین میں کچھ اختلاف سا موہوم ہوتا ہے مگر حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ان سب آیتوں میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اوّل[1] زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی ہیئت موجودہ نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان[2] کا مادہ بنا جو صورت دُخان یعنی مثل دھواں کے تھا اس کے بعد زمین[3] ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی - پھر اس پر پہاڑ[4] درخت پیدا کئے گئے ، پھر اس مادہ دُخانیہ سیالہ کے سات[5] آسمان بنا دیئے - سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاتی ہیں آگے حقیقتِ حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں - (بیان القرآن)

الغرض ان آیات میں تو ظاہر نعمتوں یعنی زمین - آسمان اور اس میں ہر قسم کی چیزیں اور سامان کا پیدا فرمانا مذکور تھا اب آگے باطنی نعمتوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام کو دولت علم دی اور ان کو مسجود ملائکہ بنایا اور انسانوں کو ان کی اولاد میں ہونے کا شرف نصیب فرمایا ، اور اسی لئے اگلی آیات سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا قصہ بیان فرمایا جاتا ہے - جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا -

دُعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو انسان بنا کر پیدا فرمایا - اور زندگی کی دولت عطا فرمائی - اور اسلام اور ایمان سے نوازا اور کفر و شرک سے بچایا - اللہ تعالیٰ اسلام اور ایمان پر ہم کو استقامت بخشیں اور اپنے انعامات و احسانات کے شکر گذار بندوں میں ہم کو شامل فرمائیں - یا اللہ اپنی طاعت و بندگی کی ہم کو توفیق عطا فرما اور ہر طرح کی نافرمانی سے ہم کو کامل طور پر بچنے کی سعادت نصیب فرما - آمین -

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۸

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ

فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں اور خونریزیاں

الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ

کریں گے اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی۔

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جسکو تم نہیں جانتے اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت

كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ

آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے اسماء کا پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کردیں پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھ کو

بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا

اسماء ان چیزوں کے اگر تم سچے ہو فرشتوں نے عرض کیا

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ

کہ آپ تو پاک ہیں ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ ہم کو آپ نے علم دیا بیشک آپ بڑے علم والے

الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّا

حکمت والے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم بتلا دو ان کو ان چیزوں کے اسماء سو جب بتلا دیئے

اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ

ان کو آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں

غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو ظاہر کردیتے ہو

وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جس کو دل میں رکھتے ہو۔

تفسیر و تشریح :- اوپر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر جو ظاہری انعامات فرمائے ہیں جیسے زمین اور آسمان بنانا اور زمین پر ہر قسم کے سامان انسانوں کی ضرورت اور فائدہ کے پیدا کرنا اُن کا ذکر فرمایا تھا جس سے یہ جتلانا مقصود تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کی خالق ، رازق ، مربی ، محسن و منعم ہے تو اس کی ذاتِ عالی سے کفر و انکار کرنا اور اُس کا شکر گذار نہ ہونا اور اس کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش و بندگی کرنا کس قدر تعجب اور کیسا ظلم عظیم ہے ۔ جانور بھی اپنے محسن اور منعم آقا و مالک کو پہچانتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے تو انسان جس کو جانوروں سے بدرجہا بڑھ کر عقل و فہم اور شعور و احساس دیا گیا ہے اس کو کس طرح یہ زیبا دیتا ہے کہ وہ اللہ جیسے خالق ، رازق منعم و محسن سے کفر و انکار برتے اور اس کی توحید اور معبودیت کا منکر رہے اور اس کی ذات و صفات کو نہ پہچانے اور اس کے حقوق نہ ادا کرے ۔

الغرض اوپر تو اللہ تعالیٰ نے ظاہری نعمتیں مبتلا کر انسانوں کو اپنی توحید کی طرف دعوت دی تھی اب نعمت کی دوسری قسم یعنی باطنی نعمتیں جو بنی نوع انسان کو عطا فرمائی گئیں ان کو یاد دلا کر انسانوں کو اللہ کا شکر گذار اور مطیع و فرمانبردار بندہ بننے کی دعوت دی جا رہی ہے ۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جو تمام بنی نوع انسان کے جدِ اَمجد اور پہلے انسان ہیں ان کے شرف و فضیلت کو یاد دلایا جاتا ہے کہ اللہ نے ان کو کس طرح اپنی قدرت سے پیدا کیا ، ان کو کیسی علم کی دولت دی ۔ ان کو مسجود ملائکہ بنایا اور ان کو اپنا نائب اور خلیفہ ہونے کی عزت بخشی اور تمام انسانوں کو انہی کی اولاد ہونے کا فخر عطا فرمایا اور اسی غرض سے حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا جاتا ہے ۔

قرآنِ کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کا نام نو سورتوں میں ۲۵ جگہ آیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں پہلا تذکرہ اَبُوالبَشَر حضرت آدم علیہ السلام کا فرمایا گیا ہے اور قرآن کریم کی گیارہ سورتوں میں آپ کا ذکر کیا گیا ہے سورۃ بقرہ ، اعراف ۔ اسراء ، کہف اور طٰہٰ میں نام اور صفات کے ساتھ اور سورۂ حجر و ص میں فقط ذکر صفات کے ساتھ اور سورۂ آل عمران ، مائدہ ، مریم ، یٰسین میں صرف ضمنی طور پر نام لیا گیا ہے ۔

قرآن پاک کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں ان سورتوں کے مضامین کے مناسب بیان فرماتا ہے ۔ یہاں اس سورۃ میں ان آیات میں جو فرمایا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں فرشتوں نے یہ سنا تو حیرت میں رہ گئے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اگر اس مٹی کی پیدائش کی حکمت یہ ہے کہ وہ دن رات تیری تسبیح و تہلیل کرے اور تقدیس و بزرگی بیان کرے تو اس کے لئے ہم حاضر ہیں جو ہر لمحہ تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اور بے چون و چرا تیرا حکم بجالاتے ہیں اور یہ بنی نوع انسان جن کو آپ پیدا کرنے کا ارادہ فرما رہے ہیں ، ان میں اچھے بُرے سب طرح کے ہوں گے ان میں کوئی مفسد اور

Marfat.com

سفک بھی ہوگا (اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو کسی طرح معلوم کرادی ہوگی کہ بنی آدم میں بھلے برے سب طرح کے ہوں گے) تو آدم کی تخلیق اور اس کے خلیفہ بنانے میں کیا حکمت ہے۔ یہ ملائکہ نے معلوم کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اوّل تو اس کا ایک حاکمانہ طرز سے جواب دیا کہ تخلیق آدم اور خلافت ارضی کی حقیقت اور اس کی ضرورت سے تم واقف نہیں۔ اس کا علم مکمل طور پر مجھ ہی کو ہے۔ دوسرا جواب حکیمانہ انداز سے دیا گیا تاکہ ملائکہ کو حضرت آدم کی برتری اور اپنے عجز اور درماندگی کا مشاہدہ ہو جائے چنانچہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر اپنی عظیم المرتبت صفت "علم" سے نوازا اور ان کو علم اشیاء عطا فرمایا یعنی تمام موجودات روئے زمین کی چیزوں کے نام اور ان کے خواص و آثار کا علم دے دیا اور پھر فرشتوں کے سامنے وہ چیزیں پیش کر کے ارشاد فرمایا کہ تم ان اشیا کے متعلق کیا علم رکھتے ہو؟ وہ لاعلم تھے کیا جواب دیتے۔ انہوں نے اپنے عجز کا اعتراف کیا اس پر آدم علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ فرشتوں کو ان کے اسماء بتلائیں، چنانچہ آدم علیہ السلام نے فوراً سب بتلا دیئے اور اس طرح آدم علیہ السلام کی فضیلت اور برتری کی ایک اہم صورت کا اظہار کیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو ایک طرح مُعلّم کا درجہ دیا گیا اور فرشتوں کو طالب علم کا۔ بہرحال یہ ثابت فرما دیا گیا کہ صلاحیت خلافت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ آدم علیہ السلام میں سب جمع ہیں۔ یہ ہے خلاصہ مضمون ان آیات کا جن کی اب تفسیر و تشریح سنیئے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس وقت کو یاد دلایئے جبکہ آپ کے پروردگار نے حضرت آدم کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے اُن کی پیدائش سے پہلے ہی فرشتوں سے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً بالتحقیق میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ اور نائب بنانے والا ہوں کہ جو میرا نائب ہو کر زمین والوں پر میرے حکموں کو جاری اور نافذ کرے گا۔ اب چونکہ یہاں ملائکہ یعنی فرشتوں کا ذکر آگیا ہے اس لئے مختصر سی تشریح ملائکہ کے متعلق پہلے جان لیجئے۔ قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہم کو بتایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اللہ کی ایک نوری مخلوق ہے جن کی حقیقت تخلیق سے نہ ہم واقف کئے گئے ہیں اور نہ وہ ہم کو نظر آتے ہیں۔ البتہ ہمارے لئے یہ اعتقاد اور یقین ضروری ہے کہ ہم اُن کے وجود کو تسلیم کریں اور ان کو مستقل مخلوق یقین کریں۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نے جو ان کی صفات بتلائی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نوری مخلوق اللہ کی عبادت اور اس کے حکم کی تعمیل میں مصروف رہتی ہے۔ یہ نہ مرد ہیں نہ عورت اور کھانے پینے سونے وغیرہ سے مبرّا اور پاک ہیں۔ ان کی تعداد بھی معیّن نہیں۔ یہ آپس میں درجہ کے لحاظ سے بھی مختلف ہیں اور اس لئے ان کی خدمات بھی جداگانہ ہیں۔ بعض فرشتے عرش کے اُٹھانے والے ہیں۔ بعض عرش کے اردگرد طواف کرنے والے ہیں۔ بعض ملائکہ جنت ہیں بعض ملائکہ جہنم ہیں کہ اہلِ دوزخ کو انہیں کے ذریعہ عذاب ہوگا۔ بعض بنی آدم کی آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرنے والے ہیں بعض بنی آدم کے اعمال لکھنے والے ہیں۔ بعض ارواح کے قبض کرنے والے ہیں۔ اکابر ملائکہ جو بہت مشہور ہیں

Marfat.com

اور جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں آیا ہے چار ہیں(۱)۔ جبرئیل علیہ السلام جو انبیا علیہم السلام پر وحی لاتے تھے۔(۲) میکائیل علیہ السلام یہ مخلوق کو رزق پہنچاتے ہیں (۳) عزرائیل علیہ السلام یہ اہلِ عالم کی ارواح قبض کرنے پر مقرر ہیں۔ اور ارواح کے قبض کرنے والے فرشتوں کے سردار ہیں۔ (۴) اسرافیل علیہ السلام یہ قیامت میں صور پھونکیں گے۔

الغرض حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ یا نائب بنانے والا ہوں۔ اب یہاں مسئلہ خلافت یعنی زمین کا انتظام اور اس میں خدا کے قانون اور احکام نافذ کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے اس کا نائب مقرر ہونا اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔ خَلِیْفَۃُ اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ دنیا میں انبیاء کرام ہوتے ہیں جو باذن خداوندی زمین پر سیاست و بندگانِ خدا کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے ہیں اور احکامِ الٰہیہ اور قوانین خداوندی دنیا والوں پر نافذ کرتے ہیں۔ دنیا میں اس خلیفہ اور نائب کا تقرر بلا واسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس میں کسی کے کسب و عمل کو کوئی دخل نہیں۔ حق تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے اس خلافت و نیابت کے کام کے لئے جس کو چاہتے ہیں منتخب فرما لیتے ہیں اور اپنا نبی۔ رسول یا خلیفہ و نائب قرار دیتے ہیں۔ یہ خلیفۃ اللہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے اس کے احکام بذریعہ وحی معلوم کرتے ہیں اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرنے کی تبلیغ و سعی فرماتے ہیں۔ اس دنیا میں یہ سلسلہ خلافت الٰہیہ و نیابت خداوندی کا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا اور چونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بنا دیا اس لئے دنیا میں آپ کی خلافت و نیابت قیامت تک قائم رہے گی اسی لئے اس زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی نئے نبی اور رسول کی ضرورت نہ کسی اور خلیفۃ اللہ کی گنجائش۔

الغرض حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اپنے فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں کہ جو میرا نائب ہو کر زمین والوں پر میرے احکام نافذ کرے۔ فرشتوں نے جو یہ اعلان سنا تو کسی اعتراض کے طور پر نہیں بلکہ محض نیازمندانہ طور پر اس کی حکمت دریافت کرنے کے لئے بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض کیا قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ یعنی فرشتوں نے عرض کیا کہ کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں اور خونریزیاں کریں گے اور ہم برابر آپ کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور آپ کی تقدیس و بزرگی بیان کرتے رہتے ہیں مطلب یہ کہ ہم فرشتے تو سب کے سب آپ کے ہر طرح مطیع و فرمانبردار ہیں اور اس مخلوق میں کوئی مفسد اور سفاک بھی ہو گا سو اگر یہ کام نیابت و خلافت کا ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب مل کر اس کو انجام دیں گے اور اس نئی مخلوق میں سب اس کام کے نہ ہوں گے کیونکہ ان میں مفسد اور ظالم بھی ہوں گے۔ ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس

Marfat.com

خدمت کو انجام دیں۔ اور یہ بات فرشتوں کو اللہ تعالےٰ نے کسی طرح معلوم کرادی ہوگی کہ بنی آدم میں بھلے بُرے، نیک و بد سب طرح کے پیدا ہوں گے۔ حق تعالےٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے ملائکہ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۔ تحقیق میں جانتا ہوں وہ کہ جو تم نہیں جانتے یعنی منصب خلافت کے لئے اس نئی مخلوق کا وجود ہی ضروری ہے۔ تم فرمانبرداروں اور ہر وقت تسبیح و تصدیق کرنے والوں سے یہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ الغرض ملائکہ کو حق تعالیٰ کا یہ ایک اجمالی یا حاکمانہ جواب تھا، جس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور جسدِ خاکی میں روح پھونکی گئی۔ اور وہ گوشت پوست ہڈی رگ پٹھے اور خون کے زندہ انسان بن گئے اور ارادہ شعور حس، عقل و فہم اور جذبات و کیفیات کے حامل نظر آنے لگے۔ اب ملائکہ نے آدم کی تخلیق کا جو سبب معلوم کرنا چاہا تھا اور یہ کہ اسکو خلیفہ بنانے میں کیا حکمت ہے جب کہ بنی آدم میں مفسد اور سفاک بھی پیدا ہوں گے اور ملائکہ اس منصبِ خلافت کے لئے موزوں نہیں تو اس کا ایک حاکمانہ جواب تو اُوپر دے دیا گیا تھا اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ میں اب حق تعالیٰ کو دوسرا حکیمانہ جواب دینا منظور ہوا تاکہ ملائکہ پر حضرت آدم کی برتری اور ان میں خلافت الٰہیہ کی صلاحیت و استعداد کا اظہار ہو جائے اور ملائکہ کو منصبِ خلافت میں اپنے درماندگی اور عجز کا مشاہدہ ہو جائے اور حکمتِ الٰہی کی بلندی اور رفعت کا انہیں اعتراف کرنا پڑے اس لئے حق تعالےٰ نے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھا دیئے تمام چیزوں کے نام مع ان کے خواص اور آثار کے یعنی تمام موجودات روئے زمین کے نام اور ان کی حقیقت و اوصاف اور خواص و آثار کا علم حق تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا فرما دیا۔ ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ پھر جن چیزوں کے نام و خواص و آثار اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلائے تھے اُن چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا پھر فرمایا کہ تم مجھے ان چیزوں کے نام ٹھیک ٹھیک بتاؤ مع ان کے خواص و آثار کے اگر تم اس بارہ میں سچے ہو کہ تم میں خلافت کی صلاحیت ہے اور تم زمین پر خلافتِ الٰہیہ کی خدمت انجام دے سکتے ہو اسلئے کہ جب تک زمین کی موجودات اور ان کی صفات اور خواص و آثار اور طریقہ استعمال کا علم نہ ہو اس وقت تک ان میں تصرف اور ان کا انتظام ناممکن ہے۔ اس پر ملائکہ نے عرض کیا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝ پاک ہیں آپ ہم کو علم نہیں مگر وہی کہ جو آپ نے عطا فرمایا۔ بیشک آپ بڑے علم و حکمت والے ہیں۔ یعنی ہم کو تو صرف وہی چیزیں معلوم ہیں جن کا علم آپ نے ہمیں ہماری استعداد کے موافق عطا فرمایا ہے اور جو چیزیں ہماری استعداد سے بالا ہیں ہمیں ان کا کوئی علم نہیں۔ بے شک حقیقت میں آپ ہی علم والے اور حکمت والے ہیں اور آپ اس سے منزہ اور پاک ہیں کہ آپ کا کوئی کام خلافِ حکمت ہو۔ اس گفتگو سے فرشتوں کو اپنے عاجز ہونے کا مشاہدہ تو ہو گیا۔ اب حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام میں اس علم خاص کی قوت و مناسبت کا ہونا بھی ملائکہ عیاناً

Marfat.com

دیکھ لیں اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ اے آدم تم بتلا دو ان کو یعنی ملائکہ کو ان چیزوں کے نام مع صفات وخواص وآثار کے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں حضرت آدمؑ نے تمام اشیاء کے نام مع ان کے خواص وصفات کے ملائکہ کو بتلا دیئے۔

یہاں قرآنِ کریم کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں کہ جب فرشتوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ تو لفظ اَنْۢبِئُوْنِیْ ارشاد فرمایا یعنی مجھے بتلاؤ اور جب آدم علیہ السلام کو اس چیز کا خطاب ہوا تو اَنْۢبِئْهُمْ فرمایا گیا یعنی آدمؑ کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آدم علیہ السلام کو معلم کا درجہ دیا گیا اور ملائکہ کو طالب علم کا اور اس طرح حضرت آدمؑ کی برتری اور افضلیت ملائکہ پر ظاہر فرمائی گئی۔ چنانچہ جب آدمؑ نے ملائکہ کو تمام اشیاء کے نام بتا دیئے فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ تو حق تعالیٰ نے ملائکہ کو خطاب کر کے فرمایا۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○

فرمایا دیکھو میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو ظاہر کر دیتے ہو یا جس کو دل میں رکھتے ہو یعنی ملائکہ کو متنبہ فرمایا گیا کہ تمہارا استعجاب آدم اور بنی نوع انسان کو منصبِ خلافت و نیابت عطا ہونے پر بیجا تھا میں جو کچھ کرتا ہوں اس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں اور ہر چیز کی حکمت و مصلحت کو میں ہی خوب جانتا ہوں۔

الغرض جب آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی اور یہ امر مشاہدہ کرا دیا گیا کہ صلاحیت خلافت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ آدم علیہ السلام میں کامل طور پر موجود ہیں تو اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام کی ملائکہ سے کوئی ایسی تعظیم و تکریم کرائی جائے کہ عملاً بھی آدم علیہ السلام کی افضلیت ملائکہ پر ثابت ہو جائے اور اسکے لئے جو عمل تعظیمی تجویز فرمایا گیا اس کا ذکر اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو بنی نوع انسان میں پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کا شرف عطا فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیں اس شرف و عزت کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور ہمیں اس دنیا میں مقصدِ حیات کو پورا کرنے والا بندہ بنا کر زندہ رکھیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اس پر بھی بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہم کو دنیا میں اسلام اور ایمان کی دولت عطا فرمائی اور اشرف الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے رسول پاکؐ کی فرمانبرداری نصیب فرمائیں اور اسلام و ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۹

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز

اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ابلیس کے ۔ کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہوگیا کافروں میں سے

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہوا تھا کہ حضرت آدمؑ کی علمی فضیلت اور شرف و برتری جب ملائکہ پر ظاہر ہوگئی اور ملائکہ کو اپنا عجز اور کم علمی کا مشاہدہ ہوگیا اور یہ ثابت ہوگیا کہ صلاحیت خلافت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام میں موجود ہیں اور منصب خلافتِ الٰہیہ کے حضرت آدمؑ ہی مستحق ہیں تو اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ملائکہ سے عملاً بھی حضرت آدمؑ کی کوئی ایسی تعظیم کرائی جائے کہ جس سے یہ مزید اچھی طرح ظاہر ہو جائے کہ منصبِ خلافت الٰہیہ کے لئے حضرت آدمؑ ہی کامل اور جامع ہیں اور اسکے لئے جو عمل تعظیمی تجویز فرمایا گیا وہ اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ سب آدم کو سجدۂ تعظیمی کریں۔ چنانچہ اس تعمیل ارشاد میں تمام ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا مگر ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور غرور میں آگیا جس کے نتیجہ میں وہ ابلیس کافر ہوگیا۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو یعنی اے بنی آدم تم خاص طور پر اس احسان کو بھی یاد کرو کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو تمہارے باپ حضرت آدم کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا کہ سب مل کر آدم کو سجدۂ تعظیمی بجالاؤ تاکہ تمہارے باپ کی فوقیت اور فضیلت اور شرف و برتری عملی طور پر ظاہر ہو جائے ۔

اب یہاں جس سجدہ کا ملائکہ کو حکم ہوا اس کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے۔ لغت میں سجدہ کے معنیٰ ہیں سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرنا لیکن شرعی اصطلاح میں اُس کے خاص معنیٰ زمین پر پیشانی رکھنا قرار دیئے ہیں سجدہ چونکہ انتہائی تعظیم کا نشان ہے اس لئے شریعت محمدیہؐ میں سجدہ کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لئے جائز قرار نہیں دیا۔ اور غیر اللہ کے لئے سجدہ قطعاً ممنوع فرما دیا۔ اب سجدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک سجدۂ عبادت یعنی کسی کو معبود سمجھ کر سجدہ کرنا ۔ اس قسم کا سجدہ تو تمام گذشتہ ملتوں میں بھی کفر و شرک رہا ہے اور کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں رہا کیونکہ غیر اللہ کی عبادت اصولِ ایمان کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس قسم کا سجدۂ عبادت تو کسی ملت اور شریعت میں کسی وقت جائز نہیں رکھا گیا۔ دوسری قسم سجدۂ تحیت و تکریم ہے یعنی بطور تعظیم کسی کے سامنے سر جھکانا جیسے ابتدائے ملاقات میں سلام

مصافحہ اور معانقہ اور دست بوسی کی اس وقت اجازت ہے ۔ گذشتہ اور سابقہ شریعتوں میں یہ سجدہ تعظیم وتکریم بطور سلام کے مشروع تھا ۔ جیسا کہ تیرھویں پارہ سورۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ کرنا مذکور ہے ۔ اور یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو اس وقت کی شریعت میں جائز تھا ۔ لیکن چونکہ شریعتِ محمدیہ کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی شائبہ شرک سے بھی پاک رکھنا منظور تھا اس لئے اس شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بقصد تعظیم بھی سجدہ یا رکوع کرنا جائز نہیں رکھا گیا ۔ اس حکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ موجود ہیں کہ جس سے سجدۂ تعظیمی کا ممنوع اور حرام ہونا ثابت ہے ۔ ایک حدیث میں حضرت مُعاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں ، کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے مطلب یہ کہ اس شریعت میں سجدۂ تعظیم مطلق ممنوع ہے اس لئے کسی کو کسی کے لئے سجدہ جائز نہیں ۔ تو جس سجدہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیا تھا وہ سجدۂ تعظیم وتکریم اور احترام آدم کے لئے تھا جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کیا تھا ۔ تمام اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سجدۂ عبادت نہ تھا اس لئے کہ سجدۂ عبادت سوائے خدا کے کسی کو کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتے ۔

الغرض جب فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم کے سامنے سجدہ تعظیمی بجالائیں تو جیسا آگے ارشاد ہے فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط تو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے ۔ یعنی سب فرشتے حکم الٰہی بجالائے اور سب نے آدمؑ کو سجدہ کیا مگر ابلیس نے حکم ماننے سے انکار کیا ۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کافروں میں سے ہو گیا ۔

ابلیس کے لفظی معنیٰ ہیں سخت ناامیدی کے باعث غمگین ہو کر ششدر اور متحیر ہو جانے والا ۔ یہ شیطان کا لقب ہے جس کا مشہور نام عَزَازِیل تھا ۔ چونکہ شیطان رحمتِ حق سے ناامید ہے اس لئے اس کا لقب ابلیس ہوا ۔ یہ ابلیس کوئی فرشتہ یعنی نوری مخلوق میں سے نہ تھا بلکہ یہ جنات میں سے تھا اور ناری مخلوق تھا یعنی آگ سے پیدا کیا گیا تھا اور جیسا کہ استعاذہ سے متعلق درس ۱ میں تشریح کی گئی یہ اپنی کثرتِ عبادت اور علم کی وجہ سے فرشتوں کی جماعت میں داخل کر لیا گیا تھا ۔ فساد اور خونریزی کی وجہ سے جب باذنِ خداوندی فرشتوں نے جنات کو زمین سے نکال کر جزیروں اور پہاڑوں میں منتشر کر دیا تو ابلیس نے جو جنات میں بہت بڑا عالم اور عابد تھا فساد اور خونریزی سے اپنا بے لوث ہونا ظاہر کیا تو فرشتوں کی سفارش سے بچ گیا اور فرشتوں میں رہنے کی اجازت ہوئی ۔ جب تمام ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا تو ابلیس بھی بسبب ملائکہ کے ساتھ ہونے کے اس حکم میں

داخل تھا۔ لیکن ابلیس نے اس حکمِ الٰہی ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور جیسا کہ قرآن پاک کی کئی سورتوں میں ذکر ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے سوال کیا کہ جب تجھ کو میں نے سجدہ کا حکم دیا تھا تو پھر کس بات نے تجھ کو ایسا کرنے سے روکا؟ اس پر ابلیس لعین نے جواب دیا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ ابلیس کا مقصد یہ تھا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ لہٰذا میں آدم کے آگے نہیں جھک سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نافرمانی نے اُسے راندۂ درگاہ بنا دیا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا۔ اور اس غرور و تکبر کی وجہ سے ابدی ہلاکت کا مستحق ہوا۔ علماء نے لکھا ہے کہ حکمِ خداوندی کے امتثال سے انکار اور معارضہ و مقابلہ ایک کفر تو ابلیس کا یہ ہوا۔ دوسرا کفر یہ کیا کہ حکمِ خداوندی کو خلافِ حکمت اور خلافِ مصلحت جانا۔ تیسرا کفر یہ کیا کہ اپنے تمرد اور سرکشی کو حکمِ خداوندی کے تعمیل سے بہتر سمجھا۔

یہاں آیت میں شیطان کے کافر ہو جانے کے لئے دو لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں ایک اَبٰی اور دوسرے وَاسْتَكْبَرَ۔ اَبٰی کے معنیٰ ہیں اس نے سخت انکار کیا۔ یہ لفظ اِبا سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں جان بوجھ کر دانستہ کسی چیز سے انکار کرنا۔ یہاں ایک شرعی مسئلہ بھی غور سے سُن لیجئے وہ یہ کہ اللہ اور رسولؐ کے کسی صریح حکم کو بُرا سمجھنا۔ اس میں عیب نکالنا۔ اُس کے ساتھ ردّ و انکار سے پیش آنا یہ کفر ہے اور ایسا کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

اِسْتَكْبَرَ کے معنیٰ ہیں اُس نے تکبر کیا۔ اُس نے گھمنڈ کیا۔ اس نے غرور کیا۔ یہ لفظ کِبر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھنا اور غرور کرنا اور دوسرے کو حقیر و ذلیل جاننا۔ کِبر اتنا بڑا اور ایسا شدید گناہ ہے کہ ایک حدیث میں حضرت عَبْدُاللہ بن مَسْعُودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ داخل ہوگا جنت میں جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی کِبر ہوگا۔ اس پر صحابہؓ میں سے ایک نے عرض کیا کہ یا رَسُولَ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر شخص پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ یہ کِبر اور غرور نہیں بلکہ حق کو باطل کرنا اور لوگوں کو حقیر و ذلیل جاننا یہ کِبر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے قلوب کو کِبر سے پاک و صاف فرمائیں اور مرتے دم تک پاک و صاف رکھیں۔ آمین۔

اب یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے اور ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ ابلیس علم و معرفت میں ایسا بلند مقام رکھتا تھا کہ اس کو طاؤس الملائکہ کہا جاتا تھا پھر اس سے یہ حرکت کیسے صادر ہوئی؟ بعض علماء نے اسکے جواب میں لکھا ہے کہ اس کے کبر و غرور کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشی ہوئی معرفت اور علم و فہم کی دولت اس سے سلب کر لی اس لئے ایسی جہالت کا مرتکب ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حُبِّ جاہ اور خود پسندی نے حقیقت شناسی کے باوجود اس کو اس بلا میں گرفتار کیا۔ بہرحال ابلیس کا یہ واقعہ عبرتناک واقعہ ہے اور اس کی ہزاروں سال کی عبادت گذاری کا جو شعارِ بارگاہِ الٰہی میں گستاخی اور بغاوت کی وجہ سے ہوا وہ بلاشبہ سرمایۂ

Marfat.com

صد ہزار عبرت ہے اس لئے علماء نے اس واقعہ پر متعدد فوائد اور نتائج لکھے ہیں جو مختصراً حسب ذیل ہیں:-

۱:- تکبر ایسا بڑا گناہ ہے کہ جس نے ابلیس کا ستیاناس کر دیا اور اس کو راندۂ بارگاہ الٰہی بنا دیا کبر اور غرور خواہ سینہ کے اندر چھپا ہو مذموم اور ممنوع ہے اور کبر ہمیشہ ذلت کے غار میں گراتا ہے۔

۲:- خدا کی مرضی پر راضی رہنا چاہیئے۔ شیطان اسکی مرضی پر راضی نہ ہوا اسلئے اس کا نتیجہ خراب ہوا۔

۳:- انسان اپنے علم۔ عبادت۔ ریاضت پر مغرور نہ ہو اور اپنے موجودہ ایمان و عمل اور علم و معرفت پر غرہ نہ ہو کیونکہ اعتبار انجام کا ہے اور معلوم نہیں کہ انجام کس کا کیسا ہو۔ ایمان وہی معتبر ہے جو آخر دم تک اور اوّل منزل آخرت تک ساتھ رہے۔ شیطان کی ہزاروں برس کی عبادت انجام میں اس کے لئے مفید نہ ہوئی

؎ گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے + اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

۴:- خدا تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنا اور اس کی شان میں گستاخی کرنا سخت گناہ اور جرم عظیم ہے۔

۵:- احکام الٰہیہ جو قرآن و حدیث سے صریحاً ثابت ہیں۔ اُن میں قیاس آرائی اور دماغ تراشی سے کام نہ لینا چاہیئے کیونکہ ان کی واقعی حقیقت حق تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ان میں حیل و حجت کا کسی کو حق نہیں۔

۶:- حکم الٰہی بجالانے میں جلدی اور مستعدی برتنی چاہیئے ٹھیل اور سستی نہ کرنا چاہیئے جیسا کہ ملائکہ کے عمل سے ظاہر ہوا کہ حکم ملتے ہی سب سجدہ میں فوراً چلے گئے۔

۷:- انسان کو جو نعمتِ الٰہی خواہ وہ ظاہری نعمت ہو یا باطنی حاصل ہو اس پر ناز گھمنڈ اور مغرور ہو کر نافرمانی نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ ہر نعمت کو اللہ کا عطیہ سمجھ کر اس پر ادائے شکر کرنا چاہیئے۔

۸:- بعض اوقات کسی گناہ کا وبال ایسا سخت ہوتا ہے کہ تائید حق انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے جس کے نتیجہ میں اس کی ہر کوشش اور عمل اس کو گمراہی کی طرف دھکیل دیتی ہے۔

الغرض خلاصہ یہ کہ یہاں انسانوں کو بتلایا گیا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے باپ اور اوّل انسان حضرت آدمؑ کو مسجود ملک ہونے کی عزت دی اور ملائکہ تک سے ان کی تعظیم و تکریم کرائی گئی اور تم کو اُن ہی کی اولاد اور نسل سے ہونے کا فخر عطا کیا گیا تو ان نعمتوں کو یاد کر کے انسانوں کو اللہ کا شکر گذار بندہ بننا چاہیئے اور اسکی نافرمانی سے بچنا چاہیئے۔

اسی سلسلہ میں بقیہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام کا کہ اللہ تعالیٰ نے مزید کیا نعمتیں جنت میں اُن کو عطا فرمائیں یہ اگلی آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:- حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنا مطیع و فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، یا اللہ کبر و غرور جیسی شیطانی خصلت سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرما اور ہم کو اس بدخصلت سے کامل طور پر بچا۔ یا اللہ ابلیس لعین کے انجام سے ہمیں عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہر حال میں ہم کو اپنے احکام کا مطیع اور فرمانبردار رکھنا اور نافرمانی، گستاخی اور بیباکی جیسی شیطانی حرکات سے ہمیں تا زندگی بچانا، آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۲۰

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا

اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بی بی بہشت میں پھر کھاؤ

مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

دونوں اس میں سے بافراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جایئو اس

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ

درخت کے ورنہ تم بھی انہیں میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ پس لغزش دے دی آدم و حوا کو شیطان نے

عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا

اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کر کے رہا اُن کو اُس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ نیچے اُترو

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ

تم میں سے بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

چندے ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ایک میعاد معین تک

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور مرضی کے مطابق حضرت آدمؑ کو اپنی نیابت اور خلافت ارضی کے لئے پیدا فرمایا اور ان کے اس شرف کو واضح کرنے کے لئے تمام ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ وہ آدمؑ کو سجدۂ تعظیمی بجا لائیں جس پر تمام ملائکہ نے حکم الٰہی کی تعمیل کی لیکن ابلیس جو اس وقت ملائکہ میں اپنے علم و عبادت کے باعث شریک تھا اس نے اس حکم کی نافرمانی کی اور سجدہ کرنے سے انکار کیا جس کی وجہ سے حق تعالیٰ کا اس پر عتاب ہوا اور وہ ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ بنا دیا گیا۔ اب آگے اسی سلسلہ میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مزید انعام و اکرام حضرت آدمؑ پر یہ فرمایا کہ ان کو شاہی محلات یعنی جنت میں قیام کا حکم دیا گیا۔ پھر جب وہاں حضرت آدمؑ نے تنہائی محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے آنس و سکون کے لئے حضرت حوا کو پیدا فرمایا اور پھر یہ مزید احسان فرمایا کہ انہیں اجازت دے دی کہ جنت میں وہ جہاں سے چاہیں کھائیں پئیں۔ رہیں سہیں البتہ وہاں ایک درخت تھا جس کا پھل کھانے سے ممانعت کر دی گئی تھی۔

ابلیس جو حضرت آدمؑ کی وجہ سے مردود و ملعون ہوا تھا وہ آپ کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ اور کسی نہ کسی طرح

بہکا کر اور دھوکا دے کر حضرت آدمؑ اور ان کی بی بی حضرت حوّا کو وہ ممنوعہ پھل کھانے پر آمادہ کر دیا اور وہ پھل انہوں نے کھا لیا۔ حضرت آدمؑ کی اس لغزش کی وجہ سے ان کو حکم باری تعالیٰ کا ملا کہ اب تم جنت سے اتر و اور زمین پر جا کر رہو اور یہ بھی بتلا دیا گیا کہ زمین کی رہائش جنت کے سکون اور راحت کی طرح نہ ہوگی بلکہ وہاں آپس میں اختلافات اور دشمنیاں بھی ہوں گی پھر دنیا میں بھی ہمیشہ رہنا نہ ہوگا بلکہ کچھ مدت کے بعد اس جگہ کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔ یہ ہے خلاصہ ان آیات کا جن کی اب تفصیل و تشریح سنیئے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ (اور ہم نے کہا کہ اے آدمؑ! تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو) یہاں زَوْجُكَ یعنی تمہاری بی بی سے مراد حضرت حوّا ہیں جو اس وقت پیدا ہو چکی تھیں۔ حضرت حوّا کی پیدائش کا حال تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے یوں لکھا ہے کہ جب حضرت آدمؑ نے تنہائی محسوس کی اور آرزو ہوئی کہ کوئی ہمجنس ان کا ہو کہ اس سے انسیت حاصل ہو تو حق تعالیٰ نے یہ خواہش دیکھ کر رحمت فرمائی اور حضرت آدم جس وقت کے سوتے تھے فرشتوں کو حکم ہوا کہ بائیں پسلی حضرت آدم کی چاک کرو اور اس جگہ سے ایک خوبصورت عورت نکالو کہ ایک لحظہ میں قد و قامت سب درست ہو۔ پھر اس چیری ہوئی پسلی کو ملا دیا گیا اور اس چیرنے سے حضرت آدمؑ کو کچھ تکلیف یا درد محسوس نہ ہوا۔ جب حضرت آدمؑ جاگے تو دیکھا کہ ان کا ایک ہمجنس برابر میں موجود ہے۔ پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو حکم الٰہی پہنچایا کہ ہماری بندی ہیں۔ نام ان کا حوّا ہے اور تمہارے انس کے لئے ان کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ عقد نکاح منعقد ہوا۔ فرشتے گواہ ہوئے اور حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدمؑ کو مہر ادا کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ مہر ان کا کیا ہے۔ حکم ہوا کہ مہر ان کا یہ ہے کہ تم محمدؐ پر دس مرتبہ درود بھیجو۔ اس پر حضرت آدمؑ نے دریافت کیا کہ محمدؐ کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ تمہاری اولاد میں سے ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ اگر ان کی پیدائش منظور نہ ہوتی تو تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب حضرت حوّا علیہا السلام پیدا ہوئیں اور حضرت آدم علیہ السلام نے ان پر ہاتھ بڑھانا چاہا۔ تو ملائکہ نے کہا کہ صبر کرو جب تک مہر ادا نہ ہو جائے اور مہر ادا نہ کر دو۔ انہوں نے پوچھا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ رسول مقبول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود پڑھنا اور ایک روایت میں بیس بار آیا ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اور تمہاری زوجہ جنت میں سکونت اختیار کرو۔ علماء محققین نے لکھا ہے کہ یہ جنت وہی جنت تھی کہ جو بعد قیام قیامت اہل ایمان کا ٹھکانہ ہے۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام پر انعامات پر انعامات ہو رہے ہیں، چنانچہ آپ کے انس کے لئے بی بی حوّا کو پیدا فرمایا پھر دونوں کو جنت میں بسنے کا حکم ہوا۔ پھر آگے ایک مزید انعام کا بیان ہے۔ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا اور کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جو چاہو اور جس جگہ سے چاہو یعنی حضرت آدم اور حوّا علیہما السلام کو فرمایا کہ جنت کے پھل اور میوے بافراغت استعمال کرتے رہو۔ نہ ان کے حاصل کرنے میں تمہیں کسی محنت کی ضرورت

ہوگی اور نہ فکر کہ یہ غذا کم یا ختم ہوجائے گی مگر اس انعام کے ساتھ ایک شرط لگادی گئی اور وہ یہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور پاس مت جانا اس درخت کے یعنی کسی خاص درخت کی طرف اشارہ کرکے فرمادیا گیا کہ اس کے قریب بھی نہ جانا۔ اس حکم سے اصل مقصد تو یہ تھا کہ اس درخت کا پھل نہ کھانا مگر تاکید کے طور پر فرمایا گیا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا مراد یہی ہے کہ اس کا پھل کھانے کے لئے اس کے پاس نہ جانا، اب یہ درخت کون سا تھا؛ اس کی خبر نہ قرآن کریم میں دی گئی نہ کسی مستند حدیث میں اس کا تعین فرمایا گیا۔ ائمہ تفسیر میں سے کسی نے گیہوں کا درخت قرار دیا۔ کسی نے انگور کا، کسی نے انجیر کا اور کسی نے ترنج کا، اکثر روایات میں یہ ہے کہ وہ درخت گیہوں کا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ آگے بطور تنبیہ و تاکید اس امر میں کہ شجر ممنوعہ کے پاس بھی نہ جانا، یہ بھی فرمادیا گیا کہ اگر ایسا کیا تو فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی اگر تم نے شجر ممنوعہ سے کھالیا تو تم ظالمین میں سے ہوجاؤ گے۔ یہاں آیت میں لفظ ظالمین استعمال ہوا ہے یعنی اگر ایسا کروگے تو ظلم کرنے والے ہوجاؤ گے۔ اب یہاں کس مناسبت سے ظلم کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کو سمجھ لیجئے۔ محاورہ میں ظلم بے انصافی، زبردستی ستمگاری۔ شرک، گناہ۔ تقصیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ظلم کے اصل معنی ہیں غیر کی ملک میں تصرف کرنا اور حد سے گذر جانا۔ اسی لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ ظلم کا صدور ذات باری تعالیٰ سے محال ہے کیونکہ عالم تمامتر اُسی وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی ملکیت ہے لہٰذا وہ اپنے ملک میں جو بھی کرے بجا ہی بجا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک ظلم کہتے ہیں کسی شے کو اس کی مخصوص جگہ سے ہٹا کر نقصان کے ساتھ یا زیادتی کے ساتھ یا وقت بدل کر یا جگہ بدل کر بے جگہ رکھ دینے کو۔

علماء نے لکھا ہے کہ ظلم تین طرح کا ہوتا ہے اوّل ظلم وہ جو انسان سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا ظلم کفر و شرک اور نفاق ہے۔ دوسرا ظلم وہ جو انسان سے دوسرے انسانوں کے بارہ میں ہوتا ہے۔ تیسرا ظلم وہ ہے جو انسان سے اپنے نفس کے بارہ میں سرزد ہوتا ہے۔ یہاں فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ میں یہی ظلم مراد ہے جس کے معنے ہوئے کہ کہیں تم بھی ان لوگوں میں سے نہ ہوجاؤ کہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور درحقیقت یہ تینوں ظلم نفس ہی پر ظلم ہیں۔ کیونکہ جب انسان ظلم میں پہل کرتا ہے تو پہلے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے لہٰذا ظالم کے ظلم کی ابتداء ہمیشہ اپنے آپ سے ہوا کرتی ہے۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام کو تاکیداً فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ سے بھی آگاہ فرمادیا تھا یعنی یہ بھی بتلادیا گیا تھا کہ اگر تم نے شجر ممنوعہ سے کھالیا تو اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہوجاؤ گے آگے ارشاد ہوتا ہے فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ۔ پس لغزش دے دی آدم و حوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کرکے رہا ان کو اس عیش و راحت سے جس میں وہ تھے شیطان سے مراد وہی ابلیس لعین ہے جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے جو حضرت آدمؑ کو انکار سجدہ کے جرم میں ملعون و مردود ہوچکا تھا اور جس کو جماعت ملائکہ سے نکال دیا گیا تھا اور چونکہ یہ زخم اس کو حضرت آدم کی وجہ سے پہنچا تھا اس لئے ان کا جانی دشمن ہوگیا تھا جب اس نے دیکھا کہ میں تو

Marfat.com

یُوں مردود کیا گیا اور حضرت آدم کا یُوں اعزاز و اکرام ہو رہا ہے تو اس فکر میں لگا کہ کسی نہ کسی طرح ان سے انتقام لینا چاہیئے اور آدم کو مع ان کی بیوی کے اس جنّت کے عیش و آرام سے جُدا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو بھی اس کی عداوت اور دشمنی سے آگاہ فرما دیا تھا۔ غرض کہ شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے پیچھے پڑا اور ان کو جس طرح بن پڑا بہکانا شروع کیا۔ چونکہ ظاہر میں دشمن ہو کر مکر و فریب چلنا مشکل تھا اس لیے خیر خواہ اور ہمدرد ناصح بن کر حضرت آدم اور حوا کے رو برو آیا اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ انجام کار تمہارا کیا ہوگا؟ آخر کار تمہارے واسطے موت ہے۔ حضرت آدم نے پُوچھا کہ موت کیا ہے؟ تو شیطان نے اپنے تئیں مُردہ جانور کی صورت بنا کر ان کے رُوبرو ڈال دیا اور جس طور سے کہ جان کندنی کے وقت نزع کی اور رُوح نکلنے کی تکلیف ہوتی ہے ان کو دِکھلائی تو اس حال کو دیکھ کر حضرت آدم کو خوف ہوا اور پُوچھا کہ اس حالت سے محفوظ رہنے کی تدبیر کیا ہے؟ شیطان نے کہا جیسا کہ سورۃ طٰہٰ سولھویں پارہ میں آیا ہے کہ میں تم کو ایک درخت کا پتہ بتاتا ہوں جس کا پھل کھانے سے ہرگز موت نہ آئے گی اور تمہاری بادشاہی کبھی فنا نہ ہوگی تو انہوں نے کہا وہ درخت کون سا ہے تو شیطان نے اُسی درخت کو بتایا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو منع کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس درخت کے قریب جانے سے منع کیا ہے۔ اگر اس درخت میں یہ فائدے ہوتے تو ہم کو اس کے پاس جانے سے کیوں اللہ تعالےٰ منع فرماتے؟ تو شیطان نے جواب دیا جیسا کہ سورۃ اَعْرَاف آٹھویں پارہ میں آیا ہے کہ تمہارے رب نے تم کو اس واسطے اس درخت سے منع نہیں فرمایا کہ اس کے پھل کھانے سے تم کو کچھ ضرر پہنچے گا بلکہ اس واسطے منع فرمایا ہے کہ تم اس درخت کے پھل کھانے سے فرشتوں کے مانند ہو جاؤ گے کہ وہ بالکل خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور کھانے پینے کی فکر نہیں رکھتے اور اگر تم کو یہ حالت حاصل ہو جائے گی تو زمین کی خلافت تم سے انجام نہ ہو سکے گی یا اس واسطے منع فرمایا ہے کہ بسبب کھانے پھل اس درخت کے تمہارا نکلنا بہشت سے نہ ہو سکے گا اور تم ہمیشہ زندہ رہنے والے بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تم کو بہشت سے زمین کی طرف خلافت کے لئے بھیجنے کا ہے اور دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تمہارا ناصح اور خیر خواہ ہوں۔ گویا شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس طرح فریب دیا کہ جس وقت تم کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا اس وقت تمہاری حالت کے مناسب یہی تھا اس وقت استعداد ضعیف تھی اب ماشاءاللہ آپ کی استعداد کمال قوت کو پہنچ گئی ہے۔ اس حالت کے لئے ممانعت نہیں رہی۔ بہرحال یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کے خیال میں پڑ گئی اور ایسے اسباب جمع ہو گئے کہ اس درخت کے کھانے کو اس وقت احاطہ ممانعت سے خارج سمجھ گئے اور کھا لیا پس یہ لغزش ہونی تھی اور اس کا کھانا تھا کہ سب عیش و آرام بہشت کا رخصت ہوا اور اس کے کھاتے ہی اس کی تاثیر یہ ظاہر ہوئی کہ جنتی لباس اُتر گیا اور حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا شرم کے مارے

Marfat.com

درختوں کے پتے بدن سے چمٹانے لگے اور عتابِ الٰہی شروع ہوا۔ چنانچہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ ۳۶

اور ہم نے حکم دیا کہ نیچے اُتر جاؤ اس طرح کہ تم میں بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے یعنی حضرت آدم اور بی بی حوا کو بطور عتاب کے یہ جتلایا گیا کہ ایک سزا تو ظاہری یہ ہے کہ یہاں یعنی جنت سے زمین پر جاؤ، دوسری سزائے باطنی اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ تمہاری اولاد کے درمیان باہم عداوتیں ہوں گی جس سے لطفِ زندگی بہت کچھ کم ہو جائے گا، اور اب تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھیرنا ہے اور ایک میعاد معین تک کام چلانا ہے یعنی زمین پر جا کر بھی دوام نہ ملے گا۔ کچھ مدت کے بعد اس گھر کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

ان آیات میں یہی مذکورۂ بالا مضمون بیان فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی حوا بہشت میں رہا کرو۔ پھر دونوں بافراغت اس میں سے جس جگہ سے چاہو کھاؤ پیو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں پس لغزش دے دی آدم و حوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کر کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے۔ اور ہم نے کہا کہ نیچے اُترو تم میں سے بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے۔ اور تم کو زمین پر چندے ٹھیرنا ہے اور کام چلانا ہے ایک میعاد معین تک"۔

اب اِن آیات سے جو نتائج اور نصائح حاصل ہوتے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں :۔

۱:۔ ممنوع اور ناجائز امور سے بچنے کے لئے مشتبہ اور شک و شبہ کی چیزوں سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس ممنوعہ درخت کے قریب جانے سے بھی روکا کہ نہ نزدیک جائیں گے نہ پھل کھانے کی خواہش ہو گی اس لئے مسلمانوں کو مشتبہ امور سے بھی پرہیز رکھنا چاہیئے۔

۲:۔ خداوند تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنے یا خلاف ورزی کرنے سے انسان درحقیقت خود اپنا نقصان کرتا ہے۔ معتوب بارگاہِ الٰہی ہوتا ہے۔

۳:۔ شیطان کے مکر و فریب اور اغوا کے اسباب بے انتہا ہیں، شیطان انسان کا دشمن ہے اور ہر طریقہ سے شیطان بہکاتا ہے۔

۴:۔ منتہی اور کامل بھی شیطان کے مکر و فریب سے مامون نہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کا قصہ اِس پر شاہد ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کے اُس وقت کامل ہونے میں کوئی شک نہیں۔

Marfat.com

الغرض حضرت آدم علیہ السلام نے ایسے خطاب اور عتاب کہاں سنے تھے اس لئے جب جنت سے زمین پر اُترنے کا حکم سُنا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس پر بہت پچھتائے اور ندامت و پریشانی کی حالت میں ایک مدت تک اپنی خطا پر گریہ وزاری کرتے رہے بالآخر حق تعالیٰ کو رحم آیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور مزید احکام ارشاد فرمائے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

حق تعالےٰ شیطان کے مکر و فریب سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ہر چھوٹی بڑی معصیت اور گناہ سے ہم کو کامل طور پر بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں گذشتہ میں جو تقصیرات ہم سے سرزد ہو چکی ہیں، ان کو اپنی رحمت کاملہ سے معاف فرمائیں اور اس دنیا میں ہم کو جب تک رہنا نصیب فرمائیں اپنی مرضیات کی زندگی گذارنا نصیب فرمائیں۔ اور اپنے احکام کی ظاہراً و باطناً فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو کرنے اور جن باتوں سے بچنے کا حکم دیا ہے اُس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۲۱

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ

بعد ازاں حاصل کر لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی اُن پر، بیشک وہی ہے

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ

بڑے توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہم نے حکم فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ

پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ

تو نہ تو کچھ اندیشہ ہوگا اُس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے ۔ اور جو لوگ

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۴ ۴ ۱۰

وہ اس میں ہمیشہ کو رہیں گے ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہوا تھا کہ شیطان ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد اور دشمنی کی بنا پر ان کو اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھا کر لغزش میں مبتلا کر دیا اور جنت میں جس درخت کے پھل کھانے کو حق تعالیٰ کی طرف سے ممانعت تھی اُسی کو کھا بیٹھے جس کے نتیجہ میں حضرت آدم اور بی بی حوا کو جنت سے زمین پر اُترنے کا حکم ہوا تھا ۔ اب آگے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اُتارے گئے تو ان کو اپنی اس غلطی پر بہت ندامت اور پشیمانی تھی اور ایک مدت تک زمین پر پریشان حال اپنی خطا پر روتے اور گریہ وزاری کرتے رہے بالآخر حق تعالیٰ کو رحم آیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو خود ہی معافی طلب کرنے کے لئے کچھ کلمات سکھا دیئے اور ان پر توجہ فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی مگر زمین پر رہنے کا حکم بدستور قائم رہا اور یہ اطلاع دے دی کہ ہماری طرف سے بذریعہ وحی جو احکام تمہارے اور تمہاری اولاد کے پاس آئیں تو جو ان کی پیروی کرے گا وہ ہر خوف و غم سے نجات پائے گا اور پھر اس کو دوبارہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جو ان احکام سے دُنیا میں انکار و تکذیب ، اور اعراض

روگردانی اور نافرمانی و سرکشی کرے گا تو اس کے لئے جہنم کا عذاب دائمی ہوگا اور وہ کبھی جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔ یہ ہے خلاصہ ان آیات کا جن کی اب تفسیر و تشریح سنیئے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے۔ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (پھر حاصل کر لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ یعنی معذرت کے کلمات تو اللہ تعالےٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر یعنی توبہ قبول کرلی۔ بیشک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان) یہاں اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ کا صراحت سے ذکر ہے لیکن آپ کی بی بی حضرت حوا بھی توبہ میں اور اس کے قبول ہونے میں آدم علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں جیسا کہ آٹھویں پارہ سورۂ اَعْرَاف سے ظاہر ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو مع اپنی بی بی حضرت حوا کے جنت سے اُترنے کا حکم ملا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ایسے خطاب و عتاب کہاں سنے تھے۔ نہ ایسے سخت دل تھے کہ اس عتاب کی سہار کرجاتے۔ ایک مدت تک اپنی خطا پر پشیمان اور پریشان ہو کر روتے رہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمام دنوں میں بہترین دن جمعہ کا ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن جنت سے اُتارے گئے۔

اس میں مفسرین کے اقوال بہت مختلف ہیں کہ جنت سے دنیا میں کون کہاں پر اُترا۔ اکثر مفسرین اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت آدم جنت سے نکل کر سراندیپ یعنی لنکا یا سیلون میں اُترے اور حضرت حوا جدہ میں اُتریں۔ اور وہیں سکونت پذیر ہوئیں، اسی لئے جدہ کا نام جدہ ہوا۔ جدہ عربی زبان میں دادی کو کہتے ہیں۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کس سرزمین میں رہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ ایشیائی ملکوں میں رہتے تھے، بعض کہتے ہیں کہ عرب بالخصوص حجاز میں رہتے تھے اور وہیں کہیں ان کی قبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت آدمؑ کی قبر منیٰ میں مسجد خَیْف میں ہے اور حضرت حوا کی قبر جدہ میں ہے۔ فراق جنت کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا کی ملاقات مقام عَرَفَات میں ہوئی اور وہیں ایک دوسرے کو پہچانا اسی لئے عرفات کو عرفات یعنی پہچان کی جگہ کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت آدمؑ ۲۰۰ برس تک اپنی توبہ کی فکر میں گریہ و زاری کرتے رہے اور اس قدر گریہ و زاری کی کہ اگر تمام بنی آدم کے آنسوؤں کو جمع کیا جائے تو حضرت آدمؑ کے آنسو زیادہ رہیں۔ لکھا ہے کہ ایک روز کفِ دست اپنی پیشانی پر رکھ کر اور سر زانو میں ڈال کر رونے میں مشغول تھے کہ ناگاہ جبرئیل علیہ السلام وارد ہوئے اور حضرت آدم کی گریہ زاری سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کو بھی رونا آگیا۔ اور پوچھا کہ اس قدر گریہ و زاری کس واسطے ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تضرع اور زاری کس طرح نہ کروں کہ خدائے تعالےٰ نے مجھ کو بسبب میرے قصور کے آسمان سے زمین پر ڈالا اور نعمتوں کے گھر سے باہر کر کے رنج و بلا کے گھر میں پہنچایا۔ حضرت

Marfat.com

جبرئیلؑ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ حقیقت عرض کی۔ حکم ہوا کہ آدم کے پاس پھر جاؤ اور کہو کہ میری نعمتوں کو یاد کریں کہ اوّل اپنے دستِ قدرت سے تم کو پیدا کیا۔ پھر تمہارے خاکی قالب میں اپنی روح کو پھونکا۔ پھر اپنے فرشتوں سے تم کو سجدہ کروایا اور اپنی جنت میں تم کو ٹھہرایا۔ تم نے میری ان نعمتوں کی قدر نہ جانی اور میرے حکم کے خلاف کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا بیشک مجھ سے یہ تقصیر سرزد ہوئی۔ تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے، تمہاری تضرع اور زاری پر میں نے رحم کیا اور تمہاری تقصیر سے درگذر کی اور ارشاد ہوا کہ ان کلمات کو پڑھ کر دعا کرو۔ وہ کلمات کیا تھے جن کی تلقین ہوئی اکثر کا قول یہی ہے کہ وہ کلمات رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تھے جو کہ سورۃ اَعْرَاف آٹھویں پارہ میں آئے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم نقصان اُٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔ بعض روایات میں دوسرے کلمات بھی آئے ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ۔ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ۔ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ قبول توبہ میں حیران تھے تو ان کو یاد آیا کہ مجھ کو جس وقت اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا تھا اور روح میرے اندر پھونکی تھی اس وقت میں نے اپنا سر عرش کی طرف اُٹھایا تھا تو اس جگہ لکھا دیکھا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس سے میں نے خیال کیا کہ اللہ کے نزدیک قدر و منزلت کسی کی اتنی نہیں جتنی کہ اس کی ہے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے تو دل میں یہ تدبیر آئی کہ بحرمت اس شخص کے سوال مغفرت کا کروں پس انہوں نے دعا میں کہا اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ غَفَرْتَ لِيْ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ تم نے محمدؐ کو کہاں سے جانا اس پر انہوں نے تمام ماجرا عرض کیا حکم پہنچا کہ بیشک محمدؐ سب پیغمبروں سے اخیر پیغمبر ہیں اور تمہاری اولاد میں سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ الحاصل اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی اور ان کی توبہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی۔

یہاں سے توبہ کی تعلیم کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل میں القاء ہوتی ہے۔ یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ خود دعا اور توبہ کی توفیق دیتے ہیں اور پھر اس کو قبول فرماتے ہیں۔ توبہ کی حقیقت بھی یہاں سے ظاہر ہوئی کہ توبہ تین چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اوّل اپنی غلطی

کو غلطی سمجھنا اور اس پر نادم اور شرمندہ ہونا - دوسرے اس غلطی کو بالکل چھوڑ دینا - تیسرے آئندہ کے لئے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم و ارادہ کرنا - اگر ان تین باتوں میں سے ایک کی بھی کمی ہوگی تو وہ توبہ کامل نہیں

الغرض حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کے بعد بھی اُن کو فوراً جنت میں واپس آجانے کا حکم نہیں دیا گیا اور زمین پر رہنے کا حکم منسوخ نہیں ہوا - چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں رکھنے میں ہزاروں حکمتیں و مصلحتیں مضمر تھیں اور دنیا میں ہدایت اور حضراتِ انبیاء و مرسلین کی بعثت کا سلسلہ جاری کرنا تھا - اور بنی نوع انسان کا دنیا میں پھیلانا اور ان کو احکامِ شرعیہ کا مکلف بنانا اور ان میں خلافتِ الٰہیہ کا قائم کرنا منظور تھا اسلئے خطا معاف فرما دینے کے بعد بھی زمین پر اُترنے کا پہلا حکم منسوخ نہیں فرمایا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم فی الحال اسی دنیا میں رہو اور اے اولادِ آدم خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب دنیا میں تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت آوے یعنی احکام شرعیہ بذریعہ انبیاء کے پہنچیں تو جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے - آخرت میں ان کو یہ ثمرہ ملے گا کہ نہ اُن پر کچھ اندیشہ ہوگا اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے - یعنی آسمانی ہدایات کی پیروی کرنے والوں کے لئے دو انعام ہونگے ایک یہ کہ دنیا سے گذر کر ان پر کوئی خوف نہ ہوگا دوسرے وہ غمگین نہ ہوں گے اور ان کے مقابل وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ - یعنی جو لوگ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی پیروی نہیں کریں گے اور کفر و انکار کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے -

یہی مذکورہ بالا مضمون ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے - "بعد ازاں آدم نے حاصل کر لئے اپنے رب سے چند کلمات یعنی معذرت کے کلمات - چنانچہ آدمؑ نے وہ کلمات عرض کئے تو اللہ تعالےٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی اُن پر یعنی توبہ قبول کر لی بیشک وہی ہیں تو بہ قبول کرنے والے بڑے مہربان - مگر معاف فرمانے کے بعد بھی نیچے زمین پر رہنے کے حکم کو منسوخ نہیں فرمایا کیونکہ اس میں بھی ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر تھیں چنانچہ آگے ارشاد ہوتا ہے ہم نے فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت کے سب کے سب پھر اگر آوے تمہارے پاس میری ہدایت میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت یعنی احکام شرعیہ بذریعہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ تو کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے ، اور جو لوگ ہماری آیات کا کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے تو یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے اور جہنم ان کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگا -

اب یہاں اس آیت میں بھی اور قرآن پاک کی دوسری متعدد آیات میں بھی کفر و تکذیب کی سزا دائمی عذاب جہنم بتلائی گئی ہے - اور اسی کے مقابل اسلام اور ایمان کی جزا ابدالآباد یعنی ہمیشہ

Marfat.com

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنّت فرمائی گئی تو اگر اس پر کوئی غیر مسلم یہ اعتراض کرے
کہ اگر کوئی غیر مسلم ۵۰ یا ۱۰۰ سال اپنی زندگی کے کفر پر رہا تو اس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ
کے لئے کیونکر مناسب ہوئی ؛ اسی طرح اگر کوئی مسلم اپنی تمام زندگی کے ۵۰ یا ۱۰۰ سال اسلام پر رہ کر
اپنی زندگی ختم کر کے مر گیا تو اس کی جزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنّت کس طرح مناسب ہوئی ؛ گویا اعتراض
یہ ہوا کہ جرم اور اس کی سزا میں کوئی تناسُب نہ ہوا۔ یہ انصاف کے خلاف ہوا۔ اس اعتراض کے
حضرت تھانوی رحؒ نے دو جوابات دیئے ہیں وہ آپ سُن لیجیئے اور اپنے ذہن میں رکھیئے۔

ایک جواب تو اس کا یہ ہے کہ یہ اصول اور مقدمہ تو سب کے نزدیک مُسَلَّم ہے کہ سزا جُرم
کے مناسب ہونی چاہیئے۔ مگر تناسُب کے معنیٰ یہ تو نہیں کہ جُرم اور سزا دونوں کا زمانہ بھی یکساں ہو۔
اگر یہی بات ہے تو چاہیئے کہ جس جگہ دو گھنٹہ تک ڈکیتی پڑی ہو اور ڈاکو گرفتار ہو کر آئیں تو حاکم
ڈاکوؤں کو صرف دو گھنٹہ کی سزا دے جتنا زمانہ اُن کے جُرم کا ہے۔ اگر حاکم ایسا کرے تو کیا آپ
اس کو انصاف مانیں گے۔ اور سزا کو جرم کے مناسب کہیں گے ؟ ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جرم
اور سزا میں مناسبت کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کا زمانہ مناسب اور مساوی ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا
ہے کہ سزا میں شدت بقدر شدت جُرم ہو۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ قرآن نے کُفر کی سزا
میں جو شدت بیان کی ہے وہ شدت جُرم کے مناسب ہے یا نہیں اور یہ جرم شدید ہے یا نہیں ؟
شاید آپ کہیں کہ جرم شدید تو ہے مگر ایسا شدید کہ اس کی سزا ابدالآباد جہنّم ہو۔ تو جواب یہ ہوگا
کہ یہ خیال آپ کو اس لئے پیدا ہوا کہ آپ نے صرف فعل کی ظاہری صورت پر نظر کی ہے۔ حالانکہ سزا
اور جزا کا مدار محض ظاہری صورت پر نہیں ہے۔ بلکہ نیت کو بھی اس میں بڑا دخل ہے بلکہ یوں کہنا
چاہیئے کہ اصل مدار نیت پر ہی ہے۔ اور اس کی متعدد نظیر دُنیوی قانون اور اسلامی شریعت
میں موجود ہیں جن سے آپ بھی واقف ہیں تو جب یہ بات معلوم ہو گئی تو سمجھو کہ ظاہر میں گو کفر متناہی
ہے مگر نیت تو کافر کی یہی ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو ابدالآباد تک اس حالت پر رہوں گا۔ اس لئے
اپنی نیت کے موافق اس کو ابدالآباد جہنّم کا عذاب و سزا ہو گی۔ اور اسی طرح مسلمان کا اسلام گو
بظاہر متناہی ہے مگر اس کی نیت تو یہ ہے کہ اگر میں ہمیشہ زندہ رہوں تو ہمیشہ اسلام پر مستقیم
رہوں گا اس لئے اس کے لئے ابدالآباد ثواب جنّت ہے۔

اور دوسرا دقیق جواب یہ ہے۔ کہ کُفر اختیار کرنے سے حقوق الٰہیّہ کا فوت ہونا لازم ہوتا ہے
اور حقوق الٰہیّہ غیر متناہی ہیں۔ یعنی ان کی انتہا نہیں ہے۔ تو گویا کفر سے اللہ تعالیٰ کے لامتناہی
حقوق فوت ہوئے تو ان کی سزا بھی غیر متناہی ہونی چاہیئے۔ اسی طرح اسلام میں حقوق الٰہیّہ
کی رعایت ہے۔ اور وہ غیر متناہی ہیں تو اُن کی رعایت کا بدلہ اور جزا بھی غیر متناہی ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

تو کفر کی سزا دائمی جہنم اور اسلام کی جزا دائمی جنّت عین حق اور انصاف کے مطابق ہوئی۔ ماشاءاللہ کتنا مختصر، مگر مدلل اور شافی جواب ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیرا لجزاء۔

اب یہاں اس سورۃ میں ان آیات پر حضرت آدم علیہ السلام کا قصّہ ختم ہوا جس میں بنی نوع انسان کو متعدد وہ عظیم احسانات جتلائے گئے جو انسانوں کے اوّل باپ یعنی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام پر حق تعالےٰ نے فرمائے اور اس قصّہ کو بیان فرمانے سے پہلے بھی اللہ تعالےٰ نے اپنا مربّی اور خالق اور رازق اور محسن ہونا بتلایا تھا جس سے کفار کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ ان احسانات کے باوجود تم کیونکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناسپاسی کرتے ہو اور اسکے احسانوں کو بھلاتے ہو اور اس کی توحید کا انکار کرتے ہو اور غیروں کا دم بھرتے ہو۔ اب آگے بنی اسرائیل یعنی یہود مدینہ کو خطاب کر کے اُن کو وہ نعمتیں یاد دلائی جاتی ہیں جو حق تعالیٰ نے گذشتہ میں اس قوم پر فرمائی تھیں تاکہ وہ شکر ادا کر اللہ کا احسان مانیں اور احکام الٰہیہ کے موافق ایمان لادیں اور اسلام اختیار کریں جس کا بیان دُور تک ہوتا چلا گیا ہے جو انشاءاللہ اگلی آیات سے آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

حق تعالیٰ نے ہم پر جو انعامات واحسانات فرمائے ہیں ان پر ہم کو شکر گذاری کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سے جو خطائیں اور تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر ہمیں سچی توبہ کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ اور ہماری توبہ کو اپنی رحمت سے قبول فرمائیں۔ یَا اَللّٰہ! ہم کو اپنے جملہ احکام کی پیروی اور فرمانبرداری نصیب فرما، اور ہر طرح کی کجی گمراہی اور نافرمانی سے ہماری حفاظت فرما۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

درس ۲۲

يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ
اے بنی اسرائیل یاد کرو تم لوگ میرے ان احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے
عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ
تم پر اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو
وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿۴۰﴾
اور صرف مجھ ہی سے ڈرو ۔

تفسیر و تشریح :۔ اس سورۃ البقرہ کی ابتدا سے گذشتہ آیات تک یعنی چوتھے رکوع کے ختم تک حق تعالیٰ نے کس خوبی کے ساتھ قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی برحق ہونا بیان فرمایا ۔ اسی سلسلہ میں سب سے پیشتر ازلی سعادتمندی اور ازلی بدبختی یعنی متقین اور کافرین و منافقین کے اوصاف و احوال اور ان کے خواص و انجام بیان فرمائے گئے اور توحید و رسالت اور قیامت و آخرت کے دلائل بیان کئے گئے ۔ پھر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس ضمن میں عالم کی ابتداء و انتہا ۔ آسمان و زمین کے پیدا ہونے کی کیفیت بیان فرمائی ۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے دشمن ابلیس کا قصہ اور فرمانبرداری اور نافرمانی کے نتائج کا بیان کر کے بنی آدم کو ہدایات خداوندی پر چلنے کا حکم ہوا اور اس کی جزا اور ایسا نہ کرنے پر اس کی سزا کا بیان ہوا ۔ اب چونکہ مقصود یہ تھا کہ بنی اسرائیل یعنی قوم یہود جو اس وقت مدینہ اور اس کے اطراف میں آباد تھی اس کو قرآن پر اور نبی کریم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم کیا جائے ، اس لئے اب پانچویں رکوع کی ابتدا سے بنی اسرائیل کو خطاب ہوتا ہے ۔ اور ان کو حق تعالیٰ اپنی مخصوص نعمتیں یاد دلاتے ہیں تاکہ وہ شرما کر ایمان لادیں اور چونکہ یہ اہلِ کتاب صاحبِ علم اور خاندان نبوت سے تھے ان کے ایمان لانے سے دوسرے عوام پر اچھا اثر پڑتا اس لئے اُس وقت کے علمائے یہود کو اوّلاً اپنی نعمتیں اجمالاً یاد دلائی جاتی ہیں کہ جن پر پشتہا پشت سے انعام و احسان ہوتے آئے تھے پھر اگلے رکوع سے تفصیلاً انعامات و احسانات کا ذکر ختم پارہ تک ہوتا چلا گیا ہے ۔

قرآن کریم کا یہ حصہ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے لائق ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کی تاریخ میں اِس وقت کے مسلمانوں کے لئے بہت سے عبرت و نصیحت کے مواقع ہیں تاکہ یہ ان غلطیوں

Marfat.com

اور گستاخیوں سے بچ سکیں جن کی وجہ سے یہ عظیم الشان قوم بنی اِسرائیل تباہ و برباد ہوئی اور اللہ کے غضب کا نشانہ بنی۔

آیت کی ابتدا یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ سے ہے یعنی حق تعالیٰ خطاب فرماتے ہیں کہ ای بنی اسرائیل! اب جو کچھ اس آیت میں خطاب فرمایا گیا ہے اس کی تفسیر سے پہلے بنی اسرائیل کے متعلق کچھ ضروری تشریح لکھی جاتی ہے :۔ بَنِی کے معنی ہیں اولاد۔ اور اسرائیل کے معنی ہیں اللہ کا بندہ۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا اور اسی اعتبار سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور بعد کی نسل کو بنی اسرائیل کا لقب ملا۔ انہی کو یہود بھی کہتے ہیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کے جدِ امجد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے یہ حجاز میں آباد ہوئے اور ان کی نسل میں نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ اُن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد شام و فلسطین میں آباد ہوئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام تھے جو اپنے بھائیوں کی بدخواہی کی وجہ سے غلام بن کر مصر میں فروخت ہوئے اور پھر مصر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغمبری عنایت فرمائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ اقتدار میں حضرت یعقوب علیہ السلام بمعہ اپنے خاندان کے مصر میں آگئے تھے اور یہیں آباد ہو گئے تھے یہاں ان کی نسلوں کو خوب ترقی ہوئی مگر کچھ زمانہ کے بعد اہلِ مصر نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور بنی اسرائیلیوں کو غلاموں کی طرح بنا لیا اور ان پر طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے رہے۔ بالآخر بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جن کو اللہ نے پیغمبری عطا فرمائی اور جن کی مخالفت کے باعث اس وقت کے بادشاہ مصر کی جس کا لقب فرعون تھا تباہی ہوئی اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماتحت مصر سے نکل کر وادیٔ سینا آگئے۔ پھر ملک شام میں ان کو حکومت و سلطنت عطا ہوئی اور اسی قوم بنی اسرائیل میں حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہما السلام جیسے نبی اور بادشاہ ہوئے اور یہ زمانہ بنی اسرائیل قوم کا بہترین زمانہ تھا۔ پھر دین کی مخالفت۔ انبیاء کی دشمنی کے باعث یہ قوم مصائب کا شکار ہوئی اور اس قوم پر زبردست تباہی آئی جس کی تفصیلات تاریخ میں موجود ہیں۔

الغرض یہاں یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ سے خطاب اُن یہود کو ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں آباد تھے۔ اور یہود کے مدینہ میں آباد ہونے کے متعلق لکھا ہے کہ ملک شام سے ایک جماعت یہود کی خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آئی تو راستہ میں مقامِ یثرب (جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے بعد مدینۃ النبیؐ اور پھر مدینہ منورہ ہو گیا) وہ اُترے اور یہاں وہ آثار پائے گئے

Marfat.com

جو تورات میں خاتم الانبیاء کے ہجرت کر کے آنے کی جگہ بتائی گئی تھی۔ نیز وحی نبوت سے بھی ان کو اطلاع دی گئی کہ نبی آخر الزمان کے وطن سے ہجرت کے بعد قیام کی یہی جگہ ہے۔ اسلئے یہود کی ایک جماعت نے اپنے نبی سے درخواست کی کہ ہم لوگ یہیں رہنا چاہتے ہیں۔ تاکہ پیغمبر آخر الزمان کی بعثت و نبوت پر ایمان لائیں۔ چنانچہ وہ وہیں آباد ہو گئے اور انہیں خاتم الانبیاء کا اتنا شوق تھا کہ ان میں سے جب کوئی مرنے لگتا تو وہ اپنی اولاد کو وصیت کر دیتا کہ اگر تیرے زمانہ میں خاتم الانبیاء کا ظہور ہو تو میرا اسلام عرض کر کے میرے آن پر ایمان لانے کی کیفیت عرض کر دینا۔ اسی طرح ایک مدتِ دراز گذر گئی۔ ان کی آبادی کے بعد یمن کے دو باشندہ اَوس اور خَزْرَج بھی یہاں آکر آباد ہو گئے، یہودیوں کی نسل بھی رفتہ رفتہ بڑھ گئی اور یمنی قبائل بھی کثیر ہو گئے اور اَوس و خَزْرَج کی اولاد بعد میں یہودیوں پر غالب آئی۔ جب یہود ان یمنی قبائل سے تنگ ہوتے تو اُن سے کہتے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ہم پیغمبر آخر الزمان کی حمایت میں تم لوگوں سے جہاد کریں گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مکہ میں ہوئی تو اس زمانہ میں کچھ یمنی مدینہ کے باشندے قریش مکہ سے معاہدہ کرنے کی غرض سے مکہ آئے اور چونکہ یہود سے خاتم النبیین کی شناخت اور علامت سُن چکے تھے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فوراً ایمان لے آئے اور انصار مدینہ بن گئے۔ یہودیوں کے دلوں میں اس بات سے عداوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور انصار مدینہ کو بہکانے کے لئے توریت میں تحریف کر کے اور معنی بگاڑ کر کے بیان کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو یہود نے دانستہ انکار کیا۔ پھر یہود مدینہ یعنی بنی اسرائیل کو یہ بھی شاق تھا کہ وہ غیر خاندان کے نبی پر ایمان لاویں کیونکہ انسان کا یہ ایک جبلی خاصہ ہے کہ وہ دوسرے خاندان کو بمشکل مانتا ہے جب کہ حُبّ جاہ و ریاست دل میں پیوست ہو۔ اسلئے بنی اسرائیل کو اللہ تعالےٰ اپنی نعمتیں یاد دلاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِکُمۡ ۚ وَ اِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ ۝ اے بنی اسرائیل یاد کرو تم لوگ میرے ان احسانوں کو جو میں نے تم پر کئے ہیں، اور پورا کرو تم میرے عہد کو۔ پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو اور صرف مجھ سے ہی ڈرو یعنی اے یہود میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو تمہارے باپ دادوں کو میں نے عنایت کی تھیں عذابِ فرعون سے اُن کو نجات دی اُن کے دشمن فرعون کو غرق کیا۔ سمندر میں اُن کے واسطے راستے کھول دیئے، بیابان جنگل میں مَنّ وَسَلْویٰ جیسی غذا بے محنت ان کو عطا کی۔ سلطنت، بادشاہت عطا فرمائی۔ اِن کے علاوہ اور بہت سے احسان کئے جو توراۃ میں مذکور ہیں اور جو تم کو معلوم ہیں، لہٰذا ان انعامات کو یاد کرو اور اپنے اس عہد کو پورا کرو جو تم نے کیا تھا اور اُس میں سب سے اہم معاہدہ یہ بھی شامل تھا کہ میرے تمام رسولوں پر ایمان لانا اور چونکہ ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رسولوں کے زمرہ میں شامل ہیں اس لئے ان پر ایمان لانا اور اُنکی

Marfat.com

تصدیق کرنا بھی تم پر واجب ہوا۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا اور دنیا و آخرت کی کامیابی عطا کروں گا اور دیکھو صرف مجھ ہی سے ڈرو اور یہ خوف دل میں مت لاؤ کہ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جاؤ گے تو عوام الناس تمہاری سیادت سے نکل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جاویں گے اور جو کچھ تم کو نذرانہ دیا کرتے تھے وہ بند ہو جائیں گے۔ اس حقیر مال و دولت کا لالچ نہ کرو بلکہ دائمی نجات کی مجھ سے امید رکھو اور میرے ہی عذاب کا خوف کرو۔ اس آیت سے ہمیں تین امور کی تعلیم ملتی ہے

ایک یہ کہ گذشتہ اور پچھلے انعاماتِ الٰہیہ کو یاد کرنے کا حکم۔ کون ہے کہ جس پر حق تعالیٰ کے بے انتہا انعامات و احسانات نہیں؛ اس لئے ہم پر بھی ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات کو خیال کر کے اس پر منعم اور محسنِ حقیقی کا شکر ادا کیا کریں ورنہ ایسا نہ کرنے پر نعمت کے چھن جانے کا خوف ہے۔

دوسرے ایفائے عہد کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہم میں سے بھی ہر ایک نے اوّل تو عالم ارواح میں اللہ کو اپنا رب اور معبود ماننے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانے اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایتوں پر عمل پیرا ہونے کا عہد کیا ہے۔ اللہ سے کئے ہوئے اس عہد و اقرار کا جس پر کہ زمین آسمان، ملائکہ اور حضرت آدمؑ کو گواہ بنایا جا چکا ہے۔ ہم کو حتی المقدور پورا کرنا لازمی ہے۔ دوسرا عہد ہم نے اس زندگی میں کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ کر اللہ و رسول سے کیا ہے۔ اس قول و قرار کے پورا کرنے اور کلمہ کا صحیح معنیٰ میں حق ادا کرنے کی کوشش ہر مسلمان پر لازم ہے۔ ایسا کرنے ہی پر ہم امیدوار ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کیا ہوا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

تیسرے یہ تعلیم دی گئی کہ امید اور خوف کا مرکز صرف ذاتِ خداوندی ہونا چاہیئے۔ اور صرف اللہ ہی کی ذات سے ڈرنا اور خوف کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حقیقی مالک نفع و نقصان کا وہی ہے۔ اللہ کے مقابلہ میں انسان کا یا کسی دوسری چیز کا خوف ہرگز دل میں نہ لانا چاہیئے۔

الغرض اس آیت میں یہود کو خطاب کر کے ترغیب و ترہیب ایمان کے لئے دی گئی۔ اسی مقصد کو مزید صاف صاف لفظوں میں یہود کو خطاب کر کے اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے احسانمند اور شکر گذار بندوں میں شامل فرمائیں، اور اپنے انعامات و احسانات پر ہم کو ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اے اللہ! ہم نے جو عہد عالم ارواح میں کیا تھا اور جو عہد کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر اس زندگی میں کیا ہے اے اللہ اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما اور اس عہد پر مستقیم رہنے کی دولت نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۲۳

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ

اور مت بنو تم سب میں پہلے انکار کرنے والے اس قرآن کے اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۪ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ

معاوضہ حقیر کو اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو اور مخلوط مت کرو حق کو

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو جس حالت میں کہ تم جانتے بھی ہو

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا

اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

عاجزی کرنے والوں کے ساتھ

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل یعنی یہود مدینہ کو اپنے گذشتہ انعامات و احسانات جو اس قوم پر فرمائے گئے تھے یاد دلا کر یہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے وعدہ کو جو وہ اللہ تعالیٰ سے کر چکے ہیں پورا کریں۔ اب جس عہد کو بنی اسرائیل سے پورا کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے اس کی تصریح فرمائی جاتی ہے اور مقصود خطاب صاف صاف لفظوں میں بیان فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اور مت بنو تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس قرآن کے یعنی یہود کو خطاب کر کے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کتاب یعنی قرآن پر جو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے ایمان لاؤ اول تو محض اس وجہ سے کہ قرآن کو بھی اللہ ہی نے نازل کیا ہے، جیسے تم تورات پر اس وجہ سے ایمان لائے کہ اللہ نے اس کو اتارا ہے اسی طرح یہ بھی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے اس لئے اس پر بھی ایمان لاؤ۔

Marfat.com

اس کے علاوہ یہ کتاب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے یہ اُس کتاب جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی یعنی توراۃ اس کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی تم کو اس پر ایمان لانا چاہیئے۔ پھر یہ کہ توراۃ میں نبیٔ آخرالزمان کے مبعوث ہونے کی پیشینگوئی کا تم کو بخوبی علم ہے۔ تمہاری کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات و نشانات مذکور ہیں، اسلیئے بھی تم کو چاہیئے کہ سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور دیدہ و دانستہ سب سے پہلے قرآن کے منکر و مکذب نہ بنو کہ قیامت تک قرآن کریم کی تکذیب کرنے والوں کا وبال تمہاری گردن پر رہے۔

یہاں آیت میں یہود کو جو خطاب کرکے یہ فرمایا گیا وَلَا تَكُونُوٓا أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ اور مت بنو تم سب میں پہلے انکار کرنے والے تو یہ اس بنا پر کہ مشرکین مکہ اگرچہ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے پہلے انکار و تکذیب کر چکے تھے مگر وہ تکذیب جہالت اور نادانی پر مبنی تھی اور ہجرت کے بعد یہ سورۃ بقرہ پہلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی اور پہلا فرقہ اہلِ کتاب میں یہود کا ہے جو مدینہ و خیبر وغیرہ میں آباد تھے اور دوسرا فرقہ نصاریٰ کا شام و یمن وغیرہ میں آباد تھا۔ پس اگر یہود جو اہلِ علم بھی کہلاتے تھے اور خاندانِ نبوت سے تھے وہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کا انکار کریں گے تو نصاریٰ بھی ان کا دیکھا دیکھی انکار کریں گے اسلیئے فرمایا کہ اے یہود تم اہلِ کتاب میں سے اس قرآن کے پہلے منکر مت بنو کیونکہ اگر اہلِ کتاب کے لئے تم انکار میں بانی ہو گئے تو بعد میں قیامت تک جتنے اہلِ کتاب منکر ہوتے رہیں گے۔ ان کا وبال بھی تمہارے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوا بِـَٔايَاتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ز وَإِيَّاىَ فَاتَّقُونِ ۝۴۱ اور مت لو میرے احکام کے بدلہ میں حقیر معاوضہ اور مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو۔

علمائے یہود کی یہ عادت تھی کہ وہ کتب انبیاء میں کبھی عمداً کسی عقیدہ اور غرض کے ثابت کرنے کے لئے کچھ گھٹا بڑھا دیتے تھے اور کبھی حوادث میں جو کتابیں تلف ہو گئیں یا ان کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا تو انہیں کے نام سے اپنے طور پر تصنیف کرکے اس میں ملا دیتے تھے اور کبھی شرح کے طور پر بھی کچھ لکھ دیتے اور متن و شرح اور قدیم و جدید میں کوئی علامت یا نشانی بھی نہ کرتے تھے اور تمام قوم میں کوئی بھی اصلی کتاب کا حافظ نہ ہوتا تھا اس پر اس زمانہ میں کاغذ کتابت کی قلت سے نہ کوئی ایسا کتب خانہ تھا کہ جس میں کل دینی اور آسمانی کتب محفوظ رہتی ہوں بس ہر کاہن یا راہب یا عالم کے پاس جو کچھ تھا سو تھا ان وجوہات سے اصل کتاب میں گھٹانا بڑھانا یا کچھ کا کچھ پڑھ دینا بالخصوص کسی دنیاوی غرض کے لئے علمائے یہود کے لئے ایک آسان سی بات تھی۔

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء کی حیثیت سے ظاہر نہ ہوئے تھے تو سابق کتب انبیاء میں آپ کی صفات۔ نشانیاں اور بشارتیں دیکھ کر علمائے یہود غائبانہ آپ کی تعریف اور صفات بیان کیا کرتے

Marfat.com

تھے اور جب آپ ظاہر ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو اکثر علمائے یہود رشک خاندانی اور دیگر دنیاوی اغراض کی بنا پر آپ سے حسد کرنے لگے اور اپنی کتابوں کی بشارتوں کو جو خاتم الانبیاء کے متعلق تھیں اُلٹنے پلٹنے لگے اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا، اسلئے علمائے یہود کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ تم دُنیوی اغراض اور اتباعِ نفس کے لئے میری آیات واحکامات کو نہ بیچو یعنی میرے احکام چھوڑ کر اور ان کو بدل کر اور چھپا کر عوام الناس سے دُنیائے ذلیل وقلیل کو وصول مت کرو ایمان اور نعمائے آخرت کھو کر چند روزہ دُنیا مول نہ لو اور پھر تاکیداً فرمایا گیا کہ مجھ سے ہی ڈرتے رہو کیونکہ میری پکڑ اور عذاب بھی سخت ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ پھر اس پکڑ سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ آگے انہی علمائے یہود کو ارشاد ہے وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اور مخلوط مت کرو حق کو باطل کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو جس حالت میں کہ تم جانتے بھی ہو یعنی جان بوجھ کر دانستہ نہ حق کو ناحق کے ساتھ گڈمڈ کرو کہ دیکھنے والے کو حق بات کا پتہ نہ چلے اور نہ حق بات کو براہِ راست چھپانے کی کوشش کرو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ حق کو باطل کے ساتھ ملانا اور حق کو چھپانا کس قدر مذموم ہے۔

دوسروں کو گمراہ کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ جن کے کان کچھ حق سے آشنا ہو چکے ہوں اور کلمۂ حق ان کے کان میں پڑ چکا ہو ان کو گمراہ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ حق وباطل۔ صدق وکذب، ہدایت وضلالت کو اُن کے سامنے خلط ملط کر کے پیش کر دیا جائے تاکہ وہ حق وناحق میں تمیز نہ کر سکیں اور حق کے قبول کرنے میں متردد ہو جائیں اس لئے علمائے یہود کو لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ کا حکم دیا گیا۔ اور جس نے کلمۂ حق سُنا ہی نہ ہو۔ رشد وہدایت سے بالکل بے خبر ہو اس کے گمراہ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ حق کو اس کے سامنے ظاہر ہی نہ کیا جائے اور اس سے حق کو چھپایا جائے تاکہ کہیں وہ حق بات سُن کر اس کو قبول نہ کر لے اس کے لئے علمائے یہود کو وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ یعنی حق کے نہ چھپانے کا حکم دیا گیا۔

اب یہاں تک اہلِ کتاب بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دی گئی اور کفر کی باتیں چھوڑنے کا حکم تھا۔ ایمان کے بعد عمل صالحہ کا نمبر آتا ہے اس لئے ملتِ اسلامیہ کے بعض عظیم الشان اعمالِ صالحہ کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ مجموعہ سے تکمیل اسلام ہو سکے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ۔ ملتِ اسلامیہ میں اعمالِ صالحہ دو قسم کے ہیں ایک اعمال ظاہری، دوسرے اعمالِ باطنی۔ پھر اعمالِ ظاہری کی دو قسمیں ہیں۔ عبادتِ بدنی اور عبادت مالی تو گویا شریعتِ اسلامیہ کی یہ تین کُلیات ہوئیں۔ (۱) اعمالِ ظاہری میں عبادتِ بدنی (۲) اعمالِ ظاہری میں عبادت مالی۔ (۳) اعمال باطنی۔ اِن تینوں کُلیات میں سے یہاں ایک ایک جزئی کو ذکر کر دیا یعنی عبادت بدنی میں عظیم الشان عبادت نماز ہے اس لئے نماز کے قائم کرنے کا حکم دیا اور عبادت مالی میں عظیم الشان زکوٰۃ

Marfat.com

ہے اس لئے ادائیگی زکوٰۃ کا حکم دیا - اور اعمالِ باطنی میں عاجزی وخشوع وخضوع نہایت اہم ہے جو حاصل ہوتا ہے اہلِ تواضع کی معیت سے اسلئے وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کی تخصیص فرمائی - یعنی اہلِ کتاب میں سے یہود کو پہلے دعوت دی گئی ایمان اور قبول اسلام کی اور اس کے بعد شریعتِ اسلامیہ میں سے نماز - زکوٰۃ اور تواضع باطنی کا حکم دیا گیا - اور یہ تینوں عمل علاوہ عظیم الشان ہونے کے یہود کی حالت کے بہت مناسب تھے اس لئے اُن کی تخصیص فرمائی گئی نماز سے اُن کی حُبِّ جاہ کم ہوگی - زکوٰۃ سے حُبِّ مال گھٹے گی اور تواضع باطنی سے حسد وغیرہ میں کمی آوے گی - اور یہی مرض یہود میں زیادہ تھے مراد یہ ہے کہ ایمان لاکر پورے پورے اُمّتِ محمدیہ میں شامل ہوجاؤ اور اسلام کے تمام احکام قبول کرلو -

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں علمائے یہود کو حسبِ ذیل احکام دیئے گئے :-

(۱) قرآنِ کریم کو اللہ کی کتاب سمجھ کر اس پر ایمان لانے کا حکم -

(۲) قرآن کریم اور دین اسلام کی حقانیت کا انکار کرکے دوسرے منکرین اہلِ کتاب کے بانی نہ بننے کا حکم

(۳) احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر یا اُن کو بدل کر یا چھپا کر عوام الناس سے دُنیا کا مالی یا جاہی نفع وفائدہ حاصل کرنے کی ممانعت کا حکم -

(۴) احکام الٰہیہ میں خلط ملط نہ کرنے کا حکم یعنی حق کو ناحق کے ساتھ مخلوط نہ کرنے اور حق کو عوام سے نہ چھپانے کا حکم -

(۵) ایمان لانے کے بعد اسلامی احکام کو پوری طرح قبول کرنے خصوصاً نماز با جماعت کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم -

اب یہ خطاب اگرچہ علمائے یہود کو ہے مگر عام تعلیم اور عام احکام جو ان آیات سے نکلتے ہیں وہ اہلِ اسلام کے لئے بھی قابلِ غور ہیں :-

(۱) ایک تعلیم اور حکم یہ ہے کہ حق بات کو فوراً مان لینا چاہیئے اور اس کا سب سے پہلے انکار کرنا بہت ہی بُرا ہے کیونکہ پھر دیکھا دیکھی جتنے انکار کرتے جائیں گے اُن سب کا بانی پہلا انکار کرنے والا ہوگا اور ان سب انکار کرنے والوں کا وبال اس پہلے انکار کرنے والے بانی کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حق بات کو ماننے اور یا کسی نیک عمل کے کرنے میں پہل کرتا ہے تو اس کی دیکھا دیکھی جتنے لوگ بھی بعد میں حق بات کو مانتے یا نیک عمل اختیار کرتے جائیں گے ان سب کا ثواب اس پہلے کرنے والے کو بھی ملتا رہے گا - قرآنِ کریم کی اور بھی آیات اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث میں یہ مضمون بار بار آیا ہے کہ جو شخص دُنیا میں دوسروں کے لئے کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنتا ہے تو جتنے آدمی اس کے سبب سے مبتلائے گناہ ہونگے اس کا گناہ ان سب لوگوں کو بھی ہوگا اور اس شخص کو بھی - اسی طرح جو شخص دوسروں کے لئے کسی نیکی کا سبب بن جائے تو جتنے آدمی

اس کے سبب سے نیک عمل کریں گے اِس کا ثواب جیسا ان لوگوں کو ملے گا اس شخص کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

(۲) ایک تعلیم اور حکم یہ ہے کہ اوّل تو حق کو چھپانا ہی گناہ ہے پھر جان بوجھ کر کسی دُنیاوی نفع و لالچ کی وجہ سے پوشیدہ رکھنا یہ اور بھی سخت گناہ اور جرم ہے۔ احکامِ الٰہی میں خلط ملط کرنے اور حق و ناحق کو گڈمڈ کر کے پیش کرنے کی ممانعت بھی ظاہر ہے۔ جب کسی قوم کے علماء اور پیشواؤں میں اس قسم کے عیوب پیدا ہو جائیں تو اس قوم کا تباہی سے بچنا مشکل ہے۔ آیاتِ مذکورہ میں اگرچہ مخاطبت علمائے یہود سے ہے مگر اس میں سبق و نصیحت علمائے اسلام کے لئے بھی ہے۔ اسی وجہ سے احادیث میں جہاں حقیقی علم اور علمائے حقانی کی فضیلت اور بزرگی ارشاد ہوئی ہے وہیں علم کی آفت اور علمائے سوء کا تذکرہ بھی آیا ہے جن سے اُمت میں دینی فتنہ برپا ہوں گے خصوصاً آخری زمانہ میں۔ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے کہ حضرت علی رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں سے صرف اُس کا نام باقی رہ جائے گا اور قرآن میں صرف اس کے حروف و نقوش رہ جائیں گے۔ اُن کی مساجد بظاہر آباد ہوں گی لیکن درحقیقت خراب۔ ان کے علما آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے۔ انہیں سے دین میں فتنہ برپا ہوگا اور انہیں میں لوٹ کر آئے گا۔ اب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے لہٰذا اس کے سچ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دین و ایمان کی حفاظت فرمائیں اور یقیناً ایسے فتنہ جواب پھیل رہے ہیں ان کے وبال سے ہم کو بچائیں۔

(۳) ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب یہود کے لئے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بعد نماز باجماعت اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح و درستی جانی اور اس کا حکم دیا تو اہلِ اسلام کی اصلاح و درستی تو ان اعمال سے یقیناً ہونی چاہیئے چنانچہ قرآن کریم کے شروع میں متقین کی صفات میں نماز کا قائم کرنا اور اللہ کی راہ میں مال کا خرچ کرنا بتایا جا چکا ہے۔ اکثر علماء نے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ سے نماز باجماعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے اور نماز کی تاثیر کے متعلق تو خود قرآن پاک میں دوسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کہ نماز کو قائم کرو بیشک نماز تمام بُرائیوں اور بے حیائیوں سے روکنے والی ہے مگر اس اثر و برکت کے لئے شرط یہی ہے کہ وہ نماز نماز ہو یعنی تمام آداب ظاہری و باطنی کی رعایت کے ساتھ۔ نماز باجماعت کی فضیلت متعدد احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اور اسی طرح جماعت کے چھوڑنے پر عتاب اور وعیدیں بھی فرمائی گئی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے جماعت کی اہمیت و فضیلت اور اُسکے ترک کرنے پر جو عتاب اور وعید آئی ہیں، اُن کے متعلق چند احادیث سُن لیجئے:۔

Marfat.com

۱:۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اُولیٰ فوت نہ ہو (یعنی شروع ہی سے امام کے ساتھ شریک ہو) تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں۔ ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارہ کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

۲:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو وہ ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہو (یعنی مسجد میں) اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایسی سُنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں انہیں میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے چھوڑنے والے ہو گے اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی کریمؐ کی سُنّت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور جو شخص اچھی طرح وضو کرے اس کے بعد مسجد کی طرف جائے تو ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک ایک خطا معاف ہو گی۔ اور ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہوتا وہ تو جماعت سے رہ جاتا تھا یا کوئی سخت بیمار ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھسٹتا ہوا جا سکتا تھا وہ بھی صف میں لاکر کھڑا کر دیا جاتا تھا

۳:۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سراسر ظلم ہے اور کفر ہے اور نفاق ہے اس شخص کا فعل۔ جو اللہ کے منادی یعنی موذن کی آواز نماز کے لئے سُنے اور نماز کو نہ جائے۔ اس حدیث پاک میں کتنی سخت وعید ہے کہ اس کی اس حرکت کو کافروں کا فعل اور منافقوں کی حرکت بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح معنیٰ میں نماز اور جماعت کا قائم کرنے والا بنا دیں۔ آمین

ابھی علمائے یہود سے مخاطبت اگلی آیات میں بھی جاری ہے اور ان کو مزید احکام و ہدایات دی گئی ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہم کو اپنی کتاب قرآن کریم پر حقیقی اور سچا ایمان نصیب فرمائیں اور اس کے احکام کا اتباع کامل نصیب فرمائیں۔ اس وقت جو طرح طرح کے دینی فتنے اُٹھ رہے ہیں حق تعالیٰ اُن سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ہم کو حق پر قائم رکھیں۔ اور ہم کو اپنا ایسا خوف عطا فرمائیں کہ جو ہم ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچ جائیں۔ اور دین کے مقابلہ میں دُنیا کے طلبگار نہ بنیں۔ یَا اَللّٰہ! ہم کو اسلامی احکام کی ظاہراً و باطناً پوری پابندی نصیب فرما خصوصاً نماز باجماعت کی توفیق کاملہ عطا فرما، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۲۴

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ
کیا عضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم
تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا
تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور مدد لو
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى
صبر اور نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے
الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا
قلوب میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں۔ وہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں
رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع ۵
اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں

تفسیر و تشریح :۔ اوپر پانچویں رکوع کے شروع سے جو مخاطبت بنی اسرائیل اور علمائے یہود سے شروع ہوئی تھی اسی کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہنے والے بعض یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اور اسلام کو قبول کر چکے تھے۔ ان کی جب علمائے یہود سے دین کے معاملہ میں گفتگو ہوتی تو خفیہ طور پر علمائے یہود ان سے یہی کہتے کہ بیشک یہ پیغمبر برحق ہیں تم اس دین اسلام کو مت چھوڑنا اور تم اس پر قائم رہتے ہوئے اطاعتِ محمدیہ کیے جاؤ ہم کسی مصلحت سے اسلام قبول نہیں کر سکتے۔ اس طرح یہ علمائے یہود در پردہ اپنے اُن اقارب سے جو اسلام قبول کر چکے تھے دین اسلام پر قائم رہنے کو کہتے اور خود اسلام لانے سے گریز کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ ان علمائے یہود سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ کیا عضب ہے کہ اور لوگوں کو تو نیک کام کرنے کو کہتے ہو (اور نیک کام سے مراد وہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور اسلام کو قبول کرنا ہے) اور خود اپنی خبر نہیں لیتے (اور جو دوسروں کو کہتے ہو خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے) حالانکہ تم توریت کو پڑھتے ہو (اور اس میں جا بجا عالم بے عمل کی مذمتیں مذکور ہیں) تو کیا پھر تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (کہ ہم بھی ان مذمتوں کے مصداق بنے جاتے ہیں) یعنی اس آیت میں علمائے یہود کو شرم دلائی گئی کہ تم یہ کیا کرتے ہو کہ دوسروں

Marfat.com

کو تو قبولِ اسلام کی ہدایت کرتے ہو اور خود اس کے قبولیت کے اظہار سے گریز کرتے ہو اور اپنی ہدایت و نجات سے غافل ہو یعنی ایسا نہ کرنا چاہیئے اور تم کو بھی اسلام قبول کر لینا چاہیئے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ علمائے یہود کو دوسروں کو نیک بات کہنے پر ان کی مذمت اور برائی نہیں فرمائی گئی بلکہ اس نیک بات پر خود عمل نہ کرنے پر ان کو الزام دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اچھی بات کو کہنا تو خود اچھائی بلکہ واجب اور ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی کہنے والے کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ واعظ کو بے عمل بننا جائز نہیں۔ اور یہ مطلب نہیں کہ بے عمل کو وعظ و نصیحت کرنا بھی جائز نہیں۔ ان دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔

غرضکہ علمائے یہود پر یہ بات اچھی طرح واضح کر دی گئی کہ اُن کے پاس کوئی معقول عذر ایمان نہ لانے کے باب میں نہیں ہے اور ایمان لانا اور اسلام قبول کرنا بلاشبہ اُن کے ذمہ واجب ہے اور علمائے یہود خود بھی سمجھتے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں مگر حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ یہ دو خصلتیں ان کو ایمان نہ لانے دیتی تھیں اور وہ خیال کرتے تھے کہ اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو ہمارے ہدیے اور نذرانہ بھی بند ہو جاویں گے اور رؤسا اور امراء کی نظروں میں ہم گر جاویں گے اور جو عزت و وجاہت ہم کو اپنے معتقدین اور قوم میں حاصل ہے وہ جاتی رہے گی۔ اسلئے آگے اللہ تعالےٰ نے اس کا علاج ارشاد فرمایا۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔ یعنی اگر تم کو حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار معلوم ہو تو صبر اور نماز سے مدد لو یعنی ایمان لا کر صبر و نماز کا التزام کرو کیونکہ صبر سے حُبِّ مال گھٹ جاوے گی اور نماز سے حُبِّ جاہ کم ہوگی کیونکہ نماز میں ہر طرح کی پستی، عاجزی اور خاکساری ہی ہے۔ تو گویا یہاں علمائے یہود کو اُن کے اصلاح نفس کا طریقہ اور حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ کا علاج صبر اور صلوٰۃ فرمایا گیا۔

کسی مہلک مرض میں اگر کوئی مبتلا ہو تو اس کا ازالہ جب ہی ممکن ہے کہ جب مریض اوّل مضرات یعنی نقصان دہ چیزوں سے پورا پورا پرہیز کرے اور پھر دوا کا استعمال کرے۔ اسی طرح باطنی مرض کے ازالہ کے لئے صبر جو بمنزلہ پرہیز کے ہے اوّل اس کا حکم دیا اور پھر دوا کے استعمال کا حکم دیا یعنی نماز کا حکم دیا کہ جو حمد و ثنا۔ تسبیح و تقدیس۔ رکوع و سجود پر مشتمل ہے۔ کیونکہ جب تک پرہیز کامل نہ ہو دوا اس وقت تک فائدہ نہیں دیتی اس لئے اوّل صبر کا حکم فرمایا اور اس کے بعد صلوٰۃ کا۔ صبر کی تعریف یہ ہے کہ خواہش کے خلاف اپنے ارادے سے کسی کام کے کرنے یا کسی کام کے نہ کرنے کا نام صبر ہے۔ یعنی اپنی لذات و شہوات پر قابو حاصل کر لو اور نفس کو ترک لذات و شہوات کا عادی بناؤ۔ اور جب لذات و شہوات کے ترک پر ہمت باندھ لو گے تو شروع میں اگرچہ شاق گذرے گا مگر رفتہ رفتہ بدخواہشات اعتدال پر آجائیں گی تو پھر ان کی فراوانی کی ضرورت نہ رہے گی نہ اس کی محبت ایسی

غالب آئے گی کہ اپنا نفع نقصان کچھ نہ سوجھے اس طرح حُبِّ مال سے نجات مل جائے گی اور نماز سے حُبِّ جاہ کم ہو جائے گی کیونکہ نماز میں ظاہری اور باطنی ہر طرح کی عاجزی اور پستی ہے تو جب نماز کو صحیح طور پر ادا کرنے کی عادت ہو جائے گی تو ہر وقت اللہ کے سامنے اپنی عاجزی اور پستی کا تصور رہنے لگے گا جس سے تکبر و غرور اور حُبِّ جاہ ختم ہو جائے گا۔

اب چونکہ نماز میں بھی بہت سی قیود ہیں اس لئے اس میں بھی مشقت اور دشواری تھی اور اس کو حُبِّ جاہ کے مرض کے ازالہ کے لئے دوا قرار دیا گیا تو خود نماز کی دشواری کا کیا علاج ہونا چاہیئے کہ جو نماز شاق اور گراں نہ گذرے بلکہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے فرحت و مسرت کا سبب بنے سو آگے حق تعالیٰ اس کی نسبت فرماتے ہیں۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۔ بیشک نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع اور عاجزی ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں گویا اس میں تدبیر بتلادی نماز کے آسان ہونے کی۔ پھر آگے خاشعین یعنی خشوع اور عاجزی کرنیوالوں کی علامت بتلائی گئی اور ارشاد ہوا۔ اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اسکا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں یعنی ان خیالات سے ان کے دلوں میں رغبت اور رہبت یا اُمید و خوف کے جذبات پیدا ہوں گے۔ رغبت یا اُمید یہ کہ جب اپنے رب سے ملیں گے تو اس وقت کریم رب کی طرف سے انعامات کا خوب انعام ملے گا۔ اور خوف یا رہبت یہ کہ جب رب کی طرف واپس جائیں گے تو اس وقت حساب کتاب بھی دینا ہوگا۔ تو خاشعین جو خدا کے عذاب و عقاب سے بھی ڈرتے ہیں اور ثوابِ عظیم اور انعام و اکرام کی بھی اُمید رکھتے ہیں، اُن پر نماز شاق و گراں تو کیا ہوتی ان کے لئے تو وہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی فرحت و مسرت کا باعث ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ یہاں علمائے یہود کو تنبیہ فرمائی گئی اور ایمان و اسلام لانے کی تلقین فرمائی گئی اور جن وجوہات سے کہ ان کو اسلام قبول کرنا گراں اور شاق تھا اس کا علاج یعنی پرہیز و دوا وہ بھی بتلا دیا گیا۔

اب گو ان آیات میں خطاب علمائے یہود سے ہے مگر سبق ان میں علمائے اسلام کے لئے بھی ہے کہ عالم و واعظ بے عمل کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے کہ جو دوسروں کو تو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے۔ وعظ و نصیحت کرے مگر خود عمل نہ کرے۔ دوسروں کو خدا سے ڈرائے مگر خود نہ ڈرے چنانچہ احادیث میں بھی ایسے عالم و واعظ بے عمل کے لئے بڑی ہولناک وعیدیں سنائی گئی ہیں، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عالم بے عمل کی مثال شمع کی سی ہے کہ دوسروں کو روشنی پہنچاتی ہے اور اپنے کو جلاتی ہے۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں میرا گذر کچھ لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی قینچیوں

Marfat.com

سے کرتے جا رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ آپ کی اُمت کے دُنیا دار واعظ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے مگر اپنی خبر نہ لیتے تھے۔ ابنِ عساکر نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض جنتی بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم آگ میں کیوں کر پہنچ گئے؟ حالانکہ ہم تو بخدا انہی نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے ہیں جو ہم نے تم سے سیکھے تھے۔ اہلِ دوزخ کہیں گے۔ ہم زبان سے کہتے ضرور تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے"۔

لیکن یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ اُوپر جو بیان ہوا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بے عمل عالم کو دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنا جائز نہیں۔ یا عالم بے عمل کسی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے یا کسی کو راہِ حق نہ بتلائے بلکہ مطلب اور مقصد یہ ہے کہ خود بھی ضرور عمل کرے، عالم ہو کر بے عمل نہ رہے بلکہ عالم باعمل بنے۔ جب وہ دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو اس کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ سب سے پہلے خود میرا نفس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا محتاج ہے۔

دوسری بات وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کا حکم جو علمائے یہود کو یہاں دیا گیا ہے اور اس میں ان کے اصلاحِ نفس کا طریقہ اور حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ کا علاج بتلایا گیا ہے تو یہ صبر و صلوٰۃ سے استعانت ایسی ہی اِکسیر چیز ہے کہ ہر مشکل کا حل اور ہر تکلیف کا علاج صبر و نماز میں ہے۔ چنانچہ آگے اسی سورۂ بقرہ میں آیت نمبر ۱۵۳ درس نمبر ۷ میں اہلِ اسلام کو بھی خطاب کر کے یہی حکم دیا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اے مسلمانو! مدد لو صبر اور نماز سے۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

چنانچہ اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور اُمت کو بھی احادیثِ مبارکہ میں آپ نے یہی تعلیم فرمایا جس کو صَلٰوۃُ الْحَاجَۃ کہا جاتا ہے۔ اس لئے اہلِ اسلام بھی جو اس وقت حُبِّ دُنیا اور حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال اور ہوا و ہوس کے مہلک امراض باطنہ میں گرفتار ہیں تو ان کے اصلاح اور تزکیۂ نفس کا بھی یہی آسمانی نسخہ ہے کہ نفس کو صبر اور نماز کا خوگر بنائیں۔ ترکِ لذات و شہوات کا عادی بنائیں تاکہ دُنیا کی محبت دل سے زائل ہو اور نماز کی پابندی کریں کہ اس کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ فَحْشَاء اور مُنْکَر سے بچاتی ہے۔ حق جل شانہٗ کی محبت اور عظمت کو اور دُنیا کی نفرت اور آخرت کی رغبت کو دل میں راسخ کرتی ہے۔ مخلوق سے بے نیازی تعلق کو قطع کرتی ہے اور خالق ذوالجلال سے تعلق کو مستحکم اور

Marfat.com

مضبوط کرتی ہے۔

پس اہلِ اسلام اگر اپنے مرض کا ازالہ چاہتے ہیں اور دُنیا و آخرت کی عزت مطلوب ہے تو حکمِ خداوندی وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ پر پورے پورے عمل پیرا ہو جائیں۔

الغرض علمائے یہود کو بتلایا گیا کہ اگر تم کو نفس کا تزکیہ اور اس کی اصلاح مقصود ہے تو صبر اور اسلامی عبادت نماز سے اسلام قبول کر کے حاصل کرو۔ اب اس پورے رکوع میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے حق تعالیٰ نے جو اپنی نعمتیں اور احسان ان کو یاد دلائے۔ اور جن کا ذکر پورے رکوع میں اجمالاً فرمایا گیا، اب انہی انعامات اور احسانات کی تفصیل دور تک بیان ہوتی چلی گئی ہے تاکہ یہود ان نعمتوں کو یاد کر کے شرمائیں اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کریں یعنی اسلام قبول کریں۔ نبی آخر الزماں پر ایمان لادیں اور اللہ کی آخری کتاب قرآنِ کریم کو مانیں اور اس کے منکر اور مخالف نہ بنیں۔ جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات سے آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اَللّٰہ تعالیٰ ہم کو اپنے نفس کی اصلاح کی فکر نصیب فرمائیں۔ اور قرآنی احکام کے مطابق صبر اور نماز سے استعانت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

یَا اَللّٰہ ہمیں ہر مشکل میں نماز کے ذریعہ سے اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اور ہمارے قلوب میں فکرِ آخرت نصیب فرما۔ اور ہم کو اپنے خاشعین بندوں میں شامل فرما۔

یَا اَللّٰہ! ہم کو جتنا دین کا علم حاصل ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرما آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۲۵

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ

اے اولاد یعقوب علیہ السلام کی تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو

عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۷﴾

انعام میں دی تھی اور اس کو کہ میں نے تم کو تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی ۔

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِيۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا

اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکتا ہے

وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا

اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا

عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

جا سکتا ہے اور نہ اُن لوگوں کی طرفداری چل سکے گی ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ پورے رکوع میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے حق تعالیٰ نے اجمالی طور پر اپنی بعض نعمتیں یاد دلائی تھیں تاکہ وہ شرما کر ایمان لادیں اور چونکہ یہ اہلِ علم اہلِ کتاب اور انبیاء کی اولاد تھے ان کے ایمان لانے سے دوسرے عوام پر اچھا اثر پڑتا اس لئے اب چھٹے رکوع کی ابتداء سے اور ان آیات سے اُن انعامات و احسانات کا جن کا ذکر گذشتہ رکوع میں ہوا تفصیلاً بیان فرمایا جاتا ہے اور یہ ذکر قریب ختم پارہ تک چلا گیا ہے اور قریب چالیس واقعات کے ذکر کئے گئے ہیں جن میں ایک طرف خدا کے انعام کا پہلو اور دوسری طرف اس قوم بنی اسرائیل کی نالائقیوں کا پہلو ظاہر فرمایا گیا ہے اور مقصد اس سے یہی ہے کہ یہود مدینہ ایک طرف تو خداوند کریم کی اپنی قوم پر گذشتہ میں عنایتوں اور نوازشوں کو دیکھیں اور دوسری طرف اپنے قوم کی گذشتہ تقصیرات اور کوتاہیوں کو دیکھیں تو لا محالہ حق تعالیٰ سے شرمائیں اور گذشتہ سے سبق لیتے ہوئے اب حق تعالیٰ کے احکام کو قبول کر لیں ۔ اور اللہ کی آخری کتاب قرآن کو جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے اس پر ایمان لے آویں ۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے ارشاد فرمایا :۔

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝

اے بنی اسرائیل یاد کرو تم ان خاص خاص نعمتوں کو جن کا میں نے خاص تم پر انعام کیا اور سلسلۂ انعامات میں سب سے پہلے اس بات کو یاد کرو کہ میں نے تم کو اُس زمانہ میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ۔ تو یہاں سب

Marfat.com

پہلے نعمت تفصیل کو ذکر فرمایا۔ دنیا میں ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ دین اور دنیا کی دونوں سعادتیں کسی ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اگر جمع بھی ہو جائیں تو یہ بالکل ہی شاذ و نادر بات ہے کہ ان میں ایسا تسلسل ہو کہ کئی پشتوں اور کئی نسلوں تک برابر چلا جائے۔ لیکن بنی اسرائیل کی صدہا سالہ تاریخ بتلاتی ہے کہ خدا نے اس قوم کو جیسا عزو شرف بخشا اور جس قدر اس قوم کی ناز برداریاں فرمائی ہیں۔ اتنے طویل زمانہ تک شاید وہ دنیا کی کسی گذشتہ دوسری قوم کو نصیب نہ ہو سکی ہوں لیکن یہ بھی اسی قوم کی تاریخی خصوصیت ہے کہ جتنے بڑے مجرم اور نافرمان یہ لوگ ہوئے ہیں شاید تاریخ اقوام اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ چنانچہ اس قوم بنی اسرائیل کو دنیا کی بادشاہت کے ساتھ دین کی بادشاہت بھی عطا کی۔ دنیوی بادشاہوں میں حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام جیسے اولوالعزم بادشاہ بھی ہوئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو قریب دو ہزار سال کا زمانہ ہے ہزاروں انبیاء اسی خاندان بنی اسرائیل سے مبعوث ہوتے رہے اور توریت و انجیل و زبور سب اسی خاندان کے انبیاء پر نازل ہوئیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے مابین جو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ ہے قریب ۷۰ ہزار انبیاء بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے تک یہی خاندان نبوت و رسالت۔ اور امامت و حکومت کا مخزن رہا اور اس وقت تک تمام عالم میں بنی اسرائیل ہی کو بزرگی و برتری اور فضیلت حاصل رہی۔ اب جبکہ سید الانبیاء و المرسلین نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے جن کی خبر تمام گذشتہ انبیاء و المرسلین اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام دیتے چلے آئے تو بنی اسرائیل کو ان کی گذشتہ فضیلت یاد دلا کر اب جدید فضیلت کے حصول کی دعوت دی جا رہی ہے کہ اگر اپنی گذشتہ فضیلت اور شرف و عزت کو باقی رکھنا ہے تو نبی آخر الزمان احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور آپ کی دعوت کو دل و جان سے قبول کر لو اور آپ کی مخالفت سے باز آجاؤ مگر افسوس کہ بنی اسرائیل نے من حیث القوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرایا اور نتیجہ میں مغضوب علیہم اور ضالین کے نام سے موسوم ہوئے اور جو لوگ ایمان لائے وہ خیر الامم کے لقب سے سرفراز ہوئے، اس طرح حق تعالیٰ نے یہود مدینہ کو اپنا انعام خاص و احسان عظیم جتلا کر ترغیب دی کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کر لیں۔ آگے دوسری آیت میں ترہیب یعنی ڈراوا اور دھمکی دی جا رہی ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ جس میں نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکتا ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جا سکتا

Marfat.com

ہے اور نہ اُن لوگوں کی طرفداری چل سکے گی۔

یعنی اگر تم اپنی سرکشی اور تعصب سے باز نہ آئے اور اسلام کو قبول نہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر آپ کا اتباع نہ کیا تو خوب سمجھ رکھو اور ڈرتے رہو کہ ایک دن مرنا ضرور ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے دِن حساب کتاب کے لئے حاضر ہونا ہے اس روز وہاں عذابِ الٰہی کو کوئی شخص کسی طرح دفع نہ کر سکے گا۔ نہ تو کوئی شخص تمہاری ذمہ داری کر سکے گا کہ تمہاری جانب سے تمام حقوق و محاسبہ اپنے سر پر لے لے اور نہ کوئی تمہاری سفارش کر کے عذاب معاف کرا سکے گا اور نہ کوئی مال و دولت یا اور کوئی معاوضہ دے کر تمہارے جرم کا عوض دے سکے گا اور نہ یہ ممکن ہوگا کہ کوئی خدا سے مقابلہ کر کے تمہاری مدد کرے غرض جب یہ دفع عذاب کے کل ممکن طریقہ ناممکن ہیں اور رہائی کی کوئی شکل نہیں تو پھر تم کو عذابِ الٰہی کا خوف کرنا چاہیئے اور اسلام کو قبول کر کے شریعتِ محمدیہ کا پیرو بن جانا چاہیئے

اس آیت میں یہود کے اس باطل عقیدہ کا بھی رد ہو گیا کہ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے قیامت کے دن اپنے آباء و اجداد کی شفاعت سے نجات پا جائیں گے۔ تو یہاں تبلا دیا گیا کہ منکرین اسلام کے حق میں کسی قسم کی شفاعت قبول نہ ہوگی۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ اس آیت میں مطلق شفاعت کی نفی نہیں کی گئی بلکہ کفار و منکرین اور اسلام سے انحراف کرنے والوں کی شفاعت کی نفی مقصود ہے۔ گنہ گار مسلمانوں کی شفاعت جو قرآن پاک کی دوسری آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کی نفی مقصود نہیں۔

اب ان آیات میں جب یہود کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے احسانات اور انعامات کو یاد کرو اور اس کا حق ادا کرو تو یہ حکم اہلِ اسلام کو تو بدرجۂ اولیٰ اپنے لئے بھی سمجھنا چاہیئے اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ دنیا میں سب سے بڑی نعمت جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے وہ یہی ہے کہ آپ کو اسلام و ایمان سے نوازا اور افضل الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت میں پیدا فرمایا جس کا لقب اللہ تعالیٰ نے خَیْرَ اُمَّۃٍ فرمایا یعنی بہترین اُمت، اور اس اُمت محمدیہ کو جو فضیلت تمام گذشتہ اُمتوں پر حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کو جان کر تو بعض انبیاء نے بھی خواہش کی تھی کہ کاش ہم کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں پیدا ہونا نصیب ہوتا۔

ہم کو جو حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونے کی نعمت عطا فرمائی ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو غور کرنا چاہیئے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کا میں کتنا حق ادا کر رہا ہوں اور کس درجہ میں اس نعمت کا شکر گذار ہوں اور پھر آپ اس خدائی قانون سے بھی واقف ہیں کہ اگر اللہ کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت میں زیادتی فرماتے ہیں ورنہ کفرانِ نعمت

Marfat.com

باعثِ زوال نعمت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی دولت کا احساس عطا فرمائیں اور اس نعمت کی صحیح قدردانی اور سچی شکر گذاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

اب آگے دُور تک اُن خاص احسانات اور انعامات کا سلسلہ ذکر ہوتا چلا گیا ہے جو حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فرمائے تھے جن میں سے چند کا بیان اگلی آیات میں آئیدہ درس میں انشاءاللہ ہوگا

دُعا کیجئے:-

حق تعالیٰ نے جو ہم کو اُمتِ مسلمہ میں پیدا فرما کر شرف و فضیلت بخشا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس شرفِ عزت کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا اور سچا اُمتی ہونا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہمیں اسلام اور ایمان کی سچی قدرشناسی نصیب فرما اور شریعت مطہرہ کی ظاہراً اور باطناً پابندی نصیب فرما۔

یا اللہ! ہمیں ہر طرح کی کجی و گمراہی سے محفوظ رکھیئے اور قرآن پاک کا اتباع ہر حال میں نصیب فرمایئے۔

یا اللہ! اسلامی احکام کی مخالفت کے جُرمِ عظیم سے ہم کو بچایئے۔ اور خَیْرَ اُمَّۃ کا جو لقب ہم کو عطا فرمایا گیا ہے اس کا حق ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمایئے

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۲۶

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

اور جب کہ رہائی دی ہم نے تم کو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری

سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

سخت آزاری کے گلے کاٹتے تھے تمہارے بیٹوں کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے

نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۴۹

تمہاری عورتوں کو ۔ اور اس میں ایک امتحان تھا تمہارے پروردگار کی جانب سے بڑا بھاری ۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ

اور جب شق کر دیا ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو پھر ہم نے بچا لیا تم کو اور غرق کر دیا

اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۵۰

متعلقین فرعون کو اور تم معائنہ کر رہے تھے

تفسیر و تشریح :۔ بنی اسرائیل پر انعامات اور احسانات کا بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو دعوتِ اسلام کا سلسلہ گذشتہ رکوع سے برابر جاری ہے ۔ پہلے یہود کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں اجمالاً یاد دلائیں ۔ اب یہاں سے تفصیل کے ساتھ خاص خاص واقعات اور معاملات کا بیان دور تک ہوتا چلا گیا ہے ۔ ان آیات میں دو واقعات کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے ۔ پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے یہود مدینہ وہ زمانہ اور وقت یاد کرو جبکہ ہم نے تم کو یعنی تمہارے آباؤ اجداد بنی اسرائیل کو فرعون کے ساتھیوں سے نجات دی تھی ۔ وہ تم کو یعنی تمہاری قوم والوں کو سخت تکلیفیں دیا کرتے تھے ۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیا کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا کرتے تھے ۔ لیکن اس مصیبت سے ہم نے تم کو نجات دی ۔ اور اس واقعہ میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی پوری آزمائش اور امتحان تھا ۔

اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل مصر میں آکر آباد ہو گئے تھے اور قریب ۴۰۰ برس کے اندر ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی ۔ مصر کے بادشاہوں کو جن کا لقب فرعون ہوتا تھا ان کو غیر ملکی بنی اسرائیلیوں کا مصر میں رہنا پسند خاطر نہ تھا اور خود برسرِ حکومت ہونے کی وجہ سے ان سے ٹیکس لیتے ۔ ذلیل کام کراتے ، عورتوں سے سوت کتواتے اور کپڑا بنواتے ۔ مردوں سے راج مزدوری کا کام لیتے اور کھیت جتواتے ۔ ساری قوم بنی اسرائیل

کی مصر میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی کہ ایک رات فرعونِ مصر یعنی ولید بن مصعب نے خواب دیکھا کہ ایک آگ بیت المقدس کی طرف سے آئی ہے جس نے تمام مصر کو گھیر لیا اور چن چن کر ایک ایک قبطی یعنی مصری کے گھر میں گھس گئی اور اس کو جلا دیا اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی اور وہ محفوظ رہے۔ فرعونِ مصر نے صبح کو تمام کاہنوں کو جمع کر کے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ اس خواب کو سن کر کاہنوں نے بالاتفاق کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہونیوالا ہے جو آپکی ہلاکت اور زوال سلطنت کا باعث ہوگا۔ فرعون بادشاہِ مصر نے یہ سنتے ہی حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو وہ قتل کر دیا جائے البتہ لڑکی چھوڑ دی جائے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس حکم کے ماتحت بنی اسرائیل میں نوّے ہزار بچے پیدا ہوتے ہی مارے گئے۔ جب اتنی بڑی تعداد بنی اسرائیل کے بچوں کی قتل ہو چکی تو سردارانِ قبط نے جمع ہو کر فرعون سے یہ درخواست کی کہ ان بنی اسرائیلیوں سے ہمارے تمام محنت و مشقت کے اور ذلیل خدمات کے کام متعلق ہیں اگر یہ قتل عام یونہی جاری رہا اور بنی اسرائیل کے لڑکے یونہی قتل کئے جاتے رہے اور بوڑھے لوگ ان کے مرتے رہے تو انجام کار یہ ذلیل کام بھی ہم ہی کو کرنا پڑیں گے۔ یہ سن کر فرعون نے ترمیم کی کہ ایک سال قتل جاری رہے اور دوسرے سال بند رہے۔ جس سال یہ قتل موقوف تھا اس سال حضرت موسیٰ کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور جس سال قتل جاری تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔ اور خود اسی فرعون بادشاہ مصر کے محل میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرائی جس کی تفصیلات کسی متعلقہ موقع پر آئندہ کسی درس میں آپ کے سامنے آئیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ تو اس پہلی آیت میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل ایسی سخت مصیبت میں گرفتار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مصائب سے آخرکار بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے نجات دی اور آیت مذکورہ کے اخیر میں یہ بھی فرمایا کہ اس واقعہ میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کی مختلف صورتیں ہیں کبھی تکلیف اور مصائب میں مبتلا کر کے آزمائش کی جاتی ہے کبھی راحت و آرام اور بے فکری دے کر امتحان لیا جاتا ہے۔ الغرض انعاماتِ خداوندی میں سے یہ پہلا واقعہ ذکر فرمایا گیا۔

آگے دوسری آیت میں دوسرا خصوصی انعام و احسان کا ذکر فرمایا گیا یعنی اے یہود مدینہ وہ زمانہ اور اس وقت کو بھی یاد کرو جبکہ ہم نے محض تمہاری وجہ سے راستہ دینے کو سمندر کو شق کر دیا پس تم کو ڈوبنے سے بچا لیا اور نجات دی دشمن سے اور غرق کر دیا قوم فرعون کو مع فرعون کے اور غرق بھی ان کو ایسی حالت میں کیا کہ تم ان کو غرق ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ قصہ اس وقت ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر میں بنی اسرائیلی گھرانے میں پیدا ہو کر فرعون کے محل میں پرورش پا کر جوان ہوئے اور پھر ایک مصری کے نادانستہ قتل ہو جانے کی وجہ سے فرعون کی گرفت سے بچ کر مدین چلے گئے اور وہاں سے کافی عرصہ

Marfat.com

بعد پھر اللہ کے پیغمبر بن کر مصر میں واپس آئے اور مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے جب کسی طرح نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم الٰہی ہوا کہ بنی اسرائیل کو خفیہ لے کر مصر سے راتوں رات چلے جاؤ۔ راستہ میں سمندر یعنی بحر قلزم پڑا اور پیچھے سے فرعون بمعہ اپنے لشکر کے ان کے تعاقب میں آپہنچا اس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے سمندر شق ہو گیا اور اس میں خشک راستے ظاہر ہو گئے جن پر گذر کر بنی اسرائیل تو سمندر پار ہو گئے اور جب فرعون تعاقب کی غرض سے انہی راستوں پر سے گذرنے کے لئے اندر سمندر میں گھسا اس وقت سمندر کا پانی اپنے سابق حال پر ہو گیا اور فرعون بمع اپنے لاؤ لشکر کے سب ڈوب کر ختم ہو گئے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ کی اس نعمت اور احسان کو یاد کرو جبکہ قدرتِ خداوندی سے بحر قلزم کو تمہارے لئے پھاڑ دیا تھا اور اس میں خشک راستے بنا دیئے تھے اور ان راستوں کے ذریعہ تم تو سمندر پار ہو گئے اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے غرق آب کر کے ہلاک کر دیا۔ اور اس طرح فرعون سے تم کو نجات ملی۔ یعنی وہی چیز جو تمہارے لئے باعثِ رحمت تھی۔ قوم فرعون کے لئے باعثِ عذاب و ہلاکت ہوئی۔

احادیث میں مروی ہے کہ یہ واقعہ محرم کی دسویں تاریخ یعنی یوم عاشورہ کا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب بعد ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود مدینہ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے دریافت فرمایا کہ تم اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ آج عاشورہ کا دن ہے۔ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل کو فرعون کے ہاتھوں سے نجات حاصل ہوئی اور فرعون غرق ہو کر ہلاک ہوا تو موسیٰ علیہ السلام بطریق شکر کے اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ تو ہم بھی ان کی پیروی میں روزہ رکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے زیادہ تو موسیٰ علیہ السلام کا حقدار ہوں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس روز کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم)

لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مسلم کی ایک دوسری حدیث مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اور صحابہؓ کو اس دن کے روزہ رکھنے کا حکم دیا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس دن کی تو یہود و نصاریٰ عظمت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو روزہ رکھوں گا نویں تاریخ کا بھی۔ اور صحیح مسلم ہی کی حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو عاشورہ کا دن قریب آجانے پر ہمدردی خبر گیری کیا کرتے تھے، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو آپ نے ہم کو نہ تو عاشورہ کے دن کے روزہ کا حکم دیا اور نہ منع فرمایا اور

Marfat.com

نہ ہماری خبر گیری کی۔

مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شریف میں ان احادیث سے متعلق لکھا ہے کہ امام بن ہمام نے کہا ہے کہ روزہ عاشورہ کے دن کا مستحب ہے اور مستحب ہے روزہ رکھنا ایک دن پہلے یا اس کے بعد (یعنی نویں دسویں یا دسویں گیارہویں محرم کو) پس اگر صرف دسویں کو رکھے تو بسبب مشابہت یہود کے مکروہ ہے (فتاویٰ عالمگیری) میں فتح القدیر اور محیط سرخسی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عاشورہ کا روزہ نویں تاریخ کے روزہ کے ساتھ ملا کر رکھنا مسنون ہے۔ صرف عاشورہ والے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ یہ موقع کی مناسبت سے یوم عاشورہ کے روزہ کے متعلق عرض کر دیا گیا۔

الغرض یہاں آیات میں دو خصوصی واقعات اور احسانات جو قوم بنی اسرائیل پر حق تعالےٰ نے فرمائے تھے۔ یہود مدینہ کو یاد دلائے گئے۔ مزید انعامات و احسانات کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالےٰ اپنے شب و روز کے احسانات اور انعامات کا ہم کو احساس عطا فرمائیں اور ہم کو ان کی شکر گذاری کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اور اپنے شکر گذار بندوں میں ہمیں شامل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور دین کے دشمنوں سے ہماری حفاظت فرمائیں اور اسلام اور اہل اسلام کو غلبہ اور شوکت نصیب فرمائیں۔ اور اعدائے دین کو پست و ذلیل فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۲۷

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

اور جب کہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰؑ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے تجویز کر لیا

الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا

گوسالہ کو موسیٰؑ کے بعد اور تم نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی - پھر بھی ہم نے درگذر کیا

عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ

تم سے اتنی بڑی بات ہوئے پیچھے اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے - اور جب دی

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور فیصلہ کی چیز اس توقع پر کہ تم راہ پر چلتے رہو -

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم بیشک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا

اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

اپنے اس گوسالہ کی تجویز سے سو تم اب اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ

پھر بعض آدمی بعض آدمیوں کو قتل کرو - یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک -

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

پھر حق تعالیٰ تمہارے حال پر متوجہ ہوئے - بیشک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں -

تفسیر و تشریح: - گذشتہ آیات سے اُن خصوصی معاملات اور احسانات کا جو حق تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کے ساتھ فرمائے بیان ہوتا چلا آرہا ہے - اُوپر دو معاملات کا ذکر ہوا تھا - ان آیات میں اللہ تعالیٰ مزید بعض واقعات و احسانات کا اظہار فرما رہے ہیں تاکہ یہود مدینہ اپنے آباء و اجداد پر ان احسانات عظیمہ کو سن کر دل میں شکر گذار ہوں اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کریں اور اس کے احکام قبول کریں چنانچہ ان آیات میں ایک واقعہ اور احسانِ عظیم جو قوم بنی اسرائیل پر فرمایا گیا وہ یاد دلایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ

Marfat.com

ظٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ یعنی وہ زمانہ یاد کرو جبکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ چالیس رات تم کوہِ طور پر عبادت کرو جس کے گذرنے پر تم کو توریت عطا کی جائے گی۔ پھر تم لوگوں نے یعنی بنی اسرائیل نے پرستش کے لئے گائے کے بچھڑے کو تجویز کر لیا موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد تم نے اس تجویز میں صریح ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی کہ ایسی بے جا بات کے قائل ہو گئے تھے۔ پھر بھی ہم نے تمہارے توبہ کرنے پر درگذر کیا تم سے اتنی بڑی بات ہوئے پیچھے اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے اور جب دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توریت اور فیصلہ کی چیز اس توقع پر کہ تم راہ پر چلتے رہو۔

تفصیل اس واقعہ کی جو یہاں ذکر فرمایا گیا مفسرین نے اس طرح لکھی ہے کہ فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ساتھ بحر قلزم کو پار کر کے وادیٔ تیہ میں پہنچے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ کوہ طور پر آ کر ایک مہینہ ہماری عبادت میں مشغول رہو تو کتاب توریت عطا کی جائے گی۔ حسب الحکم حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے اور بنی اسرائیل سے تیس رات کا وعدہ کر گئے کیونکہ اوّل یہی حکم ہوا تھا، پھر دس رات وہاں رہنے کا اور حکم ہوا۔ جب ایک ماہ بعد موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام انتقال کر گئے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص سامری تھا۔ اس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام تو انتقال کر گئے اور تمہارے لئے کسی معبود کا ہونا ضروری ہے تو تم میرے پاس سونے کے زیورات جمع کرو میں تمہارے لئے ایک معبود بنا دوں۔ چونکہ مصر کے لوگ گائے بیل اور بچھڑے پوجتے تھے بنی اسرائیل بھی ان کی طویل صحبت کی وجہ سے محسوس پرستی کی طرف مائل تھے۔ سامری نے تمام بنی اسرائیل سے حاصل کردہ زیورات کو ڈھال کر ایک گائے کا بچھڑا بنایا۔ غرق فرعون کے وقت حضرت جبرئیلؑ بشکل انسانی گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تھے اُس وقت سامری نے ان کو دیکھا تھا اور ان کے گھوڑے کے قدموں کے نیچے سے تھوڑی سی مٹی اُس نے اُٹھالی تھی وہ اس کے پاس محفوظ تھی اُس خاک کو اُس نے بچھڑے کے پیٹ میں ڈال دیا جس سے اس میں جان سی پڑ گئی اور وہ چلانے لگا سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے۔ اور بنی اسرائیل اس کو سجدہ کرنے لگے حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں چھوڑ کر کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے اُنہوں نے ان کو بہت سمجھایا کہ بے وقوفو یہ کھلا ہوا شرک نہ کرو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس آنے دو لیکن اکثر نے ان کا کہنا نہ مانا اور ان کو گوسالہ پرستی سے روکنے پر مارنے اور قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت ہارونؑ خاموش ہو گئے اور سوائے تھوڑے سے بنی اسرائیلیوں کے سب گوسالہ پرستی میں مشغول ہو گئے۔ چالیس رات کی مدت کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے احکام کی تختیاں لے کر واپس ہوئے تو بنی اسرائیل کی یہ حرکت دیکھ کر بڑے

جوش غضب میں آئے اور اپنے بھائی و جانشین حضرت ہارون پر بھی خفا ہوئے کہ میں تم کو اپنا نائب بنا کر گیا تھا تم نے ان کو منع کیوں نہ کیا۔ انہوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ میں نے منع ضرور کیا مگر یہ مانے نہیں، اور میں سختی کرتا تو یہ مجھے قتل کر ڈالتے۔ پھر سامری سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تو نے یہ حرکت کیا کی؟ اس نے کل واقعہ بتا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بددعا دی جس کی وجہ سے وہ کوڑھی ہو گیا اور کوئی اس کے پاس نہ آتا تھا نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا اور اسی حالت سے وہ مر گیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اس بچھڑے کو دریا میں پھینک دو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اس گناہ سے توبہ کا حکم بنی اسرائیل کے لئے آیا۔ جس کا ذکر اس طرح فرمایا جاتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم! بیشک تم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا اپنے اس گوسالہ پرستی کی تجویز سے سو تم اب اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو پھر بعض آدمی یعنی جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی، بعض آدمیوں کو جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی قتل کرو۔ یہ عمل درآمد تمہارے لئے بہتر ہو گا تمہارے خالق کے نزدیک پھر اس پر عمل درآمد کرنے سے حق تعالیٰ تمہارے حال پر اپنی عنایت سے متوجہ ہوتے، بیشک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں"۔

یعنی بنی اسرائیل کی توبہ کے لئے یہ صورت تجویز ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام پر حق تعالیٰ کا یہ حکم آیا کہ بنی اسرائیل آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں اس طرح جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جن جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی ان کو اپنے گھروں سے باہر دروازہ پر بیٹھنے کا حکم ہوا اس طرح کہ اپنے سروں کو جھکا کر اپنے زانو پر رکھ لیں اور جنہوں نے کہ بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی ان کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تلوار لے کر نکلنے کا حکم ہوا تاکہ یہ ان پرستش کرنے والوں کو قتل کریں۔ اب چونکہ قتل ہونے والوں میں قتل کرنے والوں کے باپ بھائی بھتیجے، بھانجے۔ عزیز دوست تھے۔ اس لئے قتل کرنے میں ان کو طبعی شفقت کے باعث تردد ہوا اور ہاتھ رکا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سیاہ غبار بھیج دیا اور اس قدر تاریکی چھا گئی کہ کوئی کسی کو دیکھ نہ سکتا تھا اور اسی اندھیرے میں قتل شروع ہوا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ صبح سے شام تک ستر ہزار آدمی قتل ہوئے۔ عورتیں اور بچے

Marfat.com

بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی رحم آیا اور سر برہنہ کر کے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو اس پر حکم الٰہی ہوا کہ اچھا ہم نے مرے ہوئے اور زندوں کی سب کی توبہ قبول کی۔ جو مارا گیا اس کو شہید کا اجر دیا اور جو زندہ رہا اس کی بھی توبہ قبول ہوئی اور اس کو جہاد کا ثواب دیا۔ اس طرح آپس میں باپ بیٹوں اور بھائیوں بھائیوں میں قتل و خون موقوف ہوا اور خدائے تَوَّابُ الرَّحِیم نے ساری قوم کو اس گوسالہ پرستی کے جرم عظیم سے معاف فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہود کو ان کی قوم بنی اسرائیل پر کیا ہوا ایک احسان اور جتلایا کہ تمہاری قوم نے ایک بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جرم سے بھی درگذر کیا اور مقصود اس سے وہی تبلیغ اسلام ہے تاکہ یہود مدینہ اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات اپنی قوم پر سُن کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کر لیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اسلام قبول کر لیں۔

یہاں ان آیات میں اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً یعنی ۴۰ رات کی مدت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی تو علماء نے لکھا ہے کہ صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے ہاں چلہ کی اصل اسی سے ثابت ہے۔ اور جس چیز کی خاص طور پر تکمیل مقصود ہوتی ہے تو اس کے لئے ۴۰ کا عدد منتخب ہوتا ہے۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کا خمیر ۴۰ دن تک کیا گیا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ رحم مادر میں ۴۰ روز تک نطفہ رہتا ہے۔ پھر ۴۰ روز تک عَلَقَہ یعنی خون بستہ پھر ۴۰ روز تک مُضْغَہ یعنی گوشت کا لوتھڑا، اس کے بعد رُوح پھونکی جاتی ہے۔ اسی طرح نبوت و رسالت کی بعثت کے لئے چالیس کا عدد خاص کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی عمر شریف کے ۴۰ سال پورے کرنے پر ہوئی۔

ایک حدیث میں جو حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو چالیس دن تک عمل خالص اللہ کے لئے کرے تو علم و حکمت کے چشمے اس کے قلب سے نکل کر اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے ۴۰ دن کی مداومت ہر نیک عمل میں خلوص کے ساتھ بڑی معتبر ہے کہ اس کے بعد وہ عمل آسان ہو جاتا ہے اور اس کی پابندی میں دشواری نہیں ہوتی۔

ایک حدیث میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری مسجد میں ۴۰ نمازیں ادا کرے اور کوئی نماز اس کی فوت نہ ہو تو اس کے لئے دوزخ سے برات لکھی جائے گی اور عذاب اور نفاق سے بھی برات لکھی جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ اس عدد ۴۰ کو عروج و ترقی سے کوئی خاص مناسبت ہے۔

پھر بنی اسرائیل کی قبولیت توبہ کا جو واقعہ ان آیات میں ذکر فرمایا گیا اس سے ظاہر ہوا کہ پچھلی اُمتوں

میں توبہ کی قبولیت کے لئے کیسے کیسے سخت احکام ہوتے تھے اور وہ اُن کو بھی قبول کر لیتے تھے۔ اس اُمت محمدیہ پر اللہ تعالےٰ کا کتنا انعام واحسان ہے کہ کتنا سہل اور آسان طریق توبہ کا مقرر فرمایا کہ سوائے سچی ندامت کے اور کچھ طلب نہیں فرماتے۔ یہ محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتِ گرامی کی برکت اور طفیل ہے اس لئے ہمیں بھی توبہ کے معاملہ میں ڈھیل اور ٹال مٹول سے کام نہ لینا چاہیئے۔ اپنی جس غلطی اور گناہ کا جب علم ہو جائے اُس پر صدق دِل سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے فوراً معافی کا طلبگار رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ہر حال میں سچی توبہ کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب اس واقعۂ قتل اور قبولیت توبہ کے بعد بعض دوسرے واقعات اور احسانات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بنی اسرائیل پر فرمائے گئے ان کا ذکر جاری ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا +

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ نے ہم پر جو احسانات وانعامات فرمائے ہیں ان کا احساس اور ان پر حقیقی شکر گذاری کی توفیق ہم کو عطا فرمائیں۔ اے اللہ آپ نے ہم کو سید الانبیاء والمرسلین کا اُمتی ہونا نصیب فرمایا۔ اے اللہ! آپ نے ہم کو قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی۔ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل سے ہم کو دین اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ اے اللہ! ہمیں ان انعامات واحسانات کی سچی قدردانی نصیب فرما اور ہمیں اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور وفادار اُمتی ہونا نصیب فرما۔ ہمیں قرآن پاک کا اتباع کامل نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں ہدایت کے راستہ پر قائم رکھ اور استقامت نصیب فرما۔ اے اللہ! ہم سے اب تک جو آپ کے انعامات واحسانات کی شکر گذاری میں تقصیرات سرزد ہوئی ہیں، اے اللہ ان پر ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرما اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ اے اللہ! آپ تَوَّابُ الرَّحِیْم ہیں ہماری توبہ کو قبول فرما کر اپنا رحم وکرم ہم پر فرمائیں اور ہم پر مواخذہ اور گرفت نہ فرمائیں۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۲۸

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى

اور جب تم لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہارے کہنے سے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں

اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ

اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر سو آ پڑی تم پر کڑک بجلی اور تم

تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ

آنکھوں سے دیکھ رہے تھے - پھر ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مرجانے کے بعد

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ

اس توقع پر کہ تم احسان مانوگے - اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو اور

اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں - کھاؤ نفیس چیزوں سے

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور اُنہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اپنا ہی نقصان کرتے تھے -

تفسیر و تشریح :- اللہ تعالیٰ یہود کو یکے بعد دیگرے بعض خاص خاص واقعات اور اپنے انعامات و احسانات جو ان کی قوم بنی اسرائیل پر ہوئے تھے یاد دلا رہے ہیں اور اُوپر سے اُن کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے ساتھ ہی قوم بنی اسرائیل کی غلطیاں اور جرائم کا بھی بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ مخاطبین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود نصیحت پکڑیں اور اپنے قوم کی گذشتہ غلطیوں پر متنبہ ہو کر اب غلطی سے باز آجائیں کہ جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور قرآن کریم کو اللہ کی کتاب نہ ماننے میں کر رہے تھے اور گذشتہ میں جو احسانات اور انعامات ہوئے اُن کے پیشِ نظر اب گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت اور سیدھی راہ کو قبول کرلیں چنانچہ دو مزید واقعات اِن آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں -

پہلا واقعہ ارشاد فرمایا :- وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

Marfat.com

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور وہ زمانہ یاد کرو جب تم لوگوں نے یوں کہا کہ ای موسیٰ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہارے کہنے سے کہ یہ توریت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہاں تک کہ ہم خود دیکھ لیں علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کو۔ سو اس گستاخی پر آ پڑی تم پر کڑک بجلی اور تم اس کا آنا آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مرجانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے۔ جس واقعہ کی طرف ان آیات میں اشارہ فرمایا گیا ہے مفسرین نے اس کی تفصیل میں دو روایات لکھی ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے توریت لاکر پیش کی کہ یہ کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی تو بعض گستاخ بنی اسرائیلیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہدیں کہ یہ ہماری کتاب ہے۔ تو بیشک ہم کو یقین آجائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی فرمایا کہ چلو کوہ طور پر یہ بات بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے اپنی قوم سے ستر آدمی اس کام کے لئے منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر روانہ کئے۔ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا کلام ان لوگوں نے خود سنا تو اس وقت اور رنگ لائے کہ ہم کو تو کلام سننے سے قناعت نہیں ہوتی۔ نہ معلوم کون بول رہا ہوگا اگر خدا کو ہم دیکھ لیں تو بیشک مان لیں۔ چونکہ دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالےٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا اس لئے اس گستاخی پر ان پر بجلی آ پڑی اور سب ستر آدمی ہلاک ہو گئے۔ دوسری روایت یہ لکھی ہے کہ واقعہ قتل اور قبولیت توبہ کے بعد جس کا ذکر گذشتہ درس میں ہوا موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لیجانے کے لئے منتخب فرمایا تاکہ گوسالہ پرستی کی معذرت کریں۔ سب نے روزہ رکھا غسل کیا اور عمدہ کپڑے پہنے۔ جب کوہ طور پر پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیجئے کہ ہمیں اپنا کلام پاک سنائے۔ تھوڑی دیر میں ایک ابرِ نورانی ظاہر ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام اس میں غرق ہو گئے اور بنی اسرائیل نیچے کھڑے رہے۔ سب نے اللہ کا کلام سنا۔ جب کلام الٰہی ختم ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس ابر سے باہر آئے اللہ دریافت کیا کہ تم نے کلام الٰہی سنا۔ تو اس پر یہ کہا کہ ہم تو کلام الٰہی ہونے کا اس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک کہ علانیہ طور پر خدا کو نہ دیکھ لیں اس طرح کہ ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو۔ اس گستاخی پر ان پر بجلی آگری اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس موقع پر دو وجہ سے غضب الٰہی کے مورد بنے۔ اوّل تو اس کہنے کی وجہ سے کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے اور محض تمہارے خبر دینے اور اعتماد پر اس کا کلام الٰہی ہونا تسلیم نہ کریں گے۔ یہی ایک گستاخی نزول عذاب کے لئے کافی تھی اسلئے کہ اللہ کے نبی اور رسول پر اعتماد نہ کرنا یہ صریح کفر ہے اور معمولی گستاخی نہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ ان کا گستاخانہ اور بے باکانہ طور پر یہ کہہ دینا کہ ہم تو موسیٰ کی تصدیق تب کریں گے جب خدا کو علانیہ اور ظاہر طور پر دیکھ لیں۔ ہاں اگر وہ عاجزانہ اور مودبانہ یہ درخواست کرتے کہ اے اللہ کے نبی ہم دیدارِ الٰہی کے مشتاق اور آرزومند ہیں تو

Marfat.com

موردِ غضب نہ بنتے اور اس وقت یہ جواب ہو سکتا تھا کہ تم ابھی اس نعمت کے قابل نہیں۔ آخرت میں یہ ممکن ہو سکے گا۔

الغرض ان کے اس گستاخانہ اور بے باکانہ سوال کی وجہ سے عذابِ الٰہی نے صاعقہ یعنی بجلی کی شکل میں آگھیرا اور وہ سب ستر کے ستر وہیں ہلاک ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دیکھا تو اللہ تعالےٰ سے عرض کیا کہ یا الٰہی میں ان کو بنی اسرائیل کے نمائندہ کی حیثیت سے لایا تھا کہ یہ واپس جا کر بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دیں گے۔ اب یہ تو مر گئے میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ کہیں لیجا کر غصہ میں خود میں نے کسی تدبیر سے ان کا کام تمام کرا دیا ہو گا۔ تو مجھ کو بنی اسرائیل کی تہمت سے بچا لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش اور دُعا کے مطابق ان ستر اشخاص کو دوبارہ زندہ فرما دیا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اے یہود میرے اس احسان کو یاد کرو کہ میں نے بنی اسرائیل کے ان ستر منتخب اشخاص کو موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشی اور اس کا شکر ادا کرو اور شکر ادا کرنے کی صورت یہی ہے کہ میرے احکام کی فرمانبرداری قبول کرو۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ نصیحت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور اس کی ذاتِ عالی سے بیجا مطالبہ کرنا بہت بڑا جرم و گناہ ہے اور اس کی سخت سزا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور ہر ارشاد کو شک و شبہ کے بغیر بلا چون و چرا دل سے تسلیم کر لیا کریں۔ اس میں خواہ مخواہ کی نکتہ چینی، دلیل آرائی اور حجت کرنے سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر حکم کو دل و جان سے ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

آگے دوسرے واقعہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ اور سایہ افگن کیا ہم نے تم پر ابر کو میدان تیہ میں اور خزانۂ غیب سے پہنچایا ہم نے تمہارے پاس مَنّ و سَلْویٰ یعنی ترنجبین اور بٹیریں اور تم کو اجازت دی کہ کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں مگر وہ لوگ اس میں بھی خلاف حکم کر بیٹھے اور اس سے انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل مفسرین نے یوں لکھی ہے کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یہ مصر میں آ گئے تھے اور پھر وہیں آباد ہو گئے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کو فرعونیوں سے آزادی نصیب ہوئی اور بنی اسرائیل نے بحرِ قلزم پار کر کے میدان سینا جس کو وادی تیہ بھی کہتے ہیں قدم رکھا تو لق و دق بے آب و گیاہ میدان تھا جہاں شدید گرمی تھی اور دُور دُور تک سبزی اور پانی کا پتہ نہ تھا اس لئے

Marfat.com

بنی اسرائیل گھبرا اُٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے کہ ہم پانی کہاں سے پئیں۔ ہم تو پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے یہاں تو پینے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگاہِ ایزدی میں التجا کی اور وحی الٰہی نے ان کو حکم دیا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔ حضرت موسیٰؑ نے تعمیل ارشاد کی تو فوراً بارہ سوت اس پتھر سے اُبل پڑے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے جُدا جُدا چشمے جاری ہو گئے۔ بنی اسرائیل کو جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اب کہنے لگے کہ پانی کا تو انتظام ہو گیا لیکن زندگی کے لئے صرف پانی تو کافی نہیں ہے۔ ہم اب کھائیں کہاں سے۔ یہاں میدان بیابان میں تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر رب العٰلمین کی درگاہ میں دُعا کی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تمہاری دُعا قبول ہوئی پریشان نہ ہو۔ ہم غیب سے اس کا انتظام بھی کئے دیتے ہیں چنانچہ رات کو شبنم کی صورت میں مَن گرتی تھی۔ اور یہ نہایت شیریں حلوہ کی مانند تھی۔ اسی مَن کا ترجمہ اکثر مفسرین نے ترنجبین سے کیا ہے۔ اور دن میں بٹیروں کے غول کے غول زمین پر اُترتے اور پھیل جاتے۔ بنی اسرائیل ان کو بآسانی ہاتھوں سے پکڑ لیتے اور بھون کر کھاتے۔ اس طرح روزانہ بغیر زحمت و تکلیف کے ان کو یہ دونوں نعمتیں غیب سے مہیا ہو جاتیں اور یہ ان دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیا کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو یہ تنبیہ کر دی تھی کہ وہ اپنی ضرورت کے موافق مَن و سلویٰ روزانہ کام میں لائیں اور دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہ کریں۔ کچھ عرصہ تک تو بنی اسرائیل بے محنت یہ آسمانی کھانے کھاتے رہے آخر خلافِ حکمِ الٰہی مَن و سلویٰ اکٹھا کرنا شروع کیا جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مَن و سلویٰ نازل ہونا بند ہو گیا اور جمع کیا کرایا بھی سڑ گیا۔ اسی وادیٔ تیہ یا میدان سینا میں بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ گرمی کی شدت ہے اور سایہ دار درختوں اور مکانوں کی راحت میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہم بہت پریشان ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تپش اور گرمی ہماری زندگی کا خاتمہ کر دے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تشفی دی اور بارگاہ قدس میں عرض کیا کہ جب آپ نے اس قوم پر بڑے انعامات اور فضل و کرم کی بارش کی ہے تو اس سخت تکلیف سے بھی ان کو نجات عطا فرمایئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے بنی اسرائیل پر سایہ افگن ہو گئے اور بنی اسرائیل جہاں بھی سفر کرتے ہوئے جاتے بادلوں کا سایہ اُن کے سروں پر رہتا۔ انہی انعامات و احسانات کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اے بنی اسرائیل ہم نے وادیٔ تیہ میں تم پر ابر کا سایہ کیا اور ہم نے وادیٔ تیہ میں خزانۂ غیب سے تم پر مَن و سلویٰ اُتارا۔ اور اجازت دی تم کو کہ کھاؤ تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دیں۔ اور جب بنی اسرائیل نے حکمِ الٰہی کے خلاف حرص و لالچ میں پڑ کر ان چیزوں کا ذخیرہ کرنا شروع کیا تو جو ذخیرہ کرتے وہ سڑ جاتا اور مَن و سلویٰ کا نازل ہونا بند ہو گیا اسی کو فرمایا کہ ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنا ہی نقصان

Marfat.com

کیا کہ ایسا رزق کھویا کہ جس میں نہ دُنیا کی مشقت تھی اور نہ آخرت کا حساب تھا۔

علامہ ابنِ کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس آیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی فضیلت دوسرے حضرات انبیاء کے صحابہ پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے سخت دُھوپ اور گرمی میں غزوات کئے اور جہاد کے سفر کئے مگر کبھی اس قسم کے خوارق کے خواہشمند نہ ہوئے کہ بنی اسرائیل کی طرح ہم پر من وسلویٰ نازل کیا جائے اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے ابر بھیج دیا جائے حالانکہ نبی اکرم سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اگر دُعا فرماتے تو ضرور ایسا ہو جاتا۔

الغرض اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی وہ خاص خاص رحمتیں اور انعامات جو قوم بنی اسرائیل پر ہوئے برابر بیان فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی اس قوم کی غلطیاں اور جرائم کو بھی ظاہر فرمایا جاتا ہے تاکہ وہ یہود جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے وہ نصیحت پکڑیں اور گذشتہ کے تجربات سے سبق حاصل کر کے اب اس غلطی سے باز آجائیں جو وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے اور اسلام قبول نہ کرنے میں کر رہے تھے۔ بنی اسرائیل پر مزید انعامات واحسانات کا ذکر ابھی اگلی آیات میں جاری ہے جس میں بعض کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اَللّٰہ تَعَالٰی کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام سے نوازا۔ اور قرآن کریم جیسی کتاب اور خاتم الانبیاء جیسے افضل المرسلین پر ایمان لانا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان انعامات واحسانات کا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں اور اپنے احسانمند اور شکر گذار بندوں میں ہم کو شامل فرمائیں۔ اور اپنی اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۲۹

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا

اور جب ہم نے حکم کیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس سے

حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے اور دروازے میں داخل ہونا جھکے جھکے

وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ

اور کہتے جانا کہ توبہ ہے ہم معاف کر دیں گے تمہاری خطائیں ۔ اور ابھی ابھی مزید برآں اور دیں گے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ

دل سے نیک کام کرنے والوں کو سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے

الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا

جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے نازل کی ان ظالموں پر ایک آفت

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۶ (۱۲)

سماوی اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے ۔

تفسیر و تشریح :۔ قوم بنی اسرائیل پر وقتاً فوقتاً جو انعامات و احسانات اللہ تعالےٰ نے فرمائے اسی کا بیان برابر چل رہا ہے ۔ گذشتہ آیات میں یکے بعد دیگرے متعدد خصوصی واقعات کا ذکر فرمایا گیا اسی سلسلہ میں ایک واقعہ ان آیات میں بیان فرمایا جاتا ہے ۔

یہاں ایک ضروری بات یہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ یہ جو متعدد واقعات اور انعامات و احسانات کا ذکر چھٹے رکوع سے فرمایا جا رہا ہے اور جو سلسلہ اس پارہ الٓمّٓ کے قریب ختم تک چلا گیا ہے یہ سب واقعات ترتیب وقوع کے ساتھ نہیں بیان فرمائے گئے ہیں کہ پہلا واقعہ پہلے بیان ہو پھر اس کے بعد واقع ہونے والا واقعہ بیان ہو کیونکہ قرآن کریم کوئی قصوں کی کتاب تو ہے نہیں یا خود قصوں کا بیان کرنا مقصود اصلی تو ہے نہیں بلکہ مقصود تو محض عبرت و نصیحت ہے ۔ تو جب نظر نتائج پر ہے اور ایک قصہ کے اجزاء میں ہر جزو کا نتیجہ جدا ہے تو ان نتائج کے لحاظ سے کسی جزو کو مقدم اور کسی کو متاخر کر دیا جائے تو اس میں نہ کوئی مضائقہ ہے نہ اشکال ۔ یہ ضروری تنبیہ اس لئے عرض کی تاکہ کسی ذہن میں یہ اشکال نہ پیدا ہو کہ پہلے کا قصہ بعد میں اور بعد کا کوئی واقعہ پہلے کیوں بیان ہوا ۔

Marfat.com

غرض کہ یکے بعد دیگرے متفرق اور متعدد واقعات انعامات و احسانات کہ جو قوم بنی اسرائیل پر فرمائے گئے وہ یہود مدینہ کو یاد دلائے جا رہے ہیں اور ساتھ ہی باوجود اتنے انعامات و احسانات کے جو اس قوم بنی اسرائیل نے غلطیاں اور جرائم کئے وہ بھی ظاہر فرما دیئے گئے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود نصیحت پکڑیں اور اپنی قوم کی گذشتہ غلطیوں پر متنبہ ہو کر اُن سے بچیں۔ چنانچہ یہود کو خطاب کر کے ایک واقعہ کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس کی چیزوں میں سے بے تکلفی سے جس جگہ تم رغبت کرو اور یہ حکم بھی دیا کہ جب آبادی کے اندر جانے لگو تو دروازہ میں داخل ہونا عاجزی سے جھکے جھکے اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے توبہ ہے۔ ہم تم سب کی پچھلی خطائیں سب معاف فرما دیں گے اور ابھی ابھی مزید برآں اور نعمتیں دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔

اب اس واقعہ میں قَرْيَة سے کون سی آبادی یا شہر مراد ہے؛ اور یہ واقعہ کس وقت کا ہے؛ اور یہ حکم کس نبی کی معرفت بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا اس کی تفصیل میں مفسرین کے دو اقوال ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس آیت میں قَرْيَة سے بَيْتُ الْمَقْدِس مراد ہے اور یہ واقع اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل چالیس ۴۰ سال کے بعد میدان تیہ سے یُوشَعْ بِن نُون علیہ السلام کی معیت میں نکلے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات میدان تیہ میں ہو چکی تھی۔ حضرت یُوشَعْ بِن نُون علیہ السلام کے عہد نبوت میں بنی اسرائیل نے جب ملک شام میں جہاد کر کے فتح حاصل کی اس وقت حضرت یُوشَعْ کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تم اس شہر بَيْتُ الْمَقْدِس کے دروازہ میں سجدۂ شکر کرتے ہوئے اور زبان سے استغفار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے داخل ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گذشتہ خطاؤں کو معاف فرما دیں گے اور تم میں سے جو لوگ نیک ہیں ان کو ان کی نیکیوں کے عوض میں اور زیادہ عطا فرمائیں گے، لیکن اس حکم کے خلاف بنی اسرائیل میں جو نافرمان اور غلط کار تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تلقین کردہ الفاظ کو چھوڑ کر تمسخر اور استہزاء کے طور پر کچھ اور ہی الفاظ شہر میں داخلے کے وقت کہے۔ روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے حِطَّةٌ کے بجائے جس کے معنیٰ توبہ کے ہیں حِنْطَةٌ کی رٹ شروع کر دی جس کے معنیٰ گیہوں کے ہیں۔ اور قولی مخالفت کے ساتھ ساتھ انہوں نے عملاً بھی اللہ کے حکم کی مخالفت کی چنانچہ دروازے سے جھک کر عاجزی سے گزرنے کے بجائے اکڑتے اور اتراتے ہوئے گذرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے خدا کی نافرمانی کی

Marfat.com

اور اس کے حکم کو تمسخر سے بدل دیا ان پر آسمانی عذاب نازل کیا گیا اور یہ عذاب طاعون کی بیماری کی صورت میں اُن پر مسلط کیا گیا ۔ اور لکھا ہے کہ اس طاعون سے ستّر ہزار بنی اسرائیل مرے ۔ دوسرا قول جس کو بعض مفسرین نے اختیار کیا ہے اُنہوں نے اس واقعہ کی تفصیل جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اس طرح لکھی ہے کہ یہ قصّہ بھی زمانہ وادیٔ تیہ کا ہے کہ جب بنی اسرائیل مَنّ و سلویٰ کھاتے کھاتے اُکتا گئے اور اپنے معمولی کھانے ملنے کی موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تو ان کو ایک شہر میں جانے کا حکم ہوا تھا کہ وہاں کھانے پینے کی اور معمولی چیزیں ملیں گی اور اس شہر میں اندر جانے کے متعلق قولی اور فعلی ادب جو اوپر کی آیت میں تعلیم ہوا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو دیا گیا ۔ مگر بنی اسرائیل کے نافرمانوں نے اس حکمِ خداوندی کی نافرمانی کی جیسا کہ فرمایا گیا ۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

"پھر ظالموں نے وہ بات جو ان سے کہی تھی بدل دی ، پھر ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب اُتارا چونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے" ۔ اور جیسا کہ روایات میں آیا ہے وہ آسمانی عذاب طاعون تھا جو حدیث کی رُو سے بے حکموں کے لئے عذاب اور حکمبرداروں کے لئے رحمت ہے ۔ اس نافرمانی اور شرارت کی ان کو سزا ملی کہ ان میں طاعون پھوٹ پڑا ۔

یہاں سورۃ البقرہ میں جو یہ واقعات بنی اسرائیل سے متعلق بیان فرمائے گئے ہیں ۔ ان میں سے اکثر کا ذکر نویں پارہ سورۃ اَعْرَاف میں بھی موقع کی مناسبت سے فرمایا گیا ہے ۔ چنانچہ اسی واقعہ کو وہاں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○

"اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے اور جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہونا ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے ۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ۔ ان کو مزید برآں اور دیں گے ۔ سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی اُن سے فرمائش کی گئی تھی ۔ اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ ظلم کو ضائع کرتے تھے" ۔

الغرض اس واقعہ کو یہود مدینہ کو سنانے سے یہی مقصود ہے کہ تم اپنی قوم بنی اسرائیل کی گذشتہ حالت کو

Marfat.com

سُن کر عبرت حاصل کرو اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور وقتی تقاضہ کے مطابق اسلام کو قبول کرلو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرلو۔

اِن آیات کے تحت بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اقوام عالم پر یہ وقت بہت ہی خطرناک ہوا کرتا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام پائے اور شکر گذار نہ ہو بلکہ شکر گذاری کی بجائے احکام الٰہیہ سے بغاوت و سرکشی اختیار کرے اور نافرمانی پر اُتر آئے۔ فتح مکہ کے موقع پر مدینہ منورہ میں سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی تھی اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب خدا کی مدد آجائے اور مکہ فتح ہو اور لوگ دین اسلام میں گروہ کے گروہ داخل ہونے لگیں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے رب کی تسبیح و حمد و ثنا بیان کریں اور اس سے استغفار کی درخواست کیجیے وہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ہے چنانچہ جب فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ پر طاری تھے۔ یہاں تک کہ سر مبارک آپ جھکائے ہوئے تھے اور اونٹنی کے پالان سے سر مبارک لگ گیا تھا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی بعض علماء کے نزدیک یہ صلوٰۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز تھی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صلوۃ الفتح تھی اور فتح مکہ کے شکر کی نماز تھی۔ صحابہ کرام رضؓ سے بھی یہی کیفیت ثابت ہے۔ حضرت سَعْدُ بْنُ وَقَّاص رضؓ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسریٰ کے شاہی محلات میں فاتحانہ داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق آٹھ رکعتیں نماز شکرانہ کی پڑھیں۔ امام محمدؒ نے روایت فرمایا ہے کہ جب قبرص فتح ہوا حضرت جُبَیْر بْنُ نُفَیْر نے حضرت اَبُو دَرْدَاء رضؓ کو دیکھا کہ اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت جُبَیْر فرماتے ہیں کہ میں نے اُن سے عرض کیا کہ اے اَبُو دَرْدَاء ایسے مبارک دن میں رونا کیسا جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت دی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے جُبَیْر افسوس ہے تم نہیں سمجھتے۔ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دیتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسی ذلیل و بے قدر ہو جاتی ہے۔ دیکھو کہاں تو یہ قوم برسر حکومت تھی لیکن خدا کا حکم چھوڑا اور ذلیل و خوار ہوئی جس کو تم اس وقت ملاحظہ کر رہے ہو۔

ان سطور کو لکھتے ہوئے[عہ] ایک خیال میرے دل میں آیا کہ جس بنا پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور وہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انعام ہم پاکستانیوں کو بھی عطا فرمایا اور یہ ملک پاکستان عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عادت اور قانون قدرت ہمیشہ یکساں رہتے ہیں وہ بدلا نہیں کرتے۔ اگر اس انعام کی حقیقی اور خاطر خواہ شکر گذاری ادا نہ کی گئی۔ جیسا کہ اب تک ہوا اور اس کی جگہ بنی اسرائیل کی طرح احکام الٰہیہ سے بغاوت و سرکشی اختیار کی گئی جیسا کہ اس وقت تک ملک میں ہوتا رہا ہے تو پھر خدانخواستہ ہم بھی اسی قانون الٰہی کے مستحق نہ بن جائیں جو بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا۔ جب اللہ نے ہم کو ملک

عہ یہ درس ۱۹۷۱ء میں لکھا گیا تھا بعد نظر ثانی ۔ (احقر مؤلف)

سلطنت، قوت و اقتدار۔ اختیار۔ آزادی، خود مختاری جیسی نعمتیں عطا فرمائی تھیں تو ان کی حقیقی شکر گذاری تو یہ ہونا چاہیئے تھی کہ جیسے اسلام اور اللہ اور رسولؐ کے نام پر یہ ملک بنا تھا اس ملک میں اللہ اور رسولؐ کے نام کا بول بالا ہوتا۔ یہاں شعائر اسلام اور ارکان اسلام کا شیوع ہوتا۔ قرآنی احکام کا نفاذ ہوتا۔ شارع علیہ السلام کے احکامات کی پیروی ہوتی اتباع رسولؐ کا چرچا ہوتا، مگر افسوس صد افسوس کہ حالات و واقعات کچھ اور ہی ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اسلام کے ایک ایک رکن کا جو حشر ہوتا رہا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ برخلاف محرمات شرعیہ مثل شراب۔ سود۔ زنا۔ قمار۔ رشوت۔ گانا بجانا۔ بے پردگی، بے حیائی۔ فحاشی۔ عیاشی۔ چوری۔ قتل۔ ڈاکہ۔ لوٹ مار۔ تصاویر کا استعمال وغیرہ وغیرہ کس جرأت اور بے باکی کے ساتھ کھلم کھلا۔ علی الاعلان ہو رہے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ ملک اور قوم کے لئے یہ صورتِ حال نہایت خطرناک اور مہلک ہے مگر ؎ کون سنتا ہے فغانِ درویش

قہرِ درویش بجانِ درویش

کہاں تو ایک طرف ہم فتح مکہ۔ قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کی مغلوبیت و پامالی اور فتح ہونے اور شوکت اسلام کو دنیا میں بلند کرنے کے واقعات پڑھتے ہیں اور کہاں آج ہم (یعنی ۱۹۶۱ء میں جب یہ درس لکھا جا رہا تھا) اس ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں کہ ایک طرف عرب جیسی اعلیٰ قوم پر یہود ملعون مسلط ہیں اور اہلِ اسلام کے قبلہ اوّل پر قابض ہیں اور دوسری طرف کفار ہند جو ایک ہزار سال مسلمانوں کی غلامی میں رہ چکے ہیں اور جو سلطان محمود غزنویؒ کے نام سے کانپا کرتے تھے اُن کفار نے اس ملک پاکستان کے ایک بڑے حصے پر قبضہ جما لیا اور ایک لاکھ پاکستانی کفار کی قید میں بے دست و پا ذلت سے پڑے ہوئے ہیں جس کی مثال تاریخ اسلام میں نہیں ملتی اس طرح افسوس ہم نے اسلام اور تاریخ اسلام کو بھی دنیا میں رسوا کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے کرم سے اس اُمتِ مسلمہ کے اصلاح کی صورتیں غیب سے فرما دیں اور قرآن و سنت کے راستہ پر آجانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

ابھی یہی سلسلہ کلام یعنی بنی اسرائیل پر حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات اور اس قوم کی شرارت، سرکشی و نافرمانی کا بیان جاری ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے فضل و کرم سے ہم پر بے شمار انعامات و احسانات فرما رکھے ہیں ان پر ہم کو شکر گذاری اور احسانمندی کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے شکر گذار بندوں میں شامل فرمائیں، اور ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم کو کامل طور پر بچنے کا عزم و ہمت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! اپنے اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کی ظاہراً و باطناً ہم کو پابندی نصیب فرمائیے اور ان کی خلاف ورزی سے ہم کو بچائیے۔ یا اللہ! ہر طرح کے عذاب و گرفت سے ہم کو محفوظ و مامون فرمائیے اور ہم سے جو کوتاہیاں اب تک سرزد ہوئی ہیں ان پر توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

درس ۳۰

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی دُعا مانگی اپنی قوم کے واسطے اس پر ہم نے حکم دیا کہ اپنے اس

بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ

عصا کو فلاں پتھر پر مارو ۔ بس فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ

معلوم کرلیا ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع ۔ کھاؤ اور پیو

رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد سے مت نکلو فساد کرتے ہوئے سرزمین میں ۔

تفسیر و تشریح :- اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ایک نعمتِ خاص اور احسان یاد دلا رہے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ وہ زمانہ یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی دُعا مانگی اپنی قوم کے واسطے اس پر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو ۔ اس سے پانی نکل آوے گا ۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی اور بس فوراً اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے پس ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کرلیا اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور حدِ اعتدال سے مت نکلو فتنہ و فساد کرتے ہوئے سرزمین میں ۔

یہ قصہ بھی وادیٔ تیہ یعنی جزیرہ نمائے سینا کے لق و دق بیابان اور ریگستان کا ہے یہ ذکر گذشتہ سے گذشتہ درس میں آچکا ہے کہ وادیٔ تیہ میں بنی اسرائیل جب دھوپ گرمی اور کھانے پینے کی تکالیف میں مبتلا ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے سروں پر ابر کے سایہ کا انتظام فرمادیا اور کھانے کے لئے من و سلویٰ نازل ہوا اور پانی کے لئے جب موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو ایک خاص پتھر کو صرف عصا مارنے سے قدرتِ خداوندی سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۔ اور بارہ کی تعداد میں یہ حکمت و مصلحت تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے جن کا لقب اسرائیل تھا بارہ ۱۲ فرزند تھے اور ہر ایک اولاد کا ایک خاندان تھا ۔ اس طرح بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور ان کو انتظامی معاملات میں الگ الگ ہی رکھا جاتا تھا اور ہر قبیلہ کے جُدا جُدا سردار تھے اس لئے بارہ چشمے بہ نکلے اور ہر قبیلہ نے ایک ایک چشمہ لے لیا ۔ تو انعامِ خداوندی یہ ہوا کہ جیسے بے محنت کی روزی آسمانی خوراک من و سلویٰ عطا فرمائی اسی طرح پانی بھی بطور معجزہ اور

خرق عادت عطا فرمایا اور بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی معرفت حکم دیا گیا کہ اللہ کے اس خاص رزق سے جو اللہ نے خاص طور پر بغیر ظاہری اسباب کے بنی اسرائیل کو عطا فرمایا کھاؤ پیو اور دل و جان سے اللہ کا شکر ادا کرو اور اللہ کا رزق کھا کر اس کی نافرمانی نہ کرو اور زمین پر فساد مچاتے نہ پھرو یعنی زمین پر اللہ کی معصیت نہ کرو۔

یہاں آیت میں جس پتھر کو عصا مارنے کا حکم موسیٰ علیہ السلام کو ہوا تھا اور جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے اس کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایک چوکور پتھر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی تھا۔ بحکم خداوندی اس پر عصا مارنے سے۔ ہر طرف سے تین تین چشمے بہ نکلے یہ پتھر بیل پر لاد دیا جاتا تھا۔ جہاں اترتے رکھ دیتے اور عصا مارتے ہی اس میں سے نہریں بہ نکلتیں اور جب کوچ کرتے اٹھا لیتے نہریں بند ہو جاتیں۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ جنتی پتھر تھا اور ایک قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام کو ملا تھا اور انہوں نے یہ لکڑی اور پتھر دونوں موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ یہ واقعہ جو یہاں آیت میں ذکر فرمایا گیا یہ متعدد اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ اول پانی کا پتھر سے نکلنا۔ دوسرے یہ کہ ایک چھوٹے سے پتھر سے اس قدر کثیر پانی نکلنا۔ تیسرے یہ کہ پانی کا بقدر حاجت نکلنا۔ چوتھے یہ کہ محض عصا کے مارنے سے پانی کا بہہ پڑنا۔ پانچویں یہ کہ ضرورت پوری ہو جانے پر پانی کا بند ہو جانا۔ پس یہ واقعہ قدرت الٰہی کا ایک خاص نشان اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور بنی اسرائیل کے لئے بے آب و گیاہ بیابان میدان میں ایک عظیم الشان نعمت تھی کہ جس کے بغیر حیات و زندگی کا بقا ناممکن تھا، اور جو بغیر کسی مشقت کے عطا فرمائی۔

ایسے معجزات انبیاء کرام علیہم السلام سے باذن حق تعالیٰ ظاہر ہوتے رہے ہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں بکثرت فرمایا گیا ہے اور معجزات انبیاء کا ثبوت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ آپ کا ایک معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہونا بخاری شریف کی ایک روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو معجزات کو برکت سمجھتے تھے اور تم انکو خوف کی چیز سمجھتے ہو۔ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پانی کی کمی ہو گئی۔ آپ نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس کچھ پانی بچا ہو تو لے آؤ۔ صحابہ ایک برتن لے آئے جس میں ذرا سا پانی تھا آپ نے برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور فرمایا چلو اور وضو کا پانی اور خدا کی برکت لو۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح پھوٹ رہا ہے اور آپ کے عہد مبارک میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہم کھانا کھایا کرتے تھے اور کھانے کی تسبیح اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ مگر اب دین سے غفلت و ناواقفیت، عقائد کی خرابی اور کمیونزم اور سوشلزم جیسی لعنتوں کے شیوع کے باعث ایسے بھی نام نہاد مدعی اسلام موجود ہیں کہ جنکی عقل معجزات انبیاء کو تسلیم نہیں کرتی۔ حالانکہ ہر خاص و عام کے لئے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ انبیاء

Marfat.com

ورُسل سے جو معجزات اثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی ثابت ہو چکے ہیں ان پر ایمان لائے اور ان کے وجود اور ان کی حقیقت کا اعتراف کرے اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار درحقیقت اسلام سے انکار ہے۔ معجزہ درحقیقت نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو نبی کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتا اور معجزہ کہلاتا ہے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت وطاقت سے ہر ناممکن چیز بھی ممکن ہے اس لئے اگر قدرتِ خداوندی اپنے پیغمبر کے ہاتھ سے کوئی ایسا عمل دکھلادے جو عام سلسلہ اسباب کے بغیر عالم وجود میں آجائے تو اس میں کون سی حیرت اور تعجب کی بات ہے ہاں جو شخص خدا اور اسکی صفات خصوصاً صفت قدرت کو ہی نہیں مانتا تو وہ معجزات ہی کو کیوں مانے گا حالانکہ یہ مسئلہ معجزات عقلاً بھی قابلِ تسلیم ہے۔ دُنیا میں ایک عام دستور ہے کہ جب کوئی دنیوی بادشاہ کسی کو اپنی طرف سے مملکت کے کسی صوبہ یا حصّہ کا حاکم یا عامل مثل گورنر و وائسرائے وغیرہ بنا کر بھیجتے ہیں تو اس کے ساتھ کچھ خاص نشانیاں ایسی دی جاتی ہیں کہ جن کو دیکھ کر عام لوگوں کو اس کی گورنری یا وائسرائے ہونے کا یقین آجائے مثلاً اس کو مخصوص حشم وخدم۔ فوج اور خاص امتیازات، اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جن کو عام رعایا نافذ نہیں کرسکتی اور وہ ہر ایک پر نافذ کرسکتا ہے۔ اسی طرح جب خدائے تعالےٰ کے رسول دُنیا میں آئے تو اُن کے ساتھ صدق ودیانت اور حُسن خُلق اور جملہ کمالات بشریہ کی نشانیوں کے ساتھ ایک قوتِ قاہرہ جس کا دوسرا نام تائید ایزدی ہے وہ بھی ساتھ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے معاندین کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ اسی قوتِ قاہرہ کا نام معجزات ہے۔ یہ مختصر سا کلام موقع کی مناسبت سے معجزاتِ انبیاء ورسل کے متعلق ضروری سمجھ کر بیان کیا گیا۔

الغرض اس آیت میں بھی قوم بنی اسرائیل پر ایک عظیم الشان احسان فرمایا گیا تھا، یہود مدینہ کو یاد دلایا گیا تاکہ وہ احسان مانیں اور خدا کی قدرت کے معترف ہو کر اس کی نافرمانی سے بچیں اور ان کے بڑوں کو جو نصیحت وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ۔ (اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے) کی گئی اسکا یہ بھی خیال کریں۔

اب یہاں تو اللہ تعالےٰ نے اُن واقعات کا ذکر فرمایا جن میں حق تعالیٰ کے خصوصی انعامات واحسانات کا بیان تھا۔ آئندہ وہ واقعات بیان کئے جاتے ہیں کہ باوجود اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات اور انعامات عظیمہ کے یہ قوم بنی اسرائیل کیسی شرارت اور سرکشی کرتی رہی اور انبیاء کے ساتھ کیسا عناد برتا اور ان کی مخالفت کرتے رہے اور کفرانِ نعمت کرتے رہے جس کا بیان اگلی آیات سے آئندہ درس سے شروع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دُعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی شب وروز کی ظاہری وباطنی نعمتوں کا احساس عطا فرمائیں اور ان کی قدر دانی اور شکر گذاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائیں کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھا کر اسی کی نافرمانی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ظاہر میں اور باطن میں اپنی فرمانبرداری اور تابع داری نصیب فرمائیں اور اسی پر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۳۱

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ

اور جب تم لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے ۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں کہ جو زمین میں اگا کرتی ہیں

بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ

ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز آپ نے فرمایا

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے ۔ کسی شہر میں

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

اترو البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو ۔ اور جم گئی اُن پر ذلت

وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

اور پستی اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے ۔ یہ اس وجہ سے

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق ۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع ۷ ۲ ۷

یہ اس وجہ سے کہ اُن لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ سے نکل نکل جاتے تھے ۔

تفسیر و تشریح :۔ اس سورۃ کے چھٹے رکوع کے شروع سے گذشتہ آیت تک حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بعض خاص انعامات و احسانات جو قوم بنی اسرائیل پر فرمائے گئے تھے ان کا ذکر فرمایا ۔ اب یہاں سے زیادہ تر اُن واقعات و معاملات کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ باوجود ایسے انعامات و احسانات کے بنی اسرائیل نے کیسا کفران نعمت ۔ سرکشی ۔ نافرمانی ۔ شرارت اور احکام الٰہیہ سے حیلہ سازی ۔ اپنے انبیاء کو ایذا دہی حتیٰ کہ بعض کو قتل تک کر دینے کی بے باکی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم نے اللہ کے غصہ اور غضب کو مول لیا اور ان پر خدائی غضب ذلت و مسکنت ۔ محکومی اور رسوائی کی شکل میں مسلط ہوا ۔

Marfat.com

انعامات واحسانات کے بعد اس قوم کی برائیوں۔ شرارتوں۔ گستاخیوں کو بیان فرما کر یہود مدینہ کو عبرت ونصیحت دلائی جاتی ہے کہ جہاں گذشتہ نعمتوں کو یاد کر کے اللہ کی محبت اور اس کی اطاعت کی رغبت پیدا ہو۔ وہیں اپنی قوم کی گذشتہ شرارتوں اور شناعتوں سے دل میں نفرت پیدا ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلی شناعت بنی اسرائیل کی اس آیت میں ذکر فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ اے بنی اسرائیل یعنی قوم یہود وہ زمانہ یاد کرو جب تم لوگوں نے یوں کہا کہ اے موسیٰ روز کے روز ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر یعنی مَن وسلویٰ پر کبھی نہ رہیں گے۔ آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اگا کرتی ہیں۔ ساگ ہوا، ککڑی ہوئی، گیہوں ہوا مسور ہوئی، پیاز ہوئی۔ آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہو؛ اگر تم نہیں مانتے تو اچھا کسی شہر میں جا کر اترو وہاں البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو، اور ایسی ایسی گستاخیوں سے ایک زمانہ میں جا کر نقش کی طرح جم گئی اُن پر ذلت کہ دوسروں کی نگاہ میں قدر نہ رہی اور جم گئی پستی کہ خود ان کی طبائع میں اولعزمی نہ رہی اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے اور یہ ذلت وغضب اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو کہ وہ قتل اُن کے نزدیک بھی ناحق ہوتا تھا اور نیز یہ ذلت وغضب اس وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور اطاعت سے نکل نکل جاتے تھے۔

جس قصہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے یہ واقعہ بھی وادی تیہ کا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے محنت ومشقت کے لطیف غذا مَن وسلویٰ عطا فرما رکھی تھی۔ صاف ستھرا شیریں پانی پینے کو مرحمت کیا تھا لیکن بنی اسرائیل سے ایک ہی قسم کے کھانے پر یعنی مَن وسلویٰ پر صبر نہ ہو سکا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہر روز ہم کو من وسلویٰ ہی ملتا ہے۔ ہم کو یہ بات پسند نہیں ہماری طبیعت اور چیزوں کو بھی چاہتی ہے ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے ہماری طبیعت اُکتا گئی۔ آپ ہمارے لئے خدا سے دعا فرمائیں کہ زمین کی سبزی ترکاریاں، ککڑی، گیہوں، مسور پیاز ہم کو عطا کرے اس سے ہمارا ذائقہ بدلے گا اور کچھ لطف حاصل ہوگا۔ بنی اسرائیل کی اس درخواست پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم کیسی سمجھ رکھتے ہو کہ افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اور بہتر وعمدہ کے بدلہ میں کمتر چیز کو چاہتے ہو۔ وہ رزق الٰہی یعنی مَن وسلویٰ جو لطیف وبابرکت ہے، بغیر محنت ومشقت کے تم کو ملتا ہے اور اس کا مزہ اور لطافت مناسب روحانیت ہے اور اس کو کھا کر تم درجات آخرت حاصل کرنے کے لئے فارغ البال ہو۔ ایسی بیش بہا سہل الحصول لطیف غذا کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو مانگتے ہو جو صرف اسی جسمانی زبان سے متعلق ہیں اور پھر بغیر مشقت ومحنت کے وہ تم کو حاصل بھی نہیں ہو سکتیں آخر کیوں اس کو پسند کرتے ہو لیکن بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کو نہ مانا اور اپنی درخواست پر اصرار کیا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اگر تم نہیں مانتے تو کسی شہر میں جا کر اترو وہاں تم کو یہ

Marfat.com

چیزیں ملیں گی جو تم مانگتے ہو۔

اس واقعہ سے بنی اسرائیل کی کئی برائیاں اور گستاخیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ انہوں نے کمال بے ادبی اور گستاخی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر پکارا اور کہا یا موسیٰ حالانکہ مقتضائے ادب یہ تھا کہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ۔ یا کلیم اللہ کہہ کر عرض معروض کرتے۔ دوسری گستاخی یہ تھی کہ انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہ کریں گے۔ اگر حقیقتاً ان میں صبر کی طاقت نہ تھی تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ ہم میں صبر کی طاقت نہیں۔ بلکہ مناسب تو یہ تھا کہ بعد شکر اللہ کی نعمت کو قبول کرتے اس پر صابر و شاکر رہتے اور بعد ادب رب العزت سے درخواست کرتے کہ اے اللہ! ہم عاجز۔ کمزور اور ناتواں بندے ہیں۔ ہم کو صبر و تحمل عطا فرما۔ تیسری گستاخی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے، حالانکہ کہنا چاہیئے تھا کہ اے اللہ کے نبی ہمارے لئے ہمارے رب سے دعا کیجئے۔ ان کے کلام کا تو بظاہر مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے رب ہیں مگر ان کے رب نہیں۔ چوتھی گستاخی یہ تھی کہ اپنے پیغمبر اور ہادی کی نصیحت کو نہ مانا۔ چنانچہ امت کا اپنے پیغمبر کی نصیحت کے نہ ماننے کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ آگے ظاہر فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ بنی اسرائیل پر ان کی مسلسل سرکشی و نافرمانی کے باعث اللہ کا غصہ ان پر ظاہر ہوا اور ان پر ذلت و پستی کی مار پڑی اور غضبِ الٰہی کے مستوجب و مستحق ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود قوم ہمیشہ کسی نہ کسی طرح ذلت کا شکار رہی اور جو شوکت و عزت اور شرف و بزرگ کبھی اس قوم کو دنیا میں حاصل تھی وہ پھر کبھی نصیب ہوئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اوّل ایرانیوں نے ان کو برباد و ذلیل کیا۔ پھر رومیوں کے غلام ہوئے، پھر مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کیا یا اُن کے ہاتھوں قتل و قید ہوئے اور جلاوطن ہوئے۔ الغرض وہ قوم جو انبیاء علیہم السلام کی اولاد سے ہوا اور وہ لاثانی سلطنت۔ قوت۔ شوکت و عزت، جیسا کہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کو حاصل تھی کی مالک ہو مگر اپنی شامتِ اعمال اور خدا کے غضب سے کس درجہ ذلیل و خوار ہوئے کہ دنیا میں ان کی کوئی شوکت و عزت باقی نہ رہی۔

یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار وجہ ظاہر فرمائے کہ جن کے سبب سے اس قوم یہود پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ پہلی وجہ فرمائی یَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے) یعنی اللہ کی آیات اور احکام پر خوشی خوشی عمل نہیں کرتے تھے بلکہ خواہ مخواہ بال کی کھال کھینچتے اور بے جا اعتراضات کرتے تھے۔ دوسری وجہ فرمائی وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ (اور نبیوں کو ناحق خون کرتے تھے۔) ابو داؤد میں حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے تین سو انبیاؑ کو قتل کیا ہے جن میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام بھی شامل ہیں یعنی حضرات انبیاء نے ان کو حق کی دعوت دی اور دین کی نصیحت کی اور فلاح دارین کی طرف بلایا اور ان لوگوں نے ناحق ان کا مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ

ان کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔ مُسْنَدْ احمد میں حضرت عبداللہ بن مَسْعُوْدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب والا قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جس کو کسی نبی نے قتل کیا یا اس نے کسی نبی کو قتل کیا یا کسی گمراہی کا پیشوا یا تصویر بنانے والا۔ تیسری وجہ یہ فرمائی ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا یعنی وہ نافرمانیاں اور سرکشی کیا کرتے تھے اور چوتھی وجہ فرمائی وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ یعنی وہ حد سے بڑھ جاتے تھے اپنے اعمال و اقوال اور عقائد میں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) یوسف نجّار کا بیٹا اور جادوگر کہتے تھے اور حضرت مریم علیہا السلام پر (معاذ اللہ) بدکاری کا الزام لگاتے تھے یہ سب اُن کی بہتان بندی اور افترا پردازی تھی۔ انہی سب وجوہات کی بناء پر اللہ نے اس یہود قوم کو دُنیا میں ذلت اور اپنے غضب کی سزا دی۔

اس آیت سے کئی باتیں بطور نتیجہ معلوم ہوئیں:۔ ایک یہ کہ علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ جو معاملہ اور جو طریقہ رزق رسانی کا تجویز فرما دیں اس کو بلاضرورت تبدیل کرنا اور اس کو ترک کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کو بلا کسب کے آسمانی رزق مَنّ وسلویٰ ملتا تھا مگر انہوں نے اس طریق رزق کو بدلا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نعمت بھی چھن گئی اور آئندہ بھی محتاجی حاصل ہوئی۔ دوسرے یہ کہ جب تک کوئی قوم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی شکر گذار رہتی ہے وہ نعمتیں قائم رہتی ہیں اور جہاں فسق و فجور میں پڑ کر احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کی تو وہ نعمتیں بھی زائل ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی سزا بھی بھگتنی پڑتی ہے۔ اور یہ قانونِ خداوندی عام ہے کوئی قوم ہو یا کوئی ملّت ہو جو ملّت اپنے نبی اور احکامِ خداوندی کی تابعداری کرے گی دین و دنیا میں سربلند ہوگی اور جو اس کے خلاف کرے گی وہ دین و دُنیا دونوں جگہ ذلّت و رسوائی اُٹھائے گی۔

قرآن کریم میں یہ بنی اسرائیل کے واقعات مُسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ اللہ کے ہاں ایمان اور عمل صالح کی قدر ہے۔ وہاں کسی خاص ذات یا خاندان یا قوم کا کوئی امتیاز نہیں۔ دیکھ لیجئے وہی عرب قوم جس کی دھاک اللہ اور اس کے رسُول کی تابعداری کے باعث ساری دُنیا میں تھی آج اُسی عرب قوم پر یہود جیسی مغضوب و ملعون قوم کس طرح مسلط ہے۔ کیا یہ خدائی قانون کا کھلا ہوا مظاہرہ نہیں۔ افسوس کہ اس ملّت نے بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکامات سے غفلت اور اعراض برت کر اس کے جو نتائج ہوتے دیکھے اور دیکھ رہے ہیں۔ اور اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اپنے کرم و رحم اور قدرت سے ہماری اصلاح کی صورتیں غیب سے پیدا فرما دیں۔ آمین۔

اب اس آیت میں وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ (اور جم گئی اُن پر ذلّت اور پستی اور مستحق ہو گئے غضبِ الٰہی کے) کو شکر اور یہود کی شرارتوں کا حال

Marfat.com

معلوم کر کے سامعین کو یا خود کسی یہودی کو خیال گذر سکتا تھا کہ اب تو شاید اس قوم کے افراد اگر معذرت کر کے ایمان بھی لانا چاہیں تو حق تعالیٰ کے نزدیک غالباً قبول نہ ہو۔ اس خیال کے دفع کے لئے آگے ایک قانونِ کلّی ظاہر فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا ؂

دُعا کیجئے:-

یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ ہم کو اسلام جیسا دین۔ قرآنِ کریم جیسی کتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اشرف الانبیاء نبی عطا فرمائے۔ اے اللہ! ہم کو ان نعمتوں کی سچی قدردانی اور پوری شکر گذاری نصیب فرما۔ اور اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعتِ کاملہ نصیب فرما۔ اے اللہ! ہم کو قرآن و سنت کا اتباع کامل نصیب فرما اور اپنے کرم سے ہم کو اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے کامل طور پر بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔

اے اللہ! ہم اتباعِ شریعت۔ اتباعِ قرآن اور اتباعِ سنت چھوڑ کر نفس اور شیطان کی گمراہیوں میں پھنس گئے ہیں۔

اے اللہ! ہمیں پھر بھولا ہوا سبق یاد دلادے اور ہمارے ملک قوم اور معاشرہ کی اصلاح فرمادے۔ اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرمادے۔ اور اس ملک میں شریعتِ اسلامیہ کا بول بالا فرمادے۔ قرآنی احکام کا نفاذ فرمادے۔

اے اللہ! حاکم و محکوم، چھوٹے اور بڑے ہر ایک کو ہدایت سے نوازدے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۳۲

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَ
بیشک تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ اور
الصّٰبِـُٔوْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ
فرقہ صابئین جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر اور کارگذاری
صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
اچھی کرے ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس اور کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں
عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے ۔

تفسیر و تشریح: ۔ اُوپر یہ ذکر ہوا تھا کہ یہود آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرنے اور خدا کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے اور حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنے اور معصیت و نافرمانی میں جرأت و دلیری کرنے کے باعث غضب خداوندی کے مستحق ہوئے اور ذلت و مسکنت ان پر مسلط کر دی گئی اور جو شوکت و عزت اس قوم کو دُنیا میں کبھی حاصل تھی وہ سب مٹ گئی اور دوسری قوموں نے ان کو خوب ہی ذلیل و رسوا کیا جیسا کہ تاریخ گواہ ہے ۔ اسلئے یہود مدینہ جن کو یہ واقعات و حالات بسلسلہ تبلیغ اسلام سُنائے جا رہے ہیں، ان کو خیال گذر سکتا تھا کہ اب تو معذرت کر کے اگر ہم ایمان لانا بھی چاہیں تو حق تعالیٰ کے نزدیک غالباً قبول نہ ہو اور اب ہم کچھ بھی کریں ہمارے آباء و اجداد کے جرائم کے سبب سے ہماری دینی و دنیوی ذلت دُور نہیں ہو سکتی ۔ تو اس خیال کے دفع کے لئے اس آج کی آیت میں ایک قانون کُلی بیان فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے "یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان (مراد اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے) اور یہود جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کہتے ہیں ۔ اور نصاریٰ یعنی دین عیسوی کے متبعین جو اپنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت کہتے ہیں ۔ اور صابئین مُراد وہ فرقہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے تھے یا فرشتوں کو پوجتے ۔ ایران کے قدیمی آتش پرستوں کو اور ہندوستان کے قدیمی بُت پرستوں کو اسی فرقہ کی شاخیں ہونا بتلایا گیا ہے ۔ ان سب میں جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اور قیامت پر، اور کارگذاری اچھی کرے موافق قانون شریعت کے ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور وہاں جا کر کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں اُن پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محض نام و لقب کوئی چیز نہیں اور نہ اُن کے ہاں کسی مخصوص نسل یا قوم کی خاندانی عزت اور امتیاز قابلِ اعتبار ہے

Marfat.com

لوگ خواہ کسی نسل یا قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ ان کا لقب کچھ بھی ہو اللہ کے ہاں ایمان اور عمل صالحہ پر دارومدار ہے۔ پس خواہ کوئی ہو مسلمان ہو خواہ یہودی ہو، خواہ عیسائی ہو خواہ صابی ہو اللہ کے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں۔ جو شخص پوری اطاعت اعتقاد اور اعمال میں اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو اللہ کے یہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور رہے اور ظاہر ہے کہ بعد نزول قرآن کے پوری اطاعت دین محمدی یعنی مسلمان ہونے میں منحصر ہے مطلب یہ ہوا کہ جو سچا مسلمان ہو جائیگا مستحق اجر و نجات اخروی ہوگا تو اس میں اس خیال کا کہ گذشتہ شرارتوں کے بعد بھی اگر یہود اب پکے اور سچے مسلمان ہو جائیں تو اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ جواب دیا گیا، گویا اس آیت میں لوگوں کی نجات کے لئے تین باتوں کا ہونا ضروری فرمایا۔ ایک تو اللہ کو ماننا اور جب اللہ کو مانیں گے تو اس کے احکام کو بھی مانیں گے اور اللہ کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے معلوم ہوئے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا بھی اللہ کے ماننے میں شامل ہو گیا۔ دوسرے آخرت کو ماننا۔ جب آخرت کو مانیں گے تو عذاب ثواب۔ جزا و سزا۔ جنت و جہنم کو بھی مانیں گے۔ تیسرے عمل صالحہ یعنی نیک کام کرنا۔ اور نیک کام وہی ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے نیک بتلایا ہے اور جس طریقہ سے بتلایا ہے گویا اللہ اور رسول کے احکامات کے اتباع کا نام عمل صالحہ ہے۔

اب یہاں اس آیت میں جو قانون بیان فرمایا گیا سوال ہو سکتا ہے کہ اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی کیا ضرورت تھی کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں ہی۔ یہ قانون تو یہود۔ نصاریٰ صابئین وغیرہ کے لئے ہے تو اس کے جواب میں حضرت تھانوی رح نے لکھا ہے کہ اس سے کلام میں ایک خاص بلاغت اور ایک خاص وقعت پیدا ہو گئی ہے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کرے گا مورد عنایت ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے سنانا ہے اصل میں مخالف کو لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری جو موافقین پر عنایت ہے سو اس کی علت ان سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ ان کی صفت موافقت اور اطاعت مدار ہے ہماری عنایت کا، سو مخالف بھی اگر اختیار کرے وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جاوے گا۔ اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

اس آیت کے تحت بعض مفسرین نے ایک تنبیہ بھی ذکر کی ہے اور وہ یہ کہ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ فقط اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی ہے۔ انبیاء اور ملائکہ اور آسمانی کتب وغیرہ پر ایمان لانا ضروری نہیں قرآن کریم کی صدہا اور نصوص اس بات پر صراحۃً دال ہیں کہ جو شخص انبیاء اور ملائکہ کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے۔ کیونکہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا اسوقت تک ممکن نہیں کہ جب تک انبیاء اور ملائکہ اور آسمانی کتب پر ایمان نہ لائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات

Marfat.com

اور آخرت کے احوال کی معرفت کا ذریعہ انبیاء اور کتب آسمانی ہیں اور وحی اور کتب آسمانی کا نزول فرشتہ کی وساطت سے ہوتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ ایمان باللہ اور ایمان بیوم الآخرۃ موقوف ہے ایمان بالانبیاء اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب پر اس لئے یہاں ان تین چیزوں پر ایمان لانے کو علیحدہ نہیں بیان فرمایا گیا۔ گویا یہاں ایمان باللہ کا ذکر اجمالی ہے باقی تفصیلی ذکر قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں موجود ہے۔

چنانچہ اسی سورۃ بقرہ دوسرے پارہ آیت نمبر ۱۷۷ میں ارشاد ہے :۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

"نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کر و اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر، اور سب کتابوں پر اور تمام پیغمبروں پر۔"

آگے اسی سورہ بقرہ کے ختم پر تیسرے پارہ آیت نمبر ۲۸۵ میں ارشاد ہے :۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ

"سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اُسکے پیغمبروں میں سے۔"

یعنی بلاتفریق تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ بعض پر ایمان لانا اور بعض پر نہ لانا نجات اور ایمان کے لئے کافی نہیں۔ اللہ کے ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کے انکار کے برابر ہے۔ اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لائیں سب کو اللہ کے سچے رسول مانیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ جیسے یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ مانا جیسا کہ چھٹے پارہ سورۃ نسآء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ

"تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ نکالیں ایسے لوگ پکے کافر ہیں۔"

Marfat.com

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلاتفریق تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔

الغرض خلاصہ مطلب اس آیت کا اور اس قانون کا جو فرمایا گیا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ جو بھی صحیح معنیٰ میں ایمان لے آئے اور عمل صالحہ اختیار کرے وہ عذاب الٰہی سے نجات پا جائے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو اور ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے اُن کے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور وہاں جاکر بوجہ ایمان اور عمل صالحہ کے کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں اُن پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے یعنی ان تمام شرارتوں کے بعد بھی اگر اسلام قبول کرلیں تو گذشتہ سب معاف ہو جائے گا اور ان کا ایمان اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول ہوگا۔

اب یہ عام قانون بیان فرماکر پھر وہی مضمون جو اُوپر سے چل رہا ہے یعنی بنی اسرائیل کے معاملات اُن کی نافرمانی اور شرارت کا ذکر اس کا بیان اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا ؛

دُعا کیجئے:۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی ذات پر اور اپنی صفات پر اور یوم آخرت پر حقیقی اور سچا و پکا ایمان نصیب فرمادیں۔ اور اس ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ آپ کی توفیق اور فضل و کرم سے ہم سے جو اعمالِ صالحہ آج دُنیا میں ہو جائیں ان کو اپنے کرم سے قبول فرمالیجئے اور ہماری سعی کو مشکور فرمایئے۔ اور اس کا اجر و ثواب اپنی رحمت سے ہم کو آخرت میں عطا فرمایئے۔ یا اللہ! ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمالیجئے کہ جن کو آخرت میں پہنچکر نہ خوف ہوگا نہ غم۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۳۳

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا

اور جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا کہ قبول کرو

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ

متقی بن جاؤ ۔ پھر تم اس قول وقرار کے بعد بھی پھر گئے ۔ سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ

اور رحم نہ ہوتا تو ضرور تم تباہ ہو جاتے ۔ اور تم

عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا

جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے تجاوز کیا تھا در بارہ یوم ہفتہ کے سو ہم نے ان کو کہدیا

لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا

کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ ۔ پھر ہم نے اسکو ایک عبرت بنا دیا اُن لوگوں کے لئے بھی

بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

جو اس قوم کے معاصر تھے اور اُن لوگوں کے لئے بھی جو بعد زمانہ میں آتے رہے اور موجب نصیحت ہونے والوں کے لئے ۔

تفسیر وتشریح :۔ بنی اسرائیل سے مخاطبت کا جو سلسلہ اس سورۃ کے چھٹے رکوع سے شروع ہوا تھا وہ برابر جاری ہے ۔ مقصد ان واقعات کے بیان سے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہی ہے کہ ایک طرف تو خود یہود جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے انکو اپنی قوم کے گذشتہ واقعات وحالات سُن کر شرمساری اور ندامت ہو اور وہ اپنی حقیقت کو پہچان لیں اور اب ہدایت اور سیدھی راہ کی طرف مائل ہو جائیں اور دوسری طرف اس میں اہل اسلام کے لئے بھی عبرت و نصیحت ہے کہ وہ گذشتہ قوموں کے واقعات سے سبق لیں اور عبرت پکڑیں ۔ اپنے اعمال وافعال کا جائزہ لیں ۔ اور اُن اعمال وافعال کے قریب بھی نہ جائیں جن کے باعث گذشتہ میں اللہ کا غصہ اور غضب دوسری قوموں پر نازل ہو چکا ہے ۔

ان آیات میں بھی بنی اسرائیل کی تاریخ کے دو اہم واقعات کا ذکر فرمایا جاتا ہے ۔ ایک واقعہ کے متعلق

Marfat.com

ارشاد ہے ۔وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا کہ توراۃ پر عمل کریں گے اور اس قول و قرار لینے کے لئے ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا اور اس وقت کہا کہ جلدی قبول کرو کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے یعنی توراۃ مضبوطی کے ساتھ + اور یاد رکھو جو احکام اس کتاب میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ ۔

تفصیل اس واقعہ کی اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل مصر سے فرعونیوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بار بار اصرار کرتے تھے کہ ہمارے لئے احکام کی ایک مستند آسمانی کتاب لا دیجئے تاکہ اس پر عمل کر سکیں ۔جب موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر کتاب توریت عطا ہوئی اور آپ نے واپس تشریف لا کر قوم کو دکھلائی اور سنائی تو کہنے لگے کہ توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ۔ان پر ہم سے عمل نہیں ہو سکتا حالانکہ وہ سب احکام اُن کی حالت اور اُس وقت کے مناسب ہی تھے ۔پس اوّل تو اُنہوں نے یہی کہا کہ ہم سے خود اللہ تعالیٰ کہہ دیں کہ یہ ہماری کتاب ہے جب مانیں گے جس کا قصہ اوپر قریب ہی گذر چکا ہے کہ اس کام کے لئے بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی منتخب کئے گئے ۔غرض جب ان ستر آدمیوں نے شہادت دی ۔تو اپنی شہادت میں اتنی آمیزش بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر میں یہ بھی فرما دیا تھا کہ تم سے جس قدر ہو سکے عمل کرنا اور جو نہ ہو سکے معاف ہے ۔پس کچھ تو جبلی شرارت ۔کچھ احکام کی مشقت ، کچھ اس آمیزش سے بنی اسرائیل کو حیلہ ملا غرضکہ اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ ہم سے تو اس کتاب کے احکام پر عمل نہیں ہوتا ۔اُن کی اس نافرمانی اور بغاوت پر حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حکم دیا کہ طور پہاڑ کا ایک بڑا ٹکڑا اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دو کہ یا تو اس کتاب کے احکام کو قبول کرو ورنہ یہ پہاڑ تم پر ابھی گرا دیا جائے گا ۔ دیکھ کر بنی اسرائیل ڈر کے مارے کانپنے لگے اور ان میں مخالفت کی جرأت باقی نہ رہی تو اب چار و ناچار توریت کے حکموں کو مجبوراً قبول کرنا پڑا ۔

اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں یاد دلا رہے ہیں کہ اے بنی اسرائیلیو تمہارے آباء و اجداد سے اس طرح اقرار لیا گیا تھا کہ توریت کتاب الٰہی کے ماننے میں چون و چرا اور حیل و حجت سے کام نہ لینا اور اس آسمانی کتاب کے احکام و مضامین کو مضبوطی کے ساتھ یاد رکھنا اور زندگی کو اس کے احکام کے مطابق بسر کرنا تاکہ خوفِ خدا اور اللہ کا ڈر پیدا ہو کر تقویٰ کی زندگی گذار سکو ۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دین میں تو جبر و اکراہ نہیں تو پھر بنی اسرائیلیوں پر پہاڑ لٹکا کر انہیں تورات کے احکام قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے پر کیوں مجبور کیا گیا ؟ تو اس کا جواب علمائے محققین نے لکھا ہے کہ ابتداءً کسی کو قبولِ اسلام یا ایمان پر مجبور کرنے کی تو دین اجازت نہیں دیتا یعنی عام کافروں کو یہ اکراہ نہیں کریں گے کہ تو ایمان لے آ اور مسلمان ہو جا ورنہ تجھ کو مار ڈالیں گے ۔اسی لئے جہاد میں اسلام میں

Marfat.com

جزیہ بھی ہے کہ اس کے قبول کرنے سے بھی جہاد رک جاتا ہے البتہ مجوسی قبول ایمان و اسلام کے بعد اگر کوئی شخص دین کے دستور سے بغاوت کرے گا تو اسے ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ یہ بنی اسرائیل پہلے اپنی رضا و رغبت سے ایمان لا چکے تھے اور اب اپنے دین کے دستور سے یعنی توراۃ سے جس وقت ان کا دستور تھا بغاوت کر رہے تھے۔ اس لئے اسے برداشت نہیں کیا گیا اور بجبر و اکراہ ان سے توراۃ پر عمل کرنے کا عہد لیا گیا۔ گویا بقاء علی الایمان اور بجا آوری احکام پر مجبور کیا گیا جس کی نفی اور ممانعت پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی قائم نہیں۔

پس یہاں اشارہ اس عہد و پیمان کی طرف ہے کہ جو کوہ طور کو ان کے سروں پر معلق کر کے لیا گیا کہ جو احکام اس کتاب توراۃ میں تمہیں دیئے گئے ہیں۔ ان کی سختی سے پابندی کا وعدہ کرو ورنہ سب دبا کر ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ اس وقت تو چار و ناچار ان کو ماننا پڑا مگر اس کے کچھ عرصہ بعد ہی وہ اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہے اور احکام توریت کی خلاف ورزیاں کرنے لگے اسی کو یہاں فرمایا گیا ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

"پھر تم اس قول و قرار کے بعد بھی اس سے پھر گئے سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو اس عہد شکنی کا مقتضا یہ تھا کہ ضرور تم فوراً تباہ اور ہلاک ہو جاتے"۔ یعنی تمہاری بدعہدی اور عہد شکنی کا اقتضا تو یہ تھا کہ تم کو فوراً عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا مگر پھر اللہ نے اپنا فضل و مہربانی تم پر فرمائی اور اپنی رحمت سے حضرت شمویلؑ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور دیگر انبیاء کو بھیج کر تمہاری ہدایت اور راہ راست پر لانے کا سامان کیا۔ یہ خدا کا فضل تھا ورنہ یہود تو دنیا میں اپنی تباہی اور عذاب آخرت کا سامان کر ہی چکے تھے۔ بظاہر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو سنایا جا رہا ہے اور مقصد اس سے یہی ہے کہ یہود اپنی قوم پر گذشتہ زمانے کے گذرے ہوئے واقعات سے عبرت حاصل کریں اور اب خدا کی نافرمانی اور اسکے احکام سے سرتابی کی جرأت نہ کریں اور توریت میں ان سے جو نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا جا چکا ہے اسکو پورا کریں اور نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لا کر اسلام کو قبول کر لیں تاکہ اب خسارہ اور نقصان اٹھانے والوں میں سے نہ بنیں ورنہ تم بھی عہد شکنی کرنے والوں میں شامل سمجھے جاؤ گے اور عہد شکنی کی سزا کے مستحق ہو گے۔ اور سزا ملنے کو کچھ بعید اور محال نہ سمجھنا۔ ایسا گذشتہ میں تمہاری قوم کے ساتھ ہو چکا ہے اور تم کو بھی خوب معلوم ہے کہ تمہاری قوم کے پہلے لوگوں نے ہفتہ کے بارہ میں توریت کے حکم سے عدول کیا اور پیغمبر وقت کی متابعت سے انحراف کیا جس کا نتیجہ سوائے مسخ اور لعنت و ہلاکت کے کیا ملا چنانچہ وہ واقعہ آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے شرع سے تجاوز کیا تھا درباره اس حکم کے

جو یوم ہفتہ کے متعلق تھا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں سو ہم نے ان کو اپنے حکم قہری سے کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ۔ چنانچہ وہ بندروں کے قالب میں مسخ ہو گئے۔ پھر ہم نے اس کو ایک واقعہ عبرت انگیز بنا دیا ان لوگوں کے لئے بھی جو اس قوم کے معاصر تھے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو مابعد زمانہ میں آتے رہے اور نیز اس واقعہ کو موجب نصیحت بنایا خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔"

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کئی سو سال بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کی ملک شام کے غربی جانب سمندر کے کنارے ایک آبادی تھی جس کا نام اَیلَہ تھا اس میں تقریباً اسّی ہزار یہودی آباد تھے اور ان کی تجارت کا مدار مچھلیوں پر تھا۔ سنیچر کے روز جس کو سَبت کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں شکار کھیلنے یا کاروبار دنیوی کرنے کی سخت ممانعت تھی جیسا کہ توریت میں حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور امتحاناً یہ صورت کر دی کہ سنیچر ہی کے دن بڑی کثرت سے مچھلیاں پانی کی سطح پر تیر کر آجایا کرتی تھیں اور باقی دنوں میں پانی کے اندر رہا کرتی تھیں۔ یہ حالت ایک عرصہ تک قائم رہی تو اس بستی کے یہودیوں کو حیلہ سازی اور کوئی تدبیر نکالنے کی فکر ہوئی کہ اللہ کے حکم کی ظاہری صورت بھی برقرار رہے یعنی سنیچر کے دن شکار نہ کرنے کا حکم بھی چورا ہو جائے اور مچھلیاں جو اسی دن کثرت سے آئیں وہ بھی ہاتھ لگ جائیں پس پہلے تو ایک شخص نے یہ حرکت کی کہ سنیچر کے روز ایک مچھلی پکڑ کر ڈورے سے باندھ کر پانی میں چھوڑ دی اور پانی کے کنارے ایک کیل گاڑ کر ڈوری کا کنارہ اس کیل سے باندھ دیا تاکہ مچھلی جا نہ سکے پھر اتوار کا دن ہوا تو اس کو پکڑ لایا۔ اسی طرح اس نے دوسرے سنیچر کو کیا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اسی طرح خفیہ خفیہ یہ حرکت کرنی شروع کر دی اور اسی طرح کچھ عرصہ تک کرتے رہے پھر یہ لوگ اور دلیر ہو گئے اور علی الاعلان سمندر کے کنارے قریب قریب گھر بنا کر حوض اور تالاب کھود لئے اور سمندر سے نالیاں کاٹ کر حوضوں تک پہنچا دیں سنیچر کے دن حسب معمول مچھلیاں پانی کی سطح پر آتی تھیں اور نالیوں میں ہوتی ہوئی حوضوں میں آجاتیں اور وہ نالیوں کو بند کر دیتے تاکہ واپس نہ جا سکیں اور اتوار کے دن یہ مچھلیاں پکڑ لیتے اور علانیہ بازاروں میں فروخت کرتے۔ بنی اسرائیل کے بیشتر فرقے حضرت داؤد علیہ السلام نے منع فرمایا کہ ایسی حرکت نہ کرو تو تقریباً بارہ سو یہودی تو حضرت داؤد علیہ السلام سے متفق رہے بلکہ پہلے ہی سے یہ لوگ اس حیلہ سازی اور چالبازی میں شریک نہ تھے اور دوسروں کو بھی اس جرم سے منع کرتے تھے۔ باقی یہود کے دو گروہ ہو گئے ایک علی الاعلان مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرنے والا اور دوسرا گروہ خود تو شکار نہ کرتا لیکن دوسروں کو شکار کرنے سے منع بھی نہ کرتا تھا۔

بہرحال اس یوم عبادت کی بے حرمتی، حکم الٰہی کی نافرمانی اور تعدی اور گناہ کی وجہ سے اس بیباک فرقہ کو بندروں کی صورت پر مسخ کر دیا گیا اور تین دن کے اندر یہ مجرم گروہ اپنے اپنے مکانوں کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ مسخ شدہ قوم تین دن کے اندر سب ہلاک ہو گئی۔

Marfat.com

اور ان کی کوئی نسل نہیں - یہ بندر جواب موجود ہیں سا ور جو اُس وقت بھی موجود تھے یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کیئے گئے تھے -

یہ واقعہ اگرچہ بنی اسرائیل کے ایک فرقہ کا ہُوا تھا مگر اس واقعہ کو خود بنی اسرائیل کی تاریخ اور کتابوں میں کافی اہمیت حاصل تھی اور یہ عبرت انگیز واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود بھی خوب جانتے تھے اسی لئے یہاں آیت میں فرمایا وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ یعنی یقیناً تمہیں اُن لوگوں کا علم بھی ہے -

آگے اس سزائے مسخ کی حکمت ارشاد فرمائی گئی کہ یہ سزا بندر بنا دیئے جانے کی اس لئے دی گئی کہ نافرمانوں کو عبرت اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہو - اس وقت کے لوگوں کے لئے بھی یہ واقعہ باعثِ عبرت ہوا اور بعد کے آنے والے لوگوں کے لئے بھی باعثِ نصیحت ٹھیرا تاکہ سب لوگ اللہ کے حکم کی نافرمانی کے انجام سے آگاہ اور خبردار رہیں اور زندگی کے ہر معاملہ میں محتاط اور خدا سے ڈرنے والے رہیں -

اس واقعہ کے بیان میں جہاں یہود مدینہ کے لئے تنبیہ و ہدایت ہے کہ تم اللہ کے حکم سے سرتابی نہ کرو اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی مان کر آپ پر ایمان لے آؤ اور آپ کے حکم کی تعمیل کرو، وہیں اس واقعہ میں اس امر کی بھی صحیح دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہیں اور وہ اپنے سچے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دے رہے ہیں - آیت کا اخیر جملہ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ - یعنی متقین اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس واقعہ کا نصیحت بنانا خصوصی طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا سے ڈرنے والے اس سے پوری طرح نصیحت حاصل کریں گے اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کسی حال میں نہ کریں گے کیونکہ نافرمانی اللہ کے غصہ اور غضب کا سبب بنتی ہے -

ان آیات سے اور ان واقعاتِ مذکورہ سے جو عام تعلیم اور سبق ملتے ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) کوہ طور کے سروں پر معلق کیئے جانے کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح شفیق ماں باپ اپنی بیمار اولاد کو اسکے فائدہ کے لئے کبھی زبردستی کڑوی دوا پلاتے ہیں تاکہ نتیجہ میں اُسے صحت حاصل ہو اور بیماری سے نجات ہو گو لڑکا اس امر کو اپنے اوپر زیادتی اور سختی سمجھتا ہے مگر درحقیقت وہ ماں باپ کی شفقت ہی ہوتی ہے اسی طرح بعض وقت اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ کوئی معاملہ فرماتے ہیں جس کو بظاہر بندہ اپنے اُوپر سختی خیال کرتا ہے مگر درحقیقت اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پنہاں ہوتی ہے اور انجام کار اس سختی کا بندہ کے حق میں بہتری اور اس کی بھلائی ہی ہوتی ہے خواہ وہ دنیا کی ہو یا آخرت کی یا دونوں جہان کی - یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر موقوف ہے -

(۲) فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت بار بار کی نافرمانیوں کے باوجود بندوں کے شاملِ حال رہتا ہے - تو جو بندے اس کے فرمانبردار ہوں گے ان پر تو اُس کا فضل اور رحمت بدرجہ اَولیٰ ہو گا -

(۳) واقعہ سَبْت یعنی سنیچر ہی کے دِن میں جس روز شکار کی ممانعت تھی مچھلیوں کا بکثرت ظاہر ہونے کے واقعہ

Marfat.com

سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بعض امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان کے لئے آتے ہیں اور اُن سے مقصود یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اللہ کے بندے سختی اور آسائش دونوں حالتوں میں اللہ کے فرمانبردار رہتے ہیں یا نہیں جو بندے آزمائش میں پورے اُترتے ہیں اُن کے لئے پھر آسانیاں ہی آسانیاں ہیں لیکن جو بے صبری میں مبتلا ہو کر نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں پھر اُن کے لئے سزا بھی سخت ہے۔

(۴) یہود کی حیلہ سازی اور چالبازی سے سنیچر کے دن ظاہر ہونے والی مچھلیوں کو اتوار کے دن پکڑ لینے سے معلوم ہوا کہ احکامِ شریعت اور احکامِ خداوندی میں حیلہ سازی سے حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز بنانا اور تدبیروں اور حیلوں سے کام لینا یہ سخت جرم اور اللہ تعالیٰ کے غصہ و غضب کا ذریعہ ہے۔ اگرچہ یہاں یہود کے ایک فرقہ کی حیلہ سازی اور چالبازی کا بیان ہے مگر افسوس صد افسوس کہ یہ چیز اب ملتِ اسلامیہ میں بھی دیکھی جا رہی ہے مثلاً شریعتِ اسلامیہ میں سود جیسی حرام چیز کو آج کس طرح کس کس رنگ میں اور کن کن الفاظ میں حلال و جائز بنایا گیا ہے۔ قمار اور جوا قطعاً ناجائز چیزوں کو کیسی کیسی صورتوں میں جائز سمجھ کر برتا جا رہا ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیح حدیث میں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ تم وہ نہ کرو جو یہود نے کیا حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو یعنی احکامِ شرعیہ میں حیلہ جوئی سے بچو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب آئندہ آیات میں بنی اسرائیل کی روگردانی کا ایک اور واقعہ گائے کے ذبح سے متعلق ذکر فرمایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے وحی الٰہی پر اطمینان نہ کیا اور اپنے پیغمبرِ وقت یعنی موسیٰ علیہ السلام سے معاذ سوالات کا سلسلہ شروع کیا جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تعالیٰ ہر حال میں ہمیں اپنے اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا پابند بنا کر رکھیں اور ہم سے جو تقصیرات اب تک سرزد ہو چکی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعتِ مطہرہ کی پابندی ظاہر و باطن میں ہر حال میں نصیب فرمائیں اور شریعت کے احکام میں حیلہ سازی اور چالبازی سے کامل طور پر بچا دیں۔ یا اللہ ہمیں گذشتہ اقوام کے حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا دل عطا فرما اور ان تمام افعال و احوال سے بچنے کی توفیق عطا فرما کہ جس کے باعث گذشتہ قومیں آپ کے غصہ و غضب کا شکار ہوئیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۳۴

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک گائے ذبح کرو

بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ

وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرہ بناتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں

اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے ہم سے

مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ

بیان کردیں کہ اسکے کیا اوصاف ہیں۔ آپنے فرمایا کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ بالکل بوڑھی ہو نہ بہت بچہ ہو

عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا

بیچ کی ہو دونوں عمروں کے اوسط میں، سو اب کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے۔ کہنے لگے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ

کہ درخواست کر دیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے، ہم سے یہ بیان کردیں کہ اسکا رنگ کیسا ہو۔ آپنے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں

اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

کہ وہ ایک زرد رنگ کی گائے ہو جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ

کہنے لگے کہ ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ ہم سے بیان کردیں کہ اسکے اوصاف کیا ہوں کیونکہ ہم کو

تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اس گائے میں اشتباہ ہے اور ہم ضرور انشاء اللہ تعالیٰ ٹھیک سمجھ جائیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ وہ تو بل میں چلی ہوئی ہو جس سے زمین جوتی جاوے

وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ

اور نہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے۔ سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ کہنے لگے اب آپ نے

Marfat.com

جِئْتَ بِالْحَقِّ ط فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۸

پوری بات فرمائی پھر اس کو ذبح کیا اور کرتے ہوئے معلوم ہوتے نہ تھے ۔

تفسیر و تشریح :۔ اس سورۃ بقرہ کے ابتدائی درس میں بتلایا گیا تھا کہ بقرہ کے معنی گائے کے ہیں چونکہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے ایک گائے کا واقعہ بیان فرمایا ہے اسی لئے اس سورۃ کا نام بقرہ مشہور ہوا۔ وہ گائے کا واقعہ ان آیات میں اور اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے ۔ "اور وہ زمانہ یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ اگر لاش کے قاتل کا پتہ لگانا چاہتے ہو تو تم ایک گائے ذبح کرو ۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ آیا آپ ہم کو مسخرہ بناتے ہیں ۔ کہاں قاتل کی تحقیق ، کہاں جانور کا ذبح کرنا ، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نعوذ باللہ میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں کہ احکام خداوندی میں تمسخر کرنے لگوں ۔ وہ لوگ یعنی بنی اسرائیل اس پر کہنے لگے کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لئے درخواست کیجئے کہ ہم سے بیان کردیں کہ اس گائے کے کیا اوصاف ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ بالکل بوڑھی ہو نہ بہت بچہ ہو بلکہ بیچ کی ہو ۔ دونوں عمروں کے اوسط میں ، سو اب زیادہ حجت مت کیجیو بلکہ کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے ۔ کہنے لگے کہ اچھا یہ بھی درخواست کر دیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ ہم سے یہ بھی بیان کر دیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کی گائے ہو جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو ۔ کہنے لگے کہ اب کی بار اور ہمارے خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ اول بار کے سوال کا جواب ذرا اور واضح ہم سے بیان کر دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں کیونکہ ہم کو اس گائے میں قدرے اشتباہ یہ باقی ہے کہ وہ معمولی گائے ہوگی یا کوئی اور عجیب و غریب جس میں تحقیق قاتل کا خاص اثر ہو اور ہم ضرور انشاء اللہ تعالیٰ اب کی بار ٹھیک سمجھ جاویں گے ۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ کوئی عجیب و غریب جانور نہیں ہے البتہ اوصاف مذکور کے ساتھ نہ تو ہل میں چلی ہو جس سے زمین جوتی جاتی ہو اور نہ کنوئیں میں جوڑی گئی ہو کہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے غرض ہر قسم کے عیب سے سالم ہو اور اس میں کسی رنگ کا کوئی داغ نہ ہو ۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ ہاں اب آپ نے بات پوری فرمائی ۔ القصہ ایسی گائے تلاش کر کے خریدی پھر اس کو ذبح کیا اور ان حجتوں سے تو ظاہراً کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے ۔"

یہ تو ان آیات کا تشریحی ترجمہ تھا اور تفصیل اس واقعہ کی مفسرین نے یوں لکھی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا مالدار تھا اور اس کے صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا ان کے علاوہ اور کوئی وارث نہ تھا ۔ بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا مرتا ہی نہیں تو روزنہ کی دھن میں اسے خیال آیا کہ چلو اسے کیوں نہ مار ڈالوں تاکہ اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں اور قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں ۔ اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا ، اور ایک دن موقع پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا اور چالاکی یہ کی کہ لاش کو اپنے گاؤں سے باہر دوسرے گاؤں میں ڈال دیا

Marfat.com

اور صبح کو خود اس کے خون کا مدعی ہوا اور دوسرے گاؤں کے آدمیوں پر قتل کا الزام لگایا۔ اس گاؤں کے آدمیوں نے انکار کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں گاؤں والے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ آخر کچھ سمجھدار لوگ بھی تھے انہوں نے کہا لڑائی کیوں کرتے ہو۔ اللہ کے پیغمبر یعنی موسیٰ علیہ السلام ہم میں موجود ہیں ان سے چل کر دریافت کرو وہ جس شخص کا نام بتا دیں بس وہی قاتل ہے چنانچہ یہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ آپ خدا سے دعا کیجئے تاکہ قاتل کا نام معلوم ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی حکم الٰہی ہوا کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر رکھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنا دیا۔ تو بنی اسرائیل نہایت بے باکی اور بدتمیزی سے کہنے لگے کہ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں، ہم تو قاتل کا نام دریافت کرتے ہیں اور آپ گائے ذبح کرنے کو کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نعوذ باللہ جاہل نہیں ہوں مسائل شرعیہ کے موقع پر مذاق جاہلوں کا کام ہے۔ اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے۔ تو بجائے اس کے کہ نبی کے حکم کی تعمیل کرتے اس میں حجت بازی کرنے لگے اور طرح طرح کے سوالات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گائے کے متعلق کرنے لگے کہ وہ کیسی گائے ہے۔ اس کا رنگ کیسا ہے۔ اس کی عمر کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بنی اسرائیل کسی گائے کو بھی ذبح کر دیتے تو کافی ہو جاتا لیکن انہوں نے تشدد کیا تو اللہ تعالےٰ نے بھی ان پر سختی کی۔

الغرض پہلا سوال بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے گائے کی عمر کے متعلق دریافت کیا جس کا جواب دیا گیا کہ نہ تو وہ بالکل بوڑھی ہو۔ نہ بالکل بچہ ہو بلکہ درمیانی عمر کی ہو جس کو ادھیڑ یا پٹھیا بھی کہتے ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے نصیحت فرمائی کہ اب تم تاخیر اور حیل وحجت نہ کرو بلکہ جو حکم خداوندی تم کو ملا ہے فوراً اس کی تعمیل کرڈالو۔ لیکن بنی اسرائیل نے اپنی جبلی عادت کے موافق مزید ٹال مٹول کی اور ایک دوسرا سوال پھر کیا کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہو، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کا زرد رنگ اور وہ بھی خوب گہرا ہونا بیان کر دیا۔ بنی اسرائیل اب بھی مطمئن نہ ہوئے اور پھر ایک تیسرا سوال موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا کہ اس گائے کے اوصاف کیا ہوں کیونکہ ہمکو ابھی شبہ باقی ہے اور اب کی بار ان شاء اللہ ہم ٹھیک سمجھ جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ گائے عمدہ سالم اور بے عیب ہے۔ نہ تو ہل میں چلی ہوئی۔ نہ اس سے زمین جوتی گئی۔ نہ کنوئیں میں جوڑی گئی کہ اس سے پانی کی کھینچائی ہوئی، غرض وہ ہر طرح سالم اور بے داغ ہے۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ اب آپ نے پوری اور صاف بات فرما دی۔ اب ہم ان شاء اللہ اس گائے کو تلاش کر کے خرید لیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی پتہ نہ چلتا اور قیامت تک وہ اس گائے کو حاصل نہ کر سکتے یعنی اس کلمہ کی برکت سے انکا تحیر اور تردد رفع ہوا۔

الغرض بنی اسرائیل کے سوال در سوال کی وجہ سے جو قیود اس گائے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاید ہوتی رہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مطلوبہ گائے کی ان کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی بعض تفاسیر میں لکھا ہے

Marfat.com

کہ اس کے ہموزن سونا دے کر گائے کو خریدنا پڑا۔ اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب قدرت اور راز پنہاں تھا۔
اس گائے کے متعلق تفاسیر میں یوں واقعہ لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک اور خدا پرست آدمی تھا اور اس کی بیوی بھی ایسی ہی تھی اور ان کے پاس ایک بچھیا تھی اور اُن کے ایک ہی بچہ تھا - اس خدا پرست آدمی کے انتقال کا وقت آگیا۔ مرتے وقت اس شخص نے اپنی بیوی کے مشورہ سے اس بچھیا کو جنگل میں چھڑوا دیا اور خدا تعالیٰ کی امانت میں دے دیا اور بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی کہ الٰہی اس بچھیا کو میں تیری امانت میں اپنے چھوٹے بچہ کے لئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ یتیم بچہ کو نیک والدہ پرورش کرتی رہی۔ جب وہ لڑکا بڑا ہوا تو وہ بھی بڑا نیک سعید اور اپنی ماں کا فرمانبردار نکلا۔ ایک روز اس کی والدہ نے کہا کہ بیٹا فلاں جنگل میں ایک بچھیا تمہارے باپ نے خدا کی ودیعت میں تیرے لئے سپرد کی تھی تو اس کو اب جا کر لے آ۔ بیٹا اسی جنگل میں گیا اور امانت الٰہی کا نام لے کر گائے کو آواز دی تو وہ گائے فوراً دوڑی ہوئی چلی آئی۔ یہ لڑکا گائے کو لے کر اپنی والدہ کے پاس آیا اس کی والدہ نے کہا کہ اس کو بازار میں لے جا کر فروخت کر دو، لیکن یہ ہدایت کر دی کہ جو دام لگیں بغیر میرے مشورہ کے نہ بیچنا۔ یہ لڑکا گائے کو لے کر بازار میں گیا تو وہاں ایک شخص نے کچھ قیمت لگائی مگر لڑکے نے کہا کہ میں اپنی والدہ سے اجازت اور مشورہ کے بعد جواب دوں گا اس نے کہا کہ اگر تم بغیر مشورہ کے دے دو تو دو چند قیمت دیتا ہوں لیکن اس سعید لڑکے نے گائے نہ دی اور والدہ سے آکر تذکرہ کیا۔ والدہ نے منع کر دیا۔ دوسرے روز اسی خریدار نے دو چند قیمت لگائی لیکن پہلے روز کی طرح ماں ہمیشہ دینے سے انکار کرتی رہی اور اس طرح روز قیمت میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایک روز اس عورت نے لڑکے سے کہا کہ یہ خریدار یا تو کوئی فرشتہ ہے یا کوئی خدا رسیدہ بزرگ ہے تم میری طرف سے ان سے مشورہ لینا کہ ہمیں اس گائے کا کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ لڑکے نے ایسا ہی کیا تو اس شخص نے جواب دیا کہ تم اپنی والدہ سے میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ عنقریب بنی اسرائیل کو اس گائے کی ضرورت اور تلاش ہوگی اور وہ اس کی خریداری کے درپے ہوں گے اور تم سے اس کے ہموزن سونا دے کر خریدیں گے تم اس وقت فروخت کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مطلوبہ گائے کی تلاش میں تھے اور وہ اسی صالح یتیم لڑکے کی نکلی جس کی بنی اسرائیل نے منہ مانگی قیمت ادا کی اور اس کو خرید کر ذبح کیا۔ جیسا کہ ان آیات کے اخیر میں فرمایا گیا۔ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ پس اس گائے کو خرید کر ذبح کیا اگرچہ وہ اپنی حجتوں اور ظاہری ٹال مٹول سے معلوم تو نہ ہوتے تھے کہ ایسا کریں گے۔

اِن آیات سے اہم تعلیمات جو ملتی ہیں وہ یہ ہیں -

۱ :- اللہ کا پیغمبر جس بات کا حکم دے اس کو بے تامل عمل میں لانا چاہیئے اور اللہ اور اسکے رسول کے احکام میں کسی قسم کی کٹ حجتی کرنا اور بال کی کھال نکالنا ہرگز مناسب نہیں۔ احکامِ خداوندی کو بلا چون چرا بجا لانا چاہیئے۔

۲ :- آئندہ کے متعلق جس بات کے کہنے یا کرنے کو کہا جائے تو اس کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کہنا چاہیئے۔ اب اس واقعہ کے متعلق جو ان آیات میں ذکر فرمایا گیا بطور نتیجہ بنی اسرائیل

Marfat.com

کو خطاب کر کے جو ارشاد فرمایا گیا وہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

فائدہ :۔ "اعمال قرآنی" ایک مشہور کتاب حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے جس میں قرآنی سورتوں آیتوں اور جملوں کے متعلق بعض نہایت مفید اور مجرب عملیات و اثرات وغیرہ لکھے ہیں۔ آج کی آیات کا اخیر جملہ یعنی فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس کو پڑھ کر اگر کوئی پھل کاٹا جائے تو وہ انشاء اللہ شیریں اور خوش ذائقہ نکلے گا۔ چنانچہ اس کا بارہا تجربہ کیا اور ماشاء اللہ اس کا اثر ایسا ہی پایا۔

دعا کیجئے :۔

حق تعالیٰ ہم کو وہ اسلام اور ایمان نصیب فرمائیں کہ جو ہم مولائے کریم کا اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم سنیں اس پر دل و جان سے (سَمِعْنَا وَصَدَّقْنَا) کہنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل جیسی ٹال مٹول اور حجت بازی کی منحوس عادت و خصلت سے ہمارے قلوب کو ہمیشہ پاک رکھیں اور اپنے احکام کا ہم کو پورا پورا مطیع اور فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہر کام میں اور ہر حکم میں آپ کی حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔
ہمیں جو حکم آپ کا پہنچے اس پر دل و جان سے ہم کو عامل ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اور ظاہراً و باطناً ہر حال میں ہم کو اپنی شریعت مطہرہ کی کامل پابندی نصیب فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۳۵

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا

اور جب تم لوگوں نے ایک آدمی کا خون کر دیا پھر ایک دوسرے پر اسکو ڈالنے لگے، اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ

جس کو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے - اس لئے ہم نے حکم دیا کہ اس کو اسکے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو - اسی طرح

يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

حق تعالیٰ مردوں کو زندہ کردیں گے - اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو -

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ

ایسے ایسے واقعات کے بعد تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو اُن کی مثال پتھر کی سی ہے

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ

یا سختی میں اُن سے زیادہ - اور بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ

مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ

چلتی ہیں - اور انہیں پتھروں میں بعضے ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکل

الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

آتا ہے اور انہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور حق تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں

تفسیر و تشریح :- گذشتہ درس میں تفصیل سے یہ بتلایا جا چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کا قتل ہو گیا تھا لیکن قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا اور لوگ ایک دوسرے پر قتل کا الزام رکھتے تھے - الغرض اس معاملہ کو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا - موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے تو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل ایک گائے ذبح کریں اور اس ذبح کی ہوئی گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر رکھا جائے تو وہ مقتول خود زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا - چنانچہ بنی اسرائیل نے بہت کچھ حیل و حجت کے بعد وہ مطلوبہ گائے خریدی جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہوا - تو اسی واقعہ کے متعلق ان آیات میں بنی اسرائیل سے خطاب

Marfat.com

کر کے ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

اور وہ زمانہ یاد کرو جب تم لوگوں میں سے کسی نے ایک آدمی کا خون کر دیا پھر اپنی اپنی برات کے لئے ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے اور اللہ تعالےٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم میں کے مجرم و مشتبہ لوگ مخفی رکھنا چاہتے تھے اسلئے ذبح بقرہ کے بعد ہم نے حکم دیا کہ اس مقتول کی لاش کو اس بقرہ کے کسی گوشت کے ٹکڑے سے چھوا دو۔ اس طرح چھوانے سے وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتادے گا۔ چنانچہ جب گائے کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر رکھا گیا تو مقتول نے زندہ ہو کر اپنے بھتیجے کا نام بتا دیا اور اس طرح جس بات کو وہ چھپانا چاہتے تھے ظاہر فرما دیا گیا۔ اور مقتول قاتل کا نام بتا کر پھر گر پڑا اور مر گیا۔ اس پر قاتل کہ یعنی مقتول کے بھتیجے کو پکڑا گیا اور قصاص لیا گیا اور میراث سے بھی محروم رکھا گیا۔ اور اسی وقت سے یہ حکم ہو گیا کہ قاتل ہمیشہ میراث سے محروم رہے گا اگرچہ قاتل مقتول کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اب یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو مُردہ زندہ کرنے کی ویسے ہی قدرت تھی یا مقتول کو زندہ کئے بغیر قاتل کا نام بتایا جا سکتا تھا پھر اس سامان کی یعنی ایک گائے جو مطلوبہ صفات کی ہو اس کا ذبح کرنا اور اس کے گوشت کے ٹکڑے سے مقتول کا چھوانا۔ اور اس طرح اس مردہ کا زندہ ہو کر نام بتانا اور پھر مر جانا اس جملہ سامان کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب علماء نے دیا ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے تو ہوتا نہیں بلکہ مصلحت اور حکمت کے لئے ہوتا ہے اور ہر واقعہ کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی کے احاطہ علمی میں آسکتی ہے۔ نہ ہم اس کے مکلف ہیں کہ ہر واقعہ کی مصلحت معلوم کریں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر واقعہ کی حکمت ہماری سمجھ میں آجائے۔ اس لئے اس امر کے پیچھے پڑ کر اپنی عمر عزیز ضائع کرنے کی بجائے بہتر و اسلم طریق تسلیم و سکوت کا ہے۔ رہا اس خاص واقعہ میں تو ایک بڑی حکمت انہی آیات میں ظاہر فرمائی گئی کہ اس قصہ سے استدلال اور نظیر ہو حق تعالیٰ کے قیامت میں مُردوں کو زندہ کرنے کی۔ ایک دوسری حکمت علماء نے یہ لکھی ہے کہ اس طرح مقتول کے زندہ ہونے کے بعد اس کا قول بنی اسرائیل کے لئے بھی معتبر ہو گا کہ مقتول مر کر عالم برزخ کو دیکھ چکا ہے۔ لہٰذا اب اس کے قول میں کذب کا احتمال باقی نہیں رہا۔ پھر اس صالح یتیم اور اس کی نیک والدہ کو حق تعالیٰ کو مالی فائدہ پہنچانا منظور تھا کہ جن کی ملکیت میں وہ گائے تھی جو بنی اسرائیل نے بہت بڑی قیمت دے کر خریدی اور ذبح کی جس کی تفصیل گذشتہ درس میں بیان ہوئی۔ الغرض حق تعالیٰ کے ہر فعل میں نہ معلوم کیا کیا مصلحتیں ہوتی ہیں جس کا انسان احاطہ نہیں کر سکتا۔

اس مقتول کے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلانے کے واقعہ کے متعلق آگے بنی اسرائیل کو خطاب میں ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے حل و قصاص جاری کرنے کے لئے عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لئے ایک خاص ضرورت اور مصلحت کے لئے ایک مردہ کو تمہارے روبرو

زندہ فرمایا اور اس مردہ کا کلام تم نے اپنے کانوں سے سُنا اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محض جزا دینے اور عدل قائم کرنے کے لئے اور انصاف کے لئے دوبارہ اپنی قدرتِ کاملہ سے مُردوں کو محض اپنی قدرت سے زندہ فرمائے گا اور سب کا انصاف کرے گا اور مظلوم کا ظالم سے قصاص اور بدلہ لے گا اور حق تعالیٰ اس طرح وقتاً فوقتاً اپنی قدرت کے نمونہ اور کرشمہ دکھلاتے رہتے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو اور سمجھ لو کہ جس طرح خدا ایک مُردہ کو مرنے کے بعد زندہ کرسکتا ہے اور وہ مُردہ گذشتہ زندگی کا واقعہ بیان کرسکتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ سب مُردوں کو زندہ کرسکتا ہے اور سب اپنی گذشتہ زندگیوں کے واقعات بتا سکتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ جتلا رہے ہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہیں اور قیامت کے دِن سب کو ضرور زندہ کریں گے اور اس دوبارہ زندگی میں پہلی زندگی کے واقعات انسان ضرور بتائے گا۔ گویا حساب کتاب حق ہے اور ایسا ہوکر رہے گا۔

اب اس تمام ترغیب و ترہیب اور نصیحت و عبرت کے مضامین سے اور اس مذکورہ واقعہ سے بنی اسرائیل کے دِل کتنے متاثر ہوئے اسکے متعلق شکایتاً ارشاد ہوتا ہے :۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

"ایسے ایسے واقعات کے بعد چاہیئے تھا کہ تم لوگوں کے دِل بالکل نرم اور حق تعالیٰ کی عظمت سے پُر ہوجاتے لیکن تمہارے دِل پھر بھی سخت ہی رہے تو یوں کہنا چاہیئے کہ ان کی مثال پتھر کی سی ہے یا یوں کہو کہ وہ سختی میں اُن سے بھی زیادہ ہیں اور زیادہ سخت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور انہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں کہ جو شق ہوجاتے ہیں۔ پھر ان سے اگرچہ نہیں تو تھوڑا ہی پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے اُوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور تمہارے قلوب میں کسی قسم کا اثر ہی نہیں ہوتا اور اس قساوت سے جو اعمال بد صادر ہوتے ہیں حق تعالیٰ تمہارے ان اعمال سے بے خبر نہیں ہیں تم کو ان کی سزا مل کر رہے گی"

یعنی اے بنی اسرائیل چاہیئے تو تمہیں یہ تھا کہ ان تمام گذشتہ واقعات، انعامات، احسانات اور آیات و معجزات اور تخویفات اور تبشیرات کے بعد تمہارے دل نرم ہوجاتے۔ ان میں خوف پیدا ہوجاتا اور پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کے احکام کی پیروی کرتے اور سچی نیت سے اس کی اطاعت کرتے مگر اس کے باوجود تمہارے دِل سخت ہوگئے اور تم نے بڑھ چڑھ کر حدود اللہ کو توڑا اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کی۔ اور سخت بھی کیسے پتھر کی طرح بلکہ پتھر سے بھی سخت تم سنگدل ہو بعضے تو پتھر بھی ایسے ہیں کہ ان سے تو کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ ان سے بڑی بڑی نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور ان ہی پتھروں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ جو شق ہوجاتے ہیں پھر ان سے

Marfat.com

اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں۔ گویا ہیبتِ الٰہی سے لرز کر سجدہ میں گرتے ہیں۔ اور تمہارے دلوں میں کسی قسم کا اثر ہی نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور پھر بدستور مر گیا تو یہود کو ان عجائباتِ قدرت کے دیکھنے سے نرم دل ہونا چاہیئے تھا کیونکہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا تھا۔ مگر بجائے اسکے انہوں نے پھر تکذیب کرنی شروع کر دی کہ ہم نے تو نہیں مارا۔

یہاں اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے پتھروں کے تین اثر بیان فرمائے ہیں ایک[۱] اُن سے زیادہ پانی نکلنا۔ دوسرے[۲] کم پانی نکلنا۔ تیسرے[۳] خوفِ خدا سے نیچے آگرنا۔ پتھروں سے پانی کا نکلنا تو کوئی بعید چیز نہیں البتہ پتھروں کے خوفِ خدا سے گرنے پر شبہ کیا جا سکتا ہے مگر یہ بھی کوئی بعید نہیں کیونکہ تمام جمادات کو بھی اللہ تعالےٰ نے ایک قسم کا شعور عطا کیا ہے اور قرآن پاک کی دوسری آیات اور متعدد احادیث سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جمادات پتھر وغیرہ میں اللہ تعالےٰ نے حس و ادراک کا مادہ پیدا کیا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مدینہ کے اُحُد پہاڑ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ محبت بدون حس و ادراک کے ممکن نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنہ پر ٹیک لگا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب ممبر بنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر پر خطبہ دینا شروع کیا اور تنے سے علیحدگی ہوئی تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا جس کو مسجدِ نبوی میں تمام صحابہ نے سُنا۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ حجرِ اسود کے بارہ میں ہے کہ جس نے اُسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا یہ اُس کے ایمان کی گواہی قیامت والے دن دے گا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی اللہ تعالےٰ نے حس رکھی ہے۔

الغرض یہاں آیت میں بتلایا گیا کہ بعض انسانوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں پھر کوئی نصیحت اور عبرت ان کے لئے مفید اور سودمند نہیں ہوتی۔ دل کی سختی یعنی قساوتِ قلبی کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ خدا سے غافل بناتی ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْقَسْوَۃِ وَالْغَفْلَۃِ "اے اللہ میں دل کی سختی اور غفلت سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں" ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو۔ ایسے کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا ہی خدا سے سب سے زیادہ دُور ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت انسؓ

Marfat.com

سے روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی نشانی ہیں ایک[1] خوف خدا سے آنکھوں سے آنسو نہ بہنا۔ دوسرے[2] دل کا سخت ہونا۔ تیسرے[3] امیدوں کا بڑھ جانا۔ چوتھے[4] حرص، طمع اور لالچ کا پیدا ہوجانا۔ اللہ تعالیٰ شقاوتِ قلبی کے مرض سے ہم سب کو محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

اخیر میں بنی اسرائیل کو خطاب کرکے فرمایا گیا کہ اے بنی اسرائیل اگرچہ تم اپنی قساوتِ قلبی کی وجہ سے خدا سے غافل ہوگئے مگر خوب سمجھ لو وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ کہ اللہ تمہارے اعمال و افعال سے بے خبر نہیں۔ اب یہود کی یہاں قساوت یشقاوت کو بیان فرما کر آگے ان اہلِ ایمان کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ جواز راہ شفقت یہود مدینہ کو وعظ و نصیحت کرتے رہتے تھے اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح یہ ایمان لے آئیں کیونکہ مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ یہود توحید اور انبیاء کرام کی نبوت کے قائل ہیں۔ اس لیے امید کرتے تھے کہ یہ ایمان لے آئیں گے مگر اگلی آیات میں حق تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو مطلع فرمادیا کہ ان کی قساوت انتہا کو پہنچ چکی ہے ان سے ایمان کی تمنا مت رکھو جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہم کو قلب سلیم عطا فرمائیں اور قساوتِ قلبی کے مرض سے محفوظ و مامون فرمائیں۔ ہم جو کچھ اللہ و رسول کے احکامات و تعلیمات پڑھیں اور سنیں اس سے ہمارے قلوب اثر پذیر ہوں اور باعث ترقی ایمان اور عمل صالح ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں سے بچائیں جو دل کو سخت کرنے والی ہیں اور اپنے ذکر و فکر کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو سعادت کی نشانی ہے۔

یا اللہ! اپنا وہ خوف و خشیت ہم کو عطا فرما جو ہم کو ہر نافرمانی سے روک دے اور ہمارے دلوں سے غفلت کو دور کردے یا اللہ! دنیا کی حرص، طمع اور لالچ جو بدبختی اور شقاوتِ قلبی کی نشانی ہے اس سے ہمارے قلوب کو تازندگی پاک فرما اور اپنے ذکر و فکر کی توفیق دائمی عطا فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۳۶

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

کیا اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہارے کہنے سے ایمان لے آویں گے حالانکہ ان میں کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں

يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا

کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے اس کو

عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سمجھنے کے بعد اور جانتے تھے ۔ اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں کہ

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا

ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں بعضے (منافق یہودی) دوسرے بعضے (علانیہ) یہودیوں کے پاس تو ان سے کہتے ہیں

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ

کہ تم کیا مسلمانوں کو وہ باتیں بتلا دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر منکشف کر دی ہیں (توراۃ میں) نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کر دینگے

رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

کر دیکھو یہ مضمون اللہ کے پاس (سے تمہاری کتاب میں آیا ہے) کیا تم (اتنی بات) نہیں سمجھتے ۔ کیا انکو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ۔

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

ان چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور ان کی بھی جن کا وہ اظہار کر دیتے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ اوپر دو رکوع سے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے اُن کے متعلق احوال ذکر فرمائے گئے اور اخیر میں ان سے فرمایا گیا تھا کہ ان تمام گذشتہ واقعات و حالات کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ تمہارے دل حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات سے نرم ہو جاتے اور خوفِ خداوندی کے باعث سچی اطاعت اور اللہ کے احکام کی پیروی اختیار کرتے مگر تمہارے دل پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ جو کسی قسم کا اثر ہی نہیں لیتے ۔

یہود کی شقاوت قلبی بیان کرنے کے بعد اب آگے اہلِ ایمان یعنی صحابۂ کرام سے خطاب ہوتا ہے جو دن رات اس کوشش اور فکر میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح یہود مدینہ ایمان لے آویں اور اسلام قبول کر لیں ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ اے مسلمانو! کیا یہ سارے قصے سن کر اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آویں گے یعنی جو لوگ ایسے بے باک اور اغراضِ نفسانیہ

Marfat.com

کے اسیر ہوں وہ کسی کے کہنے سے کب باز آنے والے اور کسی کی نصیحت کب سننے والے ہیں۔ ان کی شقاوت قلبی اور خباثت تو اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ان سے ایمان و اسلام کی ترقع بیکار ہے۔

اب یہود اپنی خباثت کے لحاظ سے پانچ گروہ تھے اس لئے ہر گروہ اور ان کی خباثت کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ پہلا گروہ یہود کے اَحبار و رُہبان یعنی مذہبی پیشوا اور درویشوں کا تھا۔ دوسرا گروہ منافقین یہود کا تھا۔ تیسرا گروہ اُن اَن پڑھ جاہلوں کا تھا جو اپنے بڑوں کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ چوتھا گروہ ان علمائے یہود کا تھا جو تحریری طور پر اپنی دینی کتاب تورات میں تحریف کرتے تھے اور پانچواں گروہ ان عوام یہود کا تھا جن کو اپنے آباء و اجداد پر ناز تھا کہ وہ ہم کو خدا سے بخشوا لیں گے۔

اوّل پہلے گروہ کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ان میں کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اس کا کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے اور اس کو سمجھنے کے بعد ایسا کرتے اور لطف یہ کہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم بُرا کر رہے ہیں۔ یہاں کلام اللہ سے مراد یا تو تورات ہے اور اس میں تحریف سے مراد اس کی آیات میں لفظی و معنوی تحریف ہے کہ کلام الٰہی میں اپنی طرف سے کچھ گھٹانا یا بڑھانا۔ اسی کا نام تحریف ہے۔ یہود کے اَحبار و رُہبان یعنی دینی پیشوا یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے آخری رسول ہیں اور تورات میں جس آخری پیغمبر کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں مگر جان بوجھ کر وہ ان آیات میں تحریف کرتے جن میں آپ کے اوصاف مذکور تھے۔ اور ان کی یہ تحریف کسی غلط فہمی پر مبنی نہ تھی بلکہ وہ دیدہ و دانستہ تھی اور یا یہاں کلام اللہ سے مراد وہ کلام ہے جو ان ستر آدمیوں نے جو بطور تصدیق موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر سنا تھا اور تحریف سے یہ مراد ہے کہ ان ستر آدمیوں نے جب قوم سے جا کر اللہ کا کلام نقل کیا تو اس میں اپنی طرف سے یہ اضافہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر میں یہ بھی فرما دیا ہے کہ یہ احکام جو تم سے ہو سکیں وہ کر لینا اور جو حکم تم سے نہ ہو سکے تو کوئی مضائقہ نہیں معاف ہے۔ تو اگرچہ اس تحریف کا ان یہودیوں سے نہ ہونا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ بھی اپنے اسلاف کے ان اعمال پر انکار و نفرت نہ رکھتے تھے اس لئے حکماً یہ بھی ویسے ہی ہو گئے۔ اس لئے اہل ایمان کو سنایا جاتا ہے کہ جب ان موجودہ یہود کے بڑوں اور اسلاف کا یہ حال تھا کہ اللہ کے کلام کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے اور جان بوجھ کر اس میں تحریف کرتے تھے اور اس حقیقت کو بھی جانتے تھے کہ ہم بُرا کر رہے ہیں۔ مگر محض اغراض نفسانیہ اس کا ارتکاب کا باعث ہوتیں تو ان کے بعد انہی خصلتوں کے مقلدانِ موجودہ یہود سے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔

آگے دوسرے گروہ یعنی منافقین یہود کی خباثت کا اظہار فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:-

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

"اور جب ملتے ہیں منافقین یہود مسلمانوں سے تو ان سے تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں بعضے منافق یہودی دوسرے علانیہ یہودیوں کے پاس تو ان سے ان کے ہم مذہب اور ہم مشرب کے مدعی ہوتے ہیں۔ اس وقت وہ دوسرے یہودی اُن سے کہتے ہیں کہ تم یہ کیا غضب کرتے ہو کہ مسلمانوں کو خوشامد میں وہ باتیں بتلا دیتے ہو جو اُن کے مفید مذہب اللہ تعالیٰ نے توریت میں تم پر منکشف کر دی ہیں جس کو ہم بمصلحت پوشیدہ رکھتے ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کر دیں گے کہ دیکھو یہ مضمون اللہ کے پاس سے تمہاری کتاب میں بھی آیا ہے کیا تم اتنی موٹی بات نہیں سمجھتے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود کی منافقت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ بعض یہود مسلمانوں کی خبریں اور حالات معلوم کرنے اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے دب کر رہنے پر جب مجبور ہوئے تو منافقانہ اسلام لائے۔ یہ منافقین جب مسلمانوں سے ملتے جلتے تو مسلمانوں کی خوشامد میں اور اپنے ایمان و اسلام کی سچائی جتلانے کے لئے مسلمانوں سے جو تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارت اور پیش گوئیاں اور علامت آئی تھیں بیان کرتے اس پر اُن کے علماء اور سرداران کو ملامت کرتے کہ بیوقوفو! تم اپنے علم اور اپنی کتاب میں سے مسلمانوں کو اسلام اور قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقانیت کے ثبوت اور سند کیوں دیتے ہو۔ یہ مسلمان بطور دلیل پیش کر دیں گے کہ خدا کے ہاں یعنی توریت میں ہمارے نبی کی تعریف و تصدیق موجود ہے۔ تم دنیوی مصلحت سے اپنا ایمان لانا اور مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہو اور دل سے اسلام کو نہیں مانتے یہ تو بہتر ہے مگر مسلمانوں سے تورات کی ایسی باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو کہ یہ نبی آخر الزماں بیشک پیغمبر برحق ہیں اور ہم کو تورات میں ان پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم مدت سے ان کے ظہور کے منتظر تھے اور زمانۂ جاہلیت میں ان کے فضائل بیان کیا کرتے تھے اور اُنہیں کے نام کا واسطہ دے کر فتح و نصرت کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ ایسی باتیں مسلمانوں سے کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت اور بحث میں مغلوب کر دیں گے اور تم کو قائل کریں گے کہ ہمارے دین۔ مذہب۔ رسول اور کتاب کی حقانیت تو تمہاری کتاب میں بھی آئی ہے۔ پس اہلِ ایمان کو یہ بتلایا گیا کہ جو لوگ ایسے عیار و چالاک اور بدباطن دھوکہ باز ہوں وہ تمہاری بات سچائی کے ساتھ اسلام اور ایمان قبول کرنے کی کیا مانیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ ان منافقین اور ان ملامت گروں کی حماقت پر تنبیہ فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

"کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے اُن چیزوں کو بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں

Marfat.com

اوران کی بھی جن کا وہ اظہار کر دیتے ہیں "

یعنی اگر ان منافقین نے اپنا کفر مسلمانوں سے چھپایا تو کیا اور اگر ان ملامت گروں نے اللہ کے رسول کے متعلق بشارات وغیرہ کے مضامین چھپائے تو کیا۔ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے دونوں مضمونوں سے مسلمانوں کو جا بجا اسی قرآن کے ذریعے مطلع کر دیا۔

آگے یہود کے تیسرے گروہ یعنی ناخواندہ، اَن پڑھ۔ جاہل۔ کتابی علم نہ رکھنے والوں کا، اور چوتھا گروہ یعنی علمائے یہود جو اپنی دینی کتاب میں تحریف کرتے تھے، اور پانچواں گروہ یعنی وہ عوام یہود جو پیغمبروں کی اولاد ہونے پر ناز کرتے تھے اور اس بنا پر اپنے کو اللہ کا محبوب کہتے اور جنت کا اپنے کو حقدار سمجھتے ان کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان کی جہالت وحماقت کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تعالیٰ ہم کو پکا اور سچا مسلمان بن کر زندہ رہنے اور اسی پر مرنے کی سعادت نصیب فرمائیں اور اپنی ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام قرآن پاک کی سچی عظمت ہمارے قلوب میں عطا فرمائیں اور اس کا اتباع کامل ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ منافقوں کی خصلت وعادات سے ہم کو محفوظ رکھئے اور دین میں گمراہی کی باتوں کو نکالنے سے ہماری حفاظت فرمائیے۔

یا اللہ! اب بھی کچھ ایسے منافقین موجود ہیں جو آپ کی کتاب قرآنِ کریم میں تحریف لفظی یا معنوی کر رہے ہیں۔ ایسے بدباطن منافقین کی شرارتوں سے اسلام اور اہلِ اسلام کی حفاظت فرما۔ اور ایسے دشمنانِ دین کو ذلیل وخوار فرما۔

یا اللہ! ہمیں اپنے اسلام اور ایمان میں صدق اور اخلاص نصیب فرما اور ظاہراً وباطناً ہم کو شریعتِ مطہرہ کی پابندی نصیب فرما اور ہر طرح کی منافقانہ خصلت سے ہمارے قلوب کو پاک فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۳۷

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ

اور اُن میں بہت سے ناخواندہ ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن دل خوش کن باتیں اور وہ لوگ

هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

اور کچھ نہیں خیالات پکا لیتے ہیں ۔ تو بڑی خرابی اُن کی ہو گی جو لکھتے ہیں کتاب کو

بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا

اپنے ہاتھوں سے پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے ۔ غرض یہ ہوتی ہے

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ

کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کر لیں ۔ سو بڑی خرابی آوے گی ان کو اس کی بدولت جس کو انکے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی

لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا

ہو گی انکو اسکی بدولت جس کو وہ وصول کیا کرتے تھے ۔ اور یہودیوں نے کہا کہ ہرگز ہم کو آتش چھوئے گی نہیں مگر تھوڑے روز

مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ

جو شمار کر لئے جا سکیں ، آپ یوں فرما دیجئے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے کوئی معاہدہ لے لیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ

اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کے خلاف نہ کریں گے ۔ یا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے ۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

کیوں نہیں جو شخص قصداً بُری باتیں کر رہا ہے اور اُس کو اُس کی خطا احاطہ کر لے سو ایسے لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اہلِ دوزخ ہوتے ہیں ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جو لوگ ایمان لاویں اور

ع ۹/۱۱ ۹ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

نیک کام کریں ایسے لوگ اہلِ بہشت ہوتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

تفسیر و تشریح :۔ اوپر یہود کے مختلف گروہوں میں سے دو گروہوں یعنی اوّل یہود کے مذہبی پیشواؤں اور

Marfat.com

درویشوں اور دوم منافقین یہود کی خباثت کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اہل اسلام جو یہود کے ایمان لے آنے کی فکر میں رہتے تھے ان کو خطاب کر کے بتلایا گیا تھا کہ یہود تمہارے کہنے سے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے والے نہیں۔ یہ تو ایسے بد باطن۔ بے باک اور اغراض نفسانیہ کے اسیر ہیں کہ یہ کسی کے کہنے سے کب باز آنے والے اور کسی کی نصیحت کب سننے والے ہیں اس لئے ان سے ایمان کی توقع اہل اسلام کو رکھنا بیکار ہے۔ اب آگے ان آیات میں یہود کے دوسرے گروہوں کا ذکر فرما کر ان کی جہالت و حماقت کا اظہار فرمایا جاتا ہے اور ان کو پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی صورت میں [illegible] سنائی جا رہی ہے چنانچہ پہلے یہود کے جاہل اور ان پڑھ گروہ کے متعلق ارشاد [illegible]

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○

"اور ان یہودیوں میں بہت سے ناخواندہ بھی ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن بے سند دل خوش کن باتیں بہت یاد ہیں اور وہ لوگ اور کچھ نہیں ویسے ہی بے بنیاد خیالات چلے آتے ہیں"

یہود چونکہ پیغمبروں کی اولاد میں سے تھے اس لئے خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنی خصوصیت کا [illegible] ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور محبوب ہیں۔ کبھی کہتے کہ جنت ہمارے باپ دادا کی میراث ہے [illegible] سوا اس میں کوئی اور نہیں جائے گا۔ کبھی کہتے کہ ہمارے بڑے ہمیں بخشوا دیں گے اور ہمیں [illegible] ہوگی۔ ان بے بنیاد باتوں اور دل خوش کن خوشخبریوں پر ناخواندہ یہود کا [illegible] کتابی علم رکھتے نہ تھے محض اپنے بڑوں سے سنی سنائی باتوں پر جھوٹی امیدیں [illegible] ان کی جہالت اور حماقت کو ظاہر فرماتے ہیں کہ یہ جو ان پڑھ اور جاہل یہود [illegible] یاد کر رکھی ہیں یہ کچھ نہیں مگر جھوٹے اور بے بنیاد خیالات ہیں جن کی وجہ [illegible] واقعیہ کی تحقیق کہاں نصیب اور کچھ ان کے علماء کی تعلیم اقص اور خیانت [illegible] کی شناعت ذکر فرمائی جاتی ہے اور ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ○

"تو بڑی خرابی ہوگی ان کی یعنی علمائے یہود کی جو لکھتے ہیں بدل بدل کر اپنے ہاتھوں سے اور پھر عوام یہود سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم خدا کی طرف سے [illegible] اور غرض ہے یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل حاصل کر لیں تو ان کو [illegible] پیش آوے گی ان کو اس کی بدولت بھی جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور [illegible] ان کو اس نقد ہی کی بدولت بھی جس کو وہ عوام سے وصول کر لیا کرتے تھے"

علمائے یہود اپنے عوام کی رضا جوئی کے واسطے غلط سلط مسائل اور احکام بتا دیتے جس سے انہیں عوام سے کچھ نذرانہ ومعاوضہ وصول بھی ہو جاتا۔ اور ان کی نظر میں وجاہت اور وقعت بھی رہتی اسی غرض سے لفظاً یا معناً توریت میں کچھ ردّ و بدل اور اُلٹ پھیر بھی کرتے رہتے تھے۔ ان کی اس حرکت پر انہیں وعید سنائی گئی۔ آگے یہود کے ایک اور گروہ کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط

"اور یہودیوں نے یہ بھی کہا کہ ہرگز آتشِ دوزخ ہم کو چھوئے گی بھی تو نہیں۔ ہاں مگر تھوڑے روز جو انگلیوں پر شمار کر لئے جا سکیں"۔

گویا ان یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ ان کے اعمال بد کے بدلے اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی سزا دی بھی تو وہ گنتی کے صرف چند روز کے لئے ہوگی وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔ یہود کے اس دعوے کی تردید میں حق تعالیٰ اپنے آخری نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان یہود سے پوچھتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان یہود سے یوں فرما دیجئے کہ کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے اس کے متعلق کوئی معاہدہ لیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدوں کے خلاف نہ کریں گے یا معاہدہ نہیں لیا بلکہ ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے"۔

یعنی جہنم سے محفوظ رہنے کے لئے تم نے کوئی اللہ سے عہد لیا ہوا ہے تو پھر وہ یقیناً اُسے پورا کرے گا مگر یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے تو اُن سے ایسا کوئی عہد نہیں کیا ہے۔ آگے یہودیوں کے غلط دعووں اور اُن کی جھوٹی آرزوؤں کی مزید تردید ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

"بجز چند روز کے تم کو آتشِ جہنم کیوں نہیں لگے گی بلکہ ابدالآباد تک رہنا ضروری ہے کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص قصداً بری باتیں کرتا رہے اور اس کو اس کی خطا و قصور اس طرح احاطہ کر لے کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے سو ایسے لوگ اہلِ جہنم ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے"۔

یہود چونکہ نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی مانتے تھے اور نہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری پیغمبر تسلیم کرتے تھے اور اس طرح دو نبیوں کا انکار کرتے تھے اور انکار نبوت انبیاء کفر ہے پس

Marfat.com

یہودی کافر ٹھیرے ۔ اس لئے اس آیت میں جو قانون اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اُس کی رُو سے یہودیوں کو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کی سزا ملے گی ۔ اسکے بعد آگے اللہ تعالےٰ پر اور تمام انبیاء پر ایمان لانے اور اس کے ساتھ عمل صالح کرنے کی جزا بھی فرما دی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

"اور جو لوگ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لادیں اور نیک کام کریں ایسے لوگ اہلِ جنت ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔"

یہاں اِن آیات میں کافر اور مومن نیک عمل کا ضابطہ بیان ہوا ہے اور مومن بدعمل کا ضابطہ دوسری آیات اور احادیث میں ہے ۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے یہاں یہود کے غلط گمان اور ان کے باطل عقیدہ کی تردید فرما دی اور نجاتِ کامل کا دارومدار اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا اور عمل صالحہ کو بتلایا گیا ۔

قرآن پاک میں بنی اسرائیل یعنی یہود کی جو یہ خصلتیں اور عادتیں ۔ ان کی بداعمالیاں اور بدکرداریاں مسلسل اللہ تعالےٰ بیان فرما رہے ہیں یہ اہلِ اسلام کے لئے بھی بڑی اہمیت اور سبق رکھتی ہیں اور ان سے ایک مدعا اور مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ اسلام اپنی کتاب اور سُنّت پر سختی سے عمل پیرا رہیں ۔ ورنہ جو پچھلی قوموں کا حشر ہوا اور ان کے متعلق جو وعیدیں قرآن پاک نے بیان کی ہیں وہ کہیں اس اُمّت پر بھی اللہ اور رسولِ پاک کی نافرمانیوں کے بدولت صادق نہ ٹھیریں ۔ اسی بنا پر سارے قرآن اور ساری احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاصہ اور لب لباب " اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ " ہی بتایا جاتا ہے ۔ یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری ۔ مگر اب اس امت میں بھی اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی جو حیثیت رہی ہے یا جو اس کے متعلق آئندہ پیدا ہونے کے امکان اور حالات نظر آ رہے ہیں وہ تو یہی تبلا رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئی بعض احادیث میں فرمائی ہے وہ اب پوری طرح نہیں تو اور کچھ بعد پوری طرح ظاہر ہو کر رہیں گی ۔ اب ان احادیث پر غور کیجئے ۔

بخاری شریف کی حدیث ہے ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ نہ کرنے لگے میری اُمّت اگلے زمانوں کے طریقوں کو بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر یعنی بے تفاوت جو اگلے زمانہ کے کافروں کی رسمیں تھیں سو میری اُمّت بھی کرے گی ۔ اصحاب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا مجوسی اور نصاریٰ کی طرح لوگ ہو جائیں گے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کون لوگ ہیں سوائے ان کے یعنی انہیں کے قدم بقدم چلیں گے ۔

اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مجوس اور نصاریٰ کی یہ رسمیں تھیں :- ریشمی کپڑا پہننا ۔ چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا ۔ نجومیوں سے پوچھ کر کام کرنا ۔ داڑھی منڈانا ۔ گناہوں پر اترانا ۔ توبہ نہ کرنا شریعت کے حکموں پر خیال نہ کرنا ۔ شراب پینا ۔ سو افسوس کہ یہ سب رسمیں مسلمانوں میں بھی جاری ہو گئیں

(مشارق الانوار) اسی طرح بخاری و مسلم شریف میں دوسری روایت حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ البتہ تم چلوگے اگلے لوگوں کی چالوں پر بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اُن کی پیروی کروگے ۔ تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یا رسول اللہ کیا یہود و نصاریٰ کی چال پر چلیں گے ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر کون یعنی یہود و نصاریٰ ہی مراد ہیں انہیں کی چال پر چلوگے (مشارق الانوار)

اب اُمت کے عوام کی جو حالت ہو رہی ہے یا ہوتی جا رہی ہے وہ دیکھ لیجئے ۔ کہ یہود و نصاریٰ کے کس درجہ قدم بقدم ہیں ۔ لباس میں ۔ معاشرت میں ۔ اخلاق و عادات میں ۔ شکل و صورت میں یہود و نصاریٰ کی اتباع دن بدن مسلمانوں میں کس درجہ بڑھتی جا رہی ہے ۔

ایک حدیث اور مشکوٰۃ شریف کی بحوالہ ترمذی منقول ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت پر ایک ایسا ہی زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا ۔ بالکل درست اور ٹھیک جیسا کہ دونوں جوتیاں برابر اور یکساں ہوتی ہیں ، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بدفعلی کی ہوگی تو میری اُمت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا کریں گے (العیاذ باللہ) اور بنی اسرائیل کی قوم ۷۲ فرقوں میں منقسم ہوگئی تھی ۔ میری اُمت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہوگی جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے ۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنتی فرقہ کونسا ہوگا ؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ فرقہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا ۔ علمائے کرام و محدثین نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ وہ ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت کا ہے ۔

اب بتائیے کہ اس دَور کے اور اس وقت کے عام مسلمانوں کو یہ باتیں اور قرآن و سنت کے احکام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کس طرح پہنچائے جائیں اور کس طرح ان کو متنبہ کیا جائے اور کس طرح ان کو یہود و نصاریٰ کی تقلید اور اتباع سے موڑ کر قرآن و سنت کے اتباع و تقلید کی طرف لایا جائے ۔ حالت ہماری ایک طرف تو یہ ہے کہ مثلاً یہی "درس قرآن" صرف ۱۰ - ۱۵ منٹ کا سلسلہ ہے اس کے لئے بھی سارے نمازیوں کے پاس اتنا بھی وقت نہیں ۔ اوّل تو جماعت سے نماز پڑھنے والوں کی کثرت نہ رہی اور جو آ بھی جاتے ہیں تو قرآن و حدیث سننے اور سمجھنے کا شوق و جذبہ نہیں اِلّا ماشاءاللہ ۔ دوسری طرف ہمارے صاحب اقتدار صاحب حکومت امرا و رؤسا مغربی تہذیب و تمدن و معاشرت کے دلدادہ ہیں اور اپنی وضع قطع اور طور و طریق اور طرز معاشرت اور قول و فعل اور عمل و اخلاق سے دن رات مغربی اقوام کی ناپاک اور ذلیل معاشرت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور اسلام کے نظریات اور اس کے معاشرتی احکام و فرائض کے ساتھ تغافل برت رہے ہیں تو اب عوام مشہور مقولہ :-

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ (عام لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) کے مطابق یہود و نصاریٰ کی تقلید واتباع کی طرف جائیں گے یا قرآن وسنت اور اسلام وشریعت کے اتباع کی طرف آئیں گے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اس امت مسلمہ پر رحم وکرم فرمائیں اور غیب سے ہماری اصلاح کے اسباب پیدا فرمائیں۔ آمین ابھی آگے اسی قوم بنی اسرائیل ہی کے متعلق بیان جاری ہے اور اب آگے بعض ان احکام کا ذکر ہے کہ جن کی پابندی پر یہود سے عہد لیا گیا تھا مگر انہوں نے اس اقرار اور عہد کو توڑ ڈالا جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اپنی کتاب سے سچی اور پکی محبت نصیب فرمائیں۔ اور ہمیں اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی ہر حال میں توفیق مرحمت فرمائیں۔ یہود کی نافرمانیوں اور شرارتوں سے اللہ تعالیٰ ہم کو سبق وعبرت نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور یہود و نصاریٰ کے اتباع اور تقلید سے مسلمانوں کو کامل طور پر بچنے کا عزم وہمت نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے ساتھ عمل صالحہ کی دولت بھی عطا فرمائیں اور اپنے فضل وکرم سے ہمارا دائمی ٹھکانا اپنے رضا کے مقام جنت میں فرمائیں۔

یا اللہ! ہمارے بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کے اسباب غیب سے ظاہر فرما دے اور یہود و نصاریٰ کے اتباع سے ہم کو بچالے۔ یا اللہ! ہمارے قلوب کو قرآن وسنت کی طرف مائل کر دے اور گمراہی اور بے دینی کی فضاؤں کو دینداری میں بدل دے۔ یا اللہ! ہمارے حاکموں اور امراء ورؤساء کو بھی ہدایت نصیب فرما اور ان کے قلوب کو اتباع قرآن وسنت کی طرف مائل فرما اور اس سرزمین پاکستان میں اسلام کے پھیلنے، پھولنے اور چمکنے کے اسباب پیدا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

درس ۳۸

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ

اور جب لیا ہم نے قول و قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا

اِلَّا اللّٰهَ ۙ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی

وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ

اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ پھر تم اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں یہود کے اس عقیدۂ باطلہ اور زعم فاسدہ کا رد فرمایا گیا تھا جو کہتے کہ ہم تو انبیاء کی اولاد اور خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اوّل تو ہم کو عذاب نہ ہوگا اور ہم ہی جنت میں جائیں گے اور اگر ہم کو کسی بدعملی پر سزا ہوئی بھی تو گنتی کے چند دنوں کا عذاب ہوگا۔ اس کے رد میں فرمایا گیا تھا کہ یہ خیال خام ہے اور نجاتِ ابدی کا قانون بیان فرمایا گیا تھا کہ نجات کا دارمدار اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے اور عمل صالح کرنے پر ہے۔ خواہ وہ کسی خاندان اور کسی قوم کا ہو اور یہود چونکہ دو انبیاء کی نبوت کا انکار کرتے تھے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے اور کفر کی سزا دائمی جہنم ہے اسلئے یہود کو بھی ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی وعید سنائی گئی تھی۔

اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک دلیل اور قائم فرماتے ہیں، کہ جس قوم نے خدا تعالیٰ سے پختہ عہد اور پیمان کر کے توڑے ہوں اور خصوصاً جبکہ عہد شکنی اس قوم کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی ہو تو اس کے جرم میں اُسے ہمیشہ جہنم میں ہی رہنے کی سزا ملنی چاہیئے نہ کہ چند روز کا عذاب دے کر چھوڑ دیا جائے۔ اب وہ کیا امور تھے جن کا توریت میں بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا گیا تھا اور جن کو کہ اقرار اور عہد کے بعد یہود نے توڑا؟ اس کی تفصیل حق تعالیٰ نے آج کی آیت میں بیان فرمائی ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط

"اور وہ زمانہ یاد کرو جب لیا ہم نے توریت میں قول و قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا کسی کی بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے جب کوئی بات کہنا ہو تو اچھی طرح خوش خلقی کے کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ۔"

یہاں بتلایا گیا کہ سب سے پہلا عہد جو بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے توریت میں احکام کی پابندی کا لیا گیا تھا وہ یہ کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اسی کو کارساز مالک و مختار سمجھیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ توحید چونکہ حق اللہ ہے اور تمام اعمال کی روح و جان ہے اس لئے سب سے پہلے اس کا ذکر فرمایا پھر حق اللہ کے بعد حق العباد ہے اور بندوں میں والدین کے حقوق سب پر مقدم ہیں اسلئے حق اللہ کے بعد ماں باپ سے حسن سلوک اور ان کے حقوق کما حقہٗ ادا کرنے کا حکم دیا۔ والدین کے حقوق بہت ہیں مثلاً ان کا اکرام و احترام کرنا۔ اُن کے جائز احکام کی تعمیل کرنا۔ ادب اور نرمی سے اُن سے باتیں کرنا۔ اُن کی مالی اعانت کرنا وغیرہ وغیرہ اور والدین کے یہ حقوق لازم ہیں اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر والدین مشرک ہوں اور شرک کرنے پر مجبور کریں تو اس معاملہ میں اُن کی اطاعت جائز نہیں البتہ اُن سے حسن سلوک پھر بھی فرض ہے۔ والدین کے بعد رشتہ داروں یتیموں اور غریبوں سے حسن سلوک یعنی مالی امداد کا حکم دیا گیا۔ اور بنی اسرائیل سے اس امر کا بھی عہد لیا گیا تھا کہ وہ تمام لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آئیں اور ایسی باتیں کریں جو سراپا حسن اخلاق ہوں اور بنی اسرائیل سے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا بھی عہد لیا گیا تھا اور یہاں نماز و زکوٰۃ سے وہی نماز زکوٰۃ مراد ہے جو بنی اسرائیل پر توراۃ کے حکم کے موافق فرض تھی لیکن بنی اسرائیل نے اس عہد اور اقرار کے ساتھ کیا معاملہ کیا اس کے متعلق ارشاد ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

"پھر تم قول و قرار کر کے اُس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمول عادت ہے۔ اقرار کر کے ہٹ جانا۔"

یعنی تم نے یہ عہد پورے نہ کئے اور اُن سے روگردانی کی توحید کو چھوڑ دیا اور شرک اختیار کر لیا حضرت عزیر علیہ السلام اور اپنے دوسرے بزرگوں کو خدا کے نائب اور کارساز مانا انسانی حقوق بھی پامال کئے اور نماز روزہ سے بھی لاپرواہی کی گویا اس طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد سب ہی سے منہ موڑا اور تم میں سے بہت تھوڑے

Marfat.com

اس عہد و اقرار پر قائم رہے تو جو یہ جرم کرے وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہنے کے لائق ہے۔ اور یہ اعراض اور عہد شکنی تو تمہاری خصلت اور عادت ہی ہو چکی ہے کہ اللہ سے عہد و پیمان کرتے ہو مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔

ان آیات کے سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حکم و احکام یعنی (۱) کسی کی عبادت بجز اللہ کے نہ کرنا (۲) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا (۳) اہلِ قرابت اور یتیم۔ غریب محتاجوں سے احسان و سلوک کرنا۔ (۴) جب کوئی بات کہنا ہو تو خوش خلقی سے کہنا (۵) نماز کی پابندی رکھنا (۶) زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ نہ صرف بنی اسرائیل کو بلکہ تمام مخلوق کو تمام رسولوں کے ذریعہ یہی فرمان الٰہیہ ہے چنانچہ اُمتِ محمدیہ کو بھی قرآنِ پاک میں متعدد جگہ ایسے احکام ملے ہیں۔ پانچویں پارہ سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ

"اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو اور حسنِ سلوک رکھو والدین کے ساتھ اور قرابتداروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہاری ملک میں ہے اس کے ساتھ"

پندرہویں پارہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ

"اور تیرے پروردگار نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو"

ان جملہ آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد تعظیم و تکریم والدین کا حکم دیا اور اسی بنا پر والدین کی تعظیم تمام شریعتوں میں واجب رہی ہے اور چونکہ یہ حق محض ماں باپ ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے والدین میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی اس سے اشارہ اس طرف ہے کہ والدین کی تعظیم والدین ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں واجب اور لازم ہے۔ والدین خواہ کافر و فاجر ہوں یا منافق فاسق ہوں اور قرآن و حدیث میں جا بجا کافر اور مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کا حکم دیا گیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف کسی معصیت و گناہ میں ماں باپ کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کی جائے گی جیسا کہ بیسویں پارہ سورہ عنکبوت میں صریح ارشاد ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر

Marfat.com

وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔"

الغرض تمام پچھلی شریعتوں اور کتابوں میں بھی اور اب قرآنِ کریم نے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد ماں باپ کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت میں یہ خبر دی گئی کہ بنی اسرائیل نے اس قول قرار اور عہد و پیمان کو جو انہوں نے حق تعالیٰ سے کیئے تھے توڑ دیئے اور اس عہد شکنی کی سزا چند روزہ عذاب نہیں جیسا کہ یہود نے اپنے زعم میں سمجھ رکھا تھا بلکہ دائمی شدید عذاب جہنم ہو گا۔ یہود کی آگے بعض دوسری عہد شکنیوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ ان عہد شکنیوں کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ان کو چند روزہ عذاب نہیں بلکہ دائمی عذابِ جہنم دیا جائے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دُعا کیجئے:-

اللہ تعالیٰ اس نافرمان قوم بنی اسرائیل کے واقعات وحالات سے ہم کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہم کو اور تمام اُمتِ مسلمہ کو اپنی اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح کی نافرمانی سے بچائیں، جو احکام الٰہیہ ہم کو قرآنِ کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملے ہیں۔ ان کی اطاعت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! آپ کے احکام سے انحراف واعراض جو یہود کی خصلت تھی اہلِ اسلام کو اس سے کامل طور پر بچنا نصیب فرما۔

یا اللہ! ہم میں سے جن کے والدین موجود ہوں ان کے حقوق ادا کرنے کی توفیق ہم کو نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

درس ۳۹

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ

اور جب ہم نے تم سے یہ قول وقرار لیا کہ باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے

اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

کو ترکِ وطن مت کرانا پھر تم نے اقرار بھی کرلیا اور اقرار بھی ایسا جیسے تم شہادت دیتے ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا

پھر تم یہ موجود ہو کہ باہم قتل وقتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو

مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ

ترکِ وطن بھی کراتے ہو اُن اپنوں کے مقابلہ میں امداد کرتے ہو گناہ

وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ

اور ظلم کے ساتھ ۔ اور اگر اُن لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کرکر کر

مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ

رہا کرا دیتے ہو حالانکہ بات یہ ہے کہ تم کو ان کا ترکِ وطن کرا دینا بھی ممنوع ہے۔ کیا تو کتاب کے بعض احکام پر تم ایمان

الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ

رکھتے ہو اور بعض احکام پر ایمان نہیں رکھتے سو اور کیا سزا ہو ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں

ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ

سے ایسی حرکت کرے بجز رسوائی کے دنیاوی زندگانی میں ، اور روز

الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

قیامت کو بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے ، اور اللہ بے خبر نہیں ہیں

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ

تمہارے اعمال سے ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اُنہوں نے دنیوی زندگانی کو

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

لے لیا ہے بعوض آخرت کے سو نہ تو ان کی سزا میں تخفیف دی جائے گی

Marfat.com

ع ۱۰

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

اور نہ کوئی ان کی طرفداری کرنے پاوے گا۔

تفسیر و تشریح :۔ اوپر بنی اسرائیل کو یاد دلایا گیا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ سے پختہ عہد و پیمان کرنے کے باوجود کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں سے نیک سلوک کریں گے۔ نماز کو قائم رکھیں گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے، اپنے عہد و اقرار سے پھر گئے اور اپنی پرانی خصلت کے موافق عہد شکنی اور اللہ کے احکام کی نافرمانی کی۔ اور اللہ کے بعض رسولوں کے ساتھ کفر و انکار۔ تو جس کی وعید انہیں دائمی عذاب جہنم بتلائی گئی تھی جس میں یہود کے اس خیال باطل اور ان کے زعم فاسد کا بھی رد ہو گیا تھا کہ ہم کو دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں سوائے گنتی کے چند دنوں کے۔

اب آگے یہود کو خطاب کر کے ان کی بعض مزید عہد شکنیاں یاد دلائی جاتی ہیں اور ان کی بدعملیوں اور بدعہدیوں کے باعث ان کو دنیا میں ذلت و رسوائی کی سزا ملنا اور آخرت میں سخت عذاب میں گرفتار ہونے کی سزا بتلائی جاتی ہے۔ چنانچہ آج کی آیات میں پہلے ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○

"اور وہ زمانہ بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے یہ قول و قرار بھی لیا کہ خانہ جنگی کر کے باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترکِ وطن مت کرانا، پھر ہمارے اس اقرار لینے پر تم نے اقرار بھی کر لیا اور اقرار بھی ایسا کیا جیسے تم اس پر شہادت بھی دیتے ہو۔"

یعنی نہایت صاف و صریح جیسے شہادت صاف اور واضح ہوا کرتی ہے۔ یعنی بنی اسرائیل سے تورات میں یہ بھی عہد لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں اتفاق سے رہیں اور خانہ جنگی سے اجتناب کریں۔ اپنے کسی بھائی کو گھر سے نہ نکالیں یا کسی کو آزار پہنچا کر ایسا تنگ نہ کریں کہ وہ ترکِ وطن پر مجبور ہو اور نہ ہی کسی کو قتل کریں مگر یہود نے ان دونوں مذکورہ عہدوں سے بھی عہد شکنی کی جیسا کہ آگے بتلایا گیا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ

"پھر اس اقرار صحیح کے بعد تم جیسے ہو یہ آنکھوں کے سامنے موجود ہی ہو کہ باہم قتل و قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترکِ وطن بھی کراتے ہو اس طور پر کہ ان اپنوں کے مقابلہ میں ان کی مخالف قوموں کی امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ سو ان دونوں حکموں کو تو یوں غارت کیا اور ایک تیسرا حکم جو سہل سمجھا اس پر عمل کرنے کو خوب تیار رہتے ہو کہ اگر ان لوگوں میں سے

کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کر کرا کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات بھی معلوم ہے کہ تم کو ان کا ترک وطن کرا دینا بھی ممنوع ہے "

یعنی اُن پر تین حکم واجب تھے اوّل قتل نہ کرنا، دوم وطن سے خارج نہ کرنا، سوم اپنی قوم میں سے کسی کو گرفتار اور اسیر دیکھیں تو روپیہ خرچ کر کے چھڑا دینا سو ان لوگوں نے حکم اوّل و دوم کو تو ضائع کر دیا تھا اور سوم کا اہتمام کرتے تھے اور تفصیل اُس کی اِس طرح ہے کہ ابتدائے اسلام میں اہلِ مدینہ میں دو قومیں آباد تھیں، اَوْس اور خَزْرَج اور ان میں باہم عداوت رہتی تھی اور کبھی کبھی جنگ و قتال کی بھی نوبت آتی تھی اور مدینہ کے گرد و نواح میں دو قومیں یہود کی آباد تھیں بَنِیْ قُرَیْظَہ اور بَنِیْ نَضِیْر۔ اَوْس اور بَنِیْ قُرَیْظَہ باہم دوست اور حلیف تھے اور خَزْرَج اور بَنِیْ نَضِیْر باہم دوست اور حلیف تھے۔ جب اَوْس اور خَزْرَج کی باہم جنگ ہوتی تو دوستی اور حلیف ہونے کی وجہ سے یہود بَنِیْ قُرَیْظَہ تو اَوْس کے مددگار ہوتے اور یہود بَنِیْ نَضِیْر خَزْرَج کے حامی بنتے۔ تو جنگ و قتال میں جہاں اَوْس اور خَزْرَج مارے جاتے اور خانماں آوارہ ہوتے اُن کے دوستوں کو بھی یہ مصیبت پیش آتی اور اس طرح یہود بَنِیْ قُرَیْظَہ کے آدمیوں کے قتل اور اخراج میں بَنِیْ نَضِیْر کا ضرور اثر اور دخل ہوتا اور بَنِیْ نَضِیْر کے بعض آدمیوں کے قتل و اخراج میں بَنِیْ قُرَیْظَہ کا دخل و اثر ہوتا البتہ یہود کی دونوں جماعتوں میں سے اگر کوئی جنگ میں اسیر و قیدی ہو جاتا تو ہر جماعت اپنے دوستوں کو مال سے راضی کر کے اسیر کو رہائی دلا دیتے اور جو کوئی پوچھتا تو کہتے کہ اسیر کو رہا کرا دینا ہم پر از روئے مذہب واجب ہے اور اگر قتل و اخراج کے معین بننے پر کوئی اعتراض کرتا تو کہتے کیا کریں اپنے دوستوں کا ساتھ نہ دینے سے عار آتی ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی کی شکایت فرمائی ہے کہ اپنوں کے مقابلہ میں امداد کرتے ہو دوسروں کی ظلم و گناہ کے ساتھ۔ دوسروں سے مراد اَوْس اور خَزْرَج ہیں کہ اَوْس بَنِیْ قُرَیْظَہ کی موافقت میں بَنِیْ نَضِیْر کے مخالف تھے اور خَزْرَج بَنِیْ نَضِیْر کی موافقت میں بَنِیْ قُرَیْظَہ کے مخالف تھے۔ اور گناہ و ظلم دو لفظ لانے میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ اس میں دو حق ضائع ہوتے ہیں حق اللہ بھی کہ حکم الٰہی کی تعمیل نہ کی اور حق العبد بھی کہ دوسرے کو آزار و تکلیف پہنچی نہ ایک طرف تو خدا کی نافرمانی کی کیونکہ اُسنے اپنے بھائی بندوں کے قتل و اخراج سے منع کیا ہے دوسری طرف قتل و اخراج کے ذریعہ اپنے قومی بھائیوں پر ظلم کیا اور ان کی حق تلفی کی۔ چنانچہ یہود کی اسی عہد شکنی پر شکایت و ملامت کی جاتی ہے اور یہود کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج

"تو کیا کتاب توریت کے بعض احکام پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض احکام پر ایمان نہیں رکھتے"

یعنی فدیہ دے کر بھائی بندوں کو قید سے چھڑا لینا توریت کے اس حصہ کو مان لیا اور ایک حصہ کو ٹھکرا دیا کہ بھائی بندوں کے قتل و اخراج کی پروا نہ کی۔ اور خدا کے بعض حکموں کو ماننا اور بعض حکموں کو نہ ماننا یہ بڑا جرم ہے اور

خدائی احکام کے ساتھ ایک قسم کا تمسخر اور استہزا ہے اسلئے آگے اس جرم کی سزا کی تصریح فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ "سو اور کیا سزا ہونی چاہیئے ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز رسوائی کے دنیاوی زندگانی میں اور روز قیامت کو بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جاویں گے اور اللہ تعالیٰ کچھ بے خبر نہیں تمہارے اعمال سے"۔ یعنی یہاں یہود کے لئے ان کی بدعہدیوں اور بداعمالیوں کے باعث دو سزاؤں کا ذکر فرمایا ایک دنیا کی سزا کہ ذلت اور رسوائی نصیب ہوگی اور دوسری آخرت کی سزا کہ اَشَدِّ الْعَذَابِ میں گرفتار کیا جائے گا اَشَدِّ الْعَذَابِ سے مراد جہنم کا ابدی عذاب ہے اور وہ نہایت سخت اس لحاظ سے ہوگا کہ وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ چنانچہ دنیا کی سزا یعنی ذلت و رسوائی کا وقوع یہود مدینہ کے لئے اس طرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وقت میں مسلمانوں کے ساتھ نقضِ عہد کرنے کے سبب یہود بنی نضیر کو ذلت و خواری کے ساتھ جلاوطن کیا گیا اور بنی قریظہ کے یہود مردوں کو قتل کیا گیا اور ان کی عورتوں بچوں کو غلام بنایا گیا جیسا کہ ان واقعات کو سورۂ احزاب اور سورۂ حشر میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ تو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی کتاب کے بعض احکام کو ماننا اور بعض احکام کو نہ ماننے پر دو سزاؤں کا ذکر فرمایا۔ ایک دنیا کی سزا دوسری آخرت کی سزا۔

ان آیات کے مخاطب اگرچہ وہ یہود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے لیکن اب امت محمدؐ بھی ان احکام کی مخاطب اور مکلف ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ یہاں سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی اور ذلت بھی اللہ کا ایک عذاب ہے اور اسی وجہ سے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں اور دوسری باتوں سے پناہ مانگنے کی دعائیں موجود ہیں وہیں خِزْيِ الدُّنْيَا یعنی دنیا کی رسوائی سے بھی پناہ مانگنے کی دعا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَالْعَذَابِ الْاٰخِرَةِ الخ موجود ہے۔

الغرض یہود کے متعلق بتلایا گیا کہ وہ اپنی کتاب یعنی تورات کے بعض احکام الٰہیہ مانتے اور بعض احکام کو نہیں مانتے تھے اور ان کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے ان پر دو سزاؤں کا ہونا بیان فرمایا ایک سزا تو دنیا میں ذلت و رسوائی کی دوسری سزا آخرت میں عذاب شدید کی۔ اب آگے وجہ اس سزا کی بتلائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ اور وجہ اس سزا کی ان کے لئے یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے احکام کی مخالفت کر کے دنیوی زندگانی کے عیش اور فائدہ کو لے لیا بعوض نجات آخرت کے سو نہ تو ان کی سزا میں تخفیف دی جاوے گی اور نہ کوئی بلیل مختار یا دوست رشتہ دار ان کی طرفداری پیروی کرنے پاوے گا یعنی یہود کے تمام جرائم۔ تمام بداعمالیاں اور بدکرداریاں۔ خدائی احکام سے نافرمانی، اپنی کتاب پر نہ چلنا، اپنے رسولوں کا کہنا نہ ماننا وغیرہ وغیرہ جن کا بیان مسلسل اوپر سے ہوتا آرہا ہے۔ ان سب کی خاص وجہ یہی تھی کہ وہ دنیا کی زندگی کو سامنے رکھتے تھے اور آخرت کو پس پشت ڈال دیتے تھے۔ جہاں

Marfat.com

دین و دنیا کا مقابلہ پڑتا وہ دُنیا کو ترجیح دیتے اور دین و آخرت کی پرواہ نہ کرتے۔ قوم بنی اسرائیل کا یہ مرض ایسا تھا گویا یہی جڑ اور بنیاد تھی ان کی تمام بداعمالیوں کی اور یہ مرض اتنا اہم ہے کہ اس کو قرآن پاک میں متعدد جگہ مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ یہ مرض یعنی دنیا کو آخرۃ پر ترجیح دینا نہایت مہلک ہے۔ اور اسی میں گرفتار ہو کر یہود نے دُنیا میں رسوائی و ذلت کی سزا اور آخرت میں ابدی عذابِ جہنم کی سزا مول لی اور ان کے عذاب میں قطعاً کوئی تخفیف نہ ہوگی اور نہ مذکورہ عذاب سے بچانے کے لئے انہیں کسی طرف سے کسی قسم کی مدد پہنچے گی۔ نہ دولتِ دنیا کے ذریعہ انہیں عذاب سے چھڑایا جا سکے گا۔ نہ اُن کے اسلاف کی وجاہت اور بزرگی ان کے کام آسکے گی اور نہ ہی انہیں اپنے بزرگوں کی سفارش اور کارسازی سے نجات مِل سکے گی۔ اب یہاں یہود کے متعلق جو تبلایا گیا اس میں اہلِ اسلام کے لئے بھی بڑی عبرت و نصیحت ہے یہود نے جو سزا اپنے رسول اور اپنی کتاب کی مخالفت اور نافرمانی کر کے دُنیا میں پائی یا جو آخرت میں اُنہیں ملے گی، جیسا کہ قرآنِ کریم نے صاف صاف تبلایا ہے اس پر ہمیں بھی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ خدارا ہم اپنی حالتوں پر غور کریں اور سوچیں کہ اگر ہم نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اپنی کتاب قرآن کریم اور اسکے مقدس قوانین و احکام کی اطاعت نہ کی اور اس سے مخالفت و بغاوت اختیار کی تو اس کا نتیجہ کیا ہمیں دُنیا میں ملنا ہے اور کیا آخرت میں ان آج کی آیات کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص شریعت کے اس حکم کو نہ مانے کہ جو اس کی طبیعت کے موافق ہو اور جو حکم مخالف طبیعت ہو اس کو قبول نہ کرے تو وہ کافر ہے مسلمان نہیں۔ دنیاوی حکومتوں میں ایک قانون کا انکار بھی بغاوت ہے۔ جو شخص حکومت کے کسی حکم ماننے سے انکار کر دے اس پر بغاوت کی دفعہ لگ جاتی ہے اور کفر اللہ کی بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ اور ان قرآنی واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

ابھی آگے بنی اسرائیل کی بعض اور سخت کج روی اور سنگدلی کی مثالیں بیان کی گئی ہیں مثلاً تکذیبِ انبیاء اور قتلِ انبیاء جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہمیں قرآن کریم پر ایمانِ کامل اور صادق نصیب فرمائیں اور اسکے تمام احکامات پر ایمان رکھنے کے ساتھ ان کا اتباع بھی نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ یہود کی اس خصلت سے کہ بعض خدائی احکام کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا امت مسلمہ کو کامل طور پر بچائیں۔ اور ہم نے جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر جو عہد کر لیا ہے اسکے ایفاء اور ادائیگی حقوق کی توفیق عطا فرمائیں۔ آپس کی خونریزی اور ایک دوسرے پر ظلم و ستم جس پر یہود کو دین و دنیا دونوں جہان میں سزا کی وعید سُنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ان جرائم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

درس ۴۰

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے

بِالرُّسُلِ ۪ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ

پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کو

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا

روح القدس سے تائید دی ۔ کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو

تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۪

تمہارا دل نہ چاہتا تھا تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا سو بعضوں کو تم نے جھوٹا بتلایا

وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے ۔

تفسیر و تشریح :۔ اوپر بنی اسرائیل کو خطاب کر کے اُن کی ایک بُرائی یہ بتلائی گئی تھی کہ تمہاری خصلت یہ رہی کہ تم نے خدا کے بعض حکموں کو مانا اور بعض کو نہ مانا اور یہ حرکت کہ بعض احکام الٰہیہ کو ماننا اور بعض کو رد کر دینا یہ بہت بڑا جرم ہے اور خدائی احکام کے ساتھ ایک قسم کا تمسخر اور استہزاء ہے پھر اس حرکت کی سزا بھی اُنہیں سُنا دی گئی تھی کہ دُنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں عذاب شدید۔ اسی سلسلہ میں آج کی آیات میں بھی یہود کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ احکام کا ماننا اور نہ ماننا تو ایک طرف رہا۔ تمہارے اسلاف کی یہ ردی اور سنگدلی کا تو یہ عالم تھا کہ انہوں نے خدا کے احکام لانے والے اسکے پیغمبروں کی تکذیب کی اور بعض کو سچے سے انہوں نے نبی مانا ہی نہیں۔ اور پھر تکذیب ہی پر بس نہیں کی بلکہ بعض انبیاء علیہم السلام کو تو وہ سنگدل قتل کرنے سے بھی نہ چوکے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے، وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۔

"اور ہم نے اے بنی اسرائیل تمہاری ہدایت کے لئے سب سے اوّل موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توراۃ دی"۔

یعنی تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شریعت کا ایک دستور دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا قطعی حکم دیا گیا اور اسکے علاوہ بہت سے احکام دیئے گئے اور پھر موسیٰ علیہ السلام کے دُنیا سے چلے جانے کے بعد وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۔ "اور اُن کے پیچھے پے در پے پیغمبروں کو بھیجتے رہے" یعنی موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی میں توریت پر عمل کرنے کی تلقین کرتے رہے اور اُن کی

وفات کے بعد بھی انبیاء و رسل کا سلسلہ برابر جاری رکھا کہ اللہ کے عہدوں کو یاد دلاتے رہیں اور شریعت مُرسویہ کی پیروی اور اس پر استقامت کی تلقین کرتے رہیں حتّٰی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام تک ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل میں پیغمبر آئے مثلاً حضرت یُوشَعْ۔ حضرت شَمْعُوْنْ۔ حضرت دَاؤد۔ حضرت سُلَیْمٰن۔ حضرت عُزَیْرْ۔ حضرت حِزقِیل۔ حضرت اِلْیَاسْ۔ حضرت یُوْنُسْ۔ حضرت زَکَرِیَّا اور حضرت یَحْیٰی علیہم السلام وغیرہ یہ سب حضرات موسٰی علیہ السلام کی شریعت پر تھے اور بنی اسرائیل کی اصلاح و تربیت کے لئے تلقین کرتے رہے۔

پھر خاندان بنی اسرائیل کے اخیر میں وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ "اور پھر اس خاندان کے سلسلہ کے اخیر میں ہم نے حضرت عیسٰی بن مریمؑ کو نبوت کے واضح دلائل یعنی انجیل اور معجزات عطا فرمائے اور ہم نے ان کو رُوح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام سے تائید دی" یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو رشد و ہدایات کی واضح کتاب انجیل عطا فرمائی گئی تھی اور کھلے ہوئے روشن معجزات حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دیئے گئے تھے تاکہ ان کی نبوت میں کسی کو شک و شبہ نہ رہے مثلاً مُردوں کو باذن الٰہی زندہ کرنا۔ کوڑھی اور مادرزاد اندھے کو تندرست کرنا وغیرہ۔ قرآنِ کریم میں کسی پیغمبر کو اس کے والد کی طرف منسوب کر کے ذکر نہیں کیا گیا البتہ صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اکثر والدہ کی نسبت سے یعنی عیسٰی ابن مریم کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک طرف تو ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے یعنی یہود کی جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں کہ اگر کوئی ان کے والد ہوتے تو انہیں باپ کی طرف منسوب کیا جاتا نہ کہ والدہ کی طرف دوسری طرف نصاریٰ کی تردید ہے۔ جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں عیسٰی ابنِ مریم فرما کر ظاہر کر دیا کہ نہ وہ خدا ہیں۔ نہ خدا کے بیٹے بلکہ وہ مریم کے بیٹے ہیں اور اللہ کے بندے ہیں ہاں عظمت و شان کے لحاظ سے وہ خدا کے مقرب اور برگزیدہ پیغمبر ہیں جن کو کہ اللہ تعالےٰ نے رُوح القدس جن سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں تائید دی تھی، جو ہر وقت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے، اور دشمنوں سے اُن کی حفاظت کرتے تھے۔ ولادت سے لے کر آسمان پر چڑھنے کے وقت تک آپ کے محافظ رہے۔

آگے اس پر اظہار تعجب کیا جاتا ہے کہ باوجود اتنے سامانِ ہدایت کرنے کے اور ہزاروں پیغمبر رشد و ہدایت کی غرض سے بھیجنے کے اے بنی اسرائیل تم اس پر بھی سرکشی کرتے رہے چنانچہ۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

"جب کبھی بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا دِل نہ چاہتا تھا جب ہی تم نے ان پیغمبر کی اطاعت سے تکبر کرنا شروع کر دیا سو ان پیغمبروں میں سے

بعضوں کو تو (نعوذ باللہ) تم نے جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو بے دھڑک قتل ہی کر ڈالتے تھے "

یعنی اے یہود ہم نے تمہارے اسلاف کو سمجھانے کے لئے ہزاروں پیغمبر بھیجے - تورات و انجیل میں واضح دلائل کے ساتھ انہیں مسئلہ توحید سمجھایا - اُنکے اطمینانِ قلب کی خاطر پیغمبروں نے معجزات دکھائے مگر اسکے باوجود بھی جب کوئی پیغمبر دعوتِ توحید لیکر آیا اور خدا کی طرف سے دوسرے احکام پہنچائے جو انکی خواہش اور منشا کے مطابق نہ ہوتے تو فوراً ان کا انکار کیا اور غرور سے ان کو حقیر سمجھا اور اے یہود تمہارا یہ رویّہ کسی ایک پیغمبر کے ساتھ نہ تھا بلکہ تم نے ہر پیغمبر کی آمد پر یہی کچھ کیا کہ ڈٹ کر اسکی مخالفت اور تکذیب کرتے اور یہ اُنکی انتہائی خباثت اور سنگدلی تھی کہ جب موقع مل جاتا تو خدا کے پیغمبر کو قتل کرنے سے بھی نہ چوکتے چنانچہ یہود نے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے ساتھ اپنی دانست میں یہود نے تو ان کو سولی پر چڑھا دیا - مگر حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا اور ان کی شبیہ کا ایک دوسرا شخص بنا دیا جس کو یہود نے دار پر چڑھا دیا - پھر ان کا یہ ایذا رسانی کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ختم نہ ہوا بلکہ نبیٔ آخر الزمان سید الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک تک جاری رہا - یہود نے ایک بار آپ پر سحر کیا - ایک بار بکری کے گوشت میں ملا کر زہر دیا - ایک بار دیوار کے نیچے فریب سے بٹھا کر چاہا کہ ایک بھاری پتھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر گرا دیں جس سے آپ شہید ہو جائیں مگر حق تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا خیبر میں یہود کے زہر آلود کئے ہوئے بکری کے گوشت کا ایک لقمہ آپ نے چکھ لیا تھا جس کے متعلق صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الموت میں فرمایا کرتے تھے کہ میں اس زہر آلود لقمہ کا اثر ہمیشہ محسوس کرتا تھا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب وہ وقت ہے کہ زہر کے اثر نے میری رگِ جان کاٹ دی -

الغرض یہود کو یہاں حق تعالیٰ اُنکی بدخصلت جتلا رہے ہیں کہ حالت تو تمہاری یہ ہے کہ تم نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا یہاں تک کہ بعضوں کو قتل تک کر ڈالا اور اس پر دعویٰ یہ کہ نارِ جہنم ہم کو تو چھوئے گی نہیں اور چھوا بھی تو صرف چند دن کے لئے اور ہمارے بڑے ہم کو عذابِ جہنم سے بچا لیں گے تو ہرگز ایسا نہ ہوگا بلکہ نارِ جہنم کی دائمی اور ابدی سزا بھگتنی ہوگی -

یہاں تک تو بنی اسرائیل کے اُس معاملہ کا ذکر تھا جو انبیاء سابقین اور گذشتہ نازل شدہ کتابوں کے ساتھ تھا اب آئندہ آیات میں ان بدبختوں کے اُس معاملہ کا ذکر فرمایا جاتا ہے جو انہوں نے نبیٔ آخر الزمان اور آخری کتاب قرآنِ کریم کے ساتھ کیا جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا -

دُعا کیجئے :- اللہ تعالیٰ اس نافرمان قوم یہود کے واقعات سے ہم کو بھی عبرت و نصیحت عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے دین - اپنی کتاب اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پکا و سچا مطیع و فرمانبردار بنا کر زندہ رکھیں - اور اسی پر موت نصیب فرمائیں - اللہ تعالیٰ یہود کی اس خصلت سے کہ احکام الٰہیہ میں سے جس کو دل چاہا مانا اور جس کو دل نہ چاہا نہ مانا - اُمتِ مسلمہ کو بچائیں اور ہمیں دینِ حنیف اور شریعتِ اسلامیہ کا اتباعِ کامل نصیب فرمائیں اور دشمنانِ دین کے مکر و فریب سے ہماری حفاظت فرمائیں - آمین -

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

Marfat.com

درس ۴۱

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں ۔ بلکہ ان کے کفر کی سبب ان پر خدا کی مار ہے

فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں ۔ اور جب ان کو ایک ایسی کتاب پہنچی جو من جانب اللہ ہے

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ لا وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى

اُس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے حالانکہ اس کے قبل بیان کیا کرتے تھے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ج فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ز

کفار سے پھر جب وہ چیز آپہنچی جس کو وہ پہچانتے ہیں تو اس کا انکار کر بیٹھے ۔

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ

سو خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر ۔ وہ حالت بُری ہے جس کو اختیار کر کے

اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ

وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں یہ کہ انکار کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی محض ضد پر کہ اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ج فَبَآءُوْ

اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو نازل فرماوے ۔ سو وہ لوگ

بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ۔ اور ان کفر کرنے والوں کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت ہے ۔

تفسیر و تشریح :۔ اوپر دو رسے بنی اسرائیل یعنی قوم یہود اور ان کی بدخصلتوں کا ذکر ہوتا چلا آرہا ہے کہ جو بدعہدیاں انہوں نے اپنے انبیاء اور اپنی کتاب کے ساتھ کیں۔ اب اُن یہود مدینہ کا ذکر فرمایا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور جن کو اسلام و قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جارہی تھی کہ انہوں نے کیا معاملہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے ساتھ کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط اور وہ یعنی یہود کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں یعنی جب قرآنِ کریم میں یہود کے عقائد فاسدہ اور شبہاتِ باطلہ کا بالکل استیصال فرمادیا اور کوئی معقول جواب اور قابلِ قبول دلیل ان کے

Marfat.com

پاس نہ رہی تو جاہلانہ جواب پر اُتر آئے اور ازراہِ غرور و تکبر خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور فخر یہ کہتے کہ ہمارے دِل غلاف میں محفوظ ہیں۔ ہمارے دِل تو پہلے ہی علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کی ضرورت نہیں اور سوائے اپنے دین کے کسی نئی بات کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہنچتا یعنی ہم اپنے دین پر نہایت پختہ اور مضبوط ہیں۔ آپ کی کوئی بات قبول نہیں کریں گے۔ غیر دین کی بات ہمارے دِلوں میں داخل ہی نہیں ہو سکتی اور نہ ہم کو اسکی ضرورت ہے۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ بلکہ اُن کے کفر کے سبب اُن پر خدا کی لعنت ہے سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں یعنی اسلام اور قرآن سے ان کی نفرت اور انکار کی وجہ وہ نہیں جو یہ یہود بیان کرتے ہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے مسلسل انکار اور ضد و عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں راندۂ درگاہ کر دیا ہے۔ انہیں اپنی رحمت سے دُور کر کے ان سے ایمان کی توفیق چھین لی ہے اور ان کے انکار و تکذیب کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی ہے اسلئے حق بات اُن پر اثر نہیں کرتی اور اُن کے دِل حق و نصیحت کو قبول نہیں کرتے اور حق سے متنفر اور بیزار ہیں۔ یہ غلاف نہیں بلکہ اللہ کی لعنت کی نشانی ہے۔ کفر اور لعنت کے زنگ نے ان کے دلوں کو اس قدر سیاہ اور زنگ آلود کر دیا ہے کہ آئینہ دِل میں ایمان و ہدایت کی روشنی قبول کرنے کی کوئی صلاحیت باقی نہیں اسلئے یہ لوگ بہت ہی قلیل ایمان لاتے ہیں۔

یہاں جو یہود کے لئے قَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ فرمایا یعنی یہ بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں اس سے مراد اُن امور کا ایمان ہے جو اُن کے اور مذہب اسلام میں مشترک ہے۔ مثلاً خدا کا قائل ہونا۔ قیامت کا قائل ہونا جنت و جہنم کا قائل ہونا کہ ان امور کے وہ بھی قائل تھے لیکن خود نبوت محمدیہ اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر تھے اسلئے کچھ را ایمان نہ تھا اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں پس وہ کافر ہی ٹھیرے۔ ایمان تو اللہ کے تمام احکام ماننے کا نام ہے محض قلیل کے ماننے سے شریعت میں مومن نہیں کہلاتا۔ اور ایمان قلیل تو کب معتبر ہوتا نجات کے لئے تو ایمان کثیر بلکہ اکثر بھی کافی نہیں کہ دین کی کثیر اور اکثر باتوں کو مانے اور بعض کا انکار کر دے۔ دین و شریعت کے تمام احکام کا ماننا یہ شرعاً ایمان ہے۔

آگے انہی یہود مدینہ کے متعلق ارشاد ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○

"اور جب ان کو یعنی یہود مدینہ کو ایک ایسی کتاب پہنچی یعنی قرآن جو منجانب اللہ ہے اور اس کتاب کی بھی تصدیق کرنے والی ہے جو پہلے سے اُن کے پاس ہے یعنی توراۃ حالانکہ اسکے قبل خود بیان کرتے تھے کفار یعنی مشرکین عرب سے کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ایک

کتاب لانے والے ہیں مگر جب وہ چیز آپہنچی جس کو وہ خوب پہچانتے ہیں تو اس کا انکار کر بیٹھے سو خدا کی لعنت ہو ایسے کافروں پر۔

یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب پہچانتے تھے کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں مگر عناد اور حسد کی وجہ سے مِنْ حَیْثُ الْقَوْم آپ پر ایمان نہیں لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جب کبھی یہود اور مشرکین عرب سے لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب خدا کی کچھ کتاب لے کر خدا کے عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں ایسا تباہ و برباد کریں گے کہ تمہارا نام و نشان مٹا دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ خدایا تو اس نبی کو جلد بھیج دے جس کی صفتیں ہم تورات میں پاتے ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ ہو کر اپنے دشمنوں سے انتقام لیں اور مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اب اس نبی کا زمانہ بالکل قریب آگیا ہے اور حضرت ابن عباس رضؓ اور بعض دیگر صحابہ سے یہ مروی ہے کہ جب یہود مدینہ اور یہود خیبر کی عرب کے بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تو یہ دعا مانگتے کہ اے اللہ! ہم تجھ سے اس احمد مصطفےٰ نبی اُمّی کے حق سے سوال کرتے ہیں جس کے ظاہر کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اُس کتاب کے واسطے اور برکت سے سوال کرتے ہیں جس کو تو سب سے اخیر میں نازل کرے گا کہ ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتح و نصرت عطا فرما۔ (درمنثور)۔

غرضکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے ہی یہود اپنی کتابوں کے علم کی بنا پر آپ کو خوب جانتے تھے اور آپ کے نام مبارک اور آپ کی کتاب قرآن کریم کے واسطہ اور برکت سے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے اور فتح پاتے تھے۔ اور آپ کے توسل کو موجب خیر و برکت سمجھتے تھے۔ لیکن جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں اور پہچان لیا مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے اور بنی اسرائیل کے خاندان سے نہ تھے حسد کر کے اور اپنی ریاست و سیادت کھوئے جانے کے خیال سے باوجود آپ کو پہچان لینے کے آپ کی نبوت کا انکار کرنے لگے۔ اور وہ مشرکین مدینہ جو یہود سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنتے چلے آئے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور انصار مدینہ بنے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

روایات میں ہے کہ ایک بار انصار مدینہ میں سے حضرت مُعاذ بن جبلؓ حضرت بِشر بن بَراء حضرت داؤد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہود مدینہ سے کہا کہ اے یہودیو! تم تو اس سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے دشمن پر فتحیاب ہونے کی دعا کرتے تھے اور ہماری شرک کی حالت میں ہم سے حضورؐ کی نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے اور جو جو اوصاف تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرتے تھے وہ تمام اوصاف آپ میں ہیں۔ پھر اب تم ایمان خود کیوں نہیں لاتے؟ اور آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیتے اور آپ

کے مددگار کیوں نہیں بنتے ؟ تو ایک یہودی سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم انہیں نہیں کہتے تھے۔
ترجہاں یہود کی اکثریت نے محض حسد و عناد کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا گوارا نہ کیا وہاں بعض واقعات یہود مدینہ میں ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو اپنے صحیفوں کی علامات اور پیشینگوئیوں کی بنا پر صدق دل سے قبول کیا چنانچہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ ایک مالدار یہودی عالم زید بن سعنہ کا احادیث میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رض کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زید بن سعنہ کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا تو یوں ہوا کہ زید نے اپنے دل میں کہا کہ نبوت کی جتنی علامتیں تھیں وہ سب کی سب تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں پہچان چکا ہوں بجز دو علامتوں کے جن کے متعلق مجھ کو ہنوز کوئی بات معلوم نہیں ہوئی ایک تو یہ کہ اُن کی بُردباری اُن کی ترش مزاجی سے بہت بڑھی ہوئی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ جتنا اُن کے ساتھ بگڑو گے اُتنا ہی ان کی شانِ بردباری اور زیادہ ہوتی جائے گی۔ زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں اس تدبیر میں لگا رہا کہ ذرا ان سے بے تکلفی پیدا کر لوں تو ان کی بردباری اور ترش مزاجی کا بھی اندازہ کر لوں۔ اس کے بعد انہوں نے پھلوں کے معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ مال قرض دینے کا قصہ ذکر کیا۔ اور وہ قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک بدوی عرب نے اپنے قبیلہ کے لئے ترغیب اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مالی امداد چاہی۔ مگر آپ کے پاس اس وقت نقدی وغیرہ موجود نہ تھی تو زید بن سعنہ نے از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ مجھ سے کچھ مثقال سونا قرض لے لیجئے اور مقررہ وقت پر اُن کے عوض کھجوریں مجھے دے دیجئے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا قرض لے لیا اور اس بدوی عرب کے حوالہ کر دیا۔ جب مقررہ میعاد میں چند دن رہ گئے تو زید بن سعنہ اپنے قرض کی یاددہانی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ آپ ایک نماز جنازہ پڑھ کر دوپہر کی دھوپ میں ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ زید پہلے سے اپنی سمجھی تجویز کے مطابق سیدھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ کے کرتہ اور چادر کا دامن پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے نہایت ترشروئی سے اپنے قرضہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے۔ میں عبدالمطلب کی اولاد کو خوب جانتا ہوں۔ وہ سخت نادہندہ لوگ ہیں۔ اس بدتمیزی پر سب کو غصہ آیا اور حضرت عمر رض برداشت نہ کر سکے اور زید بن سعنہ کو ڈانٹ کر کہا "او خدا کے دشمن تو آپ کی خدمت میں کیا بکواس کر رہا ہے اور میں سن رہا ہوں۔ اور آپ کے ساتھ ایسی گستاخانہ حرکات کر رہا ہے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے اگر مجھے آپ کی ناراضی کا خوف نہ ہوتا تو میں ابھی اپنی تلوار تیرے سر پر رسید کرتا"۔ اِدھر حضرت عمر رض یہ فرما رہے تھے اُدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سکون و وقار کے ساتھ ان کو دیکھتے جاتے تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رض سے فرمایا تم مجھ کو اور اِس کو ان باتوں کے بجائے کچھ اور سمجھاتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

Marfat.com

مجھ سے یہ کہتے کہ اس کا قرض تاخیر کے بغیر پورا پورا ادا کر دو اور اس سے یہ کہتے کہ خوبصورتی کے ساتھ تقاضہ کر۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے عمر جاؤ اور اس کے قرض ادا کرنے کا انتظام کرو اور اس تلخ لہجہ کی تلافی میں اس کو ۲۰ صاع کھجوریں زیادہ دے دو۔ زید بن سعنہ کو حقیقت میں نہ قرض لینا منظور تھا نہ ان کو ۲۰ صاع زائد کھجوروں کی ضرورت تھی نہ اُن کے دل پر حضرت عمرؓ کی ڈانٹ کا کوئی ملال تھا بلکہ اُلٹا وہ ایک عجب طرح کی مسرت محسوس کرنے لگے اور جس بُردباری اور حسنِ اخلاق کو وہ آزمانا چاہتے تھے اور جس کا حوالہ اُنہوں نے اپنے مقدس صحیفوں میں دیکھا تھا وہ سامنے آچکا تھا۔ اب اُنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی ماننے اور اسلام قبول کرنے میں کوئی تردد باقی نہ تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اُسی وقت حضرت عمرؓ ہی کو جن کی ڈانٹ وہ کچھ دیر پہلے کھا چکے تھے گواہ بنا کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور نہ صرف اپنے اسلام کا اعلان کیا بلکہ اپنا نصف مال بھی مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آئے تو وہاں اُن کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع اُن سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ دیگر علمائے یہود نے طنز کرتے ہوئے دریافت کیا کہ تم تو قرض وصول کرنے گئے تھے؛

اُنہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "تمہیں قرض چکانے گیا تھا جو بڑوں سے میرے ذمہ تھا"۔

پھر یہ باقی اسلامی جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہی رہے اور جس سال تبوک کی جنگ ہوئی تھی اس سال ان کی وفات ہوگئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو بھی دین اسلام کی سچی محبت و عظمت عطا فرمائیں کہ جو ہم کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت و فرمانبرداری نصیب ہو جائے۔

الحاصل جہاں یہود کی اکثریت نے دیدہ و دانستہ حق کو چھپا کر اور حسد و عناد کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کیا وہیں ایسے تاریخی واقعات بھی موجود ہیں جن کی ایک مثال زید بن سعنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی آپ نے اُوپر دیکھی۔

الغرض یہود قوم کی اکثریت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپ پر ایمان لانے کی بجائے کفر کیا اور آپ کی نصرت و امداد کے بدلے مخالفت اور دشمنی کی اور اس وجہ سے اپنے آپ کو غضبِ الٰہی کا سزاوار بنایا۔ اسی کے متعلق آگے ارشاد ہوتا ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

"وہ حالت بہت ہی بُری ہے جس کو اختیار کر کے وہ بزعم خود اپنی جانوں کو عقوبت آخرت سے چھڑانا چاہتے ہیں اور وہ حالت یہ ہے کہ کفر و انکار کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے

Marfat.com

ایک سچے پیغمبر پر نازل فرمائی یعنی قرآن اور وہ انکار بھی محض اس ضد پر کہ اللہ تعالےٰ
اپنے فضل سے جس بندہ پر اسکو منظور ہو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما دے سو اس حسد بالائے کفر
سے وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور آخرت میں ان کفر کرنے والوں کی ایسی
سزا ہو گی جس میں تکلیف کے علاوہ ذلت بھی ہے۔"

یعنی یہود نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے بجائے تکذیب کی - اور آپ پر ایمان لانے کی بجائے کفر کیا - اور آپ کی نصرت و امداد کے بدلہ مخالفت اور دشمنی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اوصاف کو ظاہر کرنے کا حکم ان کو تورات میں دیا گیا تھا ان اوصاف کو چھپایا اور خود غرضی اور نفس پرستی کی وجہ سے حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کیا اور ضد اور حسد کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے تو اس وجہ سے اپنے آپ کو غضب الٰہی کا سزاوار بنایا - اسی کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا کہ بہت ہی بُری حالت ہے جس کو ان یہود نے اختیار کیا اور وہ حالت یہ ہے کہ یہ ایسی چیز کا جو اللہ تعالےٰ نے اپنے سچے پیغمبر پر نازل فرمائی یعنی قرآن مجید - اس کا انکار کرتے ہیں اور انکار بھی محض اس ضد پر کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نسلِ عربی سے پیدا فرما کر اپنی نبوت اور وحی سے کیوں سرفراز فرمایا - گویا ان کے اندر یہ حسد کی آگ بھڑک کر نبوت ان کے قوم بنی اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیل میں کیوں چلی گئی اور اس ضد میں آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا - حالانکہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے وہ نبوت و رسالت کے حقدار کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنا فضل و کرم جس بندہ کو چاہے عطا فرماتا ہے - تو یہود پر ایک تو تورات کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب تھا ہی اب دوسرا غضب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے پر نازل ہوا - یا یوں سمجھو کہ اوّل غضب عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری نہ ماننے کا تھا اور اب دوسرا غضب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری نہ ماننے کا یا ایک غضب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر پر تھا ہی دوسرا غضب ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرنے پر ہو گیا -

الغرض اس طرح یہ قوم یہود غضب بالائے غضب کی مستحق ہو گئی - اخیر میں جو یہ فرمایا - وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ - اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ یعنی ایسا عذاب کہ جس میں ذلت و رسوائی ہو یہ قیامت میں کفار کے لئے مخصوص ہو گا جس سے علاوہ جسمانی تکلیف کے ذلت و خواری بھی ہو گی اور برخلاف کفار کے مومن گنہگار کے لئے عذاب گناہوں کی نجاست کو دور کرنے اور ان کو گناہوں سے پاک صاف کرنے کے لئے ہو گا - جیسا کہ میلا اور گندہ کپڑا بھٹی میں میل کچیل صاف کرنے کے لئے چڑھایا جاتا ہے - جلانے کے لئے نہیں - ایک سزا تعذیب کے لئے ہوتی ہے اور ایک سزا تہذیب کے لئے - دشمن کو سزا تعذیب و تحقیر و تذلیل کے لئے دی جاتی ہے اور بیٹے اور شاگرد کو سزا اصلاح و تادیب اور تہذیب کے لئے دی جاتی ہے -

Marfat.com

اب آگے اِسی سلسلہ میں یہود کا ایک اور قول بیان فرمایا جاتا ہے جس سے ان کا کفر بھی ثابت ہوتا ہے اور ان کا اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد بھی ظاہر ہوتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تعالےٰ ہمارے قلوب کو ہر چھوٹے بڑے ظاہری باطنی گناہ و معصیت سے محفوظ فرمائے اور نورِ ایمان سے منوّر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے دین کی اور اپنے کتاب کی سچی اور پکی محبت نصیب فرمائیں۔
اور اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔
یا اللہ! ہم کو جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی اور قرآنِ کریم کا متبع ہونے کا شرف و عزت محض اپنے فضل سے بخشا ہے تو ہمیں اس شرف کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔
اور ہمیں ان تمام خصائل سے بچالے کہ جو یہود ملعون قوم نے آپ کے نبیوں اور کتابوں کے ساتھ کیا اور مستحق غضب بنے۔

اے اللہ! ہم کو اپنے نبی اور اپنی کتاب کی عظمت نصیب فرما اور گذشتہ میں جو کوتاہیاں ہم سے اس معاملہ میں ہوچکی ہیں اپنی رحمت سے معاف فرما۔
اے اللہ! نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جس حُسنِ اخلاق کو دیکھ کر غیر مسلم ایمان لے آتے تھے اور اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ اس اخلاق نبوی کی کوئی جھلک اور پرتو ہم کو بھی نصیب فرمادے۔
اے اللہ! آج ہم نے اپنی بداخلاقی اور بداعمالی سے اسلام کو بھی رُسوا کیا اور خود بھی رُسوا ہوئے
اے اللہ! اب ہماری آنکھیں کھول دے اور ہمارے دِلوں کو بصیرت عطا فرمادے اور ہم کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا شیدائی بنادے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ اخلاق کا کوئی حصّہ ہم بدنام کنندہ نکو نام کو بھی عطا فرمادے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۴۲

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان تمام کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں تو کہتے ہیں ہم اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں

اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَهُوَ الْحَقُّ

جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور جتنی اُس کے علاوہ ہیں ان کا وہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی حق ہیں

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ

اور تصدیق کرنے والی بھی ہیں اُسکی جو اُنکے پاس ہے آپ کہیئے کہ پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۱ وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ مُّوْسٰى

اس سے قبل کے زمانے میں اگر تم ایمان رکھنے والے تھے ۔ اور موسیٰ علیہ السلام تم لوگوں کے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ

صاف صاف دلیلیں لائے اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو تجویز کر لیا موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور تم

ظٰلِمُوْنَ ۝۹۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

ستم ڈھا رہے تھے ۔ اور جب ہم نے تمہارا قول قرار لیا تھا اور طور کو تمہارے اوپر

الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ط قَالُوْا

لا کھڑا کیا تھا ۔ لو جو کچھ ہم تم کو دیتے ہیں ہمت کے ساتھ اور سنو ۔ اُنہوں نے کہدیا

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط

کہ ہم نے سُن لیا اور ہم سے عمل نہ ہوگا اور ان کے قلوب میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا اُن کے کفر کی وجہ سے

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۳

آپ فرما دیجئے کہ یہ افعال تو بہت بُرے ہیں جنکی تعلیم تمہارا ایمان تم کو دے رہا ہے اگر تم اہلِ ایمان ہو ۔

تفسیر و تشریح ۱۔ اوپر بتلایا گیا تھا کہ یہود اللہ تعالیٰ کے غضب بالا کے غضب کے مستحق ہوئے ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر و تکذیب کی وجہ سے اور دوسرے آپؐ سے حسد کرنے کی وجہ سے جس کی سزا آخرت میں انہیں عذاب مہین سنائی گئی سلسلہ میں آگے یہود کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے جس سے ان کا کفر بھی ثابت ہوتا ہے اور حسد بھی ظاہر ہوتا ہے اور یہود جو اپنے آپ کو صاحبِ ایمان کہتے تھے انکار فرمایا گیا

کہ تمہارا ایمان کا دعویٰ بالکل غلط ہے چنانچہ ان آیات میں پہلے ارشاد ہوتا ہے ۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۔۔

"اور جب اُن یہود سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان تمام کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائی ہیں"

یعنی خواہ توراۃ ہو یا انجیل ہو یا قرآن ہر جو کتاب بھی اللہ نے نازل کی خواہ وہ کسی پیغمبر پر ہو اس پر ایمان لاؤ تو یہود اُس کے جواب میں کہتے ہیں ۔

قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط

"تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اُس ہی کتاب پر ایمان لادیں گے جو ہم لوگوں پر بواسطہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نازل کی گئی ہے یعنی توراۃ اور باقی جتنی کتابیں اس کے علاوہ ہیں جیسے انجیل و قرآن اُن سب کا انکار کرتے ہیں ۔ حالانکہ وہ توراۃ کے ماسوا کتابیں بھی فی نفسہٖ حق اور واقعی ہیں اور حق ہونے کے علاوہ تصدیق کرنے والی بھی ہیں اس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے یعنی توراۃ"

یعنی جب یہود کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو فقط اسی کتاب پر ایمان لائیں گے جو خاص ہم پر ہمارے نبی کے واسطہ سے نازل کی گئی ہے ۔ اس شرط اور قید لگانے سے ان کا حسد بھی علاوہ کفر کے صاف ظاہر ہے کہ جو کتاب بنی اسرائیل پر اُتری اس پر تو ایمان لائیں گے اور جو کتاب بنی اسمٰعیل پر اُتری اس پر ایمان نہیں لائیں گے ۔ یہ محض حسد کی بنا پر اپنی کتاب کے سوا تمام کتابوں کا انکار کرتے ہیں ۔ حالانکہ توراۃ کے سوا اور جو کتابیں خدا تعالیٰ نے نازل کیں وہ سب فی نفسہٖ حق ہیں یعنی سچی اور واقعہ کے مطابق ہیں اور فی نفسہٖ حق ہونے کے علاوہ اس کتاب کی تصدیق بھی کرنے والی ہیں جو ان یہود کے ہاتھ میں ہے یعنی توراۃ مثلاً قرآن جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ اصولِ دین میں پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے ۔ اور وہی دعوتِ توحید پیش کرتا ہے جو اُن کی توراۃ میں موجود ہے تو قرآن کا انکار گویا توراۃ کا بھی انکار ہے ۔

آگے یہود کے توراۃ پر دعوئے ایمان کو ایک اور طرح رد فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے ۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ یہود اب بھی توراۃ پر ایمان لانے کے مدعی ہیں تو آپ اُن سے یہ کہیے کہ اچھا تو پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اس کے قبل کے زمانہ میں اگر تم توراۃ پر ایمان رکھنے والے تھے"

یعنی تم اللہ کے پیغمبروں کو قتل کرتے چلے آئے ہو حالانکہ وہ پیغمبر تو توراۃ ہی کے مطابق حکم دیتے تھے اور شریعتِ موسویہ کی تائید اور تجدید کے لئے مبعوث ہوئے تھے جیسے حضرت شعیاؑ اور حضرت زکریاؑ اور یحییٰ علیہم السلام تو

Marfat.com

توراۃ نے تو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ وہ تو انبیاء کی اطاعت کا حکم دیتی ہے۔ اس لئے تمہارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ تم اپنی قوم کے انبیاء کو مانتے ہو اور اس کتاب اور وحی کو مانتے ہو جو تم پر نازل ہوئی اگر تمہارا اپنی قوم کے انبیاء اور کتاب پر ایمان ہوتا تو تم اللہ کے پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے تو معلوم ہوا کہ نہ توریت پر تمہارا ایمان ہے نہ شریعتِ موسویہ پر۔

یہاں آیت میں جو یہود کا یہ قول نقل کیا گیا کہ ہم صرف تورات پر ایمان لادیں گے اور دوسری کتاب پر ایمان نہ لادیں گے یہ صریح کفر ہے اور اس قول کے ساتھ ان کا یہ دعویٰ کہ ہم ایمان والے ہیں اپنی کتاب اور اپنے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں تو یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس دعوے کو تین طرح رد فرمایا ہے:۔

اوّل یہ کہ جب دوسری کتاب کی حقانیت اور واقعیت بھی دلیل قطعی سے ثابت ہے اور ان کا بھی منجانب اللہ ہونا ثابت ہے تو پھر انکار کی کیا وجہ اور ایسا کرنے سے ایمان کہاں رہا۔

دوسرے یہ کہ جب نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی کتاب قرآن کریم کی خبر اور اس پر ایمان لانے کا حکم خود توراۃ میں موجود ہے تو پھر قرآن کے انکار سے خود توراۃ کا انکار لازم آتا ہے تو اپنے ایمان کا دعویٰ کیسے کرتے ہو۔

تیسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا تمام کتب سماویہ میں کفر ہے تو تمہارے اسلاف نے بالفعل نبیوں کو قتل کیا اور قاتلین کو تم اپنا مقتدا اور پیشوا جانتے ہو گویا ان کے اس فعل سے تم راضی ہو تو اس طرح بھی تورات کے ساتھ تمہارا کفر ہوا۔ ان تین دلائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت فرمایا کہ یہود کا دعوئے ایمان بالکل غلط ہے اور وہ قرآن کا اور نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کفر میں مبتلا ہیں۔

آگے یہود کے دعوئے ایمان میں جھوٹا ہونے کی چوتھی دلیل دی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

"اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلیلیں توحید و رسالت کی لائے مگر اس پر بھی تم لوگوں نے گائے کے بچھڑے کو معبود تجویز کر لیا موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد اور تم اس تجویز میں ستم ڈھا رہے تھے"

یعنی تم تو خود حضرت موسیٰ کے زمانے میں کفر کر چکے ہو اور وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس توحید و رسالت کی نہایت واضح اور روشن دلیلیں لے کر آئے جو اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی تھیں کہ عبادت اور بندگی اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں پھر بھی تم نے یعنی تمہاری قوم یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد ہی ایک بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا تو اگرچہ بچھڑے کو معبود بنانے کا معاملہ ان یہود مدینہ کے

Marfat.com

ساتھ پیش نہیں آیا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے اور جن سے آیات میں خطاب ہو رہا ہے مگر چونکہ یہ یہود مدینہ اپنے اجداد کے حامی اور طرفدار رہتے تھے اس لئے فی الجملہ یہ بھی رد میں شامل ہیں۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جن کے اسلاف نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے کفر کیا ان کے خلف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار چنداں عجیب نہیں۔ آگے یہود کے دعوئے ایمان میں جھوٹا ہونے کی پانچویں دلیل ہے اور ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ

"اور وہ زمانہ یاد کرو جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور اسی قول و قرار لینے کے لئے کوہ طور کو تمہارے سروں کے اوپر لا کھڑا کیا تھا اور اس وقت حکم دیا تھا کہ لو جو کچھ احکام ہم تم کو دیتے ہیں ہمت اور پختگی کے ساتھ اور ان احکام کو دل سے سنو اس وقت انہوں نے ڈر کے مارے زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم نے قبول کر لیا اور سن لیا اور چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی اسلئے گویا بزبان حال یوں بھی کہہ رہے تھے کہ ہم سے عمل نہ ہوگا اور وجہ اُن کی اس بددلی کی یہ تھی کہ اُن کے قلوب کے ریشہ ریشہ میں وہی بچھڑا پیوست ہو گیا تھا اُن کے کفر سابق کی وجہ سے (جبکہ سمندر سے پار ہو کر انہوں نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے کوئی ایسا ہی مجسم معبود تجویز کر دیجئے") یعنی تمہارے اسلاف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کی جیسی فرمانبرداری کی اور جیسا ایمان لائے وہ تو ان واقعات سے ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تو انہوں نے گائے کے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اور جب توراۃ کے احکام کی تعمیل سے تمہارے اسلاف نے انکار کیا اور ان کے سروں پر پہاڑ معلق کر دیا گیا تو اس وقت ڈر کے مارے ظاہر میں تو کہہ دیا کہ ہم نے احکام سن لئے مگر باطن میں یہی کہا کہ ہم سے ان پر عمل نہ ہوگا۔ تو یہ تھیں تمہارے اسلاف کے ایمان کی صفات۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ دیکھ لیا تم نے اپنے ایمان مزعوم کے افعال کو سو یہ افعال تو بہت بُرے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے۔ اگر تم بزعم خود اب بھی اہلِ ایمان ہو"

یعنی اگر تم واقعی مومن ہو تو یہ خوب ایمان ہے جو تم سے ایسے ناشائستہ اور بُرے افعال کا ارتکاب کرا رہا ہے، یعنی قتل انبیاء۔ شرک۔ گوسالہ پرستی اور توراۃ کا انکار۔ یہ تمام امور قبیحہ اور افعالِ شنیعہ تو حقیقی ایمان کے

بالکل خلاف ہیں ۔ لہٰذا تمہارا اپنے انبیاء اور اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں ۔

الغرض یہاں متعدد وجوہ اور دلائل سے یہود کے دعوئے ایمان کی تردید فرمائی گئی کہ جو کہتے تھے کہ ہم بھی صاحب ایمان ہیں اور ہم صرف اپنے انبیاء اور اپنی کتاب کو مانتے ہیں اس کے علاوہ ہم کو نہ کسی کتاب کی ضرورت اور نہ ہم کسی اور نبی کو ماننے کے لئے تیار حالانکہ اگر قرآن پر ایمان نہ ہو تو کسی کتابِ الٰہی پر ایمان نہیں اور اگر ایک اللہ کے پیغمبر کی تکذیب کی تو گویا اُسنے تمام اللہ کے پیغمبروں سے کفر کیا ۔

یہود کا ایک باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ جنت ہمارے لئے مخصوص ہے ۔ نجات ابدی ہمارا ہی حصّہ ہے ۔ کوئی دوسرا مذہب اور قوم اس میں شریک نہیں جنت کے تنہا وارث ہم ہوں گے ۔ آگے اُن کے اس باطل اور من گھڑت عقیدہ کا رد فرمایا جاتا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ ۔

دُعا کیجئے :۔

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمام اپنی کتابوں پر اور تمام اپنے انبیاء پر ایمان رکھنے کا شرف عطا فرمایا ۔ اور ہم کو قرآن جیسی کتاب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی عطا فرمائے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ظاہر میں اور باطن میں ، زبان سے اور دل سے ، قول سے اور فعل سے ہر طرح ہم کو اپنی کتاب قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و تابعداری نصیب فرمائیں اور یہود کی بدخصلتوں سے اس امتِ مسلمہ کو بچائیں ۔

یا اللہ ! ہم کو ان قرآنی واقعات سے عبرت حاصل کرنے والا دل و دماغ عطا فرما اور ہم کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچا ۔

اے اللہ ! ہم نے بھی کلمہ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر ایک قول و قرار کر لیا ہے ۔ ہمیں اس قول و قرار پر استقامت اور اُس کی کامل پابندی نصیب فرما ۔ اور اس اقرار کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما ۔

اے اللہ ! ہمیں اپنے رسول پاک کے ارشادات سُن کر دل سے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہنے کی توفیق عطا فرما ۔ اور یہود کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا سے بچا ۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

Marfat.com

درس ۴۳

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً

آپ کہہ دیجئے کہ اگر عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے نافع ہے

مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

بلا شرکت غیرے تو تم موت کی تمنا کرکے دکھلادو اگر تم سچے ہو۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

اور وہ ہرگز کبھی اسکی تمنا نہ کریں گے بوجہ اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سے سمیٹے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى

ان ظالموں کی اور آپ ان کو حیات کا حریص اور آدمیوں سے بڑھ کر

حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ

پاویں گے اور مشرکین سے بھی بڑھ کر ان میں کا ایک ایک اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر

اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ

ہزار برس کی ہوجاوے اور یہ امر عذاب سے تو نہیں بچا سکتا کہ کسی کی

يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

بڑی عمر ہوجاوے اور حق تعالیٰ کے سب پیش نظر ہیں ان کے اعمال۔

تفسیر و تشریح :۔ یہود کے بعض اقوال کا اور ان کے دعوئے ایمان کا رد کئی وجوہ اور دلائل سے اوپر کی آیات میں فرمایا گیا تھا اور ثابت کیا گیا تھا کہ دراصل نہ ان کا ایمان توراۃ پر ہے نہ اپنے انبیاء بنی اسرائیل پر ہے۔ انہی یہود کا ایک دعوٰی اور خام خیال یہ بھی تھا کہ جنت ہمارے لئے مخصوص ہے۔ نجات ابدی ہمارا ہی حصہ ہے۔ سعادتِ اخروی ہم کو ہی حاصل ہوگی۔ کوئی اور مذہب اور قوم اس میں شریک نہیں ہوسکتی، پھر ہم کو کسی اور کتاب اور نبی کے ماننے کی کیا ضرورت۔ حق تعالیٰ ان آیات میں یہود کے ان خیالاتِ باطلہ اور عقائد فاسدہ کی تردید فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

Marfat.com

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر بقول تمہارے عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلاشرکت غیرے تو تم اس کی تصدیق کے لئے ذرا موت کی تمنا کرکے دکھلا دو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔"

یعنی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان یہود سے جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا اور آخرت کی نعمتیں ہمارے لئے مخصوص ہیں یہ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالےٰ کے ہاں صرف تمہارے لئے ہی سعادت اخروی منحصر ہے اور دوسرے اس سے محروم ہیں تو تم موت کی تمنا کرکے دکھاؤ کیونکہ جس کو یہ یقین ہو کہ مرنے کے بعد وہ لازمی طور پر جنت میں جائے گا تو اسے موت کی تمنا کرنے میں کوئی ڈر نہ ہونا چاہیئے۔ اس دنیا میں تو بے شمار تکلیفیں اور مصیبتیں ہیں۔ جنت میں ہر قسم کی راحت ہی راحت اور نعمت ہی نعمت ہے اس لئے جو جنت کے وارث ہونے کا دعویدار ہو اسے چاہیئے کہ موت کی تمنا کرے تاکہ اس دنیا سے رخصت ہو کر دار آخرت کا رخ کرے۔ تاکہ یہاں کے مصائب سے نجات پاکر ہمیشہ کے لئے راحت و آرام کی زندگی حاصل کر سکے جس تک پہنچنے کا راستہ سوائے موت کے اور کوئی نہیں تو یہی دلیل یہود مدینہ کے سامنے پیش کی گئی اور اگلی آیت میں اللہ تعالےٰ نے ان کے حال کی خبر بھی دے دی کہ وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو جمع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ دار آخرت صرف تمہارے لئے ہے تو ایک بار زبان سے کہو اَللّٰھُمَّ اَمِتْنَا "اے اللہ ہم کو موت دے دے"۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جو یہودی بھی یہ دعا کرے گا اس کے حلق کا پانی بہہ مہلک ہو جائے گا اور اسکے گلے کو بند کر دے گا اور وہ فی الفور مر جائے گا۔ چنانچہ یہودیوں نے اس کے کہنے سے انکار کیا اور ڈر گئے اور اس کے بعد اگلی آیت نازل ہوئی وَلَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًا۔ "یعنی یہ ہرگز بھی موت کی تمنا نہ کریں گے۔"

واضح رہے کہ یہ خطاب اور تحدی اُن یہود کے لئے مخصوص تھی کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور خوب جانتے تھے کہ یہی وہ نبی برحق ہیں جن کی پیشین گوئی توراۃ میں ہے اور چونکہ ان کو یقین تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی تحدی کے بعد اگر ہم نے موت کی تمنا کی تو موت ضرور آئے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہو جائے گا اس لئے ڈر کے مارے موت کی تمنا نہ کی۔ یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ ایک قسم کا مباہلہ تھا۔ حق و باطل کے فیصلہ کے دو ہی طریق ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ مناظرہ۔ مباحثہ اور مجادلہ سے فیصلہ کیا جائے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فیصلہ ایسے طریقہ سے کیا جائے کہ جو اسباب ظاہرہ کے دائرہ سے بالا اور برتر ہو یعنی بطریق معجزہ اور کرامت اس کا فیصلہ کیا جائے اسی کو مباہلہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر جب بحث اور دلیل اور

Marfat.com

نظر و فکر کے سب مراحل ختم ہو چکے تو مخالفین اور معاندین کے لئے ایک خارق عادت طریق اختیار کیا گیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ یہ زبان سے کہہ دیں کہ اے اللہ ہم کو موت دے تو اسی وقت ان کا صدق و کذب ظاہر ہو جائے اور چونکہ یہود کو یقین تھا کہ اگر ہم نے زبان سے یہ کلمہ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہو جائے گا، ورنہ وہ جوش عداوت میں ضرور کہہ ڈالتے تاکہ حضور کا معجزہ ظاہر نہ ہو۔ اس لئے یہود موت کی تمنا کرنے سے عاجز رہے جیسا کہ اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○

"اور وہ ہرگز کبھی اس موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ خوف سزا ان اعمالِ کفریہ کے کہ جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور حق تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کے حال کی"

یعنی اگرچہ وہ موت کی تمنا نہ کریں اور موت سے کتنا ہی بھاگیں لیکن ایک نہ ایک دن موت ضرور آئے گی اور ان سب اعمال کفریہ پر ان کو سزا ملے گی یعنی جو کفر اور بدکاریاں مثلاً تحریف توراۃ۔ اخفائے حق۔ انکار قرآن۔ عداوتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ افعال ذمیمہ ان سے سرزد ہوئے ہیں اور یہ اپنا باطل و کفر پر اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کا حق اور ایمان پر ہونا خوب جانتے تھے اور آخرت میں سزا اور پکڑ سے ڈرتے ہیں اس وجہ سے یہ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں موت کی تمنا سے مباہلہ اور موت کے لئے دعا کرنا مراد ہے کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو دعوت دی کہ آؤ موت کے لئے دعا کریں۔ فریقین میں سے جو شخص جھوٹا ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا تو یہود نے مہلت مانگی اور عرض کیا ابوالقاسم ذرا ٹھیر جایئے ہم غور کر لیں پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ پیغمبر ہیں اگر ان سے مباہلہ کیا تو ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس مشورہ کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مباہلہ سے انکار کیا اور کہنے لگے ہمارے لئے ہمارا مذہب ہے اور آپ کے لئے آپ کا مذہب ہے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو سب مر جاتے جہاں اور جس جگہ جو یہودی ہوتا وہ اسی جگہ مر جاتا۔

الغرض جب یہودیوں نے باوجود دعوئے ایمان کے مباہلہ سے انکار کیا تو صریحاً ثابت ہو گیا کہ جس چیز پر یہ ایمان و یقین کا دعویٰ کرتے ہیں درحقیقت اس پر ان کا ایمان و یقین نہیں ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں اور کفر کر کے اپنے آپ کو جنت اور مقام رضائے الٰہی سے محروم کرتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت جہنمی ہیں جنتی ہونے کا دعویٰ ان کا باطل اور غلط ہے۔

آگے انہی یہود مدینہ کے متعلق ارشاد ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ

بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو ان کو دنیوی حیات کا حریص اور عام آدمیوں سے بھی بڑھ کر پاویں گے۔ حتّٰی کہ مشرکین سے بھی بڑھ کر آپ اُن کو حریص حیات کا دیکھیں گے اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ اُن میں سے ایک ایک شخص اس ہوس میں ہے کہ اسکی عمر ہزار برس کی ہو جاوے اور بھلا بالفرض محال اگر اتنی عمر ہو بھی گئی تو کیا۔ یہ امر عذاب سے تو بچا نہیں سکتا کہ کسی کی عمر برس ہو جاوے اور ان کے اعمال بد سب حق تعالیٰ کے پیش نظر ہیں جن پر ان کو عذاب ہونیوالا ہے یعنی ان یہودیوں کو تمام لوگوں سے زیادہ اس دنیوی زندگی کی آرزو و چاہت ہے یہاں تک کہ جو لوگ مشرک ہیں جیسے عرب کے بت پرست اور فارس کے مجوس آتش پرست اُن سے بھی زیادہ ان کو دنیا میں جینے کی حرص ہے۔ مشرک تو آخرت کے قائل ہی نہیں اسلئے ان کے لئے جو کچھ ہے وہ یہی دنیا کی زندگی ہے اور ساری سعادت و فلاح اسی حیاتِ فانی سے وہ وابستہ سمجھتے ہیں اسی بنا پر ان کو دنیوی زندگی کی حرص زیادہ ہوتی ہے لیکن ان یہودیوں کا عجیب حال ہے کہ باوجود اقرار آخرت کے اور باوجود دعوئے نجات ابدی کے اور باوجود اس عقیدہ کے کہ جنت ہمارے ہی لئے ہے ان کو مشرکین سے بھی زیادہ دنیا کی زندگی کی آرزو و خواہش ہے اور ہزار دن برس جینے کی حرص ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اور یہ طویل عمر کے اسلئے آرزومند ہیں کہ جہاں تک ہو سکے دنیوی لذائذ سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو عذابِ آخرت سے بچے رہیں اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی کتنی ہی عمر ہو لیکن ان کی درازیٔ عمر ان کو عذاب آخرت سے بچا نہیں سکتی۔ بالآخر ان کو مر کر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہونا پڑے گا اور اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنی ہوگی کیونکہ اللہ ان کے اعمال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔

الحاصل خلاصہ ان آیات کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس عقیدہ کی کہ تنہا وہی جنت کے وارث و مالک ہوں گے اور ان کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا تردید فرمائی اور بتلایا گیا کہ یہ لوگ دنیادار ہیں ان کا دعوئے آخرت محض زبانی ہے اور وہ اپنی بداعمالی کے نتائج کو خوب سمجھ رہے ہیں۔ اس لئے وہ کبھی مرنا پسند نہیں کریں گے۔ اور کبھی موت کی تمنا اپنی زبان پر نہ لائیں گے۔

اب ان آیات کے سلسلہ میں بعض احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ذکر کی جاتی ہیں کیونکہ احادیث میں موت کے یاد رکھنے کا حکم اور فضیلت بھی آئی ہے اور ساتھ ہی موت کی تمنا اور دعا نہ کرنے کا حکم بھی آیا ہے۔ تشریح و تفصیل اس کی یوں ہے کہ زندگی حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور آخرت کی کمائی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے لمبی عمر کو مومن کے لئے نیک بختی کی علامت فرمایا گیا ہے کیونکہ مومن کی عمر میں زیادتی سے نیکیاں اور بھلائیاں ہی زیادہ ہوتی ہیں اور موت سے عمل ختم ہو جاتا ہے۔ اس معنیٰ میں عمر کی زیادتی مطلوب ہے کہ اعمال نیک میں زیادتی ہو سکے لیکن دنیا کے مصائب یا پریشانی سے گھبرا کر موت مانگنا یا اس کی آرزو کرنا اس کی اسلام

Marfat.com

میں ممانعت ہے۔ ایک حدیث میں حضرت اَنَس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مرنے کی آرزو نہ کرے اور اگر اس قسم کی تمنا ضروری ہو تو یوں کہے کہ اے اللہ مجھ کو زندہ رکھ اس وقت تک جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہو اور موت دے مجھ کو اس وقت جبکہ میرا مرنا بہتر ہو۔ بخاری و مسلم کی حضرت عُبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنے کو بُرا جانتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملنے کو بُرا جانتا ہے یہ سُن کر حضرت عائشہؓ نے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم موت کو بُرا سمجھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مومن کو جب موت آتی ہے تو اس کو خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ اللہ اُس سے راضی ہے اور اُس کو اچھا سمجھتا ہے پس اُس وقت اس کے خیال میں خدا کی رضامندی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہوتی اور پھر یہ ہوتا ہے کہ بندۂ مومن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کیلئے بیچین ہو جاتا ہے اور اللہ بھی اُس سے ملاقات کو عزیز سمجھتا ہے اور کافر بندہ کے پاس جس وقت فرشتہ موت آتا ہے تو اسکو عذابِ الٰہی اور سزا سے ڈراتا ہے پس اُسکے خیال میں اُس وقت موت سے بُری چیز کوئی نہیں ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کو بُرا سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو بُرا خیال کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس جہان سے تشریف لیجانے والے تھے تو دمِ اخیر بار بار یہ فرماتے تھے

اَللّٰھُمَّ اَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ۔ "یعنی اے اللہ مجھکو جلد عالم قدس میں پہنچا دے اور اپنے دیدارِ فیض آثار سے مشرف ہونے والوں میں ملا دے۔ اسی طرح صحابۂ کرامؓ کو آخرت کے ثواب اور نعماء کا یقین کامل تھا یا روحانی مشاہدہ ہو جاتا تھا تو وہ شہادت کے اس طرح مشتاق ہو جاتے تھے کہ دُنیا اور مافیہا کو اس کے آگے ہیچ سمجھتے تھے چنانچہ حضرت سَعْد بن وَقّاصؓ نے ایران کے بادشاہ رُستم بن فرخ زاد کو خط لکھا تھا تو اس میں اخیر میں یہ فقرہ تھا۔

فَاِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ کَمَا یُحِبُّوْنَ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ۔

"یعنی میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کو اور خدا کی راہ میں قتل ہونے کو اس طرح چاہتے ہیں جس طرح کہ ایرانی شراب پر مرتے ہیں"

مگر جن کو آخرت کا یقین نہیں ہوتا تو وہ اپنی جان کو چھپاتے اور حرام و حلال جس طرح سے ملے دنیا اور اسکی تلذذات فانیہ کے لئے جان کھپاتے ہیں اور جب کسی صدمۂ دُنیا سے تنگ ہوتے ہیں تو بے صبر ہو کر موت کی آرزو کرتے ہیں کہ کاش اس مصیبت سے چھوٹیں تو ایسی موت کی آرزو حرام ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موت ایک پردہ ہے جو انسان کی اس مادّی زندگی اور حیات ابدیہ کے درمیان حائل ہے۔ سعید روح رکھنے والے اس پردہ کے ہٹتے ہی سعادتِ اُخروی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور عاصی و گنہگار اس حجاب کے دُور ہوتے ہی طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

ابھی آگے انہی یہود کا ذکر جاری ہے اور ان کے ایمان نہ لانے کے لئے ایک خاص بہانہ کو ذکر کر کے اس کا رد فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دُعا کیجئے :-

اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو حیاتِ دُنیا عطا فرما رکھی ہے اس کو اپنی رضا والی زندگی بنانا نصیب فرمائیں۔ اور اپنی مرضیات کے موافق گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ایمان و اسلام کی موت نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت پر یقین کامل نصیب فرمائیں تاکہ اس دُنیا کی زندگی میں اعمال صالحہ کر کے سفرِ آخرت کے لئے زادِ راہ تیار کر سکیں۔

یا اللہ! آخرت میں اپنے مقبولین کے ساتھ ہمارا حشر نشر فرمایئے، اور انہی کے ساتھ ہم کو اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمایئے۔ اور آخرت کی سزا اور گرفت سے اپنی رحمت سے محفوظ و مامون فرمایئے۔

یا اللہ! ہمیں مرتے وقت آپ کی رضامندی کی خوشخبری سُننا نصیب ہو اور اس طرح موت ہمارے لئے محبوب ہو۔

یا اللہ! ایمان اور اسلام کی موت کے ساتھ ہمیں اِس دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف کوچ کرنا نصیب فرما۔ اور جب تک کی زندگی اِس دُنیا میں ہمارے لئے مقدر فرمائی ہے ہمیں ایمان کے ساتھ عمل صالح کرنے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! ہمیں اس دُنیوی زندگی کی قدر کرنا نصیب فرما اور ایک ایک لمحہ اپنی مرضیات میں گذارنا نصیب فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۴۴

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ

آپ کہیئے کہ جو شخص جبریل سے عداوت رکھے (وہ جانے) سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى

خداوندی حکم سے اس کی یعنی قرآن کی یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ

خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو۔ جو شخص خدا تعالیٰ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا اور پیغمبروں کا

وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

اور جبریل کا اور میکائیل کا تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ

اور ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضحہ نازل کئے ہیں اور کوئی ان کا انکار نہیں کرتا

اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ

مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں۔ اور جب کبھی بھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا اس کو ان میں سے کسی نہ کسی

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا

فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا بلکہ ان میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو یقین ہی نہیں رکھتے۔ اور جب

جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

ان کے پاس ایک پیغمبر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ

ان اہل کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو

وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو گویا اصلا علم ہی نہیں۔

تفسیر و تشریح :۔ اوپر دور سے یہود کا ذکر ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ان آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں مشہور روایت

جس کو بعض مفسرین نے بروایت حضرت ابن عباس رضؓ بیان کیا ہے یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور یہود کو ہدایت کرنی شروع فرمائی تو یہودیوں نے اپنے چند علماء آپ کے پاس بھیجے۔ ان علمائے یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ سے چند وہ باتیں پوچھتے ہیں کہ جن کو سوائے انبیاء کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ نے صحیح جواب دے دیا تو آپ قطعی وہ نبی ہیں جن کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے چنانچہ انہوں نے چار سوال کئے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ سب سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کس چیز کو حرام کیا تھا؟

دوسرا سوال یہ تھا کہ نبی امی جن کا ذکر تورات میں ہے ان کی کیا علامت ہے؟

تیسرا سوال یہ تھا کہ پیٹ کے اندر بچہ لڑکا یا لڑکی کس طرح ہو جاتا ہے؟

چوتھا سوال یہ تھا کہ آپ کے پاس وحی یا خبر کون لاتا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک شدید مرض لاحق ہوا تھا اور جب مرض طویل ہو گیا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے صحت عطا فرمائیں تو میں اپنا مرغوب بہترین کھانا پینا ترک کر دوں گا اور وہ غذا ہرگز ہرگز نہیں کھاؤں گا جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ خدائے تعالیٰ نے انہیں صحت عطا فرمائی اور انہوں نے اپنی نذر پوری کی اور اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ دوسرے سوال کا جواب آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ نبی امی جس کا تورات میں ذکر ہے۔ اس کے صفات میں سے یہ بات ہو گی کہ اس کی آنکھیں سوئیں گی لیکن دل بیدار رہے گا۔ تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی رقیق اور زرد ان دونوں پانیوں میں جو پانی اللہ کے حکم سے غالب آجاتا ہے بچہ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ چوتھے سوال کا جواب آپ نے فرمایا کہ جبرئیل امین میرے پاس وحی لاتے ہیں اور ہر نبی کے پاس جبرئیل ہی وحی لے کر جاتے تھے۔ یہود بولے آپ نے سب کچھ صحیح بتایا لیکن جبرئیل ہمارا جانی دشمن ہے۔ وہی عذاب لے کر آتے ہیں اور ہمارے باپ دادا کو انہی نے ہلاک کیا ہے۔ اگر میکائیل آپ کے پاس وحی لاتے تو بیشک ہم آپ پر ایمان لے آتے۔ کیونکہ میکائیل خوب ہیں کہ بارش و رحمت ان کے متعلق ہے تو اس بہانے سے یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کر دیا چنانچہ اس قصہ کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ○

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے یہ کہیئے کہ جو شخص جبرئیل سے عداوت رکھے وہ جائے لیکن اس امر کو قرآن کے ماننے میں کیا دخل کیونکہ اس میں تو وہ سفیر محض ہیں سو سفارت کے طور پر انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوند حکم سے (یہاں آیت میں

Marfat.com

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ جو فرمایا یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل نے اُتارا ہے یہ کلام آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے تو مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی کلام کے نازل ہونے کے دو طریقہ ہیں، ایک یہ کہ وہ کلام اوّل کان پر پہنچے اور پھر کان سے دل تک پہنچے۔ یہ طریقہ تو عام اور متعارف ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اوّل دل پر اُترے اور لفظ و معنیٰ سب سے پہلے دل میں اُتریں اور پھر دل سے کان اور زبان تک پہنچیں۔ یہ طریقہ اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن کریم کا نزول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طریق پر ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے یاد کرنے میں بار بار پڑھنے کی حاجت نہ ہوتی تھی اور قرآن آپ کے قلب میں ایسا محفوظ ہو جاتا کہ پھر آپ اس کو بھولتے نہیں اور ایک ہی مرتبہ نازل ہو کر آپ کو یاد ہو جاتا تھا۔ اسلئے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ فرمایا۔ بخلاف اسکے اُمت کو قرآن معروف اور معتاد طریق سے پہنچا ہے کہ اوّل کانوں سے سنا پھر دلوں تک پہنچا۔ تو مطلب یہ ہے کہ قرآن لانے والے کی خصوصیت کیوں دیکھی جاتی ہے۔ البتہ خود قرآن کو دیکھو کہ کیسا ہے سو اُس کی خود یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی سماوی کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے مصالح ضروریہ کی اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو اور کتب سماویہ کی یہی شان ہوتی ہے پس قرآن ہر حال میں کتاب سماوی قابلِ اتباع ٹھہرا پھر جبریل علیہ السلام کی عداوت سے اس کو نہ ماننا پوری حماقت ہے۔ اب رہا خود مسئلہ عداوت جبریل کا سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک خود اللہ تعالیٰ سے عداوت رکھنا یا اسکے دوسرے ملائکہ سے یا اُس کے رسولوں سے یا خود میکائیل سے جن کی دوستی کا یہود دم بھرتے ہیں۔ ان سب سے عداوت رکھنا اور جبرئیل علیہ السلام سے عداوت رکھنا یہ سب ہم پلہ شمار کئے جاتے ہیں اور ان سب عداوتوں کا قانون ارشاد ہوتا ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

"جو کوئی شخص خدا تعالیٰ کا دشمن ہو تو۔ اور فرشتوں کا دشمن ہو تو اور جبریل کا ہو تو اور میکائیل کا ہو تو ان سب کا وبال اور نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا۔"

یعنی صرف یہود ہی اللہ کی دشمنی کے مصداق نہیں اور نہ صرف حضرت جبریل کی عداوت ہی موجب کفر و وبال ہے بلکہ جو شخص بھی خدا کا دشمن ہو۔ اللہ کی ذات و صفات کا منکر ہو وہ کافر ہے اور اس کفر کا نتیجہ اس کو بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہود کو یہاں جتلایا گیا کہ جبریل جو کچھ کرتے ہیں وہ حکم الٰہی سے کرتے ہیں۔ اور وہ قرآن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اللہ کے حکم سے اُتارتے ہیں جو ان کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ اس میں اس بات کی بھی دلالت ہے کہ جو کوئی اہل اللہ سے عداوت کرتا ہے تو گویا وہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں یعنی اللہ کے دوستوں سے دشمنی کرنا اللہ سے لڑائی مول لینا ہے

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

"ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے واضح اور روشن دلائل نازل کئے ہیں جن کو وہ بھی یعنی یہود بھی خوب جانتے ہیں یہ ان کا انکار نہ جاننے سے نہیں بلکہ ان کا یہ انکار عدول حکمی کی عادت کی وجہ سے ہے اور کوئی انکار نہیں کیا کرتا ایسے دلائل کا مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں اور ان یہود کی تو یہ حالت ہے کہ انہوں نے تو اپنے مسلّم عہدوں کو بھی کبھی پورا نہیں کیا۔ بلکہ جب کبھی بھی ان لوگوں نے دین کے متعلق کوئی عہد کیا ہوگا ضرور اس کو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا بلکہ ان تعمیل عہد نہ کرنے والوں میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو سرے سے اس عہد کا یقین ہی نہیں رکھتے"

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے واضح دلائل اور کھلی نشانیاں دی ہیں کہ ان کا انکار صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے ضد و عناد کی وجہ سے فسق و فجور کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور یہ یہود تو ضد و عناد اور تمرد و سرکشی میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ ایسے واضح دلائل کا بے کھٹکے انکار کر دیتے ہیں اور ان کے طغیان و عصیان کا تو یہ حال ہے کہ انہوں نے جب کبھی کوئی عہد دین کے معاملہ میں کیا اسے پورا نہ کیا بلکہ ان میں ہمیشہ ایک جماعت عہد شکنی پر کمربستہ رہی۔ گویا عہد شکنی غداری اور نافرمانی ان کی عادت قدیمہ اور قومی خصوصیت ہے تو جن کے خبث باطن کا یہ حال ہو کہ وہ اپنی کتاب اور اپنے رسول کو بھی مخلصانہ نہ مانیں تو بھلا دوسرے قوم کے نبی اور اس کی کتاب کو کیوں ماننے لگے۔ اور یہاں جو آیت میں نَبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ فرمایا یعنی ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے اس عہد کو نظر انداز کر دیا ہوگا تو ایک جماعت اور فریق کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ ان یہود میں سے بعض نے تورات کے عہد کو پورا کیا حتیٰ کہ انہیں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بعض مخلصانہ اور صادقانہ ایمان لے آئے مگر چونکہ یہود قوم کی اکثریت بدعہد اور نافرمان تھی اسلئے پوری قوم ہی بدعہد اور نافرمان بتلائی گئی۔

آگے ان یہود کی ایک خاص عہد شکنی کا ذکر فرمایا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے متعلق تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڬ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور جب ان کے پاس ایک عظیم الشان پیغمبر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رسول ہونے کے ساتھ تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے یعنی تورات کی کیونکہ اس میں آپ کی

Marfat.com

نبوت کی خبر ہے تو اس حالت میں آپ پر ایمان لانا عین تورات پر عمل تھا جس کو وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں مگر باوجود اس کے بھی ان اہلِ کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو اس کے مضمون کا یا کتاب اللہ ہی ہونے کا گویا اصلاً علم ہی نہیں"

الغرض یہاں اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ یہود کی پرانی عادت یعنی نافرمانی اور بدعہدی کو بیان فرما رہے ہیں اور یہ جتلا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہود خود اپنی کتاب یعنی تورات کو بھی پسِ پشت ڈال رہے ہیں کیونکہ توراۃ میں آپ کے نبوت کی خبر موجود تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کر رہے ہیں تو اس حالت میں آپ پر ایمان لانا تو عین تورات پر بھی عمل تھا جس کو یہود بھی کتاب اللہ جانتے ہیں مگر باوجود اس کے بھی ان اہل کتاب کے ایک فریق نے خود اپنی کتاب اللہ یعنی تورات کو اس طرح پسِ پشت ڈال دیا یعنی ان تمام خبروں سے جو تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے متعلق تھیں۔ ایسے انجان بن گئے جیسے کہ ان کو اس کا کوئی علم ہی نہیں۔ یہاں بھی مثل گذشتہ آیت کے لفظ فریق یعنی ایک جماعت یا گروہ کا آیا ہے کہ ان اہلِ کتاب میں کے ایک فریق نے خود کتاب اللہ یعنی تورات ہی کو پسِ پشت ڈال دیا۔ اور اس تخصیص کی یہی وجہ ہے کہ یہود میں سے بعض نے توراۃ کے عہد کو بھی پورا کیا اور اپنی کتاب کی بشارت اور نشانیوں کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیثیت نبی آخر الزمان ایمان بھی لائے۔ تو ان آیات میں ان یہود کا بیان مقصود ہے کہ جو اسلام کی مخالفت پر قائم رہے اور توراۃ میں جو نشانیاں اور خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کی گئی تھیں ان کو جان بوجھ کر بدل ڈالا یا چھپاتے ہے اس طرح انہوں نے اپنی کتاب توراۃ کی بھی نافرمانی کی اور اس کا اتباع بھی نہ کیا اور بے عقل اور کم فہم اتنے کہ اتباع کیا تو سحر اور جادو جیسی کفر اور شیطانی چیز کا اتباع اختیار کیا گویا یہود کی مذمت اب آگے اس امر پر فرمائی جاتی ہے کہ یہ اتنے کم عقل اور بے وقوف ہیں کہ ایمان اور تقویٰ تو اختیار نہ کیا اور سحر و جادو جس کا چرچا یہود میں قدیم سے رہا اس میں پھنسے اور سحر جیسی شیطانی اور کفر کی چیز کو اختیار کیا جس کو اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے اور جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو ایمان و اسلام کی توفیق عطا فرما کر اپنے تمام انبیاء و رُسل اور اپنی تمام کتابوں کو سچا جاننے والا بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح معنیٰ میں پکا اور سچا اتباع قرآن و رسول نصیب فرمائیں اور سچائی اور وفاداری کے ساتھ اسلام سے وابستہ رکھیں اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ ہم نے جو عہد کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو سچائی کے ساتھ اس عہد پر قائم رکھیں اور تا زیست اس عہد کا حق پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں اور اسی پر ہم کو موت نصیب فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

درس ۴۵

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

اور انہوں نے ایسی چیز کا اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ

اور حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا مگر شیاطین کفر کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی سحر کی

السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ

تعلیم کیا کرتے تھے اور اس سحر کا بھی یہ لوگ اتباع کرتے ہیں جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا بابل میں جن کا نام ہاروت

وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا

و ماروت تھا اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی

نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ

ایک امتحان ہے سو تو کہیں کافر مت بن جانا۔ سو لوگ ان دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعے سے

بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ

کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے اور یہ لوگ اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر

مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا

نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے حکم سے اور ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو ان کو ضرر رساں ہیں اور

يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ

انکو نافع نہیں ہیں اور ضرور یہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں

مِنْ خَلَاقٍ ؗ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا

کوئی حصہ نہیں اور بیشک بری ہے وہ چیز جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں۔ کاش ان کو

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ

عقل ہوتی اور اگر وہ لوگ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو ۱۲

عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۲

خدا تعالیٰ کے یہاں کا معاوضہ بہتر تھا۔ کاش ان کو عقل ہوتی۔

Marfat.com

تفسیر و تشریح ۱۰۔ یہود کی مذمت اور ان کی ناروا حرکات۔ افعال و اعمال کا بیان دور سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اوپر یہ ذکر ہوا تھا کہ یہ یہود کتنے کم فہم اور بے عقل ہیں کہ انہوں نے اپنی آسمانی کتاب یعنی توراۃ کا بھی تو اتباع نہ کیا کہ اس کے حکم اور خبر کے موافق نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے ، اسی سلسلہ میں یہود کی بے عقلی اور ان کی مذمت ان آیات میں بھی فرمائی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب توراۃ کا تو اتباع نہ کیا اور سحر و جادو جیسی شیطانی اور کافرانہ چیز کا اتباع اختیار کیا جس کا چرچا شیاطین یعنی خبیث جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں کیا کرتے تھے۔ اور یہ خبیث جنات جو کفر کی باتیں اور سحر خود بھی کرتے اور دوسرے آدمیوں کو بھی اس سحر کی تعلیم دیا کرتے اور اس طرح وہی سحر متوارث چلا آرہا ہے اور اس کا اتباع یہ یہود کرتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ یہود اس سحر کا بھی اتباع کرتے ہیں جو کہ کسی زمانہ میں شہر بابل میں دو فرشتوں پر جن کا نام ہاروت و ماروت تھا ایک خاص حکمت کے واسطے نازل کیا گیا تھا چنانچہ ان آیات میں پہلے ارشاد ہوتا ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق

اور یہ یہودی ایسے بے عقل ہیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کا تو اتباع نہ کیا اور ایسی چیز کا یعنی سحر کا اتباع اختیار کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین یعنی خبیث جن حضرت سلیمانؑ کے عہد سلطنت میں اور بعضے بیوقوف جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر گمان سحر رکھتے ہیں بالکل ہی لغو بات ہے کیونکہ سحر تو اعتقاداً یا عملاً کفر ہے اور حضرت سلیمانؑ نے (نعوذ باللہ) کبھی کفر نہیں کیا مگر ہاں شیاطین یعنی خبیث جن بیشک کفر کی باتیں اور کام یعنی سحر کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ خود تو کرتے تھے ہی اور آدمیوں کو بھی اس سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے سو وہی سحر متواتر چلا آرہا ہے اس کا اتباع یہ یہودی کرتے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین اور جنات حسب معمول آسمان تک چڑھ جاتے اور فرشتوں میں باہم احکام الٰہی کا تذکرہ جو ہوتا اس کو غور سے سنتے اور جب ان کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت میں یہ حادثہ یا واقعہ دنیا میں پیش آئے گا تو نیچے واپس آکر کاہنوں کو ان تمام واقعات کی اطلاع کر دیتے یہ کاہن اس میں کچھ اور جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر لوگوں سے بیان کرتے اور لوگ ان باتوں کو اپنی کتابوں اور بیاضوں میں لکھ لیتے۔ رفتہ رفتہ بنی اسرائیل میں اس بات نے اعتقادی شکل اختیار کر لی کہ جنات و شیاطین غیب داں ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس قسم کی سب بیاضوں کو جمع کرا کے ایک صندوق میں رکھ کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیا اور لوگوں میں اس قسم کی کفر آمیز باتیں کہنے کی تہدیدی ممانعت کرا دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد جنات و شیاطین نے جاہلوں کو ورغلایا اور دفن شدہ کتابیں نکلوا کر کہا کہ انہی کتابوں کی بدولت سلیمان جن و انس پر حکومت کرتے تھے اور درحقیقت

نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے اور جادو سے ہی انہوں نے سب کو مسخر کر رکھا تھا۔ بنی اسرائیل نے ان کتابوں کا مطالعہ کر کے کفریات کی پیروی کی اور برابر حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر جانتے رہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمرۂ انبیاء میں داخل ہونا بیان فرمایا تو یہود مدینہ کہنے لگے کہ آپ سلیمانؑ کو بھی انبیاء کی فہرست میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ وہ جادوگر تھے نبی نہ تھے۔ یہود کے اس خیال کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل نے اس سحر و کفر کی پیروی کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہدِ حکومت میں شیاطین جن و انس پڑھا کرتے تھے معارفِ نبوت اور احکامِ الٰہیہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف شیاطین کا شائع کردہ باطل خیال تھا کہ سلیمان علیہ السلام جادوگر تھے۔ جادو کے زور سے انہوں نے سب کو مسخر کر رکھا تھا حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے نہ کفر کیا نہ سحر کے زور سے کسی کو مسخر کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا کہ لوگوں کو سحر اور جادو کی تعلیم دیتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے اور اسی طرح وہی سحر متوارث چلا آرہا ہے جس کا چرچا یہود مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا۔ حتّٰی کہ ان یہود نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ کو مرض کی سی حالت عارض ہو گئی تھی۔ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی اس پر آپ کو وحی سے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ورد کرنے کا حکم ہوا اور اس سحر کا موقع بھی معلوم کرا دیا گیا چنانچہ وہاں سے مختلف چیزیں نکلیں جن میں سحر کیا گیا تھا اور اس میں تانت کا ایک ٹکڑا بھی تھا جس میں گیارہ گرہ لگی ہوئی تھیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام یہ دونوں سورتیں پڑھنے لگے اور ایک ایک آیت پر ایک ایک گرہ کھل گئی۔ چنانچہ آپ کو بالکل شفا ہو گئی۔

الغرض قرآن و حدیث دونوں سے سحر کا وجود اور ممکن الوقوع ہونا ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود کا سحر کرنا اور اس کی وجہ سے آپ پر بعض آثار کا ظاہر ہونا اور بذریعہ وحی اس پر اطلاع کا پتہ لگنا اور اس کا ازالہ کرنا احادیث صحیحہ میں ثابت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سحر سے متاثر ہونا خود قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ سورۃ طٰہٰ سولھویں پارہ میں ارشاد ہے یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی۔ اُن کے یعنی جادوگروں کے سحر سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یہ آنے لگا کہ یہ رسیوں کے سانپ دوڑ رہے ہیں۔

یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ کیا انبیاء پر بھی جادو کا اثر ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اور وجہ یہی ہے کہ سحر درحقیقت اسبابِ طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام بھی اسبابِ طبعیہ کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ تاثر شانِ نبوت کے خلاف نہیں جیسے کہ ان حضرات انبیاء کا بھوک پیاس گرمی سردی سے متاثر ہونا۔ بیماری میں مبتلا ہونا اور شفا پانا ظاہری اسباب سے سب جانتے ہیں اسی طرح سحر کے باطنی اثرات سے بھی انبیاء متاثر ہو سکتے ہیں اور یہ تاثر شانِ نبوت کے منافی نہیں (معارف القرآن)

Marfat.com

الغرض یہود کے متعلق یہاں بتلایا گیا کہ ان میں وہی سحر متوارث چلا آرہا ہے جس کا چرچا خبیث جنات وشیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں کیا کرتے تھے اور یہود جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے تو اللہ تعالےٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت بھی اس سے ظاہر فرمادی۔

آگے بتلایا جاتا ہے کہ یہود ایک دوسری قسم کے سحر کا بھی اتباع کرتے ہیں جو کہ ان دو فرشتوں کو ایک خاص حکمت کی بنا پر دیا گیا تھا جو شہر بابل میں رہتے تھے اور جن کا نام ہاروت وماروت تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط

"اور یہ یہود اس سحر کا بھی اتباع کرتے ہیں جو کہ ان دونوں فرشتوں پر ایک خاص حکمت کے واسطے نازل کیا گیا تھا جو شہر بابل میں رہتے تھے جن کا نام ہاروت وماروت تھا"۔

اب چونکہ یہود کے سحر وساحری کے سلسلہ میں یہاں ہاروت وماروت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس لئے ان آیاتِ متعلقہ کے تفسیر کے سلسلہ میں ہاروت وماروت کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک زمانہ میں دنیا میں بالخصوص بابل میں جادو کا بہت چرچا ہوگیا تھا اور اس کے عجیب وغریب اثرات کو دیکھ کر عوام کو اس کی حقیقت اور معجزاتِ انبیاء علیہم السلام کی حقیقت میں غلط اور اشتباہ ہونے لگا اور بعضے ساحروں کو مقدس ومتبوع سمجھنے لگے اور بعضے اس کو نیک عمل سمجھ کر سیکھ سیکھ کر اس پر عمل کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط اور غلطی کو دفع کرنے کے لئے بابل میں دو فرشتے انسانی جامہ میں ہاروت وماروت نام کے اس کام کے لئے بھیجے کہ وہ لوگوں کو سحر کی حقیقت اور اسکے اصول وفروع سے مطلع کردیں تاکہ معجزۂ نبی اور سحر ساحر میں اشتباہ رفع ہوجائے اور سحر پر عمل کرنے سے اور ساحروں کی اتباع کرنے سے لوگ بچیں۔ انہوں نے بابل میں آکر اپنا کام شروع کیا اور سحر کے اصول وفروع ظاہر کرکے اس عمل بد سے بچنے اور ساحرین سے نفرت اور دوری رکھنے کی تنبیہ وتاکید کی اور بنظر اصلاح اور احتیاط یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ لوگوں کو سحر کے اصول وفروع بتانے سے قبل یہ کہدیا کرتے تھے کہ دیکھو ہمارے یہ بتانے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی آزمائش بھی مقصود ہے کہ دیکھیں ان چیزوں پر مطلع ہوکر کون شخص اپنے دین کی حفاظت واصلاح کرتا ہے کہ شر سے آگاہ ہوکر اس سے بچے اور کون اپنا دین خراب کرتا ہے کہ اس شر پر مطلع ہوکر وہی شر خود اختیار کرلے جس کا انجام کفر ہے۔ دیکھو ہم تم کو نصیحت کئے دیتے ہیں کہ اچھی نیت سے اطلاع حاصل کرنا اور پھر اسی نیت پر ثابت قدم رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سے تو یہ کہہ کر سیکھ لو کہ میں بچنے کے لئے پوچھ رہا ہوں اور پھر اس کی خرابی میں خود ہی مبتلا ہوجاؤ اور ایمان برباد کرلو۔ غرض جو کوئی ان سے اس طرح عہد وپیمان کرلیتا وہ اس کے روبرو جادو کے سب اصول وفروع بیان کردیتے تھے۔ چنانچہ بعضے اس عہد پر قائم نہ رہے اور اس جادو کے اصول وفروع جان کر مخلوق کی ایذارسانی کا ذریعہ بنا لیا۔ اور ان یہود نے اس سحر کا بھی اتباع کیا۔

Marfat.com

انہی امور کی طرف اشارہ فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط-

"اور وہ دونوں یعنی ہاروت و ماروت کسی کو سحر کے متعلق نہ بتلاتے تھے جب تک پہلے یہ نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی خلق کے لئے ایک امتحانِ خداوندی ہے کہ ہماری زبان سے سحر پر مطلع ہو کر کون پھنستا ہے اور کون بچتا ہے سو تو اس پر مطلع ہو کر کہیں کافر مت بن جانا۔ سو بعضے لوگ ان دونوں فرشتوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے عمل کر کے کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے اور اس سے کوئی وہم اور خوف میں نہ پھنس جائے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ یہ ساحر لوگ اس سحر کے ذریعہ سے کسی کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے تقدیری حکم سے یعنی جب کوئی ان دونوں فرشتوں کے پاس جادو کی معلومات حاصل کرنے کے لئے آتا تو وہ پہلے ازراہِ خیر خواہی اس پر واضح کر دیتے تھے کہ دیکھو سحر و جادو پر اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا کفر ہے اور ہم تو محض اس لئے بھیجے گئے ہیں تاکہ ساحر کے جادو اور نبی کے معجزہ کا فرق لوگوں پر واضح کر دیں لہٰذا جادو کے جو احوال ہم تمہیں بتلائیں ان کو ناجائز طور پر استعمال نہ کرنا اور اس طرح ہم تمہارے لئے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ دیکھنا کہیں جادو کے پیچھے پڑ کر اپنا ایمان ضائع نہ کر دینا، لیکن ان فرشتوں کے تنبیہ کے باوجود لوگ اس جادو کو ناجائز طور پر استعمال کرنے لگے اور زیادہ تر خاوند اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کے لئے اسے استعمال کرتے، جس کا ذکر یہاں آیت میں فرمایا گیا اور یہ میاں بیوی کی آپس کی عداوت۔ نفرت اور جدائی بہت ہی بڑا تباہ کن اور نہایت شر انگیز فتنہ ہے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنہ میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے اپنے بدترین کارناموں کا ذکر کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرا دیا شیطان ان سے کہتا ہے کہ کچھ نہیں یہ معمولی کام ہیں۔ یہاں تک کہ ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ یہاں تک کہ جدائی ہو گئی شیطان اسے گلے سے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے بڑا کام کیا اسے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں تفریق و جدائی کرانا یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔

الغرض فرشتوں سے سحر کے اصول و فروع جان کر بھی لوگ اس سے یہ ناجائز کام لینے لگے کہ جس

Marfat.com

میاں بیوی میں جدائی ہو جاوے مثلاً ایک کو دوسرے کی شکل و صورت بُری معلوم ہونی لگے اور ایک دوسرے کے عادات واطوار سے نفرت کرنے لگے اور دِل میں عداوت آجاتے جس وجہ سے آپس میں اختلاف بڑھتے رہیں اور پھوٹ چھٹاؤ بالآخر ہو جائے۔

ساحرین کی اس حرکت کو ظاہر فرمانے کے بعد اس حقیقت کو بھی بتلا دیا گیا کہ اس سحر اور جادو کے عمل سے جو بھی آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ کے حکم اور اس کی قضا سے ہوتے ہیں۔ اس سحر و جادو سے کسی کو کوئی ضرر و نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا بغیر حکم خداوندی کے کیونکہ فاعل اور مؤثر حقیقی وہی ہے۔ نہ کہ یہ چیزیں، یہ چیزیں تو محض اسباب کا درجہ رکھتی ہیں۔ تاثیر اُسی کے ارادہ اور مشیت سے وابستہ ہے اگرچہ ساحر کو قدرت الٰہی نظر نہ آئے اور وہ اپنے ہی عمل کی تاثیر سمجھے مگر حقیقت یہ ہے کہ سحر ہو یا اور کوئی چیز بغیر حکم الٰہی کے اور تقدیر خداوندی کے اس سے کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

اخیر میں یہود کو ایمان و تقویٰ کی تعلیم فرماتے ہوئے مقصود کو ظاہر فرمایا جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۣ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور فرشتوں سے سحر کا علم حاصل کر کے ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں، جو خود ان کو بوجہ گناہ کے ضرر رساں ہیں اور کسی معتد بہ درجہ میں ان کو نافع نہیں ہیں۔ تو یہ یہود بھی اتباع سحر سے بڑے ضرر میں ہوں گے اور یہ بات ضرور یہود بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس سحر کو کتاب اللہ کے عوض اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ باقی نہیں اور بے شک بُری ہے وہ چیز یعنی سحر و کفر جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں۔ کاش ان کو اتنی عقل ہوتی۔ اگر وہ لوگ بجائے اس کفر و بدعملی کے ایمان و تقویٰ اختیار کرتے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اسلام کا اتباع کرتے تو خدا تعالیٰ کے یہاں کا معاوضہ اس کفر و بدعملی سے لاکھوں درجہ بہتر تھا۔ کاش ان کو اتنی عقل ہوتی۔"

خلاصہ یہ کہ یہود جنہوں نے کتاب اللہ کا اتباع چھوڑ کر سحر کا اتباع اختیار کر رکھا تھا ان کو بتلایا گیا کہ یہ سحر کا اتباع جس کے عوض اُنہوں نے اپنی آخرت کو بیچ ڈالا بہت ہی بُری چیز ہے اگر یہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے اور اللہ کے ڈر و خوف کی زندگی گذارتے تو اُنہیں اللہ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا جو یقیناً اس کفر و سحر سے بہتر ہے کاش کہ ان یہود کو عقل ہوتی کہ وہ اس حقیقت کو سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمت اور شفقت ہے کہ وہ ایسے سرکش اور معاندین کے لئے بھی رشد و ہدایت کی تمام راہیں کھولتا ہے اور ان کو اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔ الغرض مقصود ان آیات سے یہود مدینہ کی تقبیح ہے کیونکہ ان میں بھی سحر کا چرچا تھا۔ اور ان کو ایمان و اسلام کی ترغیب دی گئی۔

Marfat.com

ان آیات کی تفسیر و تشریح کے سلسلہ میں ایک امر یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض مفسرین نے ہاروت و ماروت سے متعلق ایک لمبا چوڑا قصہ زُہرہ کا نقل کیا ہے جس کا دار و مدار بنی اسرائیل کی روایات اور کُتب پر ہے اور جو کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں علامہ ابن کثیر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ محققین کا قول یہی ہے کہ کوئی صحیح ۔ مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور نہ قرآنِ کریم میں اس کی بسط و تفصیل ہے اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن پاک میں ہے یہ صحیح و درست ہے باقی حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ۔ بہرحال جہاں تک ان آیات کی تفسیر کا تعلق ہے وہ اس قصہ پر موقوف نہیں جیسا کہ اوپر کے بیان اور تشریح و تفسیر سے ظاہر ہے ۔

اب یہاں چونکہ جادو یا سحر کا ذکر آگیا ہے اسلئے شریعتِ اسلامیہ میں سحر کے بعض احکام و مسائل کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے ۔ اصطلاح قرآن و سنت میں سحر ہر ایسے امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو ۔ پھر شیاطین کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسے منتر اختیار کئے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو یا کواکب و نجوم کی عبادت اختیار کی گئی ہو جس سے شیطان خوش ہوتا ہے کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت و نجاست کی حالت میں رہنا اور طہارت و پاکیزگی سے اجتناب کرنا ۔ الغرض اصطلاح قرآن و سُنت میں جس کو سحر کہا گیا ہے وہ کفر اعتقادی یا کم از کم کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا ۔ اسلئے اس کا سیکھنا سکھانا بھی حرام ہوا ۔ اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا ، البتہ اگر مسلمانوں سے دفع ضرر کے لئے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے ۔ جادو کے سیکھنے والے اور پھر اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ کافر بتلاتے ہیں امام صاحبؒ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ جادو کو اگر بچاؤ کے لئے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور اسے نفع دینے والا سمجھے اس کو بھی کفر کہتے ہیں ۔ اس کی سزا قتل کی ہے اور بعض حالتوں میں قید کی بھی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس آفت و بلا سے ہر طرح محفوظ و مامون فرمائیں ۔ آمین ۔ (معارف القرآن و تفسیر ابن کثیر)

اب آگے یہود کی ایک اور شرارت سے اہلِ ایمان کو براہ راست خطاب فرما کر مطلع فرمایا جاتا ہے اور صحابہ کرامؓ کو ایک خاص ہدایت فرمائی جاتی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا ۔

دُعا کیجئے ۔ حق تعالیٰ ہم کو اپنی کتاب قرآن کریم کا پورا پورا اتباع نصیب فرمائیں اور ہم کو ظاہراً و باطناً شریعت مطہرہ کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں ۔ اور ہر طرح کی باطل ، کجی ، گمراہی اور کفر و شرک کی باتوں سے کامل طور پر بچنا اور علیحدہ رہنا نصیب فرمائیں ۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے باطل اور شیطانی خیالات سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ہم کو ایمان و تقویٰ کی دولت عطا فرما کر اپنی رضا والی زندگی گذارنا نصیب فرمائیں ۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۴۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا
اے ایمان والو ! تم "راعنا" مت کہا کرو اور "انظرنا" کہہ دیا کرو
وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ
اور سن لیجئے - اور کافروں کو سزا دردناک ہوگی ذرا بھی پسند نہیں کرتے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ
کافر لوگ ان اہلِ کتاب میں سے اور مشرکین میں سے
يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ
اس امر کو کہ تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے کسی طرح کی بہتری نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ
بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾
جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں - اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں -

تفسیر و تشریح :- اوپر یہود کے اتباعِ سحر کا ذکر تھا - آگے انہی یہود مدینہ نے ایک اور شرارت ایجاد کی تھی اس کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے اور اہل ایمان کو یہود کی اس شرارت کے سلسلہ میں ضروری ہدایت دی جاتی ہے - شرارت اور خباثت یہود کی یہ تھی کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آکر لفظ رَاعِنَا سے آپ کو خطاب کرتے - لفظ راعِنَا کے معنے یہود کی عبرانی زبان میں بیوقوف اور شیخی باز کے تھے - مگر عربی زبان میں رَاعِنَا کا مطلب ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو جیئے یا ہماری رعایت کیجئے یا ہمارے حال پر توجہ فرمایئے - اسلئے عربی داں اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے تھے اور شرارتاً یہود کبھی زبان دبا کر رَاعِیْنَا کہتے جسکے معنی ہوتے ہمارا چرواہا - مسلمانوں کو اس فاسد معنی اور یہود کی اس گندہ ذہنیت کا علم نہ تھا کہ جس نیت اور جس معنی میں وہ اس لفظ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے تھے بلکہ مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ علمائے اہلِ کتاب حضرات انبیاء کے آداب سے بخوبی واقف ہیں جب آن کے علماء یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو مسلمانوں نے سمجھا کہ یہ لفظ تعظیم ہے اس لئے مسلمانوں نے بھی اس لفظ کا استعمال شروع کر دیا - اس سے ان شریر یہود کو اور گنجائش ملی آپس میں بیٹھ کر ہنستے کہ اب تک تو ہم ان کو خفیہ ہی برا کہتے تھے اب علانیہ کہنے کی تدبیر ایسی ہاتھ آگئی کہ مسلمان بھی اس میں شریک ہو گئے - حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی اور اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا -

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(اے ایمان والو! تم لفظ رَاعِنَا مت کہا کرو اور اگر اس کے ظاہری مطلب عرض کرنے کی ضرورت پڑے تو لفظ "اُنْظُرْنَا" کہہ دیا کرو۔ اس کے بھی یہی معنے ہیں کہ ہماری مصلحت پر نظر فرمائیے۔ اور اس حکم کو اچھی طرح سن لیجئو اور یاد رکھیو اور ان کافروں کو تو سزائے دردناک ہوگی ہی جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی گستاخی وبے جا لاکی کے ساتھ کرتے ہیں)۔ یہاں ایمان والوں کو مخاطب کرکے اللہ تعالےٰ نے لفظ رَاعِنَا کہنے سے منع فرما دیا اور اس کی جگہ اگر ضرورت ہو تو لفظ اُنْظُرْنَا کہنے کی ہدایت فرمائی۔ مقصد اس ممانعت سے یہی ہے کہ اگرچہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس لفظ رَاعِنَا کو اچھے معنیٰ میں بولتے ہیں لیکن یہود کو اس لفظ کے دوسرے معنیٰ میں استعمال کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ لہٰذا حکم ہوا کہ مسلمان اس لفظ کا استعمال ہی چھوڑ دیں اور اس کے ہم مطلب اور مرادف دوسرا لفظ اُنْظُرْنَا استعمال کریں تاکہ کافروں کو بدتہذیبی کا حیلہ ہی نہ ملے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس حکم سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتا جیسے مثلاً اگر کسی عالم کے جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کے لئے یہ جائز فعل بھی ممنوع ہو جائے گا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو اس کی مثالیں قرآن و سنت میں بہت ہیں۔ اسی کی ایک دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بیت اللہ کی تعمیر جو قریش نے زمانۂ جاہلیت میں کی تھی اس میں کئی چیزیں بنائے ابراہیمی کے خلاف کر دی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو منہدم کرکے از سر نو بنائے ابراہیمی کے مطابق بنا دوں، لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے بالفعل ایسا نہیں کرتا۔" ایسے احکام کو اصولِ فقہ کی اصطلاح میں سدِ ذرائع سے تعبیر کیا جاتا ہے جو سبھی فقہاء کے نزدیک معتبر ہے۔ دوسرے اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کی اشارۃً اور کنایۃً تحقیر و اہانت بھی کفر ہے۔ اس لئے کہ یہود صراحتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر نہیں کرتے تھے۔ رَاعِنَا کہہ کر اشارۃً اور کنایۃً آپ کی تحقیر مقصود تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر فرمایا۔

یہاں آیت میں اہلِ ایمان کو لفظ رَاعِنَا کے استعمال کی ممانعت فرما کر وَاسْمَعُوْا کا حکم فرمایا۔ جس کے لفظی معنی ہیں اور سن لو۔ اس سے مراد بعض مفسرین نے یہ لیا ہے کہ یہ حکم جو اس آیت میں دیا جا رہا ہے، اس کو اچھی طرح سن لو اور یاد رکھو اور بعض مفسرین نے وَاسْمَعُوْا سے یہ مراد لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرمائیں اس کو نہایت غور و توجہ سے سنو کہ تم کو طلبِ سوال اور طلبِ رعایت کی ضرورت ہی نہ پڑے

اور ایسے موہم الفاظ کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے آگے فرمایا۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے یعنی یہود جو دلوں میں کینہ اور دشمنی رکھتے ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں یہ اپنی اس حرکت کی وجہ سے کافر ہیں اور ان کی سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہاں اس آیت سے متعلق علمائے مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآنِ کریم میں یہ پہلا موقع ہے کہ جہاں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے براہ راست مسلمانوں کو خطاب فرمایا گیا ہے قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے ۸۸ جگہ خطاب فرمایا ہے چنانچہ اس آیت میں یہ پہلا موقع ہے۔ پہلی آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا خطاب صرف انبیاء کرام سے ہوتا تھا کہ اپنی اُمت کو یہ احکام پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمتِ مسلمہ کو یہ شرف عطا فرمایا کہ بلا واسطہ براہِ راست اس امت کو مخاطب فرمایا۔ تو جہاں یہ مخاطبت اس اُمت کے لئے شرف اور بزرگی کا باعث ہے وہیں اس اُمت پر بھی لازم ہے کہ جہاں قرآنِ کریم میں ان الفاظ سے مخاطبت ہو اس کو فی الفور پوری طرح متوجہ ہو کر سُنے اور دل و جان سے اس حکم کی پیروی کرے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور کہا کہ مجھ کو کوئی نصیحت اور وصیت فرمایئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تم قرآن پڑھو اور اس میں اس لفظ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کو سنو تو فوراً اپنے کانوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور قلب کو پوری طرح حاضر کرنا اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ تم سے خطاب فرماتے ہیں اور وہ کسی نیک کام کا حکم دیتے ہیں یا کسی بُری چیز سے منع فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نصیحت و وصیت جیسے ان ایک صاحب کے لئے تھی ویسے ہی تمام مسلمانوں کے لئے ہے کیونکہ دُنیا کی مثال آپ دیکھ لیں کہ جب کوئی بادشاہ کسی کو براہِ راست مخاطب کرے اور جس سے مخاطبت کی جائے وہ اسوقت بے توجہی اور بے دلی سے بات کو سُنے یا سُن کر اس کو ٹال دے تو اس حالت میں بادشاہ کے عتاب کا سبب ہوتا ہے اور اگر نہایت توجہ اور دل سے بات کو سُنا اور اس پر عمل کیا تو یہ امر بادشاہ کی خوشنودی کا باعث ہو کر اس شخص کے لئے انعام و اکرام کا موجب ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح احکم الحاکمین کی مخاطبت کے متعلق سمجھ لیجئے۔ یہاں اس مخاطبت میں جو اس آیت میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے منع فرما رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور نصائح کو غور سے سننے کا حکم دے رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ گستاخی اور تمسخر کرنے والے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی دِل سے متوجہ ہو کر قرآن و حدیث سُننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

الغرض یہود کی شرارت اور برتاؤ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا وہ یہاں ذکر فرمایا گیا اب

اس کے آگے یہود کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ بیان فرمایا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ بعضے یہودی بعض مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بخدا ہم دل سے تمہارے خیر خواہ ہیں اور ہزار جان سے پسند کرتے ہیں کہ تم کو دینی احکام ہمارے دینی احکام سے بہتر عنایت ہوں تو ہم بھی ان کو قبول کریں مگر کیا کیا جائے کہ تمہارا دین ہمارے دین سے اچھا ثابت نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ اس دعوئے خیر خواہی کی تکذیب فرماتے ہیں کہ ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ خواہ اہل کتاب سے ہوں اور خواہ مشرکین میں سے اس امر کو کہ تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے کسی طرح کی بہتری نصیب ہو اور ان کے اس حسد سے کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل کرنے والے ہیں یعنی مشرکین بت پرست یا دہریے ہوں یا اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہوں ان میں کوئی نہیں چاہتا اور پسند نہیں کرتا کہ پروردگار کی طرف سے مسلمانوں پر کسی طرح کی خیر و بھلائی برکت و نعمت نازل ہو۔ مشرکین عرب تو جہالت سے حسد کرتے اور جلن سے کہتے کہ بنی ہاشم میں ایک پیغمبر ہوا اور تمام عرب کے ہاتھ اسکی طرف پھیلے ہوں ہم اس کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ اہل کتاب یہود اگرچہ بعثت رسول کے منتظر تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ہوگا کیونکہ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں برابر نبوت چلی آئی ہے۔ جب اولاد اسمٰعیلؑ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کو حسد ہوا کہ غیر قوم میں سے نبی کیوں ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے کیونکہ وہ بڑے فضل والا ہے یعنی خاندانی وجاہت اور نسلی امتیاز کو فضل الٰہی میں کیا دخل ہے اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور حکیم ہے اس کی حکمت و مشیت میں کسی کو دخل نہیں جس کو چاہتا ہے اپنی رسالت سے سرفراز فرماتا ہے

یہاں اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کو اسلام اور اہل اسلام سے دلی عناد ہوتا ہے اور وہ کبھی مسلمانوں کی بھلائی اور خیر پسند نہیں کرتے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبوت وہبی چیز ہے کسب کو اسمیں دخل نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جسکے لئے یہ نعمت روز ازل میں مقدر فرما دی تھی اسی کو پیغمبری اور رسالت نصیب ہوئی۔ الغرض یہود کے خبث باطن کو ظاہر فرمایا گیا کہ وہ اپنی عداوت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے اور اسی بدنیتی سے لفظ راعنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کہنا شروع کیا تھا جس لفظ کے استعمال کی مسلمانوں کو ممانعت کر دی گئی اور کبھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غلط پروپیگنڈا اور بیجا اعتراضات کرتے۔ چنانچہ یہود کے ایک اعتراض کا جواب جو وہ قرآن اور اسلام پر کرتے اگلی آیات میں دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے: حق تعالیٰ کا یہ بڑا فضل و احسان ہے کہ جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا اور ہم کو اس پر ایمان رکھنے کی دولت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن سے سچی محبت عطا فرمائیں اور اس کے اتباع کی ظاہر میں اور باطن میں توفیق نصیب فرمائیں۔ کفار مشرکین جو مسلمانوں کے کبھی خیر خواہ اور بہی خواہ نہیں ہو سکتے حق تعالیٰ ہمیں ان کی مشابہت اور متابعت سے بچاویں اور ہمیں جو احکام قرآن و حدیث کے پہنچیں ان پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۴۷

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت کو فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ

لے آتے ہیں۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں ۔ کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں

اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ

کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص انہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور تمہارا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں

تفسیر و تشریح :۔ اوپر سے یہود کی شرارتوں اور اسلام اور اہل اسلام سے عداوت کا ذکر ہوتا چلا آرہا ہے ۔ یہود اپنی عداوت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے اور قرآن اور اسلام پر بیجا اعتراضات کر کے مسلمانوں میں غلط پروپیگنڈہ کرتے چنانچہ یہود مسلمانوں سے کہتے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور تمہاری شریعت الہامی ہے تو احکام توراۃ وغیرہ کو اس نے کیوں منسوخ کیا اور پھر خود ہی اپنی شریعت کے بعض احکام کو ایک وقت نافذ کیا اور پھر دوسرے وقت موقوف کیا جیسے پہلے تمہارا قبلہ بَیْتُ الْمَقْدِسْ کی طرف تھا پھر مَسْجِدُ الْحَرَام کی طرف ہو گیا۔ تو یہود احکام الٰہیہ کے نسخ کے قائل نہ تھے اور انجیل اور قرآن کو اسی وجہ سے نہ مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام توراۃ کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان کتابوں کے نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے۔ پس ان آیات کو اللہ تعالیٰ نے یہود کے مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں نازل فرمایا اور ارشاد فرمایا ۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں گو آیت ذہنوں میں یا قرآن میں باقی رہے یا اس آیت ہی کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں تو یہ کوئی بات اعتراض کی نہیں ۔ کیونکہ اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے ۔ چنانچہ ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اعتراض کے جواب میں بتلایا کہ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یعنی اس کے حکم یا حکم و تلاوت دونوں کو منسوخ و موقوف کرتے ہیں، یا بالکل لوگوں کے ذہنوں سے اس کے الفاظ ہی فراموش کر دیتے ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص

Marfat.com

مصلحت وحکمت ہوتی ہے ۔

اِس آیت میں کسی آیتِ قرآنی کے منسوخ ہونے کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں، سب کو جمع کر دیا ہے ۔ نَسخ کے معنی لغت میں مٹانا، بدلنا، بے کار کرنا، زائل کرنا اور لکھنے کے آتے ہیں لیکن اصطلاح کتاب وسُنت میں نسخ ایک حکم کی بجائے کوئی دُوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے خواہ وہ دوسرا حکم یہی ہو کہ سابق حکم بالکل ختم کر دیا جائے یا یہ ہو کہ اُس کی جگہ دوسرا عمل بتلایا جائے ۔ اِس پر اُمت کے جمہور مفسّرین کا اتفاق ہے کہ یہاں اس آیت میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا یعنی منسُوخ ومرفوف کرنا ہے جس کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک قسم یہ کہ حکم منسوخ کی جگہ دوسرا حکم نازل کیا جائے ۔ جیسے ایک سال کی عدت کا حکم منسُوخ کرکے چار ماہ اور دس دن کا حکم نازل کر دیا گیا ۔ دوسری قسم یہ ہے کہ پہلا حکم اُٹھا لیا جائے اور کوئی جدید حکم اس کی جگہ نہ اُتارا جائے ۔ جیسے ابتدا میں مہاجر عورتوں کے امتحان کا حکم تھا بعد میں اُٹھا لیا گیا تو اس طرح نسخ احکام یعنی صرف اوامر ونواہی میں جاری ہوتا ہے اخبار یعنی جو باتیں خبر سے متعلق ہیں ان میں نسخ جاری نہیں ہوتا اور اوامر ونواہی میں باقتضائے مصلحت تغیر وتبدیل تمام عقلائے عالم کے نزدیک مُسلّم ہے دُنیا کی حکومتوں اور اداروں میں کسی حکم کو منسُوخ کرکے دُوسرا حکم جاری کر دینا مشہور ومعروف ہے ۔ لیکن ان فنون کے احکام میں نسخ کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ پہلے کسی غلط فہمی سے ایک حکم جاری کر دیا بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو حکم بدل دیا کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا اُس وقت کے حالات کے مناسب تھا اور آگے آنے والے واقعات وحالات کا اندازہ نہ تھا ۔ جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا ۔ یہ دونوں صورتیں احکامِ خداوندی میں نہیں ہوسکتیں ۔ ایک تیسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو اوّل ہی سے یہ بھی معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت یہ حکم مناسب نہیں ہوگا ۔ دُوسرا حکم دینا ہوگا ۔ یہ جانتے ہوئے آج ایک حکم دے دیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرار داد سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا ۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ دو روز اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا ۔ اُس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنا ہوگی یہ سب کچھ جانتے ہوئے وہ پہلے دن اپنی دوا تجویز کرتا ہے جو اُس دن کے مناسب ہے ۔ دو دن کے بعد حالات بدلنے پر دوسری دوا تجویز کرتا ہے ۔ اللہ جل شانہٗ کے احکام میں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں صرف یہی آخری صورت نسخ ہوسکتی ہے اور ہوتی رہی ہے ہر آنے والی نبوت اور ہر جدید نازل ہونے والی کتاب نے پچھلی نبوت اور کتاب کے بہت سے احکام کو منسوخ کرکے نئے احکام جاری کئے اور اسی طرح ایک ہی نبوت وشریعت میں ایسا بھی ہوتا رہا کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا ۔ پھر بتقاضائے حکمت خداوندی اس کو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا ۔ اس لئے ایسے نسخ میں کوئی اشکال یا اعتراض عقلی ونقلی نہیں لیکن یہود نے اپنی عناد اور جہالت سے احکام الٰہیہ کے نسخ کو دُنیوی احکام کے نسخ

Marfat.com

کی مذکورۂ بالا دونوں صورتوں پر قیاس کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زبان طعن دراز کی اور اسلام و قرآن پر بیجا اعتراض کئے جس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں اور بتلایا گیا کہ احکام الٰہیہ میں جب کوئی حکم موقوف ہوتا ہے تو اس میں خاص مصلحت اور حکمتِ خداوندی ہوتی ہے اور پہلی آیت سے زائد مفید آیت نازل ہوتی ہے یا اس کی مثل ہوتی ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

یعنی اے معترض کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں پس ایسے قادر کو رعایت مصالح کیا مشکل ہے آگے ارشاد ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝

اور اے معترض کیا تجھکو معلوم نہیں کہ حق تعالےٰ ایسے ہیں کہ خاص انہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی یعنی جب اُن کی قدرت و سلطنت میں کوئی شریک و سہیم نہیں ہے تو مصلحت کی رعایت کر کے ایک حکم بدل دینے اور دوسرا حکم دے دینے میں کون مزاحمت کر سکتا ہے۔ غرض حکمِ ثانی کی تجویز سے بھی کوئی مانع نہیں ہے اور اس حکم کے جاری کر دینے سے بھی کوئی مانع نہیں اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں۔

غرضکہ یہاں یہ تبلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ جب چاہتا ہے ایک حکم دیتا ہے پھر جب چاہتا ہے اپنی مشیت سے اس حکم کو بدل دیتا ہے۔ لہٰذا پہلے اللہ تعالیٰ نے توراۃ نازل کی پھر انجیل سے اس کے بعض احکام کو منسوخ کیا۔ پھر قرآن نازل فرمایا اور انجیل کے احکام منسوخ کئے اور قرآن میں سے جو حکم چاہا اپنی حکمت بالغہ اور مشیت کاملہ سے منسوخ فرما دیا مثلاً پہلے اس عورت کی عدت جس کا شوہر مر جائے ایک سال تھی لیکن پھر بعد میں چار ماہ دس دن ہوئی۔ قبلہ پہلے بَیْتُ الْمَقْدِسْ کی طرف تھا پھر کَعْبَةُ اللّٰه ہوا۔ پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور اُن کے مقابلہ میں نہ ہٹے لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو کر دو دو کافروں کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا۔ پہلے حکم تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہوا۔

حاصل آیت کا یہی ہے کہ ایک آیت یا حکم کا منسوخ ہونا یہ سب مصلحتِ خداوندی پر مبنی ہے اور اس میں اعتراض اور نکتہ چینی کا کسی کو حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ جیسا وقت اور موقع دیکھتا ہے ویسا ہی حکم نازل فرماتا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ اوّل تو قانون کی ترمیم حاکم کے اختیار میں ہے کسی دوسرے شخص کو اس پر طعن کرنے کا حق نہیں دوسرے باقتضاء زمانہ حکم کا بدلنا

Marfat.com

تو حاکم کے مدبر اور انتہائی دانا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں تصرف کرنے کا پورا حق ہے اور اسی کی دلیل میں یہ فرمایا گیا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ ہی ان کا مالک اور حاکم ہے تو جب اس کی قدرت و سلطنت میں کوئی شریک نہیں تو کسی حکم کو بدل دینے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ اخیر میں وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ فرما کر یہ بھی جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ جب تمہارے حامی اور مددگار ہیں تو احکام کے بدلنے میں ضرور مصلحت اور ضرورت کی رعایت کریں گے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں میں بندہ کو دخل نہ دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے ہر حکم کی مصلحت و حکمت سے خوب واقف ہیں۔

اب آگے یہود کی ایک اور شرارت کا ذکر فرمایا گیا ہے جس سے یہود کا مقصد سیدھے سادھے مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الٹے سیدھے سوالات کرنا تھا جس کے متعلق اہل اسلام کو ضروری تنبیہ و ہدایت فرمائی گئی جس کا بیان اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

دعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ اپنے احکام پر ہم کو ایمان صادق اور یقین کامل نصیب فرمائیں۔ اور اپنے ہر چھوٹے بڑے حکم کی ہر حال میں ہم کو اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور ان میں شکوک و شبہات کی باتوں سے بچائیں۔ اے اللہ! آپ ہر حال میں ہمارے حامی و مددگار رہیں اور آپ کی نصرت و حمایت سے ہمارے دین و دنیا کے تمام معاملات درست و راست ہو جائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۴۸

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ

ہاں کیا تم مسلمان یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے درخواستیں کرو جیسا کہ اسکے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی درخواستیں

قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ

کی جاچکی ہیں اور جو شخص بجائے ایمان لانے کے کفر کرے بلاشک وہ شخص راہِ راست سے

السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ

دُور جا پڑا ۔ ان اہلِ کتاب میں سے بہتیرے دِل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے

بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ

ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود اُن کے دِلوں ہی سے ہے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ

حق واضح ہوئے پیچھے ۔ خیر معاف کرو اور درگزر کرو جب تک

اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا

حق تعالیٰ اپنا حکم بھیجیں ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اور نماز میں پابندی

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

سے پڑھے جاؤ اور زکوٰۃ دیئے جاؤ اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

حق تعالیٰ کے پاس اس کو پالو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کیے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :- یہود مدینہ کو اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بشارات اور معجزات سے یقین ہو چکا تھا مگر حسد و عناد کی وجہ سے برابر ایسی حرکتیں کرتے رہتے کہ اہل اسلام کو طرح طرح کے شکوک اور شبہات دین میں پیدا ہوں اور ان کی یہی کوشش رہتی کہ مسلمان دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اسی بنا پر یہود کے کہنے سننے سے بعض سیدھے سادھے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُلٹے سیدھے سوالات کرتے تھے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو فضول اور کثرت سوالات سے روک دیا جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے ۔ کیونکہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

Marfat.com

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ

کیا تم مسلمان یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواستیں کرو۔ جیسا کہ اس کے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی درخواستیں کی جا چکی ہیں یعنی کیا تم بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سوالات کیا چاہتے ہو جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام سے ان یہود کے بڑوں نے سوالات کر کے غضب الٰہی اپنے اوپر بلایا تھا۔ مثلاً یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو ان آنکھوں سے اپنے سامنے نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے جس گستاخی کی سزا میں ان پر بجلی گری اور ان کو ہلاک کر دیا۔ الغرض غیر ضروری اور فضول سوال کی خصلت نہایت مذموم ہے مسلم و بخاری کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول کلام۔ کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال سے منع فرمایا ہے صحیح مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو۔ تم سے اگلے لوگوں کو اسی بد خصلت نے ہلاک کیا کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور اپنے نبیوں پر اختلاف کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے موافق بجا لاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی گئی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ تو کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہر سال؟ آپ خاموش ہو گئے انہوں نے پھر پوچھا آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے تیسری دفعہ پھر سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہر سال نہیں لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو نہ بجا لا سکتے پھر آپ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے کی ممانعت ایک اور مقصد سے بھی ہوئی ہے۔ بار بار سوال کرنے سے اپنے اوپر خود پابندی اور مشکلات کا اضافہ کرنا ہے۔ آسان حکم مشکل ہو جاتا ہے جن باتوں میں آزادی ہوتی ہے حکم آنے سے ان باتوں میں پابندی لگ جاتی ہے جیسا کہ یہود کے ساتھ ہوا۔ اسی سورۃ بقرہ میں گائے کے ذبح کرنے کا واقعہ آپ جان چکے ہیں کہ سوال کر کر کے انہوں نے اپنے اوپر کتنی پابندیاں عاید کر لیں۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے روک دیا گیا تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی گاؤں والا ناواقف شخص آجائے اور وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں کوئی سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گذر جاتا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اور ہم خواہش کرتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضورؐ سے یہ سوال کرے تو ہم بھی سن لیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ مبارکہ میں آپ سے فضول اور کثرت سوالات کی ممانعت تھی، اس طرح اب بھی علمائے ربانی اور

Marfat.com

فضلائے حقانی سے بھی فضول اور کثرتِ سوال مذموم ہے تو جب اہلِ اسلام کو بھی غیر ضروری اور کثرت سوال سے منع فرما دیا گیا تو غیروں کا تکبر سرکشی اور عناد سے سوال کرنا گویا کفر کو ایمان کے بدلے مول لینا ہے اور سیدھی راہ سے ہٹ کر جہالت اور گمراہی میں گھر جانا ہے۔ اسی کو ارشاد فرمایا گیا۔

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

اور جو شخص بجائے ایمان لانے کے کفر کی باتیں کرے بلاشک وہ شخص راہِ راست سے دُور جا پڑا یعنی احکامِ خداوندی میں حجتیں نکالنا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اُلجھنا اور لایعنی سوالات کرنا۔ یا اللہ کے کسی حکم کو غیر مناسب سمجھنا یہ سب کفر کی بات ہے۔ مومن اور مسلمان کا تو یہ فریضہ ہے کہ جو حکم اللہ اور اس کے رسول کا پہنچا اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس کی اطاعت پر کمربستہ ہو گیا۔

آگے یہود کی شرارتوں کے متعلق مزید اہل ایمان کو متنبہ کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ان اہلِ کتاب یعنی یہود میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں۔ اور ان کا یہ چاہنا محض حسد کی وجہ سے ہے جو کہ تمہاری جانب سے کسی امر کے سبب پیدا نہیں ہوا بلکہ خود ان کے دِلوں ہی سے جوش مارتا ہے اور یہ بھی نہیں کہ ان کو حق واضح نہ ہوا ہو بلکہ حق واضح ہوئے پیچھے یہ حالت ہے۔ اب اس پر مسلمانوں کو ان پر غصہ آنے کا محل تھا اسلئے ہدایت فرمائی جاتی ہے کہ خیر ابھی تو معاف کرو اور درگذر کرو جب تک کہ حق تعالیٰ اس معاملہ کے متعلق اپنا حکم بھیجیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق بعض مفسرین نے ایک واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جنگِ اُحد میں مسلمانوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے شکست اور نقصان اُٹھایا تو یہود نے جو شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ حضرت حُذَیفہؓ اور حضرت عمّارؓ بن یاسر کو بہکانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ اگر تم دین برحق پر ہوتے تو شکست کیوں کھاتے۔ اب اگر تم ہمارے دین کی طرف رجوع کرو گے تو زیادہ ہدایت پاؤ گے۔ حضرت عمّارؓ نے جواب دیا کہ تم لوگ واقف ہو کہ عہد شکنی کا کیا حکم ہے۔ یہود بولے کہ ہاں عہد توڑنے کا بڑا گناہ ہے۔ اس پر حضرت عمّارؓ نے فرمایا تو میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک زندہ ہوں دین اسلام پر قائم رہوں گا اور رسول برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پھروں گا۔ لیکن تم لوگ بدعہد ہو کہ معاہدۂ توراۃ کو توڑ بیٹھے۔ اس کے بعد حضرت حُذَیفہؓ نے جواب دیا کہ میں اس بات پر راضی ہو چکا کہ اللہ میرا رب ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں۔ اسلام میرا دین ہے۔ قرآن میری کتاب ہے۔ کعبہ

Marfat.com

میرا قبلہ ہے۔ مومنین میرے بھائی ہیں اور کفار میرے دشمن ہیں اس کے بعد ہر دو حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! یہ یہود قرآن اور دین میں طرح طرح کے شبہات نکالتے ہیں اور مسلمانوں کو بہکاتے ہیں جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر اہل کتاب کی دلی خواہش اور تمنا یہ ہے کہ کسی طرح تم کو ایمان و اسلام سے پھیر کر کافر بنا دیں اور اس غرض فاسد کا کوئی محرک اور باعث تمہاری جانب سے وقوع میں نہیں آیا بلکہ بلا وجہ محض حسد کی بنا پر کہ جو خود اُن کے ناپاک اور گندے نفسوں سے پیدا ہوا ہے اور پھر تعجب یہ ہے کہ اُن کی یہ کوشش اور حسد کسی شک و شبہ کی بنا پر نہیں بلکہ بعد اسکے ہے کہ حق ان کو خوب واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین۔ ان کی کتاب اور ان کا رسول سب سچے ہیں۔ تورات اور دیگر کتب سابقہ میں خاتم النبیین کے جو فضائل اور صفات بیان کیے گئے ہیں۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں وہ دیکھ چکے ہیں لیکن اس کے باوجود جیسے خود کافر ہیں مسلمانوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان ان یہود کے حسد و عناد کے مقابلہ میں حتی الامکان ان سے درگذر کریں اور انتقامی شکل اختیار کریں یعنی نہ زبان سے فی الحال ان کو برا بھلا کہو اور نہ فی الحال ان سے کوئی جنگ و جدال اور قتل و قتال کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُن کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ اور حکم دے دے (مراد اس سے جہاد اور قتال اور جزیہ کا حکم ہے) اور فی الحال جو جہاد و قتال کے حکم میں تاخیر کی گئی ہے تو یہ کسی عجز اور کمزوری کی بنا پر نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے لیکن اس تاخیر میں کچھ حکمتیں ہیں۔ چنانچہ بعد میں جب آیاتِ جہاد نازل ہوئیں تو مسلمانوں نے کچھ یہود کو تو جنگ میں قتل کیا اور کچھ کو جلاوطن کر کے نکال بھگایا۔

آگے اہل اسلام کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم دشمنانِ دین کے مقابلہ میں سر دستِ نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور جن پر زکوٰۃ فرض ہے زکوٰۃ دیئے جاؤ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اور نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور جن پر زکوٰۃ فرض ہے زکوٰۃ دیئے جاؤ اور نماز و زکوٰۃ کے علاوہ جو نیکی اور بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے تمام جمع شدہ ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پالو گے یعنی یہ ناممکن ہے کہ تمہارا کوئی عمل ضائع ہو جائے کیونکہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ تمہارا عمل خوب دیکھتا ہے یعنی اس عمل کی کیفیت اور حالت اور تمہارا اخلاص و شوق و نیت سب اس کے نظروں کے سامنے ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ دشمنانِ اسلام کی سازشوں اور ان کے حسد و عناد کی مضرتوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو دو چیزوں کی خاص طور پر تلقین فرمائی ایک تو نماز کی پابندی دوسرے زکوٰۃ کی ادائیگی۔ اگر ان دونوں چیزوں کی پابندی اہل اسلام میں ہو گی تو دشمنانِ اسلام

کی کوششیں اہلِ اسلام کو دین سے بچلانے کی کامیاب و کارگر نہ ہوسکیں گی۔ اسی سے اِس کی ضد بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر اہلِ اسلام میں ان دو چیزوں کی پابندی نہ ہوگی تو پھر دشمنوں کی سازشیں اور حملے کارگر ہو جائینگے۔ اس امر کی تائید اور تصدیق میں آپ اپنے ملک پاکستان ہی کا حال دیکھ لیجئے۔ ماہ اپریل ۱۹۶۳ء کی اخباری خبر ہے کہ مولانا محمد شفیع جو آزاد قبائل کے ایک رہنما ہیں اُنہوں نے بہاولنگر میں ایک عام جلسہ میں ۱۹ اپریل ۱۹۶۳ء کو تقریر کرتے ہوئے بتلایا کہ اُن کے اندازہ اور ان کے اعداد و شمار کے مطابق ۹ لاکھ مسلمان مرتد کئے جا چکے ہیں اور ان کو عیسائی بنایا جا چکا ہے۔ اور اپنی تقریر میں اُنہوں نے بتلایا کہ امریکہ کی حکومت نے پاکستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے دو ارب روپیہ عیسائی مشنریوں کے ذریعہ صرف کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے (جنگ اخبار) یہ خبر کتنی مسلمانوں کے لئے افسوسناک ہے۔ اگر مالدار مسلمان پوری پوری اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کریں اور غریب و نادار مسلمانوں کو پہنچا دیں تو ایک مسلمان بھی اپنی غربت کی وجہ سے مال کے لالچ میں دین کو نہ چھوڑے۔ یہ مالداروں کے زکوٰۃ ادا نہ کرنے ہی کا سبب ہے کہ جو پیٹ و تن کے مارے ہوئے پیسے کی لالچ میں عیسائیت کو قبول کر لیتے ہیں دوسری وجہ عیسائیت کی کامیابی کی مسلمانوں کا نماز کو ترک کر دینے کی ہے۔ تجربہ ہے کہ نمازی مسلمان کے پاس بے دین کبھی اسکو شکار بنانے کے لئے نہ پھٹکے گا ہمیشہ بے نمازی ہی بے دین اور غیر مسلموں کے ہتھے چڑھتے ہیں۔ تو جتنی عیسائیت اس پاکستان میں پھیلی اگر آپ غور کریں تو اُس کی روک تھام اُس قرآنی نسخہ میں موجود ہے، اگر اس نسخہ کو استعمال نہیں کیا گیا تو دشمنانِ اسلام اپنے حربوں میں مزید کامیاب ہوتے جائیں گے گویا اس طرح نماز کے قائم نہ کرنے والے اور زکوٰۃ کو ادا نہ کرنے والے نہ صرف انہی دو امور کے مجرم ہوں گے بلکہ ایک درجہ میں اس ارتداد کے ذمہ دار بھی ٹھیرائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ پاکستان کو اور تمام عالم کے مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام کے شر سے محفوظ فرمائیں اور ہم کو دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

الغرض یہود کی ہر طرح یہی کوشش رہتی تھی کہ مسلمانوں کو کسی طرح اسلام سے برگشتہ کریں اسی سلسلہ میں وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ بھی کہتے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی دوسرا ہرگز داخل نہ ہوگا جس کا رد حق تعالیٰ نے اگلی آیات میں فرمایا جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ اور دین میں شک و شبہات سے ہمارے قلوب کو محفوظ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ دشمنانِ دین اسلام کی سازشوں سے اہلِ اسلام کو محفوظ فرمائیں۔ اور ان کے تمام حربے ناکام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسلام و ایمان کی برکت سے ہمارے تمام معاملات کو درست و راست فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۴۹

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاویگا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا اُن لوگوں کے جو نصرانی ہوں

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

یہ دل بہلانے کی باتیں ہیں آپ کہیئے کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ

ضرور دوسرے لوگ جاوینگے جو کوئی شخص بھی اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکادے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے پروردگار

۱۳ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ ع ۱۳

کے پاس پہنچ کر اور نہ ایسے لوگوں پر کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ مغموم ہونے والے ہیں ۔ اور یہود کہنے لگے

لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ

کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں اور نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود

عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

کسی بنیاد پر نہیں حالانکہ یہ سب کتابیں پڑھتے ہیں اسی طرح یہ لوگ جو کہ

لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

بے علم ہیں اُن کا سا قول کہنے لگے سو اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان فیصلہ کردیں گے قیامت کے دن

فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ان تمام مقدمات میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے ۔

تفسیر و تشریح :- اوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ یہود کا اسلام قبول نہ کرنے کا سب سے بڑا سبب ان کا دلی حسد اور عناد تھا اور وہ اس بات سے جلتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل سے نکل کر خاندان بنی اسمٰعیل میں کیوں چلی گئی ۔ محض اس تعصب اور حسد کی وجہ سے قبولِ حق سے انکار کرتے تھے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش اور تدبیر کرتے تھے ۔ انہی تدابیر میں سے ایک بات یہ بھی کہ اہل کتاب کہتے کہ جنت ہمارا ہی حصہ ہے ہمارے سوا اور کسی کو سعادتِ اخروی اور نجات حاصل نہیں ہو سکتی ۔ اس مضمون میں یہود کے ساتھ نصاریٰ بھی شریک تھے ۔ وہ بھی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ سچا دین صرف اُن کے پاس ہے اور نجات

Marfat.com

حاصل کر کے وہی جنت میں جائیں گے - اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کو رد فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے -

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اور یہود اور نصاریٰ یوں کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا بجز اُن لوگوں کے جو یہودی ہوں (یہ تو یہود کا قول تھا) یا اُن لوگوں کے جو نصاریٰ ہوں (یہ نصرانیوں کا قول تھا) حق تعالیٰ اس کا رد فرماتے ہیں کہ یہ خیالی دل بہلانے کی باتیں ہیں - اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے یہ تو کہیے کہ اچھا اپنی دلیل لاؤ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو، آگے ارشاد ہوتا ہے -

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

یعنی یہ یہود و نصاریٰ تو کیا دلیل لا دیں گے کیونکہ دلیل ہے ہی نہیں البتہ ہم اس کے خلاف کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ضرور دوسرے لوگ جنت میں جاویں گے - پھر اس پر دلیل ارشاد ہے کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو کوئی شخص بھی اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی اعمال میں بھی اور اس کے ساتھ وہ مخلص بھی ہو کہ دل سے فرمانبرداری اختیار کی ہو محض خالی مصلحت سے ظاہر داری نہ ہو تو ایسے شخص کو اُس کی اس فرمانبرداری کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس پہنچکر اور نہ ایسے لوگوں پر قیامت میں کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ ایسے لوگ اس روز مغموم ہونے والے ہیں کیونکہ فرشتے اُن کو بشارتیں سُنا کر بے فکر کر دیں گے حاصل اس دلیل کا یہ ہوا کہ جب یہ قانون بالا مُسلّم ہے تو اب صرف یہ دیکھ لو کہ یہ مضمون کس پر صادق آتا ہے سو یہ ظاہر ہے کہ کسی حکم کے منسوخ ہو جانے کے بعد اُس پر چلنے والا کسی طرح فرمانبردار نہیں کہا جا سکتا - پس یہودی و نصرانی نزول قرآن کے بعد توراۃ اور انجیل کے حکم پر چل کر فرمانبردار نہیں ہو سکتے اور یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے کہ نبوت اور شریعت محمدیہ کو قبول کر لیا پس یہی جنت میں داخل ہونے والے ثابت ہوئے اور مخلص کی شرط اس وجہ سے لگائی کہ منافقین نکل گئے کہ وہ شرعاً کفار ہی میں داخل ہیں اور مستحق نار ہیں - آگے ارشاد ہے -

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

یعنی یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ کا مذہب کسی بنیاد پر قائم نہیں یعنی سرے ہی سے غلط ہے اور اسی طرح نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کا مذہب کسی بنیاد پر قائم نہیں یعنی سرے ہی سے غلط ہے حالانکہ یہ سب فریقین کے لوگ

Marfat.com

آسمانی کتابیں بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں یعنی یہودی توریت کو اور عیسائی انجیل کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں اور دونوں کتابوں میں دونوں رسولوں کی اور دونوں کتابوں کی تصدیق موجود ہے جو کہ دونوں مذاہب کی اصل بنیاد ہے گو بوجہ منسوخ ہونے کے وہ معمول بہ نہ ہوں یہ اور بات ہے۔ اور اہلِ کتاب تو ایسے دعوے کرتے ہی تھے لیکن یہ لوگ بھی یعنی مشرکین جو کہ محض بے علم ہیں اُن ہی اہلِ کتاب کا سا قول کہنے لگے کہ ان یہود و نصاریٰ سب کا دین بے بنیاد ہے۔ ہم ہی حق پر ہیں سو یہاں سب اپنی اپنی کہہ لیں اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان عملی فیصلہ کر دیں گے قیامت کے دن ان تمام مقدمات میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔ عملی فیصلہ یہ کہ اہلِ حق کو جنت میں اور اہلِ باطل کو جہنم میں بھیج دیں گے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہود کے بھی بڑے بڑے علماء حاضر ہوئے۔ علمائے یہود میں سے ایک نے اللہ تعالیٰ کی کتاب انجیل کا انکار کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے اور صاف کہہ دیا کہ عیسائیو تمہارا کچھ بھی مذہب نہیں ہے۔ اس پر عیسائیوں میں سے ایک شخص نے توراۃ کے آسمانی کتاب ہونے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کی اور یہود کے مذہب کو بیہودہ بتلایا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی تو عیسائیوں کو گمراہ اور بدراہ بتلاتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور عیسائی یہودیوں کو بدراہ اور گمراہ کہتے ہیں اور حضرت موسیٰ کو نہیں مانتے حالانکہ ہر ایک فرقہ اپنی اپنی کتاب پڑھتا ہے۔ یہود توراۃ پڑھتے ہیں جس میں آئندہ آنے والے روح القدس کی تصدیق موجود ہے اور عیسائی انجیل پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے۔ لیکن محض نفسانیت سے ایک دوسرے کو گمراہ بتلاتے ہیں۔ اور اسی طرح عرب کے مشرکین اور بت پرست جن کو آسمانی کتاب کا کوئی علم نہیں وہ بھی اسی خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ یہود و نصاریٰ سب کا دین بے بنیاد ہے اور ہم ہی حق پر ہیں۔ ان سب کے اقوال کا رد فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان قیامت کے روز عملی فیصلہ فرما دیں گے اور عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہلِ حق کو جنت میں اور اہلِ باطل کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر تھا کون ناحق پر۔

ان آیات کے تحت حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں ایک بڑی کارآمد اور نہایت نافع تقریر لکھی ہے جو بجنسہٖ ذیل میں نقل کی جاتی ہے حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں۔

"ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلافات اور ایک دوسرے پر ردّ کا ذکر فرما کر اُن کی نادانی اور اس اختلاف کے مضر اثرات کا بیان پھر اصل حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ ان تمام واقعات میں مسلمانوں کے لئے بڑی اہم ہدایات ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔ یہود و نصاریٰ دونوں نے دین کی اصل حقیقت کو فراموش کر کے مذہب کے نام پر ایک قومیت بنا لی تھی اور ان میں سے ہر ایک اپنی ہی

قوم کے جنتی اور مقبول ہونے اور اپنے سوا تمام اقوام عالم کے دوزخی اور گمراہ ہونے کا معتقد تھا۔ حق تعالیٰ نے ان دونوں قوموں کی جہالت و گمراہی کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں قومیں جنت میں جانے کے اصل سبب سے غافل ہیں۔ محض مذہب کے نام کی قومیت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی اصل روح دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا عقیدہ و مذہب سمجھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لئے صرف یہ بھی کافی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے دل سے خدا کی فرمانبرداری کا قصد تو درست کر لے مگر اطاعت و فرمانبرداری اور عبادت کے طریقہ اپنے ذہن و خیال کے مطابق خود گھڑ لے۔ حالانکہ یہ ضروری ہے کہ عبادت و اطاعت اور امتثال امر کے طریقہ بھی وہی اختیار کرے جو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ بتائے اور متعین کئے ہوں۔ پہلی بات بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ کے ذریعہ اور دوسری وَھُوَ مُحْسِنٌ کے ذریعہ آیت میں واضح کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ نجاتِ اخروی اور دخول جنت کے لئے صرف قصدِ اطاعت کافی نہیں بلکہ حسنِ عمل بھی ضروری ہے اور حسنِ عمل کا مصداق وہی تعلیم و طریقہ ہے جو قرآن اور سنت رسول خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو

جو شخص ان بنیادی اصولوں میں سے کسی بھی اصول کو چھوڑ دے خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی یا مسلمان، اور پھر محض نام کی قومیت کے زعم میں اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکہ دار سمجھ لے تو یہ اس کی خود فریبی ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی ان ناموں کا سہارا لیکر قریب نہیں ہو سکتا۔ نہ مقبول بن سکتا ہے۔ جب تک اس میں ایمان و عمل صالح کی روح موجود نہ ہو۔ پھر اصولِ ایمان تو ہر رسول اور ہر شریعت کے زمانہ میں مشترک و یکساں رہے ہیں البتہ عمل صالح و مقبول کی شکلیں کچھ ادلتی بدلتی رہی ہیں۔ توراۃ کے زمانہ میں عمل صالح وہ سمجھا گیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت کی تعلیم کے مطابق تھا۔ انجیل کے دور میں عمل صالح یقیناً وہی عمل تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی تعلیم سے مطابقت رکھتا تھا اور اب قرآن کے زمانہ میں وہی عمل عمل صالح کہے جانے کا مستحق ہوگا جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آپ کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید کی ہدایت کے موافق ہوگا۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہود و نصاریٰ کے اس اختلاف کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں قومیں جہالت کی باتیں کر رہی ہیں دونوں میں سے کوئی بھی جنت کا ٹھیکہ دار نہیں اور نہ ہی دونوں کے مذہب بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ بلکہ دونوں مذہبوں کی صحیح بنیاد تو موجود ہے۔ غلط فہمی کا سبب اصلی یہ ہے کہ انہوں نے مذہب اور ملت کی اصل روح یعنی عقائد اور اعمال و نظریات کو چھوڑ کر نسلی یا وطنی بنیاد پر کسی قوم کو یہود ٹھہرا لیا اور کسی کو نصرانی سمجھ لیا۔ جو یہود کی نسل سے ہو یہود کے شہر میں بستا ہو یا مردم شماری میں اپنے آپ کو یہودی بتاتا ہو اس کو یہود سمجھ لیا گیا۔ اسی طرح نصرانیوں کی تشخیص و تعیین کی گئی۔ حالانکہ اصول ایمان کو توڑ کر اور اعمال صالحہ سے منہ موڑ کر نہ کوئی

Marfat.com

یہودی یہودی رہتا ہے نہ نصرانی نصرانی۔

قرآنِ کریم میں اس اختلاف اور اس فیصلہ کا ذکر مسلمانوں کو سنانے اور متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ کہیں ہم بھی اس قسم کی غلطی میں مبتلا ہو جائیں کہ ہم تو پشتینی مسلمان ہیں۔ ہر دفتر و رجسٹر میں ہمارا نام مسلمان کے خانہ میں درج ہے اور ہم زبان سے بھی اپنے کو مسلمان ہی کہتے ہیں۔ اس لئے جنت کے نیز ان تمام انعامی وعدوں کے ہم ہی مستحق ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مسلمانوں سے کئے گئے۔

اس فیصلہ سے ان پر واضح ہو جانا چاہیئے کہ کوئی شخص نہ محض دعوے سے حقیقی مسلمان بنتا ہے۔ نہ کہیں مسلمان نام درج کرانے سے یا مسلمان کی صُلب سے یا اُن کے شہر میں پیدائش ہونے کی وجہ سے بلکہ مسلمان ہونے کے لئے اوّل اسلام ضروری ہے اور اسلام کے معنیٰ ہی اپنے آپ کو سپرد کرنے اور سونپ دینے کے ہیں دوسرے احسان عمل یعنی سنت کے مطابق عمل کو درست کرنا۔ لیکن قرآن کریم کی اس تنبیہ کے باوجود بہت سے مسلمان اسی یہودی اور نصرانی غلطی کا شکار رہ گئے کہ خدا اور رسولؐ اور آخرت و قیامت سے بالکل غافل رہ کر اپنا نسلی مسلمان ہونا مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھنے لگے اور قرآن و حدیث میں جو وعدے فلاح دُنیا و آخرت کے مسلمانوں سے کئے گئے ہیں اپنے آپ کو ان کا مستحق سمجھ کر اُن کے پورے ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ اور جب وہ پورے ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے تو قرآن و حدیث کے وعدوں میں شک کرنے لگے۔ اس کو نہیں دیکھتے کہ قرآن نے محض نسلی مسلمانوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا جب تک وہ اپنے تمام ارادوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نہ کر دیں۔ اور اُن کے تبلائے ہوئے طریقوں پر عمل صالح کے پابند نہ ہوں۔ یہی خلاصہ ہے آیت مذکورہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ کا۔

آج کل پوری دُنیا کے مسلمان طرح طرح کے مصائب و آفات کے شکار ہیں۔ اس کو دیکھ کر بہت سے ناواقف لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید ان تمام آفات و مصائب کا سبب ہمارا اسلام ہی ہے لیکن مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہو گیا کہ اس کا اصلی سبب ہمارا اسلام نہیں بلکہ "ترکِ اسلام" ہے۔ ہم نے صرف اسلام کا نام باقی رکھا ہے۔ نہ اس کے عقاید ہمارے اندر ہیں۔ نہ اخلاق۔ نہ اعمال۔

پھر ہمیں کیا حق ہے کہ اسلام اور مسلم کے لئے کئے ہوئے وعدوں اور انعاموں کا ہم انتظار کریں۔ البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم کچھ بھی سہی نام تو اسلام کا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا تو ہیں۔ اور جو کفار کھلے طور پر اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہیں اسلام کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے وہ تو آج دُنیا میں ہر طرح کی ترقی کر رہے ہیں۔ بڑی بڑی حکومتوں کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ دُنیا کی صنعتوں اور تجارتوں کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں۔ اگر ہماری بدعملی کی ہمیں یہ سزا مل رہی ہے کہ ہم ہر جگہ بامال و پریشان ہیں تو کفار و فجار کو اس سے زیادہ ملنی چاہیئے لیکن اگر ذرا غور سے کام

لیا جائے تو یہ شبہ خود بخود رفع ہو جائے گا

اوّل تو اس لئے کہ دوست اور دشمن کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوا کرتا۔ دوست کو قدم قدم اور بات بات پر ٹوکا جاتا ہے۔ اولاد اور شاگرد کو ذرا ذرا سی بات پر سزا دی جاتی ہے لیکن دشمن کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا۔ اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور وقت آنے پر دفعتہً پکڑ لیا جاتا ہے۔ مسلمان جب تک ایمان و اسلام کا نام لیتا ہے اور اللہ کی عظمت و محبت کا دم بھرتا ہے وہ دوستوں کی فہرست میں داخل ہے۔ اس کے بُرے اعمال کی سزا عموماً دُنیا ہی میں دے دی جاتی ہے تاکہ آخرت کا بار ہلکا ہو جائے بخلاف کافر کے کہ اس پر باغیوں اور دشمنوں کا قانون جاری ہے۔ دُنیا کی ہلکی ہلکی سزاؤں سے ان کا بارِ عذاب ہلکا نہیں کیا جاتا۔ ان کو یک لخت عذاب میں پکڑا جائے گا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا یہی مطلب ہے کہ "دُنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے"۔

دوسری اہم بات مسلمانوں کے تنزل اور پریشانی اور کفار کی ترقی و آرام کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کا جداگانہ خاصہ رکھا ہے۔ ایک عمل کرنے سے دوسرے عمل کے خواص حاصل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً تجارت کا خاصہ ہے مال میں زیادتی۔ دوا کا خاصہ ہے بدن کی صحت۔ اب اگر کوئی شخص تجارت میں تو دن رات لگا رہے بیماری اور اس کے علاج کی طرف توجہ نہ دے تو محض تجارت کے سبب وہ بیماری سے نجات نہیں پا سکتا۔ اسی طرح دوا دارو کا استعمال کر کے تجارت کا خاصہ یعنی مال کی زیادتی حاصل نہیں کر سکتا۔ کفار کی دنیوی ترقی اور مال و دولت کی فراوانی اُن کے کفر کا نتیجہ نہیں جیسے مسلمان کا افلاس و پریشانی اسلام کا نتیجہ نہیں بلکہ کفار نے جب آخرت کی فکر چھوڑ دی اور پوری طرح دُنیا کے مال و دولت اور عیش و آرام کی فکر میں لگ گئے۔ تجارت، صنعت۔ زراعت اور حکومت و سیاست کے مفید راستوں کو اختیار کیا مضر طریقوں سے بچے تو دنیا میں ترقی حاصل کر لی اگر وہ بھی ہماری طرح صرف اپنے اپنے مذہب کا نام لے کر بیٹھ جاتے اور دُنیوی ترقی کے لئے اسکے اصول کے مطابق جد و جہد نہ کرتے تو ان کا کفر اُن کو مال و دولت یا حکومت کا مالک نہ بنا دیتا پھر ہم یہ کیسے سمجھ لیں کہ ہمارا اسلام اور وہ بھی صرف نام کا ہماری ساری فتوحات کے دروازے کھول دے گا؟ اسلام اور ایمان اگر بالکل صحیح اصول پر بھی ہو تو اس کا اصلی خاصہ اور نتیجہ نجاتِ آخرت اور جنت کی دائمی راحت ہے۔ دُنیا میں مال و دولت کی فراوانی یا عیش و آرام کی وسعت اس کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے لئے اس کے مناسب جد و جہد نہ کی جائے اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جہاں کہیں اور جب کوئی مسلمان تجارت، صنعت و حکومت و سیاست کے اصولِ صحیحہ کو سیکھ کر اُن پر عمل پیرا ہو جاتا ہے تو وہ بھی ان دُنیوی نتائج و ثمرات سے محروم نہیں رہتا جو کسی کافر کو حاصل ہو رہے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ دُنیا میں ہمارا افلاس اور احتیاج و مصائب و آفات ہمارے اسلام کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک طرف اسلامی اخلاق و اعمال چھوڑنے کا اور دوسری طرف اُن تمام کاموں سے منہ موڑنے

کا نتیجہ ہے جن کے عمل میں لانے سے مال و دولت میں زیادتی ہوا کرتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمیں جب یورپ والوں کے ساتھ اختلاط کا اتفاق پیش آیا تو ہم نے اُن سے صرف اُن کا کفر اور آخرت سے غفلت اور بے حیائی و بداخلاقی تو سب سیکھ لی لیکن ان کے وہ اعمال نہ سیکھے جن کی وجہ سے وہ دنیا میں کامیاب نظر آتے ہیں مثلاً جس مقصد کے لئے کھڑے ہوں اس کے پیچھے ان تھک کوششیں، معاملہ کی سچائی بات کی سچائی اور دُنیا میں اثر و رسوخ حاصل کرنے کے نئے نئے طریقہ جو درحقیقت اسلام ہی کی تعلیمات ہیں ہم نے ان کو دیکھ کر بھی اُس کی نقل اُتارنے کی کوشش نہ کی تو یہ قصور ہمارے اسلام کا ہے یا ہمارا اپنا قصور ہے۔

الغرض قرآن کی ان آیات نے واضح کر دیا کہ محض نسلی طور پر اسلام کا نام رکھ لینا کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتا جب تک ایمان اور عمل صالح کو مکمل طور پر اختیار نہ کیا جائے۔" (معارف القرآن)

الحاصل خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے دعوے کی تردید فرما کر اہل اسلام کو جنت کا مستحق ہونا بیان فرمایا مگر دو شرطوں کے ساتھ ایک تو اَسْلَمَ وَجْهَهٗ اور دوسرے مُحْسِنٌ یعنی جس نے فرمانبرداری اختیار کی عقائد میں بھی اعمال میں بھی اور مخلص بھی ہو اکہ دل سے فرمانبرداری کی ہو یعنی ظاہرداری اور ریا محض نہ ہو۔ اب آگے مشرکین کے متعلق رد فرمایا گیا ہے کہ جنہوں نے یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہا تھا کہ یہود و نصاریٰ سب کے مذہب بے بنیاد ہیں۔ ہم ہی حق پر ہیں اور حق و صحیح بس ہماری بُت پرستی ہے اس لئے اگلی آیت میں مشرکین کا بھی سب سے بڑھ کر ظالم اور ناحق پر ہونا ثابت فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام کی دولت سے نوازا اور یہودیت و نصرانیت اور کفر و شرک کی گمراہی سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حقیقی ایمان اور اسلام نصیب فرمائیں اور اسکی برکات سے دین و دنیا میں منتفع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اسلامی تعلیمات اور شریعتِ اسلامیہ کا پورا پورا اتباع نصیب فرمائیں۔ ظاہراً و باطناً۔ اور ہم کو اپنے ان بندوں میں شامل فرمائیں کہ جن کے لئے آخرت میں نہ خوف ہوگا نہ غم۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۵۰

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا

اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے

اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ

اور اُن کے ویران ہونے میں کوشش کرے - ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہو کر ان میں

يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ

قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا - ان لوگوں کو دُنیا میں بھی رُسوائی ہوگی اور ان کو

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ

آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی اور اللہ ہی کی مملوک ہیں مشرق بھی اور مغرب بھی

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو اُدھر اللہ تعالیٰ کا رُخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں، کامل العلم ہیں -

تفسیر وتشریح :- اوپر یہ ذکر ہوا تھا کہ یہود نے نصاریٰ کے متعلق یہ کہا کہ نصاریٰ مذہب کے لحاظ سے بالکل بے بنیاد ہیں اور ہمارے سے ان کا دین غلط ہے اور ہم حق پر ہیں اور ہم نجات کے مستحق اور جنّت کے حق دار ہیں اور دوسرا کوئی نہیں اور نصاریٰ نے یہود کے متعلق یہ کہا کہ یہ سرے سے بے بنیاد ہیں اور دین کے لحاظ سے یہ بدراہ ہیں اور صرف ہم آخرت میں نجات کے مستحق ہوں گے اور جنّت میں داخل ہوں گے اور کوئی نہیں - دونوں یہود و نصاریٰ کے اقوال کا اوپر رد فرمایا گیا تھا -

اہلِ عرب میں ان دو فریق یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرکین بھی تھے - یہ مشرکین بھی اہلِ کتاب کی طرح یہی دعویٰ کرتے کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہمارے سوا سب بے دین و گمراہ ہیں اوپر کی آیات میں یہود و نصاریٰ کے دعوئے حق کی تردید فرمائی گئی تھی اور اب مشرکین کے دعوئے حق پر ہونے کا رد فرمایا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ تم تو سب سے بڑھ کر ظالم لوگ اور ناحق پر ہو کہ تم نے اللہ کے گھر یعنی مسجدِ حرام کو ویران کرنے کی کوشش کی اور خدا کے مقدس گھر میں خدا کا نام لینے سے مانع اور مزاحم بنے اور ظاہر ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا کہ جو اللہ کے گھر میں اللہ کے نام اور ذکر کئے جانے پر بندش کرے - اس میں اشارہ ہے مشرکین مکّہ کی طرف کہ جنہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ کو قبل فتح مکّہ جب عمرہ کرنے کے لئے مکّہ معظمہ میں داخل ہونا چاہا کہ مسجد حرام میں

Marfat.com

طواف و نماز ادا فرمائیں تو مشرکین مکہ نے آپ کو نہ جانے دیا یہاں تک کہ اس سال آپ بغیر عمرہ کے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو اس طرح سے مشرکین ویرانی مسجد حرام میں ساعی ہوئے حق تعالیٰ صیغۂ عموم سے اس کی مذمت فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

"اور اُس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں (جس میں مکہ کی مسجد الحرام شامل ہے) اس کا ذکر اور عبادت کئے جانے سے بندش کرے اور ان مساجد کے ویران اور مُعطّل ہونے کے بارہ میں کوشش کرے۔ ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت اور بے باک ہو کر ان مساجد میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا (بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت، ادب اور حُرمت سے جاتے۔ جب بے باک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی ہتک حُرمت کا تو کب حق حاصل ہے۔ اسی کو ظلم فرمایا گیا) ان لوگوں کو دُنیا میں بھی رسوائی نصیب ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی"۔

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق مشہور روایت یہ ہے کہ ۶ھ ہجری ماہ ذی قعدہ کے پہلے ہفتہ میں دوشنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سینکڑوں صحابہ کرام رضؓ کے مدینہ منورہ سے مکہ پہنچ کر عمرہ کرنا چاہا لیکن مشرکین مکہ نے حُدَیبیہ کے مقام پر آپ کو روک دیا اور مکہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے فرمایا کہ اس بَیْتُ الْعَتِیْقْ خانہ کعبہ سے تو کسی کو روکا نہیں جاتا۔ پھر تم مجھے کیوں روکتے ہو؟ مشرکین کہنے لگے کہ ہم ایسے لوگوں کو نہیں آنے دیں گے جنہوں نے بدر کے روز ہمارے باپ، چچا اور بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ بہرحال مشرکین سے ایک صلحنامہ پر راضی نامہ ہو گیا اور اُس سال عمرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی صحابہ کو نہ کرنے دیا۔ انہی کفار مشرکین کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ مشرکین عرب بھی مسلمانوں سے دلی عداوت رکھتے ہیں اور ظلم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ مذہبی فریضہ سے روکتے ہیں اور مسجد حرام جیسی مقدس جگہ میں مسلمانوں کو اللہ کا نام نہیں لینے دیتے اور اس طرح خانۂ خدا کو بے رونق اور ویران کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ خود ان لوگوں کو ان مقاماتِ مقدسہ میں انتہائی ادب اور خوف سے جانا چاہیئے تھا نہ یہ کہ ایسے متبرک مقام میں گندگی اور مرے ہوئے جانوروں کی انتڑیاں وغیرہ ڈالتے ہیں تو یہ حق پر تو کیا ہوئے جیسا کہ دعویٰ کرتے ہیں بلکہ ایسے ظالم لوگوں کے لئے اس دُنیا میں بھی ذلت اور رسوائی ہوگی اور آخرت میں تو عذابِ عظیم ہو ہی گا۔

یہاں اس آیت میں مشرکین اور کفار مکہ کے متعلق جو دُنیوی ذلت اور رسوائی کی پیشگوئی فرمائی گئی تھی

Marfat.com

وہ بحمد اللہ ان کے حق میں پوری ہوئی اور وہ اِس طرح کہ جب مکہ فتح ہوگیا تو ۹ سنہ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ اس سال کے بعد حج میں کوئی مشرک نہ آنے پائے چنانچہ سرزمین عرب کفار و مشرکین سے پاک ہوگئی اور سب وہاں سے نکال دیئے گئے۔

یہ آیت اگرچہ کفار کے بارہ میں نازل ہوئی ہے لیکن جمہور مفسرین نے لکھا ہے کہ حکم اس آیت کا عام ہے۔ ہر وہ شخص جو مسجد میں ذکر اللہ سے منع کرے اور خانۂ خدا کو ویران کرنے کی کوشش کرے اس آیت کے حکم میں داخل ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ آیت اور بھی زیادہ ڈرنے کی چیز ہے اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس آیت میں ذکر اللہ سے منع کرنے اور مساجد کی بربادی میں کوشش کرنے سے یہ مراد نہیں کہ کفار نے مسجد میں تالہ ڈال دیا تھا یا اُس کے منہدم کرنے کی کوشش کی تھی کیونکہ یہ واقعات کے خلاف ہے بلکہ ذکر اللہ کی ممانعت اور مسجد کی بربادی سے مراد یہی ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو مسجد حرام میں جانے اور طواف و نماز وغیرہ سے روکا تھا یا جب تک کفار مکہ پر تسلط رہا وہ لوگ شور و شغب وغیرہ کے ذریعہ سے اس قسم کے اسباب پیدا کرتے تھے جو اہلِ اسلام کے لئے ذکر اللہ اور نماز وغیرہ میں حارج ہوں اور اسی کو مسجد کی بربادی کہا گیا کیونکہ مسجد کی حقیقی آبادی ذکر اللہ سے ہے اور اس کی ویرانی ذکر اللہ کے چھوڑنے اور نہ ہونے سے ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی حقیقی آبادی اور رونق صرف ظاہری عمارت کی شان و شوکت اور زیب و زینت اور رنگ و روغن سے نہیں بلکہ حقیقی آبادی ذکر اللہ سے ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ق (سورۂ توبہ) یعنی اصل میں مسجد کی آبادی ان لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور روز قیامت پر، اور نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قربِ قیامت میں مسلمانوں کی مسجدیں بظاہر آباد اور مزین و خوبصورت ہوں گی مگر حقیقتاً ویران ہوں گی کہ ان میں حاضر ہونے والے نمازی کم ہو جائیں گے۔ اس آیت سے مساجد کی بزرگی اور عظمت بھی ثابت ہوئی کیونکہ مساجد کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت دی اور مَسَاجِدَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی مساجد فرمایا۔ اسی نسبت سے مساجد کو تشبیہاً بَيْتُ اللّٰهِ یا خانۂ خدا کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب جگہوں سے محبوب ترین جگہ اللہ کے نزدیک مساجد ہیں اور سب سے ناپسندیدہ اور مبغوض جگہ اللہ کے نزدیک بازار ہیں۔

اسی آیت سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ جس طرح اللہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے بُرے کام اور بدعات سے مسجد کی بربادی سمجھی جائے گی۔ اسکے علاوہ وہ تمام چیزیں جو ذکر اللہ اور نمازیوں کی کمی کا باعث بنیں وہ سب اس آیت کے حکم میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد میں

Marfat.com

ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔ ان میں سے ایک صورت تو یہ کُھلی ہوئی ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز و تلاوت سے صراحتہً روکا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کر کے یا اس کے قرب و جوار میں گانے یا گاجے باجے بجا کر لوگوں کی نماز و ذکر میں خلل ڈالا جائے۔ اسی طرح اوقاتِ نماز میں جب کہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے (اور دنیا کی باتوں کا تو ذکر ہی کیا) تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر اللہ کو روکنے اور اس میں خلل ڈالنے کی صورت ہے اسی لئے حضراتِ فقہا نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو اس وقت ذکر یا تلاوت بالجہر کا مضائقہ نہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس وقت لوگ نماز و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں تو مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا یا کسی دینی کام کے لئے چندہ کرنا بھی ایسے وقت ممنوع ہے۔

الغرض آیت میں مشرکین کے متعلق یہ بتلایا گیا کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ویران کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ذکر اللہ سے منع کرتے ہیں۔ آگے مسلمانوں کی تسلی و تسکین کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

"اور اللہ ہی کی مملوک ہیں مشرق بھی اور مغرب بھی تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو اُدھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا رُخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں کامل العلم ہیں"۔ یعنی مسلمانوں کو جو مسجد الحرام میں جانے اور اللہ کے ذکر و عبادت سے روک دیئے گئے تھے اُن کی تسلی و تسکین کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ بسبب روک دینے مسجد حرام سے ملول نہ ہوں کیونکہ تمام مشرق و مغرب اللہ ہی کے لئے ہے جس جگہ بھی اُس کی عبادت و بندگی کریں گے اللہ تعالیٰ وہیں حاضر و ناظر ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس آیت کے شانِ نزول میں کئی روایات بیان کی گئی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک بار مسلمان کسی سفر جہاد میں تھے۔ شب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن تاریکی کی وجہ سے قبلہ کی سمت محسوس نہ ہو سکی ہر چند کوشش کی مگر قبلہ کا صحیح رُخ معلوم نہ ہو سکا۔ آخر کار سب نے اپنے اپنے گمان اور خیال کے اعتبار سے جدھر قبلہ سمجھا اُسی طرف کو رُخ کر کے نماز پڑھ لی صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ قصہ عرض کیا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اس بنا پر حاصل مطلب آیت کا یہ ہوا کہ مشرق مغرب سب اللہ کے لئے ہے۔ ہر طرف اُسی کا جلوہ ہے۔ اگر تاریکی وغیرہ کے عذر سے سمتِ قبلہ معلوم نہ ہو سکے تو جدھر کو بھی منہ کر کے اللہ کو سجدہ کر لو گے سجدہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ ہر طرف ہے کسی خاص سمت و جہت میں محدود نہیں۔

اس جگہ یہ مسئلہ بھی سمجھ لیجئے کہ اگر کسی وقت اور کسی حال میں سمت قبلہ کی شناخت نہ ہو اور کوئی ذریعہ قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا بھی نہ رہے تو اس وقت تحرّی یعنی دل میں اچھی طرح سوچے کہ کدھر سمت

قبلہ ہے جس طرف دِل جم جائے اسی طرف نماز ادا کرلے۔ تحرّی یعنی سوچ کر نماز پڑھ لی اور بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری طرف تھا تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نماز صحیح ہوگئی۔ اسی طرح حسبِ ذیل صورتوں میں بھی قبلہ کی دوسری طرف نماز پڑھنا درست ہے مثلاً :-

مریض ہے کہ اس میں اتنی طاقت نہیں کہ قبلہ کی طرف رُخ بدلے اور نہ کوئی دوسرا موجود ہے کہ جو قبلہ کی طرف رُخ کر دے۔ یا کوئی کشتی کے تختہ پر بہتا جارہا ہے اور صحیح اندیشہ ہے کہ استقبال قبلہ کرنے میں ڈوب جائے گا۔ یا شریر جانور پر سوار ہے کہ اُترنے نہیں دیتا یا اُتر تو جائے گا مگر بے مددگار سوار نہ ہونے دے گا یا خود ضعیف العمر ہے کہ سوار نہ ہو سکے گا اور ایسا کوئی نہیں کہ سوار کرا دے تو ان حالات میں ہر طرف نماز پڑھنا درست ہے اور دوبارہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

دوسری روایت اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق بعض مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ سے آرہے تھے اور سواری ہی پر بیٹھے ہوئے نفل کی نیت باندھ رکھی تھی۔ اونٹنی جدھر چاہتی تھی ہو جاتی تھی اور قبلہ کی طرف روئے مبارک نہ رہتا تھا اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اِس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ معبود برحق کسی خاص سمت اور معیّن جہت میں محدود نہیں اس لئے اگر سواری پر اگر غیر سمت کو بھی منہ کر کے نوافل پڑھ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں

تیسری روایت اس آیت کے شان نزول کے متعلق یہ بھی ہے کہ شروع شروع مدینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بَیْتُ الْمَقْدِسْ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہودی بہت خوش ہوئے لیکن جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ ہوا اور آپ کو اپنی خواہش دُعا اور انتظار کے مطابق کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو یہودیوں نے طعن دینا شروع کیا کہ بَیْتُ الْمَقْدِسْ کے قبلہ سے کیوں ہٹ گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور سب اُسی کی مِلک ہے کسی کو اُس کے احکام میں کیا دخل ہے وہ جدھر چاہے اُدھر کو رُخ کر کے اپنی عبادت کا حکم دے۔ اس کے واسطے کوئی جہت مخصوص نہیں۔ اُس کو علم ہے کہ پہلے بَیْتُ الْمَقْدِسْ قبلہ تھا اور اب اُس نے کعبہ کی طرف رُخ کر کے اپنی عبادت کا حکم دے دیا کیونکہ وہ ہر طرف ہے اور ہر جگہ ہے۔

الغرض مقصود بیان یہی ہے کہ تمام عالم خدا کا بنایا ہوا ہے۔ ہر جگہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کیا جا سکتا ہے اور اس کی عبادت و بندگی ہو سکتی ہے۔ اُس کی وسعت علمی سے کوئی چیز خارج نہیں لہٰذا شرق میں ہو یا غرب میں۔ جنوب میں ہو یا شمال میں۔ میدان میں ہو یا تنگ و تاریک مکان میں۔ جہاں اُس کی عبادت ہوگی اُس کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد کر دیا اور یہ بھی شریعتِ محمدیہ کے خصائص میں سے ہے ورنہ پچھلی اُمتوں کے لئے عبادتِ خداوندی کے لئے جگہ مخصوص ہوتی تھی۔ اس پر یاد آیا کہ مسجدِ نبوی اور مسجدِ حرام کے امام حضرات

Marfat.com

پاکستان تشریف لائے تو کراچی میں انبوہِ کثیر ہونے کی وجہ سے کھلے میدان میں نماز جمعہ پڑھائی اور لاکھوں مسلمانوں نے اُن کے پیچھے نماز ادا کرنے کا شرف حاصل کیا۔ لیکن بعض مفسدوں کو مسلمانوں کا یہ مبارک اجتماع دیکھنا نہ بھایا اور فتویٰ دیا گیا کہ ان کی نماز جمعہ نہیں ہوئی اور ان کو نماز دوہرانا چاہیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی اور اپنی اُمت کی یہ خصوصیت فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ نے میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد کر دیا اور یہ نام نہاد اُمتی یہ فتوے صادر کریں کہ نماز ادا نہیں ہوئی۔ اللہ تعالےٰ ایسے مفسدوں اور اُمت میں افتراق پیدا کرنے والوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھیں۔ آمین۔

الحاصل خلاصہ یہ کہ گذشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ دونوں نے صرف اپنے اپنے متعلق حق پر ہونے اور اپنے علاوہ سب کے بدراہ ہونے کے جو دعوے کئے تھے اس کا رد فرمایا گیا تھا اور اِن آیات میں مشرکین کے دعوئے حق کو رد فرمایا گیا۔

اب آگے ان تینوں یعنی یہود و نصاریٰ و مشرکین کے ایک غلط عقیدہ اور باطل خیال جو وہ حق تعالیٰ کی نسبت رکھتے تھے اس کو ظاہر فرما کر اس کا رد فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو یہودیت و نصرانیت اور شرک و کفر کی گمراہیوں سے بچا کر ایمان و اسلام کی ہدایت و نعمت نصیب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اسلام اور ایمان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رکھیں اور اسی پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہمیں اپنے گھر مساجد کی عزت و عظمت عطا فرما اور ہم کو اپنی مساجد کے آباد رکھنے والوں میں بنا۔

یا اللہ! ہم سے جو گذشتہ میں مساجد کے آداب و عظمت میں کوتاہی ہوئی ہو اُس کو معاف فرما اور آئندہ کے لئے ان مساجد کے حقوق کے ادا کرنے کی توفیق کاملہ نصیب فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عہ سنہ ۱۹۷۶ عیسوی میں۔ احقر مؤلف

درس ۱۵

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے - سُبحان اللہ بلکہ خاص اللہ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور زمین میں ہیں - سب اُن کے محکوم ہیں - موجد ہیں آسمانوں اور زمین کے

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

اور جب کسی کام کا پُورا کرنا چاہتے ہیں تو بس اس کو فرما دیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ ہو جاتا ہے -

تفسیر و تشریح :- اوپر مشرکین کے اس دعوے کا کہ دین کے معاملہ میں ہم حق پر ہیں اور سب ناحق پر ہیں رد فرما کر ثابت کیا گیا تھا کہ مشرکین تو اوّل درجہ کے ظالم ہیں تو یہ حق پر کیسے ہو سکتے ہیں اور اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کے دعوے کہ صرف ہم حق پر ہیں اور صرف ہم جنّت میں جائیں گے اور دوسرے سب بدراہ ہیں اِس کا رد فرمایا گیا تھا - گویا تینوں فرقوں یعنی یہود - نصاریٰ اور مشرکینِ عرب کا باطل پر ہونا اور حق پر نہ ہونا بیان فرمایا گیا -

اسی سلسلہ میں آگے آج کی آیات میں ان تینوں گروہوں کے ایک غلط عقیدہ اور باطل خیال کو ظاہر فرما کر اُس کا رد فرمایا جاتا ہے اور اس طرح بھی ان تینوں گروہوں کا حق پر نہ ہونا ثابت فرمایا جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے - وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا "اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے" بعض یہودی حضرت عُزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے - اسی طرح عیسائی یعنی نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اِبن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہتے اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات میں اس کی خبر دی گئی ہے - اللہ تعالیٰ اس قول کی قباحت اور اس کا رَدّ و بطلان اِن آیات میں فرماتے ہیں اور پانچ دلیلیں اس غلط قول اور باطل عقیدہ کے رد میں بیان فرمائی جاتی ہیں -

پہلی دلیل لفظ سُبْحَانَهٗ میں دی گئی یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین (معاذ اللہ) یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اولاد بنا رکھی ہے حالانکہ یہ سراسر افترا اور بہتان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے پاک ہے - اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی شان میں یہ نہایت بے ادبی - گستاخی اور بد تہذیبی ہے اور وہ اس سے پاک و منزّہ ہے - اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا ہونا عقلاً بھی ناممکن ہے اس لئے کہ بیٹا باپ کے مماثل اور مشابہ اور ہم جنس ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ بے مثل اور بیچون و چگون ہے ورنہ بیٹا اگر باپ کے ہم جنس نہ ہو

تو پھر وہ بیٹا اس باپ کا فرزند نہ ہوگا - نیز بیٹے کا باپ کے ہم جنس نہ ہونا ایک عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے - نیز باپ اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور اولاد سے پہلے بیوی کا محتاج ہوتا ہے کہ اولاد بغیر زوجہ کے عادۃً ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ صَمَدٌ یعنی بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں - تو پہلی دلیل میں حق تعالیٰ نے سُبْحٰنَهٗ فرما کر اولاد سے اپنا پاک ہونا بیان فرمادیا -

دوسری دلیل بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط میں فرمائی یعنی اس کے لئے کوئی اولاد نہیں بلکہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں خاص اسی کی مملوک ہیں یعنی تمام کائنات کا وہی مالک ہے اور جب وہ مالک و خالق ہے تو والد اور ولد کا تعلق کس طرح ہوسکتا ہے کیونکہ مِلکیت اور اِبْنِیَّتْ جمع نہیں ہوسکتی اس لئے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ مملوک و مخلوق مالک اور خالق کے ہم جنس نہیں اور فرزند باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اسی وجہ سے شریعت میں یہ مسئلہ ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے یا کسی قریبی رشتہ دار کا مالک بن جائے تو وہ فوراً آزاد ہوجاتا ہے اس لئے کہ فرزندیت اور عبدیت میں صریح منافات ہے - پس جب کسی بندوں میں فرزندیت اور عبدیت جمع نہیں ہوسکتی تو بارگاہِ الوہیت میں دونوں چیزیں کیسے جمع ہوسکتی ہیں - (معارف القرآن از حضرت کاندھلوی رح) -

تیسری دلیل كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ فرمائی یعنی آسمان وزمین کے رہنے والے - تمام کے تمام جن میں فرشتے - جنات اور انسان سب ہی شامل ہیں اور جن میں حضرت عُزَیْر اور حضرت مسیح بھی داخل ہیں سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں - بعضے برضا و رغبت جیسے فرشتے اور انبیاء کرام اور مؤمنین صالحین اور - بعضے جبراً و قہراً جیسے شیاطین الانس والجن اور کفار و فجار - یہ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس کے ارادہ اور مشیت کو ٹال سکے اور اس کے حکم سے سرتابی کرسکے اور کافر و فاجر جو ظاہراً حق تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کرتے ہیں وہ تکوینی اور باطنی طور پر اللہ ہی کی دی ہوئی قدرت سے کرتے ہیں - اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت و مصلحت سے اُن کو معصیت کی قدرت دی ہے ورنہ اگر وہ قدرت نہ دیتا تو کوئی معصیت نہ کرسکتا - غرض یہ کہ تمام موجودات اسی کے قبضۂ تصرف میں ہے - جس کو چاہے مارے - جس کو چاہے جلا دے - کوئی اس کے تصرف سے باہر نہیں نکل سکتا اور جس کی یہ شان ہو اس کا کوئی ہم جنس اور مماثل نہیں ہوسکتا - اس سے معلوم ہوا کہ وہ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ ہے - نہ اس کی نظیر ہے - نہ شبیہ - نہ مثل - نہ مانند -

چوتھی دلیل یہ فرمائی کہ وہ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ہے یعنی اللہ نے تمام عالم کو عدم سے وجود کا جامہ پہنایا - کوئی مادّہ اور صورت پہلے سے موجود نہ تھا - بغیر کسی تشبیہ اور تمثیل کے محض اپنی قدرت سے تمام کائنات کو پردۂ عدم سے وجود میں لایا تو جس کی قدرت اتنی عظیم اور عجیب ہو اس کو کسی معاون اور مددگار کی جس میں اولاد بھی داخل ہے کیا ضرورت -

پانچویں دلیل یہ فرمائی وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کو

Marfat.com

کائنات کی تخلیق اور ایجاد میں اسباب اور وسائل کی ضرورت نہیں ۔ صرف اُس کا حکم اور اشارہ کافی ہے۔ ارادۂ الٰہی کے ساتھ ساتھ فوراً اس چیز کا وجود ہو جاتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے ۔ تو جا اللہ اتنا زبردست قادر ہو اور ایسی عظیم قدرت والا ہو۔ اس کو نہ کسی شریک کار کی ضرورت ہے ۔ نہ کسی نائب نہ معاون ۔ نہ مددگار کی ۔ لہٰذا نہ اُس کے کوئی وَلَدْ ہے ۔ نہ نائب ۔ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اُس کو کُن کا حکم دیتا ہے یعنی موجود ہو جا بس وہ شے فوراً موجود ہو جاتی ہے ۔

الغرض یہاں ان پانچ دلائل سے یہود کا عقیدہ کہ حضرت عُزَیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کا عقیدہ کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں اور مشرکین عرب کا عقیدہ کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں سب کا رَدّ ہو گیا ۔ اور ان عقائد کی وجہ سے یہ تینوں فرقے باطل ٹھہرے نہ کہ حق پر جیسا کہ ان تینوں میں سے ہر فرقہ دعویٰ کرتا تھا ۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے ۔ اُسے یہ لائق نہ تھا ۔ اور مجھ کو بُرا کہتا ہے اور یہ اُسے مناسب نہیں ۔ اور مجھ کو انسان کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں اُسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اُس کا بُرا کہنا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند بالا ہوں اس سے کہ میرے اولاد و بیوی ہو ۔

بخاری اور مسلم کی ایک اور حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بُری باتیں سُنکر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں ۔ لوگ اللہ کے لئے بیٹا قرار دیتے ہیں ۔ وہ سُنتا ہے اور صبر کرتا ہے پھر ان کو عافیت سے رکھتا ہے اور رزق دیتا ہے ۔

مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے اس ناپاک اور گندے عقیدہ کا بطلان اللہ تعالیٰ نے سورۂ اِخلاص یعنی قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کی سورۃ میں بھی فرمایا ہے جس کا تفصیلی بیان سورۂ اِخلاص کی تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا ۔ آیئے ہم بھی سورۂ اِخلاص پڑھ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کو بیان کریں اور اُس کے وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ہونے کی گواہی دیں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

ابھی آگے انہی مشرکین یہود و نصاریٰ کے ایک دوسرے قول باطل کا رَدّ فرمایا جاتا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا ۔

دُعا کیجئے :-

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اپنی توحید کا مُقر بنایا ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں ۔ یا اللہ ! ہر حال میں ہم کو صحیح اسلامی اور ایمانی عقائد پر قائم رکھنا اور اپنی ذات عالی اور قدرت کاملہ کا یقین کامل نصیب فرما ۔ اور اسی پر تا زندگی جینا اور مرنا نصیب فرما ۔ اور ہر طرح کے کفر و شرک اور گمراہی کی باتوں سے ہماری حفاظت فرما ۔ آمین ۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

Marfat.com

درس ۵۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ

اور جاہل یوں کہتے ہیں کہ ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے اللہ تعالیٰ یا

تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ

ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آجاوے اسی طرح وہ لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان ہی کا سا

قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

قول ۔ ان سب کے قلوب باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ ہم نے تو بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین چاہتے ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ

ہم نے آپ کو ایک سچا دین دے کر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہیے اور ڈراتے رہیے اور آپ سے دوزخ میں

اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی ۔

تفسیر وتشریح :۔ گذشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی توحید کا حال بیان ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت تو ان کا یہ عقیدہ ہے کہ (مَعَاذَاللّٰہ ۔ مَعَاذَاللّٰہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے حالانکہ وہ اولاد اور ہر طرح کے شرک اور مثیل و مانند سے پاک و منزّہ ہے ۔ اب آگے ان آیات میں انہی یہود و نصاریٰ و مشرکین کے خیالات اور شبہات کو نبوت و رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ظاہر فرما کر اُن کا رد فرمایا جاتا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

"اور جاہل یوں کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کلام کیوں نہیں فرماتے یا ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آجاوے"

یعنی بعض جاہل یہود و نصاریٰ اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتے خواہ فرشتوں کے بغیر جیسے خود فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں یا فرشتوں کے واسطے سے جیسے پیغمبروں سے بطور وحی بات کرتے ہیں اور اس کلام میں یا تو خود ہم کو احکام بتا دیں کہ دوسرے رسول کی ہم کو ضرورت ہی نہ رہے یا کم از کم اتنا ہی کہہ دیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے رسول ہیں تو ہم آپ کی رسالت کے قائل ہو کر آپ کی اطاعت کرنے لگیں یا اگر کلام نہیں فرماتے تو ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل نبوت و رسالت کی آجائے ۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مشرکین تو ضرور کسی آسمانی کتاب کا علم نہ رکھتے تھے اور اس طرح وہ آسمانی دین سے جاہل تھے مگر یہود و نصاریٰ تو اہل کتاب تھے ان میں اہل علم بھی تھے ۔ اس کے باوجود جو ان کو اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

جاہل فرمایا تو اس لئے کہ باوجودیکہ اسلام کی حقانیت پر قطعی اور قوی دلائل کثرت سے قائم کر دیئے تھے پھر بھی جو انکار کئے جا رہے تھے تو یہ جہالت نہیں تو اور کیا تھی - اور یہ جاہلوں ہی کی سی بات کہلائے گی - لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو جاہل فرمایا - پس جو یہود و نصاریٰ اور مشرکین اپنے جہل سے یہ مطالبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے ان کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

"اسی طرح وہ لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں - اُن ہی کا سا جاہلانہ قول اِن کا ہے - ان سب اگلے پچھلے جاہلوں کے قلوب کج فہمی میں باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں - بیشک ہم نے تو بہت سی دلیلیں رسالت محمدیہ کے ثبوت میں صاف صاف بیان کر دی ہیں مگر وہ ان لوگوں کے لئے نافع اور کافی ہو سکتی ہیں جو یقین اور اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں"

یعنی یہ منکرین جیسی جہل و ضلالت کی باتیں نبوت و رسالت کے متعلق کہتے ہیں ایسی ہی جاہلانہ باتیں اِن سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کے متعلق کہی تھیں اور یونہی سرکشی و کفر کیا تھا - ہٹ دھرمی - عناد - اور سرکشی ان سب ہی کا شیوہ تھا - ان کے قلوب ہی ٹیڑھے ہیں - یہ حسب مطالبہ معجزہ اور نشانی دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے - اور یہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تو کوئی ایک ہی دلیل و نشانی رسالتِ محمدیہ کے ثبوت میں مانگتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے تو بہت سی دلیلیں اور نشانیاں رسالتِ محمدیہ کے ثبوت میں ظاہر فرما دی ہیں اور کھلے کھلے معجزات اپنے رسول کو عطا فرمائے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچائی - امانت - پاکبازی اور عقل و فہم میں بے نظیر ہونا - قرآن کریم کا ہر طرح سے بے مثال ہونا - مخالفین کا اس کے مقابلہ میں عاجز رہنا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں تشریف لے جانا - شق القمر کا معجزہ رونما ہونا - پہاڑ اور درختوں کا آپؐ کو سلام کرنا آپ کے فرمانے سے درخت کا آپ کے پاس آجانا - لکڑی کے ستون کا آپ کی مفارقت سے رونا - آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں کا تسبیح کرنا - دست مبارک کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہ نکلنا - آپؐ کے دست مبارک کے پھیرنے سے سخت بیماریوں کا دور ہو جانا - آپؐ کی دعا سے ابر کا فوراً اٹھ آنا اور بارش ہونا اور پھر آپ کے اشارہ سے ابر کا ہٹ جانا - وغیرہ وغیرہ

علماء نے لکھا ہے کہ اگر صحیح نظر سے کام لیا جائے تو آپؐ کے معجزات حدِ شمار سے باہر ہیں مگر قطع نظر اس کے اگر ان ہی معجزات پر اکتفا کی جائے جو نظر ظاہر میں اور عوام میں بھی معجزہ ہیں وہ بھی دس ہزار سے کم نہیں - بہر حال حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ ہم نے رسالتِ محمدیہ کے ثبوت میں بہت سی نشانیاں اور کھلی ہوئی دلیلیں بیان کر دی ہیں - پھر آیت کے اخیر میں حق تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ ہماری بیان کی ہوئی نشانیاں اور دلائل اُن ہی لوگوں کے لئے مفید اور نافع ہو سکتی ہیں جو یقین اور اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ ان

Marfat.com

معترضین کو محض ضد و عناد ہے۔ حق طلبی ان کو منظور ہی نہیں سوالیوں کو تسلی و تشفی نہ ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ اور یہ معجزات اور نشانیاں دیکھتے بھی ہیں تو اُس کو سحر پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے۔

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ جن کے دِلوں میں عناد، سرکشی۔ ضد و حسد بھرا ہوا ہو اُن کے لئے تمام ہدایات بے سود ہیں۔ نہ اُن کو نبی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ ولی سے۔ نہ قرآن سے نہ حدیث سے۔ نہ معجزہ کرامت سے ہاں جن کے دِلوں میں حق طلبی ہو ایسی سعید روحیں رکھنے والے چراغِ ہدایت سے روشنی حاصل کر لیتے ہیں۔

اب چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین جن میں یہود و نصاریٰ بھی شامل تھے کی جہالت اور عناد سے تنگی ہوتی اور ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کو غم ہوتا اس لئے آگے حق تعالیٰ آپ کی تسلی فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو ایک سچا دین دے کر خلق کی طرف بھیجا ہے کہ ماننے والوں کو خوشخبری سناتے رہیئے اور نہ ماننے والوں کو سزا سے ڈراتے رہیئے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہیں ہوگی (کہ ان لوگوں نے کیوں دین حق قبول نہیں کیا اور کیوں جہنم میں گئے۔ اس لئے آپ اپنا کام کرتے رہیئے آپ کو کسی کے ماننے نہ ماننے کی کیا فکر۔ آپ کا کام تو پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا بندوں کا کام ہے۔ اِس کا حساب اللہ تعالیٰ خود کر لے گا)"۔

اِسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیاتِ قرآنِ پاک میں آئی ہیں مثلاً :۔

۱ ۔ تیرھویں[۱۳] پارہ۔ سورۂ رعد میں ارشاد ہے۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ "آپ کے ذمہ تو صرف احکام پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے"۔

۲ ۔ چھبیسویں[۲۶] پارہ۔ سورۂ قٓ میں ارشاد ہے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ "ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے سو آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیئے اُسے جو میری وعید سے ڈرتا ہو"۔

۳ ۔ تیسویں[۳۰] پارہ۔ سورۂ غاشیہ میں ارشاد ہے۔ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ "تو آپ نصیحت کر دیا کیجئے۔ آپ تو صرف نصیحت ہی کرنے والے ہیں اور آپ اُن پر مسلط نہیں ہیں۔ جو روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں بڑی سزا دیگا۔ بے شک اُن کا آنا ہمارے ہی پاس ہوگا۔ پھر ہمارا ہی کام اُن سے حساب لینا ہوگا"۔

الغرض آج کی آیت اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝

Marfat.com

"ہم نے آپ کو ایک سچا دین دے کر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہیے اور ڈراتے رہیے اور آپ سے جہنم میں جانے والوں کی باز پرس نہیں ہوگی"۔ اور اس جیسی مذکورہ بالا آیات سے یہی معلوم ہوا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے مخصوص قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس میں نہ کسی انسان کو دخل ہے اور نہ کسی ولی یا نبی کو۔ نہ کسی مقرب فرشتہ کو۔ پیغمبر کا کام پیغام رسانی اور رہنمائی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک لوگوں کو خوشخبری سنانے اور بداطوار اشخاص کو جہنم سے ڈرانے کو قرآن دے کر بھیجا اور فرما دیا کہ جو اس قانون الٰہی کی پابندی کرے گا وہ رحمتِ الٰہی سے سرفراز ہوگا اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حق میں "بشیر" ہونا نصیب فرمائیں اور ہم کو قانونِ الٰہی یعنی قرآن کریم کی کامل اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں اور اس کی خلاف ورزی سے پوری طرح بچائیں۔ آمین۔

اب آگے یہود و نصاریٰ کی ایک اور خاص حالت بیان فرمائی جاتی ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور دین اسلام کے کٹر مخالفین میں سے ہیں اور ان کے اسلام لانے کی فکر قطعاً نہ کی جائے جس کا بیان اگلی آیات میں آئندہ درس میں انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو کفر و شرک کی گمراہیوں سے بچا کر توحید و رسالت پر ایمان و یقین کی نعمت سے نوازا۔ یا اللہ! ہم کو حقیقی اسلام و ایمان پر استقامتِ کاملہ نصیب فرما اور ہر ظاہری و باطنی فتنہ سے ہمارے دین کی حفاظت فرما۔ یا اللہ! ہم کو اپنا سچا بندہ اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اُمتی بن کر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔

یا اللہ! ہمارے قلوب میں یقین کی دولت عطا فرما۔ اور جو خوشخبری آپ کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مومن بندوں کے لئے سنائی ہے اپنے کرم سے ہم کو بھی اس کا مصداق بنا۔ اور اپنی رضا کے مقام یعنی جنت میں ہمارا ٹھکانا بنا اور غصہ اور غضب کے مقام جہنم سے ہم کو بچنا نصیب فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۵۳

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہ یہود اور یہ نصاریٰ جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے

مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

پیرو نہ ہو جاویں آپ کہہ دیجئے کہ حقیقت میں تو ہدایت کا وہی رستہ ہے جسکو خدا نے بتلایا ہے۔ اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں

اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ

ان کے غلط خیالات کا علم آ چکنے کے بعد تو آپ کا کوئی

اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے نہ مددگار جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی

يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ

بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جو شخص

يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

نہ مانے گا خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

وقف منزل ۱۴ ع ۹ ۴

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ جن یہود ونصاریٰ کے دلوں میں حسد وعناد اور تعصب بھرا ہوا ہے اُن کے لئے نہ کوئی ہدایت مفید ہو سکتی ہے اور نہ معجزات کو دیکھ کر ان کے راہِ حق اختیار کرنے کی اُمید ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی جہالت اور عناد سے تنگ دل ہوتی تھی اور ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کو غم ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا تھا کہ آپ اپنا کام کرتے رہیے اور کسی کے ماننے نہ ماننے کی فکر نہ کیجئے۔ گویا یہ تبلانا مقصود تھا کہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں سے ایمان لانے کی توقع نہ رکھنا چاہیئے۔ اسی سلسلہ میں اِن آیات میں یہود ونصاریٰ کی ایک اور قباحت کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ

اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ جب تک کہ آپ خدا تعالیٰ

Marfat.com

اُن کے مذہب کے بالکل پیرو نہ ہو جائیں اور یہ محال ہے پس اُن کا راضی ہونا بھی محال ہے۔ اس لئے اگر کبھی اس قسم کی بات اُن کی زبان یا حال سے مترشح ہو تو آپ صاف کہہ دیجئے کہ حقیقت میں تو ہدایت کا وہی راستہ ہے جس کو خدا نے ہدایت کا راستہ بتلایا ہے یعنی ان یہود و نصاریٰ میں سے ضدی اور معاند اور متعصب لوگوں کو تو رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کے اتباع کی تو اُن کو کیا توفیق ہوتی وہ تو یہاں تک اپنے باطل خیالات میں بلند پروازی کرتے ہیں کہ نَعُوْذُ بِاللہ آپ کو اپنی راہ پر چلانے کی فکرِ محال میں ہیں اور قالاً یا حالاً اُن کی زبان یا معاملہ سے اُن کی کوشش ظاہر اور مفہوم ہوتی ہے۔ شروع شروع میں بعض امور مباحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ کتاب کی موافقت فرما لیتے تھے اس غرض سے کہ یہ کچھ نرم ہو کر اسلام لے آویں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فہمائش فرما دی کہ آپ اس خواہش کو چھوڑ دیجئے کہ جس سے یہ یہود و نصاریٰ راضی ہو کر موافق ہو جائیں۔ ان کا آپ سے راضی ہونا محال اور ناممکن ہے۔ وہ اس غرّہ میں ہیں کہ ہم کتبِ الٰہیہ کے علوم کے حامل اور علمبردار ہیں ہم کسی کا کیوں اتباع کریں۔ ہم تو سب کے متبوع اور سردار ہیں۔ لہٰذا جو شخص اپنے آپ کو متبوع سمجھتا ہو وہ تابع بننے پر کب راضی ہو سکتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے اس خیالِ خام کے جواب میں تلقین فرمائی گئی کہ ان سے یہ کہہ دیا جائے کہ تحقیق اللہ کی ہدایت ہر زمانہ میں وہی ہدایت ہے جو اُس زمانہ کا نبی اور رسول لے کر آئے اور گذشتہ ہدایتیں اگرچہ اپنے اپنے وقت پر ہدایتیں تھیں مگر منسوخ ہو جانے کے بعد ہُدیٰ ہُدیٰ نہیں رہتی بلکہ ہوائے نفس بن جاتی ہے اور نفسانی خواہشات کا اتباع کبھی ہدایت نہیں ہو سکتا۔ اسی سلسلہ میں آگے ارشاد ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝

"اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے اُن کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں تو آپ کے لئے اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار"۔ یہاں یہ خطاب ظاہراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ مقصود سنانا معاندین کو ہے۔ عناد کی بنا پر اُن کو مخاطب بھی نہیں بنایا اور بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ گو یہاں خطاب لفظاً رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مُراد اُمت ہی ہے اور اصل حکم اسی کو ہے۔ اور اس طرزِ مخاطبت سے مقصود مسئلہ کی اہمیت پر زور دینا ہے کہ منکروں کی طرف میلان پر ایسا معاملہ بفرضِ محال جب رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے تو دوسروں کا تو کیا ذکر۔ یہاں تک تو اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ایسے لوگوں کا ذکر تھا جو اسلام کی مخالفت کرتے تھے اور بوجہ تعصب و عناد و حسد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے تھے۔ اب آگے یہود و نصاریٰ کے ایسے لوگوں کا ذکر فرمایا جاتا ہے جنہوں نے اپنی کتاب توراۃ اور انجیل پڑھی اور سُنی تھیں۔ اُن کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپ پر صدقِ دل سے ایمان لا کر آپ کا اتباع اختیار کیا۔ چنانچہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب تورات و انجیل دی بشرطیکہ وہ اُس کی تلاوت کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے۔ ایسے لوگ البتہ آپ کے دین حق پر ایمان لے آتے ہیں اور جو شخص نہ مانے گا ایسے لوگ خود ہی خسارہ میں رہیں گے کہ جو ثمرات ایمان پر عطا ہوتے اُن سے محروم رہیں گے" یعنی وہ یہود و نصاریٰ جن کو اللہ تعالیٰ نے کتاب تورات و انجیل دی اور وہ اُس کی تلاوت اِس طرح کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے یعنی اُس کے احکامات کو دِل سے مانا اور اُس میں کسی قسم کی کوئی تحریف اور رَدّ و بدل لفظی یا معنوی نہیں کی تو ایسے لوگ البتہ دین حق پر ایمان لے آتے ہیں یعنی اسلام قبول کر لیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے ہیں اور جو لوگ نبیٔ آخر الزماں پر ایمان نہیں لاتے وہ درحقیقت اپنی اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتے اور توریت و انجیل میں تحریف کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی جو بشارتیں اُن کی کتاب میں مذکور ہیں ان کا انکار کرتے ہیں پس یہی لوگ خسارہ والے ہیں کہ اپنی کتاب پر جو ایمان رکھتے تھے وہ بھی ہاتھ سے گیا اور جو ثمرات و انعاماتِ الٰہیہ دین حق پر ایمان سے عطا ہوتے اُن سے بھی محروم رہے اور اس طرح اپنا ہی نقصان کیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر اہلِ کتاب نیک نیتی اور اخلاص سے کام لیں اور ضد و نفسانیت اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیں تو وہ قرآنِ کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے قائل ہو جائیں جس کی مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر اب تک ظاہر ہوتی آئی ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ ہوتی رہیں گی اللہ تعالیٰ اس دین محمدی کی حفاظت فرمائیں اور دُنیا میں اس کی شوکت اور غلبہ کو بلند فرمائیں۔ آمین۔

اس سورۃ کے پانچویں رکوع کے شروع سے یہاں تک یعنی چودھویں رکوع کے ختم تک بنی اسرائیل کے متعلق بیان ہوتا رہا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے بعض انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا پھر اُن کی بعض شرارتوں اور خیانتوں کو واضح فرمایا۔ اُن کی سرکشی۔ ضد و عناد کی مثالیں بیان کیں۔ اب یہ سب کچھ یاد دلا کر آگے اخیر میں بنی اسرائیل کو انعاماتِ الٰہیہ کو یاد کرنے اور اسکے عذاب اور انتقام سے ڈرنے کا حکم دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے :۔ حق تعالیٰ ہمیں اور تمام اُمتِ مسلمہ کو ایمان و اسلام پر مضبوطی سے جمے رہنا نصیب فرمائیں اور یہودیت و نصرانیت کے اتباع سے کامل طور پر بچنا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اس دور میں امت مسلمہ میں یہود و نصاریٰ کی معاشرت، تہذیب و تمدن کی طرف جو میلان پیدا ہو گیا ہے جسکی وجہ سے یہ اُمت طرح طرح کے ظاہری و باطنی فتنوں میں مبتلا ہو رہی ہے ان فتنوں سے اس اُمت کو بچا لیجئے۔ یا اللہ! ہمارے دلوں کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت سے بھر دے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ظاہر میں و باطن میں نصیب فرما دے اور حضور کے اتباع کو ہماری نظروں میں محبوب بنا دے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۵۴

يٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي

اے اولاد یعقوب علیہ السلام میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر انعام کیا اور اُس کو

فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿۱۲۲﴾ وَٱتَّقُواْ يَوۡمٗا لَّا تَجۡزِي

کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر فوقیت دی ۔ اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں

نَفۡسٌ عَن نَّفۡسٖ شَيۡـٔٗا وَلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٞ وَلَا تَنفَعُهَا

کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ ادا کرنے پاویگا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاویگا اور نہ کسی کو کوئی

شَفَٰعَةٞ وَلَا هُمۡ يُنصَرُونَ ﴿۱۲۳﴾

سفارش مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کو کوئی بچا سکے گا ۔

تفسیر و تشریح :۔ اس سورۂ بقرہ کے پانچویں رکوع کے شروع سے بنی اسرائیل کے متعلق بیان شروع ہوا تھا اور گذشتہ آیت یعنی چودھویں رکوع کے ختم تک برابر بنی اسرائیل ہی کا ذکر ہوتا چلا آیا ہے۔ قوم بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے جو گذشتہ میں انعامات و احسانات فرمائے تھے وہ ان کو یاد دلائے گئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانیں اور شکر گذار ہوں اور اسلام جیسی نعمت کو قبول کرلیں اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آویں۔ پھر اس قوم بنی اسرائیل نے گذشتہ میں جو احکام الٰہیہ اور انبیاء و رسل کی نافرمانیاں کی تھیں اُس کا بھی بیان ہوا تاکہ گذشتہ سے تنبیہ و عبرت حاصل کریں۔ اسی سلسلہ میں یکے بعد دیگرے خاص خاص واقعات بھی بیان ہوئے جن میں اس قوم کی بداعمالیاں بھی بیان کی گئیں۔ انہیں قبولِ اسلام کی دعوت بھی دی گئی واضح اور روشن دلائل سے یہ بھی ثابت کردیا گیا کہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں اور ان پر ایمان لانا نجاتِ اخروی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ پھر اس قوم کے تعصب اور عناد کا بھی ذکر ہوا اور انہیں تعلیم و تلقین کی گئی کہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راہ راست کو اختیار کرلیں۔ یہ سلسلہ مضامین گذشتہ آیت یعنی چودھویں رکوع پر ختم ہوا۔ اب اس تمام سلسلۂ بیان کے خاتمہ پر پھر وہی مضمون دہرایا جاتا ہے جس سے ابتداء میں جب بنی اسرائیل سے کلام فرمانا شروع کیا تھا تو خطاب ہوا تھا۔ چنانچہ پانچویں رکوع کی ابتداء میں فرمایا گیا تھا۔

يٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ

"اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے ان احسانوں کو جو میں نے تم پر کئے ہیں" پھر چھٹے رکوع کی ابتداء میں

Marfat.com

فرمایا گیا تھا۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا شَفَاعَۃٌ وَّ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡہَا عَدۡلٌ وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ۝

"اے بنی اسرائیل تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو انعام میں دی تھی اور اس کو کہ میں نے تم کو تمام دُنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکتا ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جا سکتا ہے اور نہ اُن لوگوں کی طرفداری چل سکے گی۔"

اور اسی کے قریب قریب خاتمہ کلام پر بنی اسرائیل کو خطاب کر کے اِن آیات میں فرمایا جاتا ہے۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُہَا شَفَاعَۃٌ وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ۝

"اے بنی اسرائیل یعنی اولاد یعقوب علیہ السلام میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر وقتاً فوقتاً انعام کیا اور اس کو بھی یاد کرو کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے یعنی روز قیامت سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ اور حق واجب ادا کرتے پاوے گا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ بجائے حق واجب کے قبول کیا جاوے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش جبکہ ایمان نہ ہو مفید ہو گی اور نہ اُن لوگوں کو کوئی بزور بچا سکے گا۔"

اس طرح بنی اسرائیل کو اس سورۃ میں تین مرتبہ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کے معزز خطاب سے مخاطب فرمایا اور اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کے اولاد ہونے کی حیثیت سے ان کو اپنے خطاب سے مشرف و سرفراز فرمایا اور اس نسبت کو یاد دلا کر شکر اور اطاعت کی دعوت دی اور ارشاد فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو اس حیثیت سے یاد کرو کہ وہ میرا عطیہ تھیں۔ میری نسبت کے شرف و عزت کو دیکھو اور یاد کرو اور پھر اس حیثیت کو دیکھو کہ اس نعمت کا میں نے تم پر محض اپنی مہربانی سے انعام کیا تھا۔ تمہارا کوئی استحقاق نہ تھا اور اس امر کو یاد کرو کہ میں نے تم کو محض اپنے فضل سے تم کو سارے جہان کے لوگوں پر فضیلت اور بزرگی دی تھی۔ یہ بزرگی میرا عطیہ تھا تمہاری ذاتی شے نہ تھی کہ تم سے جُدا نہ ہو سکے۔ تم اس غرہ میں نہ رہنا کہ یہ بزرگی تم سے چھینی نہیں جا سکتی۔ اگر اس فضیلت اور بزرگی کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو ہمارے رسول کی اطاعت کرو اور قیامت کے دن سے ڈرو۔ گویا اس قوم کو آخرت کے نتائج سے پیشگاہ کیا جا رہا ہے

کہ دُنیا میں تو انسان کسی کی مدد سے۔ بدلہ یا معاوضہ سے سفارش یا زور سے بچ سکتا ہے لیکن قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں سے کوئی چیز بھی کام نہ دے گی۔ وہاں صرف ایمان اور عمل صالح کام آئیں گے۔ نذرانے۔ جرمانے۔ سفارش یا دوستی سے کسی کی مدد نہ ہوگی کہ بدون ایمان کے رہائی کا سبب ہو سکے۔

مقصود وہی دعوتِ اسلام اور حقانیت اسلام کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے انعامات و احسانات کی شکر گذاری میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ ورنہ پھر انکار کی صورت میں تم عذاب قیامت سے بچ نہیں سکتے۔

یہاں جس سفارش اور شفاعت کا ذکر ہے کہ قیامت میں کار آمد اور مفید نہ ہوگی وہ ان کے لئے ہے جو صاحبِ ایمان نہ ہوں۔ اہلِ ایمان کو انبیاء۔ اولیاء وغیرہ کی شفاعت سے قیامت میں ضرور نفع ہوگا جیسا کہ قرآنِ کریم کے دوسرے مواقع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور جو اہلِ سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اب چونکہ بنی اسرائیل کو اس بات پر غرہ تھا کہ ہم اہلِ کتاب اور اہلِ علم اور اولادِ ابراہیمؑ ہیں اس لئے ہم سب کے سردار۔ مقتدا۔ پیشوا اور امام ہیں۔ امامت و سیادت ہمارے ہی خاندان بنی اسرائیل میں رہے گی۔ تو یہود کے اس زعمِ باطل کے جواب میں آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جس سے کئی امور کو واضح کرنا مقصود ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو سید الانبیاء والمرسلین نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں پیدا فرمایا تو ہم کو اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر شناسی کی توفیق بھی عطا فرمائیں۔ اور ہم کو اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعتِ کاملہ نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! اس دُنیا کی زندگی میں ہم کو آخرت کو پیشِ نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ اور میدانِ حشر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور مقبول اولیاء اللہ کی سفارش نصیب فرمایئے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

درس ۵۵

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ

اور جبوقت امتحان کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انکے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ ان کو پورے طور سے بجالائے حق تعالیٰ نے

جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ

فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا ۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کو ۔ ارشاد ہوا

لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

کہ میرا عہدہ خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملے گا ۔

تفسیر وتشریح :۔ یہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل دعوے دار تھے کہ ہم اہلِ کتاب ۔ اہلِ علم ۔ اور اولاد ابراہیم ہیں نبوت ہمارا ہی ورثہ ہے ۔ اس لیئے ہم ہی سب کے مقتدا ۔ پیشوا اور امام ہیں ۔ ان کو ناز تھا کہ رسالت صرف بنی اسرائیل میں ہوتی چلی آئی ہے ۔ اور ان کا کہنا تھا کہ بنی اسمٰعیل میں کوئی نبی نہ مبعوث ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے ۔ اس لیئے ہمیں کسی کے اتباع کی کیا ضرورت اور ہم اسمٰعیلی نبی پر ایمان نہیں لا سکتے ۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یہاں ذکر فرمایا جس سے کئی امور کا بیان کرنا مقصود ہے :۔

اوّل :۔ یہ کہ امامت اور پیشوائی کا مرتبہ جب ہی ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے امتحان میں کامیاب اور درست نکلے ۔ ظالم اور فاسق ہو کر امامت اور دینی سرداری و پیشوائی کا خیال بالکل غلط ہے

دوم :۔ یہ بتلانا ہے کہ خانہ کعبہ جو اہل اسلام کا قبلہ ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا بنایا ہوا ہے ۔ اس کی فضیلت اور بزرگی میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا اور اہلِ اسلام کا قبلہ وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا ۔

سوم :۔ یہ ملت اسلام وہی ملتِ ابراہیمی ہے ۔

چہارم :۔ یہ کہ امتِ مسلمہ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور بعثت کی دعا سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی ۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ پر وہی ہو سکتا ہے کہ جو ملت اسلام کو قبول کرے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ۔

پنجم :۔ یہ کہ بنی اسرائیل کا یہ خیال کرنا کہ نبی آخر الزماں ہمارے خاندان سے نہیں اس لیئے ہم ان پر ایمان نہیں لائیں گے یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے اس لیئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے دو صاحبزادے تھے ایک اسحاق علیہ السلام جن کے بیٹے اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں

Marfat.com

ایک مدت تک نبوت و رسالت حضرت اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کی اولاد میں رہی اب وہ فضیلت حضرت اسمٰعیل کی اولاد کو پہنچی یعنی نبوت و رسالت اب بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل ہوئی اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دونوں ہی بیٹوں کے لئے برکت کی دعا مانگی تھی پس یہود کو چاہیئے کہ اب ان نبی آخرالزماں پر ایمان لائیں کہ جو ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں اور جن کا ظہور دعاء ابراہیمی کی برکت و ثمرہ ہے۔

غرض کہ اس آیت سے ابتداء ہو کر ختم پارہ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مذکورہ بالا مقاصد کے اظہار کے لئے بیان ہوتا چلا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام قرآن کریم میں اس آیت میں پہلی بار آیا ہے۔ چونکہ قرآن کریم کے اوّل مخاطب اہلِ عرب تھے اور قرآن کریم کے رشد و ہدایت کا پیغام چونکہ ملتِ ابراہیمی کا پیغام ہے اس لئے قرآنِ عزیز نے جگہ جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اور مکی و مدنی دونوں قسم کی پچیس ۲۵ سورتوں میں آپ کا ذکر موجود ہے اور آپ کا شمار انبیاء اولوالعزم میں سے ہے اور یہود و نصاریٰ اور اہلِ اسلام سب آپ کو پیغمبر اور مقتدا مانتے ہیں اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ کی تشریح سے پہلے کچھ ضروری معلومات مختصراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بیان کر دی جائے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے مقدس رسول اور ہمارے نبی سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میں بحالتِ تشہد امتِ مسلمہ کو درود کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لینے کا بھی حکم دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت مُلک بابل کے شہر اُور میں یعنی موجودہ مُلک عراق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل ہوئی۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سنہ ولادت ۲۱۶۰ قبل مسیح اور سنہ وفات ۱۹۸۵ قبل مسیح بتلایا گیا ہے۔ حلیہ مبارک کے متعلق حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا چاہو تو اپنے صاحب (یعنی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

عام مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک دس پشتیں ہیں۔ حضرت ابراہیم کی قوم بُت پرستی کے ساتھ کواکب پرستی بھی کرتی تھی۔ آپ نے بعثت کے بعد سب سے پہلے اپنے باپ آزرؔ کو حق کی تبلیغ کی۔ پھر اپنی قوم کو سمجھایا۔ پھر بادشاہِ وقت نمرود سے مناظرہ کیا اور توحید کے دلائل بیان فرما کر اس کو ششدر کر دیا مگر بدبخت قوم نے ایک نہ مانی اور سوائے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ قوم نے ہر طرح ستانے اور آپ کی ایذا رسانی پر کمر باندھی یہاں تک کہ ظالموں نے آپ کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ذلیل و ناکام بنا کر آگ کو آپ کے لئے گلزار بنا دیا جس کی تفصیلات انشاء اللہ اگلے پاروں میں آپ کو قرآنِ کریم ہی سے معلوم ہوں گی۔

Marfat.com

آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آبائی وطن سے ہجرت فرمائی اور بابل سے شام و فلسطین اور پھر مصر پہنچے۔ شاہِ مصر نے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ کو آپ کی زوجیت میں دیا۔ آپ نے فرزند کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل تولد ہوئے۔ اس پر حضرت سارہؓ کو رشک ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچہ حضرت اسمٰعیل کو اپنے ساتھ لے کر عرب میں جہاں آج خانہ کعبہ ہے وہاں تشریف لائے جو اُس وقت ایک بیابان اور غیر آباد سنسان میدان تھا۔ آپ باذنِ خداوندی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو یہیں چھوڑ گئے اور فلسطین واپس ہو گئے۔ مگر مکہ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو دیکھنے آتے رہے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ دونوں باپ بیٹے کے مقدس ہاتھوں سے بیت اللہ کی تعمیر ہوئی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ یا ۱۲۰ سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحٰق کی پیدائش کی بشارت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ۱۷۵ سال کی عمر میں موجودہ ملک شام میں واقع ہوئی اور مدینۃ الخلیل میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی پیغمبرانہ سیرت کا تذکرہ قرآن کریم میں جا بجا تفصیل سے مذکور ہے جو وقتاً فوقتاً انشاء اللہ اسی درسِ قرآن کے سلسلہ میں آپ کے سامنے آتی رہیں گی۔

یہاں اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مختلف امتحانات اور ان میں اُن کی کامیابی اور پھر اسکے انعام و صلہ کا بیان فرمایا ہے۔ پھر جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ازراہِ شفقت اپنی اولاد کے لئے بھی اسی انعام کی درخواست کی تو انعام پانے کا ایک ضابطہ ارشاد فرما دیا گیا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست کی منظوری مشروط صورت میں دی گئی کہ یہ انعام آپ کی ذریت کو بھی ملے گا۔ مگر جو لوگ ذریت میں نافرمان فاسق اور ظالم ہوں گے وہ یہ انعام نہ پا سکیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیمؑ کا اُن کے پروردگار نے چند باتوں میں اپنے احکام میں سے تو وہ ان کو پورے طور سے بجا لائے اس وقت حق تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ میں تم کو اس کے صلہ میں تمام لوگوں کا امام و پیشوا بناؤں گا۔" اب یہاں دو سوال ہو سکتے ہیں کہ جن کی تشریح کی ضرورت ہے :-

پہلا سوال یہ کہ امتحان کا مقصد کیا تھا؟

دوسرا سوال یہ کہ وہ امتحانات کیا تھے جو حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لئے؟ اور ان میں کامیابی کس صورت اور نوعیت سے تھی؟

پہلے سوال کا جواب علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ایک امتحان تو کسی شخص کی قابلیت معلوم کرنے کے لئے لیا جاتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہیں۔ کسی شخص کا بھی کوئی حال اُن سے مخفی نہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ کے امتحان کسی نامعلوم قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لئے تو تھا نہیں۔ اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

Marfat.com

امتحان وابتلا کسی جُرم کی پاداش میں تھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم و بےگناہ تھے۔ اس لئے آپ کے امتحان کا مقصد شان تربیت تھا۔ ان آزمائشوں کے ذریعے اپنے خلیل علیہ السلام کی تربیت کر کے آپ کے درجات و مقاماتِ عالیہ تک پہنچانا اور حضرت ابراہیمؑ کی جلالت شان کو نمایاں فرمانا مقصود تھا۔

دُوسرا سوال یعنی وہ امتحانات کیا تھے جن سے حضرت ابراہیمؑ کو گذرنا پڑا اور آپ نے کس صورت میں کامیابی حاصل کی اس کے جواب میں علما نے لکھا ہے کہ پہلا امتحان تو یہی تھا کہ پوری قوم حتّٰی کہ اپنا خاندان اور گھرانہ سب بُت پرستی میں مبتلا تھے سب کے عقائد و رسوم سے مختلف ایک دین حنیف اُن کو عطا کیا گیا اور اسکی تبلیغ اور قوم کو اسکی طرف دعوت دینے کا بارگراں آپ پر ڈالا گیا آپ نے پیغمبرانہ جرأت و ہمت کے ساتھ بے خوف و خطر قوم کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف بُلایا بُت پرستی کی شرمناک رسم کی خرابیاں مختلف عنوانات سے بیان کیں عملی طور پر بُتوں کے خلاف جہاد کیا اور ان کی اہانت و تذلیل کی جس سے پوری قوم کی قوم آمادۂ جنگ و جدال ہوگئی۔ بادشاہِ وقت نمرُود اور اس کی قوم نے آپ کو آگ میں ڈال کر زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا۔ اللہ کے خلیل نے ان سب بلاؤں پر راضی ہو کر اپنے آپ کو آگ میں ڈال دینے کے لئے پیش کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس امتحان میں اپنے خلیل کو کامیاب پایا تو آگ کو حکم فرما دیا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ۔ "اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور ذریعۂ سلامتی بن جا"

اس امتحان سے فارغ ہو کر دوسرا امتحان یہ لیا گیا کہ اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے رضائے خداوندی کی تڑپ میں قوم و وطن کو بھی خیرباد کہہ دیا اور ملک شام میں چلے آئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہ حکم ملا جو تیسرا امتحان تھا کہ بی بی ہاجرہؓ کو اُن کے شیرخوار بچہ اسمٰعیل کو ساتھ لے کر شام سے کوچ کر جائیں۔ جبرئیل امین آئے اور دونوں کو ساتھ لے کر چلے۔ جب وہ چٹیل میدان اور گرم ریگستان اور بے آب و دانہ سنسان بیابان جہاں نہ آدم نہ حیوان۔ نہ چرند پرند آجاتا ہے جہاں اب بیت اللہ کی تعمیر اور شہر مکہ معظمہ آباد ہے تو اس بے آب و گیاہ میدان میں آپ کو اُتار دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملتا ہے کہ بی بی بچہ کو یہیں چھوڑیں اور خود ملک شام کو واپس ہو جائیں۔ اللہ کے خلیل حکم پاتے ہی اس کے تعمیل ارشاد میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ایک تھیلی کھجوروں کی اور ایک مشکیزہ پانی کا دے کر بیوی بچہ کو چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں تعمیل حکم میں اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کہ بیوی کو یہ اطلاع ہی دے دیں۔ حضرت ہاجرہ جب آپ کو جاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو پکارتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس لق و دق میدان میں چھوڑ کر ہم کو آپ کہاں جا رہے ہیں؟ مگر آپ کچھ جواب نہیں دیتے۔ مگر وہ بی بی بھی حضرت خلیل اللہ کی بیوی تھیں سمجھ گئیں کہ یہ ماجرا کیا ہے اور کہنے لگیں کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کا ایسا حکم ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت ہاجرہؓ کو جب حکم خداوندی کا علم ہو گیا تو فرمایا کہ اچھا جائیے جس مالک نے آپ کو چلے جانے کا حکم فرمایا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہیں کرے گا۔ پھر رحمت خداوندی نے کس طرح حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو پالا اور خشک زمین سے پانی کا ایک چشمہ جس کو آج تک زمزم کہتے ہیں نکال دیا پھر

Marfat.com

آبادی کا سامان ہوا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وہیں نشو ونما پاکر جب کام کاج کے لائق سمجھدار ہو جاتے ہیں تو پھر حق تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چوتھا امتحان لیتے ہیں جو بظاہر اُن سب امتحانات سے سخت تھا جن سے پہلے کامیابی کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام گذر چکے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہ گاہ تشریف لاتے اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو دیکھ جاتے جب حضرت اسمٰعیل بڑے اور سمجھدار ہو گئے تو حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں حکم خداوندی ہوتا ہے کہ بچہ کو ہمارے نام پر قربان کردو اور اپنے ہاتھ سے اپنے پیارے بچہ کو ذبح کردو۔ پھر اس خواب کی تعمیل میں جو واقعہ پیش آیا وہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل سے اپنا یہ خواب بیان فرمایا تو فرزند سعید نے بخوشی اپنی جان قربان کرنے کی آمادگی ظاہر فرمائی اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صاحبزادے کو منیٰ کے جنگل میں لے جانا اور اپنی طرف سے حکم حق جل وعلا کی پوری تعمیل میں حضرت اسمٰعیل کے گلے پر پوری طاقت سے چھری پھیر دینا۔ مگر چھری کا ایک بال بھی نہ کاٹنا اور پھر جنت سے ایک مینڈھے کا آنا اور اُس کا حضرت ابراہیمؑ کا ذبح کرنا اور اس سنتِ ابراہیمی کا آنے والی دُنیا کے لئے دائمی سنتِ قربانی بن جانا اور حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا سے ارشاد فرمانا کہ خواب میں جو کچھ آپ نے دیکھا تھا اس کو پورا کر دیا۔

الغرض یہ متعدد سخت اور کڑے امتحانات تھے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گذارا گیا اور ان امتحانات کی تکمیل اور کامیابی کا انعام اور صلہ یہ ملا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں آپ کو لوگوں کا امام و پیشوا بنانے والا ہوں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے متعلق یہ مژدہ سنایا گیا تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درخواست پیش فرمائی قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (میری اولاد میں بھی) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری اولاد اور نسل سے بھی امام دینی بنائیے۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے جو ارشاد ہوا قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ یعنی آپ کی یہ درخواست منظور ہے مگر اس کا ضابطہ سن لیجئے کہ میرا یہ عہدہ ظالموں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو نہیں ملے گا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ نبوت و امامت و ولایت کسی فاسق اور کافر کو نہیں مل سکتی خواہ اس کو کیسی ہی نسبی شرافت حاصل ہو، چنانچہ ایک مدتِ دراز تک امامت و قیادت حضرت ابراہیمؑ کی نسل کے اندر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں رہی لیکن جب وہ ظلم کے مرتکب ہوئے اور شرک اور تحریف توراۃ اور انجیل اور قتل انبیاء اور نافرمانی احکام وغیرہ وغیرہ میں مبتلا ہوئے اور منصب امامت کے بالکل اہل نہ رہے تو یہ امامت بنی اسرائیل سے چھین کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ یہود جو دعویدار تھے کہ نبوت ہمارا ہی ورثہ ہے اور امامت و نبوت و رسالت بنی اسرائیل ہی میں ہوتی چلی آئی ہے اس لئے ہم اسمٰعیل نبی کا اتباع نہیں کر سکتے تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا

Marfat.com

اور یہ ثابت فرمایا گیا کہ امامت اور پیشوائی کا منصب و مرتبہ جب ہی ملتا ہے کہ جب اللہ کی کامل اطاعت و فرمانبرداری ہو اور اللہ کے امتحان میں کامیاب نکلے۔ ظالم اور فاسق ہو کر نہ امامت اور دینی پیشوائی کسی کو ملی ہے نہ آئندہ ملے گی۔ خدا پرست انسانوں ہی کے لئے امامت و نبوت مخصوص رہی خواہ وہ اسرائیلی ہوں یا اسمٰعیلی سلسلۂ نسب کو کوئی دخل نہیں ہے۔ پھر دونوں حضرت ابراہیمؑ ہی کی اولاد ہیں۔

اب یہاں اگرچہ یہود کو سنایا گیا ہے کہ ظالم اور فاسق لوگوں کو یہ منصبِ امامت نہ ملے گا لیکن یہ خدائی قانون لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ (میرا یہ عہدہ خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملے گا) سب کے لئے برابر ہے۔ اہلِ اسلام کا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل ثابت کریں۔

اِس آیت کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے اختیار سے اپنا نمائندہ یا امیر یا مقتدا اور پیشوا کسی ایسے شخص کو مقرر نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کا باغی یا نافرمان ہو۔

اب آگے خانۂ کعبہ جو اہلِ اسلام کا قبلہ ہے اُس کی فضیلت اور بزرگی بیان فرمائی جاتی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو شرف اس اُمتِ مسلمہ کو بطفیل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم عطا فرمایا ہے۔ ہم کو بھی اللہ تعالیٰ اس شرف کا اہل بنادیں اور ظالمین و فاسقین کے گروہ میں شامل ہونے سے بچالیں۔ اے اللہ ہم عاصی گنہ گار تو کسی ابتلا اور آزمائش اور امتحان کے قابل نہیں۔ یا اللہ ہر حال میں آپ ہی ہماری رہبری فرمائیں اور ہمارے دین کی حفاظت فرمائیں اور اسلام پر ہم کو استقامت بخشیں۔

اے اللہ! ہم نااہلوں نے تو اپنی بداعمالیوں سے اسلام کو بھی بدنام کیا اور دُنیا میں رسوائے زمانہ ہوئے۔ اے اللہ ہماری حالتوں پر رحم و کرم فرما۔ اور ہم کو اسلام سے سچی محبت عطا فرما۔ اسلام کی سچی عظمت نصیب فرما۔ اور اسلام کی بدولت دین و دنیا میں عزت، غلبہ اور شوکت نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۵۶

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا

اور جس وقت ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور امن مقرر کیا اور

مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ و

مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو اور ہم نے حضرت ابراہیم اور

اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ

حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں کے واسطے

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے۔

تفسیر وتشریح :۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت اور فضیلت کو بیان فرمایا گیا تھا۔ اب آگے قبلہ ابراہیمی کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس سے یہ تبلانا مقصود ہے کہ خانۂ کعبہ جو مسلمانوں کا قبلہ ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شرکت اور معیت میں بنایا تھا اس لئے اس خانۂ کعبہ کی بزرگی و فضیلت میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا۔

یہود خانہ کعبہ کی بزرگی اور فضیلت کے قائل نہ تھے اور حج بیت اللہ کو بھی ایک لغو حرکت جانتے تھے اور کہتے کہ یہ صرف عرب کے جاہلوں کا طریقہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ نہیں اور نہ اس کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا ہے اور نہ حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے لئے مقرر فرمایا ہے سو اس کو جہت عبادت اور قبلہ بنانا بھی رسم مشرکین ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود کے اس خیالِ باطل کا رد فرماتے ہیں اور تبلایا جاتا ہے کہ خانۂ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور مرجع خلائق اور مقام امن ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے حکم دیا کہ لوگ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنائیں یعنی حضرت ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ ہی نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو حکم دیا تھا کہ اللہ کے اس مبارک اور مقدس گھر کو ہر قسم کی ناپاکیوں سے عبادت کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھنا چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ

"اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس وقت ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور مقام امن ہمیشہ سے مقرر کیا"

یہاں آیت کے اس جملہ میں اَلْبَيْتَ جس کے لغوی معنی گھر کے ہیں مراد بیت اللہ یعنی خانۂ کعبہ ہے جو مکہ معظمہ

Marfat.com

میں مَسْجِدُ الْحَرَامْ میں واقع ہے۔

یہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قدیم ترین مکان ہے اور قرآن مجید نے بھی اس کے قدیم اور اوّلین عبادت گاہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ خانہ کعبہ وہ مقدس مکان ہے جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے بنایا تھا۔ پھر اس کے منہدم ہونے پر حضرت آدم علیہ السلام نے دوبارہ بنایا۔ طوفانِ نوح میں غرق ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سہ بارہ تعمیر کیا۔ آپ نے کعبہ کے دو دروازہ ایک بجانب مشرق اور دوسرا بجانب مغرب رکھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نبوت سے پہلے کعبہ کا کچھ حصّہ آگ سے جل گیا تو اہلِ مکہ نے تعمیر کا ارادہ کیا تو قدیم طرزِ عمارت کو بدل دیا اور بجائے دو دروازوں کے صرف ایک دروازہ بجانب مشرق باقی رکھا اور چونکہ سرمایہ کم ہو گیا تھا اس لئے بقدر چھ گز کے دیوار چھوٹی کر دی گئی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر میں یہ ارادہ فرمایا کہ اگر سال آئندہ تک زندہ رہا تو کعبہ کی از سرِ نو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرز پر تعمیر کروں گا۔ اور جو حصّہ کفار قریش نے کعبہ سے نکال دیا ہے اس کو پھر اس میں داخل کر دوں گا مگر سال آئندہ میں آپ واصل بحق ہو گئے اس لئے وہ ارادہ پورا نہ ہو سکا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی امورِ خلافت سے فرصت نہ ملی۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے کعبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کے موافق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز پر بنا دیا۔ جب حجاج بن یوسف نے حضرت زبیر رضؓ پر فتح پائی تو اس نے آپ کے تعمیر کردہ کعبہ کو پسند نہ کیا اور حجرِ اسود کی طرف دیوار توڑ دی اور پہلے طرز پر کر دیا چنانچہ اب تک اسی طرز پر ہے :-

(زَادَهَا اللّٰهُ شَرَفًا وَّتَكْرِيْمًا وَّتَعْظِيْمًا۔)

خلاصہ یہ کہ خانہ کعبہ دنیا میں سب سے پہلا مکان ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا گیا اور جب تک دنیا میں اللہ کا نام لینے والے باقی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ گھر بھی باقی رہے گا۔ قربِ قیامت میں جب دنیا سے اہلِ ایمان اٹھا لئے جائیں گے اور دنیا میں سوائے کافروں کے کوئی صاحبِ ایمان باقی نہ رہے گا تو جیسا کہ حدیث شریف میں خبر دی گئی ہے کہ ایک حبشی خانہ کعبہ کو منہدم کر کے پتھر پتھر جدا کر دے گا جس کے بعد ہی صور پھونک دیا جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

الغرض یہاں اس جملہ میں بَيْتُ اللّٰه یعنی خانہ کعبہ کی فضیلت کے سلسلہ میں دو باتیں فرمائی گئیں۔ ایک تو مَثَابَةً لِّلنَّاسِ فرمایا دوسرے وَاَمْنًا۔

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ کے معنی ہیں آدمیوں کے لئے بار بار لوٹنے یا رجوع کرنے کی جگہ۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو یہ خاص فضیلت بخشی ہے کہ وہ ہمیشہ مرجع خلائق بنا رہے گا اور لوگ بار بار اس کی طرف جانے کے آرزو مند رہیں گے۔ چنانچہ اہلِ ایمان کبھی اس کی زیارت سے سیر نہیں ہوتے بلکہ ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ زیارت و طواف کا شوق لے کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے دل میں خانہ کعبہ کا شوق جذبِ مقناطیسی کی طرح ڈال دیا ہے اسلئے لاکھوں

آدمی دور دراز سے وہاں آتے ہیں اور یہ بیت اللہ ہی کا وصف ہے کہ بار بار حج کرتے ہیں اور دل نہیں بھرتا۔

دوسری صفت بیت اللہ کی وَاَمْنًا فرمائی یعنی امن کی جگہ۔ خانہ کعبہ کی عمارت اور اس کے اردگرد کا علاقہ جو حرم میں داخل ہے اس میں خونریزی یا جانوروں کا شکار قطعاً ممنوع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں میں دستور تھا کہ حرم میں اپنے باپ اور بھائی کا قاتل بھی کسی کو ملتا تو انتقام نہیں لیتے تھے اور عام جنگ و قتال کو بھی حرم میں حرام سمجھتے تھے شریعت اسلام میں بھی یہ حکم اسی طرح باقی رکھا گیا۔

فتح مکہ کے دن صرف چند گھنٹوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ارض حرم میں قتال کو جائز کیا گیا تھا مگر اسی وقت پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں اس کا اعلان فرما دیا تھا۔ الغرض اس درجہ خانہ کعبہ کو امن کی جگہ اللہ تعالیٰ نے بنایا۔

آگے ارشاد ہے :۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ "اور بناؤ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ"

یہاں مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے کہ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی دیواریں چنتے تھے اور جوں جوں دیواریں بلند ہوتی جاتی تھیں وہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا تھا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے اور دعا کرتے جاتے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان بطور معجزہ پڑ گیا تھا، جو لوگوں کے کثرت سے ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے اب بخوبی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ پتھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کعبہ سے متصل تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو سیلاب آیا اس سے یہ پتھر بہ گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دوبارہ منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ نصب کر دیا اور اسکے آس پاس پتھروں کی دیوار چن دی چنانچہ اب تک وہ پتھر وہیں تھا مگر اب سعودی عرب کے شاہ فیصل کے زمانہ میں وہ جالی دار حجرہ ختم کر کے موٹے شیشے کے اندر یہ پتھر محفوظ کر دیا ہے۔ خانہ کعبہ کے طواف کے بعد دو رکعت نماز واجب اس مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کی جاتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کرنے مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور اس کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ تو یہ حکم امت محمدیہ کو دیا جا رہا ہے کہ برکت حاصل کرنے کے لئے مقام ابراہیم کو کبھی کبھی نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو۔

آگے ارشاد ہے :۔ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

"اور ہم نے بنائے کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی طرف حکم بھیجا کہ میرے اس گھر کو یعنی بیت اللہ کو خوب پاک صاف رکھا کرو۔ بیرونی و مقامی لوگوں کی عبادت کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے"۔ یعنی یہود و نصاریٰ جو حج بیت اللہ کے منکر تھے ان کو یہاں جتلا دیا گیا کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ہی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ بَیْتُ الْعَتِیْق کو طواف کرنے والوں اور حج و عمرہ میں آنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے خوب پاک صاف رکھا کرو یعنی خانہ کعبہ ہر طرح کی نجاست و گندگی ظاہری ہو یا باطنی سے پاک صاف رہنا چاہیئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کعبہ کی طہارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے صرف شریعت محمدیہ ہی میں نہیں ہے۔ تو یہود و نصاریٰ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے خاندان کی بزرگی اور افضلیت اور نبوت کے قائل ہیں اور جب کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ شریف اور مقدس گھر انہی کے متبرک ہاتھوں کا بنا ہوا ہے بلکہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس بیت اللہ کا حج کیا ہے تو پھر باوجود ان انبیاء کو ماننے اور ان کی تابعداری کے دعوے کے حج اور عمرہ سے یہ اہل کتاب کیوں رکے ہوئے ہیں اور کیوں اس کے منکر ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خانۂ کعبہ میں سوائے عبادت و بندگی اور خدا پرستی کے دنیوی مشاغل ناجائز ہیں۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کوئی مشرک اور کافر شرک و کفر کی نجاست باطنی کے ساتھ بیت اللہ میں داخل نہ ہو۔

الغرض یہاں خانۂ کعبہ کی بزرگی اور فضیلت کا ذکر ہوا۔ اب جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر باذن خداوندی مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں جس کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درسوں میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے گھر بَیْتُ اللہ شریف کی عزت و بزرگی۔ کرامت و شرافت کو اور بلند فرمائیں۔ اور اپنے اس مقدس گھر کی حاضری کی توفیق ہم کو نصیب فرمائیں اور وہاں طواف کرنے اور نماز پڑھنے کی سعادت مقدر فرمائیں۔ اور جن کو یہ سعادت زندگی میں نصیب ہو چکی ہے ان کو بار بار کی حاضری کی دولت عطا فرمائیں۔

یَا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنے حرم محترم بَیْتُ اللہ کی سچی محبت و عظمت عطا فرما۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو مرنے سے پہلے اپنے بَیْتُ الْحَرَام کی زیارت کا شرف نصیب فرما۔

——— : آمین : ———

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۵۷

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ

اور جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس کو ایک شہر بنا دیجئے امن والا اور اس کے

اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

بسنے والوں کو پھلوں سے عنایت کیجئے اُن کو جو کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اس شخص کو بھی جو کہ کافر ہے سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤں گا پھر اس کو کشاں کشاں

عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

عذاب دوزخ میں پہنچادوں گا۔ اور ایسے پہنچنے کی جگہ تو بہت بری ہے۔

تفسیر وتشریح :۔ گذشتہ آیت میں خانۂ کعبہ کی فضیلت اور اُس کا مکانِ تعظیم اور معبد ابراہیم ہونا ذکر ہوا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر باذن خداوندی مکمل کرلی تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں جس کا بیان اس آیت میں اور اگلی آیات میں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعائیں قبول فرمائیں اور آج تک آپ کی دعاؤں کی برکت کا ظہور ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اِس موقع کو ایک آباد شہر بنا دیجئے اور شہر بھی کیسا ؛ امن وامان والا اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں کی قسم سے بھی عنایت کیجئے اور میں سب بسنے والوں کو نہیں کہتا بلکہ خاص ان کو کہتا ہوں جو اُن میں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔ باقیوں کو آپ جانیں۔

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے کئی دُعائیں مانگیں سب سے پہلی دُعا حق تعالیٰ سے یہ فرمائی کہ اس جنگل بیابان چٹیل میدان غیر آباد جگہ کو آپ ایک شہر بنا دیں تاکہ یہاں سکونت میں وحشت نہ ہو اور ضروریاتِ زندگی بآسانی میسر ہو جائیں۔ دوسری دُعا یہ فرمائی کہ اس شہر کو امن والا شہر بنا دیجئے یعنی جو قتل وغارتگری کی آفات سے مامون ومحفوظ ہو۔ تیسری دُعا یہ فرمائی کہ اس جگہ رہنے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعائیں قبول فرمائیں اور مکہ مکرمہ ایک ایسا شہر آباد ہو گیا

کہ اپنی آبادی کے علاوہ ساری دُنیا کا مرجع بن گیا۔ اطرافِ عالم سے مسلمان وہاں پہنچنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور مکّہ کو ایسا دارالامن بنایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں بھی کفارِ مکّہ حرم کے اندر کشت و خون نہیں کرتے تھے۔ حتّٰی کہ اگر کوئی پردیسی مکہ سے باہر کسی کو قتل کرکے شہر کے اندر آجاتا تھا تو کوئی اس سے قصاص نہیں لے سکتا تھا۔ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت والے کتنی ہی خرابیوں اور کفر و شرک میں مبتلا ہونے کے باوجود بَیتُ اللہ اور اس کے ماحول حَرَم کی تعظیم و تکریم کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے شریعتِ اسلامیہ میں تو مکّہ کے چوطرفہ کئی کئی میل تک کی سرزمین حَرَم میں داخل ہے کہ نہ اس میں کوئی شکار کھیلے۔ نہ کوئی کسی کو قتل کرے۔ نہ وہاں کے درخت کاٹے نہ گھاس اُکھاڑے۔ چونکہ حدودِ حَرَم میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بھی امن دیا ہے اس لئے وہاں کے جانوروں میں بھی یہ قدرتی احساس ہے کہ حدودِ حَرَم میں آکر جانور اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے کسی شکاری آدمی سے نہیں گھبراتا۔ غرض کہ دُعائے ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالےٰ نے اس شہر کو ایک مامون شہر یعنی امن کی جگہ قدرتی طور پر بنادی ہے یہاں تک کہ دَجّال ملعون کو بھی جب کہ وہ تمام روئے زمین پر فتنہ و فساد مچائے گا حَرَمَیْنِ شَرِیْفَیْن یعنی مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے کی اُس کو قدرت نہ ہوگی۔

تیسری دُعا نے یعنی اہلِ مکّہ کو رِزق دینے کی شان اختیار کی کہ مکّہ جیسے خشک ریگستانی مقام میں دُور دُور سے ہر قسم کی چیز اس شہر میں آتی ہے اور مکّہ سے نزدیک طائف کا ایک ایسا خطّہ بنادیا کہ جس میں ہر طرح کے بہترین پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور ہر طرح کی سبزی ترکاریاں وغیرہ روز کے روز مکّہ میں پہنچتی رہتی ہیں۔ الغرض کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کی برکت کا ظہور آج تک ہو رہا ہے۔

اب یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں صرف اہلِ ایمان کی تخصیص فرمائی یعنی دُعا یہ تھی کہ یہاں کے رہنے والوں کو جو کہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں یعنی جو صاحبِ ایمان ہوں اُن کو پھلوں کی روزی عطا فرما۔ کفّار کے لئے رزق اور روزی کی دعا نہیں فرمائی۔ علمائے مفسّرین نے وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ اس سے قبل جیسا کہ گذشتہ درس نمبر ۵۵ (آیت نمبر ۱۲۴) میں بیان ہوچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ ارشاد فرمایا تھا یعنی میرا عہدۂ نبوت و امامت ظالموں یعنی کافروں اور نافرمانوں کو نہیں پہنچے گا یعنی یہ روحانی نعمت نبوت و رسالت اقتدار دینی و امامت صرف صاحبِ ایمان لوگوں کو دی جائیگی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست کہ میرے بعد نبوت و امامت میری ذرّیت میں بھی جاری رہے یہ مومنوں کے حق میں قبول ہوئی تھی اور ظالم کافروں اور مشرکوں کے حق میں قبول نہیں ہوئی تھی اور لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ فرمادیا تھا۔ پس اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اَدَباً اپنی دُعا میں قید لگادی اور کافروں کو شامل نہیں کیا کہ کہیں مرضیِ مولا کے خلاف ہو۔ لیکن چونکہ رِزق مادّی اور رزق روحانی میں فرق ہے۔ نبوّت اور جسمانی پرورش کا سامان جدا جدا

Marfat.com

چیزیں ہیں ۔ روزی اللہ کی شان رَزَّاقِیَّت کے طفیل سب نیک و بد۔ کافر و مومن کو ملتی ہے اس لئے آگے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

"حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ رزق ہمارا انعام ہے اس لئے ثمرات سب کو دوں گا ۔ مومن کو بھی اور اُس شخص کو بھی جو کافر رہے ۔ البتہ نجات آخرت چونکہ اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے سو اسواسطے ایسے شخص کو جو کہ کافر رہے تھوڑے روز یعنی دنیوی زندگی میں تو اُس کو بھی فائدہ دوں گا لیکن پھر بعد مرگ اُس کو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچا دوں گا اور ایسی پہنچنے کی جگہ تو بہت بُری ہے ۔" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں اہل مکہ میں سے صرف ایمان والوں کے لئے رزق یعنی طرح طرح کے پھل اور میوے طلب فرمائے تھے جس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ میں رب العٰلمین ہوں ۔ سب کا رزاق ہوں ۔ اسلئے مومن کو بھی ثمرات سے رزق دوں گا اور کافر کو بھی جیتے جی رزق دوں گا لیکن پھر مرنے کے بعد کافر کو لاچار اور بے بس بنا کر کشاں کشاں عذاب نار تک پہنچایا جائے گا اور بیشک جہنم بہت بُری جگہ ہے ۔ یعنی دُنیا میں تو کوئی ٹھکانا اگر ایک طرح بُرا ہوتا ہے تو کسی دُوسری طرح اچھا بھی ہوتا ہے مگر جہنم تو کفار کے لئے ایسا ٹھکانا ہوگا کہ جو کسی اعتبار سے بھی اچھا نہیں ۔ ہر طرح سے بُرا ہی بُرا ہے ۔

یہاں آیت میں کفار کے دُنیوی زندگی میں متمتع ہونے اور فائدہ اُٹھانے کو اللہ تعالےٰ نے قَلِيلًا کے لفظ کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے یعنی تھوڑے دنوں جس سے معلوم ہوا کہ یہ دُنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں قلیل اور تھوڑی ہی ہے ۔ دائمی ۔ ابدی اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی تو آخرت ہی کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیوی زندگی کے ساتھ آخرت کی بھی صلاح و فلاح نصیب فرمائیں ۔

الغرض یہاں اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین دُعاؤں کا ذکر ہوا ۔ اور دیگر دُعاؤں کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا ۔

دُعا کیجئے :۔

حق تعالیٰ نے شہر مکہ معظمہ کو جو شرف و بزرگی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے نصیب فرمائی ۔ اللہ تعالیٰ اس مقدس شہر کی عظمت و بزرگی اور بڑھائیں اور وہاں کی برکتیں و نعمتیں اہل مکہ پر اور زیادہ فرمائیں ۔

یا اللہ اپنے اس مقدس و محترم سرزمین مکہ کی زیارت ہم سب کو زندگی میں نصیب فرما اور جن کو یہ شرف حاصل ہو چکا ہے ان کو مکرر سہ کرر بار بار وہاں کی حاضری کی دولت و نعمت عطا فرما ۔ یا اللہ اس امن والے شہر کی روزی زندگی میں ہم سب کو نصیب فرما اور وہاں کی حاضری اور برکتوں و نعمتوں سے ہم میں سے کسی کو محروم نہ فرما ۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

Marfat.com

درس ۵۸

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ

اور جب کہ اٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے کہ)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا

اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرمایئے۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں جاننے والے ہیں ۔ اے ہمارے پروردگار

وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠

اور ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپ کی مطیع ہو

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ

اور ہم کو ہمارے حج کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر توجہ رکھئے اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے

الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

مہربانی کرنے والے ۔ اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر اُن ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپکی

اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ

آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کر دیں ۔ بلاشبہ

ع ۱۵ ۸ ۱۵ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

آپ ہی ہیں غالب القدرۃ کامل الانتظام ۔

تفسیر و تشریح : ۔ گذشتہ آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعض دعاؤں کا ذکر ہوا تھا جو آپ نے سرزمین مکہ اور اہل مکہ کے لئے فرمائی تھیں جو حق تعالیٰ نے قبول فرمائیں ۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مزید بعض دعاؤں کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

"اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور ان کے ساتھ اسمٰعیل علیہ السلام بھی ۔ اور یہ کہتے جاتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار یہ خدمت ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں" یعنی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

Marfat.com

خانہ کعبہ کی دیواریں اُٹھا رہے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ پتھر اور گارا اُٹھا کر دیتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چنائی فرماتے۔ اور جیسا کہ نیک بندوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے اعمال کے غیر مقبول ہونے سے ڈرتے جاتے ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام بھی خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے ہوئے نہایت عجز و انکساری سے دُعا کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب اپنے فضل سے ہماری اس خدمت اور کوشش کو قبول فرما کیونکہ تو ہماری دعاؤں کا خوب سننے والا اور ہمارے دِل کی حالت یعنی نیت کو خوب جاننے والا ہے۔

حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام کی یہ دُعا غایت عجز اور کمال تواضع پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بڑے سے بڑا عمل کرے تو اس پر ناز نہ کرے بلکہ الحاح و زاری کے ساتھ دُعا کرے کہ میرا یہ عمل قبول ہو جائے۔ بزرگانِ دین نے لکھا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں وہی عبادت اور خدمت لائق مقبولیت ہے کہ جس کو کرنے والا دل و جان سے قابلِ قبول نہ سمجھے اور کرنے والے کی نظر اپنے عمل پر نہ ہو بلکہ اللہ کے لطف فضل و کرم پر ہو۔

مذکورہ بالا دُعا کے بعد مزید حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السّلام نے دُعا مانگی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

"اے ہمارے پروردگار ہم دونوں یہ بھی دُعا کرتے ہیں کہ ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور ہم کو ہمارے حج وغیرہ کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر مہربانی کے ساتھ توجہ رکھئے اور فی الحقیقت آپ ہی توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے ہیں"۔ یہاں اس آیت میں تین دعائیں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام نے فرمائی ہیں۔

پہلی دعا یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا مسلم اور حکم بردار بندہ بنا یعنی ہم کو ہمیشہ اپنی فرمانبرداری پر قائم رکھنا اور ہمیشہ ہم کو اپنی اطاعت گذاری کی توفیق عطا فرمانا تاکہ آپ کی مرضی کے خلاف ہم سے کبھی کوئی فعل سرزد نہ ہو۔ یہ دُعا بھی ان حضرات کی معرفت الٰہیہ اور خشیت خداوندی ہی کا نتیجہ تھی کہ اطاعت و فرمانبرداری کے بے مثل کارنامہ بجالانے کے بعد بھی یہ دعا فرماتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا لیجئے۔ تو بات یہ ہے کہ جتنی کسی کو حق تعالیٰ کی معرفت بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی اس کا یہ احساس بڑھتا جاتا ہے کہ ہم حق وفاداری اور حق فرمانبرداری کما حقہٗ ادا نہیں کر رہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات مقبولین کے طفیل میں ہمیں بھی اپنی فرمانبرداری نصیب فرمائیں۔ آمین۔

دوسری دُعا یہاں یہ فرمائی کہ اے اللہ ہماری ذرّیت میں ایک اُمّتِ مسلمہ پیدا فرما یعنی ایسی اُمّت اور ایسی قوم پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو اور نام بھی اس قوم کا مسلم اور مسلمان ہو یعنی صفت بھی اس کی اسلام یعنی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری ہو اور اسی نام یعنی اسلام سے پکاری جائے۔ یہاں اس دُعا میں جس اُمّت کا ذکر ہے وہ بنی اسمٰعیل ہی میں سے ہے جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے

Marfat.com

تیسری دعا یہ فرمائی کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے دربار کی حاضری یعنی حج وطواف وغیرہ کے احکام اور آداب بھی تبلا دیجئے تاکہ آدابِ عبودیت اور آدابِ دربار میں ہم سے کوئی تقصیر نہ ہو جائے۔ تاہم ہم انسان ہیں۔ سہو و نسیان سے مرکب ہیں۔ ہم سے اگر آدابِ دربار میں کوئی سہو اور تقصیر ہو جائے تو ہم پر توجہ و عنایت فرمانا اور ہماری تقصیر سے درگذر کرنا۔ بے شک آپ ہی بڑی توجہ اور عنایت فرمانے اور مہربانی کرنے والے ہیں۔ یہاں آیت میں اَرِنَا مَنَاسِکَنَا کے الفاظ ہیں مَنَاسِک نسک کی جمع ہے اعمالِ حج کو بھی نسک کہا جاتا ہے اور مقاماتِ حج۔ عرفات۔ منیٰ۔ مزدلفہ کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ اَرِنَا جس کے لفظی معنی ہیں "ہمیں دکھلا دیجئے" تو دیکھنا آنکھوں سے بھی ہو سکتا ہے اور قلب سے بھی چنانچہ مقاماتِ حج کو بذریعہ جبرئیل امین دکھلا کر متعین کر دیا گیا اور احکام حج کی واضح تلقین و تعلیم فرما دی گئی۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا اور نقل فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"اے ہمارے پروردگار اور یہ بھی دعا ہے کہ اس جماعت کے اندر جس کے پیدا ہونے کی دعا اپنی اولاد میں سے کر رہے ہیں اُن ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو آسمانی کتاب کے مضامین کی اور اُس میں خوش فہمی کا سلیقہ حاصل کرنے کی تعلیم دیا کریں اور ان کی اس تلاوت و تعلیم کے ذریعہ سے جہالت کے خیالات اور اعمال سے پاک کر دیں بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرۃ کہ سب درخواستیں پوری کر سکتے ہیں اور بڑی حکمت والے ہیں کہ جو کام کرتے ہیں اس میں کوئی فروگذاشت نہیں ہوتی"۔ تو یہاں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے جو دعا فرمائی اور جس اُمتِ مسلمہ کے لئے دعا کی وہ یہی اُمتِ اسلامیہ ہے اور اس اُمتِ مسلمہ میں جس پیغمبر کے مبعوث ہونے کی دعا کی وہ ذات گرامی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ اسلئے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی نسل میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایسے رسول ہوئے ہیں اور بحیثیت گرامی کے قریباً اس کے اطراف میں کوئی ایسا نہیں گذرا جس کی بدولت لوگوں نے علم و حکمت و تزکیہ حاصل کیا ہو۔ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے نزدیک اُس وقت خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ اُن کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا اور میں اپنے معاملہ کی ابتدا بتلاتا ہوں کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کے خواب کا مظہر ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جس دعا کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ فرمایا گیا ہے وہ یہی دعا تھی جس کا مذکورہ بالا آیت میں ذکر ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ قول ہے جس کو اٹھائیسویں پارہ۔ سورۃ الصف۔ آیت نمبر ۶ میں اس طرح نقل فرمایا گیا ہے:۔

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ

"اور وہ وقت بھی لائق ذکر ہے جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر آیا ہوں توراۃ کی تصدیق کرنے والا جو مجھ سے پیشتر سے ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا جو میرے بعد آنیوالے ہیں جن کا نام احمد ہوگا" اور حدیث میں جو والدہ ماجدہ کے خواب کا ذکر ہے وہ یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے حالتِ حمل میں یہ خواب دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس رسول کے مبعوث ہونے کی دعا فرمائی تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

الحاصل ان آیات میں یہود و نصاریٰ پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ ایسے عظیم الشان والا مرتبت نبی کی نبوت سے انکار کرتے ہیں اور ایسی شریف المنزلت امت میں داخل ہونا نہیں چاہتے اور ایسے عالی مرتبہ کعبہ کو قبلہ نماز اور عبادت گاہ بنانے پر اہلِ اسلام کو طعن و تشنیع کرتے ہیں اور باوجود دعویٰ اتباع ابراہیمی کے آپ کے دین فطرت اور ملت کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائے ابراہیمی کے مظہر ہیں آپ کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کا اتباع اور دین اختیار نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ کہ اگر یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معتقد ہیں اور آپ کے پیرو ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ رسالتِ محمدیہ کا اتباع اختیار کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کا سچا اور سچا امتی بنا کر زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے ملتِ ابراہیمی کی ترغیب اور تاکید اتباع کو ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام و احسان ہے کہ جو ہم کو امتِ مسلمہ میں پیدا فرمایا اور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نعمتِ عظمیٰ کا اہل بنا دیں اور اپنے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری تابعداری نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے قدیم گھر بیت اللہ کے شرف و عزت کو اور بلند فرما دیں اور ہم سب کو زندگی میں وہاں کی حاضری کا شرف و سعادت نصیب فرمائیں اور جن کو یہ شرف نصیب ہو چکا ہے ان کو پھر بار بار کی حاضری کی دولت عطا فرما دیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۵۹

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ

اور ملّتِ ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ

اور ہم نے اُن کو دُنیا میں منتخب کیا ۔ اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ

شمار کئے جاتے ہیں ۔ جب کہ اُن سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ

رب العالمین کی ۔ اور اسی کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام بھی۔

يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا

میرے بیٹو۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے سو تم بجز اسلام کے

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور کسی حالت پر جان مت دینا ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن دُعاؤں کا ذکر ہوا اس میں اجمالاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کی طرف بھی اشارہ تھا کیونکہ جس طریقہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے پسند فرمایا اُسی کی دُعاء کی۔ نیز سابقہ درس میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جس جماعت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعاء کی وہ یہی ملّتِ اسلامیہ ہے اور جن پیغمبر کے لئے دُعاء کی اُن سے مراد صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو سکتی ہے۔ تو جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کا جو اتباع اختیار نہیں کرتے اس سے ملّتِ ابراہیمی کا ترک کرنا لازم آتا ہے اِس لئے آگے اِن آیات میں اور ختم پارہ تک ملّتِ ابراہیمی جو اب ملّتِ اسلام ہے اُس کے فضائل بیان فرما کر اُس کے اتباع کی ترغیب دی جاتی ہے اور اُس کے تارک کو احمق۔ کم عقل اور نادان بتلایا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"اور ملّتِ ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو۔ اور ہم نے اُن کو یعنی ابراہیمؑ

Marfat.com

کو دنیا میں منتخب کیا اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں "۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جو کہ یہودی سے مسلمان ہوئے تھے اور اپنے دین کے بڑے عالم تھے اپنے دو بھتیجوں سے جن کا نام سلمہ اور مہاجر تھا یہ فرمایا کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ نے توراۃ میں فرمایا ہے کہ میں بنی اسمٰعیل سے ایک نبی پیدا کروں گا جن کا نام احمد ہوگا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو اُن پر ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو کفر کرے گا اس پر خدا کی پھٹکار ہوگی اور وہ ملعون ہوگا۔ یہ سن کر سلمہ نے تو اسلام قبول کر لیا لیکن مہاجر نے انکار کیا اور وہ نہ مانا۔ اس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ملتِ ابراہیمی سے صرف وہی شخص روگردانی کر سکتا ہے جس میں ذرا عقل نہ ہو اور جو دین کی سمجھ سے بالکل کورا ہو کیونکہ یہ ملت عین دینِ فطرت ہے۔ کوئی سلیم الفطرۃ انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ آگے اس کی علت بیان فرمائی کہ اس ملت کا شرف و فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی ملت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھی عزت و بزرگی عطا فرمائی اور عہدۂ رسالت کے لئے منتخب کیا اور آخرت میں بھی اُن کو اپنی مخصوص نعمتیں عطا فرمائے گا۔ تو مقصد یہ ہے کہ ایسے اولوالعزم اور ذی شان نبی کی ملت سے کون ذی عقل انکار کر سکتا ہے اور چونکہ حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتِ ابراہیمی کی تجدید کی لہٰذا جو شخص ملتِ اسلامیہ کا منکر ہے وہ ملتِ ابراہیمی کا منکر ہے۔

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ملتِ ابراہیمی کی عظمت و بزرگی بیان کرنے سے مقصود یہی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو بتایا جائے کہ جس جلیل القدر پیغمبر کو وہ اپنا پیشوا مانتے ہیں اُن کا دین و ملت یہی تو تھا جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ اگر وہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کر لیں اور دین اسلام کو قبول کر لیں۔

اس کے بعد آگے ملتِ ابراہیمی کا بنیادی اصول بتلایا گیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"یعنی جب فرمایا ابراہیم علیہ السلام سے اُن کے رب نے کہ اطاعت اختیار کرو تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی"۔ تو یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ ملتِ ابراہیمی کا بنیادی اصول اور پوری حقیقت ایک لفظ اسلام میں مضمر ہے جس کے معنیٰ ہیں اطاعتِ حق اور یہی روح و خلاصہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب و مسلک کا اور اسلام یعنی اطاعتِ حق ہی وہ چیز ہے جس کے لئے یہ ساری کائنات پیدا کی گئی اور جس کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور آسمانی صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام ہی تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک دین اور دین توحید ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر آنے والے رسول اور نبی نے اسی کی دعوت دی اور اسی پر اپنی اُمت کو چلایا۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک زندہ رہے اسی ملّتِ اسلام پر قائم رہے اور جب اس دُنیا سے انتقال کا وقت آیا تو اپنے سب بیٹوں کو اسی ملّتِ اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی جیسا کہ اگلی آیت میں بتلایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَ وَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ط

اور اسی ملّتِ موصوفہ پر قائم رہنے کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو جن میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰق بھی تھے اور پھر اسی طرح حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا :۔ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو کہا کہ اے میرے بیٹو! بتحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ دین اسلام پسند کیا ہے۔ اِس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں پس تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اسلام پر پختہ اور قائم رہو یعنی بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت یہودیت یا نصرانیت کی وصیت نہیں کی بلکہ حالتِ اسلام پر قائم رہنے اور اسی پر مرنے کی وصیت کی۔

الغرض یہاں یہود و نصاریٰ کو بتلایا گیا کہ جن بزرگوں کو تم مانتے ہو اور جن کے دین پر تم چلنے کا دعویٰ کرتے ہو وہ تو اپنی اولاد کو اپنے اسی دین کی پیروی کا حکم دے گئے جس پر وہ خود کاربند تھے یعنی دین توحید اور ملّتِ اسلام اس لئے اگر تم انہیں پیشوا مانتے ہو تو ان کے اصل دین کا اتباع کرو۔ اور وہ اصل دین اب وہی ہے جس کی طرف نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ذریعے دعوت دے رہے ہیں۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ انتقال کے وقت اپنے لڑکوں یا چھوٹوں کو جو بات نہایت اہم اور ضروری ہو اس کی نصیحت و وصیت کرنا پیغمبروں کی سنت ہے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سب سے اہم چیز دین ہے جبھی تو ان انبیاء کرام نے اپنی اولاد کو دین پر قائم رہنے اور اُسی پر جان دینے کی وصیت کی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی دین اسلام پر قائم رکھے اور اسی پر مرنا نصیب فرمائے۔ آمین

اب آگے یہود کا مزید رد فرمایا گیا ہے کہ جو یہی کہتے تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تو مرتے وقت یہودیت کی وصیت کر گئے تھے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئیگا درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے :۔

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو دین اسلام عطا فرمایا۔ حق تعالیٰ اتمامِ نعمت ہم کو اسی دین پر قائم رکھیں اور اسی پر مرنا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! ہم کو اسلام کی سچی محبت عطا فرما۔ اسلامی قوانین کی ہم کو پیروی نصیب فرما۔ اسلامی شریعت کا ہم کو ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرما۔ اے اللہ! یہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا ہے یہاں اسلام کے حقیقی معنیٰ میں پھلنے پھولنے کا غیب سے سامان فرما اور اس ملک کو اسلام کی عزت و شوکت بلند کرنے کی سعادت عطا فرما۔ آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۶۰

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ

کیا تم خود موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا جس وقت اُنہوں نے اپنے

لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ

بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے بعد کس کی پرستش کرو گے اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ

وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ

اور آپ کے بزرگ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہٗ

وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا

لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر رہیں گے ۔ یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی اُن کے کام اُن کا

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

کیا ہوا آوے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا ۔ اور تم سے اُن کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی ۔

تفسیر و تشریح : گذشتہ آیت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک زندہ رہے دین توحید اور ملت اسلام پر قائم رہے اور جب وصال کا وقت آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے اسی ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی ۔ پھر اسی طرح اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے جن کا لقب اسرائیل تھا اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو جمع کر کے اُن سے کہا کہ میرے بیٹو ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ دین اسلام پسند فرمایا ہے ۔ اس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اس لئے تم اس ملت اسلام ہی پر پختہ اور قائم رہنا اور اسی ملت پر جان دینا ۔ یہود اس قرآنی خبر کے خلاف دعویٰ کرتے تھے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت یہودیت کی وصیت کی تھی ۔ چنانچہ جب گذشتہ آیت کا علم یہود مدینہ کو ہوا تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو اپنی وفات کے وقت اپنی ساری اولاد کو بُلا کر کہا تھا کہ تم اپنے مذہب یہودیت کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ہمیشہ یہودی رہنا ۔ پھر ہم آپ کے کہنے میں آ کر اُن کی وصیت کی کس طرح مخالفت کر سکتے ہیں اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں اور یہود کے قول کی تردید فرمائی گئی اور یہود کو خطاب کر کے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ

Marfat.com

مِنْ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

"کیا تم خود اس وقت موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا اور جس وقت اُنہوں نے اپنے بیٹوں سے پُوچھا کہ تم لوگ میرے مرنے کے بعد کس کی پرستش کرو گے ۔ اُنہوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم اس ذاتِ پاک کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ حضرت ابراہیم ۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہم السلام پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے اور ہم احکام میں اسی کی اطاعت پر قائم رہیں گے ۔"

یعنی یہود مدینہ نے جو یہ دعوای کیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی تو اُس کی تردید میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہود کو خطاب کر کے ارشاد ہوا کہ تم کو کیا معلوم کہ یعقوب علیہ السلام نے مرتے وقت اپنی اولاد کو کیا وصیت کی تھی ؛ کیا تم اُن کی وفات کے وقت وہاں موجود تھے ؛ مراد یہ ہے کہ تم لوگ نہ اُس زمانہ میں موجود تھے نہ کوئی طریقہ صحیح علم کا تمہارے پاس ہے ۔ نہ توراۃ میں اس کا بیان ہے ۔ پھر تم کو یہ کہاں سے خبر ہوئی کہ یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی ۔ پھر حق تعالیٰ خود ہی حقیقت حال کا اظہار فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ بات یہ تھی کہ یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں سے پُوچھا کہ تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے ؛ تو بیٹوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم اُس ذات پاک کی پرستش کریں گے جو وحدہٗ لاشریک ہے اور جس کی بندگی حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق علیہم السلام کرتے آئے ہیں اور ہم اُسی ایک خدا کی اطاعت پر قائم رہیں گے ۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو وصیت کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی اور یہ سوال و جواب کا سلسلہ اس لئے قائم کیا کہ اس زمانہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں وارد تھے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی تھی مصر کے بادشاہ کے علاوہ عام مصری یعنی قبطی کافر تھے اور بت و ستارے ۔ بیل و بچھڑا وغیرہ کو پوجتے تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی اپنی اولاد کی طرف سے خطرہ ہوا کہ کہیں مصریوں کی صحبت بد کی وجہ سے یہ بھی غیر اللہ کی پرستش نہ کرنے لگیں ۔ بیٹوں نے اسی خطرہ کو سمجھ کر اطمینان دلایا کہ ہم اس دین حق پر قائم رہیں گے جس پر کہ ہمارے باپ دادا قائم رہے ۔

غرض یہ کہ یہود کا یہ دعوٰی کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی محض افترا ہے نہ اُس کی کوئی سند ہے نہ خود ان یہود کا مشاہدہ ۔ آگے انہی یہود کو مزید خطاب ہے اور ارشاد ہوتا ہے :-

Marfat.com

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

"یہ ان بزرگوں کی ایک جماعت تھی جو اپنے زمانہ میں گذر چکی۔ اُن کے کام اُن کا کیا ہوا آویگا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے اُن کے کئے ہوئے کی پُوچھ بھی تو نہ ہوگی۔"

یعنی اے یہود اگرچہ تم اُن بزرگوں کی اولاد ہو اور تم اس نسبت پر فخر و ناز کرتے ہو لیکن وہ خدا کے برگزیدہ بندوں کی ایک جماعت تھی جو گذر گئی اور دُنیا سے رخصت ہوتے وقت دینِ حق پر قائم رہنے کی وصیت کر گذری۔ اس جماعت کے لئے وہ اعمال کام آئیں گے جو اُس نے کئے اور تمہارے لئے تمہارے اعمال کام آئیں گے۔ تم کو ان سے کیا علاقہ ہے؛ بدون اتباع کے محض بزرگوں کا انتساب تم کو آخرت میں کوئی نفع نہیں دے گا۔ تم کو کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا ہو کر اُن کی نیکیوں سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا اور نہ وہ تمہاری بدکاریوں کے ذمہ دار ہوں گے۔ تم سے آخرت میں ان کے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا۔ ہر شخص سے اپنے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔

یہاں ایک تحقیق یہ بھی سمجھ لیجئے کہ خاندانی بزرگی یا مقبولین کا نافع نہ ہونا اس شخص کے لئے ہے کہ جو عقائد قطعیہ میں اپنے بزرگوں اور اپنے مقبولین کا مخالف ہو گو طبعاً اُن سے تعلق یا محبت بھی رکھتا ہو۔ یہود و نصاریٰ کا یہی حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جو عقائد قطعیہ سے ہے اور سب انبیاء اُس کے مصدق تھے یہ لوگ اسی میں مخالف تھے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں مبتلا ہو کر حضرت عیسیٰؑ یا حضرت موسیٰؑ یا دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے عقیدہ سے مخالفت رکھتے ہوئے اس آیت قرآنی اور فیصلہ کے مطابق ان یہود و نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ یا دیگر انبیاء علیہم السلام کی بزرگی سے کوئی نفع نہ پہنچے گا اور یہ انبیاء اُن کی قیامت میں شفاعت کریں گے۔ قرآن کریم کی دوسری آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ مومنین کے لئے مقبولین سے تعلق و محبت نافع ہوگا۔ اسی طرح قیامت میں صالحین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی حق ہے اور ایسے شخص کو جو عقاید میں موافق اور متبع ہو گو کسی امر جزئی میں عاصی بھی ہو اس تعلق سے فائدہ ہوگا خواہ شفاعت سے یا محبت سے یہ تعلق نسب وغیرہ مومنین کو ایمان و اسلام کی بدولت قیامت میں نفع مند ہوگا نہ کہ کفار کو۔ اس آیت میں جو قرآنی قانون بیان کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ کفر و شرک کے ساتھ نہ کوئی خاندانی بزرگی قیامت کے دن کام آئے گی نہ انبیاء کے نسل سے ہونا کوئی نفع دے گا۔ اور نہ محض اس تعلق سے نجاتِ آخرت حاصل ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں نہایت لطیف پیرایہ میں اسلام کے دین حق ہونے اور رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرار اور اسی میں نجاتِ آخرت ہونے کی تبلیغ یہود و نصاریٰ کو کی جا رہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو اور ہماری نسلوں کو ایمان و اسلام پر قائم رکھیں۔ آمین۔

الغرض قرآن کریم نے اہل کتاب کے تمام جھوٹے عقیدوں کی تردید کر دی اور اُن کی دلیلوں کو غلط ثابت کر کے روشن اور واضح دلائل کے ساتھ ملتِ ابراہیمی - دین حق اور دعوتِ اسلام کو قبول کرنے کی فہمائش کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرما رہے تھے مگر یہود و نصاریٰ نے حسد - بغض و عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا اور الٹا اہلِ اسلام کو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دیتے اور مسلمانوں سے کہتے کہ ہمارا دین قبول کر لو - تمہیں ہدایت حاصل ہو جائے گی - چنانچہ اگلی آیات میں اسی کا ذکر فرما کر یہودیت و نصرانیت کی دعوت کو رد کر دینے کی تلقین و تعلیم اہل اسلام کو دی گئی جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا -

دُعا کیجئے :-

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ یہودیت و نصرانیت اور کفر و شرک کی گمراہیوں سے بچا کر ہم کو اسلام اور ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا، اور رسول اللہ اشرف الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونا نصیب فرمایا - یا اللہ! ہم کو اسی دین حق اور دین اسلام پر تا زیست قائم رکھیئے اور اسی پر موت نصیب فرمایئے -

یا اللہ! ہماری آئندہ نسلوں کو بھی ایمان و اسلام کی دولت عطا فرما اور ہر طرح کی گمراہی اور کجی سے اُن کو بچا -

یا اللہ! ایمان و اسلام کی برکت سے میدانِ حشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہم کو نصیب فرما - اور آپ کی شفاعت و سفارش سے اپنی جنت میں ہم کو داخلہ نصیب فرما -

یا اللہ! اس دنیا میں اپنے محبوبین اور مقبولین کی محبت اور اُن سے تعلق ہم کو نصیب فرما اور اس تعلق کو آخرت میں ہمارے لئے نافع و سود مند بنا -

یا اللہ! یہودیت و نصرانیت کا جو فتنہ دنیا میں پھیلتا جا رہا ہے اس فتنۂ عظیمہ سے ہماری اور ہماری نسلوں اور تمام اہلِ اسلام کی حفاظت فرما اور ہم کو صراطِ مستقیم پر دائماً قائم رکھنا اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرما - آمین -

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

---

Marfat.com

درس ۶۱

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تم بھی راہ پر پڑ جاؤ گے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملتِ ابراہیم پر رہیں گے

حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ

جو میں کجی کا نام نہیں ۔ اور ابراہیم علیہ السلام مشرک بھی نہ تھے ۔ کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر

اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ

جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق اور

يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ

حضرت یعقوب علیہم السلام اور اولاد یعقوب کی طرف بھیجا گیا اور اس پر بھی جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء

مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

علیہم السلام کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں ملتِ اسلام کا حق ہونا اور یہودیت و نصرانیت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کے بعد موجبِ نجات آخرت نہ ہونا ذکر فرمایا گیا اور واضح و روشن دلائل کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو دینِ حق قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی ۔ تو چاہیئے تو یہود و نصاریٰ کو یہ تھا کہ قرآنِ کریم کی سچی اور سیدھی تعلیم کو قبول کر لیتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر آپ کا اتباع کر لیتے لیکن اس کے بجائے انہوں نے عناد و ہٹ دھرمی سے کام لیا اور الٹا مسلمانوں کو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دینے اور مسلمانوں سے کہنے کہ ہمارا دین قبول کر لو تو تمہیں ہدایت حاصل ہو جائے گی ۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ان باطل مذاہب کی دعوت دینے والوں کو جواب دینے کی تلقین فرمائی، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

"اور یہ یہودی اور نصرانی مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ (یہ تو یہود نے کہا تھا) یا نصرانی ہو جاؤ (یہ نصاریٰ نے کہا تھا) تو تم بھی راہِ حق پر پڑ جاؤ گے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ ہم تو یہودی نصرانی کبھی نہ ہوں گے بلکہ ملتِ ابراہیم یعنی اسلام پر رہیں گے جس میں کجی کا نام نہیں ۔ بخلاف یہودیت و نصرانیت کے جس میں علاوہ محرف ہونے کے اس کے منسوخ ہو چکنے کے سبب اب اس میں کجی آگئی اور ابراہیم علیہ السلام

Marfat.com

مشرک بھی نہ تھے"۔ تو یہاں اس آیت میں یہود و نصاریٰ کی دعوت کے جواب میں مسلمانوں کو دو جواب تعلیم فرمائے گئے۔ ایک جواب تو یہ کہ یہود و نصاریٰ سے صاف کہہ دیا جائے کہ ہم ہرگز کبھی بھی یہودی یا نصرانی نہ بنیں گے بلکہ ہم ملتِ ابراہیمی یعنی خالص توحید پر قائم رہتے ہوئے اسلام دینِ حق کے متبع رہیں گے اور دوسرا جواب یہ تعلیم فرمایا گیا کہ ان سے کہہ دیا جائے کہ تمہارے دین میں شرک کی آمیزش ہوگئی ہے اور یہودیت و نصرانیت علاوہ منسوخ ہونے کے شرک کی گندگی سے آلودہ ہے مثلاً یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں (نعوذ باللہ) اس لئے یہودیت و نصرانیت قابلِ اختیار کے نہیں رہی کیونکہ شرک کو ہر نبی نے گمراہی بتلایا اور اس سے بچنے کی ہدایت کی ہے اور ملتِ ابراہیمی ان تمام آلودگیوں سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ وہ تو سب سے کٹ کر صرف حق سے جڑی ہوئی ہے جس کو اسلام کے مرادف کہنا چاہیئے۔ اسی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتِ ابراہیمی کا متبع کہا گیا۔

الغرض یہاں مسلمانوں کو اجمالاً مگر صاف اور دو ٹوک جواب تعلیم فرمایا گیا کہ اہلِ کتاب جب اپنے باطل مذہب کی طرف دعوت دیں تو کہہ دو کہ ہم یہودیت اور نصرانیت کے نہیں بلکہ ملتِ ابراہیمی کے متبع ہیں۔ آگے تفصیلی جواب تعلیم اور تلقین فرمایا گیا کہ اہلِ اسلام اس طور پر اپنا ایمان ظاہر کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

"مسلمانو! یہود و نصاریٰ کے جواب میں جو تم نے اجمالاً کہا ہے کہ ہم ملتِ ابراہیم پر رہیں گے تو اس ملت کی تفصیل بیان کرنے کے لئے کہہ دو کہ اس ملت پر رہنے کا حاصل یہ ہے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس حکم پر جو ہمارے پاس بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا گیا اور اس حکم پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام اور اولادِ یعقوب میں جو نبی گذرے ہیں ان کی طرف بواسطہ وحی کے بھیجا گیا اور اس حکم (و معجزہ) پر بھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے۔ سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی اس کیفیت سے کہ ہم ان حضرات میں سے کسی ایک میں بھی دوسرے سے ایمان لانے میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان رکھیں اور کسی پر ایمان نہ رکھیں اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں"۔

گویا اس آیت میں ملتِ ابراہیمی کی تفصیل بیان کی گئی اور اہلِ اسلام کو یہ تعلیم دی گئی کہ تم یہود و نصاریٰ سے یہ کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں یعنی ہم نے اللہ کو وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ مان لیا ہے۔ وہی ساری مخلوق کا خالق و رازق ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک اور ساجھی ہے۔ نہ اس کے کوئی اولاد اور بیٹا ہے۔ وہی نفع اور نقصان کا مالک ہے۔ وہی حساب کتاب لینے والا ہے۔

اور وہی جزا وسزا کا دینے والا ہے۔ ہم نے دل سے قرآن پاک اور ان تمام احکام کو جو بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے سچا مان لیا اور ہمارا اُن صحیفوں پر بھی یقین ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کئے گئے اور اس پر بھی جو حضرت اسمٰعیل۔ حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب اور انبیاء اولاد یعقوب علیہم السلام پر نازل کیا گیا۔ یعنی جو کچھ ان انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہمارا سب پر ایمان ویقین ہے۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو جو توراۃ وانجیل عطا کی گئی تھی ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کتابیں آسمانی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو مخلوق کی ہدایت کے لئے اُتارا تھا اور یہ سب پیغمبر برحق تھے اور صرف انہی کو نہیں بلکہ اللہ کے تمام پیغمبروں کو ہم برحق جانتے ہیں اور جو کچھ اُن کو دیا گیا اس کو بھی برحق مانتے ہیں خواہ اُن کے نام اور حال ہمیں معلوم ہوں یا نہ ہوں لیکن ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے پیغمبر معصوم اور مبلغین توحید تھے اور ہم کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کی تکذیب نہیں کرتے۔ سب اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے اور اُن کی شریعت اُس زمانہ میں واجب العمل تھی اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار ہیں یعنی ہمارا مقصود حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت گذاری اور خالص فرمانبرداری ہے۔ اس نے جس زمانہ میں جس کو چاہا پیغمبر بنا کر بھیجا اور جیسا چاہا حکم دیا پس اخیر میں ہم کو دین محمدی عطا فرمایا تو ہم نے اس کو دل وجان سے اختیار کر لیا۔ پس یہ حاصل ہے اس ملت کا جس پر ہم قائم ہیں اور جس میں کسی کو انکار اور سرتابی کی گنجائش نہیں۔ گویا حاصل مضمون آیت کا یہ ہوا کہ دیکھو ہمارا دین کیسا انصاف وحق کا ہے کہ ہم سب انبیاء کو مانتے ہیں سب کی کتابوں کو سچا منزل من اللہ مانتے ہیں اور سب کے معجزات کو برحق جانتے ہیں۔ کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے۔ دنیا میں جتنے بھی رسول۔ نبی۔ پیغمبر آئے ہیں خواہ کسی زمانہ میں کسی ملک اور کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں ہم سب کی یکساں طور پر تصدیق کرتے ہیں بخلاف یہودیت ونصرانیت کے کہ اس میں کسی کی تصدیق ہے کسی کی تکذیب مثلاً یہود حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے اور نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔ تو اے اہل کتاب تم محض عناد اور حسد میں مبتلا ہو کر بعض رسولوں کی پیروی کرتے ہو اور بعض کو جھٹلاتے ہو اور رسالت کو نسل وقوم کے ساتھ مخصوص کرتے ہو۔ یہ حق وانصاف کے خلاف بات ہے۔

الغرض یہاں نہ صرف یہودیت ونصرانیت کا حق پر نہ ہونا بتلایا گیا بلکہ دین اسلام کا حق ہونا اور اس کے قبول کرنے کی یہود ونصاریٰ کو نہایت واضح دلائل کے ساتھ دعوت دی گئی۔ اب آگے فریق مخالف کے قبول حق کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں ہر دو صورت کا انجام ونتیجہ بتلایا گیا ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔ حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ایمان واسلام سے نوازا اور یہودیت ونصرانیت کی گمراہیوں سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اسلام پر استقامت بخشیں اور اسلام کی حقیقت نصیب فرمائیں اور اپنی اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری فرمانبرداری کے ساتھ ہم کو زندہ رکھیں اور اسی پر موت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

درس ۶۲

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا

سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آئیں جس طریق سے تم ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ پر لگ جائیں گے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں

فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ

تو وہ لوگ تو برسر مخالفت ہیں ہی۔ تو آپ کی طرف سے اُن سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں

الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ

جانتے ہیں ۔ ہم اس حالت پر رہیں گے جسمیں اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہم اُسی کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں ملتِ ابراہیمی کی فضیلت ظاہر کر کے بتلایا گیا تھا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے بعد ملتِ ابراہیمی کا اتباع دین اسلام اور اطاعت حق میں ہے۔ قرآنِ کریم نے دلائل کے ساتھ بتلایا کہ وہ دین حق جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام قائم تھے اور جس پر اُن کی اولاد قائم رہی اور جس پر تمام انبیاء علیہم السلام قائم تھے وہ یہی دین اسلام تھا۔ اس لئے یہودیت و نصرانیت کے باطل عقیدوں کی تردید فرما کر یہود و نصاریٰ کو دعوت دی گئی کہ وہ دین حق جس کو قرآن کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں اور جس میں حق کا منحصر ہونا ثابت ہو چکا ہے وہ اس کو قبول کر لیں تو ہدایت حاصل کریں گے اور کامیاب ہو جائیں گے اس لئے ان آیات میں پہلے ارشاد ہوتا ہے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا پس اگر وہ یہود و نصاریٰ بھی اُسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے تم اہلِ اسلام ایمان لائے ہو تو وہ بھی راہِ حق پر لگ جائیں گے۔

یہاں آیت میں بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ یعنی جس طرح تم ایمان لائے کے مخاطب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں یعنی حضرات صحابہ کرام کے ایمان کو ایک مثالی نمونہ قرار دے کر بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور معتبر صرف اس طرح کا ایمان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے اختیار فرمایا۔ اس تصریح سے یہ واضح ہو گیا کہ جو ایمان و اعتقاد اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات۔ فرشتے۔ انبیاء آسمانی کتب۔ یوم قیامت۔ آخرت۔ جنت جہنم وغیرہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا اور آپ کے صحابہ کرام نے اختیار فرمایا بس وہی ایمان و اعتقاد اللہ کے نزدیک مقبول ہے۔ اس کے خلاف اللہ کے

Marfat.com

نزدیک نامقبول اور مردود ہے۔ اِس تصریح سے اُن تمام باطل فرقوں کا دعوئے ایمان کا رد ہوگیا جو ایمان سے بے بہرہ ہونے کے باوجود دعوئے ایمان کرتے تھے۔ مشرکین عرب میں سے تو بعض نے فرشتوں کے وجود ہی کا انکار کیا اور بعض نے ان کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔ ان دونوں گروہوں کی بھی تردید۔ بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ سے ہوگئی۔ یہود و نصاریٰ کے بعض گروہوں نے اپنے پیغمبروں کی مخالفت اور نافرمانی کی یہاں تک کہ بعض کو قتل بھی کر دیا اور بعض گروہوں نے اُن کی عزت و عظمت کو اتنا بڑھایا کہ خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا مثیل و شریک بنا دیا اس قسم کی افراط و تفریط ضلالت و گمراہی قرار دی گئی اور ان کا ایمان مردود قرار دیا گیا۔

اس میں ان مدعیانِ اسلام کے لئے بھی سبق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جزءِ خود عظمت و عزت میں افراط و تفریط میں گرفتار ہیں کسی نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور خدا تعالیٰ کی طرح ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر کہا اور آپ کو مسند کن فیکون پر بٹھا کر خدائی اختیارات سونپے۔ آپؐ کی بشریت سے انکار کیا۔ آپ کو خزائنِ الٰہی کا مالک و مختار اور متصرف فی الاکوان بتلایا، اور بعض کور بختوں نے تو آپ کو بعینہٖ خدا بنا دیا اور یہاں تک کہہ گذرے کہ ؎

وہی جو مستوئ عرش تھا خدا ہو کر اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

اور پھر غضب یہ کہ ان اختراعیات کو جو سراسر تعلیماتِ اسلام کے مزاحم اور مناقض ہیں اس کو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب کا ذریعہ اور محبت نبویؐ کا مدار سمجھتے ہیں اور اعترافِ عظمت اور انتہائے عقیدت جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ معصیت و بغاوت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری اور آپؐ کے دامنِ رحمت سے دُوری کا سبب ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے "نائبِ مطلق" ہیں۔ تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا۔ جو چاہیں کریں۔ جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لے لیں۔ تمام جہان میں اُن کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں۔ تمام جہان اُن کا محکوم ہے۔ ... تمام آدمیوں کے مالک ہیں۔ ... تمام زمین اُن کی مِلک ہے۔ تمام زمین اُن کی جاگیر ہے۔ ملکوت السمٰوٰت والارض حضور کے زیرِ فرمان۔ جنت و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دے دی گئیں۔ رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں۔ دُنیا و آخرت حضور کے عطا کا ایک حصّہ ہے۔ احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دیئے گئے ہیں کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف کر دیں"۔

اب غور کیجئے کہ کیا ان عقائد کی تصدیق و تائید قرآن و حدیث سے ہوتی ہے بلکہ ایسی ہی گمراہیوں کے سدِّباب کے لئے اور شانِ رسالتؐ میں مبالغہ آمیزی کی ممانعت میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا :۔

۱ :۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو جتنی نصاریٰ نے ابنِ مریم کی شان میں کیں۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اسکا رسول ہوں۔ لہٰذا مجھ کو عبداللہ اور رسول اللہ کہا کرو (متفق علیہ)۔ (ترجمان السنہ)

۲ :۔ ایک دوسرے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (ترجمہ) تم مجھ کو میرے اصلی مرتبہ سے مت بڑھاؤ۔ حق تعالیٰ نے مجھے رسول قرار دینے سے پہلے اپنا بندہ بنایا ہے۔ (کنز العمال جلد ۲) (رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک)

۳ :۔ ایک دفعہ بعض بچیوں نے آپ کی شان میں یہ کلمات کہہ دیئے :۔

"وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ"۔ (اور ہم میں ایک ایسے نبی ہیں جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) تو نورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

"دَعِی هٰذَا وَقُوْلِی مَا کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ لَا یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ اِلَّا اللّٰہ" (رواہ ابن ماجہ)

(اسکو چھوڑ دو۔ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ آئندہ کی باتوں کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں)

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ مبارک کے متعلق کبھی ایسے الفاظ بھی پسند نہیں فرمائے جن میں افراط کا شائبہ بھی ہو بلکہ اسکے متعلق آپ نے پوری پوری روک تھام فرمائی صرف اس لئے کہ کہیں آئندہ یہ گمراہی کا باعث نہ ہو جائے اور میری اُمت میرے متعلق وہی خیالات نہ قائم کرلے۔ جو مجھ سے پہلے ہادیانِ حق کے ساتھ کئے گئے۔ پس ناآشنایانِ حقیقت کی یہ کتنی بڑی گمراہی ہے کہ وہ خاصان خدا (انبیاء علیہم السلام یا اولیائے کرام) کے بارہ میں ہر قسم کی افراط کو محمود اور موجب تقرب سمجھتے ہیں اور اگر کوئی حق پرست اُس کے خلاف ان کے غالیانہ عقائد کا رد کرتے ہوئے اُن مقدسین کے حقیقی منصب کو بیان کرے تو اس کو انبیاء و اولیاء کی توہین و تنقیص کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم جا بجا انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و توقیر کی بھی تعلیم دیتا ہے اور ساتھ ہی وہ اُن کا حقیقی منصب بھی بیان کرتا ہے اور گمراہ اُمتوں نے اُن کے بارہ میں غلو کر کے جو ٹھوکریں کھائی ہیں وہ ان کا بدانجام بھی بتلاتا ہے۔

اب ایک طرف بعض جہاں افراط و غلو میں گمراہی میں مبتلا ہوئے تو دوسری طرف بعض نے یہود کی روش اختیار کی اور تفریط میں مبتلا ہوئے چنانچہ بہائی۔ بابی اور قادیانی اور منکرین حدیث نے شانِ رسالت میں کوتاہی اور گستاخی کی اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کر کے جھوٹی نبوتیں کھڑی کر دیں اور آپ کے بعد نبوت کا دروازہ کھول دیا۔ اسی طرح منکرین حدیث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور وجوبِ اطاعت کا انکار کیا اور آپ کے اسوۂ حسنہ۔ آپ کی سنت اور حدیث کے دین میں حجت ہونے کے اجماعی عقیدہ کو رد کر دیا اور معاذ اللہ آپؐ کو اپنے جیسا خطاکار

اور معمولی انسان تبلایا۔ اِس طرح یہ لوگ تفریط کے رستہ گمراہی میں پڑے۔

اللہ تعالیٰ بے شمار رحمتیں نازل فرمائے ہمارے اسلاف پر کہ اُنہوں نے امت مسلمہ کو اس فتنۂ افراط و تفریط سے بچانے کے لئے جدوجہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اس افراط و تفریط میں جو تاویلیں ایسے غلط عقاید رکھنے والوں کی طرف سے کی گئیں بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ کے خلاف ہونے سے سب مردود اور باطل ٹھہریں۔ یہ مضمون درمیان میں ضمناً آگیا مگر ضروری سمجھ کر شامل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت کے مطابق صحیح عقاید نصیب فرمائیں۔ آمین۔

الغرض اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہی ایمان و اعتقاد مطلوب اور مقبول ہے جس طرح کا ایمان و اعتقاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے اختیار فرمایا۔ اسی بات کو یہاں آیت میں فرمایا گیا کہ اگر یہود و نصاریٰ بھی اُسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے اے اہلِ اسلام تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی راہِ حق پر لگ جائیں گے اور ہدایت یافتہ ہو جاویں گے اور اگر وہ ایسے اسلام اور ایمان سے روگرداں ہی رہے اور انکار و تکذیب ہی کرتے رہے تو اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

"اور اگر وہ یعنی یہود و نصاریٰ اس سے رُوگردانی کریں تو تم اُن کی روگردانی سے کچھ تعجب نہ کرو، کیونکہ وہ لوگ تو ہمیشہ سے برسرِ مخالفت ہیں ہی اور اگر اُن کی مخالفت سے کچھ اندیشہ ہو تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی طرف سے عنقریب ہی اُن سے اللہ تعالیٰ نمٹ لیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری اور اُن کی باتیں سنتے ہیں اور تمہارے اور اُن کے برتاوے جانتے ہیں اس لئے تمہارے فکر و غم کی کوئی ضرورت نہیں"۔ یہاں فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ فرما کر نہ صرف یہ واضح فرما دیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے مخالفین کی زیادہ فکر نہ کریں خود اللہ تعالیٰ اُن سے نبٹ لیں گے بلکہ ایک فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا اور مخالفین کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی بھی فرما دی۔ چنانچہ خدا کے فضل سے تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ وعدہ پورا کر دیا گیا اور یہود و نصاریٰ اور کفارِ عرب کو مغلوب کر دیا گیا۔ ہجرت کے تیسرے سال فرقہ یہود بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور ملک شام کی جانب نکال دیا گیا اور ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ اَحزاب سے فراغت پا کر یہود بنی قُریظہ پر جہاد کا حکم ہوا اور اس قبیلہ کے تمام یہود سوائے عورتوں اور بچوں کے مارے گئے اور ان کا مال ضبط کیا گیا۔ اور پھر نجران کے عیسائی بھی مطیع ہو گئے۔ تو جہاں تک اس وعدہ کا تعلق حضور اقدس کی ذاتِ گرامی سے تھا وہ آپ کے زمانۂ حیات ہی میں پورا ہو گیا۔

یہاں یہود و نصاریٰ کے لئے جو لفظ شِقَاق استعمال کیا گیا تو معلوم ہوا کہ شقاق یعنی ضد ایسی بُری چیز اور بُری خصلت ہے کہ اس کی بدولت انسان ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ احادیث میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں منقول ہیں اور جہاں اور بہت سی چیزوں سے آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے وہیں شقاق

Marfat.com

یعنی ضد اضدی سے بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے اس لئے ہمیں بھی جب کسی معاملہ میں حق ظاہر ہو جائے تو پھر ضد یعنی شقاق سے ہرگز کام نہ لینا چاہیئے۔ یہ کفار کی خصلت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بُری عادت سے ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں۔ آمین۔

اب آگے اسلام اور دین حق کی ایک دوسری حقیقت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے :۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝

"ہم اس حالت پر رہیں گے جس میں اللہ تعالےٰ نے رنگ دیا ہے۔ اور کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور ہم اسی کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں" یعنی اے مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ سے کہہ دو کہ ہم نے اللہ کا رنگ قبول کر لیا ہے یعنی اس مقدس دین اسلام کے رنگ میں رنگے گئے ہیں اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو گا؟ اور ہم اسی کی بندگی و عبادت اختیار کئے ہوئے ہیں یہاں اس آیت میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہو گیا۔ اوّل تو نصاریٰ کے ایک رسم کی تردید ہو گئی۔ نصاریٰ میں قدیم دستور تھا اور اب بھی ہے کہ جب وہ کسی کو عیسائی بناتے ہیں یا اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس پر رنگین پانی چھڑکتے ہیں یا رنگ دار پانی میں بٹھاتے ہیں جس کو اب بھی عیسائیوں میں ہاں بپتسمہ کی رسم کہا جاتا ہے اور عیسائی اس فعل کو نجات اور حصولِ سعادت کا ذریعہ جانتے ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک عیسائیت کا رنگ ظاہری رنگین پانی سے چڑھتا ہے۔ اس آیت میں ان کے عقیدہ اور خیالات کی تردید فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ اس ظاہری رنگ سے کیا دل رنگین ہو سکتا ہے۔ یہ پانی کا رنگ تو دھل کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا بعد میں کوئی اثر نہیں رہتا۔ اصل رنگ تو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ہے جس کو اَللّٰہ کا رنگ کہنا چاہیئے اور جو انسان کے دل اور رُوح کو رنگین کر دیتا ہے اور جو باطنی پاکی کی ضمانت بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے اور اللہ کے اس پاک رنگ سے بہتر اور کون سا رنگ ہو سکتا ہے اور یہ رنگ حقیقی ہے کہ جو نجات و سعادت کا کفیل ہو سکتا ہے نہ کہ ظاہری رنگین پانی میں غوطہ دینے سے نجات ہو سکتی ہے۔

دوسری بات جس کی طرف آیت میں دین و ایمان کو رنگ فرما کر اشارہ ہو گیا یہ ہے کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے مومن کے دین و ایمان کی علامت اس کے چہرہ بشرہ۔ لباس۔ طرز طریق اور تمام حرکات و سکنات اور معاملات و عادات سے بھی ظاہر ہونا چاہیئے کیونکہ مسلمانوں کا باطن دین و ایمان کے فطری رنگ سے رنگین ہوتا ہے جس کے باعث اطاعت اور توحید کا اثر مسلمان کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ حقیقی مسلمان کے متعلق کہا جا رہا ہے نہ کہ صرف نام کے اور مردم شماری کے مسلمانوں کے متعلق۔

رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کا نام بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں پہنچا دیا کرو۔ چنانچہ پیدا ہوتے ہی نہلا دُھلا کر بچہ کے داہنے کان میں آذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جاتی ہے یعنی اس بچہ کو دُنیا میں آتے ہی دینِ فطرت کی طرف بلا دا ہے۔

اخیر میں نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ فرما کر کہ ہم اسی کی بندگی و غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں مسلمان کی ایک صفت

Marfat.com

یہ ظاہر فرمائی گئی کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنے والا ہوتا ہے۔ اور عبادت کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے حکم کی تابعداری کا نام عبادت ہے۔ خواہ وہ عبادت نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ ہو۔ یا حقوق العباد ہوں۔ یا معاملات ہوں یا تعلقات ہوں یا تجارت۔ حرفت و صنعت ہو یا حکومت و سلطنت ہو۔ گویا مسلمان کامل اطاعت و بندگی اختیار کرنے والا ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنا حقیقی عبادت گذار بندہ بنالیں اور دین کے رنگ میں کامل طور پر ظاہر و باطن میں رنگے دیں۔ آمین۔

الغرض یہود و نصاریٰ پر دین اسلام کی حقانیت پر پوری طرح حجت قائم کر دی گئی۔ پھر بھی وہ لوگ وہی دعوئے بے دلیل برابر کیے جاتے تھے کہ اہل اسلام حق پر نہیں ہیں باطل پر ہیں اور ان کو آخرت میں نجات نہ ہوگی اور ہم حق پر ہیں اور جنت کے حق دار ہم ہی ہونگے۔ اُن کے اس خیالِ باطل کی آگے مزید تردید فرمائی جاتی ہے اور اُن کی اس حجت پر جو جواب تلقین فرمایا جاتا ہے اس کا ذکر اگلی آیات میں کیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ! دین ایمان کے معاملہ میں ہم کو اور تمام اُمتِ مسلمہ کو افراط و تفریط سے بچانا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو ایمان و اعتقاد اپنائے اور دنیا میں پھیلائے ہم کو اسی پر جما نصیب فرما۔

یا اللہ! ہم کو ہر حال میں اپنی اطاعتِ کاملہ نصیب فرما اور ہم کو ظاہر و باطن میں اور ہر حرکت و سکون میں اسلام کا مظہر بنادے اور دین اسلام کے حقیقی رنگ میں ہم کو ایسا رنگ دے کہ پھر ساری عمر یہ رنگ نہ چھٹے۔

یا اللہ! اس دورِ فتن میں اُمتِ مسلمہ میں جو افراط و تفریط کی گمراہی گھس رہی ہے اس سے ہماری اور تمام اُمت اسلامیہ کی حفاظت فرما اور ہدایت حق و صراطِ مستقیم پر ہم کو استقامت نصیب فرما۔

یا اللہ! ہم کو شقاق و نفاق کی خصلتوں سے بچا اور ہر حال میں اتباعِ حق کی توفیق عطا فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۶۳

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا

آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے حجت کئے جاتے ہو حق تعالیٰ کے معاملہ میں حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمکو ہمارا کیا ہوا

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ

ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملیگا ۔ اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کیلئے اپنے کو خالص کر رکھا ہے ۔ یا کہے جاتے ہو کہ

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ

ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ

یہود یا نصاریٰ تھے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ اور ایسے

اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ

شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفا کرے جو اس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا

تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں ۔ یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے

مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا

کام ان کا کیا ہوا آویگا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آویگا اور تم سے انکے کئے ہوئے کی

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ ۱۲ ۱۶

پوچھ بھی تو نہ ہوگی ۔

تفسیر وتشریح :۔ گذشتہ آیات میں ملتِ ابراہیمی کا دین اسلام میں منحصر ہونا ثابت ہو چکا اور یہود و نصاریٰ پر پوری طرح واضح کر دیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد اور نسل میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد میں جتنے انبیاء ہوئے یا جو دنیا میں اور انبیاء و رسل آئے سب اسی دین فطرت دین اسلام کے عامل اور داعی تھے اور اب اخیر میں اسی دین کو نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور دنیا کے سامنے پیش کیا اس لئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بغیر آپ پر ایمان لائے ہوئے اور بغیر آپ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن کریم پر ایمان لائے ہوئے نہ کسی کو ہدایت مل

سکتی ہے۔ نہ نجات ابدی۔ گویا بغیر اسلام لائے ہوئے اور بغیر اس دین حق کو قبول کئے ہوئے نہ کوئی حق پر ہو سکتا ہے اور نہ نجاتِ آخرت کا مستحق لیکن یہود و نصاریٰ جن پر ہر طرح دلائل و براہین سے حجت پوری ہو چکی ضد و عناد ہی میں دعوے بلا دلیل برابر کئے جاتے تھے کہ مسلمان باطل پر ہیں اور اُن کو آخرت میں نجات نہ ہوگی اور ہم ہی حق پر ہیں اور ہم ہی جنت کے حقدار آخرت میں ہوں گے اور یہود مدینہ اس معاملہ میں اہلِ اسلام سے حجت کرتے چنانچہ اُن کے اس خیال باطل کی تردید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حق تعالیٰ کی طرف سے ایک دوسرے طرز پر جواب کی تعلیم و تلقین فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے :۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان یہود و نصاریٰ سے فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ اب بھی ہم سے حجت کئے جاتے ہو حق تعالیٰ کے معاملہ میں کہ وہ ہم کو آخرت میں نہ بخشیں گے حالانکہ وہ ہمارا تمہارا سب کا رب اور مالک ہے۔ سو ربوبیت میں تو تمہارے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا۔ یہ تو تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے صرف حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے دین کو شرک وغیرہ سے خالص کر رکھا ہے بخلاف تمہارے طریقہ موجودہ کے کہ علاوہ منسوخ ہونے کے خود شرک سے بھی مخلوط ہے (جیسا کہ اُن کے اقوال عُزَیر ابن اللہ اور المسیح ابن اللہ سے ظاہر ہے اور اس میں ہم کو اللہ نے ترجیح دی ہے۔ پھر ہم کو نجات نہ ہونے کے کیا معنی یا اب بھی اپنے حق پر ہونے کے ثابت کرنے کو یہی کہے جاتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ میں جو انبیاء گذرے ہیں یہ سب یہود یا نصاریٰ تھے اور اس طرح اپنا حق پر ہونا ثابت کرتے ہو سو اس کے جواب میں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مختصر سی بات ان سے کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ ہی زیادہ واقف ہیں اور وہ ان انبیاء کا ملتِ اسلام پر ہونا ثابت کر چکے ہیں اور جس نے یہ خبر دی ہے کہ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (پارہ ۳ سورہ آل عمران)۔ (ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ راہ راست والے مسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے) اب بتلاؤ تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور نصوص توریت و انجیل بھی اس پر شاہد ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی ملت حنیفیت تھی۔ ختنہ اور حج بیت اللہ اُن کا شعار تھا۔ یہودیت و نصرانیت کے خواص مثلاً ہفتہ اور اتوار کی تعظیم اُن کی شریعت میں نہ تھی۔ اور توراۃ و انجیل میں بھی یہ صاف لکھا ہوا تھا کہ ایک نبی آخر الزمان دنیا میں آئیں گے اور ان کے اوصاف اور اُن کی بشارتیں ان کتابوں میں بیان ہو چکی ہیں اور یہ سب کچھ ان کو معلوم ہے مگر ایسی واضح شہادت کو بھی چھپاتے ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

Marfat.com

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفا کرے جو اس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو اور اے اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے سے بیخبر نہیں ہیں یعنی جب توراۃ و انجیل میں بھی نبی آخر الزماں کی واضح بشارتیں بیان ہو چکیں تو ایسے شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو ایسی شہادت کو چھپالے اور اس کا اظہار نہ کرے خصوصاً ایسے برگزیدہ نبی اور ایسے عظیم الشان رسول کے متعلق جس کے اتباع میں حصولِ نجات موقوف ہے۔ جو سید الانبیاء اور ختم المرسلین ہیں جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنات کی طرف ہے اور جن کی رسالت کے اقرار کا ہر ایک شخص مکلف ہے اور اے اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ نبی آخر الزماں کے متعلق جو شہادتیں تم اپنی کتابوں کی چھپاتے ہو اور نصوص توریت و انجیل میں تحریف اور تغییر و تبدل کرتے ہو یہ سب اللہ کی نظروں کے سامنے ہے۔ وہ خوب دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔ تم کو تمہارے اس اعمالِ بد کی سزا ضرور دے گا۔ اور تم اس پر غرہ نہ کرنا کہ ہم بزرگوں اور انبیاء کی اولاد ہیں۔

اخیر میں ارشاد ہے:۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہ ان بزرگوں کی ایک جماعت تھی جو اپنے زمانہ میں گذر گئی ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے ان کے کیے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی یعنی اے یہود و نصاریٰ تم کو اب ان انبیاء کی جماعت سے کوئی تعلق نہیں رہا وہ پاکبازوں کی ایک جماعت تھی سو گذر چکی۔ انکی توحید اور انکے ایمان و اعمال سے انکو فائدہ ہوگا۔ تم کو کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا ہو کر انکی نیکیوں سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تم کو تمہارے جو افعال و اعمال ہیں ان کا بدلہ ملے گا۔ ایسی ہی آیت اوپر بھی قریب گذر چکی ہے۔ لیکن تاکید اور مبالغہ کیلئے اس کو پھر مکرر لائے کہ ایمان لاؤ اور اعمال کرو۔ آباؤ اجداد کے بھروسہ پر نہ رہو۔ تو خلاصہ یہ کہ یہاں یہود و نصاریٰ کو صاف بتلا دیا گیا کہ کفر و شرک کے ساتھ نہ انبیاء کے نسل سے ہونا کام دے گا اور نہ محض اس تعلق سے نجات حاصل ہو سکے گی اور تم کو محمد رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لے آنا چاہیئے تاکہ نجاتِ اخروی حاصل ہو۔

الحمد للہ کہ یہاں پہلے پارہ الٓمّٓ کا بیان پورا ہوا اور یہاں تک سورۂ بقرہ کی ۱۴۱ آیات کی تفسیر و تشریح پوری ہوئی یہاں تک ملتِ ابراہیمی کی فضیلت اور ملتِ اسلام کا افضل و اکمل ہونا اور سرورِ عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الرسل ہونا اور آپ پر اور آپکی کتاب پر ایمان لانا ضروری اور باعثِ ہدایت و نجات اخروی ہونا بیان ہوا۔ اب دسویں پارہ سَيَقُوْلُ کی ابتداء سے اسی سلسلہ میں قبلہ ابراہیمی اور کعبۂ اسلامی کی افضلیت کا بیان فرمایا گیا ہے جس کا انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

دعا کیجئے:۔ حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ملتِ اسلامیہ میں پیدا فرمایا اور اسلام و ایمان کی دولت سے نوازا۔ یا اللہ! ہمیں اسلام کی سچی محبت و عظمت عطا فرما اور اسلام پر زندہ رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما۔ یا اللہ یہودیت و نصرانیت کا جو فتنہ دنیا میں پھیل رہا ہے اسکے خاتمہ کا وقت قریب فرما اور دین اسلام کے دنیا میں غالب آنے کا وقت نزدیک فرما۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (پارہ الٓمّٓ ختم شد)

Marfat.com

درس ۶۴

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ

اب تو یہ بیوقوف لوگ ضرور کہیں گے کہ ان کو ان کے قبلہ سے جس طرف

قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ

پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس بات نے بدل دیا - آپ فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی

الْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۴۲)

ملک ہیں - جس کو خدا ہی چاہیں سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں۔

تفسیر و تشریح : - گذشتہ آیات و رکوعات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی دین اسلام پر نکتہ چینیاں اور اعتراضات ذکر فرما کر اُن کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے تھے اور اسی سلسلہ میں ملتِ ابراہیمی اور ملتِ اسلام کا افضل و اکمل ہونا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الرُّسل ہونا بیان فرمایا تھا۔

اب اس آیت میں مخالفین کے ایک اور اعتراض کا ذکر فرما کر اُس کا جواب تلقین فرمایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے تو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو بحکم خداوندی بَيْتُ الْمَقْدِسْ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی رغبت اور دلی خواہش یہی تھی کہ آپ کا قبلہ پھر وہی آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ قرار دیا جائے اور آپ کو اُمید بھی تھی کہ آپ کی تمنا پوری کی جائے گی اسلئے آپ تحویل قبلہ کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔

بہرحال ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک آپ مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے جس کے بعد خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آگیا تو یہود مشرکین اور منافقین طرح طرح کے اعتراض اور طعن کرنے لگے۔ یہود کہنے لگے کہ پہلے تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے جو ہمارے انبیاء کا قبلہ تھا اب اُس کو کیوں چھوڑ دیا؛ یہود کی عداوت کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ بعض کہنے لگے کہ اللہ اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے؛ کیا اس کو پہلے سے مصلحت کا علم کا نہیں؛ بعض کہنے لگے کہ آپ اپنے دین کے بارہ میں متحیر ہیں کہ ان کا قبلہ بھی ادلتا بدلتا رہتا ہے بعض نے کہا کہ بیت المقدس سے بیت اللہ کا رُخ کیا ہے شاید وطن کی یاد نے ستایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں طعن کرنے والوں کے حال سے خبر دی اور بطور پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ عنقریب جب تحویل قبلہ کا حکم آپ کو ملے گا تو اس وقت احمق اور بے وقوف لوگ اس بات پر اعتراض کریں گے کہ یہ

Marfat.com

مسلمان بیت المقدس کی طرف سے کیوں پھر گئے۔ تو گویا یہ آیت تحویل قبلہ کے حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے یہود کے آئندہ پیش آنے والے طعن اور اعتراض کی پہلے ہی سے خبر دے دی اور اس کا جواب بھی تلقین فرما دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ط۔

"اب تو یہ بیوقوف لوگ ضرور ہی کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے کہ بیت المقدس تھا جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس بات نے دوسری سمت کی طرف بدل دیا"

یعنی جو کم عقل اور احمق لوگ ہیں وہ اعتراض کریں گے اور بطور طنز کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو اپنے پہلے قبلہ سے کس چیز نے ہٹا دیا کہ جو بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے لگے۔ حق تعالیٰ اس کا جواب تلقین فرماتے ہیں :-

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"آپ جواب میں فرما دیجئے کہ سب سمتیں خواہ مشرق ہو خواہ مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں جس کو خدا ہی چاہے سیدھا راستہ بتلا دیتے ہیں"

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ معترضین تحویل قبلہ پر اعتراض کریں تو آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ سب سمتیں خواہ مشرق ہو یا مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ ہر سمت اسی کی ہے۔ وہ ہر طرف ہے اور اللہ تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے وہ جس سمت کو چاہیں قبلہ مقرر فرما دیں اور جس سمت کو چاہیں منسوخ کر دیں ہم نے کسی عداوت یا تعصب میں قبلہ کو نہیں بدلا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بدلا ہے اور ہم تو حکم کے بندے ہیں پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو ادھر منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ملا ہے تو اس حکم کی تعمیل کریں گے کیونکہ اس کے احکام کی تعمیل ہی اصل ہدایت و عبادت ہے۔ غلام اور بندہ کو یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ پہلے یہ حکم کیوں دیا تھا اور اب یہ حکم کیوں دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ چلنے کی توفیق عطا کرتے ہیں۔ اور سیدھی راہ یہی ہے کہ انسان ہر حکم حق جل شانہٗ کی فرمانبرداری کے لئے ہمہ وقت تیار رہے۔ جو حکم مل جائے بے چون وچرا اس پر عمل کرے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا حسد تین چیزوں پر ہے :-

ایک یہ کہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کرنے کا حکم ساری امتوں کو ملا تھا۔ یہود نے سنیچر کا دن مقرر کر لیا۔ نصاریٰ نے اتوار کا اور حقیقت میں عند اللہ وہ جمعہ کا روز تھا جو

Marfat.com

مسلمانوں کے انتخاب میں آیا۔

دوسرے[۲] وہ قبلہ جو تحویل کے بعد مسلمانوں کے لئے مقرر کیا گیا اور کسی اُمت کو اس کی توفیق نہیں ہوئی۔

تیسرے[۳] امام کے پیچھے آمین کہنا کہ یہ تینوں خصلتیں صرف مسلمانوں کو میسّر ہوئیں اہلِ کتاب اُن سے محروم ہیں:۔

تو اس آیت میں جہاں اللہ کے حکم اور دین اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو سَفِیہ یعنی احمق کم عقل۔ بیوقوف ٹھیرایا ہے وہیں مومنوں کو یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ اُن کا کام صرف حکم کی بجاآوری ہے۔ جدھر اُنہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ اُسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ تو یہاں سے معلوم ہوا کہ سلامتی اور امن اسی طریق میں ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو بلا چون و چرا اختیار کر لیا جائے اور اُن کی حکمت و علّت اور غرض و غایت کی تفتیش و تحقیق میں نہ پڑے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو بھی اپنے جملہ احکام بلا چون و چرا تسلیم کرنے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب یہاں تک اُمتِ مسلمہ کے قبلہ کی افضلیت کے متعلق بیان ہوا۔ آگے خود اُمتِ مسلمہ کی مدح اور فضیلت ظاہر فرمائی گئی ہے اور پھر تحویل قبلہ کی مصلحت و حکمت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو اُمّت مسلمہ کا فرد بنایا اور بیت اللہ کو ہمارا قبلہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں اور ہمارے قبلہ کی افضلیت و بزرگی کو اور بلند فرمائیں اور ہمیں اپنے محترم قبلہ سے صحیح تعلق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہمیں اپنے ہر حکم کا فرمانبردار بندہ بنا کر زندہ رکھئے اور اسی پر موت نصیب فرمائیے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

درس ۶۵

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادی ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم گواہ ہو

عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا

لوگوں کے مقابلہ میں اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں - اور جس سمت

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ کون تو

يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ

رسول اللہ کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے - اور یہ قبلہ کا بدلنا

كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

بڑا گراں ہوا مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے - اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں

لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردیں - واقعی اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت ہی شفیق مہربان ہیں -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں قبلہ ابراہیمی کی افضلیت و خصوصیت کا بیان ہو چکا ہے اور یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ اہلِ اسلام کو جو قبلہ عطا فرمایا گیا وہ نہایت اشرف و افضل ہے -

اب اس آیت میں پہلے اُمتِ محمدیہ کو خطاب کر کے بتلایا گیا کہ جس طرح اہلِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اشرف و افضل قبلہ عطا فرمایا اسی طرح اس امتِ اسلامیہ کو بھی ایک خاص امتیازی فضیلت اُمتِ وَسَط ہونے کی عطا فرمائی - اُمتِ وَسَط کی تشریح انشاء اللہ آگے بیان ہوگی - اور پھر تحویلِ قبلہ کا جو حکم اہلِ اسلام کو دیا گیا یعنی بیت المقدس کی بجائے خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تو اس میں کیا راز و حکمت تھی اس کا ذکر فرمایا گیا - چنانچہ پہلے اہلِ اسلام کو مخاطب کر کے خطاب فرمایا گیا :-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

اور اے اُمتِ محمدیہ اسی طرح ہم نے تم کو اُمتِ وَسَط بنایا یعنی تم کو ایسی ایک جماعت بنا دیا ہے جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تاکہ دنیا میں شرف و امتیاز حاصل ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا

Marfat.com

بڑا اشرف ظاہر ہو کہ تم ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فریق حضرات انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور فریق ثانی اُن کی مخالف قومیں ہوں گی۔ اُن مخالف لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ تجویز ہو اور شرف بالائے شرف یہ ہو کہ تمہارے قابلِ شہادت اور معتبر ہونے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں اور آپ کی شہادت سے تمہاری شہادت معتبر ہونے کی تصدیق ہو۔ پھر تمہاری شہادت سے اس مقدمہ کا فیصلہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں ہو اور مخالفین مجرم قرار پا کر سزایاب ہوں اور اس امر کا آخرت میں اعلیٰ درجہ کی عزت ہونا ظاہر ہے۔

یہاں آیت میں اُمتِ محمدیہ کی تعریف میں اُمتِ وَسَط کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔ وَسَط کے معنیٰ اوسط اور معتدل کے ہیں اور خیر الامور اور افضل اشیاء کو بھی وَسَط کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں اس لفظ کی تفسیر عدل سے کی گئی ہے جو بہترین کے معنیٰ میں آیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں اُمت مسلمہ کی ایک امتیازی فضیلت اور خصوصیت کا ذکر ہے کہ اس کو ایک معتدل اُمت بنایا گیا ہے جس کے نتیجہ میں اس اُمت کو میدان حشر میں یہ فضیلت و امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی اُمتیں جب اپنے انبیاء کی ہدایت۔ پیغام رسانی اور تبلیغ دین سے مکر جائیں گی اور اپنے نبی کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ نہ ہمارے پاس کوئی کتاب آئی۔ نہ کسی نبی نے ہمیں کوئی ہدایت کی۔ اس وقت اُمتِ محمدیہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایات اُن کو پہنچائیں اور تبلیغ دین کا حق ادا کیا اور اپنی اپنی قوم کو راہِ حق پر لانے کی پوری کوشش کی۔ اس پر دوسرے انبیاء کے کفار و منکرین جرح کریں گے کہ اس اُمتِ محمدیہ کا تو ہمارے زمانہ میں وجود بھی نہ تھا۔ اس اُمت کو ہمارے معاملات کی کیا خبر۔ اس کی گواہی ہمارے معاملہ میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ اُمتِ محمدیہ اس کا جواب دیگی کہ بیشک ہم تمہارے زمانہ میں موجود نہ تھے مگر تمہارے واقعات و حالات کی خبر ہمیں ایک صادق و مصدوق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اللہ کی کتاب نے دی جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور اس کی خبروں کو اپنے معائنہ سے زیادہ صحیح اور سچا سمجھتے ہیں اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں۔ اس وقت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی اُمت کی توثیق اور تصدیق فرمائیں گے کہ بیشک اُنہوں نے جو کہا وہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کو یہ صحیح حال معلوم ہوئے چنانچہ اس گواہی کے نتیجہ میں کفار و منکرین سب مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ محشر کے ان واقعات کی تفصیل متعدد احادیث میں مجملاً اور مفصلاً مذکور ہیں چنانچہ اسی آیت کی تفسیر میں حدیث شریف میں ایک روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلا کر دریافت کیا جائے گا کہ تم نے احکامِ الٰہی کی تبلیغ قوم کو کر دی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے کہ جی ہاں میں نے آپ کے احکام پوری طرح آپ کے بندوں تک پہنچا دیئے تھے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت کو طلب کیا جائیگا اور

اُن سے پرسش ہوگی کہ کیا نوحؑ نے میری باتیں تم کو پہنچائی تھیں۔ وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام سے خطاب ہوگا کہ تمہاری اُمت انکار کرتی ہے۔ تمہاری گواہی کون دے سکتا ہے؛ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمت۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرما کر آیت مذکورہ تلاوت کی اور فرمایا اس آیت کا یہی مطلب ہے، تم لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے گواہ ہو گے اور میں تمہارا گواہ ہوں گا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اور میری اُمت ایک اُونچے ٹیلے پر ہوں گے۔ تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اُس روز تمام لوگ تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے جس جس نبی کی قوم نے اپنے نبی کو جھٹلایا ہے ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء نے حقِ رسالت ادا کیا تھا۔

غرضکہ حاصل ان تمام روایات کا یہی ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں جب سب اگلے پچھلے لوگ جمع ہوں گے تو ہر اُمت کے کافر طبقہ سے کہا جائیگا کہ تم کو کسی نے احکام الٰہی کی تبلیغ نہیں کی تھی؟ وہ جواباً کہینگے مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا یا خوشخبری دینے والا نہیں آیا۔ پھر اُن انبیاء سے جن کا اُن کی اُمت انکار کریگی اتمام حجت کیلئے گواہ پیش کرنے کا حکم ہوگا۔ تمام انبیاء اُمت محمدیہ کو گواہی میں پیش کریں گے اور اُنکی گواہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت کی عدالت وصداقت کی گواہی پر منکرین مجرم قرار دیتے جائینگے تو اس سے اُمت مسلمہ کی فضیلت برتری اور شرف صاف ظاہر ہے۔ آگے اس اُمت کو جو تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تھا اُسکا راز بتلایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور جس سمت قبلہ پر آپ کچھ عرصہ قائم رہ چکے ہیں یعنی بَیْتُ الْمَقْدِسْ وہ تو محض اس مصلحت کے لئے تھا کہ ہم کو ظاہری طور پر بھی معلوم ہو جاوے کہ اس کے مقرر ہونے یا بدلنے سے کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے اور نفرت ومخالفت کرتا ہے۔ اس امتحان کے لئے اس عارضی قبلہ کو مقرر کیا تھا پھر اصلی قبلہ سے اسکو منسوخ کر دیا اور یہ قبلہ کا بدلنا منحرف لوگوں پر بڑا ثقیل ہوا اگرچہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سیدھے طریق کی ہدایت فرمائی ہے اُن کو کچھ بھی گراں نہیں ہوا اور ہم نے جو کہا ہے کہ بَیْتُ الْمَقْدِسْ قبلہ عارضی اور غیر اصلی تھا اس سے کوئی شخص یہ وسوسہ نہ لاوے کہ جتنی نمازیں اُدھر پڑھی ہیں ان میں ثواب بھی کم ملا ہوگا کیونکہ اصلی قبلہ کی طرف نہ تھیں سو اس وسوسہ کو دل میں نہ لانا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کے متعلق اعمال مثلاً نماز کے ثواب کو ضائع اور ناقص کر دیں اور واقعی اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ بیت المقدس کا قبلہ بننا بعض عرب پر گراں ہوا تھا کہ وہ کعبہ کو مانتے تھے اور اُس کا منسوخ ہونا یہود پر گراں ہوا کہ وہ کعبہ کو نہ مانتے تھے چنانچہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد بعض

Marfat.com

ضعیف الایمان یا وہ جن کے دلوں میں کچھ نفاق تھا اسلام سے بھی پھر گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگایا کہ یہ تو اپنی قوم کے دین کی طرف پھر گئے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہو گیا کیونکہ جو لوگ صادق الیقین اور سچے معتقد اور جان نثار اور دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے انہوں نے حضورؐ کا حکم بلا خوف و تردد قبول کر لیا اور جو لوگ تعصب قومی یا ملی میں گرفتار تھے وہ نکتہ چینی کرنے لگے۔ الغرض تحویل قبلہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ راز یہاں ظاہر فرمایا کہ اس قبلہ کے بدلنے میں امتحان منظور تھا کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

یہود کو خصوصاً مسلمانوں کا قبلہ بدل دینا بہت ناگوار تھا چنانچہ بعض یہود نے مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالنے کے لئے دریافت کیا کہ تم لوگ جو نماز بَیْتُ الْمَقْدِسْ کی طرف پڑھ چکے ہو وہ ہدایت پر مبنی تھی یا گمراہی پر۔ اگر وہ ہدایت کی بات تھی تو تم نے اس کو اب ترک کر دیا اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ اگر وہ ہدایت پر مبنی نہ تھی تو تم میں سے جو مسلمان اس زمانہ میں مرے ہیں جبکہ تم لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو وہ گمراہی پر مرے (نعوذ باللہ) مسلمانوں نے جواب دیا کہ درحقیقت ہدایت اور گمراہی کا معیار حکم خدا کی تعمیل اور عدم تعمیل میں ہے۔ ہدایت وہی ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اس کو کیا گیا اور گمراہی وہ ہے کہ جب اللہ کے حکم کے خلاف کیا گیا۔ اس پر ان یہود نے کہا کہ تمہارے پاس ان لوگوں کی نجات و ہدایت کا کیا ثبوت ہے کہ جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانہ میں مرے ہیں مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی طرف پھر جانے کا حکم دیا لیکن ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور اس زمانہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آیت کا یہ حصہ نازل ہوا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کہ تمہارے ایمان کے متعلق اعمال مثلاً نماز کے ثواب کو ضائع کریں اور واقعی اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفیق و مہربان ہیں مطلب یہ ہے کہ تم نے تو دونوں باتوں کو ہمارا حکم سمجھ کر قبول کیا اس لئے ثواب میں کسی کمی نہ ہوگا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصل چیز اللہ اور اسکے رسول کے حکم کی فرمانبرداری ہے۔ یہی ہدایت ہے اور اسی میں کامیابی ہے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت حاصل رہتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم گراں اور شاق نہیں ہوتا۔ نیز یہ بھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں اور وہ کسی نیکی کو ضائع نہیں کرتے۔

ابھی تحویل قبلہ ہی کے متعلق مضمون جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:-

اللہ تعالیٰ ہمارے قبلہ کی عزت و حرمت بلند فرماویں اور اس قبلہ کی عزت کرنے والوں کی بھی عزت بلند فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کا اتباع نصیب فرماویں۔ ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔ یا اللہ آپ نے ہم کو امت مسلمہ میں پیدا فرما کر جو شرف و عزت بخشا ہے ہمیں اس عزت و شرف کا اہل بنا دیجئے اور ہمیں امت وسط کے لقب کی لاج رکھنے کی صلاحیت عطا فرمائیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۶۶

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

ہم آپکے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں - اس لئے ہم آپ کو اُسی قبلہ کی طرف متوجہ

قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

کردیں گے جسکے لئے آپکی مرضی ہے - پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے -

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ

اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی کی طرف کیا کرو - اور یہ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ بالکل ٹھیک ہے اُن کے پروردگار ہی کی

رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

طرف سے اور اللہ تعالیٰ اُن کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہے -

تفسیر و تشریح : - گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ اہل اسلام کا اصل قبلہ خانۂ کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے پر تھوڑے عرصہ کے لئے بَیْتُ الْمَقْدِسْ کو قبلہ مقرر کیا گیا تھا وہ بھی ایک امتحان اور آزمائش کے لئے بعض یہود مدینہ یہ طعن بھی کرتے کہ جب مسلمانوں کی شریعت ہم سے مختلف اور ابراہیمی ملت کے موافق ہے تو ہمارا قبلہ کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بھی یہی تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ خانۂ کعبہ کو قرار دیدیا جائے اور چونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی کوئی خواہش اور کوئی درخواست حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس وقت تک پیش نہیں کرتے جب تک اُن کو یہ درخواست پیش کرنے کی اجازت کا علم نہ ہو جائے - اس سے سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویل قبلہ کی دُعا کرنے کی اجازت پہلے مل چکی تھی اور آپ اُس کی دعاء فرما رہے تھے اور اُس کی قبولیت کے امیدوار تھے - اِس لئے فرشتہ وحی کے انتظار میں آپ کی نظر بار بار آسمان کی طرف اُٹھ جاتی تھی کہ شاید فرشتہ تحویل قبلہ کا حکم لے کر آجائے - اس آیت میں پہلے اسی کیفیت کو بیان فرما کر قبولیت دُعا کا وعدہ فرمایا جاتا ہے اور پھر اُس کے فوراً بعد ہی تحویلِ قبلہ کا حکم نازل فرما دیا جاتا ہے - اس طرزِ عمل میں ایک خاص لطف تھا کہ پہلے وعدہ کی خوشی حاصل ہو پھر ایفائے وعدہ کی خوشی - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو دِل سے کعبہ کے قبلہ ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور اُمید وحی میں بار بار آسمان کی

Marfat.com

طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھتے ہیں کہ شاید فرشتہ حکم لے آوے۔ سو آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں اور چونکہ ہمیں آپ کی خوشی پورا کرنا منظور ہے اس لئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جو آپ کو پسند ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے آپ کی اس آرزو کو پورا فرما دیا اور جس قبلہ کی طرف رُخ کر کے آپ نماز پڑھنا چاہتے تھے یعنی خانہ کعبہ اس کا حکم اسی آیت میں نازل فرمایا اور ارشاد ہوا:۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (لو پھر ہم حکم ہی دیتے ہیں کہ اب سے اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے)

مَسْجِدِ الْحَرَامْ کے لفظی معنیٰ ہیں عزت و حرمت والی مسجد یعنی مکہ معظمہ کی وہ مسجد جس کے اندر خانہ کعبہ یعنی بَیْتُ اللہ واقع ہے۔ اس کو مسجد الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی حرمت اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے۔ اس مسجد میں اور اس کے چاروں طرف حدود حرم میں جنگ و جدال اور شکار اور معاصی اور قتل و ظلم کی اشد ممانعت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ قبلہ تو خانہ کعبہ (بَیْتُ اللہ) ہے مگر آیت میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مسجد حرام سے دُور دوسرے علاقوں میں رہتے ہیں اُن کے لئے مسجد حرام کی سمت کی طرف منہ کر لینا کافی ہے۔ عین کعبہ کی طرف رُخ کرنا واجب نہیں البتہ جو لوگ مسجد حرام کے اندر خانہ کعبہ کے پاس موجود ہوں اُن کے لئے عین کعبہ کی طرف رُخ کرنا واجب ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ قبلہ بدلنے کا یہ حکم نماز کی حالت میں نازل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسجد میں ظہر کی نماز با جماعت ادا فرما رہے تھے۔ دو رکعت بَیْتُ الْمَقْدِسْ کی طرف منہ کر کے پڑھ چکے تھے کہ یہ حکم نازل ہوا تو نماز ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں بَیْتُ اللہ کی طرف منہ کر کے پوری کیں۔ مدینہ منورہ کی اس مسجد کو "مَسْجِد قِبْلَتَیْن" کہتے ہیں جو اب بھی موجود ہے اور حجاج و زائرین جو مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں وہ یہاں اس مسجد قبلتین میں بھی دو رکعت نماز نفل ادا کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

الغرض فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ تحویل قبلہ کا حکم تھا مگر صراحت کے ساتھ اس حکم کو تمام افراد اہل اسلام کے لئے اور تمام جگہوں کے لئے عام کر دیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ط (اور یہ حکم تحویل قبلہ کچھ تخصیص نہیں بلکہ قانون عام ہے کہ تم سب لوگ (یعنی اہل اسلام) جہاں کہیں موجود ہو خواہ مدینہ میں یا اور جگہ حتیٰ کہ خود بیت المقدس کے اندر بھی ہر جگہ نماز کے اندر اپنے چہروں کو اسی مسجد حرام کی طرف کیا کرو۔ گویا یہ تمام امت مسلمہ کو ہمیشہ کے لئے حکم ہو گیا کہ مسلمان جس جگہ بھی ہوں خواہ سفر میں خواہ گھر میں، شہر میں یا جنگل میں۔ دشت میں یا صحرا میں غرض ہر حالت میں نماز پڑھتے وقت کعبہ شریف کی طرف رُخ کیا کریں۔

آگے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ جو تحویل قبلہ کے معاملہ میں مسلمانوں پر معترض تھے اُن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

"اور اس قبلہ کے مقرر ہونے کے متعلق یہ اہلِ کتاب بھی بالعموم اپنی کتابوں کی پیشین گوئی کی وجہ سے کہ نبیٔ آخرالزماں کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگا یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حکم تحویلِ قبلہ بالکل ٹھیک ہے اور اُن کے پروردگار ہی کی طرف سے ہے مگر عناداً مانتے نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کی ان کارروائیوں سے بے خبر نہیں ہیں"

یعنی ان یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو علامات بیان کی گئی ہیں اور جو پیشینگوئیاں بیان کی گئی ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ آپ کے قبلہ کی جہت کیا ہوگی تو گویا یہ جانتے ہوئے بھی یہ یہود و نصاریٰ محض عناداً اس تحویلِ قبلہ کے حکم کو اللہ کا حکم نہیں مانتے۔ اس لئے اہلِ کتاب کو متنبہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہے یعنی ان کو اس حق پوشی کی سزا دی جائے گی۔

اس آیت میں چونکہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ زادہ اللہ تعظیماً و تشریفاً و تکریماً بھی ہمیشہ قائم رہے گا جب تک کہ دُنیا میں اہلِ اسلام موجود رہیں گے۔ چنانچہ احادیث میں جو قیامت کے متعلق حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربِ قیامت کی جب اہم نشانیاں ظاہر ہو چکیں گی یعنی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ دَابَّۃُ الْاَرْض کا ظاہر ہونا۔ ایک دھوئیں کا روئے زمین پر پھیلنا۔ جب یہ سب نشانیاں ظاہر ہو چکیں گی تو ایک ٹھنڈی ہوا تمام دُنیا میں پھیل جائے گی جس کے سبب ایک ایک مسلمان راہی ملک عدم ہوگا۔ جب تمام اہلِ ایمان اس جہاں سے کوچ کر جائینگے اور دُنیا میں سوائے کفار کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ ذکر اللہ زمین سے قطعاً اٹھ جائے گا۔ روئے زمین پر اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ قرآن شریف اٹھ چکا ہوگا تو اہلِ حبش کا غلبہ ہوگا اور ایک حبشی جس کے پاؤں پھرے ہوئے ہوں گے خانہ کعبہ کو منہدم کرکے پتھر پتھر جدا کر دے گا جس کے بعد ہی جمعہ کے دِن محرم کی دس تاریخ یعنی یوم عاشورہ کو کافروں پر صور پھونک کر قیامت قائم کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ رہتی دُنیا تک ہمارے قبلہ کی عزت و بزرگی کو قائم رکھیں اور اس کی عزت و حرمت کرنے والوں کو بھی عزت و بزرگی عطا فرمادیں۔ آمین۔

الغرض یہاں بتلایا گیا کہ اہلِ کتاب اس قبلہ کا حق اور منجانب اللہ ہونا دِل میں جانتے ہیں مگر عناداً نہیں مانتے۔ اور اسی ضد و عناد کی بنا پر کبھی بھی اہلِ اسلام سے قبلہ کے معاملہ میں موافقت نہیں کر سکتے جیسا کہ اگلی آیات میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دِلوں میں اپنے قبلہ کی سچی حرمت و عظمت عطا فرمائیں اور زندگی میں ہم سب کو وہاں کی حاضری کا شرف و سعادت نصیب فرمائیں۔ یہود و نصاریٰ جو ہمارے قبلہ کے دشمن ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و خوار فرمائیں۔ اور ان کی دشمنی سے اہلِ اسلام کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۶۷

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا

اور اگر آپ اہلِ کتاب کے سامنے تمام دلیلیں پیش کردیں جب بھی یہ آپ کے قبلہ کو

قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ

قبول نہ کریں اور آپ بھی اُن کے قبلہ کو قبول نہیں کرسکتے اور ان کا کوئی فریق بھی

بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ

دوسرے کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا ۔ اور اگر آپ اُن کے نفسانی خیالات کو اختیار کرلیں ۔

بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۵

آپ کے پاس علم آنے کے پیچھے تو آپ یقیناً ظالموں میں شمار ہونے لگیں

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۭ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جسطرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۴۶

اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں اخفا کرتے ہیں ۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۴۷

یہ امر واقعی من جانب اللہ ہے سو ہرگز شک و شبہ لانے والوں میں شمار نہ ہونا ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں یہ بیان ہوا تھا کہ اہل کتاب کو اہلِ اسلام کے قبلہ کا حق ہونا بخوبی معلوم ہے ۔ اور خود اُن کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی آخر الزمان کچھ عرصہ بَیْتُ الْمَقْدِس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے اور پھر خانہ کعبہ کی طرف ۔ اور یہی دراصل اُن کا دائمی قبلہ ہے جو ملتِ ابراہیمی کے موافق ہے مگر اہلِ کتاب حسد اور عناد کی وجہ سے مسلمانوں کے قبلہ کی فضیلت ماننے سے انکار ہی کرتے رہے اور بالخصوص یہود مدینہ تحویلِ قبلہ کے بارہ میں سخت معترض تھے ۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مخالفین کے حق پر آنے کی نہایت آرزو تھی کہ کسی طرح یہ معترضین راہِ راست پر آویں مگر یہود اپنے ضد و عناد کی وجہ سے انکار پر مُصِر تھے ۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر یہود کے ضد و عناد کا حال بیان فرما رہے ہیں

اور ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ ۔

یعنی اور باوجود اُن لوگوں کے سب کچھ سمجھنے کے اُن کی ضد کی یہ حالت ہے کہ اگر آپ ان اہلِ کتاب کے سامنے دُنیا بھر کی دلیلیں جمع کر کے پیش کر دیں جب بھی کبھی آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور اُن کی موافقت کی اُمید اس لئے نہ رکھنا چاہیئے کہ آپ کا قبلہ بھی منسوخ ہونیوالا نہیں اس لئے آپ بھی اُن کے قبلہ کو قبول نہیں کر سکتے پس کوئی صورت موافقت کی نہ رہی ۔

آگے ارشاد ہے :۔

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ

اور جیسا ان اہلِ کتاب کو آپ سے ضد ہے ان میں باہم بھی موافقت نہیں کیونکہ ان کا کوئی فریق بھی دوسرے فریق کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا۔ مثلاً یہود نے بیت المقدس لے رکھا تھا اور نصاریٰ نے مشرق کی سمت کو اپنا قبلہ بنا رکھا تھا ۔

آگے ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور خدانخواستہ آپ تو کسی طرح اُن کے قبلہ کو جو منسوخ اور غیر مشروع ہو چکا ہے لے ہی نہیں سکتے کیونکہ اگر آپ اُن کے نفسانی خواہشات کا اتباع کرنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس قبلہ کے بارہ میں علمِ صحیح اور قطعی آچکا ہے تو یقیناً آپ اُس وقت ظالموں میں شمار ہوں گے اور آپ کا ظالم ہونا بوجہ معصوم ہونے کے محال ہے ۔ لہٰذا آپ سے اُن کے قبلہ کا اتباع بھی محال ہوگا ۔

گویا اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت بیان فرما رہے ہیں کہ جس طرح اہلِ کتاب ناحق پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ایسے نہیں کہ اُن کی باتوں میں آجائیں ۔ وہ تو ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے حامل ہیں ۔ وہ اُن کی باطل خواہش کی پیروی ہرگز نہیں کریں گے ۔ نہ اُن سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد اُن کے قبلہ کی طرف توجہ کریں ۔

آیت کے اس حصہ میں حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اگر آپ ان یہود و نصاریٰ کے نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم وحی آچکا ہے تو نعوذ باللہ آپ ظالموں میں شمار ہونے لگیں ۔ یہ درحقیقت اُمت کے لئے تنبیہ ہے اور اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد باطل کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے تو بوجہ معصوم ہونے کے یہ امر محال اور قطعاً ناممکن تھا کہ آپ کسی معاملہ میں نعوذ باللہ باطل کا اتباع کریں ۔ لیکن اس تنبیہ سے اُمت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ یہود و نصاریٰ کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنا جب کہ

Marfat.com

حق واضح ہو بڑا ظلم اور گناہ ہے۔ حتیٰ کہ اس معاملہ میں کسی بڑے سے بڑے کو بھی کوئی رعایت نہیں دی جا سکتی۔ مگر افسوس ہے کہ ایسی قرآنی تنبیہ کے باوجود اُمت کے اکثر افراد اب یہود و نصاریٰ کے اتباع ہی کو اپنے لئے باعثِ شرف و عزت سمجھتے ہیں۔ قرآن پاک اس طرزِ عمل کو ظلم قرار دیتا ہے۔ جن یہود و نصاریٰ کو ہمارے قبلہ سے اور ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اور ہمارے دین حنیف سے ایسا بغض و عناد رہا ہو، اُنہی یہود و نصاریٰ کی اتباع و پیروی گو وہ کسی درجہ میں ہو اور کسی صورت میں ہو کیوں نہ ظلم ہو گی۔ اللہ تعالےٰ ہمارے دِلوں کو ہدایت کی روشنی سے منور فرمائیں اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد باطل کے اتباع سے ہم کو بچائیں۔ آمین۔

اب یہاں تک تو قبلہ کے بارہ میں اہل کتاب کے عناد کا ذکر تھا۔ اب صاحبِ قبلہ یعنی نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اُن کے عناد کا ذکر ہے اور ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝

جن لوگوں کو ہم نے کتاب تورات و انجیل دی ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت رسالت بوجہ بشارت مندرجہ ایسا بے شک و شبہ پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو اُن کی صورت سے پہچانتے ہیں کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر کبھی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون شخص ہے مگر پہچان کر بھی سب مسلمان نہیں ہوتے بلکہ بعض تو ایمان لے آتے اور بعضے اُن میں سے ایسے ہیں کہ اس امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں مگر اخفا کرتے ہیں حالانکہ یہ امر واقعی من جانب اللہ ثابت ہو چکا ہو ایسے امر واقعی ثابت من اللہ میں ہر ہر فرد کو کہا جا سکتا ہے کہ ہرگز شک و شبہ لانے والوں میں شمار نہ ہونا۔

یعنی یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں کے ذریعہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان آئیں گے اور اُن کی صفات اور بشارتیں ان کتابوں میں صاف صاف بتلا دی گئیں تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق بنا کر بھیجے گئے تو ان اہلِ کتاب نے وہ تمام نشانیاں اور صفات آپ میں پائیں جو ان کی کتابوں میں درج تھیں اور وہ اچھی طرح پہچان گئے کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں لیکن محض حسد، عناد اور ضد و تعصب کی وجہ سے اُنہوں نے آپ کو اللہ کا رسول ماننے سے انکار کر دیا اور ان تمام پیشینگوئیوں کو جو اُن کی کتابوں میں موجود تھیں چھپانے لگے اور یوں ظاہر کرنے لگے جیسے وہ پیشینگوئیاں اُنہوں نے پڑھی ہی نہیں۔ اس طرح درحقیقت ان اہلِ کتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہچان تو لیا اور بعض اہلِ کتاب آپ پر ایمان بھی لے آئے مگر بعضے باوجودیکہ آپ کی رسالت کو خوب جانتے تھے مگر چھپاتے تھے حالانکہ یہ امر واقعی من جانب اللہ صاف ثابت ہو چکا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ جو اسلام لانے سے پہلے یہود کے زبردست عالم تھے مگر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل کیا سے پوچھا کہ کیا تم رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جانتے ہو جس طرح تم اپنی اولاد کو پہچانتے ہو تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں ۔ بیٹوں سے زیادہ پہچانتے ہیں ۔ بیٹے میں تو شک ہو سکتا ہے کہ شاید بیوی نے خیانت کی ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کوئی شک نہیں ہو سکتا آپکی صفات اور علامات ہماری کتابوں میں موجود ہیں ۔ آپ کو دیکھتے ہی ہم نے پہچان لیا کہ آپ نبی برحق ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے سچ کہا اور اللہ نے تم کو خیر کی توفیق دی ۔

آیت کے اخیر میں حق تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا ۔ تو اس آخری آیت سے معلوم ہوا کہ اہلِ کتاب حق کو مانیں یا نہ مانیں ۔ آپ کے نبیٔ آخر الزماں ہونے کی پیشینگوئیوں کو چھپائیں یا ظاہر کریں آپ کے قبلہ کو صحیح سمجھیں یا نہ سمجھیں ۔ حق ہر حالت میں حق ہی ہے اور آپ رسولِ برحق ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ۔

اللہ تعالےٰ ہمارے دلوں کو شک و شبہات سے محفوظ فرمائیں ۔ ایمان و یقین کامل نصیب فرمائیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف جو ہم کو نصیب فرمایا ہے تو اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ آمین ۔

ابھی یہی تحویل قبلہ کا مضمون اگلی آیات میں بھی جاری ہے اور بعض دوسری حکمتیں جو اس تحویل قبلہ کے حکم میں پنہاں تھیں اُن کا اظہار فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا ۔

دُعا کیجئے :-

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو ہدایت کی روشنی سے منور فرمائیں اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد باطل کے اتباع سے بچائیں ۔ یا اللہ ہم کو اور تمام اُمتِ مسلمہ کو اپنے دین و ملت ، اپنے قبلہ ، اپنی شریعت ، اپنی کتاب اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی عزت و عظمت و محبت اور اتباع نصیب فرما اور ہر حال میں ہم کو حق پر قائم رہنا اور اسی پر مرنا نصیب فرما ۔ اور اپنی یا دوسروں کی نفسانی خواہشات کے اتباع سے بچنا نصیب فرما ۔ آمین ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

Marfat.com

درس ۶۸

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ

اور ہر شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے۔ سو تم نیک کاموں میں تگا پو کرو۔

مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

تم خواہ کہیں ہو گے اللہ تعالیٰ تم سب کو حاضر کر دیں گے ۔ بالیقین اللہ تعالیٰ ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں ۔ اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جاویں تو اپنا چہرہ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا

مسجد حرام کی طرف رکھا کیجئے ۔ اور یہ بالکل حق ہے منجانب اللہ ۔ اور

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں سے اصلا بے خبر نہیں ۔ اور آپ جس جگہ سے بھی باہر جاویں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھئے ۔ اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

اپنا چہرہ اُسی کی طرف رکھا کرو تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں

حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

گفتگو رہے مگر اُن میں جو بے انصاف ہیں تو ایسے لوگوں سے اندیشہ نہ کرو

وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ تم پر جو میرا انعام ہے اسکی تکمیل کر دوں اور تاکہ تم راہ پر رہو ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ چند آیات سے تحویل قبلہ کا بیان چل رہا ہے ۔ جب خانہ کعبہ ملتِ اسلامیہ کے لئے قبلہ مقرر ہوا تو یہود و نصاریٰ نے ضد و حسد میں اس کی مخالفت کی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم تحویل قبلہ کی بعض حکمتیں گذشتہ آیات میں بیان فرمائیں ۔ اسی سلسلہ میں بعض دوسری حکمتیں تحویل قبلہ کی ان آیات میں ظاہر فرمائی جاتی ہیں ۔

Marfat.com

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"اور ایک حکمت تحویل قبلہ میں یہ ہے کہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ ہر مذہب والے شخص کے لئے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ عبادت میں منہ کرتا رہا ہے۔ چونکہ شریعتِ محمدیہ بھی ایک مستقل دین ہے۔ اس کا قبلہ بھی ایک خاص ہو گیا۔ جب یہ حکمت سب پر ظاہر ہو چکی سو مسلمانو تم اب اس بحث کو چھوڑ کر اپنے دین کے نیک کاموں میں تگاپو کرو کیونکہ ایک روز اپنے مالک سے سابقہ پڑنا ہے چنانچہ تم خواہ کہیں ہو گے لیکن اللہ تعالیٰ تم سب کو اپنے اجلاس میں حاضر کر دیں گے اس وقت نیکیوں پر جزا اور اعمال پر سزا ہو گی اور بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں"۔

گو یا یہاں تبلانا یہ مقصود ہے کہ قبلہ کا مقرر ہونا کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ صرف اسے ہی حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے۔ ہر امت کے لئے اپنا اپنا قبلہ رہا ہے اور وہ اسی کی طرف رُخ کر کے عبادت کرتی رہی۔ اس لئے مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم اس قبلہ کی بحث کو چھوڑ کر اپنے دین کے نیک کاموں میں لگو اور جو نیکیاں کہ مقصود بالذات ہیں مثلاً نماز۔ روزہ۔ ذکر الٰہی خلق خدا کے ساتھ نیکی وغیرہ اس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو اور اسے ہی دینداری کی اصل بنیاد سمجھو۔ تو یہاں ایک عام تعلیم یہ ملتی ہے کہ جب امر حق دلائل قطعیہ سے ثابت ہو جائے تو پھر اس کے اختیار کرنے میں کسی کی مخالفت یا موافقت کا کچھ پاس نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ہر ایک شخص کی رائے۔ عقیدت اور رجحان جداگانہ ہوتا ہے۔ سب کے سب ایک ہی خیال کی موافقت نہیں کر سکتے۔

دوسری تعلیم فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط یعنی نیکیوں میں کوشش اور سبقت کرنے کی ملتی ہے اور نیکی کی تعریف یہی ہے کہ جو کام شریعت کے مطابق ہو اور مقصد محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہو۔ اگر یہ دو باتیں کسی کام میں نہ پائی جائیں گی تو وہ نیکی نہیں کہلائے گی مثلاً ظاہر میں تو کام شریعت کے مطابق کیا مگر باطن میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود نہ ہو تو وہ نیکی نہ ہو گی یا اسی طرح باطن میں تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہے مگر کام شریعت کے حکم کے موافق نہیں تو جب بھی وہ نیکی نہیں کہلائے گی اور اسی سے "نیکی" کی ضد یعنی "بدی" کو سمجھ لیا جائے کہ ہر وہ کام جو شریعت کے حکم کے خلاف ہو اور جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو وہ بدی ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی کرنے کے لئے آخرت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا عقیدہ اور خیال ضروری ہے۔ جب کسی کو یہ کامل یقین ہو گا کہ اس کو اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور وہاں جواب دہی کرنی ہے اور جزا و سزا کا ملنا لازمی ہے تو پھر اس کو ہر طرح کی نیکی کرنا آسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی

اپنے دربار کی حاضری کا یقین کامل عطا فرمائیں اور دُنیا میں ہمیں بھی نیکیوں میں سبقت کرنے والے گروہ میں شامل فرمائیں ۔آمین ۔

تحویل قبلہ کا حکم جس وقت نازل ہوا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ حضر میں تھے یعنی مدینہ منورہ میں قیام تھا۔اور چونکہ قبلہ کا حکم ایک مہتم بالشان حکم تھا ۔اس لئے سفر کے لئے الگ حکم بھی ہوا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط۔

"اور جس طرح حضر میں کعبہ کی طرف رُخ ہوتا ہے اسی طرح اگر مدینہ سے یا اور کہیں سے جس جگہ سے بھی کہیں سفر میں آپ باہر جاویں تو بھی اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام یعنی کعبہ کی طرف رکھا کیجئے۔ غرض سفر اور حضر سب حالتوں میں یہی قبلہ ہے اور یہ حکم عام قبلہ کا بالکل حق اور صحیح ہے اور من جانب اللہ ہے ۔اور اللہ تعالےٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں سے اصلا بے خبر نہیں اور مکرر پھر کہا جاتا ہے کہ آپ جس جگہ سے بھی سفر میں باہر جاویں تو اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام یعنی کعبہ کی طرف رکھئے "

اب کسی کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ کہیں یہ حکم خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہو۔ اس لئے آگے تمام اہلِ اسلام کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ۔

"اور اسی طرح سب مسلمان بھی سُن لیں کہ تم لوگ جہاں کہیں موجود ہو اپنا چہرہ نماز میں اسی مسجد حرام کی طرف رکھا کرو "

آگے اس حکم تحویل قبلہ کی ایک اور حکمت مسلمانوں کو بتلائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے :۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

"اور یہ حکم تحویل قبلہ اس لئے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ ان مخالف لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں اس گفتگو کی مجال نہ رہے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہی نبی موعود آخر الزمان ہوتے تو انکی علامت تو یہ بھی ہے کہ ان کا اصلی قبلہ کعبہ ہوگا اور یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اس حکمت کے واسطے بھی ہم نے تحویل قبلہ کیا ہے ۔ ہاں مگر جو ان میں بالکل ہی بے انصاف ہیں وہ اب بھی کٹ حجتی نکال لیں گے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو اتنے نبیوں کے خلاف کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں ۔لیکن جب ایسے مہمل اعتراضوں سے دین حق کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا

Marfat.com

تو ایسے لوگوں سے اصلا اندیشہ مت کرو اور ان کے اعتراضوں کے جواب کی فکر میں مت پڑو اور مجھ سے ڈرتے رہو کہ میرے احکام کی مخالفت نہ ہونے پائے کہ یہ مخالفت البتہ تم کو مضر ہے اور ہم نے ان سب احکام مذکورہ پر عمل کرنے کی توفیق بھی دی تاکہ تم پر جو کچھ میرا انعام و اکرام متوجہ ہے تم کو آخرت میں داخلِ بہشت کر کے اس کی تکمیل کر دوں اور تاکہ دنیا میں تم راہ حق پر کہ اسلام ہے قائم رہنے والوں میں رہو"

اس آیت سے بھی کئی باتوں کی تعلیم ملتی ہے :-

ایک تو یہ کہ دین کا جو معاملہ اہم اور مہتم بالشان ہو اس کے متعلق بار بار تاکید ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ تحویل قبلہ کے حکم کو مکرر و سہ کرر بیان فرمایا۔

دوسرے یہ کہ جب معترض کا عناد قرائن سے معلوم ہو جائے۔ تو پھر اس کا جواب دینا لاحاصل ہے البتہ اگر کسی طالب حق کو شبہ ہو جائے تو اس کی اصلاح و تسلی ضرور کر دی جائے۔

تیسرے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ سے ڈرنے والوں یعنی اس کے احکام کو قبول کرنے اور اس کی اطاعت کرنے والوں کے لیے دنیا میں ہدایت ہونے اور آخرت میں تکمیل انعام کا وعدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنا حقیقی خوف و خشیت عطا فرما دیں تاکہ دنیا میں ہم کو ہدایت اور راہ حق پر چلنا نصیب ہو اور آخرت میں انعامات کی تکمیل ہو۔ آمین۔

قبلہ کا بیان جو شروع پارہ سیقول سے چل رہا ہے وہ اس آیت پر ختم ہوا۔ اب آگے خاتمہ مضمون پر صاحب قبلہ یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق ذکر خیر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے :-

حق تعالیٰ ہمیں اپنے ہر حکم میں حکمت و مصلحت کا یقین کامل نصیب فرمائیں۔ اور نیکیوں میں کوشش و سبقت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ ہمیں اپنے دربار کی حاضری کا ایسا یقین کامل عطا فرما کہ جو ہم کو ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے۔ اور ہم کو اپنے قبلہ سے صحیح تعلق اور سچی محبت نصیب فرما۔ اور جس قبلہ کی طرف ہم منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں زندگی میں اس کی ہم سب کو زیارت نصیب فرما۔ یا اللہ! آپ نے اسلام اور ایمان عطا فرما کر ہم پر جو دنیا میں انعام و احسان فرمایا ہے اس کی تکمیل آخرت کے انعام و احسان سے فرما دیجئے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۶۹

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ

جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک رسول کو بھیجا تم ہی میں سے - ہماری آیات تم کو پڑھ پڑھ کر

اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

سناتے ہیں اور تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ

اور تم کو ایسی باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی - ان نعمتوں پر مجھ کو یاد کرو

اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

میں تم کو یاد رکھوں گا اور میری شکرگذاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو -

تفسیر وتشریح :- گذشتہ آیت تک قبلہ کا بیان ہوتا چلا آیا ہے - اب اس بیان کو ایسے مضمون پر ختم فرمایا جاتا ہے جو اس بیان قبلہ کے شروع میں بضمن دعائے ابراہیم علیہ السلام کے مذکور ہوا تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد ابراہیمؑ میں سے ایک خاص شان کے ساتھ مبعوث ہونا -

پارہ الم کے خاتمہ کے قریب یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد اس کی مقبولیت کی دعا کی تھی اور ساتھ ہی ایک امت مسلمہ کے پیدا ہونے کی اور اس امت میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث ہونے کی بھی دعا کی تھی جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم کریں اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کے دلوں کو گناہوں کے زنگ اور کدورت سے پاک صاف کریں - چنانچہ ان دعاؤں کی قبولیت میں ایک نعمت کا ذکر تو اوپر فرمایا گیا کہ خانہ کعبہ کو جمیع خلائق اور قبلۂ عالم بنایا اور قبلہ ابراہیمی کے بارہ میں جو سفہاء کے شبہات تھے تفصیل کے ساتھ ان کا جواب دیا گیا اور خانہ کعبہ اصل قبلہ ہونا بیان فرمایا گیا -

اب آگے دوسری نعمت یعنی ابراہیم علیہ السلام کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارہ میں جو فرمائی گئی تھی اس کا ذکر ان آیات میں فرمایا جاتا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○

یعنی ہم نے کعبہ کو قبلہ مقرر کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا [illegible] قبولیت [illegible]

Marfat.com

اسی طرح قبول کی جس طرح اُن کی دوسری دُعا جو درباب بعثت محمدیہ کے تھی قبول کی کہ تم لوگوں میں ہم نے ایک عظیم الشان رسُول کو بھیجا جو کہ تم ہی میں سے ہیں اور وہ ہماری آیات واحکام پڑھ پڑھ کر تم کو سُناتے ہیں اور خیالات اور رسوم جاہلیت سے تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتابِ الٰہی اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی مفید باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی اور نہ کتب سابقہ یا عقل اُن کے لئے کافی تھی اور اسی شان کے رسول مبعوث ہونے کی ابراہیم علیہ السلام کی دُعا تھی سو اُس کا ظہور ہو گیا۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ خصوصیات یا پانچ حیثیتیں بیان فرمائی ہیں۔

اوّل یہ کہ آپ کتاب اللہ کی آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سُناتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ لوگوں کا تزکیہ نفس فرماتے ہیں یعنی لوگوں کی رُوحانی تربیت فرما کر اُن کے عقاید اعمال و اخلاق کا تزکیہ فرماتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ آپ لوگوں کو کتاب اللہ کے الفاظ کی کیفیتِ ادا۔ اُس کے مطالب و معانی اور اسرار و رموز سکھاتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ آپ لوگوں کو حکمت و دانائی کی باتیں بتلاتے ہیں اور اپنی سنت اور اُسوۂ حسنہ کے ذریعہ کتاب اللہ کے احکام کی صحیح تعبیر و تصویر بتاتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ وہ تمام امور دین جن کا لوگوں کو علم نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی اور ذریعہ سے ان کا علم حاصل کر سکیں۔ ایسے تمام امور میں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔

انسانی ہدایت کے لئے اللہ تعالےٰ نے مختلف اوقات میں مختلف قوموں کی طرف اپنے ہادی بھیجے۔ جب آسمانی علم و ہدایت کے راستہ سے مخلوق دُور جا پڑی تو اللہ تعالےٰ نے تمام دُنیا والوں کی طرف نبی آخر الزماں رسول اکرم۔ احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ پہلی اُمتوں کے ناکارہ ہو جانے کے بعد ایک نئی اُمت مسلمہ کی بنیاد ڈالیں اور اپنی تعلیم اور صحبت فیض اثر کی برکت سے اس اُمت کو تمام دنیا کی قوموں کی ہدایت اور راہ نمائی کا منصب سنبھالنے کے لائق بنائیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعلیمات نے عرب جیسی جہالت میں ڈوبی ہوئی قوم کو کیا سے کیا بنا دیا اور اسی سرزمین عرب سے جو جہالت و ضلالت میں غرق تھی ایمان و یقین، تقویٰ و عبادت۔ رحم و کرم۔ محبت و الفت، حسن سلوک و ہمدردی۔ خوف و خشیت الٰہی۔ مکارم اخلاق اور اعمال صالحہ کے سمندر بہ نکلے۔ اسی کتاب اور سُنت کی اتباع کی بدولت قرن اوّل کے مسلمانوں کو جو دینی و دنیوی عروج حاصل ہوا تاریخ اس پر گواہ ہے۔ اور افسوس صد افسوس کہ اسی کتاب و سنت کو چھوڑ کر مسلمانوں نے جو تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی مول لی اُس کا حال بھی اب روشن ہے۔ کاش کہ مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور نبی کریم آقائے نامدار۔ فخر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی جیسی نعمت عظمیٰ کے حق شناسی کے فرض کو پہچانے اور اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کر لے! اللہ تعالیٰ ہماری دین سے غفلت اور اعراض کے مرضِ مہلک کو دفع فرمائیں اور ہم کو پھر اپنا بھولا ہوا سبق یاد کرنے کی توفیق عطا

Marfat.com

فرمائیں - آمین -

الغرض یہاں تک حق تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر ہوا جو اُمتِ مسلمہ کو عطا فرمائیں۔ مثلاً کعبہ کا قبلہ مقرر ہونا اور اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خاص تعلق ہونا۔ پھر ایسے عظیم الشان رسول کی اُمت اور تابع ہونا۔ اس لئے ان نعمتوں کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ اپنی نعمتوں کے یاد کرنے اور اُن پر شکر گذار ہونے اور انکارِ نعمت یا ترکِ اطاعت سے ناشکری نہ کرنے کا حکم فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○

"ان مذکورہ نعمتوں پر مجھ کو منعم ہونے کی حیثیت سے یاد کرو۔ میں تم کو عنایت سے یاد رکھوں گا۔ اور میری نعمت کی شکر گذاری کرو اور انکارِ نعمت یا ترکِ طاعت سے میری ناشکری مت کرو۔" یہاں اس آیت میں حق تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو تین باتوں کا حکم دے رہے ہیں۔

پہلا حکم یہ دیا گیا کہ منعمِ حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہر دم یاد رکھو۔ اور اللہ کو یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اُس کی بتائی ہوئی راہ پر پوری ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے کھاتے پیتے۔ غرض ہر وقت ہر کام میں۔ ہر حال میں ہر آن میں اللہ تعالیٰ کا حکم۔ اُس کی رضا اور پسند کو مقدم رکھے اور اپنی یاد کے لئے جو طریقہ حق تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس پر قائم رہے۔ اس کے صلہ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تم پر دُنیا اور آخرت دونوں جہاں میں اپنے خاص فضل و کرم کی بارش کرتا رہوں گا اور تم پر رحمتیں و عنایتیں ہوتی رہیں گی اور تم کو اجر و ثواب اور مزید انعام و اکرام سے نوازتا رہوں گا۔

دوسرا حکم اُمتِ مسلمہ کو یہ دیا جا رہا ہے کہ میری نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو اور شکر کی بہترین شکل یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اسی کے حکم کے مطابق اُس کے رضا کے کاموں میں لگایا جائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کام کرنے کی جو حدیں مقرر فرمائی ہیں اُن کے اندر رہ کر کام کیا جائے۔ اس سے نعمتوں میں اضافہ اور زیادتی ہوتی ہے جیسا کہ تیرہویں پارہ سورۃ ابراہیم میں وعدہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اگر تم شکر گذاری کرو گے تو تمہیں ضرور زیادہ دوں گا۔ اور اسی اضافہ اور زیادتی کو برکت بھی کہتے ہیں۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں۔ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں اور قوتوں کی ناقدری اور ناشکری نہ کرو۔ ناشکری سے نہ صرف نعمت چھن جاتی ہے بلکہ شدید عذاب اور سزا بھی ملتی ہے۔

یہ آیت فَاذْكُرُوْنِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے نہایت مختصر ہے مگر احکام کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ جس میں ذکر اور شکر کا حکم ہے اور کفرانِ نعمت کی ممانعت ہے۔ ان تینوں امور کی اہمیت کے باعث ان کی قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

ذکر اللہ : ۔ چونکہ قرآن اور دین اسلام کی تعلیم اور اس کا مطالبہ یہ ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ اسلام درحقیقت نام ہی اس کا ہے کہ اللہ کے بندے اپنی پوری زندگی احکامِ الٰہی کے تابع گذاریں اور ہر حال اور

ہر معاملہ میں وہ اللہ کی فرمانبرداری کریں چونکہ یہ بات کامل طور پر جب ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ بندے کو ہر وقت اللہ کا خیال رہے اور اس کے دل میں اللہ کی عظمت و محبت پوری طرح دل میں بیٹھ جائے۔ اس لئے قرآن کریم کی ایک خاص تعلیم یہ ہے کہ بندے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کریں اور اُس کی تسبیح و تقدیس و حمد و ثنا سے اپنی زبانیں تر رکھیں۔ دل میں اللہ کی محبت و عظمت پیدا کرنے کا یہ ایک خاص ذریعہ اور موثر نسخہ ہے اس لئے قرآن پاک میں اللہ کے ذکر کی کثرت کی بڑی تاکید آئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ذکر اللہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو۔ وہ جس حال اور جس مشغلہ میں ہو اس کو اللہ اور اُس کے احکام کا خیال ہو۔ اس کے لئے اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں وہ زبان سے بھی ذکر کرے لیکن اللہ کے جن بندوں کا یہ حال ہوتا ہے ان کی زبانیں بھی ذکر اللہ سے تر رہتی ہیں اور یہ حال کہ ہر وقت اللہ اور اُسکے حکموں کا خیال رہے اور غفلت نہ ہونے پائے عموماً انہی بندگانِ خدا کا ہوتا ہے جو ذکر کی کثرت کے ذریعہ دل و دماغ میں اللہ کی یاد اور دھیان کی مستقل کیفیت پیدا کر لیتے ہیں اور اللہ سے اپنے قلبی تعلق کو بڑھا لیتے ہیں۔ اِس لئے ذکر لسانی یعنی زبانی ذکر کی کثرت بہر حال ضروری ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب ذکروں میں افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر ہے۔ ذکر کی فضیلت میں علماء نے مستقل رسالہ اور کتابیں لکھی ہیں۔ اصحاب ذوق و شوق ان کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

شُکر: — اہل تحقیق کے نزدیک شکر کی حقیقت عاجزانہ طور پر نعمت منعم کا اعتراف کرنا ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی محسن کے احسان کو یاد کر کے اُس کی تعریف کرنا۔ لہٰذا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اُس کے احسان کی یاد کے ساتھ ساتھ کرنا اور اللہ کے انعام کا زبان سے ذکر اور دل سے اقرار کرنا۔ شکر کی کئی قسمیں ہیں ایک تو زبان سے شکر یعنی عاجزانہ تعریف کے ساتھ اللہ کی نعمت کا اعتراف کرنا۔ دوسرے بدن اور اعضاء و جوارح کے ساتھ شکر یعنی تمام اعضاء ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک۔ کان وغیرہ کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر انہیں اس کام میں مصروف رکھے جس کے واسطے حق تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ تو بدن کے جملہ اعضاء کو آخرت کے کاموں میں مشغول رکھنا یہ حقیقی شکر ہے۔ بدن اور قلب کا شکر یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر ہر حال میں استقامت رکھے اور یقین رکھے کہ ہم سے جو نیکی ہو رہی ہے یا جس طاعت و عبدیت اور ذکر الٰہی کا ہم سے ظہور ہو رہا ہے یہ سب اللہ کی توفیق۔ مدد۔ قوت اور انعام کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس طرح اپنی عاجزی۔ کوتاہی اور نادانی کا اقرار ہو۔

یہاں آیت میں ذکر اور شکر ان دونوں کا تو حکم دیا گیا اور کفران نعمت سے ممانعت کی گئی اور کفران نعمت

Marfat.com

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نعمت کو جس غرض کے لئے پیدا کیا ہے اسے ہٹا کر کسی دوسرے کام یا دوسری غرض میں صرف کرنا مثلاً آنکھ کو اللہ تعالیٰ نے دو کاموں کے لئے پیدا کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ انسان اس سے اس جہاں میں اپنی حاجات کی راہ سے واقف ہو دوسرے یہ کہ وہ حق تعالیٰ کی عجیب و غریب مصنوعات کو دیکھے اور اللہ کی معرفت حاصل کرے اور اس کی عظمت سے واقف ہو۔ اب ان کے علاوہ جب آنکھ کو کسی اور کام میں یعنی کسی گناہ یا معصیت یا ناجائز امر میں کام لائے گا تو یہ آنکھ کی نعمت کا کفران ہوگا بلکہ آنکھ کی نعمت بلا آفتاب کے ناقص ہے کیونکہ بغیر نور آفتاب کے ہم دیکھ نہیں سکتے اور اس طرح ایک ناجائز کام میں آنکھ استعمال کرنے سے نہ صرف آنکھ بلکہ آفتاب کی نعمت اور آفتاب کی وجہ سے زمین پر ہر شے ہے اس لئے زمین کی ہر نعمت کا کفران ہے۔ اسی سبب سے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے زمین و آسمان اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اب آپ غور کیجئے کہ جب ایک نعمت کے کفران پر زمین و آسمان کی لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے تو پے در پے معاصی۔ گناہ اور نافرمانی کا کیا وبال ہوگا؟ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں اور کفرانِ نعمت کے گناہ سے ہم کو بچائیں۔

الغرض یہاں ذکر و شکر کا حکم تھا اور کفران نعمت کی ممانعت تھی اور ذکر و شکر میں تمام احکام خداوندی کو بجالانا داخل تھا۔ اور کفران نعمت کی ممانعت میں تمام منہیات اور ممنوعات سے بچنا داخل تھا اور تمام احکام کا بجالانا اور تمام ممنوعات سے بچنا بظاہر امر دشوار ہے اس لئے آگے مسلمانوں کو دشواری معلوم ہو تو ذکر و شکر حاصل کرنے اور کفرانِ نعمت سے بچنے کا طریقہ بتلایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:۔

یا اللہ! آپ نے ہم کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونا نصیب فرمایا ہے تو اس نعمت کی قدردانی اور اس کی صحیح شکر گذاری کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور سچا اُمتی ہونا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! اپنے ذکر و فکر کی توفیق دائمی ہم کو عطا فرما اور اپنی ہر چھوٹی بڑی نعمت تام کو قدردان اور شکر گذار بندہ بنا کر زندہ رکھ اور ہر طرح کے کفرانِ نعمت سے ہم کو محفوظ فرما۔ اور گذشتہ میں ہم سے جو کفرانِ نعمت کی معصیت سرزد ہوئی ہو تو اپنی رحمت سے اُسے معاف فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۷۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ
اے ایمان والو صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔ بلاشبہ
اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾
حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر اور شکر کرنے اور کفرانِ نعمت نہ کرنے کا حکم دیا تھا جس میں تمام عبادات اور احکامِ خداوندی کا بجالانا داخل تھا اور تمام منہیات اور ممنوعات سے بچنا شامل تھا۔ ذکر و شکر درحقیقت جملہ احکامِ شرعیہ کو شامل ہے اگر کوئی ان دو صفات کا حق ادا کردے تو گویا وہ جملہ اوامر یعنی وہ کام جن کو شریعت نے کرنے کا حکم دیا ہے پورے کرسکے گا اور ایسے ہی عدم کفرانِ نعمت تمام منہیات شرعیہ پر شامل ہے۔ اگر کوئی اسکو اختیار کرے تو گویا وہ تمام نواہی یعنی جن کاموں کے کرنے کو شریعت نے منع کیا ہے اُن سے بچ جائے گا۔ تو اس طرح ذکر و شکر سے جملہ احکام شرعیہ کی بجاآوری اور عدم کفرانِ نعمت سے جملہ منہیات شرعیہ سے بچنا بنظرِ ظاہری دشوار اور مشکل معلوم ہوتا ہے اِس لئے اس آیت میں حق تعالیٰ مسلمانوں کو ذکر و شکر کے حاصل کرنے اور کفرانِ نعمت سے بچنے کے لئے ایک طریقہ تعلیم فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ

"اے ایمان والو! اگر میرا ذکر و شکر کرنا اور کفرانِ نعمت سے بچنا تم کو دشوار معلوم ہو تو صبر اور نماز کی مدد اور سہارے سے اس کو حاصل کرو۔"

یعنی اگر نفس پر احکامِ شرعیہ شاق اور گراں ہوں تو اُن کے آسان ہونے کا ایک علاج صبر ہے دوسرا علاج نماز ہے۔ گویا یہ نسخہ اکسیر قرآنی دو جزو سے مرکب ہے۔ ایک صبر دوسرے نماز۔

اب ہر جزو کی قدرے تشریح ملاحظہ کیجئے :۔

صبر :۔ صبر کے اصلی معنیٰ اپنے نفس کو روکنے اور اس پر قابو پانے کے ہیں۔ قرآن اور سنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں۔

ایک ۱ اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا۔

دوسرے ۲ نفس کو طاعات و عباداتِ الٰہیہ اور احکامِ شرعیہ کی پابندی پر مجبور کرنا۔

تیسرے ۳ مصائب اور آفات پر صبر کرنا یعنی جو مصیبت آگئی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا اور اس کے

ثواب کا امیدوار رہنا - یہ تینوں شعبے صبر کے فرائض میں داخل ہیں اور ہر مسلمان پر تینوں طرح سے صبر کا پابند ہونا لازم ہے - قرآن وحدیث کی اصطلاح میں صابرین انہی لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں - قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہٗ نے صبر کو ۷۰ یا ۷۵ جگہ ذکر فرمایا ہے اور اخلاق جمیلہ میں صبر کا مقام نہایت بلند ہے - صبر اللہ کے لشکروں میں سے ایک بڑا لشکر ہے اور من جانب اللہ ایک خاص ہتھیار ہے کہ جو خاص انسان کو عطا کیا گیا ہے اور حیوانات و ملائکہ دونوں کو یہ نعمت نصیب نہیں اس لئے کہ حیوانات میں غضب و شہوت ہے عقل نہیں اور ملائکہ میں غضب و شہوت نہیں صرف عقل ہے اور انسان میں عقل کے ساتھ شہوت و غضب بھی ہے اس لئے صبر کی سعادت صرف انسان حاصل کر سکتا ہے - حیوانات بھی صبر سے محروم ہیں اور ملائکہ کو بھی صبر کی ضرورت نہیں -

صبر کی دو قسمیں ہیں ایک بدنی یعنی جو بدن سے تعلق رکھتا ہے دوسرے نفسانی یعنی جس کا تعلق نفس سے ہے - بدن کا صبر یہ ہے کہ مشقت اور عمل کی سختی اختیار کرے یا امراض بدنی پر صبر کرے یعنی ایسی حالت میں خلاف قانون شرع و عقل کوئی حرکت نہ کرے اور صبر نفسانی یہ ہے کہ نفس کو اس کی بیجا خواہشوں سے روکے - اگر فضول چیزوں کی خواہش سے روکے گا تو اس کو زہد و قناعت کہیں گے -

اگر غصہ کی حالت میں اپنے مخالف سے درگذر کرے گا اور نفس کو انتقام لینے سے روکے گا تو اس کو حلم کہیں گے - اگر کسی کے راز افشاء کرنے سے زبان روکے گا تو اس کو رازداری کہیں گے اور بیہودہ بکواس سے اور اپنے اعضاء کو بے جا حرکات سے روکے گا تو اس کو متانت کہیں گے - اگر تونگری میں غرور اور نخوت سے باز رہا تو اس کو بلند حوصلگی کہیں گے - اگر مصیبت کے وقت نالہ و فریاد سے بچے تو یہ صبر عرفی ہوگا -

لیکن یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ مصیبت یا تکلیف میں اظہار غم یا آنسو بہنا یا چہرہ کا [illegible] یہ خلاف صبر نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہتے تھے اور آپ نے اظہار غم بھی اس طرح فرمایا تھا کہ اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے نہایت غمگین ہیں اور دریافت کرنے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا غم کرنا اور اس طرح آنسو بہنا بسبب رحمت و شفقت کے ہے -

الغرض صبر کے فضائل قرآن وحدیث میں بکثرت ہیں جس کسی نے ترقی حاصل کی ہے اس صبر ہی کی بدولت حاصل کی ہے - اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے صابر بندوں میں شامل فرمادیں - آمین - پس تکلیفات شرعیہ اور اطاعت احکام الٰہیہ جو نفس پر شاق اور گراں معلوم ہوں تو ان کے آسان ہونے کا علاج صبر ہے اور اس سے ذکر و شکر اور ترک کفران نعمت حاصل ہوتا ہے - اور اگر باوجود اس عادت صبر کے بھی تکلیفات شرعیہ گراں معلوم ہوں اور ذکر و شکر اور ترک کفران نعمت کے حصول میں کچھ مانع ہوں تو ایک نسخہ اور علاج حق تعالیٰ نے صلوٰۃ کا

Marfat.com

تبلایا اس لئے کہ نماز ایک تریاقی مجرب ہے کہ اس میں خدا کی حمد وثنا اور دعا اور اس کے آگے عاجزی وانکساری ہے۔ اور نماز کو انسان کی تمام حاجات کے پورا کرنے اور تمام آفات ومصائب سے نجات دلانے میں ایک خاص تاثیر بھی ہے بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح آداب اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھا جائے۔ ہماری جو نمازیں غیر متوثر نظر آتی ہیں اس کا سبب ہمارا قصور ہے کہ نماز کے آداب وخشوع وخضوع میں کوتاہی ہوتی ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول اور عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی فکر آپ کو لاحق ہوتی یا مہم پیش آتی تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مہم کو پورا فرما دیتے۔ اور امت کو اس کا تفصیلی طریقہ جو آپ نے تعلیم فرمایا وہ احادیث میں اس طرح آیا ہے:۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو۔ کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو۔ بہرصورت اس کو چاہیئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالےٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ۔ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ط

"اللہ کے سوا کوئی مالک ومعبود نہیں۔ وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے۔ پاک اور مقدس ہے۔ وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے۔ ساری حمد وستائش اس اللہ کے لئے ہے۔ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق واحوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا خداوند میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اسکو پورا فرما دے اے ارحم الراحمین سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان (جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ)

Marfat.com

غرض کہ نماز اُمّ العبادات ہے اور دین کا ستون ہے اور مومن کی معراج ہے جس کی کثرت سے مومن کے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ اِس کی روح دعا ہے جو ہر مرض کی دوا ہے۔ اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ صبر اور نماز سے غافل نہ ہوں۔

اخیر میں اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ فرما کر اس کا راز بھی بتلا دیا گیا کہ صبر اور نماز تمام مشکلات و مصائب سے نجات کا سبب اِس لئے ہے کہ صبر سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے ساتھ رَبُّ العزّت کی معیت اور طاقت ہو اُس کا کون سا کام رُک سکتا ہے اور کون سی مصیبت اس کو عاجز کر سکتی ہے اور جب بذریعہ صبر کے حق تعالیٰ کی معیت اور قُرب حاصل ہوتا ہے تو نماز والوں کے ساتھ تو حق تعالیٰ کی معیت بدرجہ اَوْلیٰ ہوگی کیونکہ نماز سب سے بڑی عبادت ہے۔ جب صبر میں یہ وعدہ ہے تو نماز جو اس سے بڑھ کر ہے اس میں تو بدرجہ اَوْلیٰ یہ بشارت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صبر اور نماز سے سہارا لینے کی دولت عطا فرمائیں۔ آمین۔

قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ نے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے ایمان والوں کو براہِ راست ۸۸ جگہ خطاب فرمایا ہے چنانچہ یہ دوسرا موقع ہے کہ جہاں ایمان والوں کو ان الفاظ سے مخاطبت کی گئی ہے اور صبر و نماز سے سہارا اور مدد حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی یہ وعدہ فرمایا جا رہا ہے کہ بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کے ساتھ حق تعالیٰ ہو جائیں پھر اس سے بڑھ کر اور کیا مطلوب و مقصود ہو سکتا ہے۔

اب صبر کی فضیلت بیان فرما کر آگے بعض اُن مواقع اور حالات کا ذکر ہوتا ہے جہاں صبر کی ضرورت ہوگی چنانچہ جہاد فی سبیل اللہ یعنی جنگ و قتال مع الکفار کا مضمون اگلی آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

حق تعالیٰ ہمیں بھی صبر کی حقیقت نصیب فرمائیں اور تمام مشکلات و مصائب میں ہمیں صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! اپنے ذاکرین، شاکرین اور صابرین بندوں میں ہم کو شامل فرمائیے اور آپ کی معیت ہر حال میں ہم کو نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو ایسی نمازوں کی توفیق عطا فرما دے جو ہمارے حاجاتِ دینی و دنیوی کے حصول کا ذریعہ ہوں اور تمام مشکلات کی آسانی کا واسطہ ہوں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۷

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط
اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں اُن کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مُردے ہیں۔
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں صبر کی تعلیم اور صابرین کی فضیلت بیان کی گئی تھی اور بتلایا گیا تھا کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اب اس آیت میں اور آئندہ آیات میں بعض ان مواقع اور حالات کا ذکر ہوتا ہے جہاں صبر کی ضرورت ہو گی جن میں قتل و قتال مع الکفار یعنی جہاد فی سبیل اللہ ہے اس لیے کہ جان کے آگے مال یا دولت یا کسی اور نفع کی کچھ وقعت نہیں پس جس قدر صبر اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے میں ہے اتنا کسی اور چیز کے صرف کرنے میں نہیں چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے :- وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں یعنی دین کے واسطے قتل کیے جاتے ہیں اُن کی ایسی فضیلت ہے کہ اُن کی نسبت یُوں بھی مت کہو کہ وہ معمولی مُردوں کی طرح مُردے ہیں بلکہ وہ لوگ ایک ممتاز حیات کے ساتھ زندہ ہیں لیکن تم ان حواس سے اس حیات کا ادراک نہیں کر سکتے"

اسلامی عقائد کی رُو سے ہر مرنے والے کو خواہ وہ مومن ہو یا کافر و فاسق ہو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ عالم قبر یا عالم برزخ میں ہونے والے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس حیات برزخی کے مختلف درجات ہیں۔ ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے اور کچھ مخصوص درجے انبیاء و شہداء اور صالحین کے لئے ہیں۔ مرنے کے بعد روح چاہے وہ مومن کی ہو یا کافر کی کسی کی نہیں مرتی بلکہ روح سالم و قائم دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ہاں جو فاسق۔ فاجر۔ منافق۔ کافر ہیں۔ عالم برزخ میں اُن کی روح اپنے دنیوی اعمال کے اس رنگ سے جو دنیا میں اُن کی رُوح پر چڑھا تھا عذاب پاتی ہے اور جو ابرار اور نفوس قدسیہ ہیں وہ انوار الٰہیہ اور عالم نورانی میں مسرور ہوتے ہیں اور اُن کی رُوح جنت اور عالم قدس کے باغوں میں جہاں چاہتی ہے عیش مناتی پھرتی ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ شہیدوں کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں آشیانہ عرش میں رہتی اور جنت میں جہاں سے چاہے کھاتی پیتی ہیں پس ابرار کا اس عالم سرور میں جانا اصل زندگی ہے۔ خصوصاً شہید فی سبیل اللہ کو جو اپنی حیاتِ دنیوی کو اللہ کی نذر کر دیتا ہے اس کو حیاتِ ابدی اس کے بدلہ نصیب ہوتی ہے۔ چوتھے پارہ سورۂ آلِ عمران میں بھی ارشاد ہے :-

Marfat.com

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○

یعنی اے مخاطب جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی دین کے واسطے قتل کیے گئے اُن کو اور مُردوں کی طرح مُردہ خیال کرو بلکہ وہ لوگ ایک ممتاز حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے مقرب یعنی مقبول ہیں۔ ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ اس آیت نے بتلایا کہ شہداء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے منتقل ہوتے ہی شہید کے لئے رزق جنت جاری ہو جاتا ہے اور ایک خاص قسم کی زندگی اُسی وقت سے اُس کو مل جاتی ہے جو عام مُردوں سے ممتاز حیثیت کی ہے۔ اب یہ کہ وہ زندگی کیسی ہے اور وہ امتیاز کیا ہے تو اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

آیت زیر تفسیر کے تحت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں اور اُس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اُس کی موت کو دوسرے مُردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ وجہ اُس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی رُوح کو حاصل ہے اور اُسی سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں اور مُردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اُس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے۔ حتیٰ کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مُردوں کے اُس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اُس کا جسم باوجود مجموعہ گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیاۃ ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں مثلاً انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ اُن کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر شہداء۔ پھر اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء و صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں (بہ اختصار و بہ تسہیل الفاظ)

الغرض شہید فی سبیل اللہ اگرچہ ظاہراً مر گیا لیکن اُس کی موت عام لوگوں کی موت نہیں۔ مرنے کے بعد انسان کی ترقی رُک جاتی ہے اسلئے کہ رُوح کی ترقی کا ذریعہ بدن ہے۔ جب رُوح کا تعلق بدن سے ختم ہوا تو ترقی مراتب بھی ختم ہوتی مگر شہید کی ترقی برابر جاری رہتی ہے جس عمل میں اُس نے جان دی اُس کا اجر برابر جاری رہتا ہے گویا اب بھی وہ عمل برابر کر رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اُس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے (بخاری و مسلم)

احادیث میں شہید کے بہت سے اقسام وارد ہوئے ہیں مگر ایک قسم شہید کی وہ ہے جس کے متعدد شرائط شریعت نے رکھے ہیں جس شہید میں وہ سب شرائط پائے جائیں جیسا کہ کتب فقہ میں تفصیل ہے اس کا ایک حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون اُس کے جسم سے زائل نہ کیا جائے۔ اسی طرح اُس کو نماز پڑھ کر دفن کر دیں۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ وہ جو کپڑے

پہنے ہوئے ہوان کپڑوں کو اُسکے جسم سے نہ اُتاریں۔ اُنہی خون آلود کپڑوں میں دفن کیا جائے۔ ہاں جو اشیاء کفن کی جنس سے نہیں جیسے ہتھیار۔ زرہ۔ پوستین وغیرہ وہ بدن سے نکال لی جائے۔ اس طرح احکام کے لحاظ سے شہید کی چار قسمیں ہیں:۔

ایک[1] دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے شہید ہو یعنی بے غسل و کفن صرف نماز جنازہ پڑھ کر حنفیہ کے نزدیک دفن کر دیا جائے اور شوافع کے نزدیک نماز جنازہ کی بھی ضرورت نہیں کہ وہ خود ہی مغفور اور پاک صاف ہے یعنی مخلص مجاہد فی سبیل اللہ۔

دوسرے[2] صرف آخرت کے لحاظ سے شہید ہوا اور احکام دنیا اس پر شہید کے جاری نہ کئے جائیں جیسے دریا میں ڈوب کر مرنے والا۔ دستوں کے مرض میں اور تپ دق میں ہلاک ہونے والا۔ بچہ کی ولادت میں بحالتِ نفاس مرنے والی عورت اخروی شہید کہلائیں گے لیکن مذکورہ دنیاوی احکام ان پر جاری نہیں کئے جاویں گے۔

تیسرے[3] صرف احکام دُنیا کے لحاظ سے شہید سمجھا جائے لیکن درحقیقت اخروی لحاظ سے شہید نہ ہو اور اُس مخصوص درجہ اور ثواب کا مستحق نہ ہو جو شہدار کے لئے ہوتا ہے جیسے غیر مخلص یا ریاکار مجاہد۔

چوتھے[4] جس پر دونوں لحاظ سے شہید کے احکام مقتول پر جاری نہ کئے جاویں جیسے حکومت اسلامیہ کے خلاف بغاوت میں قتل ہونے والے۔ یا ڈاکہ زنی میں مارے جانے والے کہ ان مقتولوں پر نہ صرف یہ کہ شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے بلکہ عام مسلمانوں کے احکام بھی اُن پر جاری نہ ہوں گے یعنی دُوسروں کو عبرت دلانے کے لئے نہ اُن کو کفن دیا جائے گا۔ نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

آیت کے اخیر میں جو فرمایا گیا وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ یعنی اس عالمِ دُنیا میں رہتے ہوئے ان حواس کے ساتھ عالمِ برزخ کی حیات شہداء کو تم ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ اس عالمِ دنیا کی کیفیت اور احوال اور ہیں اور مرنے کے بعد عالمِ برزخ کی کیفیات اور احوال اور ہیں۔ تو اس عالمِ دنیا میں رہ کر انسان نہ تو پوری طرح عالمِ برزخ کی کیفیات اور احوال کا ادراک کر سکتا ہے۔ اور نہ اُن کو کماحقہٗ سمجھ سکتا ہے اور اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ ایک بچہ ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے پیدائش سے پہلے اس عالمِ دنیا کی کیفیات اور احوال کو نہیں سمجھ سکتا۔ اسلئے کوئی بات خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے جب قرآن و حدیث اس کو بیان کرے تو مومن کا اس پر ایمان لانا اور یقین کرنا ضروری ہے۔

الغرض صبر کی حق تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر ہے اور صابر کا اُن کے دربار میں بڑا اعزاز و اکرام ہے پس مواقع صبر میں سے یہاں نہایت اہم اور بڑے واقعہ کو بیان فرمایا گیا یعنی اللہ کی راہ میں دین کے لئے قتل ہو جانا اور اپنی جان دے دینا۔ اب آگے اس سے چھوٹے مواقع کا بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ کے ہاں صبر کی اعلیٰ قسم شہادت کی طرح اس سے ادنیٰ قسم کی بھی قدر ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔ حق تعالیٰ ہم کو اپنے صابر شکر بندوں میں شامل فرمائیں۔ اور دُنیا میں جب تک زندہ رکھیں اپنی مرضیات پر صبر و استقامت کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جب اس عالم سے رخصت ہو کر ہماری روح عالمِ برزخ میں پہنچے تو حق تعالیٰ اپنے کرم سے ہماری روحوں کو راحت و آرام و چین و سکون عطا فرمائیں۔ اور جب ہم عالم برزخ سے عالمِ آخرت کی طرف اُٹھائے جائیں تو ہر طرح کے عذاب و سختی سے محفوظ رہیں۔ اور شہداء و صالحین کے ساتھ ہمارا حشر و نشر فرمائیں آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۷۲

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ

اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور

الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

مال و جان اور پھلوں کی کمی سے - اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے۔

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ

کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی

رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ

کے پاس جانے والے ہیں۔ ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہونگی اور

رَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہو گئی۔

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں صبر کے سب سے بڑے امتحان یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا گیا تھا اور راہِ حق میں سر کٹا کر جو شہید ہوئے ان کی فضیلت بیان فرمائی گئی تھی - اب آگے ان آیات میں بعض دوسرے مواقع صبر کے جو شہادت کے امتحان کے درجے سے کم ہیں ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اور دیکھو ہم صفت رضا و تسلیم میں جو کہ مقتضا ایمان کا ہے تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے جو کہ ہجوم دشمنین یا نزول حوادث و شدائد سے پیش آوے اور کسی قدر فقر و فاقہ سے اور کسی قدر مال و جان اور پھلوں کی کمی سے مثلاً مواشی مر گئے یا کوئی آدمی مر گیا یا بیمار ہو گیا یا پھل اور کھیتی کی پیداوار تلف ہو گئی پس تم صبر کرنا اور جو لوگ ان امتحانوں میں پورے اتر آئیں اور مستقل رہیں تو اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے - چنانچہ مصائب کی یہ سب قسمیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑیں - بھوک کے مارے پیٹ پر پتھر بندھے رہا کرتے تھے - تجارت - زراعت بلکہ مہاجرین نے تو گھر بار بھی راہ مولیٰ میں چھوڑ دیئے تھے - مگر کبھی شکوہ زبان پر نہ آیا اور صبر و استقلال اور رضا و تسلیم کا بہترین مظاہرہ کیا - الغرض ابتدائے اسلام میں بھی اور بعد میں بھی مسلمانوں کی مختلف طریقوں سے آزمائشیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی رہیں اور ان میں جو ثابت قدم رہا اور صبر کو اختیار کیا اس کو بشارت اور خوشخبری بھی دی جا چکی - اب آگے صبر کرنے والوں کی حالت اور نشانی بیان فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے:-

اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ "اُن پر یعنی صبر کرنے والوں پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم تو حقیقتاً اللہ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب دنیا سے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں"۔ یہاں تعلیم یہ دی گئی کہ مسلمان کو جب بھی کوئی مصیبت پیش آوے تو اس کو کہنا چاہیئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔ اور مفہوم اس کا دل سے یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہم تو اللہ کی ملکیت ہیں اور مالکِ حقیقی کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے۔ پس جو کچھ ہمیں پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں سو یہاں کے نقصانوں کا بدلہ وہاں جاکر مل رہے گا۔ الغرض اس کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ سے ہمیں تین باتیں معلوم ہوئیں ؎

اوّل یہ کہ ہم تمام سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں ہم خود بھی اور ہماری ہر شے بھی حقیقتہً ہماری اپنی نہیں۔ نہ بیوی۔ نہ بچے۔ نہ مال۔ نہ جائیداد۔ نہ جسم و جان۔ انسان کے رنج و غم اور درد و حسرت کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے اور جب ذہن سے یہ خیال نکال دیا جائے اور سمجھا جائے کہ جو چیز بھی ہے سب اللہ کی ہے پھر رنج و ملال کا موقع ہی نہیں رہتا۔

دوسرے یہ کہ دنیا کی رنج و تکلیف خواہ کتنی ہی بڑی ہو سب آنی جانی فانی اور عارضی ہیں یہ ختم ہو جائیں گی اور عنقریب انہیں چھوڑ کر مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضری دینی ہوگی اس لئے ان سے گھبرانا کیا۔

تیسرے یہ معلوم ہوا کہ یہ مصیبتیں اور آزمائشیں یونہی بیکار نہیں۔ ان کا اجر و ثواب عالمِ آخرت میں ضرور ملے گا جو انہیں صبر سے برداشت کر گیا۔ حق پر ثابت قدم رہا۔ اور مقصدِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اُسے اس استقامت کا اجر ضرور ملے گا۔

یہاں لفظ مصیبت کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیئے جو بہت وسیع اور عام ہے۔ جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گذرے بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے اور اس پر اس کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کو پڑھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ میں چراغ گُل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ جو چیز باعثِ قلق ہو اور اسکو دل سے کچھ تعلق ہو اس کا جاتا رہنا مصیبت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ یہ بھی مصیبت ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سے تشریف لائے اور آپ کے انگوٹھے میں کانٹا چبھا ہوا تھا تو اس کے درد سے بار بار یہ کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ فرماتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب مسلمان کو مصیبت کسی نوع کی پہنچتی ہے اور وہ یہ کلمہ بار بار پڑھتا ہے تو اس مصیبت کے عوض نیکی ملتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کلمہ خاص میری اُمت کو ملا ہے۔ اگلی اُمتوں کو عنایت نہیں ہوا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کلمہ اگلے پیغمبروں کو بھی نہ ملا تھا۔ اُن کی اُمتوں کا تو ذکر کیا۔ حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج یا مصیبت پہنچے اُس پر گو زیادہ وقت گذر جائے اور پھر وہ مصیبت اُسے یاد آجائے اور وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بچہ کو دفن کیا۔ ابھی میں اُس کی قبر میں سے نکلا تھا کہ ایک دوسرے صحابی نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ مَلَکُ الْمَوْت سے دریافت فرماتے ہیں کہ تو نے میرے بندہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اُسکے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا تو اس بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں کہ خدایا تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اُسکے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اُس کا نام بَیْتُ الْحَمْد رکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ چار عادتیں جس میں جمع ہو جاویں اسکے لئے بہشت میں گھر بنتا ہے۔ اوّل یہ کہ اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرے۔ دوسرے یہ کہ مصیبت میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن پڑھے تیسرے یہ کہ نعمتِ الٰہی پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے اور چوتھے یہ جب کوئی گناہ اس سے ہو جائے تو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کی حقیقت نصیب فرمائیں اور ہر ناگواری کے موقع پر اسکو وردِ زبان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب اوپر جو بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ فرمایا گیا تھا یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صابرین کو بشارت سنا دیجئے تو آگے اس بشارت کی تفصیل فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ ق وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ○ اُن لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے مبذول ہوں گی اور سب پر عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں ہدایت یافتہ یعنی صابرین کے لئے حق تعالیٰ نے یہاں تین باتوں کی بشارت دی ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کی عنایات اور نوازشات اُن پر ہونگی۔ دوسرے اللہ کی رحمت اُن پر ہوگی اور تیسرے یہ کہ انہیں ہدایت نصیب ہوگی۔ امیرالمؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ ان صبر والوں کو دو برابر کی چیزیں یعنی صَلٰوت اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز یعنی ہدایت ملتی ہے۔ ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان والے پر پے در پے مصیبتیں پڑتی رہتی ہیں کبھی صدمہ جان پر ہے کبھی مال میں نقصان ہے اور یہ اُسکے گناہوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے پاس گناہوں سے پاک جاتا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت ہی ہے کہ تکالیف کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا سبب ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دُنیا کے نقصان کو آخرت کے دائمی اجر و نفع سے بدل دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ مومن کا حال بھی عجیب ہے کہ اسکے ہر کام میں خیر ہے۔ اگر اسکو کوئی حالت خوشی کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے اور اس وسیلہ سے قربِ خداوندی اور استحقاقِ اجر و ثواب کا حاصل کرتا ہے اور اگر کوئی حالت ناگوار پیش آتی ہے تو کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن پڑھتا ہے اور صبر کرتا ہے اور اس راہ سے بھی قربِ الٰہی اور اجر و ثواب حاصل کرتا ہے گویا ہر طرف سے اسکے واسطے دروازہ قرب کے کھلے ہوتے ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی معیت اور صلوٰۃ و رحمت اور ہدایات کا ذکر یہاں تک ہوا اب آئندہ آیات میں اس کی ایک دلیل اور شاہد کو ذکر فرمایا جاتا ہے یعنی حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے صبر کی ایک یادگار ذکر فرمائی جاتی ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی اسی صبر کی یادگار ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ دُعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اپنے صابر و شاکر بندوں میں شامل فرمائیں اور ہر حال میں ہم کو صبر کی توفیق عطا فرما کر اپنی خصوصی رحمتوں عنایتوں اور نوازشوں سے نوازیں اور اپنی ہدایات پر ہم کو قائم رکھیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۷۳

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ
تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگارِ خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے
الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ
بیت اللہ کا یا عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں۔
وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾
اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے تو حق تعالیٰ قدردانی کرتے ہیں خوب جانتے ہیں

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت صابرین کے ساتھ ہوتی ہے اور صابرین پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور توجہات ہوتی ہیں اور ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ بھی ہیں۔ اب آگے آج کی آیت میں اسی کی ایک دلیل ذکر فرمائی جاتی ہے۔ یعنی حضرت ہاجرہؓ اور اُن کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے صبر جمیل کی ایک یادگار کا ذکر فرمایا جاتا ہے کہ صفا و مروہ کی سعی اسی صبر کی یادگار ہے۔

صفا و مروہ مکہ معظمہ میں مسجد حرام سے ملحق دو پہاڑیاں ہیں اور ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان تقریباً سات فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچہ حضرت اسمٰعیل کو وادی فاران میں چھوڑ گئے تھے اور حضرت اسمٰعیل ابھی دودھ پیتے بچہ ہی تھے تو جب حضرت ہاجرہؓ کے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا اور بچہ بھی پیاس کے مارے بیچین ہونے لگا تو حضرت ہاجرہ انتہائی بے چینی اور بیقراری کی حالت میں انہی دو پہاڑیوں پر ادھر سے اُدھر گھبراتی ہوئی دوڑتی تھیں تاکہ کہیں پانی کا چشمہ دکھائی دے جائے۔ حضرت ہاجرہؓ کا ادھر سے اُدھر صفا و مروہ پہاڑیوں پر آنا جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس درجہ مقبول ہوا کہ حج و عمرہ میں اسی یادگار کو تازہ کرنے کے لئے صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان چلنا اور کچھ حصہ میں دوڑنا جس کو سعی کہتے ہیں ہر حج اور عمرہ کرنے والے پر لازم قرار دیا گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی یہ سعی ہوتی تھی اور مشرکین نے صفا اور مروہ پر دو بت رکھ چھوڑے تھے اور اُن کی تعظیم کرتے اور یہ سمجھتے کہ یہ سعی ان دو بتوں کی تعظیم کے لئے ہے۔

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ ایام جاہلیت میں اساف اور نائلہ ایک مرد اور عورت تھے۔ اِن بدکاروں نے بیت اللہ کے نزدیک بدکاری کا ارادہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو پتھر کا بنا دیا تو لوگوں نے اُنہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد جب بت پرستی کی کثرت ہو گئی تو مشرکین نے اُن کو صفا اور مروہ پر لا کر نصب کر دیا اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔ تو بعض جاہلیت ہی سے اس کو گناہ سمجھتے تھے۔

Marfat.com

جب زمانہ اسلام کا آیا اور مسلمانوں کو سعی بین الصفا والمروۃ کا حکم ہوا تو مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو ان بتوں کی تعظیم کے لیے ہوتا تھا اور بتوں کی تعظیم اسلام میں ممنوع ہے اس لئے صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہیئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد فرمایا گیا:۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

یعنی بالتحقیق کوہ صفا اور کوہ مروہ اور پہاڑوں کی طرح معمولی پہاڑ تھے مگر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے رضا بالقضا کی برکت سے خدا کی یادگاروں میں سے ہو گئے اور ان کا طواف مناسک حج سے بنا دیا گیا سو جو شخص حج بیت اللہ کا یا عمرہ کا ارادہ کرے اس پر صفا اور مروہ کی سعی اور طواف میں ذرہ برابر گناہ نہیں یعنی مسلمانوں کو اس میں کافروں کی مشابہت سے شبہ میں نہ پڑنا چاہیئے۔ یہ صفا اور مروہ دراصل شعائر الٰہیہ میں سے ہیں اور ان کا طواف و سعی سراسر خیر و عبادت ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ جو شخص کوئی خیر دینی شوق و رغبت سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی فرماتے ہیں اور اس خیر کرنے والے کی نیت اور خلوص کو خوب جانتے ہیں یعنی بقدر اخلاص کے اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صفا و مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام سمجھتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی پس آیت کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ صفا اور مروہ اصل میں اللہ کی یادگاریں ہیں اور کافروں کی مشابہت کے شبہ سے جو مسلمانوں نے اس میں گناہ سمجھا تو کافروں کی مشابہت اس میں امر عارضی ہے اور وہ اس میں موثر نہ ہوگی جب کہ نیت خالص اللہ کے لیے ہو، جیسے خانہ کعبہ کچھ عرصہ کے لئے غلبۂ کفار کی وجہ سے بت خانہ بن گیا۔ کفار مکہ نے یہاں فتح مکہ سے پہلے ۳۶۰ بت رکھ چھوڑے تھے جن کی پرستش ہوتی تھی لیکن اس کا قبلہ اور مطاف ہونا ساقط نہ ہوا اس لئے کہ جو شے مطلوب و مقصود ہوتی ہے وہ عوارض کی وجہ سے زایل اور ساقط نہیں ہوتی۔ ان مشابہت لغیرہ اس وقت موجب حرمت ہوتی ہے کہ جب کسی شے کا شعائر اللہ میں سے ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو۔ تو جو افعال اللہ کے نزدیک مشروع اور پسندیدہ ہیں ان میں کفار کی مشابہت موثر نہیں جیسے حج۔ عمرہ۔ ختنہ اور عقیقہ اور قربانی اور سورج گرہن کے وقت صدقہ اور غلاموں کو آزاد کرنا جو مشرکین عرب اور کفار مکہ میں پہلے سے رائج تھا۔ اسی طرح اب شریعت اسلام میں صفا و مروہ کی سعی احکام حج و عمرہ میں سے ہے اور اصل اس کی حضرت ہاجرہؓ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جبکہ ان کے پاس کھانا پانی ختم ہو چکا تھا اور شیر خوار بچہ اسمٰعیل کی جان پر آ بنی تھی جس کا ذکر اوپر ہوا۔

الغرض حضرت ہاجرہؓ نہایت بے قراری اور اضطراب کے ساتھ ان پہاڑیوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے خدائے قدوس ذوالجلال والاکرام کی طرف ملتجی ہوئیں اور ظہور رحمت الٰہی کی امید میں کبھی اس پہاڑی پر

اور کبھی اُس پہاڑی پر آئیں گئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تجلی رحمت فرمائی اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے لئے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا پس جب سے یہ جگہ محل اجابت دعاء قرار پائی۔ چنانچہ شریعتِ اسلامیہ میں ایک حج یا عمرہ ادا کرنے والا بھی نہایت ذلت و مسکنت اور خشوع و خضوع سے ان پہاڑیوں کے درمیان سات پھیرے کرتا ہے اور اپنی فقیری اور حاجت اور ذلت و مسکنت اللہ رب العزت کے سامنے پیش کر کے اپنے دِل کی صلاحیت اپنے جان کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو حج و عمرہ کی سعی اور صفا مروہ کے سات چکر زندگانی میں نصیب فرمائیں اور جن کو یہ سعادت زندگی میں نصیب ہو چکی ہے ان کو پھر بار بار اپنے فضل سے یہ شرف و سعادت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے اصل مضمون یعنی مسئلہ رسالت و توحید اور حقانیت اسلام کہ جس کی مخالفت میں یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین سب ہی پیش پیش تھے اُس کے نہ ماننے پر وعید اور اصلاح کر لینے اور توبہ کر کے کفر و شرک و معاصی سے باز آجانے پر قبولیت توبہ کی بشارت سنائی جاتی ہے جس کا بیان اگلی آیات میں ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

یا اللہ! ہم کو جملہ شعائر الٰہیہ کی تعظیم و توقیر کرنا نصیب فرما۔ اور صفا و مروہ کی پہاڑیاں جو شعائر اللہ میں سے ہیں اُن کی زیارت اور وہاں کی سعی حج و عمرہ میں نصیب فرما۔ اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ان یادگاروں پر ہم کو بھی ذکرِ الٰہی اور انابت الی اللہ کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! اس دُنیا کی زندگی میں اپنے گھر بیت اللہ کی حاضری کی سعادت سے ہم میں سے کسی کو محروم نہ فرما اور جن کو یہ سعادت حاصل ہو چکی ہے ان کو پھر بار بار وہاں کی حاضری کی دولت عطا فرما۔

یا اللہ! اس مقبولیت کے طفیل میں جو حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان پہاڑیوں کی دوڑ دھوپ میں نصیب ہوئی۔ اے اللہ! اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کو جو سعی کے لئے وہاں حاضر ہو اس کو اپنی مغفرت و رحمت سے نواز دے اور وہاں کی برکت و رحمت سے پورا پورا حصّہ نصیب فرمائے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

درس ۴۷

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى

جو لوگ اخفا کرتے ہیں اُن مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ واضح ہیں اور ہادی ہیں

مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ

اس حالت کے بعد کہ ہم اُن کو کتاب میں عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں - ایسے لوگوں پر

يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا

اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور لعنت کرنیوالے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں - مگر جو لوگ توبہ کر لیں

وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا

اور اصلاح کر دیں اور ظاہر کر دیں تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہو جاتا ہوں اور میری تو

التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ

بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا - البتہ جو لوگ اسلام نہ لائیں وہ اسی حالتِ غیر اسلام پر

كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ

مر جاویں ایسے لوگوں پر لعنت اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی بھی

أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

سب کی - وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی لعنت میں رہیں گے - اُن سے عذاب ہلکا نہ ہونے

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾

پاوے گا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی -

تفسیر و تشریح : - اس پارہ سَیَقُوْلُ کے شروع سے تحویل قبلہ کے متعلق بیان تھا اور پھر اس کے ضمن میں کعبہ کی فضیلت اور یہود و نصاریٰ کے شکوک و شبہات کا جواب تھا کیونکہ وہ کعبہ اور حج و عمرہ کے متعلق یہ کہتے تھے کہ یہ سب جاہلیت کی باتیں ہیں - پھر سلسلہ کلام کو عمدہ نصیحت اور ذکر الٰہی اور صبر و شکر کی تاکید اور اسکے عمدہ نتائج پر ختم کیا گیا تھا۔ اب پھر اصل غرض اور مہتم بالشان مسئلہ رسالت و توحید کے اعتقاد کی طرف سلسلہ کلام پھرتا ہے

اہل کتاب یعنی یہودی و عیسائی دنیوی لالچ تعصب اور عناد کی وجہ سے اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو بدل دیا کرتے اور اصل حکم کو چھپاتے اور ان کے قدیم آسمانی کتابوں میں نبی آخر الزماں کے متعلق جو بشارتیں اور

پیشینگوئیاں موجود تھیں ان کو ظاہر نہ کرتے تھے اور عرب کے ناخواندہ لوگوں کو اور اپنے حامیوں کو شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں آگاہ فرمایا کہ جو لوگ ان باتوں کو کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں اور ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایتوں پر پردہ ڈالتے ہیں یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں جو دلائل اور پیشینگوئیاں آسمانی کتابوں میں موجود ہیں ان کو چھپاتے ہیں تو اُن پر اللہ کی طرف سے اور تمام عالم کی طرف سے لعنت ہوتی ہے یعنی ایسے لوگ اللہ کی رحمت و عنایت سے دُور ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو عذابِ آخرت کا حقدار بناتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝

"جو لوگ اخفا کرتے ہیں اُن مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ اپنی ذات میں واضح ہیں اور دُوسروں کے لئے ہادی ہیں باوجود اخفا بھی اس حالت کے بعد کہ ہم ان مضامین کو کتاب الٰہی توراۃ و انجیل میں نازل فرما کر عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں کہ اپنی رحمتِ خاصہ سے ان کو بعید کر دیتے ہیں اور دوسرے بہتیرے لعنت کرنے والے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں یعنی اُن پر بددُعا کرتے ہیں"

اس آیت میں ان لوگوں پر زبردست وعید ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی باتیں اور شرعی مسائل جان بوجھ کر چھپایا کرتے ہیں جس طرح کہ اس عالم کے لئے جو لوگوں میں اللہ کی باتیں پھیلائے ہر چیز اُس کے لئے دُعا کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی اسی طرح اُن لوگوں پر جو حق بات اللہ و رسول کی جانتے ہوئے چھپاتے ہیں اور دانستہ حق سے گونگے اور بہرے بن جاتے ہیں اُن پر ہر چیز لعنت بھیجتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے کسی شرعی امر کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ جانتے ہوئے اُسے چھپالے تو اُسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر قرآن کی ہدایت نہ ہوتی تو میں تم سے کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ ایسے ہی بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی بعض روایات حدیث کے ذکر کرنے کے ساتھ ایسے ہی الفاظ فرمائے ہیں کہ اگر قرآن کی یہ آیت دین کے علم چھپانے کے بارہ میں نہ ہوتی تو میں یہ حدیث بیان نہ کرتا۔ مگر یہاں ایک بات یہ اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ یہ علم کو چھپانے کی سخت وعید انہی علوم اور مسائل شرعیہ کے متعلق ہے کہ جو قرآن و سنت میں واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں اور جن کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ رہے ایسے باریک اور دقیق مسائل کہ جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ ایسے باریک مسائل کے بیان سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں تو ایسے مسائل و احکام کا بیان عوام کے سامنے نہ کرنا ہی بہتر ہے اور یہ کتمانِ علم کے حکم میں نہیں ہے جیسا کہ خود ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حکمت کی بات کو ایسے لوگوں سے نہ روکو جو اس بات کے اہل ہوں اگر تم نے ایسا کیا تو ان لوگوں پر ظلم ہوگا اور جو اہل نہیں ہیں اُن کے سامنے حکمت کی باتیں نہ کہو کیونکہ اس صورت میں اس حکمت پر ظلم ہوگا" ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تم عوام کو ایسی حدیثیں

Marfat.com

سنا دیں گے جن کو وہ پوری طرح نہ سمجھ سکیں تو اُن کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عام لوگوں کے سامنے صرف اتنے ہی علم کا اظہار کرو جس کو اُن کی عقل و فہم برداشت کر سکے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اسکے رسول کی تکذیب کریں۔ کیونکہ جو بات اُن کی سمجھ سے باہر ہوگی اُن کے دلوں میں اُس سے شبہات و خدشات پیدا ہوں گے اور ممکن ہے کہ اس سے انکار کر بیٹھیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عالم۔ واعظ اور خطیب کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ مخاطب کے حالات کا اندازہ لگا کر کلام کرے جن باتوں اور مسائل سے اُن میں غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو وہ اُن کے سامنے بیان نہ کرے۔ اسی لئے حضرات فقہائے کرام بہت سے مسائل کے بیان کے بعد لکھ دیا کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اہل علم کو خود تو سمجھ لینا چاہیئے مگر عوام میں پھیلانا نہیں چاہیئے۔ یہ تشریح اس موقع پر مناسب سمجھ کر کی گئی۔

الغرض آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایات بینات نازل کی گئی ہیں ان کا لوگوں سے چھپانا جان بوجھ کر یہ جرم عظیم ہے اور اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتے ہیں اور تمام مخلوقات لعنت بھیجتی ہے یعنی ایسے لوگ اللہ کی رحمت و عنایت سے دُور کر دیئے جاتے ہیں اور عذاب آخرت کے سزاوار بنتے ہیں۔ ہاں اگر ایسے لوگ بھی اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں اور آئندہ کے لئے توبہ کر لیں اور اپنی حالت کی اصلاح کر لیں اور حق کو چھپانے سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ بھی قبول فرما لیں گے جیسا کہ آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ "مگر جو لوگ ان اخفا کرنیوالوں میں اپنی اس حرکت سے توبہ یعنی حق تعالیٰ کے روبرو گذشتہ سے معذرت کر لیں اور جو کچھ ان کے فعل سے خرابی ہو گئی تھی آئندہ کے لئے اسکی اصلاح کر دیں اور اس اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ ان اخفا کئے ہوئے مضامین کو عام طور پر ظاہر کر دیں تاکہ سب کو اطلاع ہو جائے اور اظہار عند الشرع معتبر یہ ہے کہ اسلام کو کھلم کھلا قبول کر لیں کیونکہ اسلام نہ لانے میں نبوتِ محمدیہ کے متعلق عوام پر جو مخفی رہیگا وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر نبوت حق ہوتی تو یہ کتاب جاننے والے لوگ ایمان لاتے خلاصہ یہ کہ یہ لوگ اسلام لے آویں اور مسلمان ہو جاویں تو ایسے لوگوں کے حال پر میں عنایت [illegible] ہوں اور اُن کی گذشتہ خطا معاف کر دیتا ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا۔ اور [illegible] فرمایا ہے

یہاں اللہ تعالیٰ نے قبولیت توبہ کے تین شرائط بیان فرمائے ہیں:۔

ایک توبہ یعنی گناہ اور غلطی کے احساس و اعتراف کے ساتھ اُسے آئندہ ترک کرنے کا تہیہ کر لینا۔ دوسرے اصلاح یعنی گناہ اور خرابی سے پیدا شدہ برائیوں کی درستی کرنا۔ تیسرے جن امور حق کو چھپا کر وہ جرم کے مرتکب ہوئے تھے انہیں بیان کر دینا۔ ظاہر کر دینا یعنی تلافی مافات کرنا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ اگر کافر بھی سچے دل سے رجوع کرے تو اسکی توبہ بھی قبول ہے اور یہی تین شرائط یعنی ماضی حال اور مستقبل کے متعلق علماء نے ہر گناہ سے توبہ کی تکمیل کے لئے بیان کی ہیں یعنی گذشتہ پر سچی ندامت اور شرمندگی۔ آئندہ کے متعلق اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد اور گذشتہ تقصیر اور کوتاہی کا تدارک مثلاً ایک شخص نماز نہ پڑھنے کے گناہ میں مبتلا ہے تو اس گناہ سے سچی اور پوری توبہ اس طرح ہو گی

Marfat.com

کہ اپنی گزشتہ حرکت پر ندامت اور شرمندگی ہو اور آئندہ کے لئے پکا اور سچا ارادہ ہو کہ اب کبھی نماز نہ چھوڑوں گا اور جو نمازیں کہ چھوٹ گئی ہیں ان کی قضا پڑھ کر تلافی کرے ۔ اب آگے ان لوگوں کا حکم بیان فرمایا جاتا ہے جو نہ گذشتہ پر توبہ کریں اور مرتے دم تک کفر پر قائم رہیں اور اسلام نہ لاویں تو ان کی سزا دائمی عذاب جہنم ہے جس سے انہیں کبھی چھٹکارا نہ ہوگا ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝

بالتحقیق ان میں سے جو لوگ اسلام نہ لائیں اور اسی حالت کفر یعنی غیر اسلام پر مر جائیں ۔ ایسے لوگوں پر وہ لعنت مذکورہ اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں اور آدمیوں کی بھی سب کی ایسے طور پر برسا کرے گی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی لعنت میں رہیں گے یعنی وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوں گے اور ہمیشہ کا جہنم میں رہنے والا ہمیشہ ہی خدا کی خاص رحمت سے دور بھی رہے گا اور ہمیشہ ملعون رہنا بھی ہے اور ہمیشگی لعنت کے ساتھ یہ بھی ہے کہ داخل ہونے کے بعد کسی وقت ان پر سے جہنم کا عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پاوے گا اور نہ ان کو کسی میعاد تک مہلت دی جائے گی ۔ بعض مفسرین نے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ ۔ ۔ ۔ ۔ کی آیت کے تحت لکھا ہے کہ جس کافر کے کفر کی حالت میں مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں اور چونکہ ہمیں کسی شخص کے خاتمہ کا یقینی علم ہونے کا اب کوئی قطعی ذریعہ نہیں ۔ اس لئے کسی کافر کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کافروں پر نام لے کر لعنت کی ہے تو آپ کو ان کی موت علی الکفر کا یقینی علم منجانب اللہ تعالیٰ ہو گیا تھا ۔ البتہ عام کافروں، ظالموں پر بغیر تعین کے لعنت کرنا درست ہے ۔ حضرت عمرؓ اور آپ کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر من حیث الجماعت لعنت بھیجتے تھے ۔ الغرض اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے اور اسلام قبول نہ کرنے اور کفر کی موت مرنے کا انجام بتلایا گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو دولت اسلام و ایمان عطا فرمائی ہے اس پر تا زیست ہم کو قائم رکھیں اور ایمان و اسلام کی موت ہم سب کو نصیب فرمائیں ۔ یہ بیان تو رسالت کے اعتقاد کے متعلق ہوا ۔ آگے توحید کے مسئلہ کو ظاہر فرمایا گیا ہے ۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا ۔

دعا کیجئے :۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا، اور قرآن کریم پر ایمان رکھنا نصیب فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان صادق اور اسلام کامل نصیب فرمائیں ۔ ہر حال میں ہمیں حق پر قائم رکھیں اور دنیا اور آخرت میں اپنی خاص رحمتوں سے نوازیں ۔ آمین ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

درس ۷۵

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ

اور جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود ہے - اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہی رحمٰن ہے،

الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ ع ۱۱ ۱۹ ۲

رحیم ہے - بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور

اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ

یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں

فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

آدمیوں کے نفع کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ

اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے بدلنے میں

السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

اور ابر میں جو آسمان و زمین کے درمیان مقید رہتا ہے دلائل ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں رسالتِ محمدیہ ﷺ سے متعلق حق کو چھپانے اور ظاہر نہ کرنے پر وعید سنائی گئی تھی اور کفر پر مرنے والوں کا حکم سنایا گیا تھا کہ اُن پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے اور وہ ہمیشہ عذابِ جہنم میں رہیں گے - اِس طرح مقصود مسئلہ رسالت کا اثبات تھا اور دین میں دو ہی بنیادی اور مرکزی مسئلہ ہیں - رسالت[1] و توحید[2] - اس لئے آگے اِن آیات میں مسئلہ توحید کو ثابت فرمایا جاتا ہے اور ترجمہ باری تعالیٰ کے عقلی دلائل بیان فرمائے جاتے ہیں - ایک ربط گذشتہ آیات سے اِن آیات کے ساتھ بعض مفسرین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ گذشتہ آیات میں جب کفر پر مرنے والوں کو دائمی عذاب جہنم کی سزا سنائی گئی تو

بعض کفار کے دِل میں شیطان یہ خیال پیدا کرسکتا تھا کہ اور بھی ہیں جن کو خدائی اختیارات حاصل ہیں یا وہ خدائی کے حصّہ دار ہیں۔ اگر ایک نے عذاب میں ڈالا تو دُوسرے کی طرف ملتجی ہو جاویں گے۔ چنانچہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کا حصّہ دار جانتے ہیں اور ان کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ بعض یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین تو سینکڑوں کو خدائی میں شریک جانتے تھے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس شیطانی خیال کو بھی باطل فرما دیا اور تبلا دیا وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ یعنی اے مخلوق بنی آدم تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ گویا اس خیال کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ کی پکڑ سے بچ کر کسی دوسرے سے پناہ حاصل کرلیں گے۔ وہ اپنی ذات میں یکتا ہے اور اپنی صفات میں یگانہ ہے اور اپنے افعال میں واحد ہے نہ خدا کی ذات پاک کا کوئی نظیر ہے۔ نہ اُس کی صفات میں کوئی شریک ہے۔ وہی معبود برحق واحد و یکتا ہے کیونکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اُس کے سوا عالم میں کسی معبود برحق کا وجود ہی نہیں۔ اُس کے علاوہ تمام عالم حادث و فانی ہے۔ دوسرا کوئی کس طرح لائق پرستش اور مستحق عبادت ہوسکتا ہے؟

اپنی صفت وحدانیت والوہیت کو بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی دیگر صفاتِ کمالیہ یعنی اپنا رحمٰن اور رحیم ہونا بیان فرمایا۔ اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ یعنی دُنیا اور آخرت میں ہر چھوٹی بڑی نعمت۔ تربیتِ جسمانی و روحانی صحت و دولت۔ علم و ہدایت اُسی نے مہیا کئے جسمانی و روحانی قویٰ مرحمت فرمائے۔ تو جب وہی ان تمام چیزوں کا عطا کرنے والا ہے اور دین دُنیا میں سب اُسی کی رحمت کے محتاج ہیں تو اور کس کا منہ ہے کہ معبودیت والوہیت کا دعویٰ کرسکے۔

اب جب مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ اوصاف مقدس کو سُنا کہ وہ واحد۔ یکتا۔ لاشریک اور جامع الصفات کل عالم کا فاعل حقیقی ہے تو تعجب کے ساتھ کہنے لگے کہ ایک خدا تمام جہانوں کا بندوبست کیسے کرے گا اور برہان و دلیل کے طالب ہوئے جس پر اگلی آیت کا نزول ہوا جس میں توحید ذات و صفات اور وجود باری تعالیٰ کی آٹھ دلیلیں بیان کی گئیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

بلاشبہ آسمانوں[1] کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات و دن[2] کے آنے میں اور جہازوں[3] کے چلنے میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں اور اسباب لے کر اور بارش[4] کے پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو تر و تازہ[5] کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے یعنی اس میں نباتات پیدا کئے اور ہر قسم کے حیوانات[6] اس زمین میں پھیلا دیئے اور ہواؤں[7] کی سمتیں اور کیفیتیں بدلنے میں کہ کبھی پُروا ہے کبھی پچھوا ہے کبھی گرم ہے کبھی سرد ہے اور ابر[8] کے وجود میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مقید اور معلق رہتا ہے۔ ان تمام چیزوں میں دلائل توحید کے موجود ہیں ان لوگوں کے استدلال کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔

Marfat.com

یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کے انعام و بخشش جو کہ بندوں پر ہیں ظاہر ہیں اور یہ آٹھوں چیزیں ایک وجہ سے نہیں بلکہ مختلف وجوہ سے دلالت کرتی ہیں ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف جس کی تفصیل ملاحظہ کیجئے:۔

۱ - پہلی چیز آسمانوں اور زمین کی پیدائش بیان کی گئی - آسمانوں کی بلندی لطافت کشادگی پر غور کیجئے۔ پھر ان میں ٹھہرے ہوئے اور چلتے پھرتے لاکھوں نہیں کروڑوں ستارے اور سیارے اس طرح کہ ہر ایک کی شان جُدا۔ ہر ایک کا رنگ جُدا - ہر ایک کی حرکت جُدا - اور حرکت کی جہت اور سمت جُدا، ہر ایک کا بُرج جُدا - نہ کوئی کسی سے ٹکراتا ہے۔ ہر کوئی اپنے جُدا راستہ پر قائم ہے - تو اس عجیب و غریب نظام کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کارخانہ خود بخود تو نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ اس کی باگ ڈور کسی علیم، قدیر، مُدبّر حکیم اور قادرِ مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ وہ محض اپنے ارادہ اور مشیت و حکمت سے اس سارے نظام کو چلا رہا ہے - اور کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں پھر ان ستاروں ہستیاروں اور چاند سورج سے جو منافع دُنیا والوں کو ہیں وہ اس خالق کی کمال قدرت و رحمت کی دلیل ہے۔ علیٰ ہذا زمین کی پیدائش بھی اس کی وحدانیت اور کمال قدرت و رحمت کی دلیل ہے۔ تمام عالم کے بسنے والوں کے لئے زمین اُن کے قدموں کے تلے بچھی ہوئی ہے - اسی زمین پر رہتے سہتے ہیں اور اپنی مرضی کے موافق آرام دہ مکانات بناتے ہیں - اسی زمین سے پیدا شدہ غذاؤں اور پھلوں چشموں اور نہروں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ سونا، چاندی - پیتل - تانبا لوہا وغیرہ سب اسی زمین میں اللہ کی قدرت سے نکلتا ہے۔ بلند بالا چوٹیوں کے سر بفلک پہاڑ اسی زمین پر ہیں - تو موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر بھی اسی زمین پر ہیں - پھر کل زمین کا ایک مادہ ہے مگر خاصیتیں زمین کی علیحدہ علیحدہ ہیں - کہیں کی زمین شورہ و بنجر ہے - تو کہیں کھیتی اور چمن کی سرسبزی ہے کسی قطعہ زمین پر گھاس پھوس پیدا ہوتی ہے تو کسی قطعہ میوہ - پھل - پھلار کے باغات اُگتے ہیں - ان سب سے اللہ کی قدرت و حکمت ظاہر ہے اور یہ سب اس قادرِ مطلق ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

۲ - دوسری دلیل دن اور رات کا اختلاف ارشاد فرمائی - دن گذرتا ہے تو رات آتی ہے - رات جاتی ہے تو دن آتا ہے - پھر کبھی دن بڑا ہے تو رات چھوٹی ہے اور کبھی اس کے برعکس رات بڑی ہے تو دن چھوٹا ہے۔ کیا یہ سب خود بخود ہو رہا ہے - یا کسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہے - اگر دن نہ ہوتا فقط رات ہی ہوتی تو عالم ہمیشہ تاریکی اور ظلمت کی مصیبت میں گرفتار ہوتا اور چلنا، پھرنا کام کاج کرنا مشکل ہو جاتا - اور اگر رات نہ ہوتی فقط دن ہی دن ہوتا تو اس راحت و آرام چین و سکون سے جو رات کی نیند اور سکون سے حاصل ہوتا ہے اس سے تمام جہان محروم ہو جاتا پھر ایک ہی وقت میں روئے زمین پر کہیں دن ہے کہیں رات ہے - ہر ایک اپنے مقررہ معین اندازے سے آتے جاتے ہیں پس یہ عجائبات از خود نہیں ہیں جس کے قبضۂ قدرت میں آسمان - زمین - چاند - سورج کی ڈور ہے وہی ذات باری تعالیٰ کی ہے -

Marfat.com

۳ تیسری دلیل کشتی اور جہاز کے پانی پر چلنے کی دی گئی۔ تمام کرۂ زمین پر ہر طرف پانی ہے۔ بڑے بڑے دریا اور سمندر ہیں۔ ایک تو لوہا یا تانبا ایک منٹ کے لئے پانی پر نہیں ٹھیرتا مگر جہاز و کشتی جس میں منوں لوہا اور تانبا لگا ہوتا ہے اور سامان سے لدا پھندا ہوتا ہے ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہزارہا میل طے کر کے صحیح سالم پہنچتا ہے۔ ان جہازا ور کشتیوں کو پہاڑ جیسی موجوں سے بچانا اور ہوا موافق رکھنا سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب جہاز سمندر کے بیچ میں موجوں کے درمیان ہوتا ہے تو اس وقت قدرتِ خداوندی ہی نظر آتی ہے۔

۴۔ چوتھی دلیل آسمان سے مینہ کا اتارنا یعنی بادلوں سے بارش کا نازل کرنا ارشاد فرمائی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے وجود اور قدرتِ کاملہ کی پکی نشانی ہے۔ ہزارہا من پانی بادلوں میں بھرا ہوا ہوتا ہے جس کو فرشتے ہوا میں اِدھر اُدھر لئے پھرتے ہیں۔ جہاں جس قدر ضرورت ہوتی ہے مشیت الٰہی کے حکم سے برساتے ہیں۔ جہاں رحمت ظاہر کرنا ہے وہاں اندازے سے ضرورت کے موافق برستا ہے۔ جہاں قہر ظاہر کرنا ہے بے اندازہ کثرت سے برس کر جان مال کو ہلاک کرتا ہے۔ پھر آسمان سے پانی قطرہ قطرہ ہو کر نازل ہوتا ہے۔ اگر سیلاب کی طرح آتا تو کوئی انسان، حیوان، سامان کچھ نہ رہتا۔ پھر پانی برسنے کے بعد اس کا زمین میں محفوظ رکھنا انسان کے بس کا نہیں۔ قدرت نے اس کا بھی انتظام اس طرح فرمایا کہ بارش کے پانی کو انسانوں اور حیوانوں کے لئے کہیں کھلے تالابوں اور حوضوں میں جمع کر دیا۔ کہیں زمین کے اندر اتار کر اس طرح ذخیرہ کر دیا کہ کوئی شخص جہاں چاہے کنوئیں کی شکل میں کھود کر پانی نکال لیتا ہے۔ کہیں اس بارش کے پانی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ برف کی صورت میں پہاڑوں پر جما کر لاد دیا جو سڑنے اور خراب ہونے سے ہر طرح محفوظ ہے اور پھر آہستہ آہستہ پگھل کر دریاؤں، چشموں، نہروں کے ذریعہ کہیں سے کہیں پہنچتا ہے۔

۵۔ پانچویں دلیل اس پانی سے مُردہ زمین کو زندہ کرنے میں دی گئی۔ یعنی بارش اور پانی سے خشک اور تپتی ہوئی مُردہ زمین میں از سرِ نو جان پڑنا اور اس سے ہزارہا جڑی بوٹیاں، غلّہ۔ اناج۔ گھاس پات۔ طرح طرح کے پھل پھول کے درخت اُگانا جس سے تمام زندہ کائنات کی زندگی وابستہ ہے۔ یہ سب اسی قدرت والے کا کام ہے اور وجود باری اور برہان توحید کی بیّن نشانی ہے۔ باوجودیکہ پانی کی طبیعت ایک مادّہ ایک۔ زمین ایک مگر ایک درخت شیریں ہے۔ دوسرا تلخ ہے۔ پھر نباتات میں جو کچھ بیدِ قدرت نے گلکاریاں کی ہیں اس سے بڑے عقل والے حیران و سرگرداں ہیں۔ ایک مادہ۔ ایک ہوا۔ ایک پانی۔ ایک آفتاب، ایک مہتاب مگر نباتات میں کیا کچھ رنگ و بو۔ خاصیت میں اختلاف ہیں پس اگر یہ سب نیرنگیاں اس قادرِ مطلق کی نہیں تو اور کیا ہے۔

۶۔ چھٹی دلیل زمین پر ہر قسم کے حیوانات کے پھیلا دینے میں دی گئی۔ حیوانات کی ہزارہا انواع و اقسام ہیں۔ اُن کی گنتی اور شمار انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ پھر ان سب کی حفاظت کرنا۔ انہیں اُن کی

غذا کے موافق روزیاں پہنچانا۔ اُن کے سونے بیٹھنے چرنے چگنے۔ گرمی سردی کا انتظام فرمانا۔ انسانوں کے لئے ان حیوانات میں مختلف قسم کے ہزارہا فوائد رکھنا۔ یہ سب قدرت الٰہی کا کام ہے۔

۷۔ ساتویں دلیل ہواؤں کے بدلنے میں دی گئی۔ اہل دُنیا کی زندگی کا مدار ہوا پر ہے۔ کبھی ٹھنڈی ہوا کا چلنا اور کبھی گرم لُو کا چلنا۔ کہیں ہوا کم ہونا کہیں زیادہ ہونا۔ کبھی پروا چلنا، کبھی پچھوا چلنا۔ یہ سب قدرتِ خداوندی کا انتظام ہے۔ اُس کے حکم سے یہی ہوا کہیں رحمت بن کر انسانوں کے زیست کا ذریعہ ہے۔ کہیں اس کے حکم سے قہر و جلال بن کر ہلاکت کا سبب ہو جاتی ہے۔

۸۔ آٹھویں دلیل ابر کا آسمان و زمین کے درمیان معلق ہونے میں دی گئی۔ یہ بھی اس پروردگار عالم کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ باوجود ہزارہا ٹن پانی سے بھرا ہوا بادل فضا میں معلق رہتا ہے۔ وزن سے نیچے نہیں گرتا۔ پھر بادل فضا میں اُوپر سے گذرتا رہتا ہے مگر کسی کی مجال نہیں کہ ایک گلاس پانی بھی اس میں سے نکال لے۔ جہاں حکمِ الٰہی ہوگا وہیں جا کر برسے گا۔ پھر اگر ہمیشہ ابر و بادل رہیں تو انسانوں کو نقصانِ عظیم لاحق ہو اس واسطے کہ شعاع آفتاب پوشیدہ ہو جاوے اور رطوبت زیادہ ہو جاوے اور حوائج انسانی میں خلل پیدا ہو جاوے اور اگر بادل بالکل نہ ہوں تو قحط اور خشک سالی ہو جاوے پس مادہ بادل کو بقدر حاجت اور بوقتِ ضرورت لانا اور بعد حاجت کے نیست و نابود کر دینا کہ اس کا نام و نشان نہ رہے۔ یہ سب اس خلّاق عظیم کی قدرت اور حکمت و تدبیر ہی پر موقوف ہے۔

ان دلائل اور نشانیوں کو بیان فرما کر کہ جو ایک وجود موجود۔ قادر مطلق۔ مختار کل۔ حکیم و علیم واحد و یکتا صانع کا پتہ دیتے ہیں ارشاد فرمایا لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ یعنی یہ عقلمندوں کے لئے قدرتِ خدا کی نشانیاں ہیں۔ اس کی وحدانیت۔ معبودیت۔ نیز رحمانیت اور رحیمیت کی دلیلیں ہیں جن سے عقلمند اور سمجھ رکھنے والے لوگ اپنے معبود حقیقی کے وجود کو پا لیتے ہیں۔

الغرض یہاں خدا کی ذات و صفات و وحدانیت اور خالق کائنات اور پروردگار عالم ہونا ثابت کیا گیا لیکن بعض بے وقوف کم عقل باوجود ان کھلی ہوئی دلیلوں کے پھر بھی شرک میں مبتلا ہیں اور خداوند ذوالجلال سے شرکا اور ہمسر تسلیم کرتے ہیں اور خداوند ذوالجلال والاکرام کی طرح غیر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں اور ان کی تعظیم و اطاعت کرتے ہیں جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے ۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ان نشانیوں کو ہمارے لئے اپنی معرفت کا ذریعہ بنائیں۔ اور ان چیزوں پر غور کر کے ہم اپنی توحید اور ایمان بالغیب کو کامل بنائیں۔

یا اللہ اپنی ذات پاک اور اپنی صفاتِ کاملہ اور قدرتِ عظیمہ کی وہ معرفت ہم کو نصیب فرما کہ ہم آپ کے اطاعت گذار اور فرمانبردار بندے بن کر زندہ رہیں اور آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچیں۔ اے اللہ! ہم کو اپنی نشانیوں کی طرف سے دانا و بینا بنا اور ہم کو نادانی و غفلت سے بچا۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

درس ۷۶

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا

اور ایک آدمی وہ ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک قرار دیتے ہیں۔

يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ضروری ہے۔ اور جو مومن ہیں انکو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اُس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب کہ قوت ساری

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ

اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ جب کہ وہ لوگ

الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ

جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے اُن لوگوں سے صاف الگ ہو جاویں گے جو انکے کہنے پر چلتے تھے اور سب عذاب کا مشاہدہ

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

کرلیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اسوقت سب قطع ہو جاویں گے۔ اور یہ تابع لوگ یوں کہنے لگیں گے

لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ

کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک دفعہ جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہو جاویں جیسا یہ ہم سے صاف الگ ہو بیٹھے۔

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ

اللہ تعالیٰ یوں ہی اُن کی بداعمالیوں کو خالی ارمان کر کے اُن کو دکھلا دیں گے

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع ۲۰ ۴

اور ان کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔

تفسیر و تشریح: ۔ گذشتہ آیات سے خدا کی ذات و صفات و وحدانیت اور خالق کائنات ہونا ثابت ہو گیا تو اہلِ عقل اور صاحب فہم انسان کے لئے عقل کا تقاضا یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت و محبت کے لئے مخصوص کرے لیکن بعض بیوقوف اور نافہم لوگ باوجود کھلی ہوئی دلیلوں کے پھر شرک میں مبتلا ہیں اور خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی ایسی تعظیم و تکریم کرتے ہیں جیسی خدائے پاک ذات کی کرنی چاہیئے تھی اور

Marfat.com

غیر اللہ کی طرف ایسا میلان خاطر رکھتے ہیں جو سوا خدا کے اور کسی کی طرف سزاوار نہ تھا۔ اِسی کو یہاں ان آیات میں ارشاد فرمایا جاتا ہے:۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط اور ایک آدمی وہ بھی ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریکِ خدائی قرار دیتے ہیں اور اُن کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنا ضروری ہے۔ یہ حالت تو مشرکین کی ہے۔ لیکن اہلِ ایمان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اس کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط اور جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ سے ہی نفع و ضرر کو وابستہ جانتے ہیں۔ ذات و صفاتِ الٰہی میں کسی کو شریک نہیں کرتے اور سچے دل سے خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو احکامِ الٰہی کی فرمانبرداری میں اپنا جان و مال فدا کرنے کو تیار ہوتے ہیں اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مقابل کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔

یہاں آیت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالےٰ سے نہایت قوی محبت ہے یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے زیادہ ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اُن کو سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی سے محبت نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کے دِل میں کسی درجہ میں دوسرے کی بھی محبت ہوتی ہے اور وہ مذموم نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے زیادہ۔ سب سے قوی اور سب کی محبت پر حاوی ہونا چاہیئے۔ یہی مومن کی شان اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔

محبتِ الٰہی کی پہچان اور علامتیں تو بہت ہیں مگر تین خاص علامتیں جو علمائے محققین نے لکھی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ انسان نفس کی خواہش پر حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا ہو اور اُسکے حکم کی تعمیل کو ہر کام پر مقدم سمجھتا ہو۔ یعنی حدودِ شرعیہ کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو اور موت سے گھبراتا نہ ہو۔ اور اگر زندگی چاہتا بھی ہو تو محض اس لئے کہ معرفتِ حق جتنی زیادہ حاصل ہو اتنی ہی بہتر ہے۔

۳۔ حکمِ الٰہی اور قضا و قدر پر راضی رہتا ہو کہ اچھا بُرا جو کچھ بھی پیش آتا ہے اس پر زبان یا دل سے شکوہ نہیں کرتا۔

اب یہاں موقع کی مناسبت سے ایک بات بزرگوں کے تجربہ کی یہ بھی جان لیجئے کہ محبتِ الٰہی پیدا کیسے ہو، اس کے لئے چار چیزیں بزرگانِ دین نے فرمائی ہیں:۔

۱۔ ہر نیک عمل میں نیت اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہونے اور بڑھنے کی کی جائے۔

۲۔ ذکر اللہ کی پابندی۔ چاہے تھوڑا ہی ہو مگر ہو روزانہ۔

۳۔ اہلِ محبت یعنی اہل اللہ کی صحبت۔

۴۔ اہل اللہ کی غیر موجودگی میں اُن کے حالات و تذکرہ کا مطالعہ۔ اللہ تعالےٰ ہمارے قلوب کو بھی اپنی محبت سے آباد فرمادیں۔ الغرض یہاں مومن کامل کی نشانی یہ بتلائی گئی کہ اُس کو سب سے زیادہ اللہ پاک کی محبت ہو اور مشرکین کی یہ حالت بیان ہوئی کہ وہ غیر اللہ کو اپنا معبود اور کارساز سمجھتے ہیں اور ان کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان

Marfat.com

معبودان باطلہ سے ایسی عقیدت و محبت رکھتے ہیں جیسی عقیدت و محبت اللہ تعالیٰ سے رکھنا ضروری ہے۔

آگے مشرکین کو غیر اللہ سے غلط محبت و عقیدت رکھنے کی سزا اور دوسروں کو خدا کا شریک و ہمسر بنانے کے جرم کا نتیجہ سنایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے :۔ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ○ اور یہ ظالم کہ جنہوں نے خدا کا شریک اور ہمسر بنا کر اپنی جانوں پر ظلم و ستم کیا اگر اس وقت کو دیکھ لیں کہ جس وقت ان کو عذاب الٰہی کا مشاہدہ ہوگا تو ان کو خوب معلوم ہو جائے کہ سارا زور اور قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور سب اللہ کے قہر اور غلبہ کے نیچے دبے ہوئے ہیں سوائے اس کے کوئی بھی نفع و ضرر کا مالک نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ کوئی بت اور کوئی ان مشرکین کا معبود کسی کو اللہ کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتا۔

حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ وہ کافر لوگ جو غیر اللہ سے محبت اور ان کی پرستش کرتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کے معبود مصیبت کے وقت ان کے کام آئیں گے تو ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگرچہ محبت کا تقاضا یہی ہے کہ مصیبت کے وقت محبوب محب کے کام آئے لیکن قیامت کے روز جب یہ باطل پرست عذاب الٰہی کو دیکھیں گے اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کامل قدرت و غلبہ خدا ہی کے لئے ہے اور عذاب الٰہی بہت سخت ہے اور خدا ہی کے قبضہ میں عذاب دینا ہے اور یہ باطل معبود عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکتے تو اس وقت ان کی خواہش اور تمنا ہوگی کہ کاش دنیا میں ہم شرک و نافرمانی نہ کرتے۔ آگے قیامت کے حسرتناک اور ہولناک اور شدت عذاب کے منظروں میں سے ایک منظر بیان فرمایا جاتا ہے تاکہ غلط کار مشرک آج اس پر غور کر کے عبرت پکڑ لیں اور ان باطل معبودوں کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت و عظمت کو سمجھ کر توحید اور ایمان کو اختیار کر لیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ○

یعنی آخرت کا ایک ہولناک اور حسرتناک منظر وہ ہوگا جبکہ ان مشرکین کے متبوعین یعنی وہ ذی اثر پیشوا اور سردار جن کے کہنے پر عوام مشرکین چلتے تھے ان عام مشرکین سے صاف الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلے تھے اور سب خواص و عوام عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے کہ ایک تابع تھا دوسرا متبوع تھا وغیرہ وغیرہ اس وقت سب قطع ہو جاویں گے اور جب یہ تابع لوگ یعنی عام مشرکین اپنے پیشواؤں کی یہ طوطا چشمی دیکھیں گے تو بڑے جھنجھلاویں گے اور اپنے پیشواؤں سے صاف اور کورا جواب سن کر بڑی حسرت اور ناامیدی کے عالم میں گرفتار ہوں گے مگر اس وقت اور تو کچھ ہو نہ سکے گا۔ جھلا کر یوں کہیں گے :۔

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا

اور یہ تابع لوگ کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو دنیا میں بس ذرا ایک دفع جانا مل جاوے تو ہم بھی ان سے اتنا بدلہ تو لے لیں کہ اگر یہ پھر ہم کو اپنا تابع ہونے کی ترغیب دیں تو ہم بھی انہیں صاف ٹکا سا جواب دے کر علیحدہ ہو جاویں جیسا یہ ہم سے اس وقت صاف الگ ہو بیٹھے مگر ان تجویزوں اور سوچ بچار سے اس وقت کیا ہاتھ آویگا

Marfat.com

ایسے مشرکین و باطل پرستوں کے لئے آگے ارشاد ہوتا ہے :۔

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

اللہ تعالیٰ یونہی ان کی بد اعمالیوں کو خالی ارمان کر کے اُن کو دکھلاویں گے اور ان تابعین اور متبوعین سب کو جہنم سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا کیونکہ شرک کی سزا دائمی جہنم ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ روز قیامت مشرکین و کفار طرح طرح کے عذر و معذرت پیش کریں گے چنانچہ ایک عذر وہ یہ بھی پیش کریں گے کہ اے خداوند بیشک ہم نے حق کو سمجھا اور خطاوار ٹھہرے مگر ان تمام خرابیوں کے باعث اور لوگ تھے پس ہمارے عذاب کو ان کی گردنوں پر رکھ دیجئے اور ہم کو ایک مرتبہ دنیا میں واپس بھیج دیجیے تاکہ وہاں آپ کے احکام کو قبول کر کے نیک اعمال کریں مگر اُن کی ہر حجت جواب دے کر ختم کر دی جائیگی اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کا گروہ علیحدہ کر دو۔ آپ عرض کریں گے کہ باری تعالیٰ کس حساب سے ؟ ارشاد ہوگا کہ فی ہزار ایک آدمی جنت کے لئے اور ۹۹۹ جہنم کے لئے۔ اُس وقت لوگوں میں اس قدر ہلچل ہوگی کہ بیان سے باہر ہے۔ پھر حکم ہوگا کہ جس جس شخص نے عمل کیا ہے وہ اپنے اپنے معبود سے خود طالب جزا ہو۔ پس جس وقت وہ اپنے اپنے معبودوں کی جستجو میں ہوں گے تو بت پرستوں کے واسطے وہ شیاطین جو بتوں سے تعلق رکھ کر بت پرستی اور شرک کے باعث بنے تھے اور خواب و بیداری میں دن رات نئے نئے کرشمہ دکھاتے تھے سامنے آجائیں گے اور جو جماعتیں کہ حضرت عیسیٰؑ و ملائکہ و دیگر انبیاء اور اولیاء کو پوجتی تھیں چونکہ یہ صالحین اُن کے بد اعمال سے بیزار تھے اور درحقیقت اُن کی گمراہی کے باعث بھی شیاطین ہی تھے لہٰذا وہی شیاطین اُن کے سامنے آجائیں گے پس جو فرشتے انتظام پر مامور ہوں گے وہ اُن سے دریافت کریں گے کیا تمہارے معبود یہی ہیں ؟ وہ اپنے پورے یقین کے ساتھ بوجہ اس مناسبت معنوی کے کہ جو اُن کو بتوں کے ساتھ تھی کہیں گے کہ ہمارے معبود یہی ہیں۔ ملائکہ اُن سے کہیں گے کہ انہی کے ساتھ چلے جاؤ تاکہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا سزا تک پہنچا دیں۔ اُس وقت جہنم سے لمبی لمبی گردنیں نکلیں گی جو دانوں کی طرح جن جن کر ان کو جہنم میں ڈال دینگی اور ان کفار و مشرکین کو بوجہ اپنے کفر و شرک کے کبھی جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ الغرض یہاں اہل شرک کے عقیدہ کا بطلان تھا تاکہ وہ دنیا ہی میں کفر و شرک سے باز آجائیں ورنہ آخرت میں تو سب کافر و مشرک بھی حق تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف کر لیں گے اب آگے اہل شرک کے بعض اعمال کا رد اور بطلان ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے :۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر اسلام اور ایمان کی دولت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت کا ملہ نصیب فرمائیں اور اپنی رضا والی زندگی گذارنا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! اپنے کرم سے ہمیں آخرت کی خیر و خوبی نصیب فرما اور میدانِ حشر میں حسرت و ندامت سے بچا۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۷۷

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا

اے لوگو ! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں اُن میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾

شیطان کے قدم بقدم مت چلو - فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے -

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا

وہ تو تم کو اُن ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ بُری اور گندی ہیں اور یہ کہ اللہ کے ذمہ

عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

وہ باتیں لگاؤ کہ جس کی تم سند بھی نہیں رکھتے -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں عقیدہ شرک کی قباحت اور مذمت بیان فرمائی گئی تھی اور شرک کا انجام ظاہر فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ عوام مشرکین گمراہ ہونے والوں اور اُن کے پیشوا و سردار گمراہ کرنے والوں کا انجام آخرت میں سوائے حسرت و ناکامی اور دائمی عذاب جہنم کے کچھ نہیں مقصد جس سے مشرکین کو یہ جتلانا تھا کہ تم کو اپنے پیشواؤں کی رائے پر نہ چلنا چاہیئے - اور ان کے کہنے سے کفر و شرک میں نہ پھنسے رہنا چاہیئے بلکہ توحید و ایمان اختیار کرنا چاہیئے - اس طرح مشرکین کے عقیدۂ شرک کی بُرائی اور خرابی ظاہر فرما کر اب مشرکین کے بعض اعمال و رسوم شرکیہ کی بُرائی ظاہر فرمائی جاتی ہے -

مشرکین عرب اپنے معبودوں کو خوش کرنے کے لیے سانڈ وغیرہ جانوروں کو اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے کہ وہ جہاں چاہیں گھومیں پھریں اور کھائیں پئیں اور اس سے اُن کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس فعل سے ہمارے معبود ہم سے خوش ہو جائیں گے اور ہم پر مہربان ہو جائیں گے اور آڑے وقت ہماری مدد کریں گے - ایسے جانوروں کے متعلق انہوں نے یہ عقیدہ بنایا ہوا تھا کہ اُن کا کھانا - ان کا دودھ پینا اور اُن سے کسی قسم کا نفع اُٹھانا جائز نہیں - وہ اُس کے کھاتے اور اس سے نفع اُٹھانے کو حرام سمجھتے تھے اور ڈرتے تھے کہ ہم نے اگر اس جانور کو استعمال کیا تو ہمارے معبود ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور ہمیں تکلیف پہنچائیں گے - اس طرح یہ مشرکین اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے معبودوں کی خوشی کے لیے محض اپنے وہم باطل اور خیالِ خام کے تحت حرام کر دیتے تھے حالانکہ انہیں اس کا کوئی حق نہ تھا - اس لیے ان آیات میں بتلایا گیا کہ جن حلال اور طیب چیزوں کو تم نے اپنی طرف سے حرام کر رکھا ہے وہ حرام نہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :- يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

Marfat.com

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۔ اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں اُن میں سے شرعی حلال پاک چیزوں کی نسبت اجازت ہے کہ ان کو کھاؤ برتو اور اس نامزد کرنے سے اُن کی تحریم کا ارتکاب کر کے شیطان کے قدم بقدم مت چلو اور اُس کے جاری کئے ہوئے طریقوں سے پرہیز کرو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے تمام نوعِ انسانی کو خطاب کر کے کھانے پینے کی چیزوں میں دو شرطیں ضروری قرار دی ہیں ۔ایک حلال ہونا ۔ دوسرے طیب ہونا ۔حلال وہ ہے جس کی شریعت اسلامیہ نے ممانعت نہ کی ہو اور اسے جائز کہا ہو ۔حرام اور ناپسندیدہ نہ قرار دیا ہو طیب وہ ہے جو حلال ہو ساتھ ہی نجاست و گندگی سے بالکل پاک صاف ہو۔ظاہری نجاست سے بھی اور باطنی نجاست سے بھی یعنی کسی غیر کا حق اُس سے متعلق نہ ہو غصب ۔خیانت ۔ رشوت ۔سود وغیرہ یا کسی اور ناجائز طریقہ سے اُسے حاصل نہ کیا گیا ہو۔اس طرح غذا کے ساتھ اسلام نے حلال اور طیب کی شرط لگا کر ایک بہت بڑی خوبی پیدا کی ہے اور اس اصول کی بنا پر ہر وہ شے جو حلال اور طیب نہیں وہ روح اور جسم کے لئے لازمی مُضر اور نقصان دہ ہوگی ۔اسی لئے اکل حلال کی شریعتِ اسلامیہ میں بڑی اہمیت ہے۔ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ایمان لانے اور نماز پڑھنے کی فرضیت کے بعد رزق حلال کی تلاش فرض ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم نمازیں پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزہ رکھتے رکھتے تانت کی طرح دُبلے بھی ہو جاؤ تو بغیر تقویٰ اختیار کئے اور مال حرام سے بچے کچھ بھی قبول نہ ہوگا ۔ رزق حرام کھا کر عبادت کرنا ایسا بیکار ہے۔جیسے گوبر پر مکان کا تعمیر کرنا ۔رزق حلال و طیب کو قلب کی نورانیت میں بڑا اثر ہے ۔اسی طرح مال حرام سے دل میں ظلمت پیدا ہونے کی تاثیر لازمی ہے۔اس لئے مالِ حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا اشد ضروری ہے جس کے تین درجات ہیں ۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر شریعت اسلامیہ کا حکم ہے اُن کا استعمال نہ کرے یعنی اندوئے فتویٰ کھلے ہوئے حلال و حرام کے احکام پر عمل کرے ۔یہ تو عام مومنین کا تقویٰ ہے ۔

دوسرا درجہ صلحاء کا تقویٰ ہے کہ وہ مشتبہ یعنی شبہ والی چیز سے بھی پرہیز کرتے ہیں ۔ایک حدیث میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس میں شبہ ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں کچھ بھی شبہ نہ ہو۔

تیسرا درجہ اتقیاء کا تقویٰ ہے۔جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان جب تک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشہ سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہیں کرے گا اُس وقت تک اتقیاء کے درجہ کو ہرگز نہ پہنچے گا ۔گویا اتقیاء کے نزدیک وہی مال اور چیز حلال اور قابل استعمال ہے جس میں نہ بالفعل کسی قسم کا شبہ ہو اور نہ آئندہ کسی خطرہ کا احتمال ہو ۔

چوتھا اور سب سے اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے کہ جس چیز کے کھانے سے طاعت اور عبادت الٰہی پر قوت حاصل نہ ہو اس سے پرہیز کرنا یعنی کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرنا جو خالص اللہ کے واسطے نہ ہو۔مگر یہ درجات اعلیٰ حاصل کرنا آسان نہیں ہم

Marfat.com

عام مسلمانوں کا تقویٰ یعنی اس چیز کے پاس بھی نہ پھٹکنا کہ جس کی حرمت پر علمائے دین کا فتویٰ ہے۔ یہ تو ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری اور لازمی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اکل حلال وطیب نصیب فرمائے اور حرام وشبہ کی چیزوں سے اجتناب و پرہیز کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پھر حلال اور طیب چیزوں کے کھانے کے حکم کے بعد یہ فرمانا وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اور پیروی نہ کرو شیطان کے قدموں کی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ حلال وطیب کی پرواہ نہیں کرتے وہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور شیطان کبھی انسان کی بھلائی اور خیر خواہی نہیں چاہتا کیونکہ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ بیشک وہ انسان کا کھلا دشمن ہے اور دشمن ہونے کی وجہ سے وہ انسانوں کو ان ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ شرعاً بُری اور گندی ہیں جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ۔ تحقیق وہ شیطان یہی حکم کرے گا تم کو کہ سُوْٓء اور فَحْشَآء کے کام کرو۔

سُوْٓء کے معنیٰ ہیں بُرائی یعنی ہر وہ چیز جو عقلاً اور شرعاً بُری ہو اور فَحْشَآء کے معنیٰ ہیں بے حیائی۔ ہر وہ چیز جو آداب و اخلاق کے خلاف ہو اور شریعت نے اُسے ناپسند ٹھہرایا ہو۔ یعنی سُوْٓء کا تعلق افعال سے ہے اور فَحْشَاء کا تعلق اخلاق سے ہے۔

اب یہاں اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ یعنی شیطان کے امر اور حکم کرنے سے کیا مراد ہے اور وہ کس طرح بُرائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے؛ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ شیطان کے امر اور حکم کرنے سے مراد دل میں وسوسہ ڈالنا ہے جیسا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کے قلب میں ایک شیطانی الہام واثر ہوتا ہے اور دوسرا ملکوتی فرشتہ کی طرف سے شیطانی وسوسہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بُرے کام کرنے کے فوائد ومصالح سامنے آتے ہیں اور حق کو جھٹلانے کی راہیں کھلتی ہیں اور الہام فرشتہ کا اثر خیر ونیکی پر انعام وفلاح کا وعدہ اور حق کی تصدیق پر قلب کا مطمئن ہونا ہوتا ہے۔

الغرض یہاں تنبیہ فرمائی گئی کہ شیطان تمہارا دشمن ہونے کی وجہ سے اوّل تو تمہیں وہی باتیں تعلیم کرے گا جو شرعاً ناجائز۔ حرام۔ گندی اور بُری ہیں اور دوسرے وہ یہ تعلیم بھی کرے گا وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جس کی تم سند بھی نہیں رکھتے یعنی ایسے عقائد اور اعمال کی تم کو تلقین کرتا ہے کہ جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

تو یہاں اس آیت میں شیطان کی دو خصوصیتیں بیان کی گئیں:۔

پہلی خصوصیت یہ کہ وہ ہمیشہ انسانوں کو بُرائی بدی اور بے حیائی ہی سکھاتا ہے اور کسی نہ کسی شرارت فتنہ وفساد ہی پر اُکساتا ہے۔

دوسری خصوصیت یہ کہ وہ انسان کو ترغیب دیتا ہے اور سمجھاتا ہے کہ اپنی طرف سے من گھڑت عقیدے گھڑا کرے اور من گھڑت باتیں بنایا کرے اور ظاہر یہ کرے کہ یہ اللہ کا حکم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہرگز

Marfat.com

ان باتوں کا حکم نہیں دیتا۔

علما نے لکھا ہے کہ بدعت کی بھی یہی حقیقت ہے کہ جس کام کو اللہ تعالےٰ نے موجبِ ثواب قرار نہیں دیا اُس کام کو بلا دلیل شرعی موجبِ ثواب قرار دے۔

اب یہاں ایک اشکال ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ شیطان کبھی نیک کام کا بھی حکم کرتا ہے۔ جیسا کہ بعض بزرگانِ دین کے حالات میں منقول ہے کہ شیطان ان کو تہجد یا صبح کی نماز کے لئے جگانے آیا تو حقیقت یہ ہے کہ شیطان اگرچہ ظاہر میں کبھی کسی نیکی کا حکم دیتا بھی ہے تو مقصود اُس کا بُری ہی ہوتا ہے کہ یہ شخص اگر گناہ نہیں کرتا تو کم از کم اس کو کسی چھوٹی درجہ کی طاعت میں لگا دیا جائے تاکہ بڑی عبادت کرکے اجرِ عظیم نہ حاصل کر سکے۔ اس طرح وہ کبھی بھی انسان کو فائدہ کی بات نہیں سمجھاتا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو متنبہ فرما دیا کہ دین اور حق کے خلاف جتنے کام شیطان کراتا ہے وہ سب درحقیقت ناپسندیدہ اور سوء اور فحش ہوتے ہیں اور شیطان چونکہ انسانوں کا صریح اور کھلا ہوا دشمن ہے اس لئے انہیں ابدی خسران میں گرفتار کرانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان اور نفس کے فریب و مکائد سے ہماری حفاظت فرمائیں اور ہر حال میں ہم کو ایمان و اسلام پر مستقیم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اب آگے کفار و مشرکین اور منکرین کا دین حق سے گمراہی کا اصلی سبب یعنی باپ دادا کے رسوم کی اندھی تقلید بتلایا جاتا ہے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو شریعتِ مطہرہ کی پابندی ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیں اور نفس و شیطان کی پیروی سے بچائیں:-

یا اللہ! ہم کو اکل حلال عطا فرما اور اس کے برکات و ثمرات نصیب فرما اور مشتبہ و ناجائز چیزوں سے بچا۔

یا اللہ! شیطان لعین جو ہمارا ازلی دشمن ہے اُس کے مکر و فریب سے ہماری حفاظت فرما اور اس کے وساوس و خطرات سے ہمارے قلوب کو پاک فرما۔

یا اللہ! تقویٰ و طہارت کی دولت سے ہم کو سرفراز فرما اور ظاہری و باطنی سُوء و فحشاء سے ہماری حفاظت فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۷۸

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ

اور جب کوئی اُن لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم بھیجا ہے اُس پر چلو تو کہتے ہیں بلکہ

نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ

ہم تو اُسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے - کیا اگرچہ اُن کے باپ دادا

لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں ؟ اور نہ ہدایت رکھتے ہوں ؟ اور ان کافروں کی کیفیت

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً

اُس کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے جانور کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بُلانے

وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور پکارنے کے کوئی بات نہیں سُنتا - یہ کفار بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں۔

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں عام انسانوں کو خطاب کر کے بتلایا گیا تھا کہ حلال و حرام کے معاملہ میں اللہ کے حکم کا اتباع کرو اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا قدیمی اور ازلی دشمن ہے - اس کے بہکانے میں نہ آنا کہ وہ دشمنی میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتلاتا ہے اور بُرائی کی باتیں سمجھاتا ہے اور بیحیائی کے کاموں کا وسوسہ ڈالتا ہے تاکہ تم عذاب آخرت کے مستحق ہو جاؤ اور شیطان تم کو ایسے عقائد اور اعمال کی تلقین کرتا ہے کہ جن کی کوئی اصل نہیں - اب باوجود اس تنبیہ کے پھر بھی جو لوگ کفر و شرک کر کے شیطانی فریب اور پھندے میں گرفتار ہیں اور اپنے کفر و شرک پر مصر ہیں ان کے متعلق آگے ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

"اور جب کوئی ان مشرک لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم اپنے پیغمبر کے پاس بھیجا ہے اُس پر چلو تو جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ ہم تو اُسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے "

اس آیت کا شانِ نزول یہ لکھا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں سے ہمکلام ہوئے اور اسلام دین حق کی خوبی سمجھائی اور یہود کو اس قدر لاجواب کیا کہ ان کے پاس ترکِ اسلام کا کوئی عذر نہ رہا - آخر میں

Marfat.com

اُنہوں نے یہ کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس پر نہیں پایا اور چونکہ ہمارے باپ دادا ہم سے زیادہ عقلمند تھے اور زیادہ بہتر تھے اس لئے ہم اُنہیں کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جب کوئی ان مشرک اور یہود لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم اپنے پیغمبر کے پاس بھیجا ہے اُس پر چلو تو جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ ہم اللہ کے حکم کو نہیں جانتے۔ ہم تو اپنے آبا و اجداد کی رسم کی پیروی کریں گے حق تعالیٰ اُن کی اس بات کا رد فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے:۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

"کیا ہر حالت میں یہ لوگ اپنے باپ دادا ہی کے طریقہ پر چلیں گے اگرچہ ان کے باپ دادا دین کی نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ کسی آسمانی کتاب کی ہدایت رکھتے ہوں"

گویا حق تعالیٰ نے اس آیت میں منکرین اسلام کی کم عقلی اور بدفہمی بیان فرمائی کہ یہ بھی کوئی عقل اور سمجھ کی بات ہے کہ ہر بات میں باپ دادا ہی کے رسم کی پیروی کی جائے۔ ہاں اگر ان کے آبا و اجداد صاحبِ علم ہوتے۔ اور توحید کو جانتے ہوتے اور راہِ ہدایت پر ہوتے اور پھر یہ لوگ ان کا اتباع کرتے تو کوئی بات بھی تھی اور جبکہ وہ دین سے ناواقف، سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہوں پھر بھی یہ انہیں کا اتباع کریں گے۔ اس طرح مشرکین کی باطل عقائد و اعمال میں آبا و اجداد میں اندھی تقلید اور پیروی کی مذمت اور ممانعت فرمائی گئی۔ لیکن یہاں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب بعض مسلمان بھی دین سے ایسے بیگانہ ہو گئے ہیں کہ جب اُن کے سامنے قرآن و حدیث اور اللہ اور رسول کا حکم اور قانون پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو اور شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرو تو ان کا جواب بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم تو اپنے باپ دادا اور بڑوں کی رسموں اور خاندانی روایات کا لحاظ کریں گے اور اُسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے بڑے بوڑھوں کو چلتے دیکھا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ کر یہ لوگ اپنے باپ دادا کی روایات اور خاندانی رسموں کو مانتے ہیں اور انہی رسموں کو مقدم سمجھتے ہیں اور انہیں شریعت سے زیادہ اہمیت و وقعت دیتے ہیں تو ایسی گمراہی کی تقلید کی اس آیت میں مذمت فرمائی گئی ہے مسلمانوں کے لئے اللہ اور رسول کے حکم کے آگے اور اس کے مقابلہ میں باپ دادا اور خاندانی رسم و رواج کی کوئی وقعت نہ ہونا چاہیئے مگر اب تو وہ وقت آگیا ہے کہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک رسمیں اس طوفان عام کی طرح پھیل رہی ہیں کہ اچھے اچھے سمجھدار بھی اس میں گرفتار ہیں۔ اور اگرچہ بعض رسموں سے تنگ اور پریشان بھی ہیں مگر جو باپ دادا سے دستور چلا آرہا ہے خواہ اس میں اللہ اور رسول کے احکام کا مقابلہ ہی کیوں نہ ہو۔ اُس دستور کے خلاف کرنے کی ہمت و جرأت نہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخصوں پر حق تعالیٰ کا بہت زیادہ

Marfat.com

غصّہ ہوتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سب کا ذکر کیا جن میں اس شخص کا بھی ذکر کیا کہ جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اختیار کرے یعنی جو رسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سرفراز نبوت ہونے سے قبل عرب میں برتی جاتی تھیں۔ ان کا اسلام کی حالت میں برتنے والا اور اسی طرح تمام واہیات رسمیں اور غیر قوموں کے طریقے اختیار کرنے پر حق تعالیٰ کا سخت غصّہ نازل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ کے ادنیٰ غضب کی بھی تاب نہیں ہوسکتی تو اعلیٰ درجہ کا غصّہ اور غضب کون برداشت کرسکتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز پڑھائی اور آپ حاضرین یعنی صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت مؤثر نصیحت فرمائی جس سے صحابہ کرام پر رقت طاری ہوئی اور کثرت سے آنسو جاری ہوئے اور دلوں پر خوف طاری ہوا۔ پھر ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) یہ نصیحت تو ایسی ہے جیسا کہ کوئی رخصت کرنے والا نصیحت کرتا ہے۔ پس آپ ہم کو کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور حکم سُننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ وہ حاکم حبشی غلام ہی ہو۔ پس تم میں سے جو شخص میرے بعد رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور خلفائے راشدین کے طریقہ کی تابعداری کو مضبوط پکڑے رہنا اور بچتے رہنا دین میں نئی باتوں کے جاری کرنے سے اسلئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اختلافات سے بچنے کا طریقہ فرما دیا اور وہ آپؐ کی اور آپؐ کے خلفائے راشدین کے طریق کی تابعداری ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہر کام میں خواہ دین کا ہو یا دنیا کا اللہ اور رسول کے تبلائے ہوئے طریقہ کو اختیار کریں اور خودساختہ رسموں کی پابندی اور برادری وکُنبہ والوں کی ناراضگی کی ہرگز پروا نہ کریں۔ اللہ پاک کا حق سب سے زیادہ مقدم ہے اور ہر طرح کا نفع وضرر سب اُسی کے قبضہ میں ہے۔ لہٰذا جس سے اللہ راضی وخوش ہوگا اس کو کسی کی حاجت نہیں اور جس سے اللہ ناراض ہے تو اس کی کوئی دستگیری نہیں کرسکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کی پیروی نصیب فرمائیں۔ آمین۔

ایک بات یہاں یہ بھی سمجھ لی جائے کہ جس طرح اس آیت سے باپ دادا کی اندھی تقلید اور ان کے غلط راستہ کی اتباع وپیروی کی مذمت ثابت ہوئی اور ایسے اتباع وتقلید کے عدم جواز کی وجہ بھی لَا یَعْقِلُوْنَ اور لَا یَهْتَدُوْنَ میں اشارۃً فرمادی اسی طرح آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے روحانی یا جسمانی آباؤ اجداد عقل بھی رکھتے ہوں اور ہدایت یافتہ بھی ہوں اور مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے اشارات و کنایات کو بھی خوب سمجھتے ہوں تو ایسے آباؤ اجداد کا اتباع اور تقلید عین عقل اور عین ہدایت ہے۔ حکمِ خداوندی کے خلاف کسی کا اتباع بلاشک گمراہی ہے لیکن حکمِ خداوندی کے سمجھنے کے لئے اگر کم عقل والا اپنے سے زیادہ عقل والے کا اتباع کرے تو یہ عین ہدایت اور مقتضیٰ عقل ہے۔ یہ بات اس وجہ سے عرض کی گئی

کہ بعض کم عقل ائمہ دین کی تقلید کے خلاف اس آیت کو پڑھ دیا کرتے ہیں جو قرآن فہمی سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ مشہور امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت فرمایا ہے کہ اس آیت میں تقلید آبائی کے ممنوع ہونے کا جو ذکر ہے اس سے مراد باطل عقائد و اعمال میں آباؤ اجداد کی تقلید کرنا ہے۔ عقائد صحیحہ اور اعمالِ صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں جیسا کہ بارہویں پارہ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں ان دونوں چیزوں کی وضاحت اس طرح آئی ہے:۔

"اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝
وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ

"میں نے ان لوگوں کی ملت اور مذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا"

اس میں پوری وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ آباء کی تقلید باطل میں حرام ہے۔ حق میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔ امام قرطبیؒ نے اسی آیت کے ذیل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کے متعلق لکھا ہے:۔

"کچھ لوگوں نے اس آیت کو تقلید کی مذمت میں پیش کیا ہے اور یہ باطل کے معاملہ میں تو صحیح ہے لیکن حق کے معاملہ میں تقلید کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک مستقل بنیاد ہے اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ میں تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے"

الغرض منکرین اسلام و دین حق کا تقلید آباء کے متعلق بدفہمی اور کم عقلی کا بیان ہوا کہ جو محض یہ کہہ کر دین حق سے اعراض و انکار کرتے تھے کہ ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہمارے باپ دادا تھے اس لئے آگے ان منکرین کی ایک مثال بیان ہوئی کہ ان کی نافہمی کی کیفیت مثل جانور کے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝

"اور ان کافروں کی کیفیت نافہمی میں اس جانور کی کیفیت کے مثل ہے جس کا ذکر اس مثال میں کیا جاتا ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے جانور کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا۔ اسی طرح یہ کفار بھی ظاہری بات چیت تو سنتے ہیں لیکن کام کی بات سے بالکل بہرے ہیں گویا سنا ہی نہیں۔ گونگے ہیں کہ کبھی حق بات زبان ہی پر نہیں آتی۔ اندھے ہیں کہ نفع نقصان نظر ہی نہیں آتا سو سمجھتے سمجھاتے کچھ نہیں" پہلے پارہ الٓمٓ میں منافقوں کے بارہ میں بھی حق تعالیٰ نے یہی فرمایا تھا۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝

"یعنی وہ بہرے۔ گونگے اور اندھے ہیں وہ حق کی طرف نہیں لوٹیں گے"

اسی طرح کفار کے بارہ میں یہاں اس آیت میں بتلایا گیا کہ باوجودیکہ اُن کے پاس کان۔زبان اور آنکھیں موجود ہیں مگر ان سے حق کے سُننے، بولنے اور دیکھنے کا کام نہیں لیتے اس لئے یہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس معنی میں وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔اور چونکہ یہی تین چیزیں ذریعہ ہیں حق کو سمجھنے کی اور وہ انہی تین چیزوں سے کام نہیں لیتے اس لئے حق کو نہیں سمجھتے۔اگرچہ اس آیت میں کفار و منکرین کی حالت اور مثال بیان کی گئی ہے مگر یہی حالت ہر دعوتِ حق کو قبول نہ کرنے والے کی ہے گویا کہ وہ بہرا ہے کہ حق کی آواز سُن کر دِل پر اثر نہیں کرتی اور سُنی بات کو اَن سُنی کر دیتا ہے۔اسی طرح وہ گویا گونگا ہے کہ زبان سے حق کا اعتراف اور اقرار نہیں کرتا اور اندھا ہے کہ راہِ حق کو نہیں دیکھتا۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر سُننے۔دیکھنے اور بولنے کی طاقتوں کا استعمال حق کے لئے نہ ہوا اور حق کی راہ میں کام نہ آئیں تو ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ جس ہستی نے انسان کو یہ طاقتیں بخشی ہیں اگر یہ اُسی کے احکام کے مطابق کام نہ کریں۔انسان کو حقیقی مالک کا راستہ نہ بتائیں تو پھر ان کے ہونے کا کیا فائدہ ؟ مثال کے طور پر کسی کے پاس کھانے پینے کی چیزیں موجود ہوں اور وہ اُسے کام میں نہ لائے تو یہی کہا جائے گا کہ اس شخص کے پاس کھانے کو نہیں یا کسی آدمی کے پاس روپیہ پیسہ کے ڈھیر ہوں لیکن وہ اُنہیں خرچ نہ کرتا ہو اور کام میں نہ لاتا ہو تو یہی کہا جائے گا کہ یہ دولت نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی حال دعوتِ حق کو قبول نہ کرنے والوں کا ہے کہ ان کے پاس ظاہر میں کان۔زبان، آنکھیں موجود ہیں لیکن ان سے وہ صحیح کام نہیں لیتے جو لینا چاہیئے اس لئے یہ اعضا نہ ہونے کے برابر ہیں۔

الغرض یہاں کفار و مشرکین کی اکل طیبات کے بارہ میں غلطی ظاہر فرمائی گئی جس سے اُن کی اصلاح مقصود تھی۔آگے اہل ایمان کو خطاب فرما کر اکل طیبات کا حکم دیا جاتا ہے اور اس پر شکر خداوندی بجالانے کا حکم دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہر حال میں ہم کو حق کے ساتھ وابستہ رکھیں اور حق کی پیروی کی توفیق عطا فرمائیں۔اور ناحق سے بچائیں۔

یا اللہ! ہم کو حق کا بولنے۔سُننے اور دیکھنے والا بنایئے اور حق میں اپنے اکابر سلف صالحین کی تقلید و اتباع نصیب فرمایئے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۷۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا

اور حق تعالیٰ کی شکرگذاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو - اللہ تعالیٰ نے تو

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ

تم پر صرف حرام کیا ہے مُردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور ایسے

اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا

جانور کو جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو

عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا - واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم -

تفسیر و تشریح گذشتہ آیات میں یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ سے عام انسانوں کو خطاب فرما کر ہدایت دی گئی تھی کہ جو چیزیں اللہ نے حلال اور طیب پیدا کی ہیں ان کو کھانا پینا چاہیئے اور اپنی طرف سے حلال کو حرام نہ بنانا چاہیئے - کہ ایسا کرنا شیطان کی پیروی کرنا ہے جو کہ انسانوں کا ازلی دشمن اور بدخواہ ہے - اب ایمان والوں کو خطاب فرما کر حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ مشرکین کی طرح حلال و حرام کے بارہ میں من مانی نہ کریں بلکہ جن چیزوں کو اللہ نے حلال کیا ہے اُن کو حرام سمجھیں اور ان کے کھانے سے پرہیز کریں - چنانچہ پہلے ارشاد ہوتا ہے - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اے ایمان والو ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ جو شرع کی رُو سے پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے جو چاہو کھاؤ، برتو اور اس اجازت کے ساتھ یہ حکم ہے کہ حق تعالیٰ کی شکرگذاری کرو زبان سے بھی - ہاتھ پاؤں سے خدمت و طاعت بجالا کر بھی اور دل سے ان نعمتوں کو منجانب اللہ سمجھ کر بھی اگر تم خاص اسی کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو یعنی اگر واقعی تم دل و جان سے صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو تو اس بات کا عملی ثبوت بھی دو - اور اللہ کی دی ہوئی حلال چیزوں کا ایک شکریہ بھی ہے کہ انہیں عصیان و نافرمانی کا ذریعہ نہ بنائے اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال اپنی طرف سے نہ بنایا جائے جیسا کہ مشرکین نے بنا رکھا تھا کہ بعض حلال جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر رکھا تھا آگے ارشاد ہے - اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ

یعنی اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مُردار جانور کو اور خون کو جو بہتا ہو اور خنزیر کے گوشت کو اور ایسے جانور جو بقصد تقرب غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو ۔ تو یہاں چار چیزیں ذکر فرمائی گئی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا :۔ اوّل مَیْتَۃ یعنی مُردار جس جانور کا ذبح کرنا شرعاً ضروری ہو اور وہ بلا ذبح ہلاک ہو جائے تو وہ مُردار ہے اور حرام ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح کوئی جانور پہاڑ پر سے گر کر مر گیا یا اُس کو کسی درندہ نے پھاڑ لیا یا اُس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو ۔ ان سب کو شرع میں مَیْتَۃ یعنی مُردار کہیں گے ۔ جس جانور کو ذبح کرنا ضروری نہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک ٹڈی اور مچھلی دوسرے وحشی جیسے ہرن وغیرہ جبکہ اُس کے ذبح پر قدرت نہ ہو تو اس کو دُور ہی سے تیر یا کسی دوسرے دھار دار ہتھیار سے اگر بسم اللہ کہہ کر زخمی کیا جائے تو حلال ہو جاتا ہے ۔ البتہ بندوق کا شکار بدون ذبح کئے ہوئے حلال نہیں کیونکہ بندوق کی گولی میں دھار نہیں ہوتی ۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہمارے لئے دو مُردار حلال کر دیئے گئے ایک مچھلی دوسرے ٹڈی اور دو خون حلال کر دیئے گئے ایک جگر دوسرے طحال پس ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کے حلال ہیں خواہ وہ خود مر جائیں یا کسی کے مارنے سے مر جائیں ——— البتہ جو مچھلی سڑ جانے کی وجہ سے پانی کے اوپر آجائے وہ حرام ہے ۔ اسی طرح اگر زندہ جانور کے جسم سے کوئی گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مَیْتَۃ یعنی مردار میں شمار کیا جائے گا ۔ دوسری[۲] چیز جو یہاں آیت میں حرام قرار دی گئی وہ دَمٌ یعنی خون ہے جو بہتا ہو ۔ جما ہوا خون یعنی گردہ ۔ جگر یا کلیجی تلی یہ بحکم حدیث حلال ہیں ۔ جس طرح خون کا کھانا پینا حرام ہے اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے اور جس طرح تمام نجاسات کی خرید و فروخت بھی اور اس سے نفع اُٹھانا حرام ہے اسی طرح خون کی خرید و فروخت بھی حرام ہے ۔ اس سے حاصل کی ہوئی آمدنی بھی حرام ہے ۔ تیسری[۳] چیز جو حرام فرمائی گئی وہ لَحْمُ خنزیر ہے یعنی سور کا گوشت ۔ تمام اُمّتِ اسلامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سُور کی کل چیزیں یعنی گوشت ۔ پوست ۔ چربی ۔ ہڈی ۔ بال وغیرہ سب حرام و نجس ہیں کیونکہ یہ جانور حرص ۔ بے حیائی اور بے غیرتی اور نجاست خوری میں مشہور ہے ۔ جو قومیں خنزیر کھاتی ہیں اُن سے حیا و غیرت ۔ عزت و ناموس رخصت ہو جاتی ہے ۔ نیز یہ جانور انسان کے فضلہ کو بہت رغبت کے ساتھ کھاتا ہے اور فضلہ انسانی خنزیر کی خاص خوراک ہے اور اس کا گوشت پوست زیادہ تر فضلہ انسانی سے پیدا ہوتا ہے ۔ اس طرح خنزیر کا گوشت کھانا گویا کہ اپنا ہی فضلہ کھانا ہے ۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آٹھویں پارہ سورہ اَنعام میں لحم خنزیر کے متعلق فرمایا فَاِنَّہٗ رِجْسٌ کیونکہ وہ نجس العین ہے ۔

چوتھی[۴] چیز جس کو آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے وہ مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی وہ جانور جو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو ۔ اسکی دو صورتیں ہیں ۔ اوّل یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اُسی غیر اللہ کا نام لیا جائے ۔ ایام جاہلیت میں عرب جب جانور ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام لیتے تھے ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب اِلیٰ غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے لیکن بوقت ذبح اُس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے جیسا کہ کبھی ہندوستان میں شیخ سدّو کے نام کا بکرا یا سید احمد کبیر کے نام کی گائے پکاری جاتی تھی پس جب یہ جانور غیر اللہ

Marfat.com

کیلئے نامزد ہو گئے جس سے غیر اللہ کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرنا منظور ہو تو یہ بوجہ شرک کے حرام ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ اس آیت میں مطلق حلال و حرام کا بیان نہیں بلکہ اُن مخصوص جانوروں کی حِلّت و حُرمت کا بیان ہے جن کے بارے میں مشرکین مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کی غلطیاں کیا کرتے تھے کہ بہت سے حلال جانوروں کو مشرکین حرام سمجھ لیتے تھے یا اپنے اُوپر حرام کر لیتے۔ تو یہاں یہ جتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فلاں فلاں جانور حرام ہیں جن سے مشرکین پرہیز نہیں کرتے اور جو اللہ کے نزدیک حلال ہیں اُن سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے اس جگہ حصر مطلق نہیں۔ احادیث میں اور بعض دوسرے جانوروں کے کھانے کی بھی ممانعت آئی ہے چنانچہ بحکم حدیث نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو جانور اور پرندے شکار کر کے کھاتے ہیں یا اُن کی غذا فقط گندگی ہے ان کا کھانا جائز نہیں جیسے شیر۔ بھیڑیا۔ گیدڑ۔ کتا۔ بلی۔ بندر۔ شکرا۔ باز۔ گدھ وغیرہ اور جو ایسے نہ ہوں جیسے طوطا۔ مینا۔ فاختہ۔ چڑا۔ بٹیر۔ مرغابی۔ کبوتر۔ نیل گائے۔ ہرن۔ بطخ۔ خرگوش وغیرہ یہ سب جائز ہیں۔ اسی طرح بحکم حدیث بجو۔ گوہ۔ گدھا۔ خچر کا گوشت کھانا درست نہیں۔ دریائی جانوروں میں سے فقط مچھلی حلال ہے باقی سب حرام ہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم)

یہاں دو فقہی مسئلہ بھی قابلِ ذکر ہیں مسئلہ ۱ کسی چیز میں چیونٹیاں مر گئیں تو بغیر نکالے کھانا جائز نہیں اگر ایک آدھ چیونٹی بھی حلق میں چلی گئی تو مردار کھانے کا گناہ ہوگا مسئلہ ۲ بعض بچے بلکہ بڑے بھی گڑ کے اندر کے بھنگے سمیت گڑ کھا جاتے ہیں اور مشہور یہ ہے کہ اس کے کھانے سے آنکھیں دُکھنے نہیں آتیں۔ یہ ناجائز ہے اور مردار کھانے کا گناہ ہوگا۔ (بہشتی زیور حصہ سوم)

الغرض آیت مذکورہ میں جیسے حرام کھانے کی ممانعت کی گئی ہے اسی طرح حلال طیب چیزوں کے کھانے اور اس پر شکر گذار ہونے کی ترغیب بھی ہے۔ کیونکہ جس طرح حرام کھانے سے اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ باطن میں خرابی آتی ہے۔ عبادت کا ذوق جاتا رہتا ہے۔ دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اس طرح حلال کھانے سے دل میں ایک نُور پیدا ہوتا ہے۔ اخلاق رذیلہ سے نفرت اور اخلاق حمیدہ سے رغبت ہوتی ہے۔ عبادت میں دل لگتا ہے۔ گناہ سے دل گھبراتا ہے، دعا قبول ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال شفقت اور مہربانی سے انسانی ضعف اور عجز کو دیکھ کر ان مذکورہ حرام چیزوں کو بھی بعض بعض حالات میں کھا لینے کی اجازت دی ہے کہ ان حرام چیزوں کے کھا لینے سے گناہ نہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ پھر بھی اللہ نے اتنی آسانی رکھی ہے کہ جو شخص بھوک سے بہت ہی بیتاب ہو جائے۔ بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالبِ لذت اور نہ قدر ضرورت و حاجت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس حالت میں ان حرام چیزوں کے کھانے میں بھی اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔ واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم کہ ایسے وقت میں یہ رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیزوں سے بھی گناہ اُٹھا دیا۔ یعنی اضطرار کی حالت میں دو شرطوں کے ساتھ حرام چیز کھانے کی اجازت ہے۔ اِضطرار کے معنی

Marfat.com

بے بسی - لاچاری اور بے اختیاری کے ہیں اور یہ مجبوری اور بے اختیاری کئی طرح پر ہوتی ہے۔
اوّل یہ کہ کوئی حلال چیز اس کے پاس نہ ہو اور نہ کہیں سے حاصل کرنا ممکن ہو اور بھوک کے مارے اس کی جان پر آ بنے جیسا کہ ریگستان، بیابان - اور ایام قحط اور سفر دریا یا سمندر میں ہو سکتا ہے کہ کھانے کی کوئی چیز ختم ہو جائے یا نایاب ہو جائے - دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی ظالم، جابر حرام چیز کھانے پر مجبور کرے اور کہے کہ اگر تو نہیں کھاتا تو تجھ کو مار ڈالتا ہوں - یا تیرے کسی عضو ہاتھ پاؤں کو کاٹے ڈالتا ہوں یا کسی تیرے عزیز بیٹے بھائی وغیرہ کو مارے ڈالتا ہوں یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے ڈالتا ہوں اور اس شخص کو یقین کامل ہو جائے کہ اگر میں انکار کروں گا اور نہ کھاؤں گا تو یہ ظالم ایسا کرے گا - پس اضطرار کی ان سب صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے بندہ کو حرام چیز کھانے کی اجازت دی ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ - ایک شرط غَیْرَ بَاغٍ ہے - جس سے مراد ہے کہ حرام غذا کھانے والے کی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کی نہ ہو نہ اس کو لذت مطلوب ہو - صرف جان بچانا مقصود ہو اور وہ بھی اس نیت سے کہ جان بچانا بھی اللہ کا حکم ہے - دوسری شرط لَا عَادٍ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کھانے میں زیادتی نہ کرنے والا ہو اور شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرنے والا ہو یعنی مجبوری اور بے بسی کے عالم میں کھانے لگے تو زیادہ نہ کھائے - صرف اتنا کھائے کہ جس سے جان بچ جائے اور زندہ رہ سکے -

ایسے اضطرار کے وقت میں بھی حرام چیزوں کی حرمت بدستور ہے اور حرام چیزیں اپنی جگہ حرام ہی ہیں مگر اضطرار کی وجہ سے اجازت ہے اور کھانے والے پر مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ کچھ گناہ نہیں - اور اگر کھانے میں کسی قدر بے اعتدالی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ غفور رحیم ہے یعنی اُمید ہے کہ وہ اپنی مہربانی سے اس بے اعتدالی کو بخش دے گا -

اس آیت کے تحت ایک نہایت مفید اور کارآمد تحقیق بعنوان "حالتِ اضطرار میں دوا کے لئے حرام چیزوں کا استعمال" حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھی ہے جو موقع کی مناسبت سے یہاں بجنسہٖ نقل کی جاتی ہے - وھو ہذا - " آیت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جس شخص کی جان خطرہ میں ہو وہ جان بچانے کے لئے بطور دوا کے حرام چیز کو استعمال کر سکتا ہے مگر آیت مذکورہ ہی کے اشارہ سے اس میں چند شرطیں معلوم ہوتی ہیں :-

اوّل یہ کہ حالت اضطرار کی ہو - خطرہ جان کا ہو - معمولی بیماری یا تکلیف کا یہ حکم نہیں ہے -

دوسرے یہ کہ بجز حرام چیز کے اور کوئی چیز علاج و دوا کے لئے مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو جیسے شدید بھوک کی حالت میں استثنا اُسی وقت ہے جبکہ کوئی دوسری حلال غذا موجود و مقدور نہ ہو -

تیسرے یہ کہ اس حرام کے استعمال کرنے سے جان بچ جانا یقینی ہو جیسے بھوک سے مضطر کے لئے ایک دو لقمہ حرام گوشت کا کھا لینا عادۃً اس کی جان بچانے کا یقینی سامان ہے - اگر کوئی دوا ایسی ہے کہ اس کا استعمال مفید

Marfat.com

تو معلوم ہوتا ہے مگر اس سے شفاء یقینی نہیں تو اس دوا حرام کا استعمال آیتِ مذکورہ کے استثنائی حکم میں داخل ہو کر جائز نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ مزید دو شرطیں آیت قرآنی میں منصوص ہیں کہ اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو اور قدرِ ضرورت سے زائد استعمال نہ کرے۔

آیت مذکورہ کی تصریح اور اشارات سے جو قیود و شرائط حاصل ہوئے اُن شرائط کے ساتھ ہر حرام و ناپاک دوا کا استعمال خواہ کھانے میں ہو یا خارجی استعمال میں باتفاق امت جائز ہے۔ ان شرائط کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں:۔

۱:۔ حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو۔

۲:۔ دوسری کوئی حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔

۳:۔ اس دوا سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو۔

۴:۔ اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

۵:۔ قدرِ ضرورت سے زائد اسے استعمال نہ کیا جائے"۔ (معارف القرآن)

الحاصل یہاں حلال و طیب کے کھانے اور حرام نہ کھانے کا حکم دیا گیا اور یہاں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا یعنی میتہ۔ خون۔ لحم خنزیر۔ اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یہ وہ چیزیں ہیں جو محسوسات میں سے ہیں۔ اب آگے ایسے حرام کاموں کا ذکر ہے جو غیر محسوس یعنی باطنی ہیں اور جو ظاہری حرام سے بڑھ کر ہیں مثلاً علمائے یہود میں یہ مرض تھا کہ عوام سے رشوت لے کر ان کے مطلب کے موافق احکام بتلا دیتے اور تورات کی آیات میں تحریف کر کے اُن کے منشاء کے موافق بتا دیتے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ! ہمیں اکل حلال طیب نصیب فرما اور اُس کے نیک ثمرات۔ برکات و اثرات نصیب فرما۔

یا اللہ! آپ اپنے فضل سے ہم کو جو رزق ظاہری عطا فرمائیں اس پر شکر گذاری کی توفیق بھی نصیب فرمائیں اور اس رزق کو کھا کر آپ کی مرضیات والی زندگی گذارنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! آپ کا دیا ہوا رزق کھا کر آپ ہی کی نافرمانی کرنا یہ حد درجہ کی بے غیرتی ہے۔ یا اللہ! ہمیں اس سے کامل طور پر بچائیے۔ یا اللہ! آپ نے کھانے پینے اور دوا علاج میں جو شرعی حدود مقرر فرما دیئے ہیں ان کی پابندی ہم کو ہر حال میں صحت ہو یا بیماری ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیے۔ اور ان حدود سے تجاوز کرنے سے بچائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۸۰

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتٰبِ

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کا اخفا کرتے ہیں

وَيَشْتَرُونَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي

اور اُس کے معاوضہ میں متاعِ قلیل وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے

بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

شکم میں آگ بھر رہے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ اُن سے نہ تو قیامت میں کلام کریں گے

وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ

اور نہ اُن کی صفائی کریں گے اور ان کو سزائے دردناک ہوگی ۔ یہ ایسے لوگ ہیں

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا

جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور مغفرت چھوڑ کر عذاب مول لیا ۔ سو

أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ

دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں ۔ یہ سزا یں اس وجہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کتاب کو

بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتٰبِ لَفِي

ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا اور جو لوگ کتاب میں بے راہی کریں وہ ظاہر ہے کہ بڑی

ع ۲۱ ۹ الربع شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾

دُور کی خلاف ورزی میں مبتلا ہوں گے ۔

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں اُن حرام چیزوں کا ذکر تھا جو ظاہر اور محسوسات میں سے ہیں اب آگے اُن باطنی محرمات کا ذکر ہے جس میں کہ علماء یہود گرفتار تھے اور جو نتیجہ کے لحاظ سے ظاہری محرمات اور ممنوعات سے بھی بڑھ کر ہیں مدینہ کے یہود جانوروں کی حلت و حرمت اور اُن کے کھانے یا نہ کھانے میں بڑی پرہیزگاری جتلایا کرتے تھے اور مسلمانوں سے نزاع اور بحث کرتے تھے حالانکہ خود ایسے حرام کے کھانے میں مشاق تھے کہ جو کسی حالت اضطرار وغیرہ میں بھی جائز نہیں اور وہ یہ کہ احکامِ الٰہیہ کو چھپاتے اور روپیہ پیسہ لے کر اصلی احکام کو اُلٹ پھیر کر اور اوّل بدل کر کے لوگوں کی مرضی کے موافق بیان کر دیتے ۔ یہود کی اسی عادتِ حرام خوری کو کہ وہ جو غلط احکام بیان

Marfat.com

کر کے نذرانہ وصول کرتے یہاں آیت میں ظاہر فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے :۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کے مضامین کا اخفا کرتے ہیں اور اس خیانت کے معاوضہ میں دُنیا کی متاعِ قلیل وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کتابِ آسمانی میں حلال وحرام کا حکم بھیجا یہود نے اُس کو چھپایا اور اپنی طرف سے اُس میں بڑھایا یا گھٹایا۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو چھپاتے تھے اور آپ کا حُلیہ اور تعریف جو توراۃ میں تھی اُسے محو کرتے یا تغیر و تبدل کر کے ظاہر کرتے اور اُس کے عوض کچھ دُنیوی حقیر مال حاصل کر لیتے۔ عوام یہود سے اس کتمانِ حق کے عوض ان کو کچھ روپیہ پیسہ مل جاتا جس کا نام ہدیہ۔ نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا۔ حالانکہ اُن کی یہ حرام خوری مُردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر تھی۔ اِسی کو فرمایا گیا کہ وہ اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں یعنی گو ظاہر نظر میں ان کو وہ مال لذیذ اور نفیس معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ آگ ہے جس کو خوش ہو کر اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں جیسا کہ طعام لذیذ میں زہر قاتل ملا ہو کہ کھاتے وقت لذت معلوم ہوتی ہے مگر پیٹ میں جا کر آگ لگ جاتی ہے۔ تو اُن کی یہ حرام کمائی اُن کے واسطے آتش دوزخ کا سبب ہے۔ ایک سزا تو اُن کی حرکاتِ شنیعہ کی یہ بیان ہوئی۔ اگلے دوسری سزا ارشاد ہوتی ہے :۔ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ ۪ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

اور اللہ تعالیٰ اُن سے نہ تو قیامت میں کلام کریں گے اور نہ گناہ معاف کر کے اُن کی صفائی کریں گے اور ان کو سزائے دردناک ہوگی۔ یہاں جو آیت میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے کلام نہ کریں گے تو اس پر کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ دیگر آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب باری تعالیٰ قیامت میں کفار و مشرکین سے خطاب فرمائیں گے سو یہاں کلام نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لطف و رحمت کے ساتھ اُن سے کلام نہ کیا جائے گا اور بطور ڈرانے دھمکانے اور ان کی تہدید و تذلیل کے لئے حق تعالیٰ کلام فرمائیں گے جس سے اُن کو سخت صدمہ اور غم ہوگا یا یوں کہئے کہ بلا واسطہ اُن سے کلام نہ کیا جائے گا اور کلام کرنے کا جو ذکر ہے وہ ملائکہ عذاب کی وساطت سے ہوگا۔ تو حق تعالیٰ کی یہ بے التفاتی قیامت کے دن اُن کو جہنم سے بھی زیادہ جانکاہ معلوم ہوگی۔ ایک سزا اُن کو اور دی جائے گی اور وہ یہ کہ حق تعالیٰ اُن کو پاک صاف نہ کریں گے یعنی اہلِ ایمان گو کتنے ہی گنہگار ہوں مگر دوزخ میں زمانہ معین تک رہ کر اور گناہوں سے پاک ہو کر جنت میں بالآخر داخل کر دیئے جائیں گے بخلاف کفار و مشرکین کے کہ وہ ہمیشہ نار میں رہیں گے اور کبھی پاک ہو کر جنت میں جانے کے قابل نہ ہوں گے اور اُن کے لئے ہمیشہ کا دردناک عذاب ہوگا اور واقعی اس سے زیادہ اور کیا عذاب الیم ہوگا کہ حق تعالیٰ اُن سے ناراض ہوں گے اور ظاہر و باطن میں آگ ہوگی اور پھر اس مصیبت جانکاہ سے کبھی نجات نہ ملے گی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) انہی لوگوں کے متعلق آگے ارشاد ہے :۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَہُمْ عَلَی النَّارِ ۝ ۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے دُنیا میں تو ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور آخرت میں مغفرت چھوڑ کر عذاب سر پر لیا سو شاباش ہے اُن کی ہمت کہ جہنم میں جانے کے لئے کیسے باہمت ہیں۔ یعنی اُنہوں نے جو اس قدر

Marfat.com

اسبابِ جہنم کو اختیار کیا تو گویا عمداً جہنم کو اختیار کیا اور جہنم میں جانے کو پسند کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو آتش جہنم کے برداشت کی بہت کافی طاقت ہے جب تو اس قدر دلیری کے ساتھ انہوں نے اسبابِ جہنم کو اختیار کیا یہ گویا اظہار تعجب کے طور پر کہا گیا ہے اور یہ ساری مذکورہ سزاؤں کے مستحق اس لئے بنے جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ○

یعنی یہ تمام سزائیں اس لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا تاکہ لوگوں پر حق واضح ہو اور تحقیق جن لوگوں نے ایسی کتاب میں بے راہی اختیار کی کہ اسکے مقصود ہی کو بدل دیا۔ اظہار حق کی بجائے کتمان حق کرنے لگے۔ تحقیق حق کے بجائے تلبیس حق کرنے لگے تو بلاشبہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی مخالفت میں ہیں کہ جس کتاب کو ہدایت کے لئے نازل فرمایا تھا اسکو گمراہی کا ذریعہ بنالیا اور ظاہر ہے کہ جو احکام خداوندی کی کھلم کھلا مخالفت کرے تو وہ ایسی ہی سزاؤں کا مستحق ہوگا۔ ان آیات میں اُمت محمدیہ کے لئے بھی تعلیم ہے کہ حق بات کو چھپانا۔ سچ کو ظاہر نہ کرنا۔ یا دین کی باتوں کی غلط تعبیر کرنا اور احکامِ الٰہیہ کو غلط رنگ میں ظاہر کرنا جیسا کہ اہلِ ہوا اور اہل بدعت کا شعار ہے۔ یہ سب بڑے جرم ہیں۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ جو شخص مال کے لالچ سے کسی حکم شرعی کو بدل دے اور اس طرح وہ جو مال حاصل کرکے کھائے تو گویا وہ اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں سے ہمیں اور خصوصاً علمائے امت کو محفوظ رکھیں اور احکامِ الٰہیہ کو حق گوئی کے ساتھ بیان کرنے اور ان کے تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمد للہ کہ ان آیات پر پارہ سَيَقُوْلُ کا رُبع ختم ہوگیا اور شروع سورہ بقرہ سے یہاں تک کہ تقریباً نصف سورۃ بقرہ ہے زیادہ تر روئے سخن منکرین کی طرف تھا کیونکہ سب سے اوّل قرآن کی حقانیت کا اثبات تھا اس ضمن میں اسکے ماننے نہ ماننے والے گروہوں کا ذکر ہوا۔ پھر توحید و رسالت کو ثابت کیا گیا۔ پھر بنی اسرائیل پر عام اور خاص نعمتوں کا ذکر ہوا۔ پھر قبلہ کی بحث چلی جس کو صفا و مروہ کے بیان پر ختم کیا۔ پھر توحید کے اثبات کے بعد شرک کے اصول و فروع کا ابطال کیا اور یہاں تک یہی بیان ہوا اور ان سب مضامین میں منکرین کو زیادہ تنبیہ تھی اور ضمناً کوئی خطاب مسلمانوں کو ہوگیا تھا۔ اب بقیہ نصف سورہ بقرہ میں زیادہ مقصود مسلمانوں کو بعض دین کے اصول و فروع کی تعلیم کرنا ہے گو ضمناً غیر مسلمین کو خطاب ہو جاوے اور یہ مضمون ختم سورۃ تک چلا گیا ہے جو انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے :۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ظاہر و باطنی ہر طرح کے گناہوں سے بچائیں اور شریعتِ مطہرہ کی ہر حال میں ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! تمام اُمت مسلمہ کو عموماً اور علمائے اُمت کو خصوصاً دین فروشی کے جرم سے بچائیے اور میدانِ حشر میں اپنے لطف و عنایت، رحمت و مغفرت سے ہم سب کو نواز دیجئے۔

یا اللہ! دین کے معاملہ میں ہم کو ہمیشہ حق گوئی اور راستی پر قائم رکھیئے اور اتباع حق کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

درس ۸۱ (حصہ اوّل)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو

وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

یا مغرب کو لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور

الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ

زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کریں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے

فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ

ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

تفسیر و تشریح ۱۔ اس سورۃ بقرہ میں کل چالیس ۴۰ رکوع ہیں۔ گذشتہ درس تک اکیس ۲۱ رکوعات یعنی قریب نصف سورۃ تک بیان ہو چکا تھا جس میں زیادہ تر اُمت دعوت کو خطاب تھا یعنی ان لوگوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن و دین اسلام کے منکر تھے اور اس میں بھی زیادہ تر خطاب بنی اسرائیل یعنی یہود مدینہ سے فرمایا گیا تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خوب جانتے اور پہچانتے تھے مگر قصداً چھپاتے تھے اور عناداً اقرار نہیں کرتے تھے اور زیادہ تر بیان اصول دین اور ایمانیات کا ہوا جس میں توحید۔ رسالت اور قرآن و اسلام کی حقانیت کو ثابت فرمایا گیا تاکہ منکرین ایمان و اسلام کو قبول کریں۔ اب یہاں سے

Marfat.com

ختم سورۃ بقرہ تک یعنی اخیر نصف سورۃ میں اُمت اجابت یعنی اہلِ ایمان واسلام کو خطاب ہے اور مختلف قسم کے احکام دین کی تعلیم وتلقین ہے جو عبادات۔ معاملات، معاشرات اور اخلاقیات وغیرہ سب کو شامل ہیں اور یہ مضمون ختم سورۃ تک چلا گیا ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے احکام باقتضائے وقت ومقام بیان فرمائے گئے مثلاً احکام قصاص۔ وصیت۔ روزہ۔ جہاد۔ حج۔ انفاق۔ حیض۔ ایلا۔ یمین۔ طلاق۔ نکاح۔ عدت۔ مہر اور احکام بیع وشراء وشہادت وغیرہ بیان فرما کر بشارت ووعدہ رحمت ومغفرت پر سورۃ کو ختم فرمایا گیا۔

گذشتہ آیات میں اہل کتاب کی حق پوشی اور رشوت ستانی اور ہدایت کے بدلہ میں ضلالت کو خریدنے اور اختیار کرنے کا بیان تھا لیکن ان سب گمراہیوں اور برائیوں کے باوجود وہ اپنی خام خیالی میں مبتلا تھے کہ نجات ومغفرت صرف اُنہی کے لئے ہے۔ چنانچہ یہود مدینہ اپنے متعلق کہتے کہ ہم میں تو بہت سے اسباب وآثار ہدایت ومغفرت موجود ہیں اور کہتے کہ ایک کھلی بات یہی ہے کہ ہم بَیْتُ الْمُقَدَّس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور آسمانی کتاب کی پیروی کرتے ہیں تو پھر ہم پر عذاب کیوں ہوگا؟ ان کے اس خیال کی تردید میں حق تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"کچھ سارا کمال اسی میں نہیں آگیا کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو کر لو لیکن اصلی کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر یقین رکھے اور اسی طرح قیامت کے دِن آنے پر بھی اور فرشتوں کے وجود پر بھی۔ اور سب کتب سماویہ پر بھی اور سب پیغمبروں پر بھی اور وہ شخص مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں اپنے حاجتمند رشتہ داروں کو اور نادار یتیموں کو (یعنی جن بچوں کو ان کا باپ نابالغ چھوڑ کر مرگیا ہو) اور دوسرے غریب محتاجوں کو بھی اور بے خرچ مسافروں کو اور لاچاری میں سوال کرنے والوں کو اور قیدی اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں بھی مال خرچ کرتا ہو اور وہ شخص نماز کی پابندی بھی رکھتا ہو اور مقررہ زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص ان عقائد واعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہیں کہ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب کسی امر جائز کا عہد کر لیں اور وہ لوگ مستقل مزاج رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور معرکہ قتال کفار میں (یعنی پریشان اور کم ہمت نہ ہوں) بس یہ لوگ ہیں جو سچے کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور یہی لوگ ہیں جو سچے متقی کہے جا سکتے ہیں۔ غرض اصلی مقاصد اور کمالات دین کے یہ ہیں نہ کہ صرف عبادت میں کسی طرف منہ کر لینا"

شریعتِ اسلامیہ میں کل احکام کا حاصل تین چیزیں ہیں ایک عقائد۔ دوسرے اعمال اور تیسرے اخلاق اور باقی تمام جزئیات ان ہی تین کلیات میں داخل ہیں اور اس آیت میں ان تینوں قسموں

Marfat.com

کے بڑے بڑے شعبے ارشاد فرمائے گئے ہیں - اس اعتبار سے یہ آیت قرآن کریم کی اہم ترین آیات میں سے ہے اور اس میں بِرّ یعنی نیکی کا وہ جامع تصور دیا گیا ہے کہ جن پر قائم رہنے سے ہدایت نصیب ہوتی ہے اور عذابِ الٰہی سے نجات ملتی ہے - شریعتِ اسلامیہ میں اعتقادات چونکہ سب سے اہم ہیں اس لئے پہلے آیت میں اسی کے متعلق ذکر فرمایا گیا اور بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک وہ ہے اور مغفرت ونجات اُسی کے لئے ہے - اور پکا متقی اور سچا مومن وہی ہے جو اَللّٰہ[1] پر ایمان لائے -

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے موجود ہونے - وحدہٗ لاشریک ہونے خالق کائنات اور رب العلمین ہونے کا یقین کیا جائے - ذات وصفات میں اُس کو یکتا و یگانہ سمجھا جائے اور عیب ونقص کی آمیزش سے پاک اور ہر صفت کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے - دُوسرے[2] جزو یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو -

یوم آخرت پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دنیا ایک وقت میں قطعی فنا کر دی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت سے تمام مرنے والوں کو پیدا فرمائے گا اور دنیا میں جس نے جیسا عقیدہ رکھا ہوگا اور عمل کیا ہوگا اس کے مطابق اُن کو جزا وسزا دی جائیگی حساب کتاب کے بعد اور اس طرح آخری ٹھکانا جنت یا جہنم ہوگا - تیسرے[3] جو ملائکہ یعنی فرشتوں پر ایمان رکھتا ہو -

ملائکہ پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقاتِ الٰہیہ میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے اُن کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے جن میں شر و شرارت - عصیان ونافرمانی کا عنصر ہی نہیں بلکہ اُن کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے - وہ نُور سے پیدا ہوئے ہیں اور ہر معاملہ میں اللہ کے فرمانبردار ہیں - بغیر اللہ کی مرضی کے کچھ نہیں کرتے اور ان کے [illegible] مقرر ہیں ان کو خوبی سے انجام دیتے ہیں اُن میں کسی کے دو بازو ہیں کسی کے تین کسی کے چار اور کسی کے اور زیادہ - وہ معصوم ہیں - کھانے پینے سے اور انسانی شہوات سے پاک ہیں - چوتھے[4] تمام کتب سماویہ یعنی اللہ کی کتابوں پر ایمان لائے -

اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر یقین کیا جائے کہ اللہ پاک نے ہدایت خلق کے لئے مختلف انبیاء اور رسولوں پر جو صحیفے اور کتابیں نازل کی تھیں وہ سب حق تھیں - ان میں سب سے آخر اور سب کا خاتم قرآن کریم ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا - چونکہ پہلی کتب سماویہ اب اصلی حالت میں محفوظ نہیں اس لئے اب صرف یہی آخری کتاب یعنی قرآن کریم کتابِ ہدایت ہے جو سب سے زیادہ مکمل ہے اور زمانہ اخیر تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے لی ہے -

پانچویں[5] جو اللہ تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان لائے - اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دل

Marfat.com

سے اس بات کا یقین کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی ہدایت اور رضامندی کا دستور دے کر بھیجا اور انہوں نے پوری امانت و دیانت کے ساتھ خدا کا وہ پیغام بندوں کو پہنچا دیا۔ یہ سب پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور صادق بندے تھے۔ ان سب رسولوں کی بغیر تفریق کے تصدیق کرنا اور بحیثیت پیغمبران کا پورا پورا احترام کرنا اور اسی کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانا اور یقین کرنا ضروری ہے کہ اللہ نے اس سلسلۂ نبوت و رسالت کو نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا اور اب قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے نجات و فلاح آپ ہی کی اتباع اور آپ ہی کی پیروی میں ہے۔

الحاصل کامل نیکی یعنی ایمان کامل حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے اعتقادات کا ذکر فرمایا گیا جس کی تفصیل ایمان باللہ۔ ایمان بالیوم الآخر۔ ایمان بالملائکہ۔ ایمان بالکتب۔ اور ایمان بالنبیین سے فرمائی گئی۔ اعتقادات کے بعد اعمال اور اخلاق کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ آمین۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی ذاتِ عالی پر ایمان حقیقی نصیب فرمائیں۔ اور یوم آخرت پر یقین کامل عطا فرمائیں۔ اور اپنی آخری کتاب قرآن کریم کا اتباع کامل نصیب فرمائیں۔ اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۸۲ (حصہ دوم)

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

لفظی ترجمہ: "کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو شخص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

تفسیر و تشریح: اس آیت مبارکہ کے ایک جزو کا بیان گذشتہ درس میں ہو چکا جہاں بتلایا گیا تھا کہ کامل نیکی اور بھلائی جو باعث ہدایت اور سبب مغفرت ہو وہ محض کسی خاص سمت عبادت میں منہ کرنے کا نام نہیں بلکہ اس کے لئے پہلی شرط عقائد کی درستی ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ کی ذات و صفات پر ایمان و یقین رکھے اور قیامت و آخرت پر یقین رکھے اور فرشتوں کے وجود پر اور تمام آسمانی کتابوں پر اور تمام پیغمبروں پر ایمان رکھے۔ اب آگے آیت میں **اعمال و افعال** کی اصلاح و تصحیح کے متعلق فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ کامل نیکی کو حاصل کرنے والا شخص وہ ہے جو مذکورہ عقائد کے علاوہ اپنا مال بھی دیتا ہو۔ اللہ کی محبت میں اپنے حاجتمند رشتہ داروں کو اور نادار یتیموں کو (یعنی جن بچوں کو ان کا باپ نابالغ چھوڑ کر مرگیا ہو) اور دوسرے غریب محتاجوں کو اور بے خرچ مسافروں کو اور لاچاری میں سوال کرنے والوں کو

اور قیدی اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں یعنی جن مسلمانوں کو کفار نے ظلماً قید کر لیا ہو اُن کی رہائی میں یا مقروض کو قرض خواہ سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرانے میں یہ سب فِی الرِّقَابِ کے مفہوم میں آ گئے۔ یعنی اپنے مال میں سے اپنے اعزا و اقارب کی ہمدردی کرتا ہو اور صرف اقربا ہی کی غم خواری نہیں بلکہ مفلوک الحال بچوں کی کفالت کا بار اُٹھاتا ہو۔ جن کے باپ کا سایہ اُن کے سروں سے اُٹھ گیا ہو اور بیچارے شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے ہوں نیز ان باعزت غربا کی بھی پرورش کرتا ہو جو حیا کی وجہ سے نہ خود سوال کر سکتے ہیں۔ نہ اُن کے پاس اس قدر مال ہے کہ اپنے اہل و عیال کی شکم سیری کر سکیں اور نہ عوام کو ان کی حالت پر اطلاع ہے کہ کوئی اُن کی خبر گیری کر سکے۔ اس کے علاوہ وہ مسافروں کی بھی ہمدردی کرتا ہو جو اپنے اعزا و اقارب دوست احباب سے دُور غیر وطن میں سرگرداں اور پریشانِ خاطر ہوں جہاں نہ اُن کا کوئی ہمدم ہو۔ نہ مونس۔ نہ غم خوار۔ اور ان سوال کرنے والوں کو بھی اپنے مال میں حصہ دار بناتے ہیں جو اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور اخیر میں اُن بندگانِ خدا کی آزادی میں بھی کوشش کرتے ہیں جو دوسروں کی غلامی میں یا قید میں یا قرض میں مجبور و محبوس ہیں۔

یہاں جس مال کے خرچ کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے یہ علاوہ زکوٰۃ کے ہے کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا مستقل حکم آگے اسی آیت میں آ رہا ہے۔ یہ تو حقوق مالی کا تذکرہ تھا اور حقوق مالی بھی وہ جو شریعت کے مقرر کردہ فرض یعنی زکوٰۃ کے علاوہ تھے۔ یا یوں کہیئے کہ یہ تو حقوق العباد میں نیکی حاصل کرنے کا بیان ہوا۔ آگے حقوق اللہ یعنی عبادات کا بیان ہے کہ نماز کو قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے یعنی مخلوق خدا کی ہمدردی اور غمخواری کے ساتھ وہ حقوق اللہ بھی ادا کرتا ہو۔ عبادات یعنی فرائض بدنی میں نماز جزو اعظم تھی اس لئے اسی کے ذکر پر اکتفا کیا گیا اور عبادت مالی میں زکوٰۃ اہم تھی اس لئے اس کی ادائگی کا ذکر کیا گیا۔

یہاں آیت میں اور قرآن کریم میں دوسری جگہوں میں نماز کا حکم اَقَامَۃِ الصَّلٰوۃ کے ساتھ آیا ہے اقامت کے معنی ہیں قائم کرنا تو اَقَامَۃِ الصَّلٰوۃ سے مراد یہ ہے کہ پوری شرائط اور پابندی کے ساتھ نماز اور نماز سے متعلق تمام ضرورتوں کی پوری رعایت اور لحاظ کے ساتھ وقت پر ادا کرنا اور دوسروں کو بھی اس کی ادائیگی پر آمادہ کرنا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اقامت الصلوٰۃ یعنی نماز کے قائم اور درست کرنے کے لئے مختصراً تین باتوں کا لحاظ پوری طرح رکھنا چاہیئے:۔

اوّل نماز سے پہلے امور کی نگہداشت۔ اس میں وضو۔ بدن کی پاکی۔ کپڑوں کی پاکی آگئی۔ وضو میں جس قدر سُنتیں اور مستحبات ہیں ان کو بجا لانے اور ہر عضو کے دھونے کے وقت جو دعائیں احادیث میں منقول ہیں اُن کو پڑھنے کا اہتمام کرے۔

دوسرے نماز کے جملہ ارکان۔ فرائض ہوں یا واجبات سنن ہوں یا مستحبات سب کو اپنے اپنے

Marfat.com

قاعدہ پر ادا کرے۔

تیسرے نماز کی روح کا خیال رکھنا یعنی نماز میں شروع سے اخیر تک اخلاص اور حضور قلب قائم رکھنا اور جو الفاظ زبان سے کہے جائیں یا جو کام اعضاء سے کئے جائیں ان کا اثر دل میں بھی پیدا ہونا۔ مثلاً جب رکوع میں بدن جھکے تو دل بھی عاجزی کے ساتھ جھک جانا چاہیئے یا زبان سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو دل میں بھی یہی ہو کہ بیشک اللہ سب سے بڑا ہے۔ جب اَلْحَمْدُ پڑھے تو قلب بھی اللہ کی نعمتوں کے شکریہ سے لبریز ہو۔ جس وقت زبان سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ نکلے تو دل میں بھی اپنے ذلیل ضعیف اور محتاج ہونے کا اقرار کرے یعنی قلب میں بھی یہی ہو کہ بیشک بجز خدا کے نہ کسی چیز کا مجھے اختیار ہے۔ نہ کسی دوسرے کو۔ غرض کہ تمام ارکان و حالات و اذکار و تسبیحات میں ظاہر و باطن یکساں ایک دوسرے کے موافق ہونا چاہیئے۔

اقامت صلوٰۃ کے ساتھ دوسری عبادت اٰتَی الزَّکٰوۃَ ارشاد ہوئی ہے یعنی زکوٰۃ ادا کرے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتے جو زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کو نماز کے ساتھ جمع کیا ہے پس ان دونوں میں فرق نہ کرو۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ آخرت کے واسطے ادا کرنا چاہے اس کے لئے کچھ آداب و قواعد ہیں۔ اور ان کی رعایت کرنی چاہیئے۔ وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:۔

۱:۔ اس کی ادائیگی میں عجلت کرے۔ اس کے واجب ہونے کے وقت سے پہلے ہی ادا کر دے اور دیر کرنے میں اپنے اوپر اور مال پر کسی قسم کی بیماری اور آفت آجانے کا احتمال ہے۔ اور یہ امر نہایت اہتمام سے ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ کا حساب قمری سال پر ہے شمسی سال پر نہیں ہے۔ مثلاً جو سال ختم ہونے پر محرم میں زکوٰۃ نکالتا ہے تو وہ محرم ہی میں ہمیشہ حساب کر کے زکوٰۃ نکالا کرے اور جو رمضان میں ختم سال ہونے پر نکالتا ہے تو پھر ہمیشہ رمضان ہی میں زکوٰۃ کا حساب کرے اور زکوٰۃ کی رقم مہیا کرے۔ بعض لوگ انگریزی مہینہ سے زکوٰۃ کا حساب رکھتے ہیں۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔ اس میں دس دن یوم کی تاخیر تو ہر سال ہو ہی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ۳۶ سال میں ایک سال کی زکوٰۃ کم ہو جائے گی جو اس کے ذمہ رہ جائے گی۔

۲:۔ زکوٰۃ کا مخفی طریقہ سے ادا کرنا۔ اس لئے کہ اس میں ریا اور شہرت سے امن ہے اور لینے والے کی پردہ پوشی ہے اس کو ذلت سے بچانا ہے۔ تو افضل یہی ہے کہ اگر کوئی مجبوری اظہار کی نہ ہو تو مخفی طور پر ادا کرے اور اگر کوئی دینی مصلحت اظہار کی ہو تو اس وقت اظہار ہی افضل ہوگا۔

۳:۔ زکوٰۃ دے کر مَنّ و اَذٰی سے برباد نہ کرے۔ مَنّ کے معنیٰ احسان رکھنے کے ہیں اور اَذٰی کے معنیٰ تکلیف دینے کے ہیں یعنی زکوٰۃ دے کر کوئی احسان نہ جتائے اور نہ اس کو محتاج سمجھ کر کوئی تکلیف دے۔

Marfat.com

۴ :- اپنی ادائیگی زکوٰۃ کو حقیر سمجھے۔ اس کی ادائیگی کو کوئی بڑی چیز نہ جانے کہ جس سے عُجب پیدا ہو جو بڑی ہلاکت کی چیز ہے۔

۵ :- زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہتر سے بہتر مال خرچ کرے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ خود طیّب ہیں ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہیں، اس لئے طیّب اور پاک مال ہی قبول فرماتے ہیں۔

۶ :- زکوٰۃ کے مال کو ایسے موقع میں خرچ کرے جس سے اس کا ثواب بڑھ جائے یعنی کسی متقی پرہیزگار کو دے کہ وہ اپنے تقویٰ و اطاعت میں اعانت حاصل کرے تو اُس کی عبادت میں یہ بھی ثواب کا شریک ہوگا یا کسی اہلِ علم کو دے کہ جس سے دین کے علم کے حاصل کرنے اور اس کے پھیلانے میں اعانت ہو۔ اور حصول و تبلیغ علم دین عبادتوں میں نہایت اعلیٰ اور اشرف عبادت ہے۔ یا کسی عیالدار کو دے یا کسی بیماری میں مبتلا کو دے یا کوئی اپنا رشتہ دار ہو کہ اس میں صلہ رحمی کا بھی ثواب ہے۔

الغرض آیت کے پہلے حصّہ میں یعنی گذشتہ درس میں اعتقادات کا بیان ہوا اور آج کے حصّہ میں اعمال یعنی معاملات اور عبادات کا ذکر ہوا۔ اب آگے تیسرا جزو جو اخلاق سے متعلق ہے اس کا بیان آیت کے بقیہ حصّہ میں فرمایا گیا ہے جس کی تفسیر و تشریح انشاء اللہ آئندہ درس میں بیان ہوگی۔

دُعا کیجئے :-

یا اللہ! ہمیں صحیح اسلامی و ایمانی اعتقادات کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی بھی توفیق نصیب فرما۔

یا اللہ! ہم سے جو آپ کی اطاعت آپ ہی کی توفیق سے ادا ہو جائے اُسے اپنی رحمت سے قبول فرما کر ہمارے لئے سرمایۂ آخرت بنا دیجئے۔

یا اللہ! ہمیں اس دُنیا میں جو مال و دولت آپ نے عطا فرمایا ہے اُسے اپنے رستہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور جملہ حقوق العباد جو ہمارے ذمہ ہیں ان کے ادائیگی کی سعادت نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! ہمیں نماز کے قائم کرنے والے اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے بندوں میں شامل فرمائیے اور ان ہر دو عبادات کے ظاہری و باطنی حقوق ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۳۸ (حصہ سوم)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

لفظی ترجمہ :- کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور پیغمبروں پر، اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

تفسیر و تشریح :- اس آیتِ مبارکہ کے ایک جزو کا بیان جو اعتقادات سے متعلق تھا ۳۰ درس ۸۱ میں ہوا تھا دوسرا جزو جو اعمال یعنی معاملات و عبادات سے متعلق تھا اس کا بیان گذشتہ درس ۸۲ میں ہوا تھا اب آیت کے بقیہ حصہ یعنی تیسرا جزو جو اخلاق و خصائل سے متعلق ہے اس کا بیان اس درس میں کیا جاتا ہے۔ گویا کامل نیکی تقویٰ و پرہیزگاری کے حصول کے لئے پہلی شرط صحیح اعتقادات کا ہونا بتلایا گیا۔ دوسری شرط اعمال و افعال یعنی معاملات و عبادات کا درست ہونا بیان ہوا۔ اب تیسری شرط اچھے اخلاق کا ہونا بتلایا جاتا ہے۔

انسان کے اخلاق کے اچھے ہونے کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے عہد قول و قرار اور وعدے کا پورا پورا پابند ہو۔ خواہ یہ وعدہ انسانوں کے ساتھ ہو یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ چنانچہ آیت میں ارشاد ہوتا ہے

Marfat.com

کہ جو شخص عقائد و اعمال مذکورہ کے ساتھ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں اور وہ لوگ ثابت قدم رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور کفار سے جنگ میں بس یہ لوگ ہیں جو سچے کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی کہے جا سکتے ہیں۔ تو یہاں کامل نیک۔ سچے اور پرہیزگاروں کی تین صفات بیان کی گئی ہیں یا یوں سمجھئے کہ کامل نیک متقی اور پرہیزگار ہونے کے لئے تین شرائط بتلائی گئیں۔

پہلی صفت ایفائے عہد کی بیان فرمائی گئی۔ عہد کی کئی صورتیں ہیں۔ کچھ عہد معاہدہ انسانوں کے اپنے رب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کچھ اپنے بھائی بند عام انسان۔ عزیز و اقارب۔ دوست احباب سے وعدے کرنے پڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے عہد و معاہدہ کی مثال یہ ہے کہ اس عالم میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں تمام انسانوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد و اقرار کر رکھا ہے کہ وہ ہمارا خالق اور معبود ہے ہم اُسی کی عبادت کریں گے۔ اُسے واحد و یکتا پروردگار سمجھیں گے۔ اس لئے اب انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے عہد کو پورا کر دکھائیں۔ اسی طرح جب دُنیا میں ایک کلمہ پڑھنے والے نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر یہ عہد و اقرار کر لیا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو خدائے برحق اور معبود و مالک مانتا ہوں اور صرف اُسی کی عبادت و بندگی کروں گا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں خدائے واحد کا برحق رسول تسلیم کرتا ہوں۔ اب میں ایک اُمتی کی طرح آپ کی اطاعت و پیروی کروں گا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرتا رہوں گا اور اسلامی قوانین کی پابندی کروں گا۔ اس طرح ہر کلمہ پڑھنے والا مسلمان اپنے کو اس عہد و اقرار کا پابند سمجھے۔ اِسی طرح بندے نے اللہ کے لئے کوئی نذر مانی ہے تو اس کا ایفاء اور پورا کرنا لازم ہے۔

انسانوں کے عہد کی مثالیں۔ نکاح۔ بیع و شرا یعنی خرید و فروخت۔ وکالت۔ شراکت وغیرہ ہیں کہ جس طرح جو عہد کیا گیا ہے اس کا ایفاء اور پورا کرنا لازم ہے۔ یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جو شخص عہد کرتے وقت اپنی نیت خالص وفاء کی رکھے تو وہ عند اللہ وفا کرنے والوں میں شمار ہوگا اگرچہ بعد میں کسی مجبوری یا معذوری سے عہد وفا نہ کر سکے۔ اور جس شخص نے عہد کرتے وقت ایفاء کی نیت دِل میں نہ رکھی لیکن بعد میں لوگوں کی ملامت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اپنے عہد کو پورا کیا تو یہ وفا معتبر نہیں کیونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ اسی طرح قومی اور ملکی معاہدے بھی ہوتے ہیں جن کی پاسداری اور ایفاء لازم ہے وعدہ کا توڑنا اور پورا نہ کرنا نفاق کی خصلت و علامت ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ بات[1] کرتے ہوئے جھوٹ بولنا۔ وعدہ[2] کر کے وعدہ خلافی کرنا۔ اور امانت[3] میں خیانت کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں اکثر فرمایا کرتے تھے جو اپنے عہد کا پابند نہیں اس کا دین میں حصہ نہیں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق عہد شکنی اور وعدہ خلافی ایمان کامل کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

اب یہاں ذرا آپ اپنے حکمرانوں اور صاحبِ حکومت اور اقتدار پاکستانیوں کے ایفاء عہد کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ جو ملک اسلام اور صرف اسلام کے نام سے وجود میں آیا تھا۔ جس ملک کا مقصد قیام یہ بتلایا گیا تھا

Marfat.com

کہ جہاں اسلامی آئین نافذ ہوگا۔ قرآن کریم کے سیاسی اصولوں کی بنیادوں پر اسلامی حکومت عادلہ قائم ہوگی جہاں آسمانی قانون کے موافق اپنے مذہب اپنے علوم و معارف اور اپنی تاریخی روایات اپنے قومی خصائص کی حفاظت کر سکیں گے۔ لیکن آج چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے بعد بھی وہ عہد اور وعدے پورے نہ ہو سکے جن کی پاسداری اور ایفا ملازمی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔ اس عہد شکنی اور وعدہ خلافی کی سزا میں جیسا کہ اہل بصیرت نے لکھا ہے قدرت کی طرف سے ایک شدید سزا تو مل گئی اور نصف پاکستان ختم کر دیا گیا۔ اور اگر غفلت۔ بے حسی اور مدہوشی کا یہی عالم جاری رہا تو بقیہ نصف کا بھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کیا انجام ہونا ہے! اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور ہمارے حکمرانوں کو مسلمانوں سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرنے کی توفیق حسن عطا فرمائیں۔ آمین۔

دوسری صفت صبر و ثبات کی فرمائی گئی یعنی تنگدستی اور مالی پریشانی میں اور جسمانی بیماری و تکلیف میں ثابت قدم اور مستقل مزاج رہنے والے ہوں یعنی ان مواقع پر پریشان اور کم ہمت نہ ہوں اور صبر و ثبات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے عملی زندگی میں انسان کو طرح طرح کی تکلیف۔ دکھ۔ بیماریاں اور دوسری پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے مگر نیک اور سچے انسان جو متقی اور پرہیزگار کہلانے کے مستحق ہیں وہ ان مواقع میں مستقل مزاج اور ثابت قدم رہتے ہیں اور صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں۔ جزع۔ فزع۔ شکوہ شکایت نہیں کرتے پھرتے بلکہ ہر حال میں احکام دینیہ پر جمے رہتے ہیں۔ اللہ پاک ہمیں بھی صبر و ثبات کی دولت عطا فرمائیں۔

تیسری صفت یہ فرمائی کہ اللہ کی راہ میں دشمنوں سے جنگ و جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں اور دلیری و پائیداری سے کام لیتے ہیں۔ انسان پر تین قسم کی مصیبت آسکتی ہے۔ مالی۔ بدنی۔ جانی۔ فقر و فاقہ تنگدستی مالی مصیبت ہے۔ مرض، دکھ بیماری بدنی مصیبت ہے اور جنگ و جہاد میں چونکہ جان کا خطرہ ہے اس لئے وہ جانی مصیبت ہے۔ تو صابر کامل وہ ہے جو تینوں مصیبتوں میں صبر کرے۔ آیت کے اخیر میں فرمایا کہ بس یہ لوگ ہیں جو سچے کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی پرہیزگار کہے جا سکتے ہیں۔

الغرض اس پوری آیت سے مقصود بیان یہ نکلا کہ یہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ چونکہ ان عقائد و اعمال اور اخلاق میں قاصر اور ناقص تھے اور طرح طرح سے ان میں خلل اندازی کرتے تھے لہٰذا نہ اُن کا ایمان درست نہ اعمال و اخلاق درست جیسا کہ متعدد آیاتِ قرآنیہ میں اس کا ذکر ہے مثلاً ایمان باللہ میں تو یہ قصور کیا کہ حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا (نعوذ باللہ) اور گائے کے بچھڑے کو معبود بنا کر اسکی پرستش کرنے لگے اور اعتقاد آخرت میں یہ قصور کیا کہ جنت کو اپنے لئے مخصوص سمجھا اور ایمان بالملٰئکۃ میں یہ قصور کیا کہ جبرئیل امیں کو اپنا دشمن جانا اور فرشتوں کی عظمت کے منکر ہوئے اور ایمان بالکتب میں یہ قصور کیا کہ دنیاوی فائدہ کے لئے اللہ کی کتابوں میں تحریف کی اور حق کو چھپایا اور ایمان بالانبیاء میں یہ قصور کیا کہ انبیاء میں تفریق کی کسی کو مانا

عہ یعنی تا وقت تحریر و نظر ثانی درس ہذا جو ۲۳ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۷ مئی ۱۹۷۲ء ہے (از مؤلف)

اور کسی کو نہ مانا اور بعض انبیاء کو قتل کیا اور بات بات میں حضرات انبیاء سے کٹ حجتی کی اور دنیا اور مال کی محبت میں ایسے غرق ہوئے کہ احکام الٰہیہ کو رشوت لے کر بدل ڈالا اور دین کو دنیا کے بدلہ میں فروخت کیا اور گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں خریدا اور بدعہدی تو ان کی مشہور و معروف ہے اور بے صبری میں اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش کی کہ ہم سے ایک کھانے پر صبر نہ ہوگا اور بزدلی اس حد تک پہنچی کہ باوجود وعدۂ فتح و نصرت کے اپنے پیغمبر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ بیٹھے کہ آپ اور آپ کا رب جا کر دونوں لڑیں ہم تو اس جگہ سے سرکنے والے نہیں۔ تو یہود و نصاریٰ کا صرف اپنے استقبال قبلہ پر ناز کرنا اور اپنے کو طریق ہدایت پر مستقیم سمجھنا اور مستحق مغفرت کہنا خیال باطل ہے۔ تاوقتیکہ ان اعتقادات اور اعمال و اخلاق پر قائم نہ ہوں گے جو اس آیت کریمہ میں بالتفصیل مذکور ہیں صرف استقبال قبلہ سے نہ ہدایت نصیب ہو سکتی ہے نہ عذاب الٰہی سے نجات مل سکتی ہے۔ ہاں جو لوگ مذکورہ اعتقادات اور اعمال و اخلاق سے متصف ہیں وہی لوگ دین میں سچے ہیں۔ حدیث شریف میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابوذر رضؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ حضرت ابوذر رضؓ نے یہ پوری آیت پڑھی تو اس شخص نے کہا کہ یہ آیت میرے سوال کا جواب تو نہ ہوئی۔ تو حضرت ابوذر رضؓ نے کہا کہ اسی طرح ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ایمان کا کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور وہ بھی مثل تمہارے راضی نہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا کہ پاس آ۔ جب وہ نزدیک آیا تو ارشاد فرمایا کہ جب تجھ سے نیکی سرزد ہو خوش ہو اور امید ثواب کی رکھ اور جو کوئی برائی و بدی سرزد ہو تو غمگین ہو اور خوف عذاب سے ڈر (گویا یہ ایمان کی خاص نشانی فرمائی) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ جس کسی نے اس آیت پر عمل کیا ایمان اس کا کامل ہوا اور فی الواقع غور اور تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں تمام احکام کی حاصل تین ہی چیزیں ہیں عقائد۔ اعمال اور اخلاق اور تمام جزئیات انہی تین کلیات میں داخل ہیں اور اس ایک آیت میں ان تینوں کلیات کے بڑے بڑے اور اہم شعبے بیان فرما دیئے گئے۔ اس اعتبار سے یہ آیت نہایت اہم اور جامع ہے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس کے مطابق اپنا ایمان کامل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب اس آیت میں تو اصول بر یعنی نیکی اور خوبی کے اصول کا بیان تھا۔ اب اسکے بعد فروع بر یعنی انہی اصول کی جزئی تفصیلات اور احکام عملیہ و فرعیہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے جسکا بیان انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا دعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم کو صحیح عقائد کے ساتھ صحیح اعمال اور اخلاق بھی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم نے جو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر عہد اور اقرار کر لیا ہے۔ اس کے ایفاء کی توفیق کاملہ نصیب فرمائیں۔ اور ہر معاملہ میں ہم کو عہد کی پابندی کی توفیق عطا فرمائیں بدعہدی اور بے وفائی کی منافقانہ خصلت سے ہمیں بچائیں اور ہمارے قلوب کو پاک رکھیں۔ یا اللہ ہر حال میں ہم کو اپنے صابر و شاکر بندوں میں شامل رہنے کی توفیق عطا فرما۔ اور زندگی کے ہر پہلو میں ہم کو استقامت فی الدین کی دولت عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۸۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى

اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے

الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى

مقتولین کے بارہ میں ۔ آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت

بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ

عورت کے عوض میں۔ ہاں جس کو اُس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جاوے تو معقول طور پر مطالبہ کرنا

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

اور خوبی کے ساتھ اُس کے پاس پہنچا دینا ۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

سے تخفیف ہے اور ترحم ہے ۔ پھر جو شخص اُس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

تو اُس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہوگا ۔ اور فہیم لوگو قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے ۔

يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ہم اُمید کرتے ہیں کہ تم لوگ (خلاف ورزی سے) پرہیز رکھو گے ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں کمال نیکی اور خوبی کے اصول اجمالی طور پر بیان فرمائے گئے تھے۔ گویا گذشتہ آیت احکام اسلامیہ کی ایک نہایت جامع آیت تھی جس میں اصولی طور پر تمام احکام شرعیہ یعنی اعتقادات ۔ عبادات ۔ معاملات اور اخلاقیات کا اجمالی ذکر آگیا تھا ۔ اب اُسی آیت کی مزید تشریحات اور جزئی احکامات و تفصیلات تقریباً اس سورۂ بقرہ کے خاتمہ تک بیان فرمائی گئی ہیں ۔ حسب ضرورت واقعات و حالات کے جو اس وقت پیش آئے تھے ۔ چنانچہ آج کی آیات میں پہلا حکم قصاص کے متعلق ہے ۔

قِصَاصٌ کے لفظی معنیٰ مماثلت کے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم و زیادتی کسی پر کسی نے کیا تو اتنا ہی بدلہ اس سے لینا جائز ہے ۔ اس سے زیادہ جائز نہیں ۔ اور شرعی اصطلاح میں قِصَاص کہا جاتا ہے قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مماثلت اور مساوات کی رعایت کی گئی ہو ۔ تو گویا قصاص کا مطلب

یہ ہوا کہ انسان کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جو اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہو۔ یہود کے مذہب میں قتل کی سزا صرف قتل ہی تھی۔ معافی کی صورت کوئی نہ تھی۔ عیسائیوں کے ہاں عفو و درگذر ہی کا قانون تھا۔ قصاص یعنی بدلہ کا کوئی قانون نہ تھا۔ عرب میں ایام جاہلیت میں قصاص اور عفو دونوں چیزیں موجود تھیں مگر ان میں بہت افراط و تفریط سے کام لیا جاتا تھا۔ اگر قاتل کوئی معمولی آدمی ہوتا اور مقتول بڑا خاندانی شخص ہوتا تو اس کے قاتل کے قبیلہ کے کئی آدمی قتل کر دیئے جاتے۔ اسی طرح بڑے لوگ اپنے زخموں کی دیت دوگنی تگنی وصول کرتے۔ اللہ تعالےٰ نے قصاص اور دیت یعنی خون بہا کے احکام نازل فرما کر ان تمام بے اعتدالیوں کی اصلاح فرما دی۔ چنانچہ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ مومنین کو مخاطب فرما کر حکم فرماتے ہیں:۔

"اے ایمان والو! تم پر قانون قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین بقتل عمد کے بارہ میں یعنی ہر آزاد آدمی قتل کیا جاوے ہر دوسرے آزاد آدمی کے عوض میں اور اسی طرح ہر غلام دوسرے ہر غلام کے عوض میں اور اسی طرح ہر عورت دوسری عورت کے عوض میں گو یہ قاتلین بڑے درجہ کے اور مقتولین چھوٹے درجہ کے ہوں جب بھی سب کو برابر سمجھ کر قصاص لیا جاوے گا، یعنی قاتل کو سزا میں قتل کیا جائے گا۔ ہاں جس قاتل کو اس کے فریق مقدمہ کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے مگر پوری معافی نہ ہو تو اس سے سزائے قتل سے تو بری ہو گیا لیکن دیت یعنی خون بہا کے طور پر ایک معین مقدار سے مال بذمہ قاتل واجب ہو جاوے گا تو اس وقت فریقین کے ذمہ ان دو امر کی رعایت ضروری ہے۔ مدعی یعنی وارث مقتول کے ذمہ تو معقول طور پر اس مال کا مطالبہ کرنا کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے اور مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ خوبی کے ساتھ اس مال کا اس کے پاس پہنچا دینا کہ مقدار میں کمی نہ کرے اور خواہ مخواہ ٹالے نہیں۔ یہ قانون دیت و عفو تمہارے پروردگار کی طرف سے سزا میں تخفیف ہے اور شاہانہ ترحم ہے ورنہ بجز سزائے قتل کے کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی۔ پھر جو شخص اس قانون کے مقرر ہوئے بعد تعدی کا مرتکب ہو مثلاً کسی پر جھوٹا یا اشتباہی دعویٰ قتل کا کر دے یا معاف کر کے پھر قتل کی پیروی کرے تو اس شخص کو آخرت میں بڑا دردناک عذاب ہو گا اور اے سمجھدار لوگو اس قانون قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے کیونکہ اس قانون کے اجراء کے خوف سے ارتکاب قتل سے ڈریں گے تو کئی جانیں بچیں گی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ ایسے قانون امن کی خلاف ورزی سے پرہیز رکھو گے"

تو یہاں اس آیت میں دو حکم ہیں۔ اوّل قصاص یعنی برابر کا بدلہ لیا جائے۔ ایام جاہلیت کی طرح ایک کے عوض دو۔ یا چار یا زیادہ کو قتل نہ کیا جائے۔ نہ غلام سمجھ کر اس کا بدلہ کسی شریف سے ترک کرنا چاہیئے۔ نہ امیر غریب۔ شریف۔ رذیل کی کچھ رعایت کرنی چاہیئے۔ گویا جان کے لحاظ سے سب آپس میں ایک دوسرے

Marfat.com

کے برابر ہیں۔ یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مقتولین میں فقط قصاص یعنی جان لینے کے اعتبار سے برابری اور مساوات ہے۔ قتل کی کیفیت میں مساوات اور برابری نہیں مثلاً یہ جائز نہیں کہ آگ سے جلا کر مار ڈالنے والے کو آگ ہی میں جلا کر مارا جائے یا پانی میں غرق کر کے مار ڈالنے والے کو اسی طرح پانی میں ڈبو کر مارا جائے یا کسی نے کسی کو جادو سے مارا ہے تو اس کو بھی جادو ہی سے مارا جائے۔ تو ایسا نہیں۔ اسی لئے آیت میں فِی الْقَتْلٰی فرمایا فِی الْقَتْلِ نہیں فرمایا۔ مقتولین میں برابری ہے کیفیت قتل میں برابری نہیں۔

نیز قصاص لینا یہ حاکم کے اختیار میں ہے۔ نہ یہ کہ ہر شخص بطور خود اپنے آپ اس پر عمل کرے کہ ایسا کرنے میں اور فتنہ و فساد زیادہ ہوگا۔ اور یہ قصاص اس صورت میں ہے جبکہ قاتل نے عَمَداً یعنی جان بوجھ کر ارادہ سے قتل کیا ہو اور جو قتل خطاءً یعنی غلطی سے یا بھول چوک میں ہو جائے تو قصاص نہیں مثلاً گولی شیر پر لگاتا تھا اتفاقاً کسی آدمی کو لگ گئی۔ یہ قتل عمداً نہیں بلکہ خطاءً ہے۔ اس صورت میں گو قصاص نہیں مگر خون بہا جس کو دِیَت کہتے ہیں ضرور ہی دینی پڑتی ہے۔ اور دِیَت یعنی خون بہا شریعت میں اگر اونٹوں سے ادا کرے تو سو اونٹ ہیں۔ اونٹوں کی عمر وغیرہ کے متعلق تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اگر سونے میں ادا کرے تو ایک ہزار دینار۔ اگر چاندی میں ادا کرے تو دس ہزار درہم اور جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے درہم آج کل کے مروجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے تو پوری دِیَت دو ہزار نو سو ۲۹۱۶ سولہ تولہ۔ آٹھ ماشہ چاندی ہوگی یعنی ۲۶ سیر۔ ۲۶ تولہ۔ ۸ ماشہ۔ اگر بجائے اس شرعی مقررہ خون بہا کے دوسرے کسی قسم کے مال پر قاتل اور ورثاء مقتول میں باہمی مصالحت ہو جائے تو علاوہ اونٹ، سونے یا چاندی کے دوسری کوئی جنس غلہ۔ کپڑا۔ گھوڑا۔ مکان۔ دوکان۔ جائیداد موٹر۔ گاڑی وغیرہ ہو تب بھی قصاص ساقط ہو جائے گا اور یہ طے کردہ مال یا اس مال کی قیمت ادا کرنی پڑے گی خواہ وہ مقررہ خون بہا سے زیادہ قیمت کی ہو یا کم کی سب جائز ہے۔ البتہ اگر بدل صلح وہی تین چیزیں ہوں یعنی اونٹ، دینار۔ درہم تو مقدار میں سابقہ عدد کی پابندی کرنی ہوگی۔ الغرض یہاں آیت میں ایک حکم تو قصاص کا ہوا دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر قاتل کو وارثان مقتول یا بعض وارث کر دیں یا چند وارثوں میں سے بعض بالکل معاف کر دیں یا بعض کسی قدر معاوضہ مالی یا دِیَت شرعی لے کر قصاص سے دست بردار ہو جائیں تو قاتل کو چاہیئے کہ وہ معاوضہ خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کر دے۔ خواہ مخواہ طول دینے یا پیچیدگی پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ نیز یہاں اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ پر اپنا احسان اور مہربانی ہونا بیان فرماتے ہیں کہ یا جازت کہ قتل عمداً میں چاہے قصاص لو چاہے خون بہا یعنی دِیَت شرعی لو یا ہے معاف کر دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سہولت اور مہربانی ہے قاتل اور وارثانِ مقتول دونوں پر جو پہلی اُمتوں پر نہ تھی۔ یہود پر خاص قصاص مقرر تھا اور نصاریٰ پر دِیَت یا عفو مقرر تھا اسلام میں اللہ تعالیٰ نے قاتل کو قتل کی انتہائی جانی سزا کے ساتھ یہ تخفیف کا طریقہ مقرر کیا جو اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر مہربانی ہے۔

اخیر میں حق تعالیٰ نے یہ تنبیہ فرمائی کہ اس تخفیف اور رحمت کے بعد بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا

Marfat.com

اور دستور جاہلیت پر چلے گا یا معافی یا دیت قبول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا تو اس کے لئے آخرت میں سخت عذاب ہے۔

اب یہ قصاص کی سزا یعنی قتل کے جرم میں قاتل کو جان سے مارنے کی سزا بظاہر بہت سنگین اور سخت محسوس ہو سکتی ہے اور یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قاتل کو سزائے قتل کی سزا دے کر جان بوجھ کر ایک اور جان ضائع کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس حکم کی مصلحت اور حکمت کا غور سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ اس سزا سے مزید ایک زندگی فنا نہیں ہوتی بلکہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اگر قتل کی سزا میں قصاص نہ رکھا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ظالم لوگ بے دریغ اور بے دھڑک قتل کرتے اس خیال سے کہ وہ کچھ جرمانہ یا قید بھگتنے کے بعد رہا ہو جائیں گے۔ اس طرح انسانی جان بہت سستی اور بے قدر ہو جاتی جیسا کہ عرب کے ملک میں ایام جاہلیت میں یہ حال عملی طور پر موجود تھا۔ اب قتل کی سزا قتل رکھ دینے پر قصاص کے خوف سے قاتل قتل سے رک جائے گا اور اس طرح قاتل و مقتول کی جان بچ جائے گی۔ اس طرح قاتل اور مقتول کے قبیلہ۔ کنبہ میں عداوت اور انتقام کی جو آگ بھڑکنے کا اندیشہ ہے وہ بھی نہیں بھڑکے گی۔ اور اس طرح دونوں خاندان قتل و خون ریزی سے بچ کر آرام و چین کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ اس لئے اخیر آیت میں ارشاد فرمایا کہ اے دانشورو! قصاص بری چیز نہیں بلکہ یہ تو تمہاری جانوں کی حفاظت کی ضمانت کا ذریعہ ہے۔ اس طرح قصاص سے ایک طرف تو تم دنیا میں قتل اور خون خرابہ سے بچ جاؤ گے اور دوسری طرف آخرت میں قتل و فساد فی الارض کے عذابوں سے بچ جاؤ گے۔

خلاصہ یہ کہ آج کی آیات میں حق تعالیٰ نے قانون قصاص کے حکم کے ساتھ اس کی حکمت اور فائدے کو بیان فرمایا۔ آگے دوسرا حکم "وصیت" کے بارہ میں فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہم کو جملہ قرآنی احکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔
یا اللہ! ہمارے ملک میں جملہ اسلامی قوانین اور قرآنی احکام کا نفاذ ہو تا کہ اسلام کی پوری پوری برکتیں اور صلاح و فلاح دارین نصیب ہو۔
یا اللہ! ہمارے دلوں میں شریعت اسلامیہ کی سچی عظمت و محبت عطا فرما اور زندگی کے ہر پہلو میں ہم کو شریعت مطہرہ کی ظاہراً و باطناً پابندی نصیب فرما۔ آمین
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۸۵

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں

خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ

چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر کچھ کچھ بتلا جاوے - جن کو

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا

خدا کا خوف ہے اُن کے ذمہ یہ ضروری ہے - پھر جو شخص سُن لینے کے بعد اُس کو تبدیل کریگا تو اُس کا

إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾

گناہ اُن ہی لوگوں کو ہوگا جو اُس کو تبدیل کریں گے - اللہ تعالیٰ تو یقیناً سُنتے جانتے ہیں -

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ

۲۲ ع ۶ ہاں جس کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بدعنوانی کی یا کسی جُرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں

بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾

باہم مصالحت کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے - واقعی اللہ تعالیٰ تو معاف فرمانے والے ہیں اور رحم کرنے والے ہیں -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں پہلا حکم قِصاص کے بارہ میں بیان ہوا تھا اب دُوسرا حکم اِن آیات میں وَصِیَّت کے بارہ میں ہے -

وَصِیَّت کے لفظی معنی حکم دینا اور نصیحت کرنا ہے - شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں جو مرنے والا اپنے پیچھے رہنے والوں کو کرجاتا ہے جو اُس کی موت کے بعد پوری کی جاتی ہیں - وصیت کی کئی قسمیں ہیں :-

۱ :- بعض وصیت واجب ہوتی ہے مثلاً کسی کی امانت یا قرض یا زکوٰۃ واجب الادا کی ادائیگی کی وصیت -

۲ :- بعض وصیت مستحب ہوتی ہے مثلاً کسی نیک کام کے لئے وصیت کرجانا -

۳ :- بعض وصیت صرف مباح ہوتی ہے مثلاً کسی جائز امر کے لئے وصیت کرنا -

۴ :- بعض وصیت ایسی ہوتی ہے جس کا پورا کرنا شریعت میں ممنوع ہے - مثلاً کوئی کسی ناجائز اور حرام امر کے لئے وصیت کرجائے -

۵ :- بعض وصیت موقوف کہلاتی ہے جس کو پورا کرنے کے لئے بعض شرعی شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے

مثلاً مرنے والا اپنے ترکہ کے تیسرے حصّہ سے زیادہ کی وصیّت کر جائے ایسی وصیّت کی تعمیل و تکمیل دوسرے وارثوں کی رضامندی پر موقوف ہے۔

شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصّے مقرر نہ ہوئے تھے یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک ثلث یعنی تہائی تک مرنے والا اپنے والدین اور رشتہ داروں کو جتنا جتنا مناسب سمجھے وصیت کر جائے۔ اتنا تو ان لوگوں کا حق تھا باقی جو رہتا وہ اولاد کا حق ہوتا تھا چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔

"تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو آثار سے موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو اپنے والدین اور دیگر اقارب کے لئے معقول طور پر کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو کچھ کچھ بتلا جائے (اسی کا نام وصیّت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری کیا جاتا ہے۔"

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے یعنی وصیت کرنے کا حکم والدین اور اقارب کے لئے اس وقت تک تھا جب تک کہ آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی۔ اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان کو لائق نہیں کہ اس پر تین شب گذریں اور اس کے پاس وصیت نامہ لکھا ہوا نہ ہو۔ اور یہ وصیت کی فرضیت اسی لئے ہوئی تھی کہ مرنے والے کے تمام مال کے مالک میت کے زن و فرزند ہو جایا کرتے تھے۔ ماں باپ و دیگر اقارب محروم رہ جایا کرتے تھے۔ پس جب آیت میراث نازل ہوئی اور میت کے وارثوں کے حقوق ترکہ میں سے حق تعالیٰ نے متعین فرما دیئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا اب کسی وارث کے لئے وصیت ضروری نہیں تو اس آیت میں ماں باپ اور قرابتداروں کے لئے وصیت کرنے کا جو حکم ہو رہا ہے یہ میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے واجب تھا۔ اس طرح میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ ہر وارث اپنا مقررہ حصّہ بے وصیت لے لینے کا حقدار ہے جو اس کو شرعاً پہنچتا ہو۔ شریعتِ اسلامیہ میں قرآن و حدیث کی رُو سے ترکہ اور میراث کے احکام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس کا مفصل بیان انشاء اللہ میراث کی آیت کے بیان میں ہوگا۔

یہاں ایک ضروری مسئلہ یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا خرچ تقسیم ترکہ سے مقدم ہے۔ ان تین مدات پر مال صرف کرنے کے بعد جو کچھ باقی رہے اس میں میراث جاری ہوگی اور وارثوں کا حق ہوگا۔ اگر میت کا ترکہ انہی چیزوں کے خرچ میں ختم ہو جائے تو وارثوں کو کچھ نہ ملے گا۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں:۔

۱: ایک تجہیز و تکفین یعنی میت کے کفن دفن کا خرچ۔

۲:۔ دوسرے دَین یعنی قرض کفن دفن کے خرچ کے بعد متروکہ مال میں سے میت کے قرض ادا کئے جاویں گے۔

۳:۔ تیسرے وصیت۔ تجہیز و تکفین اور ادائے قرض کے بعد جو مال باقی رہے اس کے تہائی حصّہ میں وصیّت نافذ ہوگی اور تکفین، قرض اور وصیت میں مال خرچ کرنے کے بعد اب وارثوں کا حصّہ دیا جائے۔

Marfat.com

الغرض یہاں آیت میں پہلے تو یہ بیان ہوا کہ جب کسی کو آثار سے موت نزدیک معلوم ہونے لگے اور اس نے مال بھی چھوڑا تو اپنے والدین اور دیگر اقارب کے لئے معقول اور مناسب طور پر وصیت کرنا فرض کیا گیا تھا۔ اب آگے جو مرنے والے کے پاس موجود ہوں اور اس کی وصیت کو سنیں ان کے لئے حکم ہے اور ارشاد ہوتا ہے :-

"پھر جن لوگوں نے اس وصیت کو سنا ہے۔ ان میں سے جو شخص بھی سن لینے کے بعد اس کے مضمون کو تبدیل کرے گا۔ اور باہمی تقسیم و فیصلہ کے وقت غلط اظہار دے گا اور اس کے موافق فیصلہ ہونے سے کسی کا حق تلف ہو جاوے گا تو اس حق تلفی کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہو گا جو اس مضمون کو تبدیل کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں۔ ہاں ایک طرح کی تبدیلی کی اجازت بھی ہے وہ یہ کہ جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے وصیت کے بارہ میں غلطی سے کسی بے عنوانی کی یا قصداً قانونی وصیت کے کسی دفعہ کی خلاف ورزی سے کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو اور اس بے ضابطہ وصیت کی وجہ سے اس مردے کے پس ماندوں یعنی مستحقان ترکہ و مستحقان مال وصیت میں نزاع کا احتمال یا وقوع معلوم ہو۔ پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے گر وہ مصالحت اس مضمون وصیت کے خلاف ہو جو ظاہراً تبدیل وصیت ہے تو اس شخص پر کوئی بار گناہ نہیں ہے اور واقعی اللہ تعالیٰ تو خود گناہوں کے معاف فرمانے والے ہیں اور گنہ گاروں پر رحم کرنے والے ہیں اور یہ شخص تو اس اصلاح میں مطیع حکم ہے تو اس پر کیوں نہ رحمت ہو گی"

الغرض ان آیات میں اہل ایمان کو وصیت کے متعلق حکم بیان فرمایا گیا۔ اب آگے اہل [illegible] کر کے رمضان کے روزوں کی فرضیت اور روزہ کی برکتوں کا بیان فرمایا گیا ہے جس کا بیان [illegible] اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے :-

حق تعالیٰ ہم کو جملہ معاملات میں قرآن کریم کی پیروی نصیب فرمائیں اور میراث و ترکہ کے معاملہ میں اپنی اطاعت کاملہ کی توفیق فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں جب تک اس دنیا میں زندہ رکھیں اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو ایمان صادق اور اسلام کامل پر کوچ کرنا نصیب فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

درس ۸۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا

پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ ۔ تھوڑے دنوں

مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

روزہ رکھ لیا کرو ۔ پھر جو شخص تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ

تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے ۔ اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ

ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے ۔ اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی

لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

بہتر ہے ۔ اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو ۔

تفسیر و تشریح : ۔ شریعتِ اسلامیہ کے بعض احکام جزئیہ کا بیان گذشتہ رکوع سے شروع ہوا تھا ۔ اس سلسلہ میں پہلا حکم قصاص کے متعلق تھا ۔ دوسرا حکم وصیت کے متعلق بیان ہوا ۔ اب تیسرا حکم ان آیات میں اور اگلی آیات میں روزہ کے متعلق ہے ۔ اور اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے :۔

"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے اُمتوں کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ متقی بن جاؤ کیونکہ روزہ رکھنے سے عادت پڑے گی نفس کو اُس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی اور اسی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقویٰ کی ۔ سو تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو ۔ ان تھوڑے دنوں سے مراد ماہِ رمضان ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے پھر اس میں بھی اتنی آسانی ہے کہ جو شخص تم میں ایسا بیمار ہو جس کو روزہ رکھنا مشکل ہو یا مضر ہو تو اس کو ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایامِ رمضان کے دوسرے ایام کا اتنا ہی شمار کر کے ان میں روزہ رکھنا اس پر واجب

Marfat.com

ہے اور دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ رکھنے کو دِل نہ چاہے تو اُن کے ذمہ صرف روزہ کا فدیہ یعنی بدلہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا کھلا دینا یا دے دینا ہے اور جو شخص خوشی سے زیادہ خیر خیرات کرے کہ زیادہ فدیہ دے دے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اور گو ہم نے آسانی کے لئے ان حالتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی ہے لیکن تمہارا روزہ رکھنا اس حال میں بھی زیادہ بہتر ہے اگر تم کچھ روزہ کی فضیلت کی خبر رکھتے ہو۔"

یہ تو ان آیات کا تشریحی ترجمہ تھا جن کی تفسیر تشریح اس طرح ہے کہ "روزہ" حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر اُمت پر فرض رہا۔ ہاں تعداد اور تعین ایام روزہ میں اختلاف رہا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ہر مہینہ میں تین روزہ رکھتے تھے اور یوم عاشورہ یعنی ماہِ محرم کی دس تاریخ کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر رمضان کے روزے اُمتِ مسلمہ پر فرض کر دیئے مگر شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو باوجود طاقت کے روزہ نہ رکھے وہ فدیہ دے دے۔ پھر دوسری تبدیلی ہوئی جب یہ آیت اتری فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط یعنی جو شخص اس ماہِ رمضان میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیئے۔ پھر تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ ابتداء میں کھانا پینا اور عورتوں سے قربت سونے سے پہلے پہلے جائز تھی۔ سو گیا تو پھر کو رات ہی میں جا کے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔ گویا سونے سے دُوسرا روزہ شروع ہو جاتا تھا۔ پھر آیت اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ نازل ہوئی اور پھر مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کی رخصت دے دی گئی۔

یہاں آیت میں جو یہ فرمایا گیا فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ [illegible] یعنی جو شخص تم میں بیمار ہو، سفر میں ہو تو اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایام رمضان کے دوسرے ایام کا اتنا ہی شمار کر کے روزہ رکھنا اس پر واجب ہے تو اس سے متعلق چند ضروری مسائل سن لیجئے:

رمضان کے روزہ نہ رکھنے کی شرعاً دو صورتیں ہیں۔ ایک تو روزہ رکھ کر پھر توڑ دینا اور دوسرے بالکل روزہ نہ رکھنا۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ اچانک کوئی ایسا بیمار پڑ گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے تو جان پر بن جانے کی یا بیماری بہت شدید ہو جائے گی تو روزہ توڑ دینا جائز ہے۔ مثلاً سانپ نے کاٹ کھایا تو دوا پی لینا اور روزہ توڑ دینا درست ہے۔ اسی طرح اگر ایسا بیمار ہے کہ روزہ رکھنا نقصان کرتا ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھے تو بیماری اور بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھی ہو گی یا جان جاتی رہے گی تو ان صورتوں میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ اچھا ہونے پر قضا رکھ لے۔ اگر بیماری سے اچھا ہو گیا ہے لیکن ضعف اور کمزوری بہت ہے اور یہ گمان غالب ہے کہ اگر روزہ رکھا تو پھر بیمار پڑ جائے گا تب بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ یہ تو روزہ کی سائل

Marfat.com

تھے بیماری اور مریض سے متعلق۔

دوسری صورت جو آیت میں فرمائی گئی وہ مسافر کے متعلق ہے۔ اگر کوئی مسافرت میں ہو تو اُس کو بھی اجازت ہے کہ چاہے تو روزہ نہ رکھے۔ پھر اس کی قضا رکھ لے اور مسافرت شرعی یہ ہے کہ جو کوئی تین منزل جانے کا قصد کرے اور تین منزل یہ ہے کہ اکثر پیدل چلنے والے وہاں تین دن میں پہنچا کرتے ہیں۔ انگریزی میل کے لحاظ سے فقہائے حنفیہ کے نزدیک اس کا تخمینہ ۴۸ میل ہے۔ مسافرت میں اگر روزہ سے کوئی تکلیف نہ ہو جیسے ریل یا موٹر یا ہوائی جہاز کا سفر ہے اور یہ خیال ہے کہ شام تک گھر پہنچ جائیں گے یا اپنے ساتھ سب راحت و ضرورت کا سامان موجود ہے تو ایسی حالت میں سفر میں بھی روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور اگر کوئی روزہ نہ رکھے بلکہ قضا رکھ لیوے تب بھی کوئی گناہ نہیں۔ ہاں رمضان شریف کے روزہ کی جو برکت اور فضیلت ہے اس سے محروم رہے گا۔ اگر راستہ میں پندرہ دن یا اس سے زائد رہنے کی نیت سے ٹھیر گیا تو اب مقیم ہو گیا مسافر نہیں رہا۔ اب روزہ چھوڑنا درست نہیں۔ مریض اور شرعی مسافر جتنے دن روزہ نہ رکھیں ان دنوں کا شمار یاد رکھیں اور جب مرض اور سفر ختم ہو جائے بعد رمضان گذر جانے کے اتنے دنوں کے روزہ بنیت قضا رکھ لیں۔ بلا وجہ دیر نہ کرے کہ ایسا کرنے میں بھی گناہ ہے۔ جتنے روزے قضا ہو گئے ہیں چاہے سب کو ایک دم لگاتار رکھ لے، چاہے تھوڑے تھوڑے کر کے رکھ لے۔ دونوں طرح درست ہیں۔

دوسری سہولت جو وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ میں دی گئی یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو اُن کے ذمہ روزہ کا فدیہ ہے کہ ایک غریب کا کھانا کھلا دینا۔ یہ آسانی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ابتدائے اسلام میں تھی جب کہ لوگوں کو روزوں کا خوگر کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ ابتدا میں روزہ رکھنے کی عادت بالکل نہ تھی اس لئے کامل ایک ماہ کے پے در پے روزے رکھنا اہل عرب کو نہایت شاق تھا تو اُن کے لئے یہ سہولت فرما دی گئی تھی کہ اگرچہ تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے درپیش نہ ہو مگر صرف عادت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھ لو چاہے روزہ کا بدلہ یعنی فدیہ دو یعنی ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو۔

تفسیر ابن کثیر میں وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ کے تحت لکھا ہے کہ اس کا مطلب حضرت معاذؓ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر دن کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ صحیح بخاری میں حضرت سلمیٰؓ سے ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا۔ یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ اجازت منسوخ ہوئی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے "کہ جو لوگ اب بھی یہ کہتے ہیں

Marfat.com

کہ جس کا جی چاہے رمضان میں روزے رکھ لے اور جس کا جی چاہے فدیہ پر قناعت کرے۔ خاص روزہ رکھنے کا حکم نہیں تو وہ جاہل ہیں یا بے دین"

الغرض ابتداء میں جو فدیہ کی اجازت دی گئی تھی وہ بعد میں اگلی آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سے موقوف ہوگئی اور حکم عام ہوگیا کہ جو کوئی تم میں سے اس ماہ رمضان کو پائے تو ضرور روزے رکھے۔

اخیر میں وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ جو فرمایا یعنی گو ہم نے آسانی کے لئے ان حالتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی ہے لیکن تمہارا روزہ رکھنا اس حال میں بھی زیادہ بہتر ہے اگر تم روزہ کی فضیلت کی خبر رکھتے ہو یعنی اگر تم کو روزہ کی فضیلت و حکمت اور منافع معلوم ہوں تو جان لو کہ روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔ بہرحال فدیہ کے احکام شرع میں اب بھی ہیں اور احادیث وغیرہ میں جو اس کی تفصیل آئی ہے اس کے تحت فقہاء نے ذیل کے مسائل فدیہ کے متعلق لکھے ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہیں:-

مسئلہ نمبر ۱: جس کو اتنا بوڑھاپا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں رہی یا اتنا بیمار ہے کہ اب اچھا ہونے کی امید نہیں اور نہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر غلہ دے دے جس کی تعداد آجکل کے وزن سے اگر گیہوں یا گیہوں کا آٹا دیوے تو آدھی چھٹانک اوپر پونے دو سیر ہوتا ہے۔ احتیاطاً دو سیر دے دے۔ اور اگر جو یا جو کا آٹا دے تو اس کا دگنا دینا چاہیئے یعنی چار سیر یا صبح شام پیٹ بھر کر ایک مسکین کو کھانا کھلا دے یا غلہ کے بدلہ اسی قدر غلہ کی قیمت دے دے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ (بہشتی زیور۔ حصہ سوم)

مسئلہ نمبر ۲: پھر اگر کبھی طاقت آگئی یا بیماری سے اچھا ہو گیا تو سب روزے قضا رکھنے پڑیں گے اور جو فدیہ دیا ہے اس کا ثواب علیحدہ ہوگا۔ (بہشتی زیور۔ حصہ سوم)

مسئلہ نمبر ۳: کسی کے ذمہ کئی روزے قضا تھے اور مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے روزوں کے بدلہ فدیہ دے دینا تو اس کے مال میں سے اس کا ولی فدیہ دے دے۔ اور کفن دفن کا خرچ اور قرض ادا کر کے جتنا مال بچے اس کی ایک تہائی میں سے اگر سب فدیہ نکل آئے تو وارثوں کو دینا واجب ہوگا۔ ورنہ جتنا نکلے وہ ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ نمبر ۴: اگر کسی نے وصیت نہیں کی مگر ولی نے اپنے مال میں سے فدیہ دے دیا تب بھی اللہ تعالیٰ سے امید رکھے کہ شاید قبول کر لے اور روزوں کا مواخذہ مرنے والے سے نہ ہو۔ اور بغیر وصیت کئے خود مُردے کے مال میں سے فدیہ دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر تہائی مال سے زیادہ ہو جائے تو باوجود وصیت کے بھی زیادہ دینا بدون رضامندی

سب وارثوں کے جائز نہیں۔ ہاں اگر سب وارث خوشی خاطر سے دِل سے راضی ہوں تو فدیہ دے دینا درست ہے۔ لیکن نابالغ وارث کی اجازت کا شرع میں کچھ اعتبار نہیں۔ تو ایسی صورت میں بالغ وارث اپنا حصّہ جُدا کر کے اس میں سے فدیہ دے دیں تو درست ہے۔ (بہشتی زیور۔ حصّہ سوم)

مسئلہ نمبر ۵ :۔ اگر کسی کی فرض نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور ان کی ادائیگی کی نوبت نہ آئی ہو اور وصیت کر کے مَر گیا کہ میری نمازوں کے بدلہ فدیہ دے دینا تو اس کا بھی یہی حکم ہے جو اوپر روزوں کے متعلق بیان ہوا۔ البتہ ہر وقت کی فرض نماز کا اتنا ہی فدیہ ہے جتنا ایک روزہ کا۔ اس حساب سے دن رات کے پانچ فرض اور ایک وِتر یعنی چھ نمازوں کا فدیہ دو سیر فی نماز کے حساب سے ۱۲ سیر گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا اس کی قیمت ہوئی۔ (بہشتی زیور۔ حصّہ سوم)۔

مسئلہ نمبر ۶ :۔ ایک روزہ کے فدیہ کو دو آدمیوں میں تقسیم کرنا یا چند روزوں کے فدیہ کو ایک ہی شخص کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں۔ (بیان القرآن)

مسئلہ نمبر ۷۔ اگر کسی کو فدیہ ادا کرنے کی بھی وسعت نہ ہو تو فقط استغفار کرے اور دِل میں نیّت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کر دوں گا۔ (بیان القرآن)

الحاصل یہاں تیسرا حکم "روزہ" سے متعلق بیان فرمایا گیا اور اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فرمایا گیا یعنی تھوڑے دنوں روزے رکھ لیا کرو۔ اب ان تھوڑے دنوں سے مراد ماہ رمضان المبارک ہے جیسا کہ اگلی آیت میں تعیّن فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے :۔

اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ فرائض اسلام کا احترام نصیب فرمائیں اور جملہ شرعی احکام کا پابند بنائیں۔
یا اللہ! ہمارے دلوں میں فرض روزوں کا کمال احترام اور ذوق و شوق نصیب فرما۔ اور اس کے ذریعہ ہم کو تقویٰ و پرہیزگاری عطا فرما۔
یا اللہ! آپ نے جو شرعی رخصتیں اپنے کرم سے ہم کو عطا فرمائی ہیں اس کی قدر ہمارے دِلوں میں عطا فرما۔ اور ان پر صحیح شکر گذاری کی توفیق نصیب فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۸۷

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی

ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے

لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

ہدایت ہے اور واضح الدلالت ہے منجملہ اُن کتب کے جو کہ ہدایت ہیں اور فیصلہ کرنیوالی ہیں - سو جو شخص

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا

اس ماہ میں موجود ہو اُسکو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیئے - اور جو شخص بیمار ہو

اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ

یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے - اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ

بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ

آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ شمار کی تکمیل کرلیا کرو

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو طریقہ بتلادیا اور تاکہ تم لوگ شکر ادا کیا کرو -

تفسیر وتشریح: گذشتہ آیت میں حکم ہوا تھا اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط یعنی تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو - اب اس آیت میں حق تعالیٰ ان اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط کا تعین فرماتے ہیں کہ وہ تھوڑے دن جن روزہ کا حکم ہوا ہے وہ ماہ رمضان ہے - نیز گذشتہ آیت کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جب رمضان کے روزوں کی فرضیت ابتداءً نازل ہوئی تو اس میں اتنی سہولت دے دی گئی تھی کہ جو بیمار ایسا ہو کہ روزہ رکھنا دشوار ہو یا مسافر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ روزہ نہ رکھے اور جتنے روزہ چھوڑے اتنے ہی رمضان کے سوا اور دنوں میں گن کر روزہ رکھ لے اور ایک سہولت یہ بھی دی گئی تھی کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر ابتداءً اسلام میں چونکہ روزوں کی عادت نہ تھی اس لئے ایک ماہ کامل پے در پے روزے رکھنا نہایت شاق تھا تو اُن کے لئے یہ سہولت فرما دی گئی تھی کہ اگرچہ تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر صرف عادت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو تم کو اختیار دیا ہے روزہ رکھو چاہے روزہ کا فدیہ دو یعنی ایک روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ - کچھ عرصہ بعد جب لوگ روزہ کے عادی ہو گئے تو یہ اجازت

باقی نہ رہی اور فدیہ کی اجازت جو بغرض سہولت ابتداءً دی گئی تھی موقوف ہوگئی۔ چنانچہ اس آیت میں پہلے ارشاد ہوتا ہے:۔

"وہ تھوڑے ایام جن میں روزہ کا حکم ہوا ہے ماہِ رمضان ہے جس میں ایسی برکت ہے کہ اس کے ایک خاص حصہ یعنی شب قدر میں قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر بھیجا گیا ہے جس کا ایک وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے اور دُوسرا وصف یہ ہے کہ ہدایت کے طریقہ بتلانے میں اسکا جزو واضح الدلالۃ ہے اور منجملہ اُن کتب سماویہ کے ہے جو ہدایت بھی ہیں اور وضوح دلالت کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی بھی ہیں۔"

گویا اس ماہ رمضان کی جو اسلامی سال کے نویں مہینہ کا نام ہے فضیلت بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک مہینہ کو اپنی کتابیں نازل کرنے کے لئے منتخب کر رکھا ہے۔ اسی وجہ سے عموماً اللہ جل شانہٗ کی تمام کتابیں اسی ماہ میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اِسی ماہ کی یکم یا ۳ تاریخ کو عطا ہوئے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور ۱۲ یا ۱۸ رمضان المبارک کو ملی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ ۶ رمضان المبارک کو عطا ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ السلام کو انجیل ۱۲ یا ۱۳ رمضان المبارک کو ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو کلام الٰہی سے خاص مناسبت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم بھی اسی ماہ میں نازل ہوا۔ یہ رمضان کی ایک رات میں پورے کا پورا لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کر دیا گیا اور آسمان دُنیا سے تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں بھی اس قرآنِ کریم کے نزول کی ابتداء اس مقدس ماہ رمضان سے ہوئی۔ سب سے پہلے سورۃ عَلَقٌ کی ابتدائی پانچ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں غارِ حرا میں اسی ماہ رمضان میں نازل ہوئی تھیں۔ اور جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے یعنی آپ کے آخری رمضان ۱۰ھ میں دو بار پورا قرآن شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سُنایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تین راتوں میں سنا دیا۔ (ابوداؤد)

الغرض رمضان المبارک کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ قرآن مجید آخری آسمانی کتاب اسی ماہ میں نازل ہوئی اور پھر قرآن کریم کی تین خصوصیات ذکر فرمائی گئیں:۔

۱:۔ پہلی خصوصیت هُدًى لِّلنَّاسِ فرمائی گئی یعنی یہ قرآن مجید تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے ہر فرد اپنے خالق و معبود حقیقی کی پسندیدہ زندگی کی صحیح منزل تک پہنچنے کے لئے صحیح راستہ صرف قرآن کریم ہی سے معلوم کر سکتا ہے۔ راہِ راست کی طرف اب قرآن مجید ہی رہنمائی کر سکتا ہے۔ انسانی زندگی کو مجموعی طور پر کامیابی کے ساتھ گذارنے کے لئے اس کے ہر پہلو سے متعلق قرآن مجید نے ایسے قاعدے اور اصول دیئے ہیں جو سیدھے راستہ

اور حقیقی منزل کی نشان دہی کرتے ہیں۔ کامل ہدایت لوگ سوائے قرآن کریم کے اور کہیں سے حاصل نہیں کر سکتے۔

۲:۔ دوسری خصوصیت بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى فرمائی یعنی قرآنِ کریم نے ہدایت کی روشن دلیلیں اور رہنمائی کے تمام اصول وضوابط کو صاف اور کھول کر بیان کیا ہے۔ اس کے دلائل کھلے ہوئے اس کے اصول عام فہم اور اس کے احکام ہر ایک کے لئے قابلِ عمل ہیں۔ کوئی بات عقل کے خلاف یا کوئی اصول ناقابل عمل نہیں۔

۳:۔ تیسری خصوصیت اَلْفُرْقَانْ ہونا بتلائی گئی یعنی حق کو باطل سے جُدا کرنے والا۔ اس کی ہدایات اور تعلیمات ایسی واضح ہیں کہ حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم کرتی ہیں اور انسان صحیح و جھوٹ صحیح و غلط۔ صلاح و فساد، ایمان و کفر۔ اطاعت و سرکشی اور حق و باطل میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور اچھے بُرے میں تمیز کر سکتا ہے۔

الغرض یہاں ماہِ رمضان کی فضیلت بیان فرمائی کہ جس مہینہ کے روزوں کا حکم دیا جا رہا ہے وہ بہت ہی بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے اور جس میں قرآن جیسا سرچشمۂ ہدایت نازل کیا گیا۔ اس فضیلت رمضان کو بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

"سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس ماہ میں روزہ رکھنا چاہیئے (گو یا فدیہ کی جو اجازت اُوپر مذکور تھی منسوخ اور موقوف ہوئی) اور مریض و مسافر کے لئے جو اُوپر قانون تھا وہ البتہ اب بھی اُسی طرح باقی ہے کہ جو شخص ایسا بیمار ہو جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو یا شرعی سفر میں ہو تو اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایامِ رمضان کے دوسرے ایام کا اتنا ہی شمار کر کے ان میں روزہ رکھنا اس پر واجب ہے۔ اللہ تعالےٰ کو تمہارے ساتھ احکام میں آسانی کی رعایت کرنا منظور ہے اس لئے ایسے احکام مقرر کئے جن کو تم آسانی سے بجا لا سکو چنانچہ سفر اور مرض میں روزہ کا کتنا آسان قانون مقرر کر دیا اور تمہارے ساتھ احکام و قوانین مقرر کرنے میں دشواری منظور نہیں۔ اور یہ احکام مذکورہ ہم نے خاص خاص مصلحتوں سے مقرر کئے چنانچہ اوّلاً روزہ ادا رکھنے کا اور کسی شرعی عذر سے رہ جاوے تو دوسرے ایام میں قضا کرنے کا حکم تو اسی لئے کیا تا کہ تم لوگ ایامِ ادا یا قضا کی شمار کی تکمیل کر لیا کرو تا کہ ثواب میں کمی نہ رہے اور خود قضا رکھنے کا حکم اس لئے کیا تا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور ثنا بیان کرو اس پر کہ تم کو ایک ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تم برکات و ثمرات صیام سے محروم نہ رہو ورنہ اگر قضا کا حکم وجوباً نہ ہوتا تو بہت کم لوگ اس کا اہتمام

کرتے اور عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دے دی تاکہ
تم لوگ اس نعمت آسانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔ ورنہ اگر یہ اجازت نہ ہوتی تو
سخت مشقت ہو جاتی "

یہاں آیت میں یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا " فرمایا

اِس ارشاد باری تعالیٰ سے معلوم ہوا کہ دین فطرت یعنی اسلامی شریعت میں کوئی دشواری اور سختی نہیں چنانچہ اسلامی شریعت میں آپ کو کوئی ایسا حکم نہ ملے گا جس میں انسانوں کے حالات۔ عمر۔ صحت۔ موسم اور دوسری مجبوریوں اور معذوریوں کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔ اور کمزور مجبور اور معذور انسانوں کو رعایتیں نہ دی گئی ہوں۔ اب اگر چہ بظاہر شریعت کے کسی حکم میں ہم کو دشواری اور مشکل معلوم ہوتی ہے تو دراصل وہ ہماری اپنی کسی کمزوری سستی، کاہلی اور تن آسانی یا راحت طلبی کی بنا پر معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہمارے خالق اور رازق اور ارحم الراحمین ہیں وہ ہر حالت میں اور ہر حکم میں ہماری مصلحت اور دینی و دنیوی صلاح و فلاح کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گذار اور احسانمند بندہ بنا کر زندہ رکھیں اور ہمیں جو سہولتیں عطا فرمائی ہیں ان کی ناشکری اور ناقدری سے بچائیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی قوت۔ طاقت۔ نعمت اور صلاحیت کو صحیح اور درست طور پر اپنی رضا حاصل کرنے میں استعمال کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں آمین

اس آیت اور گذشتہ آیات میں روزہ اور رمضان کے بعض احکام و فضائل کا ذکر ہوا اور جو سہولتیں اور رعائتیں فرمائی گئیں اُن کا ذکر ہوا۔ اور اگلی ایک آیت کے بعد بھی روزہ اور اعتکاف کے بعض احکام کی تفصیل ہے اور بعض مصالح اور رعایت و سہولت کا ذکر ہے۔ جس سے حق تعالیٰ کا بندہ کے حال پر توجہ اور عنایت فرمانا معلوم ہوتا ہے اس لئے اگلی آیت میں پہلے مضمون قرب اور اجابت اور بندوں پر توجہ اور ان کی دعاؤں کی قبولیت کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ! آپ نے جو فرائض و واجبات اور دیگر احکام ہم پر مقرر کئے ہیں اُن کی دل و جان سے ادائیگی کا عزم و شوق نصیب فرمائیں۔ خصوصاً رمضان جیسی نعمت کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آپ نے قرآن جیسی نعمت جو اُمتِ مسلمہ کو عطا فرمائی ہے۔ اس کی ہم کو قدر دانی اور احسانمندی نصیب ہو اور اس کا اتباع کامل نصیب ہو۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۸۸

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ
اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں منظور کر لیتا ہوں
دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا
عرضی درخواست کرنے والے کی جب وہ میرے حضور میں درخواست دے سو ان کو چاہیئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر
بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
یقین رکھیں امید ہے کہ وہ لوگ رشد حاصل کر سکیں گے ۔

تفسیر و تشریح :۔ اس سے پہلے گذشتہ آیات میں روزوں کے احکام ۔ رمضان کے فضائل اور روزوں میں بعض سہولتوں اور رعایتوں کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس آیت کے بعد بھی پھر بعض احکام روزہ اور اعتکاف سے متعلق بیان فرمائے گئے ہیں ۔ درمیان میں اس مختصر آیت میں حق تعالیٰ کا بندوں کے حال پر توجہ و عنایت فرمانا ۔ اپنے بندوں کی دعاؤں کا سننا اور قبول کرنا ذکر فرما کر اپنی اطاعتِ احکام کی ترغیب دی ہے ۔ علاوہ اس ربط کے مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں کئی روایات نقل فرمائی ہیں ۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک بدوی یعنی دیہاتی نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا پروردگار کیا ہمارے پاس ہی ہے کہ ہم آہستہ دعا مانگیں یا دور ہے کہ بلند آواز سے پکارا کریں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو گئے اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ کسی جہاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے تشریف لے گئے ۔ صحابہ نے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل پکارنی شروع کی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب نہ بہرا ہے ۔ نہ دور ہے ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کی تصدیق ہو گئی ۔ بہرحال شانِ نزول کسی بنا پر ہو آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

> اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں کہ میں ان کے قریب ہوں یا دور تو میری طرف سے ان سے فرما دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں اور بلا استثناء و التماس درخواست کے ہر عرضی و درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے منظور کر لیتا ہوں سو جس طرح میں ان کی عرض معروض کو منظور کر لیتا ہوں ان کو چاہیئے کہ میرے احکام کو بجا آوری کے ساتھ قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں یعنی میری ہستی پر بھی ۔ میرے حاکم ہونے پر بھی ۔ میرے حکیم ہونے پر بھی اور رعایت صالح

Marfat.com

پر بھی اس طرح امید ہے کہ وہ لوگ رشد و فلاح حاصل کر سکیں گے۔"

یہاں اس آیت میں حق تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ میں قریب ہوں تو اس سے قربِ جسمانی مطلب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں بلکہ جیسے حق تعالیٰ کی ذات کی حقیقت بے چون و چگوں ہونے کی وجہ سے ادراک نہیں کی جا سکتی اسی طرح اُن کی صفات کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ پس اجمالاً اتنا سمجھ لیں کہ جیسی اُن کی ذات ہے اُن کی شان کے مطابق ان کا قرب بھی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان وارد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ روزوں میں بھی اور روزوں کے ختم ہونے کے بعد بھی لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو اور وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ دعا انسان کے لئے ایک فطری بات ہے۔ اس لئے ہر مذہب کے ماننے والے اپنی ضرورتوں میں دعا کرتے ہیں لیکن اسلام میں اس کی خاص طور سے تعلیم اور تاکید فرمائی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ بھی بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ بلکہ عبادت کی روح اور اس کا مغز ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ پر ناراض ہوتا ہے جو اپنی حاجتیں اور ضرورتیں اُس سے نہیں مانگتا۔ سبحان اللہ! دنیا میں کوئی آدمی اگر اپنے کسی گہرے دوست یا کسی عزیز قریب سے بھی بار بار اپنی ضرورتوں کا سوال کرے تو وہ اس سے تنگ آ کر خفا ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ پاک اپنے بندوں پر ایسے شفیق اور مہربان ہیں کہ وہ نہ مانگنے پر خفا اور ناراض ہوتے ہیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دعا جس قدر دل کی گہرائی سے اور اپنے کو جس قدر عاجز اور بے بس سمجھ کر اور اللہ کی قدرت و رحمت کے جتنے یقین کے ساتھ کی جائے گی اُسی قدر اس کے قبول ہونے کی زیادہ اُمید ہے اور جو دعا دل سے نہ کی جائے بلکہ رسمی طور پر صرف زبان سے کی جائے وہ دراصل دعا رہی نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول نہیں کرتا جو دل کی غفلت کے ساتھ کی جائے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر آن کی دعا سنتے ہیں لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خاص وقتوں میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ مثلاً فرض نمازوں کے بعد۔ رات کے آخری حصہ میں۔ روزہ کے افطار کے وقت۔ سفر کی حالت میں خاص کر جب سفر دین کے لئے اور اللہ کی رضا کے لئے ہو۔ بارش کے وقت۔ سجدہ کی حالت میں۔ تلاوتِ قرآن اور بالخصوص ختم قرآن کے بعد۔ بیت اللہ پر نظر پڑنے کے وقت۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دعا کے قبول ہونے کے لئے آدمی کا ولی یا متقی ہونا شرط نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ عام لوگوں اور گنہگاروں کی دعائیں سنی ہی نہ جاتی ہوں اس لئے کسی کو یہ خیال کر کے دعا نہ چھوڑنی چاہیئے کہ ہم گنہگاروں کی دعاؤں سے کیا ہوگا۔ اللہ رحیم و کریم جس طرح اپنے گنہگار بندوں کو کھلاتا پلاتا ہے اسی طرح اُن کی دعائیں بھی سنتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے سب کو دعائیں کرنی چاہیئے اور اگر چند دفعہ دعا

Marfat.com

کرنے سے مقصد حاصل نہ ہو تو بھی مایوس اور نا اُمید ہو کر دُعا نہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ کبھی اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ دُعا دیر سے قبول کی جائے اور بندہ کی بہتری بھی اسی میں ہوتی ہے۔ لیکن بندہ اپنی نادانی کی وجہ سے اس کو جانتا نہیں اس لئے جلد بازی کرتا ہے اور مایوس ہو کر دُعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دُعا ضائع اور بیکار کبھی نہیں جاتی لیکن اس کے قبول ہونے کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ جس کی دُعا کرتا ہے اس کو وہی مل جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو وہ چیز دینا بہتر نہیں سمجھتے اس لئے وہ تو ملتی نہیں لیکن اس کے بجائے کوئی اور نعمت اس کو دے دی جاتی ہے یا کوئی آنے والی بلا اور مصیبت ٹال دی جاتی ہے یا اس دُعا کو اسکے گناہوں کا کفارہ بنا دیا جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ دُعا کو آخرت کا ذخیرہ بنا دیتا ہے یعنی بندہ جس مقصد کے لئے دُعا کرتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس کو نہیں دیتا اُس کی دُعا کے بدلے آخرت کا ثواب اُس کے لئے لکھ دیا جاتا ہے۔ ایک دُوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ بعض لوگ جن کی بہت سی دُعائیں دُنیا میں قبول ہونا نہیں معلوم ہوئی تھیں جب آخرت میں پہنچ کر اپنی ان دعاؤں کے بدلے میں ملے ہوئے ثواب اور نعمتوں کے ذخیرے دیکھیں گے تو حسرت سے کہیں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی دُعا بھی قبول نہ ہوئی ہوتی اور سب کا بدلہ ہمیں یہیں ملتا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے ہر بندے کو اللہ کی قدرت اور اس کی شانِ کریمی و رحیمی پر پورا یقین رکھتے ہوئے قبولیت کی پوری اُمید اور بھروسے کے ساتھ اپنی ہر ضرورت کے لئے خواہ دُنیا کی ہو یا دین کی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہیئے اور بالکل یقین رکھنا چاہیئے کہ دُعا ہرگز ضائع نہیں جائے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جس طرح میں اپنے بندوں کی عرض و معروض کو منظور کر لیتا ہوں ان کو بھی چاہیئے کہ میرے احکام کو بجا آوری کے ساتھ قبول کیا کریں اور مجھ پر ایمان و یقین رکھیں، یعنی میری قدرت پر بھی اور میرے حاکم اور حکیم ہونے پر بھی اور آگے پھر اس کا نتیجہ بھی بیان فرما دیا کہ اگر ایسا کریں گے تو رشد و فلاح دُنیا کی بھی اور آخرت کی بھی حاصل کر سکیں گے۔

الغرض اوپر سے اصل مضمون تو روزوں کے متعلق بیان ہو رہا تھا درمیان میں یعنی اس آیت میں دُعا کے متعلق مضمون آگیا اب پھر اصل مضمون یعنی روزوں سے متعلق بعض مزید احکام اگلی آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے: حق تعالیٰ ہم کو بھی دُعا کی توفیق نصیب فرمائیں اور دُعا کے دروازے ہمارے لئے کھول دیں تاکہ ہم ہر حال میں ہر جگہ۔ ہر وقت اللہ کے پکارنے والے ہوں۔ اللہ سے دُعا کرنے والے ہوں اور اللہ ہی سے اپنی حاجتیں مانگنے والے ہوں۔ یا اللہ اپنے کرم سے ہماری دُعاؤں کو قبول فرما اور اپنی ذاتِ عالی پر ہم کو یقین کامل نصیب فرما اور اپنے احکام کی ہم کو پابندی نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۸۹

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ
تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ
لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ
تمہارے اوڑھنے بچھونے ہیں اور تم اُن کے اوڑھنے بچھونے ہو ۔ خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی
كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا
کہ تم خیانت کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے ۔ خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے
عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ
گناہ کو دھو دیا سو اب ان سے ملو ملاؤ ، اور جو تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے اس کا سامان کرو
وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ
اور کھاؤ اور پیو اُس وقت تک کہ تم کو سفید خط صبح کا متمیز ہو جاوے
مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ
سیاہ خط سے ۔ پھر رات تک روزہ کو
إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي
پورا کیا کرو ۔ اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو
الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ
مسجدوں میں یہ خداوندی ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا ۔ اسی طرح
يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾
اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس اُمید پر کہ وہ لوگ پرہیز رکھیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ ابتدائے اسلام میں اہلِ کتاب کی طرح مسلمانوں کو بھی روزوں کے ایام میں رات کے وقت سونے سے پہلے کھانے اور پینے اور بیبیوں سے قربت کی اجازت تھی لیکن اگر سو جانے کے بعد آنکھ کھلے تو پھر کھانے پینے اور بیبیوں سے قربت کی اجازت نہ تھی ۔ اس سے صحابہ کرام رضؓ کو قدرے مشقت ہوئی اور بعض سے غلبہ

Marfat.com

میں اس حکم کے امتثال میں کوتاہی ہوگئی اور نادم ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے۔ اُن کی ندامت پر حق تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس آیت کے شانِ نزول میں مروی ہے کہ ایک غریب انصاری صحابیؓ دن بھر کے روزہ سے مزدوری کر کے ہارے تھکے افطار کے وقت گھر پہنچے تو گھر میں افطار کے بعد کھانے کو کچھ تیار نہ تھا۔ بیوی نے کہا کہ میں انتظام کر کے کچھ لاتی ہوں جب وہ واپس آئیں تو یہ دن بھر کی تکان کی وجہ سے سو گئے۔ اب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا۔ اور چونکہ اس وقت رات میں سونے کے بعد کھانے کی اجازت نہ تھی اس لئے کھانا نہ کھایا اور اسی طرح اگلا روزہ رکھ لیا۔ اگلے روز ضعف کی وجہ سے ان کا بُرا حال ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ اسی طرح دیگر واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے بعض صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جذبات کے غلبہ میں سونے کے بعد انہوں نے اپنی بیبیوں سے قربت کی اور اس پر ندامت کے ساتھ معذرت خواہ ہوئے اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی اور پہلا حکم منسوخ کر کے غروب آفتاب کے بعد سے صبح صادق تک پوری رات میں کھانے پینے اور قربت کی اجازت دے دی گئی اگرچہ سو کر اٹھنے کے بعد ہو، چنانچہ آیت میں ارشاد ہوا :-

"تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا اور پہلے جو اس سے ممانعت تھی مرتفع کی گئی کیونکہ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، یعنی بوجہ قرب والتصال کے وہ تمہارے بجائے اوڑھنے بچھونے کے ہیں اور تم اُن کے بجائے اوڑھنے بچھونے کے ہو۔ خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم اس حکم الٰہی میں خیانت کر کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے مگر خیر جب تم معذرت سے پیش آئے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا۔ سو جب اجازت ہو گئی تو اب اُن سے ملو ملاؤ اور جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اس کو طلب کرو اور یہ بھی اجازت ہے کہ تمام رات میں جب چاہو کھاؤ بھی اور پیو بھی جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا سیاہ دھاری سے یعنی صبح صادق تک اور پھر پورا کرو روزہ رات آنے تک یعنی غروب آفتاب تک۔ اور ان بیبیوں کے بدن سے اپنا بدن شہوت کے ساتھ مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم اعتکاف والے ہو جو کہ مسجدوں میں ہوا کرتا ہے۔ یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں سو ان ضابطوں سے نکلنا تو کیسا۔ نکلنے کے نزدیک بھی مت جانا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احکام بیان کئے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اور احکام بھی لوگوں کی صلاح کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس اُمید پر کہ وہ لوگ احکام پر مطلع ہو کر اُن احکام کے خلاف کرنے سے پرہیز رکھیں"۔

Marfat.com

یہاں اس آیت میں اُحِلَّ لَكُمْ (حلال کر دیا گیا تمہارے واسطے) سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعے حلال کی گئی وہ اس سے پہلے حرام تھی۔ اور اس آیت نے جس حکم کو منسوخ کیا یعنی سو جانے کے بعد کھانے پینے اور بی بی سے قربت کی حرمت کو وہ حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے صحابہ کرام رضہ اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ سُنّت سے ثابت شدہ بعض احکام کو قرآن کے ذریعہ بھی منسوخ کیا جا سکتا ہے اور ثبوتاً احکام شرعیہ کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی مثل حکم قرآن کے ہے۔

دُوسری بات یہاں آیت میں میاں بیوی کو ایک دُوسرے کا لباس فرمایا گیا۔ جس سے اس قریبی رشتہ کو ظاہر کیا گیا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اجازت اور حکم سے ایک دوسرے کو حاصل ہے۔ یہ لباس کی قرآنی تشبیہ میاں بیوی میں کئی طرح موجود ہے۔ مثلاً اُن کے آپس کے قریبی تعلقات۔ ایک دوسرے کی آپس میں محتاجی۔ جسمانی اعتبار سے ایک دوسرے کا قرب۔ ایک دوسرے کے لئے زیب و زینت اور اطمینان و سکون راحت و آسائش کا موجب ہونا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک دوسرے کے انتہائی رازدار ہونے کے باوجود پردہ پوشی کرنا۔

سبحان اللہ! قرآنی فصاحت و بلاغت اور تہذیب و شرافت کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس فرما کر کیسی پاکیزہ اور کامل تشبیہ دی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس تشبیہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ میاں اور بیوی دونوں پر لازم ہے کہ وہ واقعی اور حقیقت میں ایک دوسرے کا لباس یعنی رازدار۔ امین پردہ پوش زیب و زینت۔ راحت و آسائش اور قلبی و جسمانی اور ذہنی چین و سکون کا موجب ثابت ہوں۔

آیت کے اس ابتدائی حصّہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شریعت اسلامیہ فطری جذبات و خواہشات کو سرے سے مٹانا نہیں چاہتی بلکہ تمام کام اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے۔

پھر یہاں آیت میں فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ (سو جب اجازت ہو گئی تو اب اُن سے یعنی بیبیوں سے ملو ملاؤ) کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی گئی وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے لکھ دیا ہے طلب کرو) اِبْتَغَا کے معنیٰ ہیں کسی چیز کے طلب کرنے اور حاصل کرنے کی کوشش کرنا مَا كَتَبَ اللّٰهُ (جو اللہ نے لکھ دیا ہے) اس سے مراد اولاد و نسل ہے۔ تو یہاں اجازت کے ساتھ گویا ایک تنبیہ بھی فرما دی کہ اپنی بیبیوں کے پاس اولاد پیدا کرنے کی غرض سے جانا چاہیئے۔ مباشرت کے عمل سے اگرچہ طبعی لذت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی اور بڑا اور خاص مقصد حصولِ اولاد اور افزائش نسل رکھا ہے۔ قرآن مجید کی اس ہدایت سے واضح ہو گیا کہ "منع حمل" اور "ضبط تولید" اور خاندانی "منصوبہ بندی" کی تحریکیں من حیث القوم سب غلط، لغو اور اسلامی تعلیم کے خلاف راستہ ہیں۔

نیز اس آیت میں جو صبح صادق تک کھانے پینے کا حکم ہے اس سے معلوم ہوا کہ بغیر سحری کھائے ہوئے روزہ مسلسل رکھتے چلے جانا شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔

پھر اس آیت میں جو اعتکاف فی المسجد کو فرمایا تو یہ حکم خاص مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کا اعتکاف بجائے مسجد کے گھر کے کسی گوشہ میں ہو سکتا ہے۔

آیت کے اخیر میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ تمام ضابطہ۔ اصول و قوانین۔ حدیں اور بندشیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں جو حکمت اور علم والے ہیں۔ لہٰذا یہ سب احکام برحق اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ انسانوں کی فلاح اور کامیابی کے ضامن ہیں۔ ان کی تعمیل اور پیروی سے دنیا اور آخرت سنورے گی اور ان سے سرمو گردانی تجاوز و سرتابی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اس لئے اخیر میں یہ تنبیہ فرمائی گئی کہ ان باندھی ہوئی حدود کے اندر رہنا چاہیئے۔ ان سے باہر ہرگز نہ جانا چاہیئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو جملہ حدود اللہ کی کامل پابندی نصیب فرمائیں۔

یہاں تک **موقوں** سے متعلق متعدد احکام بیان فرمائے گئے۔ اب آگے مال سے متعلق بعض احکام بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہم کو اپنی زندگی قرآن کریم کی ہدایات و احکام کے موافق گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ جملہ حدود اللہ اور احکامِ خداوندی کی عظمت ہمارے دلوں میں اُتار دیں۔ تاکہ ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہم باز رہیں۔

یا اللہ! شریعت اسلامیہ کی ہم کو ظاہراً و باطناً کامل پابندی نصیب فرما اور خلاف شرع باتوں سے ہم کو کامل طور پر بچنے کی توفیق و ہمت عطا فرما۔

یا اللہ! ہم سے جو گذشتہ میں آپ کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہیاں اور تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں اُنہیں اپنی رحمت سے معاف فرما اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما۔

یا اللہ قرآن کریم کا جو مقصد "میاں بیوی" کے رشتہ کو قائم کرنے سے ہے دنیا میں ہم کو وہ مقصد نصیب فرما اور اپنے جملہ ضابطوں اور حدود کی پابندی نصیب فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۹۰

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ اور مت لے جاؤ مال کے جھوٹے مقدمہ

إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ

حکام کی طرف اس غرض سے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ کے کھا جاؤ

بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ ۶ ۷

اور تم کو علم بھی ہو۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں روزوں کی فرضیت۔ اس کی فضیلت اور اس کے بعض احکام کا بیان ہوا تھا اور روزوں کی فرضیت سے یہ مقصود تھا کہ امتِ مسلمہ کے افراد کے نفس پاکیزہ ہوں۔ ان کے اندر تقوی و پرہیزگاری پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر حلال چیزوں کو چھوڑنے کی عادت ہو جائے تاکہ آئندہ ناجائز طریق سے حاصل کیا ہوا مال ان کے لئے چھوڑنا اور اس سے بالکل پرہیز کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ اس آیت میں حرام مال۔ ناحق و ناجائز طریق سے حاصل کیا ہوا مال کھانے اور اس کے استعمال سے ممانعت فرمائی جاتی ہے۔ اس طرح اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ روزوں میں تو افطار اور سحری وغیرہ حلال روزی سے ہونا ہی چاہیئے۔ روزوں کے بعد بھی تمام عمر حرام مال سے پرہیز چاہیئے۔ نیز جب روزوں میں حلال مال کے کھانے پینے اور حلال چیز کے استعمال کرنے کی اجازت نہ رہی تو زندگی میں حرام مال کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ اور مت لے جاؤ مال کے جھوٹے مقدمہ حکام کی طرف اس غرض سے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ یعنی ظلم کے کھا جاؤ اور تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو۔"

یہاں اس آیت میں پہلا حکم یہ دیا گیا کہ باطل۔ ناجائز اور ناحق طریق سے کسی کا مال نہ کھاؤ۔ اس میں حصولِ مال کے تمام ناجائز ذرائع اور طریقہ اختیار کرنے کی ممانعت آگئی یعنی اس میں کسی کا مال غصب کر لینا بھی داخل ہے۔ چوری اور ڈاکہ بھی داخل ہے۔ ظلم کر کے جبراً مال چھین لینا۔ اور سود قمار۔ رشوت اور تمام معاملات فاسدہ جو از روئے شریعت اسلامیہ جائز نہیں وہ سب بھی شامل ہیں۔ جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کر لینا یا ایسی کمائی جس کو شریعت مطہرہ نے ناجائز اور

Marfat.com

ممنوع قرار دیا ہو وہ سب حرام اور باطل ہیں۔

یہاں قرآنی الفاظ میں اگرچہ صراحتہً کھانے کی ممانعت مذکور ہے لیکن مراد اس جگہ صرف کھانا ہی نہیں بلکہ مطلقاً استعمال کرنا ہے۔ اردو زبان میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے کہ فلاں کا مال فلاں کھا گیا۔ ہضم کر گیا۔ تو حصولِ مال کے تمام ناجائز طریقے مثلاً۔ چوری۔ غصب۔ خیانت۔ دغا۔ فریب۔ حیلہ سازی۔ دھوکہ دہی۔ جھوٹ۔ رشوت۔ سود۔ قمار۔ سٹہ۔ لاٹری وغیرہ وغیرہ اس آیت کی رُو سے سب کو ممنوع قرار دیا گیا۔ گویا چند لفظوں میں تقویٰ مال کی ساری تعلیم آگئی۔

دوسرا حکم آیت میں جھوٹا مقدمہ بنانے۔ جھوٹی قسم کھانے۔ جھوٹی شہادت دینے اور دلوانے سب کی ممانعت فرمائی گئی۔ نیز حاکموں کو اپنا طرفدار بنانے یا اُن تک رسائی حاصل کرنے۔ یا رشوت یا مالی تحفہ تحائف دے کر حاکموں پر اثر ڈالنے۔ اُن سے رسوخ پیدا کر کے ان کو اپنا طرفدار بنانے سب کی ممانعت فرمائی گئی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں دو صحابہ کرام کا آپس میں ایک زمین پر کچھ اختلاف ہوا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ مدعی کے پاس گواہ نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی ضابطہ کے موافق مدعا علیہ کو حلف کرنے کا حکم دیا۔ وہ حلف پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نصیحت اُن کو یہ آیت سنائی:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (پ۳ آیت ۷۷، سورۂ آل عمران)

ترجمہ:۔ یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور بمقابلہ اپنی قسموں کے ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں نہ ملے گا۔ اور نہ خدا تعالیٰ اُن سے (لطف کا) کلام فرمائیں گے۔ نہ اُن کی طرف (نظر محبت سے) دیکھیں گے قیامت کے روز اور نہ اُن کو (گناہوں سے) پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب تجویز ہو گا۔

چونکہ اس آیت میں قسم کھا کر کوئی مال حاصل کرنے پر وعید شدید مذکور ہے اس لئے صحابی نے آیت سن کر قسم کھانے کو ترک کر دیا اور زمین مدعی کے حوالہ کر دی۔ اسی جیسے ایک واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو۔ اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ

رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے اور میں اس سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو یاد رکھو کہ حقیقت حال تو صاحبِ معاملہ کو خود معلوم ہوتی ہے اگر فی الواقع وہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں چاہیئے کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اس کو دوں گا وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہو گا۔

گویا آپؐ نے اس ارشاد میں اُمت کو واضح کر دیا کہ اگر ایک قاضی۔ یا حاکم کسی مغالطہ کی وجہ سے کوئی فیصلہ کر دے جس میں ایک کا حق دوسرے کو ناجائز طور پر مل رہا ہو تو اس عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ اس کے لئے حلال و جائز نہیں ہو جاتا اور جس کے لئے حلال ہے اس کے لئے حرام نہیں ہو جاتا۔ اگر کوئی شخص قصداً جان بوجھ کر کسی دھوکہ۔ یا فریب یا جھوٹی شہادت یا جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی کا مال بذریعہ عدالت لے لے تو اس کا وبال اس کی گردن پر رہے گا۔ اس کو چاہیئے کہ آخرت کے عذاب کے خوف سے اور اللہ تبارک و تعالیٰ علیم و خبیر کی عدالت میں پیشی کا خیال کر کے اس کو چھوڑ دے۔

اب ذرا غور کیجیئے کہ اسلامی حکومت ہونا۔ اسلام کے سارے قوانین کا نافذ ہونا تو خیر بڑی چیز ہے۔ قرآن کریم کی صرف اسی ایک آیت پر اگر عمل درآمد ہو جائے تو جھوٹے مقدمہ۔ جھوٹے دعوے، جعلی کاغذات، جھوٹی گواہیاں۔ جھوٹے حلف نامہ اور اہل کاروں اور حکام و افسران کو رشوتیں دینا۔ اُن کی خدمت میں نذرانے تحفے تحائف دینا اور ان کی شاندار دعوتیں کرنا اور بیسیوں طرح کی معصیتیں جو کہ آج کل عدالتی کارروائیوں اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں کی جاتی ہیں کہیں ان کا وجود باقی رہے؛ حرام مال کی نحوستیں، وبال، گمراہیاں، فتنہ و فساد کس طرح یک لخت ختم ہو جائیں اور حلال کی برکات خیر و ثمرات پھیل جائیں۔ انسان کے اعمال و اخلاق میں حلال و حرام کھانے پینے کو بڑا دخل ہے۔ قرآن کریم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعلیمات و ہدایات کا ایک بہت بڑا حصہ اسی کام کے لئے وقف ہے کہ اُمت کو حرام سے بچانے اور حلال کے استعمال کی ہدایات دیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حرام مال کھانے والے کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔ بہت سے آدمی عبادت وغیرہ میں مشقت اُٹھاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ دعا کے لئے پھیلاتے ہیں اور یا رب یا رب پکارتے ہیں مگر کھانا ان کا حرام۔ پینا ان کا حرام۔ لباس ان کا حرام تو اُن کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی ایذاؤں سے محفوظ رہے وہ جنت میں جائے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے یہ دعا فرما دیجیئے کہ میں مقبول الدعا ہو جاؤں۔ جو دعا کیا کروں قبول ہوا کرے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے سعد اپنا کھانا پاک اور حلال بنا لو مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے اور

Marfat.com

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور جس شخص کا گوشت حرام سے بنا ہو اُس گوشت کے لئے تو جہنم کی آگ ہی لائق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک اس کا قلب اور زبان مسلم نہ ہو جائے۔ اور جب تک اس کے پڑوسی اس کے ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو جائیں اور جب کوئی بندہ مال حرام کماتا ہے پھر اس کو صدقہ کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتا اور اگر اس میں سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی اور اگر اسکو اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے تو وہ جہنم کی طرف جانے کے لئے اس کا توشہ ہوتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بُری چیز سے بُرے عمل کو نہیں دھوتے۔ ہاں اچھے عمل سے بُرے عمل کو دھوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے ہمیں بھی اکل حلال اور صدق مقال نصیب فرمائیں اور حرام سے ہر طرح سے بچائیں۔ آمین۔

خلاصہ یہ کہ اس مختصر سی آیت میں ناجائز طور پر اور ناحق ایک دوسرے کے مال کے حصول کی ممانعت فرمائی اور ایسے حصول مال کے تمام ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی بھی ممانعت فرمائی۔

یہاں تک شہر رمضان اور روزوں کے متعلق احکام اور اکل حلال کھانے اور حرام سے بچنے کا ذکر ہوا۔ اگلی آیت میں ہلال یعنی نئے چاند کا ذکر ہے۔ اور رمضان اور رویت ہلال میں تعلق ظاہر ہے کہ ایک دوسرے پر موقوف ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہم کو جملہ قرآنی احکام کی پیروی واتباع نصیب فرمائیں۔ اور جو کچھ ہم کو اس دنیا میں عطا فرمائیں وہ اپنی مرضیات کے مطابق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! ناپاک، ناجائز اور حرام سے ہمیں کلی طور پر بچنا نصیب فرمائیے اور اکل حلال حاصل کرنے کے لئے جائز اور شرعی طریقہ پر چلنا نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! اکل حلال کی فضیلت ہمارے دلوں میں بٹھا دے اور حرام سے ہم کو دلی نفرت عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۹۱

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ

آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لیئے

وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ

اور حج کے لیئے ۔ اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں اُن کی پشت

ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ

کی طرف سے آیا کرو ۔ ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام سے بچے ۔ اور گھروں میں اُن کے

اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

دروازوں سے آؤ ۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو اُمید ہے کہ تم کامیاب ہو ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ دو رکوعات میں متعدد اہم احکام شرعیہ کا بیان ہوا۔ ان میں پہلا حکم قصاص کا تھا ۔ دوسرا وصیت کا، تیسرا فرضیت رمضان کا، چوتھا روزوں کا اور اس کے متعلقہ مسائل ۔ پانچواں اعتکاف کا۔ چھٹا حکم مالِ حرام سے بچنے کا تھا۔ آگے حج و جہاد کے متعلق احکام و مسائل کا بیان ہے۔ رمضان اور حج کا تعلق رویت ہلال سے ہے ۔ اِس لئے درمیان میں رویت ہلال کا ذکر فرمایا جاتا ہے ۔

ھِلَالٌ :۔ اوّل اور دوسری رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اور پھر قمر کہتے ہیں ۔ اَھِلَّۃٌ جمع ہے ہلال کی۔ بعض صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَھِلَّۃٌ یعنی شروع مہینے کے چاند کے متعلق دریافت کیا کہ چاند کبھی باریک ہلالی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔ پھر آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے ۔ یہاں تک کہ چودہ پندرہ دن میں پُورا دائرہ ہو جاتا ہے پھر اس میں روزانہ کمی ہوتی رہتی ہے ۔ تو چاند کے اس طرح گھٹنے بڑھنے سے کیا فائدہ ہے اور اس میں کیا مصلحت ہے ؟ صحابۂ کرام کے اس سوال پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کا جواب ارشاد فرمایا ۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے :۔

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے ان چاندوں کے ہر مہینہ گھٹنے بڑھنے کی حالت اور اس میں جو فائدہ یا حکمت ہے اس کے متعلق دریافت کرتے ہیں ۔ آپ فرما دیجئے ۔ کہ فائدہ اس کا یہ ہے کہ وہ چاند اپنے اس گھٹنے اور بڑھنے کے اعتبار سے آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج (روزکوٰۃ وروزہ وغیرہ) کے لئے" یعنی لوگوں کے دینی اور دُنیوی معاملات کا وقت اور زمانہ معلوم ہوتا ہے ۔ چاندوں کی روزانہ تاریخوں سے مہینہ

اور مہینوں سے برس بنتے ہیں۔)

امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک خاص شان ہے کہ اُنہوں نے باوجود عظمت و ہیبت کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات بہت کم کئے ہیں بخلاف پچھلی اُمتوں کے کہ جنہوں نے اپنے انبیاء سے بکثرت سوالات کئے اور اس ادب کو ملحوظ نہیں رکھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کے کُل سوالات جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے کُل چودہ ہیں جن میں سے ایک سوال چاند کے متعلق اس آیت میں ہے۔ ایک سوال اسی سورۂ بقرہ میں گذشتہ رکوع میں وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ میں گذرا اور باقی چھ سوالات مختلف سورتوں میں کئے ہیں۔ اسی طرح آٹھ سوال تو اسی سورۂ بقرہ میں ہیں اور باقی چھ سوالات دوسری سورتوں میں مذکور ہیں۔

(الغرض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَهِلَّةُ یعنی شروع مہینے کے چاند کے متعلق سوال کیا تھا۔ اُس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہارے مصالح جو چاند سے وابستہ ہیں یہ ہیں کہ اس کے ذریعہ تمہیں اپنے معاملات اور معاہدوں کی میعاد مقرر کرنا اور حج رمضان وغیرہ کے ایام معلوم کرنا آسان ہو جائے گا۔)

(یہاں سے معلوم ہوا کہ شریعتِ اسلام میں حساب چاند ہی کا معتبر ہے خصوصاً ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینے اور خاص تاریخوں سے ہے جیسے روزہ۔ رمضان۔ حج کے ماہ۔ حج کے ایام۔ محرم۔ شب برأت وغیرہ اور شریعتِ اسلامیہ نے چاند کے حساب کو اس لئے اختیار فرمایا کہ اس کو ہر آنکھوں والا افق پر دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے بخلاف شمسی حساب کے کہ وہ آلاتِ رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔ الغرض قرآنِ کریم نے شمسی حساب پر قمری حساب کو ترجیح دی ہے۔ پھر بعض احکام میں تو اس حساب کو لازم کر دیا ہے کہ ان میں دوسرے حساب پر مدار رکھنا جائز ہی نہیں جیسے حج۔ روزہ۔ رمضان۔ عیدین۔ زکوٰۃ۔ عدت۔ طلاق وغیرہ اور بعض میں کو اختیار دیا ہے جیسے کوئی چیز خریدی اور وعدہ ٹھہرایا کہ اس وقت سے ایک سال شمسی گذرنے پر روپیہ ادا کریں گے تو اس میں شرع نے مجبور نہیں کیا کہ سال قمری ہی پر مطالبہ کا حق ہو جائے۔ مگر علمائے محققین نے لکھا ہے کہ روزمرہ کے استعمال اور مخاطبت و مکاتبت میں بھی اگرچہ شمسی حساب کا استعمال کرنا شرعاً ناجائز تو نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بوجہ خلاف ہونے وضع صحابہ اور طریق سلف صالحین کے خلاف اَولیٰ ضرور ہے۔ نیز مدار احکامِ شرعیہ کا حساب قمری پر ہے اس لئے اس کو محفوظ و منضبط رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے اور ظاہر ہے کہ فرض کفایہ عبادت ہے اور عبادت کی حفاظت کا آلہ بھی یقیناً ایک درجہ میں عبادت ہے۔ پس اس لحاظ سے بھی حسابِ قمری کا استعمال ایک درجہ میں مطلوب شرعی ٹھہرا۔ مگر یہاں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب تو وہ وقت دیکھنا پڑ رہا ہے

کہ مسلمانوں سے اہم فرائض و واجبات ہی چھوٹ رہے ہیں ۔ ایسے امور کی طرف تو کس کو خیال ہے اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ حتّٰی کہ اب تو بہت سے مسلمانوں کو اسلامی بارہ مہینوں کے نام بھی یاد نہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام سے سچی محبت عطا فرمائیں اور اسلامی غیرت و حمیت عطا فرمائیں ۔ آمین ۔

قرآن مجید کی اس آیت سے اوہام پرستی اور شرک کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے ۔ دُنیا کی بعض قومیں چاند کی پرستش کرتی تھیں اور بڑھتے ہوئے چاند کو مبارک اور گھٹتے ہوئے کو منحوس خیال کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ یہ لوگ چاند کی آخری تاریخوں میں بیاہ شادی تک نہیں کرتے تھے بعض مسلمان بھی اس مشرکانہ خیال کی پابندی کرتے دیکھے گئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مشرکانہ رسوم سے بالکلیہ بچنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ آمین ۔

الغرض یہاں آیت میں چاند کے گھٹنے بڑھنے کا مقصد ظاہر کر دیا گیا ۔ اور یہاں حج کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ یہ عربوں کی زندگی کا بہت اہم شعبہ اور عبادتِ خاص تھی حتّٰی کہ جاہلیت میں بھی حج کی رسم کو نہایت اہم سمجھا جاتا تھا ۔

اب آگے زمانۂ حج میں جاہلیت کی ایک غلط رسم کی اصلاح فرمائی جاتی ہے ۔ بخاری شریف میں حضرت بَرَاء بن عَازِب رضؓ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب احرام باندھ لیتے تو گھروں میں دروازوں سے داخل نہ ہوتے تھے بلکہ مکان کی پشت کی طرف سے داخل ہوتے مکان میں نقب لگا کر یا سیڑھی لگا کر ۔ اور اسے اپنے نزدیک بڑی عبادت اور خانۂ کعبہ کی تعظیم سمجھتے تھے ۔ اس پر حق تعالیٰ نے آیت کا یہ حصّہ نازل فرمایا اور ارشاد فرمایا :-

"اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں اُن کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام چیزوں سے بچے (اور چونکہ گھروں میں دروازہ کی طرف سے آنا حرام نہیں ہے اِس لئے اس سے بچنا بھی ضرور نہیں) سو اگر آنا چاہو تو گھروں میں اُن کے دروازوں سے آؤ اور اصل الاصول تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو اِس سے البتہ اُمید ہے کہ تم دارین میں کامیاب ہو جاؤ یعنی یہ کوئی عبادت اور نیکی نہیں کہ حالتِ احرام میں مکان کے دروازہ کو چھوڑ کر مکان میں پچھواڑے سے داخل ہو بلکہ نیکی اور عبادت یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی ہر حال میں تعمیل کرے ۔ اس کے احکام کی نافرمانی سے ڈرے اور اُس کے منع کئے ہوئے کاموں سے پرہیز کرے اور جب مکان میں آنا چاہے تو طریقہ کے موافق اس کے دروازہ سے داخل ہو اور اللہ سے ڈرتے اور خوف کھاتے کا انجام دنیا و آخرت دونوں جہان میں کامیابی اور بامرادی ہے"

اس آیت کے تحت حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے ایک بڑے کام کی بات معلوم ہوئی کہ جو شے شرعاً مُباح ہو (شریعت کی اصطلاح میں مُباح وہ فعل ہے جس کے کرنے میں ثواب نہ ہو اور نہ کرنے میں گناہ نہ ہو) اس کو طاعت و عبادت اعتقاد کر لینا۔ اِسی طرح اس کو معصیت اور محل ملامت اعتقاد کر لینا شرعاً مذموم ہے اور بدعت میں داخل ہے۔ چنانچہ گھروں میں دروازوں سے آنا مُباح تھا اس کو ان لوگوں نے **معصیت** سمجھا تھا اور دروازہ چھوڑ کر کسی اور طرف سے آنا بھی فی نفسہٖ مُباح ہے اس کو ان لوگوں نے عبادت و فضیلت سمجھا تھا۔ اس پر حق تعالیٰ نے اُن پر رَد فرمایا اور ان کے اس اعتقاد کو باطل اور مخالف تقویٰ کے ٹھیرایا اور تقویٰ کو واجب فرمایا تو ضرور جس چیز سے واجب کا ترک اور خلاف لازم آئے وہ گناہ ہوگا پس اُن کے یہ دونوں اعتقاد گناہ ہوئے۔ اس قاعدہ سے بہت سے اعمال کا حکم معلوم ہو گیا جو کہ عوام بلکہ خواص میں بھی شائع ہیں کہ جو فی نفسہٖ مُباح ہیں مگر عوام نے اُن کو طاعت اور ثواب کا کام اعتقاد کر لیا یا اس کے نہ کرنے والے کو باعث ملامت سمجھا تو یہ دونوں صورتیں شرعی اصول سے مذموم اور گناہ ہوئیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر کام اپنے طریقہ سے کیا کرو۔

الغرض چھ احکام گذشتہ دو رکوع میں بیان فرمائے گئے تھے۔ ساتواں اور آٹھواں حکم اس آیت میں حساب قمری اور جاہلیت کے زمانہ کی حج کی رسم کی اصلاح کے متعلق بیان ہوئے۔ اب نواں حکم متعلق قتال کفار اگلی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہم کو ہر حال میں اور ہر معاملہ میں شریعت مطہرہ کی پابندی ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیں۔ اور مشرکانہ اوہام و رسوم سے بچائیں۔

یا اللہ ہم کو اپنے جملہ عقاید شریعت مطہرہ کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرما اور ہر طرح کی بدعات و رسوم منکرات سے بچنا نصیب فرما۔

یا اللہ! ہم کو تقویٰ کی دولت عطا فرما اور ایسا وہ خوف و خشیت عطا فرما کہ جو ہم کو ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رُک جائیں تاکہ دین و دنیا کی سعادت حاصل کر سکیں۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۹۲

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا

اور تم لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں - اور حد

تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ

سے مت نکلو - واقعی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے - اور اُن کو قتل کرو

حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ

جہاں اُن کو پاؤ اور اُن کو نکال باہر کرو جہاں سے اُنہوں نے تم کو

اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت قتل سے بھی سخت تر ہے - اور اُن کے ساتھ مسجد حرام

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

کے قریب میں قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں - ہاں اگر وہ خود ہی لڑنے کا

فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا

سامان کرنے لگیں تو تم ان کو مارو - ایسے کافروں کی ایسی ہی سزا ہے - پھر اگر وہ لوگ باز آجاویں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ

تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے اور مہربانی فرماویں گے - اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا

نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جاوے اور اگر وہ لوگ باز آجائیں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی

عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ

بجز بے انصافی کرنے والوں کے - حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے

الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ص

تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے -

Marfat.com

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ اُن ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

تفسیر و تشریح :۔ اُوپر سے متعدد اہم احکام شرعیہ کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ گذشتہ درس میں ساتواں اور آٹھواں حکم چاند سے متعلق یعنی حساب قمری اور جاہلیت کے زمانہ کے حج کی ایک رسم کی اصلاح کے متعلق بیان ہوا تھا۔ اب نواں حکم کفار مکہ سے جہاد و قتال کے متعلق ان آیات میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔

ہجرت مدینہ سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار سے جنگ و جہاد کی اجازت نہ تھی بلکہ کفار و مشرکین کے تنگ کرنے اور طرح طرح کے ظلم و ستم کرنے کے باعث ترکِ وطن یعنی ہجرت کا حکم ملا۔ پہلے کچھ صحابہ نے حبش کی ہجرت کی پھر دوبارہ ہجرت مدینہ کی طرف ہوئی اور اس ہجرت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ شریک تھے۔ آگے پیچھے سب مدینہ منورہ چلے گئے۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ زمانہ بعد کافروں کی بیجا زیادتیوں کی مدافعت کا حکم ملا اور جنگِ بدر۔ اُحُد۔ اَحزاب وغیرہ واقع ہوئیں۔ پھر ۶ سنہ ہجری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ کیونکہ حج کا حکم اس وقت تک نہ آیا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مع چودہ سو صحابہ کرام کے مقام حُدَیبیہ تک پہنچے جو مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ لڑنے پر آمادہ ہیں اور مکہ میں اہلِ اسلام کو داخل نہ ہونے دیں گے۔ مجبوراً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور بہت کچھ گفت و شنید کے بعد اہلِ مکہ سے ایک معاہدہ ہوا جس میں متعدد شرائط طے ہوئیں۔ اس صلح میں جو صلح حُدَیبیہ کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال واپس بغیر عمرہ کئے چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کر لیں اور تین روز مکہ میں قیام کر کے واپس جائیں۔ بہرحال اس صلح کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ پھر اگلے سال یعنی ذیقعدہ ۷ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء عمرہ کا ارادہ کیا تو مسلمانوں کو خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار مکہ معاہدہ کی خلاف ورزی کریں اور ہم کو عمرہ نہ کرنے دیں اور جدال و قتال پر آمادہ ہو جائیں ہم احرام باندھے ہوں گے۔ حرم کی سرزمین ہوگی۔ اور مہینہ بھی وہ ہوگا جس میں قتال حرام ہے۔ اس وقت تک چار مہینوں میں قتل و قتال حرام اور ممنوع تھا جن کو اَشْهُرٌ حُرُمٌ کہا جاتا تھا۔ اور یہ چار مہینے ذیقعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم اور رجب تھے۔ غرض صحابۂ کرام اس تردد سے پریشان تھے۔ کہ ہم کفار سے جنگ کی حالت میں کس طرح مدافعت کر سکیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ ان خاص معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ بوجہ باہمی معاہدہ یعنی صلح حُدَیبیہ کے تم کو اپنی جانب سے ابتداءً قتال کرنے کی اجازت نہیں لیکن اگر وہ لوگ عہد شکنی کریں اور کفار مکہ تم سے لڑنے کو آمادہ ہو جائیں

تو اس وقت تم کسی طرح کا اندیشہ دل میں مت لاؤ اور بے تکلف تم بھی لڑو۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور تم بھی لڑو اللہ کی راہ میں (یعنی اس نیت سے لڑو کہ یہ لوگ دین کی مخالفت کرتے ہیں) اُن لوگوں کے ساتھ جو نقضِ عہد کر کے تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور از خود حدِ معاہدہ سے مت نکلو کہ واقعی اللہ تعالیٰ حدِ قانونِ شرعی سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں تو اس وقت دل کھول کر خواہ ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور خواہ اُن کو مکہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو تنگ کر کے اور ایذائیں پہنچا کر نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کیا ہے اور تمہارے اس قتل و اخراج کے بعد بھی عقلاً الزام اُنہی پر رہے گا کیونکہ عہد شکنی جو اُن سے واقع ہو گی بڑی شرارت کی بات ہے اور ایسی شرارت ضرر میں قتل و اخراج سے بھی سخت تر ہے کیونکہ اس قتل و اخراج کی نوبت اس شرارت ہی کی بدولت پہنچتی ہے پس یہ شرارت اصل اور قتل و اخراج اس کی فرع ہے اور علاوہ معاہدہ کے اُن کے ساتھ ابتداءً قتال کرنے سے ایک اور امر بھی مانع ہے وہ یہ کہ حرم شریف یعنی مکہ اور اس کا گرداگرد ایک واجب الاحترام جگہ ہے اور اس میں قتال کرنا اس کے احترام کے خلاف ہے۔ پس اس لئے بھی حکم دیا جاتا ہے کہ اُن کے ساتھ مسجدِ حرام یعنی کعبہ کے قرب و نواح میں کہ حرم کہلاتا ہے قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں۔ اگر وہ کفار خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو اس وقت پھر تم کو اجازت ہے کہ تم بھی اُن کو مارو دھاڑو۔ ایسے کافروں کی جو حرم میں لڑنے لگیں ایسی ہی سزا ہے۔ پھر اگر بعد شروع قتال کے بھی وہ لوگ اپنے کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کے گذشتہ کفر کو بخش دیں گے اور ان پر مہربانی بھی فرمادیں گے اور اگر وہ لوگ اسلام نہ لاویں تو گو اور کفار سے جزیہ دینے کے اقرار پر قتال سے دست کش ہونے کا حکم ہے لیکن یہ خاص کفار یعنی کہ اہلِ عرب ہیں۔ ان کے لئے قانون جزیہ نہیں ہے بلکہ اُن کے لئے اسلام ہے یا قتل اس واسطے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ یعنی شرک نہ رہے اور ان کا دین خالص اللہ ہی کا ہو جاوے اور کسی کے دین مذہب کا خالصاً اللہ کے لئے ہو جانا موقوف ہے قبول اسلام پر تو حاصل یہ ہوا کہ شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں اور اگر وہ لوگ کفر سے باز آجائیں تو آخرت میں مغفرت و رحمت کے مستحق ہونے کے ساتھ دنیا میں اُن کے لئے تم کو یہ قانون بتلایا جاتا ہے کہ سزا کی سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے اور جب یہ لوگ اسلام لے آئے

Marfat.com

تو بے انصاف نہ رہے۔ لہٰذا اُن پر سزائے قتل کی سختی نہ رہی اور مسلمانو تم کو جو ان کے نقضِ عہد کی صورت میں تردد ہے کہ شہرِ حرام یعنی ذیقعدہ میں لڑنا پڑے گا سو اس سے بھی بے فکر رہو کیونکہ حرمت والا مہینہ تم کو قتال کفار سے مانع ہو سکتا ہے بعوض اس کے کہ اُس حرمت والے مہینہ کے سبب وہ بھی تم سے قتال نہ کریں اور وجہ یہ ہے کہ یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں۔ سو جو تم سے اُن کی رعایت کرے تو تم بھی رعایت رکھو اور جو تم پر ایسی حرمتوں کی رعایت نہ کرے۔ زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور ان سب احکام مذکورہ کے برتاؤ میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ کسی امر میں حدِ قانونی سے تجاوز نہ ہونے پاوے اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت و رحمت سے ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

ان آیات کا خلاصہ جن کا تشریحی ترجمہ اوپر لکھا گیا مسائل کی شکل میں معتبر کتب فقہ حنفیہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل لکھا ہے:۔

مسئلہ نمبر ۱:۔

کفار کے ساتھ جب کہ شرائط جواز کے پائے جائیں ابتداءً قتال کرنا بھی درست ہے اور اس مقام میں جو ابتداء بالقتال سے ممانعت فرمائی ہے تو وہ صرف بوجہ معاہدہ کے ہے تو معاہدہ میں ابتداءً قتال ناجائز ہے۔ البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کر دی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ خود معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے باب میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں اُنہوں نے آخر میں جب نقضِ عہد کر دیا تو اُن سے یہاں تک قتال ہوا کہ مکہ فتح ہو کر دارالاسلام بن گیا۔

مسئلہ نمبر ۲:۔ جزیرۂ عرب کے اندر جس میں حرم بھی آگیا کفار کو وطن بنانے کی اجازت نہیں اور اگر بزور رہنا چاہیں تو غیر حرم میں تو قتال کر کے بھی دفع کر دینا جائز ہے اور حدِ حرم کے اندر اوّلاً قتال نہ کریں گے بلکہ اُن کو دوسری طرح تنگ کریں گے جس میں وہ حرم خود چھوڑ دیں اور اگر کسی طرح نہ چھوڑیں اور دفع کرنے سے آمادۂ قتال ہو جاویں تو اُس وقت قتال جائز ہے اور یہی حکم ہے اس کا جو کوئی جرم قتل وغیرہ کا مرتکب ہو کر حرم کے اندر جا گھسے۔ اس کو تنگ کر کے باہر نکال کر قصاص وغیرہ لیں گے۔

مسئلہ نمبر ۳:۔ جمہور ائمہ دین کا اجماع ہے کہ اشہرِ حرم یعنی ذیقعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم۔ رجب میں اب قتل قتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہیں لیکن افضل اب بھی یہی ہے کہ اشہرِ حرم میں ابتداءً بالقتال نہ کرے۔

مسئلہ نمبر ۴:۔ کفارِ عرب اگر اسلام نہ لاویں تو ان کے لئے صرف قتل کا قانون ہے۔ اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جاوے گا۔

Marfat.com

اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلے اس آیت میں قتال کفار کا حکم آیا جس میں کفار و مشرکین سے اہل اسلام کو جہاد اور قتال کا حکم دیا گیا۔ ورنہ ہجرت مدینہ سے پہلے کفار کے ساتھ جہاد و قتال کی اجازت نہ تھی اور اس وقت تک کی تمام آیاتِ قرآنی میں مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر اور عفو و درگذر اور برداشت ہی کی تلقین تھی بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ سترہویں پارہ مدنی سورۃ الحج کی آیت اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے اُنہیں جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر بہت ظلم ہو چکا) احکام جہاد و قتال میں اوّلین آیت ہے۔

بہر حال جہاد اسلام کے فرائض میں نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کی طرح اسلام کا ایک فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الجهاد ماض الیٰ یوم القیٰمة۔ یعنی جہاد جاری رہے گا قیامت تک۔ قرآن و سنت کی بے شمار نصوص اور اجماع امت جہاد کی فرضیت کا اعلان کر رہے ہیں۔ لیکن اسلام میں جہاد کی مشروعیت پر مخالفین اسلام اور اعدائے دین محض تعصب اور عناد سے اعتراض کر کے اسلام پر دھبہ اور الزام لگانے کی کوشش کرتے ہیں بالخصوص یورپ کے ملحد اور پادری ان اعتراضات پر بڑے نازاں ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا جہاد لوگوں کو بزور شمشیر اسلام میں لانے کے لئے ہے اور جو اسلام نہ لائے اس کو بے رحمی سے قتل کرنا۔ اس کے بیوی بچوں کو لونڈی غلام بنانا اور اس کے گھر بار کو لوٹنا عام دستور اہل اسلام کا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہ علمائے اسلام نے مسئلہ جہاد پر مخالفین کے اعتراضات و الزامات کے ایسے تفصیلی اور کافی و شافی جوابات دیئے ہیں کہ ان کو بنظرِ انصاف دیکھنے سے عقلمند اور منصف مزاج کے نزدیک ان اعتراضات کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ اس مختصر درس میں کسی طول طویل مضمون کے نقل کی گنجائش نہیں تاہم اسلامی جہاد کے متعلق کچھ ضروری اور کارآمد باتیں مختصر تفسیر حقانی مؤلفہ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی سے نقل کی جاتی ہیں۔ مولانا موصوف نے لکھا ہے:۔

"اسلام صرف ان تین صورتوں میں جہاد کی اجازت دیتا ہے۔ اور حسب ضرورت تاکید بھی فرماتا ہے۔ اوّل یہ کہ مخالفین اسلام مسلمانوں کے ملک اور معابد پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوں اور مسلمانوں پر چڑھائی کریں جیسا کہ غزوۂ اَحزاب کا واقعہ۔ دوسرے یہ کہ کسی جگہ مسلمان اور کافر قدیم سے ملے جلے رہتے ہوں اور پھر کفار مسلمانوں کو مذہبی مراسم ادا کرنے سے منع کریں اور جلاوطنی پر مجبور کریں اور محض اسلام کی وجہ سے ظلم و تعدی کرنا شروع کریں جیسا کہ کفار قریش نے مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ اس صورت میں اگر وہاں کے لوگوں کو برملا مقابلہ کی طاقت نہیں تو اسلام کو مخفی نہ کریں اور مراسم اسلامیہ سے باز رہنا اختیار نہ کریں بلکہ وطن چھوڑ کر

Marfat.com

کسی دارالاسلام میں چلے جاویں اور اسی کو ہجرت کہتے ہیں - یہ ایسی حالت میں فرض ہے جیسا کہ صحابہ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا - اس صورت میں باہر جاکر جمیعت بہم پہنچا کر ضرور مخالفین کو مغلوب کریں جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے آکر مکہ فتح کیا - تیسری صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنی قوت و شوکت اور سامانِ حرب و قتال بہم پہنچا کر اپنے آس پاس کے بادشاہوں اور قریب و بعید کے ملکوں کو دین حق کی منادی کریں اور بت پرستی اور دیگر رسوم قبیحہ ترک کرنے اور امور فطرت کے اختیار کرنے کا حکم دیں اس لئے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ نے راستی اور آسمانی سلطنت قائم کرنے کے لئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جیسا کہ کتب مقدسہ سے بھی ثابت ہے اور آپ کے بعد الیٰ یوم القیٰمۃ آپ کے جانشین اس کام پر مامور ہیں - اگر وہ لوگ امر حق اختیار کرلیں اور فساد سے باز آویں تو ان سے کچھ نہ کہیں اور نہ ان کو ماتحتی اسلام پر مجبور کریں اور اگر یہ بھی وہ نہ مانیں تو اخیر درجہ جس طرح آجکل مہذب گورنمنٹیں دفع فساد کے لئے فوج کشی کرتی ہیں - شاہ اسلام لشکر کشی کرے جیسا کہ تبوک پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور شام و ایران وغیرہ پر صحابہ نے لشکر کشی کی مگر لڑکے - عورتوں - بوڑھوں کو نہ مارا جائے کھیتیاں اور باغات نہ اجاڑے جائیں پس ان صورتوں میں جب کہ طرفین سے جنگ قائم ہوتی ہے تو معترض تبلائے کہ سوائے وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اور وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ کے اور کیا ہوتا ہے - جس قدر کفار پر سختی اور قتل میں سعی کرنے اور جنگ جہاد میں ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے سو وہ خاص ان صورتوں میں ہے اور انہی کے لئے جا بجا قرآن میں تاکید ہے اور انہی میں مارے جانے سے جہاد ملتی ہے اور انہی کے اجر و ثواب جا بجا قرآن و حدیث میں مذکور ہیں - باقی اور سب صورتوں میں وہی رحمدلی عفو اور عدل و انصاف - تو ایسے اسلامی جہاد پر کون سا اعتراض بجا ہے - اور جو نا انصاف یہود و نصاریٰ اب بھی اعتراض سے باز نہ آویں اور ملحدانہ طور سے یہی کہیں کہ قرآن نے مذہبی آزادی کو باقی نہ رکھا اور آسمانی حقوق کے لئے کیوں تلوار اٹھائی - اور کیوں کافروں پر قہر و غضب ظاہر کیا تو اعتراض کرنے سے پیشتر وہ اپنی مذہبی کتابیں بائیبل اور توراۃ پر اور اپنے دینی پیشواؤں پر بھی یہ اعتراض قائم کریں کہ جنہوں نے مذہبی جنگ قائم کی اور مذہبی جنگ کرنے کا حکم دیا ہے

Marfat.com

الغرض یہاں جو ہدایات دی گئیں خلاصہ یہی ہے کہ اَشْہَرُ حُرُم میں اور وہ بھی مسجد حرام اور اُس کے پاس حرم میں اے مسلمانو تم پیش دستی مت کرو۔ ہاں اگر کفار و مشرکین جنگ کی ابتداء کریں تو تم بھی ان پر اسی قدر تعدّی کرو۔ لیکن حد سے زیادہ نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اور اس کو خوب سمجھ رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے یعنی اگر تم پرہیزگاری کرو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہوگا اور تم فتح پاؤ گے۔

اب جب دفع شر و فساد کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا تو اس کے لئے ساز و سامان بھی ہونا ضروری ہے اس لئے آگے دسواں حکم جہاد فی سبیل اللہ کی ضروریات کے لئے مال خرچ کرنے کی ترغیب میں دیا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کے ہر فرد کو اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کا ذوق و شوق عطا فرمائیں۔

یا اللہ اپنے دینِ حق کو بلند کرنے کے لئے اور اپنے نام کا بول بالا کرنے کے لئے ہم سے بھی کوئی خدمت لے لے۔

یا اللہ کفار و مشرکین اور اعدائے دین جو ہمیشہ سے دین اسلام اور اہلِ اسلام کے دشمن رہے ہیں ان کی سرکوبی کے لئے اہلِ اسلام کو مادّی و روحانی طاقت عطا فرما دے اور اپنی تائید و نصرت سے اعدائے دین پر ہم کو فتح و نصرت عطا فرما دے۔

یا اللہ! ہم کو ہر حال میں حُدود و قیود شریعت مُطہرہ کی پابندی نصیب فرما اور ہمارے دین و ایمان کی ہر طرح کے فتنہ ظاہری و باطنی سے حفاظت فرما۔

یا اللہ! ہم کو تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت عطا فرما تاکہ آپ کی مَعِیَّت ہم کو نصیب ہو اور کفار و مشرکین اور اعدائے دین سے جہاد کا جذبۂ صادقہ عطا فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۹۳

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى
اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں
التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ ع ۱۵
تباہی میں مت ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنیوالوں کو

تفسیر وتشریح :- گذشتہ آیات میں جہاد وقتال کا حکم دے کر مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے دین کے دشمنوں سے لڑیں اب جنگ جہاد میں جان کی قربانی کے ساتھ مال کی قربانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس آیت میں مسلمانوں پر لازم کیا گیا کہ جہاد کے لئے بقدر ضرورت اور حسب موقعہ اپنے اموال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریں چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے :-

"اور تم لوگ جان کے ساتھ مال بھی خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور جو کام کیا کرو اچھی طرح کیا کرو مثلاً موقع جہاد پر خرچ کرنا ہے تو دل کھول کر خوشی سے اچھی نیت کے ساتھ خرچ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح نیک کام کرنے والوں کو"

اس آیت کے تین جزو ہیں :-

پہلا جزو ہے وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ جس میں جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کے علاوہ بھی دوسرے حقوق واجب ہیں مگر وہ دائمی ہیں اور نہ ان کے لئے کوئی نصاب اور مقدار متعین ہے۔ بلکہ جب اور جتنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا مسلمانوں پر فرض ہے اور جب ضرورت نہ ہو تو کچھ فرض نہیں۔ جہاد کا خرچ بھی اس میں شامل ہے جس میں اسلحہ۔ ہتھیار۔ جنگ کے آلات وسامان کا خریدنا۔ مجاہدین کے خورد ونوش کا انتظام۔ مجاہدین کے پس ماندگان کی کفالت۔ شہداء کے یتیم بچوں اور بیواؤں کی کفالت وغیرہ سب شامل ہے۔

دوسرا جزو ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ جس کے لفظی معنیٰ تو یہ ہوئے کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اب ہلاکت میں ڈالنے سے اس جگہ کیا مراد ہے اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں

(۱) ابوداؤد اور ترمذی میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہم انصار ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ ہم اس کی تفسیر خوب جانتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرما دیا تو

ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال و جائیداد کی خبر گیری کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلا دیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترکِ جہاد ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ ترکِ جہاد مسلمانوں کے لئے ہلاکت و بربادی کا سبب ہے۔ اسی لئے حضرت ابوایوب انصاریؓ نے عمر بھر جہاد میں صرف کردی۔ یہاں تک کہ آخر میں قُسطُنطُنیہ میں شہید ہو کر وہیں دفن ہوئے اکثر ائمہ تفسیر نے یہی قول اختیار کیا ہے اور اسی بناء پر یہ تفسیر کی ہے کہ خدا کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ جہاد میں جان اور مال سے بخل کرنا گویا اپنے کو تباہی و ہلاکت میں ڈالنا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر مسلمان جہاد کو چھوڑ بیٹھے تو ان کا دشمن قوی ہو کر ان پر غالب آجائے گا جو کہ عین تباہی ہے۔

۲: دوسرا قول اس جملہ سے کہ اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو یہ لیا ہے کہ اپنے اختیار سے کوئی حکم عدولی نہ کرو جو تمہاری ہلاکت کا باعث بنے۔ البتہ اگر بے قصد اور بے اختیار کوئی غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

۳: تیسرا قول یہ منقول ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس ہو جانا اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس لئے معرفت الٰہی سے مایوس ہونا حرام ہے۔

۴: چوتھا قول یہ منقول ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں۔ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ایسا اسراف جائز نہیں۔

۵: پانچواں قول یہ منقول ہے کہ ایسی صورت میں قتال کے لئے اقدام کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جب کہ یہ اندازہ ظاہر ہے کہ دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور خود ہلاک ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں اقدام قتال گویا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ سب ہی احکام اس جملہ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ج سے مستفاد ہوتے ہیں۔

تیسرا جزو آیت کا وَاَحْسِنُوْا ج اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ہے۔ (اور جو کام کیا کرو اچھی طرح کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند فرماتے ہیں۔)

اس جملہ میں ہر کام کو اچھی طرح کرنے کی ترغیب ہے، اور کام کو اچھی طرح کرنا جس کو قرآن کریم میں اِحْسَان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے دو طرح کا ہے:۔

۱:۔ ایک عبادت میں۔

۲:۔ دوسرے آپس کے معاملات و معاشرت میں۔

عبادت سے اِحْسَان کی تفسیر حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ ایسی طرح عبادت کرو جیسے کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ بات حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ اعتقاد تو لازم ہے

Marfat.com

کہ خدا تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو اِحْسَان کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں لیکن یہاں آیت میں جس احسان کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت و بندگی اس طرح کرو جیسے کہ اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگرچہ تم اس کو دیکھتے نہیں ہو مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ اس کی مزید تشریح یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جب کہ اس کا آقا اس کے سامنے موجود ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ اور ایک یہ کہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے۔ عموماً ان دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا ہے اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائف خدمت کو انجام دیتا ہے مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا۔ یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولا کے ساتھ بھی ہے جس وقت بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا مولا حاضر و ناظر ہے۔ میرے ہر کام بلکہ میری ہر حرکت اور ہر ہر سکون کو وہ دیکھ رہا ہے تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیازمندی ہو گی جو اس وقت نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا دل اس تصور اور اس خیال سے خالی ہو۔

معاملات و معاشرت میں احسان کی تفسیر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے برا سمجھتے ہو وہ دوسروں کے لئے بھی برا سمجھو۔

اب یہاں تک جہاد و قتال سے متعلق احکام بیان ہوئے۔ اس کے بعد حج سے متعلق احکام کا شروع ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ ہم کو جو یہ جان اور مال آپ نے عطا فرمایا ہے اس کو اپنی مرضیات میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ یہ جان آپ کا عطیہ ہے اس کو اپنے رستہ میں کھپانے کا عزم ہم کو نصیب فرما۔ اور یا اللہ جو مال و دولت ہم کو اس زندگی میں عطا کر رکھا ہے اس کے حقوق اپنی مرضیات کے موافق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ اور ہم کو اپنے محسنین بندوں میں شامل ہونا مقدر فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۹۴

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط
اور حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو۔

تفسیر و تشریح :- یہ ایک بڑی آیت کا صرف ایک ابتدائی جملہ ہے۔ گذشتہ آیات میں جہاد و قتال کا حکم جو نازل ہوا تھا اُن آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ احکام اُس وقت نازل ہوئے تھے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمع صحابہ کرام کے عمرہ کے لئے مکہ آنا چاہتے تھے اور کفار نے مقام حدیبیہ پر آپ کو روک دیا تھا۔ پھر اگلے سال آپ نے عمرہ ادا کیا۔ پس چونکہ حج و عمرہ کا موقع تھا تو اُس کے مانع کو دفع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے احکام حج و عمرہ کا بیان شروع فرمایا اس لئے کہ یہ بھی ایک بڑی اور خاص عبادت ہے۔ حج و عمرہ کے بارہ میں یہ سب سے اوّل آیت ہے اور پھر کلام پاک میں دیگر مقامات میں بھی اسکے احکام بیان ہوئے ہیں تو اس جملہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

"اے مسلمانو جب حج یا عمرہ کرنا ہو تو اس حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے خوش کرنے کے واسطے پُورا پُورا ادا کیا کرو یعنی افعال و شرائط بھی سب بجالاؤ اور نیت بھی خالص ثواب ہی کی ہو"

یوں تو مسلمان کے سارے کام ارادے اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی کے لئے ہونے چاہئیں لیکن یہاں حج اور عمرہ کے ساتھ اس پر خاص زور اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس میں سفر درپیش آتا ہے جس میں سیر و تفریح اور اچھی بُری بہت سی اغراض بآسانی شامل ہو سکتی ہیں اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ تمہاری اوّلین غرض اللہ کی رضا جوئی کے سوا کچھ نہ ہو۔ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ادائے فریضہ و تعمیل ارشاد کی نیت ہو۔ مگر احادیث میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت میں دُوسرے ظاہری و باطنی فتنوں کے پیدا ہونے اور پھیلنے کی اطلاع دے کر اُمت کو متنبہ فرمایا ہے اسی طرح حج کے متعلق بھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں سے مال دار لوگ صرف سیر و سیاحت اور تفریح کے لئے حج کریں گے اور متوسط طبقہ کے لوگ تجارت کے لئے اور فقراء سوال کرنے کے لئے اور قُرّاء و علماء نام و نمود کے لئے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ اس بلا سے مسلمانوں کو محفوظ رکھیں اور حج و عمرہ اور تمام دیگر فرائض و عبادات میں اخلاص نصیب فرمائیں۔

حج مثل نماز روزہ اور زکوٰۃ کے اسلام کا ایک رُکن ہے اور فرض عین ہے۔ تمام عمر میں ایک مرتبہ ہر اُس مسلمان پر فرض ہے جس کو حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہو کہ اپنے وطن سے مکہ معظمہ تک آنے جانے

Marfat.com

پر قادر ہو اور اپنے اہل و عیال کے مصارف ضروریہ واپسی تک برداشت کر سکتا ہو۔

مناسک حج اسلامی سال کے آخری مہینہ ذی الحجہ کی ۸ تاریخ سے لے کر ۱۲ یا ۱۳ ذی الحجہ تک ادا ہوتے ہیں اور عمرہ جس کو چھوٹا حج بھی کہتے ہیں اس کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں۔ وہ سال میں ہر وقت ادا ہو سکتا ہے۔ البتہ ۹، ۱۰ ذی الحجہ اور ایام تشریق یعنی ۱۱۔۱۲۔۱۳۔ ذی الحجہ میں عمرہ کرنا مکروہ ہے جو کہ حج کے ایام ہیں۔

حج کی تین قسمیں ہیں۔ ایک[1] اِفراد یعنی ایام حج میں صرف حج کی نیت سے احرام باندھنا اور صرف حج پر اکتفا کرنا۔ دوسرے[2] تمتع یعنی ایام حج میں پہلے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرنا اور اس کے بعد اسی سفر میں اسی سال حج کا احرام باندھ کر حج کرنا۔ تیسرے[3] قِران یعنی ایام حج میں حج و عمرہ دونوں کا احرام ساتھ باندھنا اور پہلے عمرہ کر کے احرام کو بدستور قائم رکھنا اور پھر اسی احرام سے حج کرنا۔ حنفیہ کے نزدیک یہ تیسری قسم حج کی سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

حج کی فرضیت کے متعلق ایک نہایت اہم اور ضروری مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال و دولت ہو گیا کہ جس سے مکہ معظمہ تک آنے جانے کا خرچ پورا ہو سکے اور اس کے سفر کے زمانہ تک کا نان و نفقہ یعنی کھانے پینے کا ضروری خرچ اپنے اہل و عیال کے لئے دے سکے اور جو شرائط حج کے ہیں وہ اس میں موجود ہوں تو حج اس پر فرض ہو جاتا ہے اور تمام زندگی حج کی فرضیت قائم رہتی ہے جب تک کہ حج ادا نہ کرے خواہ بعد میں اس کے پاس اتنا مال و دولت رہے یا نہ رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ کی نظر میں مال حاصل ہونے پر سب سے مقدم حج ہے اگر دوسری شرائط حج بھی موجود ہیں یعنی اسلام[1] حج فرض ہونے کا علم ہونا۔ بلوغ[2] عقل[3] آزاد[4] ہونا۔ استطاعت[5] و قدرت۔ حج کا وقت[6] ہونا۔ عورت[7] کے لئے محرم کا ہونا۔ اور عورت[8] کا عدت سے خالی ہونا۔ یہ آخری دو شرطیں مزید صرف عورتوں کے لئے ہیں۔

حج کی تاکید میں علماء نے لکھا ہے کہ جب حج فرض ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو بہت جلد ادا کیا جائے اور تاخیر نہ کی جائے۔ جو شخص باوجود قدرت اور استطاعت اور شرائط کے پائے جانے کے حج نہ کرے اس کے لئے حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا ظالم بادشاہ یا مرض شدید نے حج سے نہیں روکا اور اس نے حج نہ کیا اور مر گیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ خدا کی پناہ کس قدر سخت وعید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو جن پر حج فرض ہو چکا ہے اور دنیوی اغراض یا سستی کی وجہ سے بلا شرعی مجبوری کے حج ادا نہیں کرتے ان کو سورہ خاتمہ کی تنبیہ فرما رہے ہیں کیونکہ باوجود شرائط کے پائے جانے کے حج نہ کرنا اگر حج کو فرض نہ ماننے کی وجہ سے ہے تو اس کا کفر ہونا ظاہر ہے اور اگر عقیدہ تو فرضیت کا ہے اور کوئی شرعی عذر نہیں ہے لیکن سستی اور دنیوی ضروریات کی وجہ سے حج کو نہیں جاتا تو بھی یہ شخص

Marfat.com

یہود و نصاریٰ کے مشابہ ہے اور حج نہ کرنے کے لحاظ سے انہیں جیسا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اگر ہمارے دلوں میں ایمان و اسلام کی سچی قدر ہو اور اللہ تعالیٰ و رسولؐ سے کسی درجہ میں بھی تعلق اور لگاؤ ہو تو اس حدیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو سن کر کسی ایسے شخص کو حج سے محروم نہ رہنا چاہیئے جو اس کی استطاعت و قدرت رکھتا ہو۔ پھر جب کہ بہت سی احادیث میں حج اور حج کرنے والوں کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حج اور عمرہ کے لئے جانے والے اللہ تعالیٰ کے خاص مہمان ہیں۔ وہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور مغفرت مانگیں تو ان کو بخش دیتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے جو شخص حج کرے اور اس میں کوئی فحش اور بیہودہ حرکت نہ کرے اور اللہ کی نافرمانی نہ کرے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر واپس آئے گا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بالکل بے گناہ تھا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ حج جو خلوص کے ساتھ اور بالکل ٹھیک ٹھاک ادا کیا گیا ہو اور اس میں کوئی برائی اور خرابی نہ ہو تو اس کی جزا صرف جنت ہی ہے۔

حج کی برکت سے گناہوں کی معافی اور جنت کی نعمتیں جو حاصل ہوتی ہیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں ملیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی گاہ بیت اللہ شریف دیکھ کر اور مکہ معظمہ کے ان خاص مقامات پر پہنچ کر جہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اور ہمارے آقا و سردار نبی مکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں اب تک موجود ہیں ایمان والوں کو جو دولت اور لذت حاصل ہوتی ہے وہ بھی اس دنیا میں جنت ہی کی نعمت ہے۔ پھر مدینہ طیبہ میں روضۂ اقدس کی زیارت اور حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھنا (جہاں ایک نماز کا ثواب بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ ہے اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب مذکور ہے) اور براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا۔ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اور وہاں کے جنگلوں میں پھرنا اور وہاں کی ہوا میں سانس لینا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے شوق و محبت میں آنسو بہانا یہ وہ لذتیں ہیں جو حج و عمرہ کرنے والوں کو مکہ و مدینہ پہنچ کر نقد حاصل ہوتی ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اس قابل بنا دے کہ ان لذتوں کو بندہ محسوس کر سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیوں میں حج و عمرہ کی دولت اپنی تمام فضیلتوں اور برکتوں کے ساتھ نصیب فرمائیں اور بار بار نصیب فرمائیں۔ آمین۔

حج کی عبادت وہ قدیم عبادت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نبی اور پیغمبر نے حج کیا ہے۔ سب سے پہلے جب آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے جا کر حج کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتے اس بیت اللہ کا طواف تم سے سات ہزار سال

پہلے سے کرتے ہیں۔ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس حج کئے۔ (معلم الحجاج)

الغرض امتِ محمدیہ کے لئے ان مقامات کی زیارت اس وجہ سے بھی خاص طور سے قابلِ اہتمام اور حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا حاصل ہونے کا ذریعہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن ہے اور دینی حیثیت سے اس جگہ کو مرکزی شان حاصل ہے۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ اس کی زیارت وطواف اور وہاں نماز کا ادا کرنا گویا دربار خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔ مسجد حرام جس میں بیت اللہ واقع ہے تمام مساجد سے افضل ہے جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ مسجد حرام کی صرف ایک دن کی پانچ نمازوں کا جماعت کے ساتھ (جس میں ثواب ۲۷ گنا بڑھ جاتا ہے) اگر حساب لگایا جائے تو ایک کروڑ پینتیس لاکھ نمازوں کے برابر ہوتی ہیں جب کہ کسی کی عمر ایک ہزار سال ہو تو اس کی نمازوں کی تعداد صرف اٹھارہ لاکھ نمازیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی کی عمر حضرت نوح علیہ السلام کے برابر بھی ہو تو مسجد الحرام کی صرف ایک نماز با جماعت اس کی تمام عمر کی نمازوں سے افضل ہوگی۔ اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس ارض مقدس کی برکتوں اور رحمتوں کا۔

الغرض آیت کے اس جملہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے خوش کرنے کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو یعنی افعال و شرائط بھی سب بجالاؤ اور نیت بھی خالص ثواب اور اللہ کی خوشنودی ہی کی ہو۔

آیت کے بقیہ حصہ کا بیان جس میں مزید احکام و مسائل حج کا ذکر فرمایا گیا ہے انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا +

دُعا کیجئے:-

یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو آپ نے حج و عمرہ جیسی نعمتوں سے نوازا۔

اے اللہ اس درس قرآن کے ہر پڑھنے اور سننے والے کو اپنی زندگی میں حج بیت اللہ و زیارت روضۂ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہونا نصیب فرما۔

یا اللہ جن کو یہ سعادت آپ کے فضل و کرم سے نصیب ہو چکی ہے ان کو بھر بار بار اپنے گھر کی حاضری اور اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در پر حاضری کی سعادت نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۹۵

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا

پھر اگر (حج و عمرہ کے پورا کرنے سے) روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور (ذبح کرے) جو کچھ میسر ہو اور اپنے سروں کو

رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ

اسوقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جاوے - البتہ اگر کوئی

مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ

تم میں سے بیمار ہو یا اُس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو فدیہ دے دے

صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ

روزہ سے یا خیرات دے دینے سے یا ذبح کر دینے سے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو تو جو شخص

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

عمرہ سے اُس کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو تو جو کچھ قربانی میسر ہو (ذبح کرے)

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ

پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو تین دن کے روزہ ہیں حج میں اور سات ہیں

إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ

جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجائے۔ یہ پورے دس ہوئے - یہ اس شخص کے لئے ہے

يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

جس کے اہل مسجد حرام کے قرب میں نہ رہتے ہوں - اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ ع ۲۴ ۸ ۸

اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سزائے سخت دیتے ہیں -

تفسیر و تشریح :- اس آیت کے پہلے جملہ میں جس کا بیان گذشتہ درس میں ہو چکا - اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا تھا کہ حج اور عمرہ کو اللہ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو - یعنی اس عبادت کو بجالانے میں مقصود پیش نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی ہونی چاہیئے - یہ آیت چونکہ واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے جو

Marfat.com

۶ھ ہجری میں واقع ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی صحابہ کرام رضؓ نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا اور کفار مکہ نے مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر احرام باندھنے کے بعد کوئی مجبوری اور معذوری پیش آجائے اور حج و عمرہ ادا نہ کر سکیں تو کیا کریں؟ چنانچہ آیت میں مُحصَر کا حکم بتلایا جاتا ہے۔ مُحصَر اُسے کہتے ہیں جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو مگر کسی مجبوری سے پورا نہ کر سکا ہو مثلاً بیماری کی وجہ سے احرام باندھ لینے کے بعد بیت اللہ نہ پہنچ سکے یا کسی دشمن نے راستہ روک لیا یا کوئی موسمی اور دوسری رکاوٹ حائل ہو گئی ہو۔ پس آیت میں ارشاد ہوتا ہے —

"پھر اگر کسی دشمن کی جانب سے یا کسی مرض کے سبب سے حج و عمرہ کے پورا کرنے سے روک دیئے جاؤ تو اس حالت میں یہ حکم ہے کہ قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو ذبح کرے اور حج و عمرہ کی جو وضع اختیار کر رکھی تھی موقوف کرے (اس کو احرام کھولنا کہتے ہیں جس کا طریقہ شرع میں سر منڈانا ہے اور بال کٹا دینے کا بھی یہی اثر ہے) اور اپنے سروں کو احرام کھولنے کی غرض سے اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ وہ قربانی کا جانور جس کے ذبح کا اس حالت میں حکم تھا اپنے موقع پر نہ پہنچ جاوے۔ اور وہ موقع حرم ہے (کہ قربانی کا جانور وہاں اگر خود نہ جا سکے تو کسی کے ذریعہ بھیجا جاوے اور ذبح کیا جاوے یعنی جب تک یہ جانور حرم میں نہ پہنچے اور وہاں اسکی قربانی نہ کر دی جائے اس وقت تک یہ رُکا ہوا شخص یعنی مُحصَر سر نہیں منڈا سکتا اور احرام نہیں کھول سکتا۔ اس عام حکم میں معذور اور مریض کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک رعایت مقرر فرمائی اور ارشاد ہوتا ہے) — البتہ اگر کوئی تم میں سے کچھ بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ زخم یا درد یا جوؤں وغیرہ کی تکلیف ہو اور اس بیماری یا تکلیف کی وجہ سے پہلے ہی سر منڈانے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کو اجازت ہے کہ وہ سر منڈا کر فدیہ یعنی اس کا شرعی بدلہ دے دے خواہ تین روزے یا چھ مسکینوں کو فی مسکین صدقہ فطر کی برابر یعنی نصف صاع گیہوں خیرات کے طور پر دے دینے سے یا اقل درجہ ایک بکری ذبح کر دینے سے۔"

یہ تو مُحصَر اور مریض کے احکام متعلق حج و عمرہ بیان فرمائے گئے اور آیت کے اس حصہ سے متعلق حسب ذیل مسائل ہیں جو فقہ حنفی کے مطابق ہیں:—

۱:۔ جس شخص کو استطاعت ہو اس پر تو حج ابتداءً ہی فرض ہے اور جس شخص کو استطاعت نہ ہو اور وہ شروع کر دے یعنی احرام باندھ لے تو اس پر پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اور عمرہ کرنا فرض و واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے البتہ عمرہ شروع کر دینے سے یعنی جب عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اس کا بھی پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے (بیان القرآن)

۲:۔ اگر حج و عمرہ کسی عذر سے پورا نہ کر سکے خواہ راہ میں بدامنی ہو گئی یا بیماری نے مجبور کر دیا تو ایسے شخص

Marfat.com

کرچاہیئے کہ کسی معتبر شخص سے کہہ دے کہ فلاں تاریخ میں حدِ حرم کے اندر میری طرف سے ایک جانور کہ اقل درجہ ایک بکری ہے۔ اور قِران و تمتع میں جن کا ذکر آگے آتا ہے دو بکری ذبح کر دینا اور جب وہ تاریخ آئے اور گمان غالب ہو کہ اب جانور حدِ حرم میں ذبح ہو گیا ہو گا تو سر منڈا دے یا بال کٹا دے۔ اس سے احرام کھل جاوے گا۔ اور جو امور احرام باندھنے سے ممنوع ہو گئے تھے سب درست ہو جاویں گے۔ پھر اس حج یا عمرہ کو قضا کرنا پڑے گا۔ (بیان القرآن)

۳:۔ سر منڈانے کا حکم یا تمام بال کتروانے کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کے لئے نہیں عورت کو سر منڈانا حرام ہے وہ صرف ایک انگل بال کاٹ ڈالے (بیان القرآن)

۴:۔ اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا اور اس کو پورا کرنے سے مجبوری نہیں ہوئی یا نہیں رہی لیکن اور کسی عذر یا بیماری یا تکلیف سے سر منڈانے کی ضرورت پڑی تو اُس کو تین باتوں کا برابر اختیار ہے:۔

۱۔ خواہ سر منڈا کر تین روزہ رکھ لے۔

۲۔ خواہ چھ مسکینوں کو۔ ہر ہر مسکین کو بقدر صدقہ فطر غلہ، گیہوں یا جَو دے دے اور ایک مسکین کو ایک ہی حصّہ دینا چاہیئے۔ اگر ایک مسکین کو دو حصّہ دیئے تو ایک ہی شمار ہو گا۔

۳۔ یا ایک بکری ذبح کر کے مسکینوں کو تقسیم کر دے۔

اور ذبح کے لئے تو حدِ حرم معیّن ہے اور روزہ و صدقہ کے لئے معیّن نہیں (بیان القرآن)

مذکورۂ بالا احکام مُحْصَر کے متعلق بیان ہوئے یعنی جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو مگر کسی مجبوری و معذوری سے پورا نہ کر سکا ہو اور یا مریض ہو اور کسی تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا چاہتا ہو۔ آگے آیت میں اُن کی حالت میں حج و عمرہ کی قربانی کے بعض مسائل کا ذکر فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:۔

"پھر جب تم اَمن کی حالت میں ہو (خواہ تو پہلے ہی سے کوئی خوف و مزاحمت پیش نہیں آیا یا ہو کر جاتا رہا) تو اس صورت میں حج و عمرہ کے متعلق قربانی کرنا ہر ایک کے ذمہ نہیں ہے بلکہ خاص جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو یعنی ایامِ حج میں عمرہ بھی کیا ہو تو اس کو ضرور ہے کہ جو کچھ قربانی میسّر ہو ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ کیا ہو یا صرف حج کیا ہو اس پر حج یا عمرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں۔ پھر ایامِ حج میں حج و عمرہ کو جمع کرنے والوں میں سے جس شخص کو قربانی کا جانور میسّر نہ ہو مثلاً غریب ہے تو اُس کے ذمہ بجائے قربانی کے تین دن کے روزے ہیں ایامِ حج میں (کہ آخر ان ایام کا نویں تاریخ ذی الحجہ کی ہے) اور سات دن کے ہیں جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجاوے یعنی حج کر چکو خواہ لوٹنا ہو یا کہ وہاں رہنا ہو۔ یہ پورے دس دن کے روزے ہوئے اور یہ بھی

یاد رکھو کہ ابھی جو حج وعمرہ کے ملانے کا ذکر ہوا ہے یہ ملانا ہر ایک کو درست نہیں بلکہ خاص اس شخص کے لئے درست ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام یعنی کعبہ کے قرب ونواح میں نہ رہتے ہوں یعنی حرم کا وطن دار نہ ہو اور ان سب احکام کی بجاآوری میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ کسی امر میں خلاف نہ ہو جاوے اور خوب جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے والوں کو سزائے سخت دیتے ہیں"۔

آیت کے اس حصّہ سے متعلق فقہ حنفی میں حسب ذیل مسائل ہیں:-

۱:- حج کی تین قسمیں ثابت ہوئیں - اوّل اِفراد یعنی ایام حج میں صرف حج کیا جائے - دوم تمتّع یعنی ایام حج میں پہلے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرے اور پھر دوبارہ حج کا احرام باندھ کر حج کرے سوم قِران یعنی ایام حج میں عمرہ وحج دونوں کی نیت سے احرام باندھے اور ایک ہی احرام سے پہلے عمرہ پھر حج کرے -

۲:- تمتّع اور قِران میں ایک جانور ذبح کرنا ایام قربانی میں حدِ حرم کے اندر واجب ہوتا ہے - اِفراد میں قربانی واجب نہیں

۳:- تمتع وقِران میں جس کو قربانی کا مقدور نہ ہو تو اس کے عوض میں دس روزے رکھنے ضروری ہیں - تین روزے تو دسویں ذی الحجہ سے پہلے ختم کر دے اور جب حج کر چکے سات اس وقت رکھ لے - خواہ وطن آکر رکھ لے یا وہاں ہی رکھ لے اور اگر دسویں ذی الحجہ سے پہلے تین روزے نہ رکھ سکا تو پھر قربانی ہی کرنا واجب ہے -

۴:- اِفراد حج ہر شخص کو جائز ہے - تمتع اور قِران صرف اُن لوگوں کو جائز ہے جو میقات کے حدود سے باہر رہتے ہوں - میقات اُن معیّن مقامات کو کہتے ہیں کہ جہاں سے مکہ معظمہ کو جانے والے کے لئے احرام باندھنا حج یا عمرہ کے لئے واجب ہے - (بیان القرآن)

آیت میں احکامِ حج بیان فرما کر اخیر میں وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ فرما کر یہ تنبیہ مقصود ہے کہ احکامِ الٰہی کی پابندی رکھو - خلاف ورزی نہ کرو - اگر خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب سخت ہے - وہ سخت سزا دے گا - اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے جملہ احکام کی تعمیل اپنی رضا کے ساتھ نصیب فرمائیں - ابھی حج سے متعلق مسائل واحکام کا سلسلہ بیان جاری ہے جسکا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا -

دُعا کیجئے:-

یا اللہ اپنے فضل وکرم سے ہم میں سے ہر ایک کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرما - اور اپنے جملہ احکام کی پابندی کی ہر حال میں توفیق فرما - آمین -

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ -

Marfat.com

درس ۹۶

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ

حج کے چند مہینہ ہیں جو معلوم ہیں سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا

تو پھر نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی بے حکمی ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے - اور جو

تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے - اور خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

بڑی بات خرچ میں بچا رہنا ہے (سوال اور گداگری سے) اور اے ذی عقل لوگو مجھ سے ڈرتے رہو -

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں بتلایا گیا تھا کہ جو کوئی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اس پر لازم آتا ہے کہ اس کے احکام پورے ادا کرے اور اگر کسی دشمن یا مرض یا کسی مجبوری و معذوری کی وجہ سے بیت اللہ تک نہ پہنچ سکے تو پھر احرام سے حلال ہونے کا طریقہ بتلایا گیا تھا - اب حج و عمرہ میں عمرہ ادا کرنے کے لئے تو کوئی وقت - تاریخ یا مہینہ معین نہیں لیکن حج کے لئے وقت معین ہے - حج کے مہینے اس کے افعال و اعمال کے لئے خاص تاریخیں اور اوقات مقرر ہیں - نیز حج عمرہ سے افضل ہے - اس لئے آگے اس آیت میں اور آئندہ آیات میں حج کے مہینے - اس کے اوقات و آداب کا ذکر فرمایا جاتا ہے - چنانچہ اس آیت میں پہلے زمانۂ حج کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :-

"زمانۂ افعال حج کا چند مہینے ہیں جو مشہور و معلوم ہیں یعنی پورا ماہ شوال - پورا ماہ ذیقعدہ اور دس تاریخیں ماہ ذی الحجہ کی"

عرب میں جاہلیت سے لے کر زمانۂ اسلام تک یہی مہینے حج کے مقرر رہے ہیں اور شوال سے حج کے مہینے شروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں - بعض ائمہ کے نزدیک تو قبل شوال کے احرام سے حج کی ادائیگی نہیں ہو سکتی - لیکن ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس احرام سے حج تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا - تو شروع آیت میں یہ بتلا دیا کہ حج کا معاملہ عمرہ کی طرح نہیں - حج کے لئے کچھ مہینے مقرر ہیں جو معروف و مشہور ہیں یعنی یکم شوال سے دس ذی الحجہ تک کا زمانہ -

آگے حج کا احرام باندھنے والے کے لئے کچھ منفی آداب و احکام کا بیان فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے :-

"سو جو شخص اِن ایام میں اپنے ذمہ حج مقرر کرلے کہ حج کا احرام باندھ لے تو پھر اس شخص کو زکرئ فحش بات جائز ہے۔ نہ کوئ بے حکمی درست ہے۔ اور نہ کسی قسم کا نزاع و تکرار زیبا ہے بلکہ اس کو چاہیئے کہ ہر وقت نیک ہی کاموں میں لگا رہے اور جو نیک کام کروگے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے سو اس کا ثمرہ تم کو عنایت ہوگا"

یہاں حالتِ احرام میں جن امور سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ وہ تین چیزیں فرمائی گئی ہیں۔ ایک رَفَثَ دوسرے فُسُوق۔ تیسرے جِدَال۔ اب ہر ایک کی مختصر تشریح حسبِ ذیل ہے:۔

رَفَثَ ایک جامع لفظ ہے۔ اس میں عورتوں سے اختلاط کرنا۔ عورتوں سے بے پردہ ہونا۔ عورتوں کی طرف رغبت کرنا اور زبان سے عورت کے ساتھ بے حجابی کی کھلی گفتگو کرنا یہ سب شامل ہیں۔ گویا مُحرِم یعنی احرام باندھنے والے کو یہ سب باتیں حرام اور ممنوع ہیں۔

فُسُوق کے مطلب عدول حکمی نافرمانی کے ہیں جو اپنے عام معنیٰ کے اعتبار سے تمام گناہوں کو شامل ہے۔ مگر بعض مفسرین نے اس جگہ فُسُوق سے وہ خاص کام جو حالتِ احرام میں ممنوع و ناجائز ہیں مراد لئے ہیں یعنی وہ چیزیں جو حلال سے تو گناہ نہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں۔ وہ چھ چیزیں ہیں جن کو محظوراتِ احرام کہتے ہیں:۔

اوّل بی بی کے ساتھ مباشرت اور اس کے تمام متعلقات۔ دوسرے خوشبو استعمال کرنا۔ تیسرے بدن سے بال دُور کرنا یا ناخن کاٹنا۔ چوتھے بری یعنی خشکی کے جانور کو شکار کرنا۔ پانچواں سلے ہوئے کپڑے پہننا (یہ صرف مَردوں کے لئے خاص ہے) چھٹے سر اور چہرہ کو ڈھانکنا۔ سر کا ڈھانکنا صرف مردوں کے لئے ممنوع ہے عورتوں کے لئے نہیں۔ چہرہ کا ڈھانپنا حالتِ احرام میں عورتوں کے لئے بھی ممنوع ہے۔

جِدَال جھگڑے۔ تکرار اور سخت قسم کے نزاع کو کہتے ہیں۔ باہم لڑائی۔ جھگڑا اور فسوق و گناہ ہر جگہ اور ہر حال میں مذموم اور بُرا ہے لیکن حالتِ احرام میں اس کا گناہ اور زیادہ شدید ہو جاتا ہے اور سفر حج میں رفقاءِ سفر اور دوسرے لوگوں سے جگہ کی تنگی اور دوسرے متعدد اسباب کی بنا۔ پر لڑائی جھگڑے کی نوبت آسکتی ہے اس لئے لَا جِدَالَ کا حکم حج کے سلسلہ میں خاص طور پر دیا گیا۔

الغرض اس جگہ رَفَثَ۔ فُسُوق اور جِدَال کے روکنے کے لئے اُن کی حُرمت کو بیان فرمایا گیا اور یہی تینوں چیزیں ہیں کہ حج کے موقع پر ان تینوں چیزوں میں ابتلا کے مواقع بہت پیش آتے ہیں اس لئے متنبہ فرما دیا گیا کہ زمانۂ حج میں ان افعال کی کوئی گنجائش نہیں۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب اس زمانہ میں ایسا حج کہ جو رفث فسوق اور جدال سے بالکل پاک ہو خال خال اللہ کے چند اور مخصوص بندوں ہی کو نصیب ہوتا ہوگا ورنہ فسوق و جدال تو عام حاجیوں میں اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں اپنے احکام کی عظمت عطا فرمائیں تاکہ ہم کو جملہ امور میں احکامِ خداوندی کی پابندی نصیب ہو۔ آمین۔

ممنوعات احرام بیان فرمانے کے بعد ہدایت دی گئی کہ حج کے مبارک ایام اور مقدس مقامات میں تو صرف یہی نہیں کہ ممنوعاتِ احرام اور گناہوں سے بچو بلکہ موقع غنیمت جان کر عبادت۔ ذکر اللہ۔ اور نیک کاموں میں لگے رہو اور جو بھی کوئی نیک کام کرے گا وہ اللہ کے علم میں ہے اور اس پر بہت کچھ اجر و ثواب عطا فرمائیگے۔

آگے ایک اور ہدایت حج کرنے والوں کو دی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور حج کو جب جانے لگو تو خرچ ضرور ساتھ لے لیا کرو۔ سب سے بڑی بات اور خوبی خرچ میں گداگری سے بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو ان احکام کی تعمیل میں مجھ سے ڈرتے رہو یعنی کسی حکم کے خلاف مت کرو" اس میں ان لوگوں کی اصلاح ہے جو حج و عمرہ کے لئے اپنے وطن سے بغیر ضروری زادِ راہ کے بے سروسامانی کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے ہیں اور دعوٰی یہ کرتے ہیں کہ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ پھر راستہ میں حوائج سے مجبور ہو کر سوال کے لئے دست دراز کرنا پڑتا ہے یا بھیک مانگنا پڑتی ہے اور خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں اور اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالتے ہیں۔ ان کی ہدایت کے لئے حکم ہوا کہ سفر حج کے لئے ضروریاتِ سفر اور زادِ راہ ساتھ لے لینا چاہیئے۔ یہ توکل کے منافی نہیں بلکہ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے اسباب و وسائل کو اپنی مقدور کے موافق حاصل کرے اور پھر اللہ پر توکل اور بھروسہ کرے۔ ترک اسباب کا نام توکل نہیں۔

آیت کے اخیر میں یہاں پھر اللہ سے ڈرتے رہنے اور تقوٰی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم بار بار قرآنِ کریم میں آیا ہے۔ خواہ حلال و حرام کے مسائل کا ذکر ہو۔ یا نکاح و طلاق کے احکام ہوں۔ یا جہاد و قتال کا بیان ہو۔ یا وصیت و ورثہ کی تقسیم کا ذکر ہو۔ یا باہمی معاشرت اور میل جول کے اصول کا ذکر ہو۔ یا یتیم مسکین کے مال و دولت کے قوانین بتلائے جاتے ہوں۔ یا قصاص کا حکم بتلایا جاتا ہو۔ یا عبادات روزہ و حج عمرہ کا ذکر ہو۔ ہر جگہ تقوٰی یعنی اللہ سے ڈرتے رہنا اور پرہیزگاری و تقوٰی اختیار کرنے کا سبق اس کے ساتھ ضرور ملتا ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان خواہ زندگی کے کسی میدان میں سرگرم عمل ہو اس کو ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کے احکام اور اس کے حضور حاضری پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور اللہ کا ہر حکم پورے خلوص دیانتداری اور اطاعت سے بجالانا چاہیئے۔ خواہ وہ حقوق العباد سے متعلق ہوں یا حقوق اللہ سے متعلق ہوں۔ ابھی حج ہی سے متعلق احکام کا سلسلہ اگلی آیات میں بھی جاری ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجیئے:۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم میں سے ہر ایک کو حج و عمرہ کی دولت سے نوازیں۔ اور اپنی رضا کے لئے ہم کو جملہ اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جملہ عبادات میں ہم کو خلوص عطا فرمائیں۔ اور ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے ہر حال میں ہم کو بچنے کا عزم و ہمت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۹۷

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے -

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ

پھر جب تم عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس خدا تعالیٰ کی یاد کرو

الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے - اور حقیقت میں قبل اس کے

لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

تم محض ناواقف ہی تھے -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ سے حج کے سلسلہ کے احکام و مسائل کا ذکر ہو رہا ہے - اسی سلسلہ میں چند مزید ہدایات حج ہی سے متعلق اس آیت میں دی جاتی ہیں - چنانچہ پہلی ہدایت اس آیت میں ارشاد ہے :-
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سفر حج میں تجارت یا مزدوری کے ذریعہ کچھ روزی کما لو اور اللہ کا دیا ہوا رزق حاصل کر لو -

اس حکم کے شانِ نزول کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین عرب نے جس طرح تمام عبادات و معاملات کو مسخ کر کے طرح طرح کی بیہودہ رسمیں قائم کر لی تھیں اور عبادات کو کھیل تماشا بنا لیا تھا اسی طرح حج میں بھی طرح طرح کی بیہودگیاں کرتے تھے - ایام حج میں منیٰ میں جب جمع ہوتے تو اُن کے خاص خاص بازار لگتے تھے - نمائشیں ہوتی تھیں - اور حج کے موسم میں خوب تجارت ہوا کرتی تھی - جب اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا تو ایام جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں کو ختم کیا گیا - صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اسلام کے شیدائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات پر مر مٹنے والے تھے ان کو حج کے سلسلہ میں یہ خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت کرنا یا مزدوری کر کے کچھ کما لینا یہ بھی جاہلیت کی پیداوار ہے اس لئے شاید اسلام میں اس کی قطعاً اجازت نہ ہو - یہاں تک کہ ایک صاحب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور یہ سوال کیا کہ ہمارا پیشہ پہلے سے یہ ہے کہ ہم اونٹ کرایہ پر چلاتے ہیں - کچھ لوگ ہمارے اونٹ حج کے لئے کرایہ پر لے جاتے ہیں ہم ان کے ساتھ جاتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں - تو کیا اس طرح روزی کمانے کے ساتھ کیا ہمارا حج ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ سے

سوال کیا تھا جو تم مجھ سے کر رہے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اس وقت کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ حکم نازل ہوا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ تمہارا حج صحیح ہے۔

الغرض اس حکم میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ اگر کوئی شخص دوران حج میں کوئی خرید و فروخت یا مزدوری یا تجارت کر کے کچھ نفع اٹھا لے یا کچھ کما لے تو اس میں کوئی گناہ نہیں گویا یہ اجازت کے درجہ میں ہے اور ایسی کمائی میں کوئی گناہ نہیں تاہم ان الفاظ سے اشارہ اس طرف ہے کہ اگرچہ ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں مگر اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اخلاص کامل میں فرق آتا ہے۔ اور حقیقت مسئلہ کی یہ ہے جیسا کہ علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اس کا مدار اصل نیت پر ہے۔ اگر کسی شخص کی نیت میں اصل میں دنیوی نفع۔ تجارت یا مزدوری ہے اور ضمنی طور پر حج کا بھی قصد کر لیا یا نفع تجارت اور قصد حج دونوں مساوی صورت میں ہیں تو یہ اخلاص کے خلاف ہے۔ حج کا ثواب اس سے کم ہو جائے گا اور برکات و ثمراتِ حج جیسے حاصل ہونے چاہئیں وہ حاصل نہ ہوں گے اور اگر اصل نیت حج کی ہے۔ اسی کے شوق میں گھر سے نکلا ہے لیکن مصارف حج یا ضروریات میں کچھ تنگی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی مزدوری یا اجرت پر کام کر لیا یا کوئی معمولی تجارت کر لی تو یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں مگر علماء نے لکھا ہے کہ اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص اُن پانچ ایام حج میں جس میں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں ان میں کوئی مشغلہ تجارت وغیرہ کا نہ رکھے بلکہ ان ایام کو خالص عبادت و ذکر الٰہی میں گذارے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے خاص اُن پانچ ایام حج میں تجارت و مزدوری کو ممنوع بھی فرمایا ہے۔

یہاں فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فرما کر یہ بھی بتلا دیا کہ جو رزق یا فائدہ تمہیں حاصل ہوتا ہے یہ محض اپنی ذاتی کوشش یا محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ اپنی رحمت سے تمہیں دیتا ہے۔ اس لئے تجارت یا کاروبار کرتے وقت بھی اس بات کی طرف نظر رکھنا چاہیئے کہ جو نفع یا فائدہ ہمیں ملتا ہے وہ دراصل اللہ کی طرف سے ہے۔ حج کے سلسلہ میں ایک ہدایت تو یہ ہوئی۔ آگے دوسری ہدایت ارشاد ہے:۔

فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۝

یعنی پھر جب تم عرفات میں ٹھہر کر وہاں سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس یعنی مزدلفہ میں آ کر شب کو وہاں قیام کر کے خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور یاد کرنے کے طریقہ میں اپنی رائے کو دخل مت دو بلکہ اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے بتلا رکھا ہے اور حقیقت میں قبل اس بتلانے کے تم محض ناواقف ہی تھے۔

Marfat.com

تو یہاں احکامِ حج کے سلسلہ میں بتلایا گیا کہ عرفات سے واپسی میں رات کو مُزدلفہ میں قیام اور اُس کا خاص ذکر واجب ہیں۔ عرفات مکہ معظمہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک بڑا وسیع میدان ہے یہ میدان حدود حرم سے خارج واقع ہوا ہے۔ حجاج کو اس میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو پہنچنا اور زوالِ آفتاب سے مغرب تک یہاں قیام کرنا حج میں حج کا اہم ترین فرض ہے۔ جس کے فوت ہونے کا کوئی کفارہ اور فدیہ نہیں ہو سکتا۔ اس میدانِ عرفات میں ایک پہاڑی بھی واقع ہے جس کا نام جبلِ رحمت ہے۔ اس کے نیچے ایک طرف بڑے بڑے سیاہ پتھر ہیں جن کے نزدیک حج الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے تھے۔ تمام سال یہ میدان عرفات بالکل سنسان پڑا رہتا ہے مگر ۹ ذی الحجہ کو حاجیوں کی آمد سے لاکھوں نفوس کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ عازمین حج ۸ ذی الحجہ کی دوپہر تک مکہ معظمہ سے منیٰ آجاتے ہیں۔ منیٰ حدودِ حرم میں مکہ معظمہ سے تقریباً تین میل دُور ہے۔ پانچ نمازیں یعنی ۸ ذی الحجہ کی ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا اور ۹ ذی الحجہ کی فجر کی نماز منیٰ میں ادا کی جاتی ہیں۔ ۹ ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب کے بعد سے منیٰ سے عرفات کو روانہ ہو جاتے ہیں اور قبل از زوال عرفات کے میدان میں پہنچ جاتے ہیں اور سورج غروب ہونے تک یہاں قیام کرتے ہیں۔ عرفات کے میدان میں قیام کا یہ سارا وقت تلاوت قرآن۔ ذکر الٰہی۔ حمد و ثنا۔ تسبیح و تحمید۔ درود شریف۔ توبہ۔ استغفار۔ عاجزانہ گریہ زاری۔ انکساری اور دُعاؤں کے مانگنے میں گذارا جاتا ہے اور غروب آفتاب تک یہ میدان اللہ کی رحمتوں کا خاص مظہر بنا رہتا ہے۔ سورج کے غروب ہوتے ہی اس میدان کو چھوڑ دینے کا حکم ہے بغیر نماز مغرب پڑھے ہوئے۔ نماز مغرب عرفات میں پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ مغرب و عشار کی نمازیں مُزدلفہ پہنچکر عشار کے وقت اکھٹا ادا کی جاتی ہیں۔ اسی مزدلفہ کو جو حدود حرم میں ہے اور مکہ معظمہ سے قریب ۶ میل کے فاصلہ پر ہے مَشْعَرِ الْحَرَامْ بھی کہتے ہیں جس کا ذکر یہاں آیت میں آیا ہے مَشْعَرْ کے معنی شعار اور علامت کے ہیں اور حرام بمعنی محترم و مقدس کے ہے۔ اس مُزدلفہ کے میدان میں حجاج کو رات گذارنا اور مغرب و عشار کی دونوں نمازوں کو ایک ساتھ مزدلفہ میں پڑھنا واجب ہے۔ حجاج کے لئے یہ مزدلفہ کی رات شب قدر کی رات سے کم افضل نہیں۔ حجاج کے قافلے رات اسی مزدلفہ میں گذارتے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ ہمت اور توفیق عطا فرماتے ہیں وہ یہ ساری رات عبادت۔ توبہ۔ استغفار ذکر الٰہی اور دُعاؤں میں گذارتے ہیں اور صبح صادق کے بعد نماز فجر مزدلفہ میں ادا کر کے قریب طلوع شمس کے تمام حجاج منیٰ کی واپسی کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ مُزدلفہ میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا جیسا کہ آیت میں حکم ہے ہر طرح کے ذکر اللہ کو شامل ہے مگر خصوصیت سے دونوں نمازوں یعنی مغرب اور عشار کو ایک ساتھ ادا کرنا اس جگہ کی مخصوص عبادت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت میں وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد اور ذکر کے لئے جو طریقہ بتلایا ہے اسی طرح اس کو یاد کرو

یعنی اپنی رائے اور قیاس کو دخل نہ دو مثلاً رائے اور قیاس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ مغرب کی نماز مغرب کے وقت میں پڑھی جائے اور عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں لیکن اس روز اور اس مقام پر حق تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور یہی پسند ہے کہ مغرب کی نماز مؤخر کی جائے اور اس کو عشاء کے ساتھ پڑھا جائے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت کے خاص آداب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے اور سکھلائے ہیں۔ ان طریقوں کو چھوڑ کر اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ لینا اور نئی صورتیں قائم کر لینا سخت گناہ ہے۔ دنیا اور دنیا والوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کا سب سے بڑا حملہ یہی رہا ہے کہ انہیں حقیقی راہِ عبادت سے ہٹا کر من گھڑت طریقوں میں اُلجھا دیتا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ بے شمار رسموں اور غلط عقیدوں میں مبتلا تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اُن کے لئے اپنے بنائے ہوئے مخصوص طریقے اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہو سکتے ہیں لیکن قرآن کریم کی اس آیت نے پوری طرح اُن غلط فہمیوں کی تردید کر دی اور یہ فرما کر وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ اور بے شک اس سے پہلے تم ناواقف تھے۔ قرآن کریم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جب تک انسان اللہ کی دی ہوئی روشنی اور ہدایت سے کام نہ لے اور اس کی بھیجی ہوئی وحی کو مشعلِ راہ نہ بنائے اور اس کی نازل کی ہوئی تعلیم کو بنیادِ عمل نہ ٹھیرائے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں کو نہ اپنائے وہ ناواقف اور بھٹکتا ہی رہے گا۔ اور اپنی طرف سے کیسا ہی زور لگا کر کیسے ہی طریقے عبادت کے رائج کر لے لیکن یہ سب باتیں گمراہی ہی کی طرف لے جائیں گی۔ اصل طریقہ عبادت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بتلایا ہے۔ اس لئے منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے صحیح ترین رہنمائی "کتاب" اور "سنت" ہی میں مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ خود ساختہ تدبیریں سب ناقص اور گمراہی کا باعث ہوں گی۔

آیت مذکورہ کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ اعظم پاکستان نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے:۔

"اس ارشاد قرآنی وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ سے ایک اور بھی اصولی مسئلہ نکل آیا کہ ذکر اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں ان ہی کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور اس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا خواہ اس میں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو سو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ نفلی عبادات اور صدقہ خیرات وغیرہ میں جو لوگ بلا دلیل شرعی اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اور اضافے کر لیتے ہیں

اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا۔ اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطاوار سمجھتے ہیں اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا کہ وہ اہل جاہلیت کی سی عبادت ہے کہ اپنی رائے اور قیاس سے عبادت کی صورتیں گھڑ رکھی تھیں اور چند رسموں کا نام عبادت رکھ لیا تھا۔"

اسی سلسلہ میں آگے حج سے متعلق بعض رسومات جاہلیت کی اصلاح فرمائی جاتی ہے اور بعض دیگر مسائل و احکام حج کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا جاتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ حج بیت اللہ کا شرف ہم سب کو زندگی میں نصیب فرمائیں اور عرفات کا وقوف اور مشعرِ حرام کا قیام نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں ہر عبادت میں اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور بدعات اور رسوم غیر شرعیہ سے بالکلیہ بچائیے۔

یا اللہ آپ نے جو ہدایت قرآنِ کریم اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ دنیا میں اُتاری ہے ہمارے دلوں کو اُس ہدایت سے منوّر فرما۔ اور ہم کو اُس صراطِ مستقیم پر استقامت عطا فرما۔

یا اللہ! ہم کو ہر حال میں "کتاب" اور "سُنّت" کی پیروی نصیب فرما اور مجاہدۂ عبادات میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اتباع کی توفیق عطا فرما۔ اور ہر طرح کی خود رائی، کجی اور گمراہی سے ہمارے دین و ایمان کی حفاظت فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۹۸

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ

پھر تم سبکو ضرور ہے کہ اُسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر واپس آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے اور مہربانی فرمادیں گے۔ پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ

تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے بڑھ کر ہو ۔ سو بعضے

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ

آدمی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں دے دیجئے اور ایسے شخص کو آخرت میں

مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا

کوئی حصہ نہ ملے گا ۔ اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی

حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ

ایسے لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا بدولت اُن کے اس عمل کے ۔ اور اللہ تعالیٰ جلد ہی

الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

حساب لینے والے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ

پھر جو شخص دو دن میں تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص

تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

Marfat.com

تفسیر و تشریح :- گذشتہ سے حج کے مسائل و احکام کا سلسلہ چل رہا ہے۔ حج کی عبادت عربوں میں قدیم زمانہ سے رائج تھی اور ہر سال اسلام سے پہلے بھی اس عبادت کو بجالایا کرتے تھے گو اُنہوں نے اس عبادت حج میں طرح طرح کی جاہلانہ رسوم اپنی رائے اور قیاس سے مقرر کر رکھی تھیں۔ جب اہل اسلام پر حج فرض ہوا تو رسوم جاہلیت کی اصلاح فرمائی گئی اور اسلامی طریقہ حج کا تعلیم فرمایا گیا۔ چنانچہ ان آیات میں بھی جاہلیت کے زمانہ کی بعض رسوم کی اصلاح فرمائی گئی۔ اسلام سے پہلے قریش عرب بیت اللہ کے محافظ اور مجاور اور کلید بردار تھے اور سارے عرب میں اُن کا اقتدار مسلّم تھا اور اُن کی ایک ممتاز حیثیت تھی۔ اُنہوں نے اپنے واسطے ہر بات میں کچھ امتیازی خصوصیات قائم کر رکھی تھیں اور کسی بات میں دیگر قبائل عرب کو برابر رکھنے کو اپنی ہتک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ حج میں بھی اپنی امتیازی شان قائم رکھنے کے لئے قریش یہ کرتے کہ سب لوگ یعنی عام عرب تو حج کے ایام میں عرفات کو جاتے اور وہاں وقوف کر کے واپس آتے لیکن قریش راستہ میں مزدلفہ ہی تک رہتے اور مزدلفہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے مکہ واپس لوٹ آتے اور کہتے کہ ہم چونکہ بیت اللہ اور حرم کے مجاور ہیں اس لئے حدود حرم سے باہر جانا ہمارے لئے مناسب نہیں۔ مزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے۔ اور میدان عرفات حدود حرم سے باہر ہے قریش حدود حرم سے باہر جانا اپنی بزرگی کے خلاف سمجھتے اور عرفات میں جا کر اپنا عوام عرب سے ملنا اپنی مذہبی فضیلت کے منافی جانتے۔

حق تعالیٰ کے اس فرمان نے اُن کی غلط کاری کی تردید فرمائی اور حکم دیا کہ تم بھی وہیں جاؤ جہاں سب عام عرب جاتے ہیں یعنی عرفات میں اور پھر وہیں سے سب کے ساتھ واپس آؤ چنانچہ آج کی پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے :-

"تم سب کو خواہ قریش ہوں یا غیر قریش ضروری ہے کہ اُسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں یعنی قریش نے جو دستور نکال رکھا تھا کہ تمام حجاج تو عرفات میں وقوف کر کے پھر وہاں سے مزدلفہ کو آتے تھے اور یہ مزدلفہ ہی میں رہ جاتے۔ عرفات نہ جاتے تھے۔ یہ جائز نہیں اور احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے [illegible] فرمائیں گے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی غلط خیالی کی [illegible] دنیا ہمیشہ سے مبتلا رہی ہے اور آج بھی بہت سے لوگ اتنی کچھ نام نہاد ترقی کے بعد بھی [illegible] ہیں کہ عام انسانوں سے اپنے آپ کو ممتاز رکھنا چاہتے ہیں۔ اوّل تو عام انسانوں سے اپنے آپ کو ممتاز کر کے رکھنا خود ایک متکبرانہ فعل ہے جس سے ہمیشہ ہی پرہیز لازم ہے اور پھر خصوصاً حج میں جہاں لباس و احرام کی یکسانیت کے ذریعہ اس کا سبق دیا جاتا ہے کہ انسان سب برابر ہیں۔ امیر و غریب، بڑے چھوٹے، کالے گورے

Marfat.com

عالم جاہل کا اس دربار میں کوئی امتیاز نہیں۔ عبادات میں قومی امتیاز اور نسلی برتری کوئی چیز نہیں اللہ کی بندگی اور عبادت میں سب یکساں و برابر ہیں۔ اس کے ہاں اگر کسی چیز کی قدر ہے تو وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے جیسا کہ ارشاد ہے :- اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (پ ۲۶ سورۃ حُجُرٰت) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے :-

"اس ارشاد قرآنی سے اصولِ معاشرت کا ایک اہم باب معلوم ہوا کہ رہن سہن قیام و مقام میں بڑوں کو چاہیئے کہ چھوٹوں سے الگ ممتاز ہو کر نہ رہیں بلکہ مِل جُل کر رہیں کہ اس میں باہمی اخوت و ہمدردی اور محبت و تعلق پیدا ہوتا ہے اور امیر غریب کی تفریق مٹتی ہے۔ مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اس کو خوب واضح کر کے ارشاد فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں فضیلت کا مدار خوف۔ تقویٰ اور اطاعتِ خداوندی پر ہے۔ اسی کے (یعنی قریش کے) اس فعل کو (یعنی عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ وقوف نہ کرنا بلکہ مزدلفہ میں قیام کر کے واپس آجانا) گناہ قرار دے کر ان پر لازم کیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ استغفار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرمائیں اور اپنی رحمت فرما دیں"۔

الغرض جاہلیت کی اس رسم کو جو قریش حج میں عرفات میں نہ جانے میں برتتے تھے ختم فرمایا گیا۔ آگے بعض دوسری رسوم جاہلیت کی اصلاح فرمائی جاتی ہے۔ جاہلیت میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع ہو کر اپنے باپ دادا کے مفاخر اور فضائل بیان کرتے۔ حق تعالیٰ بجائے اس بیہودہ شغل کے اپنے ذکر کی تعلیم فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے :-

"پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا شکر و عظمت کے ساتھ ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے ہو۔ بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بدرجہا بڑھ کر ہونا چاہیئے"۔

یعنی تم جو مناسک و فرائض حج سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں جمع ہوتے ہو اور یہاں اپنے قبیلے اور باپ دادا کے کارناموں کا ذکر کرتے ہو۔ ان کی فضیلتیں اور بڑائیاں بیان کرتے ہو۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فخریہ انداز میں اپنی خاندانی عظمت کا اظہار کرتے ہو تو اس قبیح رسم کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا تسبیح و تہلیل و تکبیر بیان کیا کرو کیونکہ انسان کو بزرگی اور برتری دینے والا۔ شرافت و عظمت عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے ہر قسم کی تعریف حمد و ثنا اسی کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

باپ دادا کی بڑائی بیان کرنے سے کیا فائدہ۔ تو قرآنِ کریم کی اس آیت نے عرب کی ایک جاہلانہ رسم مٹا کر ہدایت کی کہ جب تم سے فرائضِ حج پورے ہو گئے تو یہ مقامِ شکر ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ اور زیادہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہو اور اپنے اوقات کو فضول اجتماعات اور فضول کام یا کلام میں ضائع نہ کرو۔

آگے ایک اور رسمِ جاہلیت کی اصلاح فرمائی جاتی ہے جاہلیت میں بعضوں کی عادت تھی کہ حج میں ذکر تو اللہ تعالیٰ ہی کا کرتے لیکن چونکہ آخرت کے قائل نہ تھے لہٰذا تمام تر ذکر ان کا صرف دُنیا کے لئے دُعاء مانگنا ہوتا تھا اور اُن کی تمام تر دُعائیں صرف دُنیوی حاجات اور دُنیا کی راحت و عزت و دولت و بڑائی کے لئے ہوتی تھیں۔ آخرت کے لئے کوئی دُعاء ہی نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ آخرت کے قائل ہی نہ تھے۔ حق تعالیٰ صرف دُنیا طلبی کی مذمت بیان فرما کر بجائے اسکے خیر دارین طلب کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے:۔

"سو بعضے آدمی جو منکرِ آخرت ہیں ایسے ہیں جو دُعا میں یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو جو کچھ دینا ہو دُنیا میں دے دیجئے اور ایسے شخص کو آخرت میں بوجہ انکارِ آخرت کے کوئی حصّہ نہ ملے گا اور بعضے آدمی جو کہ مومن ہیں ایسے ہیں جو دعا میں یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دُنیا میں بھی بھلائی و بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بھلائی و بہتری دیجئے اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچائیے۔ ایسے لوگوں کو دونوں جہان میں بڑا حصّہ ملے گا بدولت ان کے اس عمل یعنی طلب خیر دارین کے اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والے ہیں"

تو یہاں دُعاؤں میں محض دُنیا طلبی کی مذمت فرمائی گئی۔ منکرِ آخرت ہو کر محض طالبِ دُنیا ہونے پر بتلایا گیا کہ اس کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں اور وہ آخرت میں سراسر محروم و خاسر ہو گا۔ اور جو آخرت پر یقین و ایمان رکھتے ہوئے خیر و خوبی کا طالب ہو گا دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کو دونوں جہان میں اجر و ثواب اور دُنیا و آخرت میں ان دعاؤں کا نیک نتیجہ ملے گا۔

یہاں جو یہ دُعاء رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ تلقین کی گئی تو یہ ایک ایسی جامع دُعا ہے کہ اس میں انسان کے تمام دینی و دُنیوی مقاصد آجاتے ہیں اور دونوں جہان میں خیر و خوبی و بھلائی نصیب ہوتی ہے۔ روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دُعا مانگا کرتے تھے اور حالتِ طواف خانہ کعبہ میں تو ہر چکر کے اخیر میں خصوصیت کے ساتھ یہ دُعا مسنون ہے۔ الغرض یہاں تعلیم دی گئی کہ انبیاء علیہم السلام کی یہی سُنت ہے کہ جس طرح آخرت کی کامیابی۔ بھلائی اور بہتری اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے اسی طرح دُنیا کی بھی بھلائی اور بہتری طلب کی جائے۔ صرف دُنیوی حاجات طلبی ہی کو مقصدِ زندگی نہ بنا دے۔ علمائے کرام نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت میں اُن مسلمانوں کے لئے بھی بڑی تنبیہ ہے جو موسمِ حج اور مقاماتِ مقدسہ میں بھی دعاؤں میں اپنی اغراضِ دُنیویہ ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور بیشتر اوقات انہی کے حصول کی دُعا کرتے ہیں اور اگر بھالے حالات کا جائزہ لیا جائے۔

Marfat.com

تو ثابت ہوگا کہ بہت سے دولتمند لوگ یہاں بھی جو وظائف اور دعائیں کرتے ہیں یا بزرگوں سے کراتے ہیں اُن میں بکثرت لوگ ایسے ہیں کہ اُن کی غرض ان تمام وظائف اور دعاؤں سے بھی صرف دولت کی ترقی تجارت میں فروغ و برکت اور اغراضِ دنیویہ میں کامیابی ہوتی ہے۔ اور وہ بہت سے وظائف پڑھ کر بھی سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بھی عبادت گذار ہیں لیکن حقیقت میں وہ خالص دُنیا پرستی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ زندہ بزرگوں سے اور وفات یافتہ اولیاء اللہ سے بڑا تعلق رکھتے ہیں لیکن اس تعلق کا بھی بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُن کی دُعا یا تعویذ سے ہمارے کام نکلیں گے۔ دُنیا کی آفات و بلیّات دُور ہوں گی۔ مال و دولت میں برکت ہوگی۔ ایسے لوگوں کے لئے اس آیت میں خاص ہدایت ہے۔ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جو علیم و خبیر ہے۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیئے کہ وظائف اور حج و زیارت سے اُس کی نیتِ قلبی کیا ہے؟

آیت کے اخیر میں وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ فرما کر ایک طرف تو اُن کو تنبیہ کی گئی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور محض دُنیا کے طلبگار ہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں۔ اُس دن یہ لوگ دیکھ لیں گے کہ آخرت کو بھول کر اور محض دُنیا ہی کے طلبگار رہ کر یہ کتنے نقصان اور خسارہ میں رہے دوسری طرف اس جملہ سے آخرت پر ایمان رکھنے والوں اور دنیا و آخرت دونوں جہان میں بھلائی و بہتری کی دُعاء کرنے والوں کو تسلی ہے کہ تمہیں بہت جلد اپنے نیک عمل اور دعاؤں کا نتیجہ و جزا ملنے والا ہے۔

آگے آخری آیت میں جو اس جگہ احکام حج کے سلسلہ میں آخری آیت ہے اس میں حجاج کو منیٰ میں قیام و جمرات پر کنکریاں مارنے کے متعلق ہدایت فرمائی جاتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

" اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک (مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں کئی روز سے مراد ذی الحجہ کی دسویں۔ گیارہویں۔ بارہویں۔ تیرہویں تاریخیں مراد ہیں) پھر جو شخص کنکریاں مار کر دسویں تاریخ کے بعد دو دن میں مکہ واپس آنے میں تعجیل کرے اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو شخص ان دو دن میں واپسی مکہ میں تاخیر کرے یعنی بارہویں کو نہ آوے بلکہ تیرہویں کو آوے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور یہ سب باتیں اس شخص کے واسطے ہیں جو خدا سے ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔"

گویا یہاں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی کہ منیٰ میں قیام اور جمرات پر کنکریاں مارنا کب تک ضروری ہے۔ اس میں اہلِ جاہلیت کا اختلاف رہا کرتا تھا۔ بعض لوگ تیرہویں تاریخ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام اور جمرات پر رمی کرنے کو ضروری سمجھتے تھے۔ اس سے پہلے بارہویں تاریخ کو واپس مکہ آجانے والے کو گنہگار

کہا کرتے تھے۔ اسی طرح دوسرے لوگ بارہویں تاریخ کو چلے آنا ضروری سمجھتے تھے اور تیرہویں تک منیٰ میں ٹھیرنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس کی اصلاح آیت میں اس طرح کی گئی کہ جو شخص عید (یعنی دس ذی الحجہ کے بعد) صرف دو دن منیٰ میں قیام کر کے مکہ واپس آجائے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو تیسرے دن تک موخر کرے یعنی تیرہویں کو واپس آئے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ چنانچہ مسئلہ اب بھی یہی ہے کہ حجاج کو اختیار ہے جس پر چاہیں عمل کریں البتہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ تیسرے دن تک ٹھیریں۔ فقہا نے لکھا ہے کہ جو شخص دوسرے دن غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے مکہ چل کر آیا اس پر تیسرے دن کی رمی یعنی جمرات پر کنکریاں مارنا واجب نہیں لیکن اگر آفتاب منیٰ میں رہتے ہوئے غروب ہو گیا تو پھر تیسرے دن کی رمی کرنے سے پہلے منیٰ سے واپس مکہ آنا جائز نہیں۔ البتہ تیسرے دن کی رمی میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ زوال آفتاب سے پہلے صبح کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔

یہاں احکام حج کے خاتمہ پر پھر تقویٰ کی تاکید فرمائی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ خاص ایام حج میں جب کہ اعمال حج میں مشغول ہو اس وقت بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔ احکام حج میں کوتاہی نہ کرو اور بعد میں بھی اپنے حج پر مغرور نہ ہو کہ دل میں اپنی بزرگی اور بڑائی کا خیال کرے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور گناہوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کا اہتمام کرتے رہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں بھی ہر حال میں تقویٰ و پرہیزگاری کی توفیق مرحمت فرمادیں۔ آمین۔

اس سورۃ بقرہ میں حج کے سلسلہ کے احکام یہاں ختم ہوتے اب اگلی آیات سے دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے!

اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی زندگی میں حج و عمرہ کی سعادت نصیب فرمائیں اور جن کو یہ سعادت نصیب ہو چکی ہے ان کو بار بار اپنے گھر کی حاضری کی دولت عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہم آپ سے دنیا کی بہتری و بھلائی اور آخرت کی بہتری و بھلائی مانگتے ہیں اے اللہ ہمیں دنیا میں اپنی اطاعت و بندگی و فرمانبرداری کی توفیق نصیب فرما اور آخرت کی بھی کامیابی و کامرانی عطا فرما۔

یا اللہ نار جہنم سے ہم کو۔ ہمارے والدین کو۔ دوست و احباب کو۔ اعزا و اقربا کو اور تمام امت مسلمہ کو بچائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۹۹

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ

اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اُس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے

الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ

اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر بناتا ہے اپنے مافی الضمیر پر - حالانکہ وہ

اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

مخالفت میں شدید ہے - اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

کرے اور کھیتی اور مواشی کو تلف کر دے - اور اللہ تعالےٰ فساد کو پسند

الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ

نہیں فرماتے - اور جب اُس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا تو خوف کر تو نخوت اس کو اُس گناہ پر آمادہ

بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ

کر دیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بُری ہی آرام گاہ ہے - اور بعض

النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ

آدمی ایسا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے -

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں -

تفسیر و تشریح :- اس سے قبل حج کا بیان اور حج و عمرہ سے متعلق احکامات گذر چکے ہیں - گذشتہ آیات میں یہ تبلایا گیا تھا کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جو حج کے ایام اور ایسے مواضع میں صرف خدا سے دُنیا مانگتے ہیں - آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا اُن کو یقین ہی نہیں - نہ اس کے طالب ہوتے ہیں - اس لئے ایسے آدمی آخرت کے ثمرات سے یکسر محروم ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ جو دُنیا اور آخرت دونوں جہان کی بھلائی و بہتری کے طالب ہوتے ہیں اور اللہ سے ڈر کر جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں - اب انہی دو گروہوں کی تشریح میں ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جو محض دُنیا کا طالب ہے اور چرب زبانی اور شیریں کلامی

Marfat.com

سے بڑی باتیں بناتا ہے لیکن سراسر منافقانہ باتیں کرتا ہے اور سخت جھگڑالو اور فتنہ پرور ہوتا ہے۔ اور جو دنیا و آخرت میں بھلائی کے طالب ہیں وہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان تک کو خدا کی خوشنودی کے لئے فروخت کر دیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے اس کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنا اعتبار بڑھانے کو اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اپنے دل کی سچائی پر حالانکہ وہ بالکل جھوٹا ہے کیونکہ واقع میں وہ آپ کی مخالفت میں نہایت شدید ہے۔ اور جس طرح آپ کا مخالف ہے اسی طرح اور مسلمانوں کو بھی ایذا پہنچاتا ہے چنانچہ جب آپ کی مجلس سے پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں کوئی فساد کر دے اور کسی کے کھیت اور مواشی کو تلف کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد کی باتوں کو پسند نہیں فرماتے اور اس مخالفت اور ایذا کے ساتھ مغرور اس درجہ ہے کہ جب اس سے کوئی کہتا ہے خدا سے ڈر تو غرور اور زیادہ اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے بدلہ میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔"

ان آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں یہ روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص اخنس بن شریق تھا وہ ظاہری طور پر اسلام کا ہمدرد اور غمخوار معلوم ہوتا تھا۔ اپنی زبان سے اسلام کی محبت کا دعویٰ کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں آتا تو بہت لمبے چوڑے دعوے کرتا۔ بات بات پر قسمیں کھاتا۔ لیکن یہ جب مجلس سے اٹھ کر چل دیتا تو طرح طرح کی شرارتوں میں لگ جاتا۔ اسی کے متعلق پہلی تین آیات کا نزول ہوا اور اس کے مقابل آخری آیت مخلص صحابہ کرام کی بابت نازل ہوئی۔ تو ان آیات کا نزول گو بظاہر اخنس بن شریق کے متعلق ہے لیکن یہ ہر اس شخص پر صادق آتی ہیں جو اس منافقانہ خصلت و فطرت کا آدمی ہو کہ بظاہر اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی کے لمبے چوڑے دعوے کرتا ہو۔ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر اپنے سچا ہونے کا یقین دلاتا ہو۔ بات بات پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہو لیکن ہر حق بات سے الجھتا ہو۔ شہر میں فتنہ فساد کی آگ بھڑکاتا ہو اور اپنے غرور میں اللہ تعالیٰ سے سرکشی و بغاوت کرتا ہو۔ ایسے لوگوں کا انجام بتلایا گیا کہ ان کے لئے جہنم تیار ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ ایسے شخص کے مقابل سچے مومن و مخلص کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کی بھی بازی لگا دیتا ہے۔ یہ آخری آیت ان مخلص صحابہ کرام کی شان میں نازل ہوئی جنہوں نے اللہ کی راہ میں اللہ کی رضا کے واسطے بے مثال

Marfat.com

قربانیاں پیش کی ہیں۔ چنانچہ بسند صحیح منقول ہے کہ یہ آخری آیت حضرت صُہَیب رُومی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں نازل ہوئی جب کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں کفار قریش کی ایک جماعت نے روک لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت صُہَیبؓ اپنی سواری سے نیچے اُتر کر کھڑے ہو گئے اور اُن کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب نکال لئے اور قریش کی اس جماعت سے خطاب کیا کہ اے جماعتِ قریش تم جانتے ہو کہ میں مشہور تیر انداز ہوں۔ اگر تم نے مجھ تک آنا چاہا تو پہلے اپنے ترکش کے سارے تیر خرچ کروں گا۔ پھر تلوار سے جہاں تک قوت کام دے گی تم کو قتل کروں گا۔ جب تھک جاؤں گا اُس وقت تم مجھ کو پکڑ سکو گے۔ اس میں تمہاری سینکڑوں لاشیں زمین پر تڑپتی نظر آئیں گی اس لئے بہتر یہ ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ ہاں اگر مال کی طلب ہے تو مکہ میں جہاں جہاں میرا مال ہے بتائے دیتا ہوں جا کر لے لو۔ کفار اس بات پر راضی ہو گئے۔ حضرت صُہَیبؓ اُن کو سارا مال بتا کر مدینہ کو چل دیئے۔ ادھر مدینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صہیبؓ نے بڑی نفع کی تجارت کی۔ حضرت صہیبؓ کے پہنچنے سے قبل حضرت عمر فاروقؓ ایک جماعت صحابہ کے ساتھ اُن کے استقبال کے لئے آئے اور جب حضرت صہیبؓ سے ملاقات ہوئی تو سب نے کہا کہ آپ کی تجارت بڑی سود مند اور نفع بخش ہوئی۔ اور سب نے مبارکبادیاں دیں کہ آپ نے بڑی نفع کی تجارت کی۔ حضرت صہیبؓ یہ سُن کر فرمانے لگے کہ خدا کرے کہ آپ کی تجارت بھی نافع ہو اور کبھی خسارہ نہ ہو۔ آخر حقیقت تو بتائیے کیا بات ہے؟ ان بزرگوں نے بتلایا کہ آپ کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضرت صہیبؓ مدینہ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور دو مرتبہ فرمایا۔ "اے ابو یحییٰ تمہاری بیع بہت فائدہ مند رہی۔ تمہاری بیع نفع بخش رہی"۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض حضرات مفسرین نے کچھ دوسرے صحابہ کرام کے ایسے ہی واقعات کو آیت کا شان نزول بتلایا ہے۔ تو اس آخری آیت کا شانِ نزول بھی اگرچہ خاص ہے لیکن آیت کا حکم عام ہے اور تمام انصار و مہاجرین بلکہ صلحائے اُمت بھی اس حکم میں شریک ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہاں دو گروہوں کا بیان ہوا۔ ایک تو وہ جو صرف دُنیا کا طالب تھا۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی اس کا انجام بتلایا گیا کہ ایسوں کی سزا کے لئے جہنم بہت کافی ہے جو بدترین مقام ہے۔ دوسرا گروہ وہ کہ جو خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان سے بھی دریغ نہیں کرتا سو اللہ تعالیٰ بھی ان پر مہربانی فرماتا ہے اور اُن پر شفقت رکھتا ہے۔

اب یہاں اس راز کو بھی سمجھ لیجئے کہ ایک سچے مومن کو اس مقصد کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے راضی

Marfat.com

ہو جائیں اپنی جان تک قربان کرنا کیوں آسان ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مومن اِس بات سے آگاہ ہے اور سمجھتا ہے کہ اُس کی کوئی چیز حقیقت میں اپنی نہیں بلکہ اُس رب کی ہے جس نے اُسے زندگی دی۔ اُس کی پرورش کی۔ اور اُسے دُنیا کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کے قابل کیا۔ لہٰذا اُس کی نظر میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے اور ہر چیز کے استعمال کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ اگر اُس کی دی ہوئی چیزوں کو اُسی کے راستہ میں اور اُسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا جائے تو اس سے بڑھ کر اور اُس کا صحیح مصرف کیا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اپنی جان جس کے ہم مالک نہیں اُس کی رضا جوئی کے لئے دے دی جائے تو ہم نے کیا دِیا بقول کسے ؎

جان دی۔ دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

الغرض یہاں مقصود ترغیب دینا ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے محبت کی اور اُس کے لئے بدل و جان کوشش کرنے کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری جانوں کو بھی کو اپنی رضا کی طلب میں بیچین رکھیں اور مخلص صحابہ کرام کے طفیل میں ہمیں بھی اللہ و رسولؐ کی اور ایمان و اسلام کی سچی محبت نصیب فرمائیں۔ اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ چنانچہ آگے اہل اسلام کو خطاب کر کے یہی حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے تمام احکام و شرائع کا اتباع ظاہر و باطن ہر صورت میں پوری پوری طرح کرنا چاہیئے جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانِ کامل و اسلام صادق ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو اپنا وہ خوف اور ڈر نصیب فرما کہ ہم کو ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے یا اللہ اس دنیا میں ہم کو آخرت کی سودمند تجارت کی توفیق عطا فرما۔ اور ہم کو اپنی جانوں کو اپنی رضا کے کاموں میں لگانے کی سعادت عطا فرما۔
یا اللہ! حُبِّ دُنیا۔ نفاق، تکبر اور غرور اور فساد فی الارض کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرما اور تمام اہل اسلام کو ان مہلک امراض سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

درس ۱۰۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا

پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں لغزش کرنے لگو تو یقین کر رکھو

اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

کہ حق تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر وتشریح:۔ گذشتہ آیت میں کہا گیا تھا کہ بعض لوگ مرضیاتِ الٰہی کے طالب ہیں اور خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی فروخت کر ڈالتے ہیں گویا مخلص مومن کی مدح تھی اور اخلاص کا مقتضا یہی ہے کہ اسلام میں ظاہراً و باطناً پورا پورا داخل ہو اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد کسی دین سابق یعنی یہودیت و نصرانیت کی رعایت سے کوئی کام نہ ہو۔

اِن آیات کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور دیگر علمائے یہود کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں کہ جنہوں نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ ہم کو احکام اسلامیہ کی تعمیل کے ساتھ اس کی بھی اجازت دے دی جائے کہ شریعتِ موسویہ کے مطابق ہفتہ کے دن کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے رہیں اور توریت کی بھی تلاوت کرتے رہیں۔ چونکہ شریعتِ موسوی میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور اونٹ کا گوشت حرام تھا تو ان علمائے یہود کو اسلام لانے کے بعد یہ خیال ہوا کہ شریعتِ موسوی میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعتِ محمدیہ میں اسکی بے تعظیمی واجب نہیں۔ اسی طرح شریعتِ موسویہ میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کر دیں تو شریعتِ موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہوگا اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی اصلاح فرمائی، اور یہ آیات نازل فرمائیں جن میں اہل اسلام کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے:۔

Marfat.com

"اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو یہ نہیں کہ اسلام لانے کے بعد کچھ یہودیت کی بھی رعایت کرو اور ایسے خیالات میں پڑ کر شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔ واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے کہ ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ ظاہر میں تو سراسر دین معلوم ہو اور فی الحقیقت دین کے خلاف پھر اگر تم بعد اس کے تم کو واضح دلیلیں یعنی احکام و شرائع اسلام کی پہنچ چکی ہیں پھر بھی صراطِ مستقیم سے لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ بڑے زبردست ہیں سخت سزا دیں گے گو چندے سزا نہ دیں تو اس سے دھوکہ مت کھانا کیونکہ وہ حکمت والے ہیں کسی حکمت و مصلحت سے سزا میں دیر بھی کر دیتے ہیں"

(یعنی جنہوں نے ظاہراً اسلام قبول کر لیا ہے اُن کو حکم ہو رہا ہے کہ تم دین اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور عقاید سے لے کر اعمال تک اور عبادات سے لے کر اخلاق و معاملات تک اسلام کی تمام ہدایات پر عمل کرو اور ظاہراً و باطناً خدا کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ یہ نہیں کہ جس حکم کو دِل نے چاہا مانا ورنہ نہیں۔ یا اسلامی احکام کی جگہ جاہلانہ رسوم وغیرہ کی پابندی کرنا۔ یا اسلام میں داخل ہونے کے بعد دین سابق یعنی یہودیت و نصرانیت کی کوئی رعایت کرنا۔ ایسا کرنا گویا شیطان کی پیروی کرنا ہے اور شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ تمہیں گمراہ ہی کرنے کی باتیں سجھاتا ہے اور تمہارے دِلوں میں نئے نئے خیالات اور نئی نئی جدتیں پیدا کرتا ہے تاکہ تمہارے عقائد و اعمال کو خراب کر ڈالے۔)

اب غور کیجئے کہ یہاں اسلام کی مکمل اطاعت کے لئے کیسا صاف اور صریح حکم دیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کمال اسلام کے لئے جہاں اس کے تمام داخلی اجزاء و ارکان اور اسی طرح تمام شرائط کی پابندی ضروری ہے وہیں بیرونی چیزوں سے احتیاط بھی حد درجہ لازمی ہے یعنی اسلام میں جس چیز کی رعایت نہ کی گئی ہو دین ہونے کی حیثیت سے اس کی رعایت نہ کی جائے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قصد اور ارادہ تو ہوتا ہے زیادہ طاعت کا مگر باوجود اخلاص کے غلطی سے غلو اور افراط ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ اطاعت بنظرِ غائر حدِ شریعت اور سنت سے متجاوز ہوتی ہے۔ اسی کا دوسرا نام "بدعت" ہے۔

اگر شریعتِ اسلامیہ میں شروع ہی سے حفاظتِ اسلام کے سلسلہ میں اس درجہ احتیاط نہ کی جاتی تو کچھ عرصہ میں اس تساہل کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سابق مذاہب کی طرح اسلام بھی (معاذ اللہ) مسخ ہو جاتا۔ اسی سے احداث فی الدین یعنی دین میں نئی باتیں نکالنے کی مُمانعت واضح ہے جس کا حاصل "بدعت" ہے بدعات کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہو گی اور ظاہری گناہوں کی نسبت اس کا ضرر و نقصان زیادہ ہو گا۔ اسی لئے اس آیت میں اُمتِ مسلمہ کو وعید و تنبیہ سنائی گئی کہ اگر واضح اور روشن احکام آنے کے بعد بھی تم پھسلے اور شیطان کے قدموں پر چلے اور شریعتِ محمدیہ کے اتباع اور تعمیل میں ظاہراً یا باطناً کسی طرح یہودیت یا نصرانیت کی رعایت کی تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہیں۔ ایسے لوگوں کو سخت سزا دیں گے۔

Marfat.com

اِس سے زیادہ صریح وعیدیں اور ملامت احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کی گئی ہیں اور علمائے حق نے ہمیشہ اس پر اظہارِ نفرت ضروری سمجھا۔

اور حقیقت کے لحاظ سے بدعت ہے ہی نہایت خطرناک چیز کیونکہ اس کا حامل غیر دین کو دین بنانا ہے اور چونکہ دین مِنَ اللہ ہوتا ہے تو گویا جو چیز واقع میں خدائی حکم نہیں ہے اس کو مبتدع اپنے اعتقاد میں خدائی حکم سمجھتا ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ پر اُس کی طرف سے ایک قسم کا بُہتان ہوا اور صرف یہی نہیں بلکہ بدعتی ایک درجہ میں نبی کی بھی تنقیص کرتا ہے اور گویا الزام رکھتا ہے کہ نبی ہونے کے باوجود ایک ضروری چیز اُن سے رہ گئی تھی جس کو یہ اب پُورا کر رہا ہے۔ معاذ اللہ۔ اس سے بڑھ کر بدعت کی بُرائی اور مذمت کیا ہو سکتی ہے اور سب سے بدترین اثر بدعت کا یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو توبہ کی توفیق بہت ہی کم نصیب ہوتی ہے کیونکہ جب وہ اس کام کو بُرا ہی نہیں سمجھتا تو پھر توبہ کیسی؟ اور تجربہ شاہد ہے کہ جس درجہ جو شخص بدعات میں گرفتار ہوتا ہے اُتنا ہی وہ برکاتِ سنت اور انوارِ شریعت سے محروم رہتا ہے۔

اِن آیات کے تحت علمائے مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کے لئے بھی بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اسلام کو صرف مسجد اور عبادت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے۔ اور معاملات اور معاشرت کے احکام کو گویا دین کا جزو ہی نہیں سمجھتے کہ حقوق معاشرت و معاملات سے بالکل بیگانہ ہیں کہ نہ اُنکے معلوم کرنے یا سیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں نہ ان پر عمل کرنے کا۔ حالانکہ اسلام نام ہے اس مکمل نظامِ حیات کا جو قرآن و سنت میں بیان ہوا ہے خواہ اس کا تعلق عقائد و عبادات سے ہو۔ یا معاملات و معاشرت سے ہو۔ یا حکومت و سیاست سے ہو۔ یا تجارت صنعت و حرفت وغیرہ سے ہو۔ ہدایت یہی ہے کہ اسلام کا جو مکمل نظامِ حیات ہے وہ سب پُورے کا پُورا اپنایا جائے خواہ وہ کسی شعبہ زندگی سے متعلق ہو۔ اور اعضاء ظاہری سے متعلق ہو یا قلب و باطن سے۔ اب قرآن پاک کی اس آیت کے تحت ہم اپنے معاشرہ۔ ملک اور قوم کو دیکھ لیں کہ اس خدائی حکم اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ کی تعمیل کس درجہ میں ہے؟ بس اسی درجہ میں ہمارا تعلق اسلام سے سمجھ لیا جائے۔ حق تعالیٰ نے جو شرف و فضیلت اور عزت و عظمت اس امتِ مسلمہ کو عطا فرمایا تھا وہ محض قرآن و سنت کو زندگی کا مکمل دستور العمل بنانے پر عطا فرمایا تھا۔ اب آج جبکہ ہمارا تمام نظام زندگی قرآن و سنت سے غفلت و لاپروائی اور معصیت و نافرمانی اور مُنکرات و فواحش میں ڈوبا ہوا ہے تو ہمارے سامنے انحطاط۔ ذلت و خواری کا نقشہ بھی موجود ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ الغرض یہاں تو اسلام قبول کر کے اور پھر اسلامی احکام سے انحراف پر وعید سزا کی سنائی گئی آگے جو لوگ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہیں ان کو عقاب شدید یعنی سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا دُعا کیجئے۔ حق تعالیٰ نے جب اپنے فضل و کرم سے ہم کو ایمان و اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے تو ہم کو اس نعمت کی قدردانی کی بھی توفیق نصیب فرمائیں اور ہم کو جملہ احکام اسلامیہ کی پابندی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ امت میں جو اس وقت یہودیت و نصرانیت کے اتباع کا فتنہ پھیل رہا ہے اس فتنہ عظیمہ سے ہماری حفاظت فرما آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۰۱

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں

الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ

اُن کے پاس آ دیں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے ۔ اور یہ سارے مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۲۱۰ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ ع ۲۵ ۱۲ ۹

رجوع کئے جاویں گے ۔ آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے ہم نے اُن کو کتنی واضح

مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ

دلیلیں دی تھیں ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے ۔ اُس کے

بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۲۱۱

پاس پہنچنے کے بعد تو یقیناً حق تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ گزشتہ آیات میں تمام احکامِ شریعت اسلامیہ پر کاربند رہنے اور اسلام میں پوری طرح داخل ہونے کی ہدایت فرمائی گئی تھی اور اسلامی احکام کے مقابلہ میں شریعتِ سابقہ یعنی یہودیت یا نصرانیت کی رعایت کرنے پر وعید سنائی گئی تھی ۔ اب آگے ان آیات میں شریعتِ اسلامیہ کو بالکل ہی نہ ماننے اور احکامِ اسلامی سے سرتابی کرنے والوں کو عذابِ شدید کی وعید سنائی جاتی ہے ۔ چنانچہ جو لوگ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہیں اور حقانیت اسلام کو تسلیم نہیں کرتے اور بعد وضوح دلائل حق سے کج راہی اختیار کرتے ہیں اُن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :۔

"کیا یہ لوگ صرف اِس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس سزا دینے کے لئے آویں اور پھر سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے یعنی کیا اُس وقت امرِ حق قبول کریں گے جس وقت کا قبول کرنا مقبول بھی نہ ہوگا اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے یعنی کوئی دوسرا صاحبِ اختیار نہ ہوگا ۔ سو ایسے زبردست کے ساتھ مخالفت کرنے کا انجام بجز خرابی کے کیا ہو سکتا ہے"

یہاں بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ حق تعالیٰ کے صاف صاف احکام کے بعد بھی اپنی کجروی سے باز نہیں آتے ۔ اللہ کے رسول اور اللہ کے کلام قرآن حکیم پر اعتماد و یقین نہیں کرتے تو کیا وہ اس امر کے منتظر ہیں کہ قیامت

Marfat.com

قائم ہوا اور اوّلین و آخرین جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ اُن کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے خود سفید ابر کے سائبانوں میں نزول اجلال فرمائیں اور فرشتے بھی ساتھ آئیں اور ہر کسی کو اس کے عمل و عقیدے کے موافق جزا و سزا دے دی جائے اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے۔

حق تعالیٰ شانہٗ اور فرشتوں کے آنے کا واقعہ جس کا اشارہ آیت میں فرمایا گیا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ قیامت میں پیش آوے گا جیسا کہ قرآن کریم کی بعض دوسری آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

تیسویں پارہ سورۃ والفجر میں ارشاد ہے:۔

إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝

(جس روز زمین کے بلند اجزاء پہاڑ وغیرہ کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر کے زمین کو برابر کر دیا جاوے گا اور آپ کا پروردگار اور جوق جوق فرشتے میدان حشر میں آویں گے) اور ایک حدیث میں حضرت ابن مسعود رضؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اوّلین و آخرین کو جمع کریں گے۔ تمام لوگ آسمان کی طرف کھڑے دیکھتے ہوں گے اور فیصلہ کے منتظر ہوں گے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں عرش سے کرسی کی طرف نزول فرمائیں گے۔ یہی مضمون حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی ایک طویل شفاعت سے متعلق مشہور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انبیاء کرام میدانِ حشر میں شفاعت کرنے سے عذر فرماویں گے اور شفاعت کی نوبت مجھ تک پہنچے گی تو میں کہوں گا کہاں ہاں میں شفاعت کے لئے ہوں۔ تمہاری شفاعت کروں گا اور جا کر عرش کے نیچے سجدہ میں گروں گا اور درخواست کروں گا کہ حق تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمانے کے لئے تشریف لاویں۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کی درخواست منظور فرمائیں گے اور آسمان کے پھٹنے کے بعد ابر کے سائبانوں میں نزولِ اجلال فرمائیں گے اور فرشتے بھی اُتریں گے اور عرش بھی اُترے گا۔

الغرض آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز جب تمام اوّلین و آخرین میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کی جزا و سزا اور حساب و کتاب کے فیصلہ کے لئے ابر کے سائبانوں میں نزول اجلال فرمائیں گے اور گرداگرد ملائکہ ہوں گے تو کیا منکرین حق اس وقت امر حق قبول کریں گے۔ جس وقت کا قبول کرنا مقبول نہ ہوگا اور یہ سارے جزا و سزا کے مقدمات حق تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے۔ کوئی دوسرا صاحبِ اختیار نہ ہوگا۔ سوا ایسے زبردست قادر مطلق کے ساتھ مخالفت کرنے کا انجام بجز خرابی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

یہاں ایک ضروری بات یہ بھی سمجھ لی جائے کہ قرآن و حدیث میں جہاں اللہ تعالیٰ کیلئے آنا۔ اترنا وغیرہ مذکور ہے جیسا کہ اس آیت میں بھی ذکر ہے تو علمائے سلف کا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ ان امور کی تحقیق و تفتیش میں نہ پڑے اور بلا تشبیہ اور بلا تمثیل کے ان پر ایمان لائے کیونکہ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بے چون و چگوں

Marfat.com

ہے اور اس کی ذات کی حقیقت کا کسی کو ادراک نہیں ہو سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال بھی بے چون وچگون ہیں۔ ان کی حقیقی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔ بس ان پر اجمالاً بلا تعیین کیفیت ایمان لے آنا چاہیئے اور اس سے زیادہ کی فکر میں نہ پڑے۔

الغرض اوپر فرمایا گیا تھا کہ بعد دلائل واضح آجانے کے حق کی مخالفت کرنا اور حق سے کج راہی اختیار کرنا موجب سزا اور عذاب ہے۔ آگے اسی کی تائید میں بیان فرمایا جاتا ہے کہ جیسے بنی اسرائیل کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"آپ علمائے بنی اسرائیل سے ذرا پوچھئے تو سہی کہ ہم نے اُن کو یعنی اُن کے بزرگوں اور آباء واجداد کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں مگر اُن لوگوں نے بجائے اس کے کہ اس سے ہدایت حاصل کرتے اور الٹی گمراہی پر کمر باندھی پھر دیکھو سزائیں بھی بھگتیں مثلاً توراۃ ملی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کو قبول کرتے مگر انکار کیا۔ آخر کوہ طور اُن پر معلق کر دیا گیا اور اُن پر گرانے کی دھمکی دی گئی۔ اور مثلاً بنی اسرائیل نے حق تعالیٰ کا کلام سنا۔ چاہیئے تھا کہ سر آنکھوں پر رکھتے مگر شبہات نکالے آخر بجلی سے ہلاک ہوئے۔ اور مثلاً سمندر میں راستہ دے کر فرعون سے نجات دی مگر بجائے احسان ماننے کے گوسالہ پرستی شروع کر دی جس پر سزائے قتل دی گئی اور مثلاً من وسلویٰ نازل ہوا تو شکر کرنا چاہیئے تھا کہ بلا مشقت روزی ملی لیکن بے حکمی کی تو وہ سڑنے لگا اور اس سے نفرت ظاہر کی تو وہ مرتوف ہو گیا اور کھیتی باڑی کی مصیبت سر پر پڑی اور مثلاً انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ان میں جاری رہا۔ غنیمت سمجھتے مگر ان کو قتل کرنا شروع کیا جس کی ان کو یہ سزا دی گئی کہ سلطنت وحکومت اُن سے چھین لی گئی (اور اسی طرح بہت سے واقعات اسی سورۃ البقرہ کے شروع میں ذکر ہو چکے ہیں) اور ہمارا قانون بھی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ایسی بڑی نعمت یعنی دلائل واضحہ کو بدلتا ہے اس کے پاس پہنچنے کے بعد یعنی بجائے اس کے کہ اس سے ہدایت حاصل کرے اور الٹا گمراہ بنتا ہے تو یقیناً حق تعالیٰ ایسے شخص کو سخت سزا دیتے ہیں۔ اور یہ سزا کبھی دنیا میں بھی ہو جاتی ہے ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی ہو گی۔"

غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنا ایک قانون بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے بعد اسکے کہ وہ نعمت اُس کو پہنچ چکی ہو تو یقیناً پھر حق تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں۔ اب آگے اس مخالفت حق کی اصل علت بیان فرمائی جاتی ہے کہ وہ دنیا کی محبت ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجیے:۔ حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ جس نے ہم کو دولت اسلام سے نوازا۔ یا اللہ ہم کو اس نعمت کی قدر شناسی اور حق شناسی کی توفیق عطا فرما۔ اور کفران نعمت کے وبال وگناہ سے بچا۔ یا اللہ میدان حشر میں جب آپ اولین وآخرین کو حساب کتاب کیلئے جمع فرمائیں تو ہماری پردہ پوشی فرما اور اپنی مغفرت ورحمت سے ہم سب کو نواز دیجئے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۰۲

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ

دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور ان مسلمانوں سے

مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ

تمسخر کرتے ہیں ۔ حالانکہ یہ جو کفر و شرک سے بچتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ میں ہوں گے

الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

قیامت کے دن ۔ اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دیتے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں مخالفتِ حق کا بیان تھا اور قانونِ الٰہی بتلایا گیا تھا کہ جو شخص خدا داد نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ دلائل واضحہ اور ثبوتِ فطری کے بعد کفر کرتا ہے۔ رشد و ہدایت کے اسباب و ذرائع کو غلط استعمال کر کے اُن سے گمراہی اور فسق و فجور کا کام لیتا ہے تو اس کی گرفت سخت ہوتی ہے اور اس کو سخت عذاب کی سزا دی جاتی ہے اور یہ سزا کبھی دُنیا میں بھی ہو جاتی ہے ورنہ آخرت میں تو ہو گی ہی ۔ اب آگے اس مخالفت حق کی علت اور وجہ بتلائی جاتی ہے کہ جن لوگوں نے خدا کی نعمت ہدایت سے منہ موڑا ۔ اللہ کے انبیاء کی تکذیب کی ۔ اس کی آیات کو جھٹلایا اور اس کی توحید کا انکار کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے دِلوں میں دنیا کی دولت اور ظاہری شان و شوکت اور دُنیا کے مزے و راحت کی محبت بس چکی ہے۔ دین و آخرت کے مقابلہ میں دُنیوی عزت و وقار اور اقتدار۔ زندگی کی مادی آسائش اور ٹھاٹھ باٹھ انہیں بھلی اور خوشنما معلوم ہوتی ہے اس لیے اُنہوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی پر جمے رہنا قبول کیا جس سے انہیں اپنے دُنیوی مقاصد اور مادی خواہشات اور نفس کے تقاضہ پورا ہو جانے کی اُمید ہے ۔ اور اسی حبِ دُنیا کے آثار میں سے ہے کہ وہ اہلِ دین اور ایمان والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اُن کی تحقیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام و ایمان قبول کر کے اُنہوں نے کیا حاصل کیا؟ اُن کے پاس دولت ہے نہ زمین ۔ محلات ہیں نہ باغات ۔ نہ دُنیوی جاہ و اقتدار نہ عیش و راحت کے سامان ۔ چنانچہ ان آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ مشرکین مکہ اور یہود مدینہ جو اپنے مال و دولت پر نازاں تھے وہ مفلس اہلِ ایمان اور مہاجرین سے اُن کی غربت کی بناء پر استہزاء اور مذاق سے پیش آیا کرتے تھے ۔ ان دنیا داروں کو اور دُنیا کے مال و دولت اور عزّ و جاہ پر مغرور ہو کر غریب اہل ایمان پر ہنسنے اور ان کا مذاق اڑانے والوں کو سنایا جاتا ہے کہ اس استہزاء کرنے کی حقیقت قیامت کے روز آنکھوں کے سامنے آجائے گی ۔ یہ

غربائے اسلام جو خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کے تمام احکام کی تعمیل کرتے ہیں قیامت کے دن اُن دنیادار کافروں سے بہت بلند درجات میں ہونگے ہیں۔ یہ متکبر اور معاند کفار جہنم کے نیچے طبقہ میں ہوں گے اور یہ خدا سے ڈرنے والے فقرائے مومنین جنت کے بلند درجات میں ہوں گے۔

باقی رہا دنیا میں کثرتِ رزق اور مال وزر کی فراوانی کا سوال تو یہ چیز خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے بے حساب دولت دے دے کسی مسلمان اہلِ ایمان کو دے دے یا کسی کافر بے ایمان کو دے دے۔ وہ اپنی حکمت و مصلحت کے تحت جسے چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے دُنیا کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ دیکھ لو انہیں فقرائے مسلمین کو جن کو دنیادار کافر حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے کس طرح روم اور فارس کی عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا۔ اور اُن کے خزانے اِن کے قدموں میں آپڑے۔ تو معلوم ہوا کہ چند روز کے فانی دُنیوی تمکنت پر مغرور اور نازاں ہو کر حق کا انکار کرنا اور اہلِ حق کو حقیر سمجھنا سراسر حماقت اور نادانی ہے۔ دولت کی کمی بیشی سے حق و باطل کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

اِس آیت نے اس شبہ کا بھی ازالہ کر دیا کہ جو کفار منکرین کہا کرتے تھے یا اب بھی بیدین کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر کافر حق پر نہیں ہیں تو اللہ نے اتنی دولت۔ حکومت و سلطنت اور دنیوی اقتدار انہیں کیوں دیا ہے؟ تو یہاں یہ بتلا دیا کہ یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور یہ دولت اور شان و شوکت دُنیا کی تو محض چند روزہ ہے اور محض دُنیا کی رونق اور زیب و زینت ہے۔ آخرت میں تو صرف ایمان و تقویٰ ہی کام آئے گا۔

اس آیت میں یہی مذکورہ بالا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ یہ مسلمان جو کفر و شرک سے بچتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ کی حالت میں ہوں گے قیامت کے روز کیونکہ کفار جہنم میں ہونگے اور مسلمان جنت میں ہوں گے۔ اور آدمی کو محض زاغ معاش پر اور معاشی وسعت پر مغرور نہ ہونا چاہیئے کیونکہ روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ یعنی بکثرت دے دیتے ہیں پس اس کا مدار مشیت الٰہی پر ہے نہ کہ کمال اور مقبولیت پر سو یہ ضروری نہیں کہ جو روزی میں بڑا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی معزز ہو اور بڑی عزت والا ہو۔ پھر محض اس کے اوپر اپنے کو معزز اور دوسرے کو ذلیل و حقیر سمجھنا کم عقلی نہیں تو کیا ہے؟"

افسوس ہے کہ اب یہ مرض یعنی حبِ دنیا جو کفار کا خاصہ تھا اب مسلمانوں میں بھی سرایت کر گیا ہے اور مالدار دنیادار بعض اہلِ ایمان غربا و فقرا کو حقیر و پست سمجھتے ہیں اور اپنی نگاہوں میں ان کو ذلیل جانتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مومن مرد یا عورت کو اس کے فقر و فاقہ کی وجہ

سے ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو اولین و آخرین کے مجمع میں رسوا و ذلیل کریں گے اور جو شخص کسی مسلمان مرد یا عورت پر بہتان باندھتا ہے اور کوئی ایسا عیب اس کی طرف منسوب کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو آگ کے ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا کریں گے جب تک کہ وہ خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

الغرض یہاں بتلایا گیا کہ دین حق سے اختلاف کرنے کی علت اور وجہ حب دنیا ہے آگے اسی مضمون کی تائید میں بتلایا گیا ہے کہ مدت دراز سے یہی قصہ اور دستور چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے دلائل واضحہ دین حق پر قائم کرتے ہیں اور طالبان دنیا اپنی دنیوی اغراض کے سبب اس سے اختلاف۔ عداوت اور نفرت کرتے رہے ہیں جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ دنیا کی حقیقت کو ہمارے دلوں پر بھی کھول دیں اور ہمارے قلوب کو حب دنیا سے پاک فرمادیں۔

یا اللہ ہم کو ایمان و اسلام کی دولت سے مالا مال فرما اور تقویٰ کی عزت اور بزرگی عطا فرما کہ جو آخرت میں ہمارے لئے کامیابی اور سرخروئی کا ذریعہ ہے۔

یا اللہ کفار کی خصلت حب دنیا اور اہل دین کا مذاق اڑانا اس سے امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو بچالیجئے۔

یا اللہ دنیا میں مال و دولت کا ملنا آپ کی مشیت پر موقوف ہے۔ یا اللہ آپ ہم کو جو دنیا میں عطا فرمائیں اس کو اپنی مرضیات کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں، اور ہر حال میں ہم کو تقویٰ اور دین پر جمے رہنے کی توفیق و سعادت عطا فرمائیں

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

درس ۱۰۳

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ

سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

جو کہ خوشی سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور اُن کے ساتھ کتابیں بھی

بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں اُن کے امور اختلافیہ میں فیصلہ فرما دیویں

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ

اور اس کتاب میں اختلاف کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اوّلاً) وہ کتاب ملی تھی

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ

بعد اس کے کہ اُن کے پاس دلائلِ واضحہ پہنچ چکے تھے باہمی ضد اضدی کی وجہ سے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ

ایمان والوں کو وہ امرِ حق جس میں اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہٖ تعالیٰ بتلا دیا ۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اُس کو راہِ راست بتلا دیتے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں بتلایا گیا تھا کہ دینِ حق سے منکرین کے اختلاف کرنے کی علت اور اصل وجہ "حُبِّ دنیا" ہے اور اسی حبِّ دُنیا کا یہ اثر تھا کہ رؤسائے یہود مدینہ اور مشرکین و کفارِ مکہ غریب اہلِ اسلام کے ساتھ استہزا سے پیش آیا کرتے تھے اور اپنے مال و دولت کے نشہ میں اہلِ دین کو حقیر سمجھتے تھے جس پر تبلایا گیا تھا کہ اہلِ ایمان جن پر یہ کفار ہنستے اور جن کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ قیامت کے روز ان ہنسنے والے کافروں سے اعلیٰ درجات میں ہوں گے اور جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے جبکہ یہ مالدار دنیادار کفار، ذلیل ۔ رسوا اور خوار ہوں گے اور جہنم کے نچلے طبقے میں پڑے ہوں گے ۔ اسی مضمون کی تائید میں اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ حُبِّ دنیا کا مرض کچھ انہی یہود مدینہ اور کفارِ مکہ کے ساتھ خاص تھا بلکہ یہی قصہ مدت دراز سے اس دُنیا میں چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دینِ حق کی حقانیت پر واضح اور روشن دلائل

Marfat.com

قائم فرماتے رہے ہیں اور منکرین حق طالبان دُنیا اپنی دُنیوی اغراض کے سبب اس سے مخالفت کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ آج کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"ایک زمانہ میں سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے (کیونکہ اوّل دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام مع اپنی بی بی حضرت حوا کے تشریف لائے اور جو اولاد ہوتی گئی ان کو دین حق تعلیم فرماتے رہے اور وہ اُن کی تعلیم پر عمل کرتے رہے۔ ایک مدت اسی حالت میں گذر گئی۔ پھر اختلاف طبائع سے اغراض میں اختلاف ہونا شروع ہوا حتّٰی کہ ایک عرصہ کے بعد اعمال و عقائد میں اختلاف کی نوبت آگئی) پھر اس اختلاف کے رفع کرنے کو اللہ تعالےٰ نے مختلف پیغمبروں کو بھیجا جو کہ حق ماننے والوں کو خوشی کے وعدے سناتے تھے اور نہ ماننے والوں کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان پیغمبروں کی مجموعی جماعت کے ساتھ آسمانی کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اور ان پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل فرمانا اس غرض سے تھا کہ اللہ تعالیٰ ان رُسل اور کُتب کے ذریعہ سے اختلاف کرنے والے لوگوں میں اُن کے مذہبی امور اختلافیہ میں فیصلہ فرما دیں کیونکہ رُسل و کتب امر واقعی کا اظہار کر دیتے ہیں اور امر واقعی کے متعیّن ہونے سے ظاہر ہے کہ غیر واقعی کا غلط ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور یہی فیصلہ ہے۔ اور ان پیغمبروں کے ساتھ کتاب اللہ آنے سے چاہیئے تھا کہ اس کتاب کو قبول کرتے اور اس پر مدار کار رکھ کر اپنے سب اختلافات مٹا دیتے مگر بعضوں نے خود اس کتاب ہی کو نہ مانا اور خود اسی میں اختلاف کرنا شروع کر دیا اور اس کتاب میں یہ اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو اوّلاً وہ کتاب ملی تھی یعنی اہلِ علم نے کہ اوّل مخاطب وہی لوگ ہوتے ہیں۔ دوسرے عوام ان کے ساتھ لگ لیا کرتے ہیں اور اختلاف بھی کیسے وقت کیا بعد اس کے کہ اُن کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے اور اختلاف کیا کس وجہ سے؟ صرف باہمی ضد اضدی کی وجہ سے اور اصل وجہ ضد اضدی کی حُبِّ دُنیا ہوتی ہے۔ حُبِّ مال ہو یا حُبِّ جاہ۔ پس مدار علت مخالفت کا وہی حبِّ دُنیا ٹھہری پھر یہ اختلاف کفار کا کبھی اہلِ ایمان کو مضر نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ایمان والوں کو وہ امرِ حق جس میں منکرین اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہٖ تعالیٰ رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے کی بدولت بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہِ راست بتلا دیتے ہیں"

علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:۔

اوّل یہ کہ شروع میں اس دنیا میں توحید کامل تھی اور سب کا ایک ہی دین۔ دینِ حق تھا۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر قریب عہد نوح علیہ السلام تک سب لوگ ایک دین

Marfat.com

اور ایک شریعت پر تھے۔ نوح علیہ السلام کے زمانے کے قریب ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اور یہ بعثت میں پہلے رسول تھے۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء اور کتابیں دنیا میں بھیجیں راہِ حق کو ہدایت کرنے کے لئے اور اُسی دینِ حق پر دوبارہ قائم ہو جانے کے لئے جس پر سب دُنیا میں پہلے قائم تھے۔

دوسرے یہ کہ اختلاف پیدا ہونے کے بعد حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور کتبِ آسمانی کو دُنیا میں بھیجا کہ جو مختلف عقائد و خیالات میں سے صحیح اور حق کو واضح کر کے بتلا دیں اور یہ سلسلہ خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ پر نازل ہونے والی آخری کتاب قرآنِ کریم پر ختم ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ دین سے متعلق تمام اختلافات اور نزاعات کو ختم کرنے کا فیصلہ کتابِ الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کرنے میں ہے۔ افسوس ہے کہ اس وقت اُمتِ اجابت میں بھی دینی اختلافات کا وہ سمندر بہ پڑا ہے کہ جس نے اُمت کو افتراق و انتشار اور تنزل و انحطاط میں مبتلا کر رکھا ہے اور گروہوں اور فرقوں میں اُمت کو تقسیم کر رکھا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر فرقہ اور گروہ اپنی مقبولیت۔ حقانیت اور صداقت پر نازاں اور دوسروں کو گمراہ۔ بیدین اور کجرو بتانے میں جری و بیباک ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مگر قربان جایئے اس نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے قیامت تک کے لئے اُمت کی ہدایت کے لئے کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ متعدد احادیثِ صحیحہ میں آپ نے صاف صاف پیشینگوئی اُمت کے اختلافات کے متعلق بیان فرما کر تمام اختلافات و نزاعات کا فیصلہ اور ان کا حل بھی بیان فرما دیا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث میں جو حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب شدید اختلافات دیکھے گا تو بس تمہیں چاہیئے کہ میرے طریقے اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم کرو۔ اُسی پر بھروسہ کرو اور اُس کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو اور نئی نئی باتوں سے بچو اس لئے کہ دین میں ہر نئی بات ہی بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق کی کسوٹی ہیں۔ آپ ہی کا طریقہ حق کا طریقہ ہے اور آپ کے خلفائے راشدین کا طریقہ بھی وہی ہے جو آپ کا طریقہ تھا۔ اس لئے تمام اختلافات کے حل کا فیصلہ آپ نے یہی قرار دیا کہ ہر امرِ اختلاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین مہدیین کا طریقہ دیکھ لیا جائے کہ حق اسی کے موافق ہے اور اُس کے خلاف ناحق و باطل ہے۔

تیسرے آیت سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء و رُسل اور آسمانی کتابوں کے کھلے ہوئے فیصلوں کے بعد بھی یہ دُنیا دو گروہوں میں تقسیم رہی۔ کچھ لوگوں نے انبیاء و رُسل اور آسمانی کتاب کے فیصلہ کو دل سے قبول و تسلیم کیا اور اپنا عقیدہ اور عمل اس کے مطابق رکھا اور کچھ لوگوں نے ان ہدایاتِ واضحہ کو قبول

Marfat.com

جب کہ انبیاء کی تعلیم اور آسمانی کتابوں کی ہدایات میں کوئی اشتباہ یا التباس اور شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کہ بات اُن کی سمجھ میں نہ آئے یا غلط فہمی کا شکار ہو جائیں بلکہ حقیقت یہ تھی کہ جاننے بوجھنے کے باوجود دیدہ و دانستہ ان لوگوں نے محض عناد اور ہٹ دھرمی سے انکار کیا اور ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کے شکار ہوئے۔

چوتھے آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہدایت محض اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم و عنایت سے ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہیں جس کو چاہیں اور جس طرح چاہیں سیدھا راستہ دکھا دیں اور جس کو نہ چاہیں گمراہی میں پڑا رہنے دیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت اور سنت الٰہیہ یہی ہے کہ حق کی ہدایت سے اسی کو سرفراز فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا پر فریفتہ نہ ہو اور دنیا کی زینت نے اس کو اپنا گرویدہ اور شیدائی نہ بنا لیا ہو کیونکہ جن کے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں وہ کبھی حق کو قبول نہیں کرتے اور انبیاء اور آسمانی کتاب کی تعلیم و ہدایت کی طرف کان نہیں کرتے بلکہ ایسے لوگ ہمیشہ اہلِ حق کو ستاتے ہیں اور طرح طرح کی ایذائیں ان کو پہنچاتے ہیں اس لئے آگے آیت میں اہلِ ایمان کی تسلی فرمائی جاتی ہے کہ تم اہلِ باطل اور اہلِ دنیا کی ایذاؤں سے ہرگز نہ گھبرانا، یہ اہلِ ایمان کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ سے اہلِ باطل حضرات انبیاء اور ان کے متبعین اہلِ ایمان کو ستاتے اور ایذا پہنچاتے چلے آئے ہیں اس لئے وہ یہاں کے چند روزہ مصائب پر نظر نہ کریں بلکہ تحمل اور دین پر مضبوطی سے مستقیم رہیں اور اس پر جو اجر و ثواب اور نعمتیں و راحتیں آخرت میں ملیں گی ان پر نظر رکھ کر مخالفین کی ایذائیں برداشت کریں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ نے جب اپنے فضل و کرم سے ہم کو حق کی ہدایت سے نوازا ہے تو ہم کو مضبوطی سے دین پر قائم رہنے اور مستقیم رہنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں اپنے احکام کی فرمانبرداری اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع اور اپنی کتاب قرآن حکیم کی تابعداری نصیب فرما اور دین میں ناحق اختلافات سے ہم کو بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۰۴

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ
مسلمانو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ تم کو ہنوز ان لوگوں کا سا
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ
کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں - ان پر ایسی ایسی تنگی
وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ
اور سختی واقع ہوئی اور ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾
اہلِ ایمان تھے بول اُٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد کب ہو گی - یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد نزدیک ہے -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں بیان ہوا تھا کہ انبیاء و مومنین کے ساتھ کفار نے ہمیشہ اختلاف کیا اس سے صحابہ کرام کو جن کو دشمنانِ دین کی مخالفت سے ایذائیں پہنچتی تھیں ایک گونہ تسلی دینا بھی مقصود تھا کہ کفار کی یہ مخالفت اور دشمنی تمہارے ساتھ نئی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے -

اب آگے آج کی آیت میں ان کفار و مخالفین اور اعدائے دین سے انبیاء اور مومنین کو طرح طرح کی ایذائیں اور تکالیف پہنچنے کا بیان ہے اور اس سے بھی اہلِ اسلام کو تسلی دی جاتی ہے کہ تم کو بھی کفار سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں اُن پر صبر کرنا چاہیئے اور اُن کو برداشت کرنا چاہیئے - کیونکہ کامل راحت آخرت کی محنت ہی اُٹھانے سے ہے - اس طرح مسلمانوں کو خصوصاً صحابہ کرام رضؓ کو جب کہ وہ گھر بار چھوڑ کر اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ رہے تھے اور ان پر طرح طرح کی سختیاں اور مشکلات جیسے جنگِ اُحُد اور جنگِ اَحزاب پیش آئیں صبر و توکل - ثابت قدمی - تحمل مصائب جسمانی اور مالی تکالیف وغیرہ اُٹھانے پر برداشت کی ترغیب دی جا رہی ہے -

چنانچہ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق دو روایات ہیں - ایک تو یہ کہ یہ آیت غزوۂ خندق (جس کو جنگِ اَحزاب بھی کہتے ہیں) کے متعلق نازل ہوئی ہے جب کہ صحابہ کرام کو مشقت - تکلیف - دشمن کا خوف موسمی سردی - تنگدستی اور اسبابِ معیشت کی تنگی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی اور مسلمان ہر قسم کی اذیت میں دشمنانِ دین کی طرف سے مبتلا تھے - دوسری روایت یہ ہے کہ جنگِ اُحُد کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور اس طرح

Marfat.com

خالی ہاتھ مدینہ آئے کہ کل مال واسباب مکہ ہی میں رہ گیا جس پر کافروں نے قبضہ کرلیا تو حضرات صحابہ کو بڑی دشواری اور تکلیف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پھر مدینہ پہنچ کر تنگدستی اور افلاس میں بھی اطمینان نصیب نہ ہوا۔ ایک طرف مدینہ کے یہود مخالف تھے اور ہر وقت نقصان پہنچانے کے کوشاں تھے۔ پھر کچھ منافقین تھے جو بظاہر دوست مگر دل سے دشمن۔ پھر مکہ کے کفار کے حملوں کا خوف۔ اس وقت صحابہ کرام کو تسکین اور اطمینان دلانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"مسلمانو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں بے مشقت جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی کچھ مشقت تو اٹھائی ہی نہیں کیونکہ تم کو ہنوز ان مسلمان لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں اُن پر مخالفین کے سبب ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور مصائب سے اُن کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ اس زمانہ کے پیغمبر تک اور جو اُن کے ہمراہ اہل ایمان تھے بیقرار ہوکر بول اُٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد موعودہ کب ہوگی (جس پر اُن کو جواب سے تسلی کی گئی کہ) یاد رکھو بے شک اللہ تعالیٰ کی امداد بہت نزدیک ہونے والی ہے"

اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انبیاء اور مومنین کا مَتٰی نَصْرُ اللّٰہ (اللہ تعالیٰ کی امداد کب ہوگی) اس طرح کہنا نعوذ باللہ کسی شک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ وقت امداد اور غلبہ مقابلہ مخالفین میں ان حضرات کو نہ بتلایا گیا تھا۔ ابہام وقت سے اُن کو جلدی ہونے کا انتظار رہتا تھا۔ جب انتظار سے تھک جاتے تب اس طرح عرض معروض کرنے لگتے جس کا حاصل دعا ہے الحاح کے ساتھ اور الحاح خلاف رضا و تسلیم کے نہیں ہے بلکہ جب الحاح کا پسندیدہ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت ہے تو الحاح عین رضائے حق ہے۔ البتہ خلاف رضا وہ دعا ہے جس کے قبول نہ ہونے سے دعا کرنے والا ناراض ہو سو معاذ اللہ اس کا انبیاء و مومنین کاملین میں نہ ثبوت ہے نہ احتمال۔ اور یہاں آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ کیا جنت میں بے مشقت چلے جاؤ گے سو مشقت کے درجات مختلف ہیں جس کا ادنیٰ درجہ نفس و شیطان سے مزاحمت کرکے یا مخالفین دین کے ساتھ خلاف کرکے عقاید کا درست کرنا ہے جو ہر مومن کو حاصل ہے۔ آگے اوسط اور اعلیٰ درجات ہیں۔ اسی طرح دخول جنت کے مختلف مراتب ہیں پس جس درجہ کی مشقت اسی درجہ کا دخول جنت۔ پس آیت میں یہ اشکال لازم نہیں آتا کہ بعضے عاصی محض فضل سے جنت میں داخل ہو جاویں گے ان پر کوئی مشقت بھی نہ ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو بھی ادنیٰ درجہ کی مشقت ہوئی ہے۔ البتہ صحابہ کرام چونکہ درجات عالیہ کے طالب تھے اور ہر مسلمان کو ہونا چاہیئے اس لئے اُن درجات عالیہ کے لئے بڑی مشقتیں جھیلنے کو شرط فرمایا گیا۔

Marfat.com

تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت کی کامل فلاح اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے انسان کو سختیوں مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا اور مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہاں آیت میں سب سے بڑی جزا جنت کو قرار دیا گیا اور بتلایا گیا کہ اتنی بڑی نعمت بغیر محنت و مشقت کے حاصل نہیں ہوتی۔ نیز یہاں اللہ تعالیٰ کا ایمانداروں سے وعدہ ہے کہ اللہ کی مدد انہیں ضرور پہنچے گی جب وہ پورے صبر و ثبات سے سختیوں اور مصائب کا مقابلہ کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ دشمنان و مخالفین دین کے مقابلہ میں انہیں ضرور کامیاب فرمائے گا اور دشمنانِ حق ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو کر رہیں گے۔ چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ یہ وعدہ صحابہ کرام کے حق میں جس طرح پورا ہوا وہ ساری دنیا پر عیاں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی دین و حق کے لئے جو مشقتیں برداشت کیں اور جو مصیبتیں جھیلیں وہ انہی حضرات کا حصہ تھا اور انہی کا دل و جگر تھا۔

الغرض گذشتہ سے یہاں تک بہت تاکید کے ساتھ یہ امور بیان ہوئے کہ کفر و نفاق کو چھوڑ دو اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔ حکم الٰہی کے مقابلہ میں کسی کی بات مت سنو۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جان و مال خرچ کیا کرو اور ہر طرح کی شدت و تکلیف پر صبر و تحمل سے کام لے کر دین حق پر جمے رہو

اب یہاں سے آگے اسی طاعت اور فرمانبرداری اور اللہ کے رستہ میں جان و مال خرچ کرنے کے متعلق بعض ضروری احکام و مسائل کا سلسلہ اگلی آیات سے پھر شروع ہوتا ہے اور ختم سورۃ پر جا کر ختم ہوتا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو بھی دشمنان دین سے ہمیشہ مقابلہ کی ہمت و حرارت عطا فرمائیں۔ اور اعدائے دین سے جو مقابلہ میں ایذائیں اور تکلیف پہنچیں ان پر صبر و تحمل عطا فرمائیں۔ یا اللہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جیسا دین پر صبر و استقلال عطا فرمایا تھا اور ان کی جیسے آپ نے مدد و نصرت فرمائی تھی۔

یا اللہ ان صحابہ کرام کے طفیل میں ہم کو بھی دین پر استقامت نصیب فرما۔ اور اعدا دین کے مقابلہ میں ہم کو نصرت و کامیابی عطا فرما اور انجام کار دشمنانِ دین کو ذلیل و خوار، ناکام، نامراد اور خاسر فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۰۵

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ
لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو
فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ
سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابتداروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور
السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾
مسافر کا اور جو نسا نیک کام کروگے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں کلیتہً یہ مضامین بیان ہوئے تھے کہ کفر و نفاق کو چھوڑ دینا چاہیئے اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو کر احکام الٰہیہ کی پابندی اور اطاعت کرنا چاہیئے اور حکم الٰہی کے مقابلہ میں کسی غیر کی اطاعت نہ ہونا چاہیئے اور اللہ کی رضا اور خوشی میں جان مال خرچ کرنا چاہیئے۔ اور دین حق پر قائم رہنے میں ہر طرح کی سختی اور تکلیف کو برداشت کرنا چاہیئے۔

اب یہاں سے انہی مضامین کے متعلق جزئیات کی تفصیل بیان ہوتی ہے جو کہ مال، جان اور دیگر معاملات مثل نکاح و طلاق وغیرہ کے متعلق ہیں تاکہ مذکورہ بالا مضامین کی تاکید خوب ذہن نشین ہو جائے اور یہ سلسلہ قریب ختم سورۃ تک برابر چلا گیا ہے۔

اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے رستہ میں اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم بیان فرمایا جاتا ہے چنانچہ آیت میں ارشاد ہوتا ہے :۔

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ثواب کے واسطے کیا چیز خرچ کیا کریں اور کس موقع پر صرف کیا کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم کو صرف کرنا ہو سو اس کی تعین تو تمہاری ہمت پر ہے۔ مگر اس کے مواقع یہ ہیں کہ ماں باپ کا حق ہے۔ اور قرابت داروں اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا اور جو نسا نیک کام کروگے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے وہ اس پر ثواب دیں گے۔"

یہاں اس آیت میں صدقاتِ نافلہ کا بیان ہے۔ صدقاتِ واجبہ مثل زکوٰۃ و فطرہ وغیرہ کے متعلق نہیں ہے۔ زکوٰۃ کے مصارف دوسری جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ پھر زکوٰۃ فرض کے لئے تو نصاب مال و دولت بھی مقرر ہے۔ اور اس میں جتنی مقدار خرچ کرنا فرض ہے وہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ

Marfat.com

پوری طرح متعین اور مقرر فرما دی گئی ہے ۔ یہاں آیت میں نہ کسی نصاب مال کی قید ہے ۔ نہ خرچ کرنے کی مقدار بتلائی گئی ہے ۔ پھر ماں باپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ارشاد کے مطابق زکوٰۃ دینا درست نہیں اس لئے اس آیت کا تعلق فریضہ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ سے متعلق نہیں ہے بلکہ حکم صدقات نافلہ کے متعلق ہے ۔

بعض صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ ہم کیا چیز کار خیر میں ثواب کے واسطے خرچ کیا کریں اور کن پر خرچ کیا کریں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ جواباً آپ مسلمانوں سے کہہ دیں کہ تم اپنی نیک کمائی اور پاکیزہ دولت سے جو کچھ بھی اللہ کے لئے خرچ کرنا چاہو اس کے مستحق ماں باپ[1] ۔ رشتہ دار[2] ۔ یتیم[3] یعنی بے باپ مساکین[4] اور مسافر[5] ہیں ۔ تو یہاں جن پر اپنا مال و دولت خرچ کرنا چاہیئے اس کے مستحق پانچ بتلائے گئے :-

۱ ۔ سب سے پہلے حق والدین کا ہے یعنی سب سے پہلے ماں باپ کی خدمت میں خرچ کرنا چاہیئے جو اولاد کے وجود ظاہری کا سبب بنے اور اولاد کو نہایت شفقت و محبت سے پالا پوسا ۔ گویا اسلام نے یہ اصول تعلیم فرمایا کہ خیرات و نیکی اپنے قریب سے شروع کرو اور دور تک پہنچاؤ ۔

۲ ۔ والدین کے بعد قرابت اور رشتہ دار ہیں کہ جن پر خرچ کرنا چاہیئے تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں جمع ہو جائیں ۔

۳ ۔ رشتہ داروں کے بعد یتیموں پر خرچ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ان کا کفیل اور ذمہ دار نہیں اور کم عمر اور نابالغ ہونے کی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہیں ۔

۴ ۔ اس کے بعد عام محتاجوں اور مساکین پر خرچ کرنے کو کہا گیا جو کہ کمزور اور معذور ہونے کے باعث کمانے سے مجبور ہیں ۔

۵ ۔ عام محتاجوں کے بعد مسافروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا کہ جو اپنے وطن اور عزیز و اقارب سے دور ہونے کی وجہ سے اور زادِ راہ ختم ہو جانے کی وجہ سے بمنزلہ محتاج اور فقیر کے ہو گئے ہوں اگرچہ گھر اور وطن میں وہ دولت مند ہوں ۔

یہاں آیت میں مستحقین کے بیان کے بعد یہ بھی فرما دیا کہ جو کچھ نیکی تم کرو گے اور حلال کمائی اور پاک مال سے اور خلوص میں صرف کرو گے ۔ اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہیں ۔ تمہارا خرچ کیا ہوا ضائع نہ جائے گا ۔ اس کی جزا اور ثواب یقیناً ملے گا ۔

یہاں اس آیت کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس رکوع میں تین آیات کے بعد پھر یہی سوال یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط دُہرایا گیا ہے اس کے جواب میں وہاں ارشاد ہوا ہے ۔ کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو یعنی جس کے خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیوی

Marfat.com

تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اخروی تکلیف میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔ تو ان دونوں آیات کی ہدایات سے یہ حاصل ہوا کہ نفلی صدقات میں اس کا خیال اور اس کی رعایت ضروری ہے کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہی خرچ کیا جائے۔ اپنے اہل وعیال اور بیوی بچوں کو تنگی اور پریشانی میں ڈال کر اور ان کے حقوق کو تلف کر کے خرچ کرنا ثواب نہیں۔ اسی طرح جس کے ذمہ کسی کا قرض ہے تو قرضخواہ کو ادا نہ کرنا اور نفلی خیرات وصدقات میں مال دینا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

الغرض یہاں راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی اور صدقات وخیرات نافلہ کی ترغیب دی گئی اب مال کے بعد راہ خدا میں جان قربان کرنے کا حکم اگلی آیت میں دیا جاتا ہے۔ جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے!۔

یا اللہ آپ نے اس دنیا میں ہمیں جو کچھ مال ودولت عطا فرما رکھا ہے اس میں سے جملہ حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما اور اپنے والدین اور عزیز واقربا اور غربا ومساکین کے ساتھ احسان اور سلوک کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

یا اللہ مال ودولت کی بیجا محبت سے ہمارے قلوب کو پاک فرما۔ اور اپنے دیئے ہوئے مال کو اپنی رضا میں دل کھول کر خرچ کرنے کی ہم کو توفیق نصیب فرما۔

یا اللہ! ہم میں سے جن کے والدین موجود ہیں ہم کو ان کی ہر طرح کی جانی مالی خدمت کی توفیق عطا فرما اور اُن کو خوش رکھ کر یا اللہ آپ کی خوشنودی کی سعادت حاصل کرنا ہمارے لئے آسان فرما۔

یا اللہ! والدین کے بعد عزیز واقربا کے جو حقوق آپ نے مقرر کئے ہیں اُن کی بھی خدمت کر کے ہم کو صلہ رحمی کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! دیگر حقوق العباد جو آپ نے اپنے بندوں کے ساتھ احسان وسلوک کرنے میں مقرر فرمائے ہیں ہمیں اُن کے ادائیگی کی بھی توفیق کاملہ عطا فرما۔

یا اللہ جو کچھ آپ کی توفیق سے احسان وسلوک ہم سے ہو جائے اُسے اپنی رحمت سے قبول فرما اور ہمارے لئے باعث اجر وثواب بنا۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

درس ۱۰۶

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ

جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو گراں ہے - اور یہ بات ممکن ہے کہ تم

تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا

کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو

ع ۲۶ ۶ ۱۰ وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

اور وہ تمہارے حق میں خرابی ہو- اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا حکم تھا- اس آیت میں جان قربان کرنے کا حکم ہے- کیونکہ دین - قوم اور ملت کا بقا بغیر جان و مال کی قربانی کے ممکن نہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے تو جنگِ مدافعانہ کی بھی اجازت نہ تھی بلکہ صبر و برداشت کا حکم تھا - پھر ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے تو دشمنوں سے مدافعت کی اجازت مل گئی اور اجازت ہوگئی کہ جو کفار تم سے لڑیں تو تم بھی لڑو یعنی صرف ان کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہوئی جو خود اہل اسلام سے مقاتلہ کریں اس کے باوجود جب کفار اپنے ظلم اور زیادتیوں سے باز نہ آئے تو علی العموم کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہوگئی اور جہاد فرض ہوا- چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے :-

"جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو طبعاً گراں معلوم ہوتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی بات کو گراں سمجھو اور واقع میں وہ تمہارے حق میں خیر اور مصلحت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور واقع میں وہ تمہارے حق میں باعث خرابی کا ہو اور ہر شے کی حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم پورا پورا نہیں جانتے (اس لئے اچھے برے کا فیصلہ اپنی خواہش کی بنیاد پر نہ کرو - جو کچھ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو جائے اسی کو اجمالاً مصلحت سمجھ کر اس پر کاربند رہا کرو)"

اب یہاں اس آیت میں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ فرمایا گیا- یعنی تم پر جہاد فرض کیا گیا- ان الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاد ہر مسلمان پر ہر حالت میں فرض ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فریضہ فرضِ عین کے طور پر ہر ہر مسلم پر عائد نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس فرض کو ادا کر دے تو باقی مسلمان سبکدوش

Marfat.com

سمجھے جائیں گے ہاں اگر کسی وقت میں اور کسی ملک میں کوئی جماعت بھی فریضۂ جہاد ادا کرنے والی نہ رہے تو سب مسلمان ترکِ فرض کے گنہگار رہو جائیں گے۔ تو جہاد کے فرضِ عین یا فرض کفایہ ہونے کے متعلق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں جو تحقیق لکھی ہے وہ یہ ہے:-

"حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کا یہ مطلب ہے کہ قیامت تک ایسی جماعت کا موجود رہنا ضروری ہے جو فریضۂ جہاد ادا کرتی رہے۔

قرآن کریم کی دوسری آیت میں ارشاد ہے:-

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى - (پ۵ سورۃ نساء)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو تارکین جہاد پر فضیلت دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اس میں ایسے لوگوں سے جو کسی عذر کے سبب یا کسی دوسری دینی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوں اُن سے بھی بھلائی کا وعدہ مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر جہاد ہر فرد مسلم پر فرضِ عین ہوتا تو اس کے چھوڑنے والوں سے وعدہ حسنیٰ یعنی بھلائی کا وعدہ ہونے کی صورت نہ تھی۔ اسی طرح سورۂ توبہ کی ایک دوسری آیت میں ہے:-

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ - (پ۱۱ سورۃ توبہ)

(اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔ سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ اُن کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقیماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں) - اس میں خود قرآنِ کریم نے یہ تقسیم عمل پیش فرمائی کہ کچھ مسلمان جہاد کا کام کریں اور کچھ تعلیم دین میں مشغول رہیں اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جب کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہو۔ نیز صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکتِ جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر جاؤ۔ ماں باپ کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب حاصل کرو۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ جب مسلمانوں کی ایک جماعت فریضۂ جہاد کو قائم کئے ہوئے ہو تو باقی مسلمان دوسری خدمتوں اور دینی کاموں میں لگ سکتے ہیں۔ ہاں اگر کسی وقت امام المسلمین ضرورت سمجھ کر نفیر عام کا حکم دے اور سب مسلمانوں کو شریک جہاد کی دعوت دے تو پھر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

Marfat.com

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ط

"اے ایمان والو تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین کو لگے جاتے ہو"

اس آیت میں اسی نفیرِ عام کا حکم مذکور ہے۔ اسی طرح اگر خدانخواستہ کسی وقت کفار کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں اور مدافعت کرنے والی جماعت اُن کی مدافعت پر پوری طرح قادر اور کافی نہ ہو تو اس وقت بھی یہ فریضہ اُس جماعت سے متعدی ہو کر پاس والے سب مسلمانوں پر عائد ہو جاتا ہے اور اگر وہ عاجز ہوں تو اُن کے پاس والے مسلمانوں پر یہاں تک کہ پوری دُنیا کے ہر فرد مسلم پر ایسے وقت جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید کی مذکورہ بالا آیات کے مطالعہ سے جمہور فقہاء و محدثین نے یہ حکم قرار دیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔

مسئلہ ۱:۔ اسی لئے جب تک جہاد فرض کفایہ ہو اولاد کو بغیر ماں باپ کی اجازت کے جہاد میں جانا جائز نہیں۔

مسئلہ ۲:۔ جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو۔ اس کے لئے جب تک قرض ادا نہ کر دے اس فرض کفایہ میں حصہ لینا درست نہیں۔ ہاں اگر کسی وقت نفیرِ عام کے سبب یا کفار کے نرغہ کے باعث جہاد فرضِ عین ہو جائے تو اس وقت پھر نہ والدین کی اجازت شرط ہے۔ نہ شوہر کی نہ قرضخواہ کی"

الغرض دشمنانِ دین سے جہاد کا حکم دیا جاتا ہے اور جہاد کی ترغیب کے لئے فرمایا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ بعض چیزیں اپنے ظاہری اور مادی نقصان کی وجہ سے تمہیں طبعاً ناپسند ہوں اور تم انہیں اچھا نہ سمجھتے ہو مگر انجام کے لحاظ سے اور پوشیدہ فوائد کے لحاظ سے وہ تمہارے لئے خیر و برکت اور فلاح دارین کا باعث ہو مثلاً جہاد و قتال ہی کو لے لیجئے جو بظاہر قتل و خونریزی اور مال و جان کی ضیاع کی وجہ سے ممکن ہے تمہیں ناپسند ہو مگر اس کا انجام بہتر ہے کیونکہ جہاد ہی سے تم اپنا اور اپنے دین کا نام دُنیا میں بلند کر سکتے ہو اس کا وقار۔ اس کی شان و شوکت کو قائم رکھ سکتے ہو اور جہاد ہی سے تم غازیوں اور شہیدوں کے درجات حاصل کر سکتے ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک چیز کے ظاہری فوائد کی وجہ سے تم اسے پسند کرو مگر حقیقت میں وہ چیز تمہارے حق میں سخت مضر ہو۔ مثلاً جہاد میں شرکت نہ کرنے اور آرام و راحت سے گھر بیٹھنے کو پسند کرو اس لئے کہ اس طرح مال و جان محفوظ رہے گا لیکن درحقیقت ترکِ جہاد میں تمہارا سراسر نقصان اور خسارۂ دارین ہے۔ کیونکہ اس طرح تم کافروں کے ہاتھوں ذلیل ہو جاؤ گے۔ وہ تمہارا ستیاناس کر دیں گے۔ مال لُوٹ لیں گے۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیں گے۔ تمہارے شہروں پر قبضہ کر لیں گے اور تمہارا نشان دین و دنیا سے مٹا ڈالیں گے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ تمام

Marfat.com

مصالح واسباب ومُسَبَّبات کی ترتیب اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم کامل اور ہر چیز پر حاوی ہے۔ انسان کا علم ناقص اور محدود ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جہاد کا جو حکم دیا ہے، اُس میں یقیناً مسلمانوں کی بھلائی و بہتری ہے اِس لئے جو کچھ اللہ کا حکم ہو جاوے اسی میں مصلحت سمجھ کر کاربند ہو جایا کرو۔

خلاصہ یہ کہ جہاد و قتال میں اگرچہ بظاہر جان و مال کا نقصان نظر آتا ہے لیکن جب حقائق و نتائج سامنے آئیں گے تو راز کھلے گا کہ نقصان ہرگز نقصان نہ تھا بلکہ سراسر نفع اور دائمی راحت کا سامان تھا۔

ابھی آگے بھی بیان جہاد ہی سے متعلق ہے اور حرمت کے مہینوں میں یعنی ماہ رجب ۔ ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم میں کفار سے جنگ و قتال کرنے یا نہ کرنے کے متعلق حکم دیا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیت میں انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ جہاد فی سبیل اللہ کی روح اُمتِ مسلمہ میں ہمیشہ قائم رکھیں اور کفار مشرکین اور بیدینوں کے ساتھ ہم کو جہاد جاری رکھنے کی توفیق اور عزم و ہمت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اپنے رستہ میں اپنی رضا کے لئے ہم کو اپنی جان لگانے کا عزم نصیب فرما اور جملہ احکام شریعت پر ہم کو ظاہراً و باطناً چلنا اور قائم رہنا نصیب فرما۔

یا اللہ! آپ عالم الغیب والشہادۃ ہیں۔ آپ کے ہر حکم میں مصلحت و حکمت پنہاں ہے۔ آپ اپنے ہر حکم سے راضی رہنے اور اس پر دل سے عمل پیرا ہونے کی توفیق ہم کو نصیب فرما۔ یا اللہ ہمارا علم ناقص اور محدود ہے۔ آپ کا علم کامل اور ہر چیز پر حاوی ہے یقیناً ہماری بہتری و سلامتی اُسی میں ہے جو آپ نے حکم فرمایا ہے۔

یا اللہ! اپنے جملہ احکام کی فرمانبرداری ہم کو نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۰۷

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں - آپ فرما دیجئے کہ اس میں

فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ

خاص طور پر قتال کرنا جرم عظیم ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

اور مسجد حرام کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے انکو اس سے خارج کر دینا جرم اعظم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بدرجہا بڑھ کر ہے - اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے

حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ

اس غرض سے کہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں -

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ

اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے

كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا

لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں - یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں مسلمانوں کو حکم فرضیت جہاد کا ہوا تھا اور سمجھایا گیا تھا کہ ہر شے کی حقیقت حال کو پوری طرح اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور انسانی عقل و بصیرت پوری طرح نہیں جان سکتی اس لئے اچھے برے کا فیصلہ اپنی خواہش اور عقل کی بنیاد پر نہ کرو بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو جائے اسی میں مصلحت جان کر اس پر کاربند رہا کرو - اب آگے جہاد ہی سے متعلق ایک خاص واقعہ کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا - اور جہاد سے متعلق جو سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تھا اس کا جواب ارشاد ہوا -

Marfat.com

واقعہ جس سلسلہ میں آیت کا نزول ہوا یہ تھا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر سے دو ماہ پیشتر ماہ جمادی الاخری ۲ ہجری میں اپنے پھوپی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کی ایک جماعت کو جس میں سوائے مہاجرین کے اور کوئی نہ تھا مدینہ سے کافروں کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو ایک والا نامہ لکھ کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب دو دن کا سفر طے کر لو اس وقت اس خط کو کھولنا اور اپنے ساتھیوں کو سنا دینا اور کسی پر زبردستی نہ کرنا حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کس طرف جاؤں آپ نے فرمایا کہ نجد کی طرف جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ وہاں سے روانہ ہوئے اور دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد ایک منزل پر پڑاؤ کیا اور آپ کا والا نامہ کھولا تو اس میں یہ مضمون تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امّا بعد اللہ کی برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ اپنے رفقاء کو لے کر چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب مقام نخلہ پر پہنچو تو قریش کے تجارتی قافلہ کا انتظار کرو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا مال تم کو عطا کرے اور پھر وہ مال تم ہمارے پاس لے کر آؤ"۔

حضرت عبداللہ جحشؓ نے اس حکم نامہ کو پڑھتے ہی سمعاً وطاعۃً کہا اور خط اپنے ساتھیوں کو سنایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ فرمایا تھا کہ کسی پر زبردستی نہ کروں۔ اب جس کو شہادت کا شوق اور رغبت ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جس کا جی چاہے وہ لوٹ جائے۔ یہ سن کر سب دل و جان سے تعمیل ارشاد پر راضی ہو گئے اور ایک شخص بھی واپس ہونے کے لئے راضی نہ ہوا۔ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان جب مقام نخلہ میں جا کر اترے تو بھی ٹھہرنے بھی نہیں پائے تھے کہ اتنے میں قریش کا قافلہ دکھائی دیا جو طائف کی تجارت کا مال۔ زیتون کا تیل۔ کشمش اور چمڑے وغیرہ لے کر آ رہا تھا مسلمانوں نے اُن پر حملہ کیا۔ کفار کے قافلہ میں کا ایک قتل ہوا اور دو کو گرفتار کیا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔ صحابہ کرام قیدیوں اور سامان کے اونٹ لے کر مدینہ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ قافلہ پر حملہ کا واقعہ جس روز ہوا وہ ماہ رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن صحابہ کرام اس کو جمادی الثانی کی تیسویں تاریخ سمجھے ہوئے تھے مگر چاند ۲۹ کا ہو چکا تھا جس کا ان مجاہدین صحابہ کو علم نہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے عرب میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ چار مہینے یعنی ذی قعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم اور رجب یہ حُرمت کے مہینے سمجھے جاتے تھے اور ان میں باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان مہینوں میں کسی پر چڑھائی کرنے کو معیوب جانتے تھے۔ اس لئے کفار نے اس واقعہ پر طعن کیا کہ مسلمانوں نے شہر حرام یعنی رجب کی حُرمت کا بھی خیال نہ کیا مسلمانوں کو اس کی فکر ہوئی کہ ہم نے شہر حرام یعنی ماہ رجب میں قتل کر کے بڑا گناہ کیا اور بعض روایات میں ہے کہ بعض کفار قریش نے

Marfat.com

بھی حاضر ہو کر اعتراضاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوتا ہے۔

"لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر یعنی عمداً قتال کرنا جرم عظیم ہے (مگر اس طور پر قتال کرنا مسلمانوں سے صادر نہیں ہوا بلکہ تاریخ تحقیق نہ ہونے کے سبب غلطی سے ایسا ہو گیا) یہ تو تحقیقی جواب ہے اور الزامی جواب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کا تو کسی طرح منہ ہی نہیں مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا کیونکہ اگرچہ شہر حرام میں لڑنا جرم عظیم ہے لیکن ان کفار کی جو حرکتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ (دین) سے لوگوں کو روک ٹوک کرنا۔ یعنی اسلام پر تکلیفیں پہنچانا کہ ڈر کے مارے لوگ مسلمان نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام یعنی کعبہ کے ساتھ جو کہ اللہ تعالیٰ کا معبد ہے کفر کرنا کہ وہاں بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے اور بجائے خدائے لاشریک کی عبادت کے ان کی عبادت اور طواف کرتے تھے اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مومنین ان کو تنگ و پریشان کر کے اس مسجد حرام سے خارج ہونے پر مجبور کر دینا جس سے نوبت ہجرت یعنی ترک وطن کی پہنچی سو یہ حرکتیں شہر حرام میں قتال کرنے سے بھی زیادہ جرم اعظم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیونکہ یہ حرکتیں دین حق کے اندر فتنہ پردازی کرنا ہے اور ایسی فتنہ پردازی کرنا اس قتل خاص سے جو مسلمانوں سے صادر ہوا بدرجہا قباحت میں بڑھ کر ہے اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ و جدل کا سلسلہ جاری ہی رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر خدانہ کرے قابو پا دیں تو تم کو تمہارے دین اسلام سے پھیر دیں۔ آگے مسلمانوں کو احتیاطاً متنبہ فرماتے ہیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین اسلام سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جاوے تو ایسے لوگوں کے نیک اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے لوگ جہنمی ہوتے ہیں اور یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہاں اس آیت میں اشہر حرم یعنی چار ماہ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ، محرم اور رجب میں قتال کی ممانعت ثابت ہوتی ہے مگر اکثر مفسرین و فقہا کا کہنا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور اب کسی مہینہ میں قتال ممنوع نہیں اور بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے اور اشہر حرم کی حرمت اب بھی موجود ہے۔ اس بحث کے متعلق قرآن کریم کی دوسری آیات اور احادیث کی روایات ذکر کر کے اور ہر دو جانب مفسرین کلام کے اقوال ظاہر کر کے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں خلاصہ بحث اس طرح تحریر کیا ہے۔

Marfat.com

"تو خلاصہ یہ ہوا کہ ابتداءً قتال تو ان مہینوں میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے مگر جب کفار ان مہینوں میں حملہ آور ہوں تو مدافعانہ قتال کی مسلمانوں کو بھی اجازت ہے جیسا کہ امام حصاصؒ نے بروایت حضرت جابر بن عبداللہؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شہر حرام میں اس وقت تک قتال نہ کرتے تھے جب تک قتال کی ابتداء کفار کی طرف سے نہ ہو جائے۔"

الغرض حاصل جواب کا جو اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا یہ ہوا کہ اگرچہ ماہ حرام میں جنگ کرنا برا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ بری وہ باتیں ہیں اور وہ گناہ بدرجہا بڑے اور سخت ہیں جو خود یہ کفار کرتے ہیں تو کفار خود اپنی حالت پر نظر نہیں کرتے اور مسلمانوں کی ایک غلطی پر جو نادانستہ عمل میں آئی طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے ماہ رجب میں جنگ کرنے کے مقابلہ میں کفار کے بدرجہا بڑے اور سخت گناہ یہاں آیت میں پانچ بتلائے گئے:۔

ایک ۱ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ کے راہ سے روکنا) یعنی لوگوں کو اسلام دین حق قبول کرنے سے روکنا اور جو اسلام قبول کرلیں انہیں سخت اذیتیں پہنچانا اور جب مکہ سے اہل اسلام نکل جانے کا ارادہ کرتے تو اللہ کے بندوں کو جانے سے بھی روکنا۔

دوسرے ۲ كُفْرٌ بِهٖ (اللہ سے کفر کرنا) یعنی اللہ کی ہستی اور صفات سے انکار کرنا۔

تیسرے ۳ مَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی خانہ کعبہ جو اللہ کا گھر عبادت کے لئے ہے۔ کفار مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکتے تھے اور ان کو وہاں عبادت کرنے سے مانع ہوتے تھے۔

چوتھے ۴ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ یعنی مکہ والوں کو وہاں سے نکال دینا۔ کفار مکہ دین حق کو قبول کرنے پر اہل اسلام پر اس قدر سختیاں اور ظلم و زیادتی کرتے کہ بیچارے مظلوم مسلمانوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور ان کو گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔

پانچویں ۵ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ یعنی کفار تو تم سے ہمیشہ لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین اسلام سے پھیر دیں یعنی اگر ان کے اختیار اور قابو میں ہو تو تم کو پھر دوبارہ کافر بنالیں۔ گویا کفار مکہ جنہوں نے اہل اسلام کے نادانستہ یکم رجب کو قتال کرنے پر طعن کیا تھا ان کو کہا گیا کہ تم خود اپنی حالت کو دیکھو کہ کیسے شر یعنی مذکورہ بالا پانچ گناہوں میں مبتلا ہو جو اس نادانستہ قتل سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔

آیت کے اخیر میں اسلام قبول کرلینے کے بعد کفر اور ارتداد اختیار کرنے کا حکم ظاہر فرما کر اہل اسلام کو متنبہ کر دیا گیا کہ اگر کوئی کفار و مشرکین کے کہنے سننے سے اپنے دین حق یعنی اسلام سے پھر جائے گا اور پھر توبہ کے بغیر کفر ہی پر مر گیا تو اس کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب ضائع اور غارت ہو جائیں گے۔ مرتد کے دنیا

ہیں اعمال ضائع ہونے سے یہ مراد ہے کہ اسلام کی وجہ سے جو جان و مال محفوظ اور مامون تھے وہ محفوظ نہ رہیں گے۔ مسلمان بی بی اُس کے نکاح سے نکل جائے گی مسلمان کی میراث سے اس کو حصّہ نہیں ملے گا۔ مرنے کے بعد اہلِ اسلام اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے۔ نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو سکے گا۔ اور آخرت میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ کسی نیک عمل پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور ابدالآباد کے لئے جہنم کی سزا ہوگی کہ کبھی بھی جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

غرضکہ مرتد عَنِ الاسلام کی حالت کافر اصلی سے بھی بدتر اور بُری ہے اسی واسطے شریعتِ اسلامیہ میں کافر اصلی سے جزیہ قبول ہو سکتا ہے لیکن مرتد کی سزا قتل ہے اگر مرد ہے اور اگر عورت ہے تو دوام حبس کی سزا دی جائے گی یعنی ہمیشہ قید خانہ میں بند رہے گی۔ (بیان القرآن)

الغرض صحابہ کو جب یہ اطمینان ہو گیا کہ ہماری اس غلطی پر کوئی مواخذہ نہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا۔ یا رسولَ اللہ کیا ہمارا یہ سفر جہاد میں شمار ہوگا اور کیا اس پر ہم کو ثواب بھی ملے گا؟ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی جس میں صحابہ کرام کو خوشخبری دی گئی کہ انہیں اللہ کی رحمت سے ضرور حصّہ ملے گا جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

یا اللہ آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا۔

یا اللہ ہمیں اخلاص کے ساتھ ایمان و اسلام سے وابستہ رکھیئے اور جب تک زندہ رہیں اسلام اور ایمان پر زندہ رکھئے اور جب موت نصیب فرمائیں تو ایمان اور اسلام کی موت نصیب ہو۔

یا اللہ کفار اور دشمنانِ دین سے ہم کو بھی جہاد کی توفیق نصیب ہو اور کافر جنسنوں سے اُمتِ مسلمہ کے ایک ایک فرد کو بچائیے۔

یا اللہ آپ کی تائید اور توفیق سے ہم سے جو عمل ہو جاتے ہیں اُن کے اجر و ثواب کو دُنیا اور آخرت میں ثبت و قائم رکھیئے اور ان کو ضبط و ضبط ہونے سے بچائیے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۰۸

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے خدا کی راہ میں ترکِ وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو۔
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ
ایسے لوگ تو رحمتِ خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں۔
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾
اور اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے اور رحمت کریں گے۔

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیت کے نزول سے ان مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ شہر حرام یعنی ماہ رجب میں نادانستگی سے جو ایک مشرک کا قتل ہو گیا تھا اس پر ان کو کوئی گناہ نہیں ہوا مگر پھر بھی ان حضرات کو یہ تردد تھا کہ نہ معلوم اس جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں۔ تو ان حضرات مہاجرین صحابہ کرام کی بشارت اور تسلی کے لئے اس آیت کا نزول ہوا جس میں بتلایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے واسطے دین کے دشمنوں سے لڑے۔ اپنی کوئی غرض اس میں نہ تھی وہ بیشک اللہ کی رحمت کے امیدوار اور ثواب کے مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے مخلصین کو اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتے چنانچہ اس آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:۔

"حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہِ خدا میں ترکِ وطن کیا ہو یعنی ہجرت کی ہو ایسے لوگ تو رحمتِ خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں یعنی تم لوگوں میں یہ صفات ایمان و ہجرت کی موجود ہیں اب رہا اس جہاد خاص میں شبہ سو چونکہ تمہاری نیت تو جہاد ہی کی تھی لہٰذا ہمارے نزدیک وہ بھی جہاد ہی میں شمار ہے۔ پھر ان صفات کے ہوتے ہوئے تم کیوں ناامید ہوتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس غلطی کو معاف کردیں گے اور تم پر رحمت فرمائینگے"

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ مال غنیمت جو حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ لے کر مدینہ منورہ آئے تھے اور جو ابھی تک اسی طرح وحی کے انتظار میں رکھا ہوا تھا آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکال کر بقیہ غانمین پر تقسیم کردیا۔

الحاصل آیت کے اخیر میں وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ فرما کر مغفرت کے ساتھ رحمت کا ذکر کر کے ایمان والوں کو مزید اطمینان دلادیا گیا کہ غلطی کی معافی کے ساتھ ساتھ اس جہاد میں اجر و ثواب بھی ملے گا۔

مگر یہاں یہ بھی قابلِ غور ہے کہ یہ بشارت ایمان والوں کو اس ہجرت اور جہاد پر دی گئی ہے جو

Marfat.com

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ہو نہ کہ مطلق ترکِ وطن اور جنگ و قتال پر یعنی ہجرت و جہاد بجائے خود کیسے ہی مجاہدہ سہی لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول جبھی ہیں جب خدا کی راہ میں ہوں ۔ دینِ خدا کے واسطے ہوں ۔ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کے واسطے ہوں ۔ وطن ، قوم ، ملک و نسل کے نام پر جانیں دینے والے اور بڑی سے بڑی مصیبتیں جھیل جانے والے اور قربانی دینے والے تو ہر قوم میں مل جائیں گے مگر فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ کے وصف سے خالی ہوں تو اسلام میں اور دین میں ان کا کوئی مقام نہیں ۔

جہاد فی سبیل اللہ کس کو کہتے ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے ؟ اس کے متعلق شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح لکھتے ہیں :۔

" جِہاد ۔ جَہد بمعنی طاقت سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی طاقت کو مال و دولت کے لئے نہیں عصبیت اور قومیت اور وطنیت اور اظہار مردانگی و شجاعت اور توسیع سلطنت و مملکت کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے اپنی طاقت کو پانی کی طرح بہا دینا اسکو اصطلاح شریعت میں جہاد کہتے ہیں ۔ اعلاء کلمۃ اللہ (یعنی اللہ کا بول بالا کرنا) اگر مقصود نہ ہو بلکہ فقط مال و زر مطلوب ہو یا قطع نظر حق و باطل سے وطن اور قوم کی حمایت مقصود ہو یا اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار منظور ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک وہ جہاد نہیں ۔ جہاد تو وہ ہے کہ جو محض خالص اللہ جل جلالہٗ کے رضا اور خوشنودی کے لئے ہو ۔ دنیاوی اور نفسانی اغراض کے شائبہ سے بالکلیہ پاک ہو ۔ (سیرۃ المصطفٰے حصہ دوم)

بخاری اور مسلم میں حضرت عمر فاروق رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ کہ تمام عملوں کا مدار نیتوں پر ہے جس شخص نے جس چیز کی نیت کی وہی اس کو ملے گی جس نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی نیت کی اس کی ہجرت اللہ اور رسول ہی کے لئے ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی اس کی ہجرت اسی کام کے لئے ہوگی بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کے واسطے جس کا نام اُمِّ قَیْس تھا مدینہ کی طرف ہجرت کی صحابہ نے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی یعنی ایسی ہجرت کا کوئی ثواب نہیں کہ جو خالص نیت سے نہ ہو اور نیت دل کے ارادہ کا نام ہے ۔ ہر چند کہ ہجرت دین میں نہایت عمدہ اور اعلیٰ عبادت ہے لیکن بدون خالص نیت کے اور فی سبیل اللہ نہ ہونے کے اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ۔ اسی طرح دوسری عبادات کو قیاس کرنا چاہیئے کہ اگر محض اللہ کے واسطے ہے تو سبحان اللہ ورنہ اس کو قالبِ بے روح سمجھنا چاہیئے ۔ امام شافعی رح سے روایت ہے کہ اس حدیث کو دین میں کثرت سے یعنی ہر جگہ دخل ہے ۔ عبادات میں ۔ معاملات میں ، عادات میں ، مباحات میں ۔ گویا بغیر درستی نیت کے کوئی عمل و عبادت لائق ثواب نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اخلاص اور درستی نیت کی توفیق ہر عمل و عبادت میں نصیب فرمائیں ۔ آمین ۔

Marfat.com

قرآن و سنت کی روشنی میں لفظ جہاد جن معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جس کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے اور جہاد کی قسمیں جو فی سبیل اللہ میں شامل ہیں اس کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں:- ایک کھلے دشمن کا مقابلہ۔ دوسرے شیطان اور اس کے پیدا کئے ہوئے خیالات کا مقابلہ تیسرے خود اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کا مقابلہ۔

خلاصہ یہ کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے راستہ میں رکاوٹ ہے اس کی مدافعت جہاد ہے۔ اور یہ رکاوٹ عادۃً انہیں تین طرفوں سے ہوتی ہے اس لئے جہاد کی تین قسمیں ہوگئیں۔ امام راغب نے تین قسمیں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ارشاد قرآنی وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ (یعنی جہاد کرو اللہ کی راہ میں پورا جہاد) یہ جہاد کی تینوں قسموں کو شامل ہے۔

بعض روایات حدیث میں نفس کی ناجائز خواہشات کا مقابلہ اسی لئے جہاد قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی کئی آیتوں میں جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کو بھی جہاد فرمایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی غازی کو سامان جہاد دے دیا اس نے بھی جہاد کر لیا۔ اور ایک حدیث میں زبان کے جہاد کو بھی جہاد قرار دیا ہے۔ اور قلم چونکہ ادائے مضمون میں زبان ہی کے حکم میں ہے اس لئے قلمی دفاع کو بھی علماء نے جہاد میں شامل فرمایا ہے۔

علمائے امت نے حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اس کو ایک چوتھائی اسلام قرار دیا ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کا بڑا حصہ اس پر موقوف ہے۔ وہ عالم جو دنیا کی شہرت اور نام نمود کے لئے علمی خدمات انجام دیتا ہے یا وہ غازی جو جہاد میں شہرت و انعام کی خاطر جانبازی کرتا اور شہید ہو جاتا ہے اور وہ شخص جو نام و نمود کے لئے دینی خدمات میں بڑی فیاضی سے مال خرچ کرتا ہے۔ ان تینوں کے متعلق صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ ان کو قیامت کے روز یہ کہہ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا کہ تو نے جس مقصد کے لئے علم دین کو استعمال کیا یا جس مقصد کے لئے جان دی یا جس مقصد کے لئے مال خرچ کیا وہ مقصد تجھے دنیا میں مل گیا کہ لوگوں میں تیرے عالم ہونے کی شہرت ہوئی یا تجھے غازی اور شہید کے نام سے پکارا گیا یا مال خرچ کرنے کی بنا پر تجھے سخی اور فیاض کہا گیا۔ جو مقصد تیرا تھا وہ مل گیا اب یہاں ہم سے کیا چاہتے ہو۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ الغرض گذشتہ آیت میں اور آج کی آیت میں جہاد سے متعلق بیان ہوا اب آگے دوسرے اہم مسئلہ یعنی شراب اور جوئے کے متعلق صحابہ کرام کے سوال کے جواب میں اگلی آیت میں انشاء اللہ بیان ہوگا۔

دعا کیجئے:- اللہ تعالیٰ ہر عمل اور ہر فعل میں ہمیں بھی اخلاص اور درستی نیت نصیب فرمائیں۔ اور دشمنانِ دین سے ہر حال میں اسلامی جہاد کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۰۹

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں ۔ آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی

كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ

بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ اس سورۃ میں صحابہ کرام رضؓ کے کئی سوالات اور ان کے جوابات بیان ہوتے ہیں ۔ انفاق فی سبیل اللہ اور اشہر حرم میں کفار سے جنگ و قتال سے متعلق سوال کے جواب گذشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے ۔ آیت کے اس حصہ میں صحابہ رضؓ کا سوال خَمْر اور مَیْسِر یعنی شراب اور جوئے کے متعلق تھا جس کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے یہاں دیا گیا ۔

خَمْر کے لفظی معنی کسی چیز کو ڈھانپ لینا ہے ۔ دوپٹہ یا اوڑھنی کو خمار اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سر کو ڈھانپ لیتی ہے ۔ شراب کو خمر اسی لئے کہا گیا کہ اس سے انسانی عقل پر پردہ پڑتا ہے اور انسان کے حواس درست طور پر باقی نہیں رہتے ۔

مَیْسِر (قمار یا جوا) یہ لفظ اپنے وسیع معنیٰ میں آیا ہے اور جوئے کی تمام قسموں پر حاوی ہے خواہ وہ کسی صورت اور کسی نام سے ہو ۔

اسلام سے پہلے عرب میں مدت سے شراب اور جوئے کا عام دستور اور رواج تھا اور اہل عرب ان دونوں چیزوں کے بہت زیادہ دلدادہ تھے ۔ ہر چھوٹا بڑا اس قدر شراب پیتا تھا کہ گویا شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے ۔ اور جوئے کی قسموں کا بھی کوئی شمار نہ تھا ۔ کل جزیرہ نما عرب میں چند افراد ہی ان سے محفوظ رہے ہوں گے ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ میں بھی شراب و قمار کا رواج تھا ۔ چند حضرات صحابہ کرام کو ان کے مفاسد کا زیادہ احساس ہوا اور حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت معاذ بن جبل اور چند انصاری صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد کرتے ہیں ۔ ان کے بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے ؟

حضرات صحابہ کے سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا ۔ اس آیت میں شراب اور جوئے کو صاف طور پر حرام تو نہیں کہا گیا مگر اس کی خرابیاں اور مفاسد ظاہر کر کے گویا اس کو ترک کرنے کے لئے ایک قسم کا مشورہ

Marfat.com

دیا گیا۔ چنانچہ یہاں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو بعضے فائدہ بھی ہیں۔ اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں"

یہاں اِس آیت میں یہ تو نہیں کہا گیا کہ ان دونوں چیزوں کا استعمال خود گناہ ہے بلکہ یہ بتلایا گیا کہ ان کے استعمال سے دُوسری باتیں گناہ کی پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً شراب سے عقل زائل ہو جاتی ہے۔ صحت برباد ہو جاتی ہے۔ گندگی کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ حرام کاری کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے اور جوئے سے مال کی حرص و محبت بڑھ جاتی ہے جو جڑ ہے تمام خرابیوں کی۔ یہ دونوں انسان کی مالی حالت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اگرچہ ان میں بعض دُنیوی فائدے بھی ساتھ لگے ہوں۔ مثلاً بدن کو کچھ نفع پہنچے یا ایک طرح کا وقتی سرور حاصل ہو یا اُس کی خرید فروخت اور کشیدگی میں تجارتی نفع ہو۔ اسی طرح جوئے میں ممکن ہے جیت ہو جائے اور بلا مشقت مال ہاتھ لگ جائے لیکن ان فوائد کے مقابلہ میں نقصانات ان کے بکثرت اور شدید ہیں۔ یُوں تو ظاہری نفع اور نقصان سے دُنیا کی کوئی چیز خالی نہیں۔ لیکن نفع اور نقصان کو تولنا چاہیئے۔ اگر نقصان زیادہ ہے تو اس چیز کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ خواہ کچھ فائدہ کا پہلو بھی اس میں ہو اور جس چیز میں نفع غالب ہو اس کو لے لینا چاہیئے خواہ اس میں کچھ حرج و نقصان ہو۔

تو یہاں مقصود اس آیت میں فی نفسہٖ ان دونوں چیزوں کی بُرائی بیان کرنا نہیں تھا بلکہ دوسری خرابیوں کا ذریعہ اور باعث بتلانا تھا اور اس طرح ان دونوں کے ترک کا مشورہ دینا مطلوب تھا۔ چنانچہ اس آیت کو سُن کر بعض صحابہ نے تو فوراً دونوں کو ترک کر دیا کہ گو حرام نہیں کہا گیا مگر شر اور مفاسد کا ذریعہ تو ثابت ہی ہوا اور بعض نے خیال کیا کہ اس آیت نے شراب کو حرام تو نہیں کیا۔ ہم اس کا اہتمام کریں گے کہ اس سے مفاسد واقع نہ ہوں تو پھر شراب میں کوئی حرج نہیں اس لئے اس آیت کے نزول کے بعد بھی بعض شراب استعمال کرتے رہے۔

اِس کے بعد مدینہ میں ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے صحابہ کرام میں سے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد حسبِ دستور شراب پی گئی۔ اسی حال میں نماز مغرب کا وقت آگیا۔ سب نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ایک صاحب کو امام بنایا۔ انہوں نے نشہ کی حالت میں جو تلاوت شروع کی تو سورۃ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کو غلط پڑھا۔ اس واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (پ۵ سورۃ نساء) اے ایمان والو تم نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔ گویا اس حکم سے خاص اوقاتِ نماز کے اندر شراب کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔

باقی اوقات میں اجازت تھی۔ تاہم بعض صحابہ نے یہ خیال کر کے کہ جب نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہو گئی تو ایسی چیز کے پاس نہ جانا چاہیئے جو انسان کو نماز سے محروم کر دے مگر چونکہ علاوہ اوقاتِ نماز کے شراب کی حرمت صاف طور پر نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے کچھ لوگ اب بھی اوقاتِ نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے یہاں تک کہ اور واقعہ یہ پیش آیا کہ چند صحابہ کرام کی ایک جگہ دعوت ہوئی۔ کھانے کے بعد حسبِ دستور شراب کا دور چلا اور نشہ کی حالت میں شعر و شاعری شروع ہوئی جس میں آپس میں تکرار کی نوبت آئی اور ایک انصاری نوجوان نے غصہ میں ایک دوسرے صحابی کے سر پر اونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری جس سے ان کو شدید زخم آگیا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی "یا اللہ شراب کے بارہ میں ہمیں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرما دے"۔ اس پر شراب کے متعلق سورۂ مائدہ کی یہ آیات نازل ہوئیں جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝

"اے ایمان والو شراب اور جوا اور بُت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں شیطان کے کام سو اس سے بچے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے ڈالدے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکدے سو اب بھی تم باز آؤ گے"۔

ان آیات میں صراحۃً شراب کی حرمت اور ممانعت نازل ہو گئی اور یہی آخری حکم رہا اور پہلے احکام کو منسوخ کر دیا۔ ان آیات کے نازل ہوتے ہی یک لخت شراب کے تمام برتن توڑ دیئے گئے اور مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب بہنے لگی اور تمام مسلمان شراب سے فقط تائب ہی نہیں ہوئے بلکہ بیزار اور سخت متنفر ہو گئے اور اس طرح ۳ سنہ ہجری میں اسلام میں شراب کی مکمل بندش ہو گئی اور ایک ایسی برائی سے جو عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی۔ اس کا مزید تفصیلی بیان سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیات کے درس میں ہو گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ الغرض یہاں صحابہ کرام کے سوال کے جواب میں شراب اور قمار کے متعلق بیان تھا۔ آگے بعض دوسرے سوالات اور جوابات ذکر فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تمام ممنوعاتِ شرعیہ سے کامل طور پر باز رہنے کی توفیق عطا فرمائیں خصوصاً شراب اور جوئے کی لعنت سے ہمارے ملک کو پاک فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو دین کی سمجھ اور فہم عطا فرما اور اس شراب وجوئے وغیرہ کی بدولت جو اس ملک میں تباہیاں و بربادیاں دیکھنی پڑیں ان سے ہم کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

درس ۱۱۰

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ

اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کیا کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو سکے

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

اللہ تعالیٰ احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دُنیا و آخرت کے

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

معاملات میں سوچ لیا کرو۔

تفسیر و تشریح: ۔ اس سورۃ میں صحابہ کرام رضؓ کے سوالات اور ان کے جوابات کا جو سلسلہ چل رہا ہے گزشتہ آیت میں شراب اور جوئے کے سوال کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہوا تھا اسی سلسلہ میں چند آیات پہلے صحابہ کرام کا سوال يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ پہلے بھی گذر چکا ہے اور انہی الفاظ کے ساتھ پھر وہی سوال یہاں دُہرایا گیا ہے۔ لیکن اس ایک ہی سوال کا جواب پہلے (درس ۱۰۵) کچھ اور دیا گیا تھا اور اب اس آیت میں کچھ اور دیا گیا ہے۔ اس لئے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ ایک ہی سوال کے دو مختلف جواب کس حکمت پر مبنی ہیں اور یہ حکمت اُن حالات و واقعات میں غور کرنے سے واضح ہو جاتی ہے۔ جن حالات میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سوال يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ کا شانِ نزول یہ تھا کہ بعض صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ اس سوال کے دو جزو تھے۔ ایک یہ کہ مال میں سے کیا اور کتنا خرچ کریں اور دوسرے یہ کہ اس کا مصرف کیا ہو۔ کن لوگوں کو دیں؟ چنانچہ اسکا جواب وہاں دیا گیا تھا کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو اللہ کے لئے خرچ کرنا ہو اس کے مستحق ماں باپ۔ رشتہ دار۔ یتامیٰ مساکین اور مسافر ہیں اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر کوئی تحدید اور پابندی نہیں کہ مال کی اتنی ہی مقدار خرچ کرو۔ بلکہ جو کچھ بھی اپنی استطاعت کے موافق خرچ کرو گے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر و ثواب پاؤ گے۔ لیکن اس آیت کا شانِ نزول یہ لکھا ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں تو چند صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم جو ہمیں ملا ہے ہم اس کی وضاحت چاہتے ہیں کہ کیا مال اور کون سی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت مُعاذ بن جبلؓ اور

حضرت ثعلبہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ حضور! ہمارے غلام بھی ہیں بال بچے بھی ہیں اور ہم مالدار بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ فرمائیے کہ ہم خیر خیرات میں کتنا خرچ کیا کریں اور کیا کچھ اللہ کی راہ میں دیں؟ یعنی یہاں سوال یہ تھا کہ ہم کیا چیز اور کیا مال خرچ کریں؟ چنانچہ اس کا جواب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا قُلِ الْعَفْوَ ط عَفْو کی مختلف تفاسیر کی گئی ہیں لیکن سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز بھی تمہاری ضروریات سے زائد ہو اور تمہارے حوائج اور مصارف اور لوازم زندگی سے بچے اور جس کے خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیوی تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اخروی تکلیف میں نہ پڑے اس کو خرچ کرے۔

تو یہ بات یہاں سوال ہی سے ظاہر ہے کہ یہاں خرچ کرنے سے مراد صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ۔ صدقہ فطر یا عشر وغیرہ نہیں کیونکہ ان کی تعداد کی تفصیلات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بیان کر دی گئی ہیں۔ یہ سوال عام صدقات اور نفلی خیر خیرات کے متعلق ہے جس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ جو مال اپنی ضرورت و حاجت سے زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تاکہ تم سارا مال دے کر پریشانی میں نہ پڑ جاؤ۔

مگر یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ جو خدا کے ایسے عاشق ہیں کہ ان کو سارا ہی مال فضول اور زائد نظر آتا ہے بلکہ مال کے نہ خرچ کرنے سے ان کو پریشانی ہوتی ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ تو ایسے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یا یوں سمجھئے کہ ایسے عاشقانِ خدا اس حکم میں داخل ہی نہیں۔ احادیث میں حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ اصحابِ صُفّہ میں سے ایک صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کے پاس سے ایک اشرفی نکلی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر یہ فرمایا کہ یہ دوزخ کی آگ کا ایک داغ ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک اور صاحب کا اصحابِ صُفّہ میں سے انتقال ہو گیا تو ان کے پاس سے دو اشرفیاں نکلیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو داغ ہیں۔ تو غور کیجئے کہ شرعاً ایک اشرفی یا دو اشرفی کا جمع کرنا حرام نہیں ناجائز نہیں لیکن یہ دونوں حضرات اصحابِ صُفّہ میں سے تھے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانقاہ کے رہنے والے تھے جن کا یہ عہد تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح زاہدانہ اور درویشانہ زندگی گذاریں گے اور قوتِ لایموت سے زیادہ کچھ نہ رکھیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجلس میں رہیں گے اگرچہ کتنا ہی فقر و فاقہ گذرے اس لئے ان عاشقانِ رسول اصحابِ صُفّہ کیلئے اجازت نہ تھی کہ وہ کوئی درہم و دینار اپنے پاس رکھ سکیں۔ اس بنا پر یہ دونوں حضرات معتوب ہوئے۔ الغرض یہاں آیت میں ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کا ارشاد ہے۔ مگر اس کی تصریح نہیں کہ ضرورت سے زائد جتنا مال ہے وہ سب خرچ کر دینا چاہیئے یا کچھ آئندہ ضروریات کے لئے بھی ذخیرہ رکھنا چاہیئے۔ اسی لئے امت میں اکابر صحابہ اور اولیاء دونوں طرح کے حضرات ہوئے ہیں بعض تو بالکل ذخیرہ کرنے کو مذموم سمجھتے تھے جیسے صحابہ کرام میں حضرت ابوذر غفاریؓ۔ دوسرے بعض صحابہ آئندہ ضروریات کے لئے

Marfat.com

کچھ بچانے کو بھی برا نہ سمجھتے تھے اور صحابۂ کرام میں سے ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اغنیاء صحابہ کے نام سے معروف تھی اور ان کے بعد اُن کی میراث میں بڑی بڑی رقمیں وارثوں کو ملیں۔ ایسے ہی اکابر اولیاء اللہ میں بھی دونوں مذاق کے حضرات گذرے ہیں۔ اور حقیقت میں قرآنِ کریم کے معجزانہ الفاظ اور یہ ابہام دونوں طبقوں کے لئے گنجائش دے رہا ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے:۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تو اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تمہیں ان احکام کا علم ہو جائے اور اس علم کی وجہ سے ہر عمل کرنے سے پہلے دنیا و آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو) اور سوچ کر ہر معاملہ میں ان احکام کے موافق عمل کیا کرو مثلاً مال کے خرچ ہی کے باب میں جس کو دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ تعلق ہے۔ دنیا کے ساتھ بوجہ آلۂ حوائج ہونے کے اور آخرت کے ساتھ بوجہ آلۂ ثواب ہونے کے پہلے سوچ لیا کرو کہ یہ خرچ کرنا موافق حکم الٰہی کے ہے یا نہیں۔ اگر ہوا تو خرچ کیا ورنہ نہ کیا اور تفصیل اس حکم کی یہ ہے کہ:۔

۱۔ کسی معصیت یا گناہ میں مال خرچ کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔

۲۔ اگر طاعت میں خرچ کرتا ہے تو اگر وہ طاعت حدِ وجوب اور فرضیت تک پہنچی ہے مثلاً زکوٰۃ وغیرہ تو خرچ کرنا فرض و واجب ہے۔

۳۔ طاعت اگر نفل ہے جیسے معمولی خیرات تو اگر ایسا کرنے سے کسی عیال وغیرہ کا اس میں حق ضائع ہوتا ہو تو خرچ کرنا ناجائز اور کسی کا حق ضائع نہیں ہوتا لیکن خود پریشان ہو کر صبر نہ کر سکے گا تو بھی ناجائز اور اگر نہ کسی کا حق ضائع ہوتا ہے۔ نہ خود بے صبری اور پریشانی میں مبتلا ہوگا تو پھر خرچ کرنا جائز ہے اور اگر۔

۴۔ وہ موقع نہ طاعت کا ہے نہ معصیت کا بلکہ مباح ہے تو جیسی نیت ہوگی ویسا حکم ہوگا۔ مثلاً پھل پھلاریہ میوہ و دیگر لذائذ وغیرہ مباحات میں اگر نیت قوت اور اعانت طاعت و عبادت کی ہے تو ثواب اور باعث اجر اور اگر نیت معصیت کی ہے تو گناہ اور اگر محض دل خوش کرنا ہے تو مباح ہے یعنی نہ ثواب ہوگا نہ گناہ۔

الغرض یہاں آیت میں نفل صدقات کا حکم مذکور ہے جن سے متعلق بعض ضروری شرائط کا بیان ذکر کیا گیا۔ آگے صحابہ کرام کا ایک سوال یتیم بچوں کے متعلق نقل فرما کر اس کا جواب دیا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ آپ نے جو احکامات ہمارے لئے بیان فرمائے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے ہر معاملہ میں ہم کو اُن پر غور و فکر کی توفیق عطا فرمائیے اور اپنی مرضیات کے موافق عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیے۔ یا اللہ ہم کو دنیا میں جو آپ نے عطا فرمایا ہے اس میں حقوق واجبہ کے ساتھ نفلی خیر خیرات کی بھی توفیق عطا فرمائیں اور اپنے مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۱۱

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں - آپ فرما دیجئے کہ اُن کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ

اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور

مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو جانتے ہیں - اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے - اللہ تعالیٰ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

زبردست ہیں حکمت والے ہیں -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات سے مختلف سوالات اور اُن کے جوابات کا سلسلہ چل رہا ہے - یہاں اس آیت میں صحابہ کرام کا سوال یتیمی کے متعلق تھا -

یَتٰمٰی - یہ لفظ یتیم کی جمع ہے اور یتیم سے مراد وہ نابالغ لڑکا یا لڑکی ہے جس کے سر سے باپ یا ماں کا یا دونوں کا سایہ اُٹھ گیا ہو - باپ کے مرجانے سے اگر بچہ یتیم ہوا تو اس کی یتیمی اور بھی زیادہ قابلِ رحم ہو جاتی ہے -

چونکہ عرب میں ابتدائے اسلام میں پوری طرح یتیموں کا حق دینے میں احتیاط نہ تھی اس لئے قرآنِ کریم میں یہ حکم ہوا تھا وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (پ ۱۵ - سورۂ بنی اسرائیل) یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہو - اور پھر چوتھے پارہ سورۂ نساء میں فرمایا گیا اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ "یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے"!

صحابۂ کرام رض جو احکامِ الٰہیہ پر جان قربان کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے انتہائی ڈرنے والے تھے - اِن آیاتِ مذکورہ بالا کے نزول سے سخت خوف زدہ ہو گئے اور جس کے پاس کوئی یتیم بچہ اور اس کا مال تھا اور وہ گھر کے سب آدمیوں کے ساتھ کھانے پینے میں شریک کھا جاتا تھا تو ان کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ہر وقت تو اس کی نگرانی مشکل ہے کہ یتیم بچہ نے کتنا کھایا ہے - جتنا مال اس کا

Marfat.com

شریک ہے وہ دوسرے کے حصّہ سے کم ہے یا زیادہ ۔ اگر یتیم کا مال زیادہ ہو گیا تو یہ وعید شدید ہے جو اوپر کی آیت میں فرمائی گئی ۔ اس لئے ان آیات کو سن کر اُن صحابہ نے جو یتیموں کے والی تھے سوڈکے مارے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ یتیموں کا کھانا بھی الگ پکواتے ۔ الگ کھولتے ۔ اب اگر اس کا پکا ہوا کھانا بچ رہا تو اُسے یا تو وہی یتیم دوسرے وقت کھاوے یا خراب ہو جاوے اور سڑ کر ضائع ہو ۔ اس طرح ایک طرف تو یتیموں کا نقصان ہونے لگا ۔ دُوسری طرف والیان یتیم بھی تنگ ہوتے کہ کب تک اس طرح ایک ہی گھر میں علیحدہ رکھا پکیا کریں ۔ اس طرح علیحدہ انتظام سے اولیاء یتیم کو بھی تکلیف ہوتی تھی اس لئے ایسے لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اور پوری بات معلوم کرنے کے لئے یتامیٰ کے بارہ میں سوال اٹھایا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانتداری کے ساتھ یتیموں کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی ۔

سلف و خلف کی ایک جماعت نے اس آیت کا شانِ نزول یہی بیان کیا ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے :-

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کے خرچ علیحدہ یا شامل رکھنے کا حکم پوچھتے ہیں ۔ آپ فرما دیجئے کہ اصل مقصود ہمارا اُن کے اموال کھانے کی مخالفت سے یہ ہے کہ اُن کی مصلحت کو ضائع نہ کیا جاوے اور جب خرچ شامل رکھنے میں اُن کی مصلحت ہے تو اُن کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے ۔ اور اگر تم اُن کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو کچھ ڈر کی بات نہیں کیونکہ وہ بچے تمہارے دینی بھائی ہیں اور بھائی بھائی شامل رہا ہی کرتے ہیں ۔ اور اللہ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو خوب جانتے ہیں پس مخالطت اس قسم کی نہ ہونا چاہیئے جس میں یتیم بچوں کی مصلحت ضائع ہو جائے مثلاً برائے نام اپنا تھوڑا سا ملا دیا باقی سب اُنہی کا کھایا تو جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ سے اُس کی بدنیتی مخفی نہیں رہ سکتی ۔ اور جو مخالطت میں اُن کی مصلحت کی رعایت رکھے تو بالفرض اگر بلا علم اور بلا قصد کچھ کمی بیشی بھی ہو جائے ۔ تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو اُس کی خوش نیتی معلوم ہے اس لئے اُس پر مواخذہ نہ ہوگا ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس باب میں سخت قانون مقرر کر کے تم کو مصیبت میں ڈال دیتے کیونکہ اللہ زبردست ہیں جو حکم چاہے دے سکتے ہیں مگر سہل قانون مقرر فرمایا کیونکہ حکمت والے بھی ہیں ایسا حکم نہیں دیتے جو ہو نہ سکے ۔"

تو اِس آیت کے موجب جو چیز کہ خراب ہونے یا گلنے سڑنے والی ہو اُس میں نیک نیتی سے اپنے

Marfat.com

ساتھ یتیم کا خرچ انداز سے شامل رکھنا درست ہے اور دوسری چیزوں کا حساب الگ رکھنا واجب ہے۔ پھر چونکہ نزولِ آیت کے وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان ہی یتیم تھے اس لئے اِخْوَانُکُمْ یہاں فرمایا ورنہ اگر دوسرے مذہب کا یتیم بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو اس کا بھی بعینہٖ یہی حکم ہے اور اس کی دلیل دوسری آیات و حدیث ہیں جو الفاظ عامہ سے وارد ہیں بلکہ غیر مسلم یتیم کے ساتھ اتنی رعایت اور مزید کرنی ہوگی کہ اس کی مذہبی آزادی پر دست اندازی نہیں کی جائے گی یعنی بالغ ہو جانے کے بعد اپنی پرورش کا دباؤ ڈال کر اور حق استعمال کر کے اس پر اسلام قبول کرنے کے لئے جبر اور زور ڈالنا جائز نہ ہوگا بلکہ آزادانہ رائے قائم کرنے کا اس کو پورا پورا حق ہوگا۔ اللہ اکبر! یہ ہیں شریعت اسلامیہ کے قوانین اور احکام اور اس پر بھی معاندو متعصب الزام لگاتے ہیں کہ اسلام جبر سے پھیلا ہے۔

الغرض مقصود آیت کا یتیم کی بہبودی اور خیر خواہی کی تعلیم دینا ہے اور اس میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ نیک نیت اور بدنیت سے خوب واقف ہے۔

یتیموں کی پرورش۔ تربیت۔ نگہداشت اور خیر خواہی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت زیادہ زور دیا ہے اور اس کا اجر و ثواب کثیر بیان فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں حضرت سہل بن سعد رضؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا بہشت میں اس طرح ہوں گے۔ یہ کہہ کر آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگل کو دکھایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی یعنی یتیم کی پرورش کرنے والے اور اس کے مال کی حفاظت کرنے والے کا بہشت میں اتنا درجہ بلند ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ سے ایسا اتصال ہے جیسے ان میں ان دو انگلیوں کو۔

اب یتیموں کی پرورش اور اصلاح اور خدا ترسی زیادہ تر گھر کی بیویوں سے متعلق ہے کیونکہ مرد تو اپنے کاروبار میں دن کا اکثر حصہ گھر سے باہر رہتا ہے اور جزیاتِ امور پر اس کی نظر نہیں رہتی اس لئے خانہ داری کی بھی اصلاح ضروری ہوئی اس لئے آگے نکاح سے متعلق ایک نہایت اہم حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ قرآنی احکام و نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور خصوصاً یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ یتیم بچوں کی پرورش اور خیر خواہی ہم سب کے دلوں میں عطا فرمائیں اور قوم کے یتامیٰ کی دیکھ بھال انکی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کا احساس ہم کو عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۱۲

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ

اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں۔ اور مسلمان عورت لونڈی

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو

الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مو غلام بہتر ہے کافر

مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ

مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو۔ یہ لوگ دوزخ کی تحریک دیتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚۖ

اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے

وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۲۷ ۵ ۱۱

اور اللہ تعالیٰ اس واسطے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیت میں یتیمی سے متعلق سوال کہ ان کا کھانا پینا ان کے والی سرپرست اپنے ساتھ شریک میں رکھیں یا علیحدہ اس کا جواب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور اہم مسئلہ اس آیت میں کہ مسلمان مردوں کا نکاح کافر عورتوں سے اور کافر عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں کے ساتھ کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔

ابتدائے اسلام میں مسلمان مرد اور کافر عورت اور اس کے برعکس یعنی مسلمان عورت و کافر مرد دونوں صورتیں نکاح کی جائز تھیں۔ اس آیت سے اس بات کو منسوخ کر دیا گیا۔ اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ آیت ایک صحابی ابن ابی مرثد غنوی رضؓ کے سلسلہ میں نازل ہوئی جب کہ انہیں مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ ایک ضرورت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا۔ مکہ میں عناقہ نامی ایک مشرکہ جو کہ نہایت حسین و جمیل تھی اور جو زمانۂ جاہلیت میں ان صحابی کے ساتھ محبت رکھتی تھی۔ ان پر فریفتہ ہو گئی اور ان سے درخواست نکاح کی۔ انہوں نے کہا کہ بات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر موقوف ہے جب یہ مدینہ واپس ہوئے اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حال عرض کر کے نکاح کی

بابت دریافت کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ مشرک عورتوں سے مسلمان نکاح نہ کریں جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور اسلام قبول نہ کرلیں۔

حضرت ابن عباس رض کی روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن رَوَاحَہ رض کے بارہ میں نازل ہوئی۔ آن کی ایک سیاہ فام باندی تھی ایک دفعہ کسی بات پر غصہ ہو کر اس کے طمانچہ مار دیا تو اس باندی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ ادھر جب عبداللہ بن رَوَاحَہ رض کا غصہ دور ہوا تو اس نازیبا حرکت پر یہ بھی نادم ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مجھ سے یہ غلطی ہو گئی۔ اس کی تلافی یہ ہو سکتی ہے کہ میں اس کو آزاد کر کے نکاح میں لے آؤں۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے اس مومنہ باندی کو آزاد کر کے حضرت عبداللہ نے اس سے نکاح کر لیا۔ لوگوں نے طعنہ دینے شروع کئے کہ ایک سیاہ فام باندی سے نکاح کر لیا۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے کہ دونوں واقعات سبب نزول ہوں چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:-

"اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں اور مسلمان عورت چاہے وہ لونڈی کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ کافر عورت بوجہ مال یا جمال کے تم کو اچھی ہی معلوم ہو مگر واقعہ میں پھر بھی مسلمان ہی عورت اس سے اچھی ہے اور اسی طرح اپنے اختیار کی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں۔ اور مسلمان مرد چاہے غلام ہی کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ کافر مرد بوجہ مال یا جاہ کے تم کو اچھا ہی معلوم ہو۔ مگر پھر بھی واقعہ میں مسلمان ہی مرد اس سے اچھا ہے۔" آگے اس حکم کی علت ارشاد ہوتی ہے:-

"اور وجہ کافروں سے نکاح کرنے کی ممانعت کی یہ ہے کہ یہ کافر لوگ جہنم میں جانے کی تحریک دیتے ہیں کیونکہ کفر کی تحریک دیتے ہیں اور کفر کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کے حاصل کرنے کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے اور اللہ تعالیٰ اس واسطے لوگوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں اور مستحق جنت و مغفرت کے ہو جاویں۔"

اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمان مرد اور کافر عورت اور اس کے برعکس دونوں صورتوں میں جو شادی بیاہ کا دستور عرب میں تھا وہ اس آیت کے نزول کے بعد یکسر ختم ہو گیا۔ تو اس آیت میں دو حکم فرمائے گئے:-

پہلا حکم:- مسلمان مرد کا نکاح کافر عورت سے نہ کیا جائے۔

دوسرا حکم:- مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے نہ کیا جائے۔

Marfat.com

پہلے حکم کی تفصیل یہ ہے کہ غیر کتابیہ کافر سے تو اب بھی مسلمان مرد کا نکاح جائز نہیں چنانچہ ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح مسلمان کا نہیں ہو سکتا۔ البتہ صحیح معنیٰ میں اگر عورت کتابیہ یعنی یہود یہ یا نصرانیہ ہو تو اس کا سورۂ مائدہ کی آیت ۵ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (یعنی پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب آسمانی دیئے گئے ہیں تم کو حلال ہیں) کی رُو سے مسلمان مرد سے نکاح درست ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ کتابیہ اسلام سے مُرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ ہوئی ہو۔ پھر گو کتابی عورت سے نکاح درست ہے لیکن اچھا نہیں۔ حدیث میں دیندار عورت حاصل کرنے کا حکم ہے۔ تو بد دین عورت کا حاصل کرنا ناپسندیدہ ٹھہرا۔ اور یہاں ایک بات یہ اچھی طرح ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ جو اقوام محض اپنی وضع معاشرت اور طرز طریق سے اہلِ کتاب یعنی یہود یا نصاریٰ سمجھے جاتے ہوں لیکن عقائد تحقیق کرنے سے کتابی ثابت نہ ہوں تو ان اقوام کی عورتوں سے نکاح درست نہیں۔ جیسے آجکل عموماً انگریزوں کو عیسائی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ تحقیق سے بعض کے عقائد بالکل ملحدانہ ثابت ہوتے ہیں کہ وہ نہ خدا کی ذات کے قائل۔ نہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے معتقد نہ انجیل کی نسبت آسمانی کتاب ہونے کا اعتقاد۔ تو ایسے لوگ جو درحقیقت نیچری اور دہریہ ہیں ایسی عورتوں سے نکاح درست نہیں۔

دوسرے حکم کی تشریح یہ ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے خواہ وہ کتابی ہو یا غیر کتابی ناجائز ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی اگر نکاح ہوا ہو تو ایک کے کافر دوسرے کے مسلمان ہونے کی صورت میں نکاح باقی نہیں رہے گا جس کی کئی صورتیں ہیں:۔

(۱) مثلاً کوئی مرد نعوذ باللہ کافر ہو جاوے اور اسکے نکاح میں پہلے سے کوئی مسلمان عورت تھی تو نکاح فوراً ٹوٹ جائے گا اور یہ مسلمان عورت عدت پوری کر کے دوسرے مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے۔

(۲) یا مثلاً کوئی کافر عورت بہدایت الٰہی مسلمان ہو جاوے اور وہ پہلے سے کسی کافر مرد کے نکاح میں تھی اور وہ مرد اسلام قبول نہ کرے تو اسی وقت وہ نکاح ٹوٹ جاوے گا۔ البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر وہ جگہ دارالاسلام ہے تو مرد سے تصریحاً پوچھیں گے کہ تو اسلام قبول کرتا ہے یا نہیں اگر وہ اسلام قبول کر لے تو نکاح نہ ٹوٹے گا اور اگر انکار کر دے تو اب ٹوٹ جاوے گا اور اگر وہ جگہ دارالحرب ہے تو خاوند سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ عورت کے اسلام لانے کے بعد جب تین حیض گذر جائیں یا اگر حیض نہ آتا ہو تو جب تین مہینہ گذر جاویں اور اگر حاملہ ہو تو جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس شوہر کے نکاح سے باہر ہو جاوے گی اور ہر صورت میں نکاح ٹوٹنے کے بعد پھر عدت واجب ہوگی۔ بہرحال جس وقت سے نکاح ٹوٹتا ہے اس وقت سے عدت طلاق کی پوری کر کے دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ (بیان القرآن)

Marfat.com

علمائے محققین نے لکھا ہے کہ آج کل مادیت اور سائنس کے اثرات سے نہ صرف یہ کہ یہود و نصاریٰ اپنے مذاہب پر باقی نہیں رہے بلکہ بہت سے مسلمان کہلانے والے یورپ زدہ نوجوان بھی ملحدانہ خیالات اور کافرانہ نظریات کے شکار ہو گئے ہیں کہ نہ اللہ اور رسول پر ان کا عقیدہ۔ نہ احکامِ شریعت اور آخرت کے قائل تو ایسوں سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں اور اگر نکاح کے بعد ایسے عقائد ہو جاویں تو بھی نکاح ٹوٹ جاوے گا اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اول ایک دوسرے کے عقائد کی طرف سے اطمینان کر لینا چاہیئے تب نکاح کیا جائے۔ اور اگر نکاح کے بعد خاوند کے کافرانہ عقائد ثابت ہو جائیں تو دین دار عورت پر اس سے کنارہ کشی واجب ہے اور سرپرستوں پر اس سلسلہ میں عورت کی امداد ضروری ہے۔ (بیان القرآن)

الغرض یہاں کافر و مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اور مشرک و کافر مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح ناجائز و ممنوع قرار دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا کہ کافر کیسا ہی حسن و جمال۔ مال و متاع۔ عزت و حکومت کا حامل ہو مگر وہ ایک فقیر ترین مومن کے ایمان کے مقابل نہیں ہو سکتا اور جو حکم یہاں دیا گیا اس کی علت اور وجہ بھی بیان فرما دی گئی اور وہ یہ کہ کافر انسان خدا کی نافرمانی۔ اللہ سے کفر و سرکشی اور گناہ کی دعوت دیتا ہے جس کا لازمی نتیجہ جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ انسانوں کو دعوت دیتے ہیں اپنی جنت اور مغفرت کی طرف اور وہ چاہتے ہیں کہ تم ایسے اعمال و عقائد اختیار کرو کہ جن سے تمہاری مغفرت ہو جائے اور تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اخیر میں یہ بھی فرما دیا کہ لوگوں کے سامنے خدا تعالیٰ اپنے احکام و قوانین کھول کر بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ ان کی مصلحت اور حکمت پر غور کر کے نصیحت حاصل کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ نعمت اسلام و ایمان کی قدر کریں اور سب کے سب پوری طرح قوانین شریعت کے پابند ہو جائیں۔

اب آگے عورتوں ہی سے متعلق یعنی حائضہ عورتوں کے ساتھ کس طرح کا تعلق رکھا جائے صحابہ کرام کے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے جس کا بیان اگلی آیت میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے ہم کو کفر و شرک سے بچا کر ایمان و اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ یا اللہ ہمیں ان نعمتوں کی صحیح قدر دانی اور شکر گذاری کی توفیق عطا فرما اور ہم کو اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی کتاب قرآن کریم کی پوری فرمانبرداری نصیب فرما۔ اور انجام میں ہمیں اپنی مغفرت و رحمت نصیب فرما۔ یا اللہ ہم کو ہر حال میں دین کو مقدم رکھنے کی توفیق عطا فرما اور بے دینی اور بے دینوں کے تعلقات سے ہم کو بچانا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۱۳

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں ۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے ۔

النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ

تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاویں

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ

پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جاویں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے

نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ

تمہاری بیبیاں تمہارے لئے کھیت ہیں سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

اور آئندہ کے واسطے اپنے لئے کچھ کرتے رہو ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ بیشک تم

مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور ایسے ایمانداروں کو خوشی کی خبر سنا دیجئے ۔

تفسیر و تشریح : گذشتہ آیت میں کافر عورتوں اور کافر مردوں سے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے نکاح سے متعلق احکام بیان فرمائے گئے تھے ۔ اب ان آیات میں حائضہ عورتوں کے متعلق احکام بیان فرمائے گئے ہیں ۔

حَیض اس خون کو کہتے ہیں جو عورتوں کو ہر ماہ آتا ہے جسے ماہواری بھی کہتے ہیں ۔ قرآنِ کریم انسانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے ۔ یہ زندگی کے ہر اس شعبہ کے بارہ میں احکام و ہدایات دیتا ہے جس کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ انسان زندگی میں نہ صرف کھاتا ۔ پیتا ۔ سوتا ۔ جاگتا ۔ کام کاج کرتا ہے بلکہ اس کے اندر فطرتاً جنسی بھوک اور ازدواجی تعلق کی بھی خواہش پیدا ہوتی ہے ۔ اس لئے زندگی کے اس شعبہ کے متعلق بھی قرآن کریم مناسب احکام دیتا ہے ۔ اور اسلام نے جہاں دنیا کے سامنے دیگر قوانین

Marfat.com

اعتدال پیش کئے ہیں اسی طرح اس معاملہ میں بھی راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی ہے۔

حائضہ عورتوں کے متعلق یہود و نصاریٰ نے بہت افراط و تفریط سے کام لیا۔ یہود میں اس درجہ افراط تھا کہ وہ اپنی حائضہ عورتوں سے بالکل جدا ہو جاتے۔ نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے۔ نہ ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے نہ ان سے بات کرتے حیض کے زمانہ میں عورتوں کے ہاتھ کا کھانا ناپاک سمجھتے تھے۔ بعض تو عورتوں کو حیض کے زمانہ میں گھر میں رکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے اور ان کو بالکل علیحدہ مکان میں رکھتے تھے اور کسی قسم کا تعلق ان سے نہ رکھتے تھے۔ مجوس کا بھی یہی حال تھا۔ ہندو قوم میں آج بھی ایام حیض میں عورت کا پکایا ہوا کھانا نہیں کھاتے۔ یہود کے برخلاف عیسائی اس معاملہ میں بہت ہی تفریط سے کام لیتے۔ حائضہ عورتوں سے میل ملاپ نشست و برخاست۔ قیام و طعام کے علاوہ حیض کے ایام میں ہم بستر ہونے سے بھی پرہیز نہ کرتے۔

ایک مرتبہ بعض صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہودی اور عیسائی تو حائضہ عورتوں کے متعلق ایسا کرتے ہیں۔ ہم حیض کی حالت میں اپنی عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ اسلامی حکم سے ہم کو مطلع فرمائیے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ضروری احکام دیئے گئے۔ اور دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق جو بہت مبالغہ آمیز طریقے اختیار کر رکھے تھے اس کے خلاف بتلایا گیا کہ اس زمانہ میں صرف جنسی اختلاط منع ہے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور لوگ آپ سے حیض کی حالت کا حکم پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ حیض گندی چیز ہے۔ تو حالتِ حیض میں تم عورتوں کے ساتھ صحبت کرنے سے علیحدہ رہا کرو۔ اور اس حالت میں ان سے قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہو جاویں۔ پھر جب وہ عورتیں اچھی طرح پاک ہو جاویں کہ ناپاکی کا شک و شبہ نہ رہے تو ان کے پاس آؤ جاؤ یعنی ان سے قربت کرو جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے (یعنی آگے کی راہ سے) یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے یعنی اتفاقاً یا بے احتیاطی سے حالتِ حیض میں صحبت کوئی کر بیٹھا اور پھر متنبہ ہو کر۔ توبہ کر لی تو ایسے توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے جو حالتِ حیض میں صحبت کرنے سے اور دوسرے منہیات سے بچتے ہیں۔ اور حالتِ پاکی میں اجازت صحبت کی دینا پھر اس قید سے اجازت دینا کہ آگے کے مواقع میں صحبت ہو اس لئے ہے کہ تمہاری بیبیاں تمہارے لئے بمنزلہ کھیت کے ہیں جس میں نطفہ بجائے تخم کے اور بچہ بجائے پیداوار کے ہے سو اپنے

کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ یعنی جس طرح کھیتوں میں اجازت ہے اسی طرح بیبیوں کے پاس پاکی کی حالت میں ہر طرف سے آنے کی اجازت ہے یعنی خواہ کروٹ سے ہو یا اوپر نیچے لیٹ کر یا سامنے بیٹھ کر۔ غرض جس ہیئت سے ہو مگر آنا ہو ہر حال میں کھیت کے اندر کہ وہ خاص آگے کا مقام ہے کیونکہ پیچھے یعنی پاخانہ کا موقع کھیت کے مشابہ نہیں۔ اس میں صحبت نہ ہو۔ اور ان لذات میں ایسے مشغول مت ہو جاؤ کہ آخرت اور احکام الٰہیہ ہی کو بھول جاؤ بلکہ آئندہ کے واسطے اپنے لئے کچھ اعمال صالحہ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ڈرتے رہو۔ اور یہ یقین رکھو کہ بیشک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ایمانداروں کو جو احکام الٰہیہ کی پابندی کریں۔ خدا سے ڈریں اور خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین رکھیں خوشی کی خبر سنا دیجئے کہ ان کو آخرت میں اجر عظیم اور ہر طرح کی نعمتیں ملیں گی۔

یہاں اس جگہ حیض کی کوئی مدت بیان نہیں کی گئی کہ کب سے کب تک رہتا ہے لیکن ائمہ دین نے احادیث اور اقوال صحابہ اور دیگر دلائل و قرائن سے مدت مقرر کی ہے۔ چنانچہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایام حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس روز ہیں۔ یہاں اس آیت میں حیض کے ایام میں صرف صحبت کی ممانعت ہے باقی اور احکام کہ حیض میں نماز نہ پڑھے روزہ نہ رکھے۔ مسجد میں نہ جاوے۔ قرآن مجید کو نہ چھوئے۔ خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے یہ سب احادیث سے ثابت ہیں حالت حیض میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست نہیں۔ اگر غلبۂ شہوت میں حالتِ حیض میں صحبت ہو گئی تو اس گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے اور اگر کچھ صدقہ خیرات بھی دے دے تو زیادہ بہتر ہے۔ عورت کے ایام حیض کے معمول اور عادت میں فرق ہو جانے پر حیض سے پاکی اور صحبت وغیرہ کے بعض نہایت ضروری اور اہم مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھ لئے جائیں یا معلوم کر لئے جائیں ورنہ لاعلمی سے گناہ کا ارتکاب ہو گا۔

یہاں آیت میں فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ (تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے) کی تصریح کے موافق اپنی بی بی سے بھی پیچھے کے موقعہ میں صحبت کرنا حرام ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ملعون ہے وہ شخص کہ جو عورت کی دُبُر یعنی پاخانہ کے مقام میں وطی کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے حالتِ حیض میں وطی کی یا دُبُر کی جانب میں صحبت کی یا کسی کاہن اور نجومی کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس شخص نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ احکام کا کفر کیا (رواہ الترمذی)

Marfat.com

الغرض یہاں دوسری آیت میں نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فرمایا ہے یعنی عورتوں کو بمنزلہ کھیت فرمایا یعنی جس طرح کھیت میں بیج ڈالنے سے اس میں مختلف قسم کے غلہ پھل - میوے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح عورت کے رحم میں تخم ریزی کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے تو بیوی سے اگرچہ اور بھی کئی منافع حاصل کئے جاتے ہیں لیکن یہاں آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نکاح کا اصل مقصد نسل کی افزائش اور توالد و تناسل ہے جس طرح کسان یا کاشتکار اپنی کھیتی کو اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر عزیز رکھتا ہے اس کی نگرانی کرتا ہے اس کی ہر طرح حفاظت کرتا ہے اس سے پیداوار حاصل کرتا ہے اسی طرح شوہر کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کو اپنی عزیز ترین دولت سمجھے - اس کی مناسب نگرانی و حفاظت کرے اور اس سے اولاد حاصل کرے -

یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نزدیک ازدواجی رشتہ اور ہم بستری کا اصل مقصد حصولِ اولاد ہی ہے - پھر جس طرح کسان کھیت بوکر اللہ تعالیٰ سے بارانِ رحمت کی دعاء کرتا ہے فصل کے پھلنے پھولنے کی استدعا کرتا ہے اسی طرح شوہر کو بھی اللہ تعالیٰ سے صالح اولاد لینے کے لئے دعاء کرنی چاہیئے - حدیث شریف میں آتا ہے کہ اولاد صالح آدمی کے لئے ایک صدقہ جاریہ ہے جو مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے - چنانچہ ترغیب نکاح کے بارہ میں جو حدیث نبوی مشہور ہے اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ میں قیامت میں امت کی کثرت پر فخر کروں گا - جس سے معلوم ہوا کہ ترغیب نکاح سے اولاد کی کثرت مطلوب ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن سامانِ افتخار ہاتھ آئے - اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ ضبطِ تولید طبعی امر نہیں ہے کیونکہ ایسا احمق کاشتکار کون ہوگا کہ کھیت میں بیج تو بوئے مگر فصل اور پیداوار نہ چاہے - پودا اگنے سے پہلے ہی اسے اکھاڑ پھینکے -

دشمنانِ دین اسلام کی تجویز پر اس ملک میں بھی خاندانی منصوبہ بندی جیسی احمقانہ اور خلافِ دین تحریک کو نوازا جا رہا ہے - جو لوگ خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعہ بچوں کی پیدائش روکنے کے درپے ہیں وہ نکاح کی اصل غرض و غایت ہی سے ناواقف ہیں - انہوں نے نکاح شادی کی غرض و غایت صرف جنسی تسکین ہی سمجھ رکھی ہے - اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس معاملہ میں انسان اور دیگر حیوانوں میں کیا امتیاز رہا لیکن یہ بات تو اس کی سمجھ میں آسکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ دین کی فہم عطا فرمائیں - ورنہ ہم تو یہود و نصاریٰ کی تقلید میں بندھے ہوئے ہیں -

آیات کے آخر میں مرد و عورت کے تعلقات کو بیان کر کے دو باتوں کا حکم ہو رہا ہے -

ایک وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ دوسرے وَاتَّقُوا اللّٰهَ -

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ کے لفظی معنیٰ ہوتے اور اپنے واسطے آگے کی تدبیر کرو یا آئندہ کے

Marfat.com

لئے اپنے حق میں کچھ کرتے رہو یعنی محض لذت پرستی میں غرق نہ ہو جاؤ بلکہ اپنی لذتوں کو بھی طاعت وعبادت بنالو اور یہ اسی طرح بنایا جا سکتا ہے کہ تم ہر کام کرتے وقت اللہ کے احکام پیش نظر رکھو اور انجام آخرت بہتر بنانے کی فکر کرو۔ اس جملہ سے بعض مفسرین نے یہ مراد لیا ہے کہ بی بی سے قربت کے وقت اللہ کا نام لو تاکہ اولاد شیطان کے اثر سے محفوظ رہے۔ قربت میں نیک اولاد کی نیت کرو تاکہ آخرت کی کھیتی بنے اور تمہارے لئے دعاء و استغفار کرے اور قیامت کے دن تمہارے کام آئے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھ کر بیوی سے صحبت میں مشغول ہوگا تو اگر اس صحبت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فرزند عطا کیا تو وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ دعا یہ ہے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا۔

دوسرا حکم وَاتَّقُوا اللّٰهَ کا دیا گیا۔ تقویٰ یعنی خوف خداوندی کی تاکید قرآن کریم جگہ جگہ اور بار بار کرتا ہے۔ یہاں بھی تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ گویا مقصود یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔ احکام الٰہیہ کی پابندی کرے اور افراط و تفریط سے بچ کر صراط مستقیم پر چلتا رہے۔

آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فرمایا یعنی ایسے مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے جو احکام الٰہیہ کی پابندی کریں۔ خدا سے ڈریں اور خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین رکھیں کہ انہیں آخرت میں اجر عظیم ملے گا۔ اور بے حد و بے اندازہ انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے ہر حکم کو واجب العمل سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ اور اپنا خوف و فکر آخرت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اب آگے ایام جاہلیت کی ایک بری رسم یعنی اللہ کے نام کی قسموں کا غلط استعمال اور اس کے متعلق احکام بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو قرآنی احکام و ہدایات کی اتباع و پیروی زندگی کے ہر شعبہ میں نصیب فرمائیں۔ اور ہر حال میں ہم کو افراط و تفریط سے بچا کر صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔

Marfat.com

یا اللہ ہم کو ظاہری و باطنی پاکی و طہارت نصیب فرما اور ہر کام میں اپنے احکام کی پابندی نصیب فرما۔

یا اللہ ہم کو سچا وہ خوف اور خشیت عطا فرما کہ جو آپ کی اطاعت و بندگی پر ہم کو آمادہ رکھے اور ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچالے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۱۴

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا

اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ اپنی قسمیں کھانے کے لئے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیزگاری سے

وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ ۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں ۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ

اللہ تعالیٰ تم پر دار و گیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں بیہودہ قسم پر لیکن

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

دار و گیر فرمائیں گے اُس پر جس میں تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں ۔

تفسیر و تشریح : ۔ گذشتہ آیات میں دور سے سلسلہ مختلف احکام کے بیان کا چل رہا ہے ۔ گذشتہ آیت میں رشتہ ازدواج کے سلسلہ میں بیوی کی ایک خاص حیثیت مرد کی کھیتی بتلا کر واضح کی گئی تھی ۔ آگے بھی مسائل بیویوں ہی سے متعلق بیان ہوئے ہیں اور ایلاء یعنی بیوی سے جدا رہنے کی قسم کھا لینا اور طلاق ۔ عدت ۔ مہر ۔ رضاعت یعنی بچوں کو دودھ پلانے کی مدت اور بیوہ کے وصیت وغیرہ کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں ۔ اس سلسلہ میں پہلے اِن آیات میں غلط قسموں کے استعمال کی ممانعت کا حکم ظاہر فرمایا جاتا ہے جو ایام جاہلیت کی ایک بُری رسم عربوں میں رائج تھی ۔

ابتداء میں عربوں میں یہ بات رائج تھی کہ بعض لوگ جب کسی سے ناراض ہو جاتے تو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ بیٹھتے تھے کہ ہم فلاں سے نہ بولیں گے یا اس سے نہ ملیں گے ۔ یا اس کے پاس نہ جائیں گے یا فلاں لڑنے والوں کے درمیان صلح نہیں کرائیں گے ۔ یہاں تک کہ قریبی رشتہ داروں میں بھی کسی ناچاقی پر قسم کھا لیتے کہ فلاں رشتہ دار سے نیک سلوک نہیں کریں گے اور پھر یہ قسمیں بہت سے نیک کام چھوڑنے کا بہانہ بن جاتیں ۔ جب کوئی کہتا کہ ان کاموں کو کرنا کیوں چھوڑ دیا تو یہی جواب دیتے کہ ہم تو اس کام کے نہ کرنے کی قسم کھا چکے ہیں ۔ ایک تو نیک کاموں کو چھوڑ دینا ویسا ہی بُرا تھا چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کا بزرگ و برتر نام لے کر نیک کاموں سے بچنے کی صورت پیدا کی جائے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ذوالجلال والاکرام ہے اور وہ بلند شان عظمت و بزرگی والا ہے ۔ اس کا نام بھی عظمت و بزرگی والا ہے ۔ تو اس قدر بلند شان اور عظمت والے نام کو نیک کام کے نہ کرنے کے لئے عذر بنائے رکھنا نہایت قبیح امر تھا ۔ اس لئے ان آیات

Marfat.com

میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ اس طرح خدا کے نام کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کے لئے مانع نہ بناؤ۔ ان آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں مختلف روایات بھی نقل کی گئی ہیں ایک روایت تو یہ ہے کہ حضرت نُعمان بن بشیرؓ نے حضرت عبداللہ بن رَوَاحہ کی ہمشیرہ کو طلاق رجعی دے دی۔ لیکن چند روز کے بعد صلح کا ارادہ کیا اور رجوع کی خواہش کی حضرت عبداللہ بن رَوَاحہ نے قسم کھالی کہ نُعمان سے کلام نہ کروں گا اور میاں بیوی میں صلح نہ ہونے دوں گا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک خالہ زاد بھائی مِسطَح نامی تھے۔ جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کا طوفان کھڑا کیا لیکن حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی اور اتہام سے برأت کے متعلق قرآنِ کریم میں صراحت آگئی جس کا تفصیلی بیان اٹھارویں پارہ سورۂ نُور میں فرمایا گیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ مِسطَح کو جو میں مصارف دیا کرتا تھا اب نہ دوں گا کیونکہ وہ بھی منافقوں کے ساتھ تہمت لگانے میں شریک ہو گیا تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم توڑ کر کفارہ ادا کیا۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ ان آیات کا شانِ نزول کوئی خاص واقعہ نہیں بلکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہوتے تھے اور لوگوں کا دستور تھا کہ خدا کی قسمیں کھا بیٹھتے تھے کہ میں فلاں سے نہ ملوں گا یا فلاں سے صلح نہ کروں گا۔ یا فلاں شخص کے مصارف کی خبر گیری نہ کروں گا۔ ان سب کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا جن میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے لئے آڑ نہ بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے کام اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ اور اللہ سب کچھ سُنتا جانتا ہے (یعنی اللہ کے نام کی یہ قسم نہ کھاؤ کہ ہم فلاں نیک کام نہ کریں گے) ○ اللہ تعالیٰ تم پر آخرت میں دار و گیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں ایسی بیہودہ قسموں پر جس میں بلا قصد جھوٹ بولا گیا۔ لیکن دار و گیر فرمائیں گے اس جھوٹی قسم پر جس میں تمہارے دلوں نے جھوٹ بولنے کا ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں کہ ایسی بیہودہ قسم پر دار و گیر نہ فرمائی حلیم ہیں کہ قصداً جھوٹی قسم کھانے کی سزا میں آخرت تک مہلت دی۔"

اِن دو آیات میں سے پہلی آیت میں تو امورِ خیر کے ترک کرنے پر قسم کھانے کی ممانعت فرمائی۔ اب اس پہلی آیت سے متعلقہ چند ضروری مسائل یہ ہیں:۔

۱۔ بے ضرورت بات بات پر قسم کھانا بہت بُری عادت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بڑی بے تعظیمی اور بے حُرمتی ہوتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے سچی بات پر بھی قسم نہ کھانا چاہیئے۔ (بہشتی زیور)

۲۔ جس نے کسی بات کے کرنے یا نہ کرنے پر اللہ کی قسم کھالی تو پھر اس کے خلاف کرنا درست نہیں اگر کرے گا تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا۔

۳۔ اگر کسی نے کسی گناہ کے کام کی قسم کھائی مثلاً یہ قسم کھا کر کہا کہ ماں باپ سے کبھی نہ ملوں گا تو ایسی قسم کا توڑ دینا واجب ہے۔ توڑ کر کفارہ دیدے۔ اگر نہیں توڑے گا تو گنہ گار ہو گا جیسا کہ حدیث میں بھی رسول اللہ

رصلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ جو شخص نیک عمل کے چھوڑنے اور نہ کرنے پر قسم کھالے تو اس پر واجب ہے کہ وہ نیک کام کرے اور قسم توڑے اور اس کا کفارہ دے۔

۴۔ قسم کے توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو دو وقتہ کھانا کھلا دیوے یا کچا اناج دے دے گیہوں اگر دے تو ہر فقیر کو صدقۂ فطر کے برابر یعنی تقریباً دو سیر اور اگر جَو دے تو گیہوں کے دُگنے یعنی چار سیر یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے جس سے بدن کا زیادہ حصہ ڈھک جائے۔ (بہشتی زیور)

۵۔ اگر کوئی ایسا غریب ہے، کہ نہ تو کھانا کھلا سکتا ہے۔ نہ کپڑا دے سکتا ہے تو لگاتار تین روزہ رکھے اگر منہ میں کسی عذر سے بھی کوئی روزہ چھوٹ گیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔ (بہشتی زیور)

۶۔ کفارہ میں انہی مساکین کو کپڑا یا کھانا دینا درست ہے جن کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (بہشتی زیور)

دوسری آیت میں بتلایا گیا کہ قسم وہ معتبر ہے جو دل سے اور ارادہ سے کھائی جائے اور جو لغو قسم منہ سے عادت کے طور پر بے خیال میں بے ساختہ زبان سے نکل جائے اور دل کو خبر تک نہ ہو وہ لغو ہے اور ایسی قسم پر مواخذہ اور پکڑ اللہ تعالیٰ نہیں فرماتے۔ لغو یعنی بے معنی قسم کی تفصیل یہ ہے کہ ایک تو کسی گذری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی یا نکلی تو ارادہ سے مگر اس کو اپنے گمان میں سچ سمجھتا تھا۔ مثلاً زید واقعی میں آیا تھا مگر اس کے آنے کی خبر نہ تھی اور وہ شخص قسم کھا بیٹھا کہ زید نہ آیا تھا تو اس میں گناہ نہیں ہوتا اور اس کو اسی واسطے لغو کہتے ہیں کہ اس میں مواخذہ اُخروی نہیں۔

اسی طرح کسی آئندہ بات پر اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا چاہتا تھا کچھ مگر بے ارادہ اور بے ساختہ قسم نکل گئی کچھ اور تو یہ بھی ساقط الاعتبار ہے یعنی اس پر نہ کچھ گناہ ہے نہ کفارہ برخلاف اس کے جس پر مواخذہ ہونے کا ذکر فرمایا گیا یہ وہ قسم ہے جو قصداً جھوٹی سمجھ کر کھائی ہو یا آئندہ کسی کام کے کرنے نہ کرنے کی قصداً قسم کھائی اور پھر قسم کی خلاف ورزی کی تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بلا ارادہ اور نادانستہ فعل کی گرفت نہیں فرماتے ہاں اگر ارادہ اور دلی قصد کے ساتھ کسی معصیت یا خلاف شریعت حرکت کا ارتکاب کیا جائے تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ اب گذشتہ میں عورتوں اور بیویوں کے بارہ میں تذکرہ ہوا تھا اور آئندہ بھی انہی سے متعلق احکام ہیں بیچ میں قسم کا بیان ان آیات میں آگیا تھا۔ اب آگے اپنی بی بی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھالینا جس کا عرب میں اس وقت عام دستور تھا اور جس کو شریعت میں "اِیلاء" کہتے ہیں اس کے احکام ظاہر فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔ یا اللہ جتنی لغو اور گناہ کی باتیں ہیں ان سے ہم کو محفوظ رکھئے اور ہر حال میں ہم کو شریعت مطہرہ کے قوانین واحکام پر ظاہراً و باطناً اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیے۔ یا اللہ اپنے نام کی عظمت اور بزرگی ہمارے دِلوں میں اس درجہ عطا فرمائیے کہ ہم سے کسی قرآنی یا شرعی حکم کی نافرمانی نہ ہو۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۱۵

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ

جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں سے اُن کے لئے چار مہینہ تک کی مہلت ہے۔

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ

سو اگر یہ لوگ رجوع کرلیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے رحمت فرماویں گے۔ اور اگر

عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

تفسیر و تشریح: ۔گذشتہ آیات میں کچھ احکام عورتوں کے متعلق مذکور ہوئے تھے اور کچھ احکام یمین یعنی قسم کے متعلق بیان ہوئے۔ اسی سلسلہ میں ان آیات میں عورتوں ہی سے متعلق ایک خاص قسم کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس کو شریعتِ اسلامیہ میں "اِیلَا" کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اگر کوئی بیوی کے پاس نہ جانے اور اُس سے جُدا رہنے کی قسم کھا لے تو اُس کو ایلا کہا جاتا ہے۔

عربوں میں زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو جاتا اور اس کو ناپسند کرتا تو وہ اس سے اِیلَا کرلیتا۔ یعنی قسم کھا لیتا کہ میں اپنی بیوی سے قربت نہیں کروں گا۔ اور اِیلَا کی ان کے رواج میں کوئی مدت مقرر نہ تھی۔ اس لئے ایک طرف تو خاوند ایلا کی وجہ سے ساری عمر اپنی بیوی سے تعلقاتِ زوجیت منقطع رکھتا۔ دوسری طرف وہ عورت اس کی زوجیت سے خارج بھی نہ ہوتی تاکہ کسی دوسرے سے نکاح کرلے۔ اس طرح یہ غریب عورت معلّق رہتی تھی اور تکلیف اُٹھاتی تھی۔ گویا جاہلیت میں عورت کے ستانے کا یہ ایک طریق تھا جس سے نہ عورت بیوہ ہی ہوتی نہ خاوند والی ہی رہتی۔ اسلام نے ان خرابیوں کو دُور کرنے کے لئے جاہلیت کے "اِیلَا" میں اصلاح کی اور اس کے لئے چار ماہ مدت مقرر کردی تاکہ خاوند اِیلَا کے بعد اس عرصہ میں اپنی بیوی کے متعلق آخری فیصلہ کرنے سے پہلے ٹھنڈے دِل سے خوب سوچ سمجھ کر کوئی رائے قائم کرلے۔ اگر سوچ بچار کے بعد اس فیصلہ پر پہنچے کہ اُسے اپنی بیوی سے صلح کرلینی چاہیئے اور دوبارہ اس سے تعلقاتِ زوجیت استوار کر لینے چاہئیں تو اُسے چاہیئے کہ وہ اِیلَا کے دن سے چار ماہ کے اندر اندر بیوی سے تعلقات قائم کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے اور اگر اس عرصہ میں اس نے یہی طے کیا کہ وہ دوبارہ اپنی بیوی سے تعلقات برقرار رکھنا نہیں چاہتا تو وہ چار ماہ تک بیوی کے قریب نہ جائے چار ماہ کا عرصہ گذرنے پر خود بخود

Marfat.com

عورت کو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

یہاں ان آیات میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک تو اِیلَا کا یعنی بیوی سے جُدا رہنے کی قسم کھا لینا جس کا ذکر اُوپر ہوا۔ دوسرے طلاق کا۔ قانونی طور پر خاوند اور بیوی کے باہمی تعلقات بالکل ختم ہو جانے کا نام "طلاق" ہے۔

اسلام سے پہلے بھی دُنیا میں طلاق کے مختلف طریقے رائج تھے۔ یہود کے ہاں "طلاق" کے سلسلہ میں کوئی قید یا ذمہ داری نہ تھی۔ مرد کا جب جی چاہتا طلاق نامہ لکھ کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کر لیتا اور بیوی بھی اسی وقت دوسرا خاوند کر سکتی تھی۔ اس آزادی کے مقابلہ میں نصاریٰ نے بہت زیادہ پابندی اور سختی اختیار کی۔ خاوند اور بیوی کے علیٰحدہ ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی اور میجزموت کے میاں بیوی میں کوئی صورت افتراق کی ممکن نہ تھی۔ یہ عیسائیوں میں رومن کیتھولک کا مذہب ہے جن کے ہاں طلاق مطلقاً ناجائز ہے۔ اور اسلام سے قبل عیسائیوں میں یہی فرقہ موجود تھا۔ ظہور اسلام سے صدیوں بعد عیسائیوں کا دوسرا فرقہ پروٹسٹنٹ پیدا ہوا اس کے ہاں میاں بیوی کی علیٰحدگی کی اجازت ہوئی لیکن صرف اس صورت میں کہ بیوی کسی سے زنا کرے۔ یہی حال ہندو مذہب کا ہے کہ ان کے ہاں طلاق کوئی چیز ہی نہیں۔ ان تمام افراط و تفریط کے راستوں کے خلاف اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کی اور اسلام نے اس کی اجازت روا رکھی ہے کہ اگر شوہر ایمانداری کے ساتھ محسوس کرے کہ اس کی شریک زندگی اس سے تعاون نہیں کرتی یا جائز تقاضوں کو پورا نہیں کرتی تو بجائے اس کے کہ وہ دونوں تمام عمر جھیکتے اور کڑھتے رہیں اور ایک دوسرے سے بیزار رہیں تو اس سے بہتر یہی ہے کہ وہ علیٰحدہ علیٰحدہ ہو جائیں اور ایک دوسرے سے چھٹکارا ہو جائے اور جس میں ان کو سکون ہو وہ راہ اختیار کر لیں۔

یہاں آیت میں اِیلَا کا حکم بیان فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:۔

"جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں کے پاس جانے سے اُن کے لئے چار مہینہ تک کی مہلت ہے سو اگر ان چار ماہ کے اندر یہ لوگ اپنی قسم کو توڑ کر عورت کی طرف رجوع کر لیں تب تو نکاح باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ ایسی قسم کے توڑنے کا گناہ کفارہ سے معاف کر دیں گے اور چونکہ اب بی بی کے حقوق کو ادا کرنے لگا اس پر رحمت فرمائیں گے اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے اور اس لئے چار ماہ کے اندر قسم توڑ کر رجوع نہیں کیا تو چار ماہ گذرتے ہی قطعی طلاق پڑ جاوے گی اور اللہ تعالیٰ ان کی اس قسم کو بھی سنتے ہیں اور ان کے اس پختہ ارادہ کو بھی جانتے ہیں اس لئے اس کے متعلق حکم مناسب ارشاد فرما دیا"

اِیلَا یعنی بی بی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینے کی مزید تشریح فقہا نے اس طرح کی ہے کہ

Marfat.com

اس کی چار صورتیں ہیں :-

۱ - ایک یہ کہ کوئی مُدت مُعیّن نہ کرے یعنی قسم کھالی کہ بی بی کے پاس نہ جاؤں گا اور کوئی مدت مُعیّن نہیں کی۔

۲ - دوسرے یہ کہ چار ماہ کی مدت کی قید لگائے۔

۳ - تیسرے یہ کہ چار ماہ سے زیادہ مدت کی قید لگادے۔

۴ - چوتھے یہ کہ چار ماہ سے کم کی مدت کا نام لے۔

پس اوّل - اور دوسری اور تیسری صورت جس کو شرعاً اِیلَا کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ ڈالے اور بی بی کے پاس چلا جائے تو قسم توڑنے کا کفارہ دے اور نکاح باقی رہے گا اور اگر چار ماہ گذر گئے اور قسم نہ توڑی تو اس عورت پر قطعی طلاق پڑ گئی یعنی بلا نکاح رجوع کرنا درست نہیں رہا - البتہ دونوں اگر رضامندی سے پھر نکاح کرلیں تو درست ہے اور حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی - اور چوتھی صورت یعنی ایلا میں چار ماہ سے کم مدت کا نام لیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم توڑے تو کفارہ لازم ہوگا اور اگر قسم پوری کرلی جب بھی نکاح باقی رہے گا (بیان القرآن)

یہ تو اِیلَا کے احکام کا بیان ہوا - آگے اسی سلسلہ میں مُطلقہ کی عدت اور طلاق کے بعض ضروری احکام وغیرہ کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجیے :-

یا اللہ آپ نے جو ازدواجی رشتہ کی اہمیت قائم فرمائی ہے اور اس کے حدود وقیود مقرر فرمائے ہیں اس کے موافق ہمیں ازدواجی زندگی گذارنا نصیب فرما۔ اور اس میں جو کوتاہیاں ہم سے ہوئی ہیں انہیں معاف فرما - اور نکاح کے جو برکات وثمرات شریعت اسلامیہ کو مطلوب ہیں وہ ہم سب کو نصیب فرما۔

یا اللہ ہم کو ایک دوسرے کے حقوق کے ادائیگی کی توفیق اپنی مرضیات کے موافق عطا فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۱۶

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض تک

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ

اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا

اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

کیا ہو اس کو پوشیدہ کریں اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ

اور ان عورتوں کے شوہر ان کے پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ

اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کا

عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع ۲۸ ۷ ۱۲

ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکیم ہیں۔

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں اِیلاَ اور طلاق کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اِیلاَ یا تو طلاق کا پیش خیمہ ہے یا پھر بعض مرتبہ ارادہ رجوع کا ہوتا ہے اس لئے اِس آیت اور آئندہ آیات میں مطلقہ عورتوں سے متعلق عدت وغیرہ کے احکام اور طلاق کے ساتھ رجعت کے احکام بیان فرمائے جاتے ہیں۔

عرب میں دستور تھا کہ ایام جاہلیت میں عورتوں کو طلاق دے کر سال سال بھر الگ رہتے اور اس دوران میں بیچاری عورت نہ تو کہیں اور نکاح کر سکتی تھی۔ نہ شوہر اس کے مصارف کی خبر گیری کرتا تھا۔ اس طرح عورت پر بڑا ظلم ہوتا تھا گویا عورت کے لئے عدت کے زمانہ کا کوئی تعین نہ تھا کہ اگر شوہر عورت کو طلاق دیدے تو وہ کتنا عرصہ عدت کا گذار کر آزاد ہو جائے دوسرا نکاح کرنے کے لئے۔ اسلام نے جہاں اور جاہلیت کے رسوم کی اصلاحات کی ہیں وہیں مطلقہ عورتوں کے عدت کے متعلق بھی احکام دیئے۔

اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں یہ روایت آئی ہے کہ اَسْمَاء بنتِ یزید انصاریہ کو اُن کے شوہر نے طلاق دی تھی۔ عدت کے لئے کوئی مدت مقرر نہ تھی۔ اُنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حال عرض کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں کی عدت بیان فرمادی۔ چنانچہ

Marfat.com

آیت میں ارشاد ہوتا ہے :-

"اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک (اسی مدتِ انتظار کو عدت کہتے ہیں) اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو خواہ حمل یا حیض اسکو پوشیدہ کریں (کیونکہ اس کے پوشیدہ کرنے سے عدت کا حساب غلط ہو جاویگا) اگر عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں - اور ان عورتوں کے شوہر جبکہ ان کو طلاق رجعی ملی ہو ان کے بلا تجدید نکاح پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر (اور اس لوٹا لینے کو رجعت کہتے ہیں) بشرطیکہ رجعت کرنے سے اصلاح کا قصد رکھتے ہوں اور یہ حکم اصلاح کا اس لئے کیا گیا کہ عورتوں کے بھی حقوق ہیں مردوں پر جو کہ نفس وجوب میں مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں مردوں کے، کہ انکو قاعدہ شرعی کے موافق ادا کیا جائے اور اتنی بات ضرور ہے کہ مردوں کا انکے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حاکم ہیں جو احکام چاہیں مقرر کرنیکا حق رکھتے ہیں اور حکیم بھی ہیں کہ نہایت مصلحت کے ساتھ احکام مقرر کرتے ہیں"

اس آیت میں پہلا حکم تو عدت کے متعلق بیان ہوا اور عدت کے اعتبار سے عورت کی کئی قسمیں ہیں چنانچہ :-

۱ - ایک تو وہ صغیر ہے جو ابھی تک بالغ نہیں ہوئی اور اسے حیض نہ آتا ہو -

۲ - دوسرے وہ جس کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض آنا بند ہو چکا ہو - ان کو اگر طلاق ہو جائے تو اُن کی عدت تین ماہ ہے جس کا بیان سورہ طلاق پ ۲۸ میں ہے -

۳ - تیسرے حاملہ عورت - اگر اسے طلاق مل جائے یا شوہر مر جائے تو اس کی مدت وضع حمل ہے یعنی جب بچہ پیدا ہو جائے - اس کا بیان بھی سورہ طلاق پارہ ۲۸ میں ہے -

۴ - چوتھے وہ عورت جو حاملہ نہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو جائے - اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے - اس کا بیان اسی سورہ بقرہ میں دو رکوع بعد یعنی تیسویں رکوع میں آیا ہے -

۵ - پانچویں وہ عورت جو نہ حاملہ ہو - نہ صغیرہ ہو یعنی نہ نابالغ ہو اور آزاد ہو اور جس سے خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو اگر اسے طلاق مل جائے تو اس کی عدت تین حیض ہے - اس آیت میں اسی عدت کا ذکر ہے -

۶ - چھٹے وہ عورت جسے خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی طلاق مل جائے - اس کی کوئی عدت نہیں اس کا حکم سورہ احزاب پارہ ۲۲ میں ہے -

۷ - ساتویں شرعی باندی اور لونڈی اگر مطلقہ ہے اور اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت دو حیض ہے - اور اگر عدم بلوغ یا پیرانہ سالی سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے -

الغرض پہلا حکم یہاں آیت میں عدت کے متعلق ہوا - دوسرا حکم مطلقہ عورت کے متعلق یہ دیا گیا کہ اس پر واجب ہے کہ اپنے حائضہ یا حاملہ وغیرہ ہونے کی حالت کو ظاہر کرے تاکہ اس کے موافق عدت کا حساب ہو -

Marfat.com

تیسرا حکم یہاں آیت میں طلاق رجعی کا بیان فرمایا گیا یعنی شوہر ایک بار یا دو بار صریح لفظ سے طلاق دے تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اور اس رجعت سے پہلا ہی نکاح قائم رہتا ہے اور خاوند کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اگر عورت رضامند نہ ہو تو بھی۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد پھر رجوع نہیں ہو سکتا۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ جس طرح مَردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں اسی طرح عورتوں کے کچھ حقوق مَردوں کے ذمہ ہیں جس طرح عورتوں پر مَردوں کے حقوق کی ادائیگی واجب ہے، اسی طرح مَردوں پر عورتوں کے حقوق کا ادا کرنا فرض ہے تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ مَرد پر خاص حقوق عورتوں کے یہ ہیں :۔

مرد اپنی استطاعت کے موافق عورت کو کھانا۔ کپڑا۔ رہنے کا گھر دے۔ مہر دے۔ اسکو تنگ نہ کرے۔

اور عورت کے ذمہ خاص حقوق شوہر کے یہ ہیں :۔

خاوند کی اطاعت اور خدمت کرنا۔ حکم عدولی اور نافرمانی نہ کرنا۔ جہاں تک نفس حقوق کے واجب ہونے کا تعلق ہے دونوں میاں بیوی برابر ہیں کہ اس کا حق اُس پر واجب ہے اور اُس کا حق اِس پر واجب ہے البتہ حقوق کی نوعیت اور ان کے چھوٹے بڑے ہونے میں فرق ہے اور اس معنیٰ کر کے مَردوں کا عورتوں کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں علاوہ اور بہت سے ارشادات کے فرمایا کہ لوگو! عورتوں کے بارہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ان کو ناحق رنج نہ دو۔ تم نے اللہ کی امان سے ان کو اپنے قابو میں کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے اور تمہارا حق اُن پر یہ ہے کہ جس کو تم نہ چاہو اس کو تمہارے گھر میں نہ آنے دیویں۔ سو اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو مگر ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو اور عورتوں کا تم پر دستور کے موافق کھانا کپڑا دینے کا حق ہے اور میں تم لوگوں میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اگر اسکو مضبوطی سے پکڑے رہو گے اور اس پر عمل کرو گے۔ اور وہ خدا کی کتاب یعنی قرآن کریم ہے۔

ابھی آگے بھی طلاق رجعی اور طلاق کی ایک دوسری قسم خُلع کے بارہ میں احکام بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دُعا کیجئے :۔ اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ احکام قرآنی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم کو ایک دوسرے کے حقوق کے ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑنے اور اُس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرما۔ اور قرآن کریم کو چھوڑ کر قوم اور ملک اور اُمت مسلمہ جن گمراہیوں ذلت اور رسوائیوں میں گرفتار ہے ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما کر ہم کو قرآن پاک کی طرف رجوع ہونیکی سعادت نصیب فرما۔

آمین ۔ وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

درس ۱۱۷

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ

وہ طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا

بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

خوش عنوانی کے ساتھ ۔ اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ کچھ بھی لو اس میں سے جو تم نے اُن کو دیا تھا

شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ

مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا

کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس میں جس کو دے کر

افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ

عورت اپنی جان چھڑا لے ۔ یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاوے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں مرد کے لیے حق رَجعت کا بیان تھا ۔ اب آگے اسی سلسلہ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ حق رَجعت خاوند کو کب تک رہتا ہے ۔

عرب میں زمانۂ جاہلیت میں طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی ۔ جو شخص جتنی چاہتا اپنی بیوی کو طلاقیں دیتا اور پھر مدت گذرنے سے پہلے رجوع کر لیتا ۔ اس لئے بعض لوگ عورتوں کو تنگ کرنے کے لئے بار بار ایسا کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس کا سدِباب کیا اور رجوع کرنے کی اجازت کو دو طلاقوں تک محدود فرمایا ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وہ طلاق جس میں رجوع کرنا درست ہے دو مرتبہ کی ہے ۔ پھر دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد دو اختیار ہیں ۔ خواہ رَجعت کر کے عورت کا رکھ لینا قاعدہ کے موافق یعنی رجعت کر کے اس کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور یا حسنِ اسلوب کے ساتھ اس کو چھوڑ دو کہ اس کی عدت گذر جائے اور جہاں چاہے وہ عورت نکاح کر لے تو یہاں بتلایا گیا کہ رَجعت

Marfat.com

صرف دو۲ بار طلاق دینے کے بعد ہو سکتی ہے یعنی دو طلاق تک تو اختیار دیا گیا کہ عدت کے اندر اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر دستور کے موافق رکھ لے لیکن عدت کے بعد رجعت باقی نہیں رہتی ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور اگر تیسری بار طلاق دے دی جائے تو پھر ان میں نکاح بھی درست نہ ہوگا جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور پھر وہ طلاق دیدے جس کو شریعت کی اصطلاح میں حَلَالَہ کہتے ہیں۔ اس کے متعلق احکام آگے آئیں گے۔

پھر زمانہ جاہلیت کی ایک ظالمانہ رسم یہ تھی کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا تو جو کچھ اُسے دیا ہوا ہوتا وہ بھی اس سے چھین لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بدرسم کی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا :۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط

(اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ بیبیوں کو چھوڑنے کے وقت اُن سے کچھ بھی لو اُس مال میں سے جو تم ہی نے اُن کو مہر میں دیا تھا مگر ایک صورت میں البتہ حلال ہے وہ یہ کہ کوئی میاں بیوی ایسے ہوں کہ دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو جو متعلق ادائے حقوق زوجیت ہیں قائم نہ کر سکیں گے) یعنی زمانۂ جاہلیت کی رسم بدسلوکی سے منع فرمایا کہ جو کچھ تم اپنی بیویوں کو مہر وغیرہ بوقت نکاح دے چکے ہو طلاق کے بعد اس میں سے کچھ بھی مت واپس لو۔ البتہ ایک صورت میں طلاق کے عوض مرد کو کچھ مال لینے کی اجازت دے دی اور وہ یہ ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات اس قدر کشیدہ ہو جائیں کہ اُن کے درمیان صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکے اور عورت کی طرف سے شرعی حدود کے موافق حقوق زوجیت ادا کرنے کی کوئی توقع باقی نہ رہے اور طلاق ناگزیر ہو جائے تو اُس صورت میں جائز ہے کہ عورت مرد کو کچھ مال دے کر طلاق حاصل کر لے۔ طلاق کی اس صورت کو شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاح میں خُلْع کہتے ہیں۔ اسی کے متعلق آگے ارشاد ہے :۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط

(سو اگر تم لوگوں کو یعنی میاں بیوی کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس مال کے لینے دینے میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے)

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضؓ کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے دین۔ اخلاق اور عادات پر کوئی عیب نہیں لگاتی مگر میں اور وہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ میں نے بہت سے لوگوں میں اُن کو دیکھا تو سب سے زیادہ سیاہ فام اور پستہ قد اور بدصورت ثابت ہی نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ثابت کو وہ باغیچہ واپس دے سکتی ہو جو اس نے تم کو دیا ہے۔ کہا جی ہاں وہ بھی اور کچھ زیادہ بھی دے سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضؓ کو بلایا کہ تم اس سے وہ باغیچہ واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔ اس پر یہ آیت

Marfat.com

نازل ہوئی اور یہ اسلام میں پہلا خُلَعْ تھا۔

خُلَعْ سے متعلق بعض ضروری فقہی مسائل جو حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھے ہیں یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

ف۔ عورت سے مال ٹھیرا کر چھوڑنا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک[1] خُلَعْ دوسرا[2] طلاق علی مال۔ خُلَعْ یہ کہ عورت کہے کہ تو اتنے مال پر مجھ سے خُلَعْ کرلے اور مرد کہے کہ مجھ کو منظور ہے اس کے کہتے ہی گو لفظ طلاق نہ کہے طلاق بائن واقع ہو جاوے گی اور اسی قدر مال عورت کے ذمہ واجب ہو جاوے گا۔ اور طلاق علی مال یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ تجھ کو اس قدر مال کے عوض طلاق ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت منظور نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور اگر منظور کرلے تو منظور کرتے ہی طلاق بائن واقع ہو جاوے گی اور اُس قدر مال عورت کے ذمہ واجب ہو جاوے گا۔

مسئلہ ۱:۔ اگر نا موافقتِ زوجین میں قصور عورت کا ہے اور خود ہی درخواست خُلَعْ کی کرتی ہے تو عورت گنہ گار ہوگی اور مرد مال لینے میں گنہ گار نہ ہوگا۔ البتہ مہر سے زیادہ مال لینا مکروہ ہے۔

مسئلہ ۲:۔ اگر نا موافقت میں قصور مرد کا ہے تو خُلَعْ کا مال مطلقاً لینے سے مرد گنہ گار ہوگا چہ جائیکہ اتنا مال لینے لگے کہ اُس نے دیا بھی نہیں اور عورت مال دینے سے گنہ گار نہ ہوگی۔

مسئلہ ۳:۔ اور اگر مرد تو عورت کا قصور سمجھتا ہے اور عورت مرد کا تصور سمجھتی ہے اور ہر ایک اپنی رائے میں اپنے کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھتا ہے تو نہ مرد کو لینے میں گناہ ہوگا لیکن مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور نہ عورت کو خلع کی درخواست میں گناہ ہوگا۔

مسئلہ ۴:۔ اور مال کے لینے میں گناہ کا ہونا یا نہ ہونا اس میں طلاق علی مال کا حکم بھی مثل خُلَعْ کے ہے۔

مسئلہ ۵:۔ جس صورت میں مرد گنہ گار ہو یا عورت گنہ گار ہو خلع جب بھی صحیح و نافذ ہو جاوے گا گو گناہ کے ساتھ سہی۔

یہ موقع سے متعلق چند مسائل تھے جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے لیکن طلاق سے متعلق جزئیات بہت کثیر ہیں اور یہ مسئلہ نہایت اہم و نازک ہے اس لئے عوام کے لئے ضروری ہے کہ اگر طلاق کے مسائل سے واسطہ پڑے تو محقق علماء سے رجوع کرکے مسئلہ معلوم کیا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ آیت کے اخیر میں تاکید اور تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(یہ سب احکام خدائی ضابطہ ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاوے

Marfat.com

سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں) یعنی مذکورہ بالا احکام خدائی قوانین ہیں جو سب لوگوں کو ایک حدِ مخصوص کے اندر لاکر کاربند اور عمل پیرا بنانے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان قوانین میں غریب و امیر، شریف و رذیل، عالم و جاہل۔ بادشاہ و فقیر کی کوئی تفریق نہیں۔ ان سے سرمو تجاوز اور سرتابی نہ کرنا چاہیئے کیونکہ جو لوگ قوانین الٰہیہ سے سرتابی کرتے ہیں اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں اور وبال آخرت مول لیتے ہیں۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ہمارے گھریلو اور خاندانی معاملات اور معاشرت کی اصلاح و درستی کے لئے ہر معاملہ میں احکام دیتا ہے۔ اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ ازدواجی تعلقات اور دنیا کا معاشرہ نیکی اور تقویٰ پر قائم ہو۔ کوئی کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرے۔ مگر جب ہم ان خدائی احکام اور حدودِ الٰہیہ کی پرواہ ہی نہ کریں تو آخرت میں جو وبال بھگتنا ہوگا وہ تو علیحدہ رہا یہاں دنیا میں بھی معاشرہ کی اصلاح اور خیر خوبی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ اور فہم عطا فرمائیں۔ آمین۔

الغرض یہاں دو طلاقوں کے بعد رجعت کا حق ہونا بتلایا گیا۔ اب اگر کوئی دو سے بڑھ کر تیسری بار بھی طلاق دیدے تو اس کا حکم اگلی آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ ہم کو ہر حال میں اور ہر معاملہ میں اپنے احکام اور قوانین کا اتباع اور پابندی نصیب فرمائیے۔ اور ہم کو جملہ قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کا عزم نصیب فرمائیے۔

یا اللہ اس اسلامی ملک پاکستان میں ہم کو قرآنی حکومت نصیب فرمائیے اور قرآنِ کریم کے جملہ احکام کا یہاں نفاذ ہونا دکھلا دیجئے۔ تمام اوامر و نواہی میں ہم کو قرآنی احکام کا اتباع نصیب فرمائیے خصوصاً عائلی قوانین اور ازدواجی تعلقات میں ہم کو حدودِ الٰہیہ کی پوری پوری پابندی نصیب فرمائیے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۱۸

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ

پھر اگر کوئی طلاق دے دے عورت کو تو پھر وہ اسکے لئے حلال نہ رہیگی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اسکے سوا

زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

ایک اور خاوند سے نکاح کرے - پھر اگر یہ اس کو طلاق دیدے تو اُن دونوں پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور

يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ

پھر مل جاویں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہوں کہ خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے - اور یہ

حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

خداوندی ضابطے ہیں - حق تعالیٰ انکو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں مرد کو دو طلاق تک رجوع کرنے کا حق بیان فرمایا گیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ دو مرتبہ طلاق دے دینے کے بعد دو اختیار ہیں - خواہ رُجعت کر کے عورت کو حسنِ معاشرت اور صلح سے رکھ لینا - خواہ عدت کے اندر رُجعت نہ کر کے عورت کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دینا - پھر عدت گذر جانے کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کرلے - اب اگر کسی نے دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دیدی تو اس کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے :-

"پھر اگر دو طلاقوں کے بعد کوئی تیسری طلاق بھی دیدے عورت کو تو پھر وہ عورت اس تیسرے طلاق دینے والے کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس خاوند کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ عدت کے بعد نکاح کرے (اور اس سے ہمبستری بھی ہو) پھر اگر وہ دوسرا خاوند اس عورت کو طلاق دیدے اور پھر عدت بھی گذر جائے تو ان دونوں پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ دوبارہ نکاح کر کے بدستور پھر مل جاویں بشرطیکہ دونوں گمان غالب رکھتے ہوں کہ آئندہ خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے (ورنہ پھر دوبارہ منازعت اور آئلاف حقوق کے گناہ میں مبتلا ہونا کیا فائدہ) اور یہ خداوندی ضابطے ہیں - حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں (کیونکہ دانشمند ہی عمل کرتے ہیں اور جو بے دانشی سے عمل نہیں کرتے اُنکے لئے یہ ضوابط اُلٹے ثبوت جرم کے دلائل ہو جاتے ہیں)"

یہاں اس آیت میں تین طلاق کا حکم بیان کیا گیا ہے - دو طلاقوں کے بعد اگر رُجعی ہوں تو خاوند رجوع کر سکتا ہے لیکن اگر اس نے عدت کے اندر تیسری طلاق بھی دیدی تو اب نہ وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے اور

Marfat.com

نہ ہی نکاح کر سکتا ہے۔ البتہ صرف ایک طریقہ ہے کہ جس سے وہ عورت دوبارہ اس کے نکاح میں آسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت عدت طلاق پوری کر کے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور حقوق زوجیت ادا کر کے دوسرے شوہر کے ساتھ رہے۔ پھر اگر وہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے یا مرجائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اسی کو شریعت کی اصطلاح میں "حلالہ" کہتے ہیں۔ تو گویا یہاں ایک مطلقہ کو پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کے جواز کے لئے پانچ شرطیں ہوئیں :-

۱ - پہلے خاوند کی عدت پوری کرے ۲ - عدت کے بعد دوسرے خاوند سے شرعی عقد کرے ۳ - دوسرا شوہر اس سے ہمبستر ہو۔ ۴ - دوسرا شوہر اسے طلاق دیدے۔ ۵ - دوسرے شوہر کی طلاق کی عدت پوری کرے۔ ان پانچ میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو پہلے شوہر سے اس کا نکاح جائز نہ ہوگا۔ اور شوہر اول سے اس تجدید نکاح کی اجازت اس صورت میں ہوگی کہ شوہر اول اور عورت دونوں کا یہ گمان غالب ہو کہ ہم دوبارہ نکاح کے بعد ایک دوسرے کے حقوقِ زوجیت میں کمی کرنے کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں گے۔

الغرض اس آیت قرآنیہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تین طلاق کے بعد مرد کو رجعت کا حق باقی نہیں رہتا خواہ وہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا اکٹھی دی ہوں۔ تمام صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اسپر اجماع ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ ایک وقت میں یا علیحدہ علیحدہ تین وقت میں وہ واقع اور لازم سمجھی جائیں گی۔ یہ بات مسلمانوں کو تین طلاقوں کے بارہ میں اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیئے کیونکہ اس زمانہ کے بعض غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ تین طلاق دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح کہ جن کی تقلید اور اتباع پر سوائے چند ظاہر بین اور خود رائے لوگوں کے اُمتِ محمدیہ کے علماء اور فقہا اور محدثین و مفسرین متفق ہیں۔ ان ائمہ اربعہ کا متفقہ اور اجماعی فتویٰ یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں اور اسی کو امام بخاری رح نے اختیار فرمایا جس کے لئے اپنی صحیح بخاری میں ایک خاص باب قائم کیا اور ان تمام شبہات کا جواب کہ جو لوگ تین طلاق کو ایک طلاق بنانے کے لئے پیش کرتے ہیں امام قرطبی رح نے مفصل اور مدلل دیئے ہیں جو حضرات اہلِ علم دیکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ سنت والجماعت کو چاہیئے کہ تین طلاق کے بارہ میں کتاب اور سنت اور اجماع صحابہ اور اجماع ائمہ اربعہ کا اتباع کریں۔ (معارف القرآن از مولانا کاندھلوی)

اس عدد طلاق کے سلسلہ میں موقع کی مناسبت سے یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ قرآن اور سنت کے ارشادات اور تعلیمات اور تعامل صحابہ اور تابعین سے عدد طلاق کے متعلق جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہے تو طلاق کا احسن طریقہ شریعت میں یہ ہے کہ صرف

ایک طلاق حالت طُہر میں دیدے جس میں بیوی سے مجامعت نہ کی ہو اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ عدت ختم ہونے کے بعد رشتہ نکاح خود ٹوٹ جائے گا۔ اس کو فقہا نے طلاقِ احسن کہا ہے اور حضرات صحابہ نے اسی کو طلاق کا بہتر طریق قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی گذشتہ آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ سے اس کی بھی اجازت نکلتی ہے کہ دو طلاق تک دیدی جائیں۔ مگر لفظ مرّتٰن میں اس طرف اشارہ فرمادیا کہ دو طلاق بیک لفظ و بیک وقت نہ ہوں بلکہ دو طُہروں میں الگ الگ ہوں۔ بہرحال دو طلاقوں تک قرآن حکیم کے الفاظ سے ثابت ہے اس لئے باتفاق ائمہ اور فقہا۔ یہ بھی طلاق سُنت میں داخل ہے۔ جبکہ تیسری طلاق کے غیر مستحسن ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں تیسری طلاق نا خوش اور مکروہ ہونا حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود اگر کسی نے ایسا اقدام کرلیا تو اس کا وہی اثر ہونا چاہیئے جو جائز اور مستحسن طلاق کا ہوتا یعنی تین طلاق واقع ہوجائیں اور رجعت کا اختیار نہ رہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اس پر شاہد ہے کہ باوجود ناراضگی کے آپ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا جس کے بہت سے واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

(ملخصاً از معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

اس ضمن میں یہ بھی موقع کی مناسبت سے لائق ذکر ہے کہ مخالفین اسلام اور غیر مسلمین "طلاق" کے بارہ میں اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اسلام نے ایسے مکروہ سلسلہ کو جائز رکھا جو باہمی تمدن کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلاق مکروہ چیز ہے اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جائز چیزوں میں سے طلاق اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو عورت بغیر کسی لاعلاج ضرورت کے طلاق لے گی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ میاں بیوی کو تمام عمر مل کر گذارنی پڑتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خصلت اور عادت موافق آنا ضروری اور لازمی بات نہیں۔ اس کے علاوہ نہ معلوم کتنی ایسی سخت ضرورتیں درپیش ہوجاتی ہیں کہ جن کا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے نہ تو یہود کی طرح افراط کو دخل دیا کہ خواہ مخواہ ذرا سی بات پر طلاق دینے کی اجازت ہو۔ بلکہ اوّل یوں فرمایا کہ عورتوں کی کج خلقی پر صبر کیا کرو۔ ان کے ساتھ نیک سلوک اور احسان کے ساتھ پیش آیا کرو۔ عورتوں کو سمجھایا کرو کہ تم پر مردوں کی اطاعت اور حفظ ناموس اور خیر خواہی لازم ہے۔ اس کے بعد اشد ضرورت اور مجبوری کے درجہ میں طلاق کی اجازت دی مگر اس کے ساتھ پھر بھی یہ باتیں ملحوظ رکھیں تاکہ ملاپ اور صلح و اتفاق پھر ممکن ہوسکے:

اوّل یہ کہ طُہر یعنی عورت کو پاکی کی حالت میں طلاق دے۔

دوم یہ کہ تین طلاق ایک بار نہ دے۔ شاید پھر بیچ میں ملاپ ہوجائے۔ اور غصہ فرو ہو کر سمجھ آجائے۔

Marfat.com

سوم ۔ عدّت کے بعد بھی ملاپ کا راستہ رکھا اور دوبارہ رجعت کی اجازت دی۔

تو اسلام نے نہ تو یہود کی طرح افراط کو روا رکھا اور نہ عیسائیوں کی طرح تفریط کہ عورت کیا ہوئی بلائے جان ہوگئی کہ کچھ ہی کرے جُدا نہ ہو سکے چاہے عمر بھر کی زندگی ہی تلخ ہو جائے اسلام ایک فطری دین مذہب ہے ۔ انسان کی پوری زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے ۔ دُنیاوی اور اُخروی زندگی کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے اور زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل نہ بتاتا ہو اور کوئی ایسا پہلو نہیں جس کے بارہ میں احکام نافذ نہ کرتا ہو ۔ اس لئے اسلام نے انسانی فطرت کے مختلف پہلوؤں کو مدِنظر رکھکر مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے اور ازدواجی تعلقات کی اہمیت کی بنا پر شریعت نے بعض احکام اور پابندیاں نافذ کر رکھی ہیں جو عین حکمت اور انسانی فطرت اور تقاضہ کے مطابق ہیں اسی لئے ان طلاق کے مسائل و بیان کے دوران اللہ تعالیٰ بار بار قرآنِ حکیم میں حدود اللہ کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں ۔

چنانچہ آج کی آیت کے اخیر میں بھی ارشاد ہے :۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

(یہ حدیں اللہ کی باندھی ہوئی ہیں ۔ انہیں سمجھدار آدمیوں کے لئے اللہ تعالیٰ صاف صاف بیان کرتا ہے)۔ یعنی طلاق سے متعلق احکام و مسائل خدا کے قائم کردہ قوانین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سمجھدار اور ذی فہم لوگوں کے منافع کے لئے ان کو بیان کیا ہے تاکہ وہ اس کے فوائد پر غور کریں کہ ان احکام میں کیا مصالح ہیں اور ان کو اختیار کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں ۔

اسی سلسلہ میں آگے بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور حُسنِ معاشرت کی تاکید اور حقوق زوجیت میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے وعید شدید اور احکامِ الٰہیہ اور قوانین خداوندی پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا ۔

دُعا کیجئے :۔

یا اللہ ہمیں بھی حُسنِ معاشرت کی توفیق عطا فرما اور عورتوں اور مَردوں اور چھوٹے اور بڑوں ہر ایک کو اپنے حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرما ۔ یا اللہ ہر حال میں ہم کو شریعتِ اسلامیہ کے حدود و قوانین کی پابندی نصیب فرما اور ظاہراً و باطناً شریعتِ مطہرہ کا اتباع نصیب فرما ۔ یا اللہ اپنے احکام کی عظمت ہمارے دِلوں میں اُتار دے اور دین سے غفلت اور جہالت و لاپرواہی کے مرض کو اُمت سے دُور فرما دے ۔ آمین ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۱۹

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی ہو پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب پہنچ جاویں تو تم ان کو قاعدہ کے موافق

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ

نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو - اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

مت رکھو اس ارادہ سے کہ ان پر ظلم کیا کروگے۔ اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا

نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا

اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو و لعب مت سمجھو - اور حق تعالیٰ کی

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ

تم پر جو نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو - اور اس کتاب اور حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل

وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں -

تفسیر و تشریح:- گذشتہ سے احکام و مسائل طلاق کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس آیت میں بھی طلاق رجعی کا قانون بیان کیا گیا ہے اور رجعت کی صحیح غرض و غایت کو بتلایا گیا ہے کہ رجعت عورت کو ایذا پہنچانے اور ان پر ظلم و زیادتی کرنے کی غرض سے نہ ہو جیسا کہ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بیوی کو ستانے کی غرض سے طلاق دیتے پھر جب عورت کی عدت پوری ہونے کے قریب ہوتی تو رجعت کر لیتے اور پھر طلاق دیتے اور پھر اسی طرح کرتے رہتے تاکہ بیچاری عورت نہ اس کے پاس آرام۔ چین و سکون کی زندگی گذار سکے اور نہ ہی کسی دوسرے خاوند سے نکاح کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ اگر رجعی طلاق دی ہوئی عورت کو واپس لانا چاہو تو حسن معاشرت کی نیت سے واپس لاؤ۔ عورت کو تنگ کرنے اور اسے تکلیف پہنچانے کی غرض سے ایسا نہ کرو۔ اور جو محض بیوی کو تنگ کرنے کی غرض سے اپنے پاس روکے گا تو

Marfat.com

وہ ظالم ہے اور اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے اور وہ اس بدسلوکی کی سزا دینا یا آخرت یا دونوں جہان میں پائے گا۔ چنانچہ اس آیت میں پہلے ارشاد ہوتا ہے :-

"اور جب تم نے عورتوں کو رجعی طلاق دی ہو۔ پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب ہو جاویں اور عدت ختم نہ ہوئی ہو تو تم پر واجب ہے کہ یا تو اُن کو قاعدے کے موافق رجعت کر کے نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادہ سے کہ اُن پر ظلم کیا کرو گے اور جو شخص ایسا برتاؤ کریگا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا کیونکہ ظلم کی سزا بھگتے گا"

آیت کے اس حصہ میں یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ جب خاوند ایک یا دو مرتبہ بیوی کو طلاق دیدے اور آخری تیسری بار طلاق نہ دی ہو تو اگر وہ رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اگر رجوع نہ کرنا چاہے اور معاملہ ختم کرنا چاہے تو خوبی کے ساتھ چھوڑ سکتا ہے غرضکہ عورت کو روکنا یا چھوڑنا جو بھی ہو خوبی کے ساتھ ہو اور اس میں عورت کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو۔ خاوند ان دو راستوں میں سے جو راستہ بھی اختیار کرے ضروری چیز یہ ہے کہ وہ دستور اور شریعت کے موافق ہو یعنی اگر وہ عورت کو اپنی زوجیت میں واپس لینا چاہے تو شرافت اور عزت سے دوبارہ لوٹائے اور اگر اس سے تعلق توڑ لینا چاہے تو بڑی شرافت اور عزت کے ساتھ گھر سے رخصت کر دے۔ دونوں صورتیں حسنِ معاملہ کے ساتھ ہوں ورنہ جو لوگ حق تلفی کرتے ہیں اور محض ستانے کے لئے دوبارہ عورت کو زوجیت میں لے لیتے ہیں تو وہ عورت کی حق تلفی کا وبال اپنی گردن پر رکھتے ہیں اور عذابِ آخرت مول لیتے ہیں -

آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے :-

"اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو و لعب کی طرح بے وقعت مت سمجھو کہ جس طرح جی چاہا کر لیا اور چاہے نہ کیا اور حق تعالیٰ کی تم پر جو نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور خصوصاً اس کتاب اور حکمت کی باتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں کہ تم کو اُن کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں"

طلاق کے بعض احکام و مسائل کے بعد آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ اور تاکید کے لئے تین حکم ارشاد فرمائے :-

۱ - پہلا حکم یہ ہے وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا - اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل نہ بناؤ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو ہنسی نہ ٹھیراؤ - یہاں کھیل بنانے کی ایک تفسیر تو مفسرین نے یہ کی ہے کہ نکاح و طلاق کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو حدود و قوانین اور شرائط و پابندی مقرر کر دی ہیں ان احکامات کو

Marfat.com

لہو ولعب کی طرح بے وقعت مت سمجھو۔ احکامِ الٰہیہ محلِ مذاق نہیں کہ جیسے چاہا کر لیا اور جیسے چاہا نہ کیا بلکہ سارے احکام پر پوری طرح پابند ہو جاؤ اور دوسری تفسیر یہ منقول ہے جو حضرت ابوداؤد رضؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ طلاق دے کر یا غلام آزاد کر کے مکر جاتے اور کہتے کہ میں نے ہنسی مذاق میں ایسا کہہ دیا تھا۔ بیوی کو طلاق یا غلام کو آزاد کرنے کی نیت نہ تھی۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا جس نے یہ فیصلہ کر دیا کہ طلاق و نکاح کو اگر کسی نے کھیل یا مذاق میں بھی پورا کر دیا تو وہ نافذ ہو جائیں گے نیت نہ کرنے کا بہانہ قابلِ تسلیم نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں ہنسی کے طور پر کرنا اور واقعی طور پر کرنا دونوں برابر ہیں۔ ایک طلاق۔ دوسرے عتاق (یعنی غلام یا باندی کی آزادی) تیسرے نکاح اور ایک حدیث میں یہ تین چیزیں۔ ایک نکاح۔ دوسرے طلاق اور تیسرے رجعت فرمائی گئی۔ یعنی یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو قصد و ارادہ سے کہنا اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا برابر ہے چنانچہ ان تینوں چیزوں کا حکم شرعی یہی ہے کہ دو مرد و عورت اگر ہنسی مذاق میں بھی گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب و قبول کر لیں تو بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر بلا قصد ہنسی میں صریح طور پر طلاق دے دے تو طلاق ہو جاتی ہے۔ یا رجعت کرے تو رجعت ہو جاتی ہے ایسے ہی کسی غلام باندی کو ہنسی میں آزاد کرنے کو کہہ دے تو غلام باندی آزاد ہو جاتے ہیں۔

اس حکم وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب مت سمجھو۔ کی تشریح میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اہم نکتہ یہ لکھا ہے کہ یہاں حقیقتاً احکامِ الٰہیہ کے ساتھ استہزاء مراد نہیں بلکہ مجازاً ہے جس سے مراد صرف معصیت شدید ہے ورنہ حقیقتاً کوئی شخص احکامِ الٰہیہ کے ساتھ استہزاء کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے خواہ ذاق کے ساتھ ہو تب تو ظاہر ہی ہے لیکن صحتِ عقیدہ کے ساتھ بھی اگر ہو تب بھی اف ہے کیونکہ دین کی تحقیر جو بنسیا دکفر ہے دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ تو یہاں استہزاء سے احکامِ الٰہیہ پر لاپرواہی کے ساتھ عمل نہ کرنا مراد ہے اور مجازاً اسی کو استہزاء فرما دیا گیا ہے۔ الغرض آیت کے اس حصہ میں یہ تو تھا پہلا حکم۔

۲۔ دوسرا حکم وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ میں ارشاد فرمایا گیا یعنی حق تعالیٰ کی جو نعمتیں تم پر ہیں اُن کو یاد کرو یعنی تم پہلے گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مبعوث فرما کر نورِ ہدایت سے تمہارے دلوں کو روشن کیا۔ ذلت کے بعد عزت اور ضعف کے بعد قوت عنایت کی۔ بداعمالی اور زیاں کاری کے بجائے اخلاقِ فاضلہ سے تم کو آراستہ کیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ان کا شکر واجب ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآنِ کریم نازل فرما کر ہمت

Marfat.com

اور نصیحت کی باتوں سے تم کو سرفراز کیا۔ اور ان پر عامل ہونے کی تم کو ہدایت کی۔ لہٰذا تم کو نہایت کوشش سے احکام الٰہیہ پر کاربند اور عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

۳۔ تیسرا حکم وَاتَّقُوا اللّٰہَ میں فرمایا کہ خداوند قدوس سے ڈرتے رہو کیونکہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

"جان لو۔ سمجھ لو۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

یہ قرآن کریم کا اسلوبِ حکیم اور خاص اندازِ بیان ہے کہ ہر قانون کے پیچھے خدا کا خوف اور آخرت کا حساب یاد دلایا جاتا ہے کہ جن کے ہوتے ہوئے کوئی انسان جو انسانیت کے جامہ سے باہر نہ ہو قصداً اور ارادۃً احکامِ خداوندی اور قوانین الٰہیہ کے خلاف اور ان سے سرتابی و سرکشی کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے جملہ احکام و قوانین کی ظاہراً اور باطناً ہم کو کامل اتباع کی توفیق بخشیں اور اس طرح قرآن و سنت جو نعمتِ عظمیٰ ہیں ان کی سچی قدردانی اور صحیح شکرگذاری کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

اسی نکاح و طلاق کے سلسلہ میں مزید بعض احکام اگلی آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ اپنے احکام کی وقعت و عظمت ہمارے دلوں میں اُتار دے اور ہم کو قرآن و سنت کی جملہ تعلیمات و ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمادے۔

یا اللہ ہم کو اپنے گھریلو ازدواجی زندگی میں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق نصیب ہو اور ہر معاملہ میں شریعتِ مطہرہ کے احکام کی پابندی نصیب ہو۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۲۰

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اور جب تم میں ایسے لوگ پائے جائیں کہ وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دیدیں۔ پھر وہ عورتیں اپنی میعاد (عدت) بھی پوری کر چکیں تو تم

اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ

انکو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے (تجویز کئے ہوئے) شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ باہم سب رضامند ہو جاویں۔

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ

قاعدہ کے موافق۔ اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ

اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو۔ اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ سے نکاح و طلاق کے مسائل و احکام کا سلسلہ جاری ہے۔ عربوں میں زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ بعض لوگ اپنی مطلقہ بیویوں کو دوسری شادی کرنے نہیں دیتے تھے اور اسے اپنی ذلت اور ہتک شان سمجھتے تھے۔ اس طرح بھی عورتوں پر ظلم کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسم کو توڑنے کا اس آیت میں حکم فرمایا اور عورتوں کے ساتھ اس ناروا اور ظالمانہ سلوک کا انسداد فرمایا گیا جو اس وقت عام طور پر مطلقہ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ یا اب بھی بعض جگہ کچھ ایسی ہی زیادتی عورتوں پر کی جاتی ہے کہ ان کو دوسری شادی کرنے سے روکا جاتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کا شان نزول بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہے۔ صحیح بخاری میں اس آیت کے شانِ نزول میں ہے کہ یہ آیت حضرت مَعْقِل بن یسارؓ اور ان کی ہمشیرہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت مَعْقِل بن یسارؓ نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح حضرت عبداللہ بن عاصم سے کیا تھا انہوں نے کچھ عرصہ بعد طلاق دے دی اور عدت بھی گذر گئی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عاصم نے چاہا کہ دوبارہ نکاح کرلیں اور اسی مطلقہ بیوی کو نکاح کا پیام بھجوایا اور وہ بھی رضامند ہوگئیں۔ لیکن جب حضرت مَعْقِل کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ عبداللہ! میں نے اپنی بہن کو تمہارے نکاح میں دے کر تمہاری عزت افزائی کی تھی۔ تم نے اس کی یہ قدر کی کہ اس کو طلاق دے دی۔ اب تم پھر نکاح کرنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم اب وہ تمہارے نکاح میں نہ لوٹے گی۔ پس اب نکاح ہونا ناممکن ہے۔ میں

Marfat.com

ہرگز اب تمہارے ساتھ نکاح نہ ہونے دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور احکام خداوندی پر مر مٹنے والے تھے اس آیت کو سنتے ہی حضرت مَعْقِلْ بن یَسَارؓ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور خود جا کر اور عبداللہ بن عاصمؓ کو خود بلا کر اپنی ہمشیرہ کا نکاح دوبارہ ان کے ساتھ کر دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اتباع قرآن میں صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین چنانچہ اس آیت میں جس میں خطاب ان شوہروں سے بھی ہے جنہوں نے طلاق دی ہے اور عورت کے سرپرست اولیاء سے بھی ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور جب تم میں ایسے لوگ پائے جاویں کہ وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں پھر وہ عورتیں اپنی میعاد عدت بھی پوری کر چکیں اور عدت پوری کر کے کسی سے نکاح کرنا چاہیں خواہ پہلے ہی شوہر سے یا کسی دوسری جگہ تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے تجویز کئے ہوئے شوہروں سے خواہ وہ اوّل ہو یا ثانی ہو نکاح کر لیں جب کہ باہم سب رضامند ہو جاویں شرعی قاعدہ کے موافق"

تو یہاں خطاب عام ہے خواہ شوہر ہی دوسری جگہ نکاح سے مانع آئے یا عورت کے بھائی بند۔ ان کو حکم ہوتا ہے کہ جب تم عورتوں کو ایک دو طلاق رجعی دے چکو اور ان کی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے تو اب اگر ان کے شوہر اور وہ باہم نکاح جدید کرنے پر بخوشی رضامند ہوں تو ان کو عورت کے ولی وارث نہیں روک سکتے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ رضامندی شرعی قاعدہ کے موافق ہو۔ اگر شرعی قاعدہ کے موافق نہ ہو مثلاً:۔

۱:۔ ناجائز طور پر آپس میں خفیہ نکاح کرنا چاہیں۔

۲:۔ یا ایام عدت میں دوسرے شوہر سے نکاح کا ارادہ ہو۔

۳:۔ یا عورت بلا اجازت اپنے اولیاء کے اپنے کفو کے خلاف دوسرے کفو میں نکاح کرنا چاہے۔

۴:۔ یا عورت اپنے مہر مثل سے کم پر نکاح کرنا چاہے جس کا اثر خاندان پر پڑتا ہے جس کا اسکو حق نہیں۔

۵:۔ یا اگر پہلے خاوند سے عورت نکاح کرنا چاہتی ہے تو تین طلاقیں مرد نے نہ دی ہوں ورنہ بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں۔

مذکورہ بالا خلاف شرع صورتوں میں تو ہر مسلمان کو بالخصوص ان قریبی اعزا و اقربا کو جن کا تعلق مرد اور عورت سے ہو روکنے کا حق حاصل ہے بلکہ بقدر استطاعت ایسے نکاح کا روکنا واجب ہے۔ لیکن اگر رضامندی شرعی احکام اور قاعدے کے موافق ہو تو عورت و مرد کو نکاح سے روکنے کا کسی کو حق نہیں اس حکم کو بیان فرما کر آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

"اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو کہ جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو یعنی ماننے کی انہیں سے امید ہے اور یوں تو نصیحت سب ہی کو ہے اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ مصلحتوں کو جانتے

ہیں اور تم نہیں جانتے اسلئے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی رائے مت چلایا کرو۔"

یہاں آیت کے اخیر میں تین جملہ ارشاد فرمائے گئے ہیں :-

۱- ایک یہ کہ احکام ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں - اس میں اشارہ اس طرف فرما دیا گیا کہ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی ان احکام الہیہ کا پورا پابند ہو - اور جو لوگ ان احکام طلاق و نکاح کے اتباع میں کوتاہی یا اس کے خلاف ورزی کرتے ہیں وہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ ان کے ایمان میں خلل ہے۔

۲- دوسرے جملہ میں فرمایا گیا کہ ان احکام کی پابندی تمہارے لئے پاکی اور صفائی کا ذریعہ ہے - اس میں صاف اشارہ ہو گیا کہ اِن احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ گناہوں کی غلاظت میں آلودگی اور فتنہ و فساد ہے احکام الہیہ کا ماننا اور ان پر عمل پیرا ہونا سبب ہے گناہوں سے پاک ہونے کا اور پاک رہنے کا تو ایسے موقع پر جبکہ مرد و عورت باہم ایک دوسرے کی طرف راغب ہوں تو وہاں صفائی اور پاکی اسی میں ہے کہ نکاح سے نہ روکا جائے ورنہ خرابی اور فتنہ فساد اور آلودگی کا اندیشہ ہے کہ کہیں وہ خفیہ تعلقات پیدا نہ کر لیں جس سے بدنامی یعزت کی بربادی اور وبال دُنیوی و اُخروی دونوں گردن پر ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان کا نکاح باہم ہونے دیا جائے۔ کیونکہ اگر جوان لڑکیوں کو مطلقاً نکاح سے روکا گیا تو ایک طرف تو اُن پر ظلم اور ان کی حق تلفی ہے دوسری طرف ان کی عفت و عصمت کو خطرہ میں ڈالنا ہے - اور خدانخواستہ اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوئے تو اس کا وبال اُن لوگوں پر بھی ہوگا جنہوں نے ان کو شرعی نکاح سے روکا۔

۳- تیسرے جملہ میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں تم نہیں جانتے یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور فائدوں سے خوب واقف ہیں ان کی رعایت کر کے احکام دیتے ہیں - اسلئے تمہارا بھلا اور بہتری اسی میں ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے قانون اور دیئے ہوئے احکام کی دیانتداری سے پوری پابندی کرو اس کے خلاف کرنے میں مضرت - گمراہی اور ہلاکت ہی ہے -

اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں ایک نہایت کارآمد تقریر فرمائی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔

"قرآن کریم نے اس جگہ ایک قانون پیش فرمایا کہ مطلقہ عورتوں کو اپنی مرضی کے مطابق نکاح سے روکنا جرم ہے اس قانون کو بیان فرمانے کے بعد اس پر عمل کرنے کو سہل اور اسکے لئے عوام کے ذہنوں کو ہموار کرنے کے واسطے تین جملے ارشاد فرمائے جن میں سے پہلے جملہ میں روزِ قیامت کے حساب اور جرائم کی سزا سے ڈرا کر انسان کو اس قانون پر عمل کرنے کیلئے آمادہ فرمایا۔ دوسرے جملہ میں اس قانون کی خلاف ورزی میں جو مفاسد اور انسانیت کیلئے مضرتیں ہیں ان کو بتلا کر قانون کی پابندی کے لئے تیار کیا۔ تیسرے جملہ میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری اپنی مصلحت بھی اسی میں ہے کہ خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے قانون کی پابندی کرو۔ اسکے خلاف کرنے میں اگر تم کوئی مصلحت سوچتے ہو تو وہ تمہاری کوتاہ نظری اور عواقب سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

قرآن کریم کا یہ اسلوب اور طرز بیان صرف یہیں نہیں بلکہ تمام احکام میں جاری ہے کہ ایک قانون بتایا جاتا ہے تو اسکے ساتھ ہی خدا تعالیٰ اور آخرت کے حساب و عذاب سے ڈرایا جاتا ہے۔ ہر قانون کے آگے پیچھے اِتَّقُوا اللّٰہَ یا اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ وغیرہ جملے لگائے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم ساری دنیا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایک مکمل نظام حیات اور ہر شعبہ زندگی پر حاوی قانون ہے۔ اس میں حدود و تعزیرات کا بھی بیان ہے لیکن اس کی ادا ساری دنیا کے قانون کی کتابوں سے نرالی ہے۔ اس کا طرزِ بیان حاکمانہ سے زیادہ مربیانہ ہے اس میں ہر قانون کے بیان کے ساتھ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی انسان اس قانون کی خلاف ورزی کر کے مستحق سزا نہ بنے۔ دنیا کی حکومتوں کی طرح نہیں کہ انہوں نے ایک قانون بنا دیا اور شائع کر دیا۔ جو کوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اپنی سزا بھگتتا ہے۔ اس کے علاوہ اس اسلوبِ قرآن اور اسکے مخصوص انداز بیان سے ایک دور رس بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کو دیکھنے سننے کے بعد انسان اس قانون کی پابندی صرف اس بنا پر نہیں کرتا کہ اگر خلاف کریگا تو دنیا میں اس کو کوئی سزا مل جائیگی بلکہ دنیا کی سزا سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور آخرت کی سزا کی فکر ہوتی ہے اور اسی فکر کی بنا پر اس کا ظاہر و باطن خفیہ و علانیہ برابر ہو جاتا ہے۔ وہ کسی ایسی جگہ میں بھی قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا جہاں کسی ظاہری یا خفیہ پولیس کی بھی رسائی نہ ہو کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہر جگہ ہر آن حاضر و ناظر اور ذرہ ذرہ سے باخبر ہیں۔ یہی سبب ہے، کہ قرآنی تعلیم نے جو انسانی معاشرہ تیار کیا تھا ہر مسلمان اسکی پابندی کو اپنا مقصد حیات تصور کرتا تھا۔ قرآنی نظامِ حکومت کا یہی امتیاز ہے کہ اس میں ایک طرف قانون کی حدود و قیود کا ذکر ہے تو دوسری طرف ترغیب و ترہیب کے ذریعہ انسان کے اخلاق و کردار کو ایسا بلند کیا گیا ہے کہ قانونی حدود و قیود اس کے لئے ایک طبعی چیز بن جاتی ہیں جس کے سامنے وہ اپنے جذبات اور تمام نفسانی خواہشات کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ دنیا کی حکومتوں اور قوموں کی تاریخ۔ ان میں جرم و سزا کے واقعات پر ذرا گہری نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ نئے قانون سے کبھی کسی قوم یا فرد کی اصلاح نہیں ہوئی محض پولیس اور فوج سے کبھی جرائم کا انسداد نہیں ہوا۔ جب تک کہ قانون کے ساتھ اللہ کے خوف و عظمت کا سکہ اُسکے قلب پر نہ بیٹھے۔ جرائم سے روکنے والی چیز دراصل خوفِ خدا اور خوفِ حسابِ آخرت ہے۔ یہ نہ ہو تو کوئی شخص کسی سے جرائم کو چھڑا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین کی فہم عطا فرمائیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں قرآنِ پاک کا اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین۔ اب آگے نکاح و طلاق ہی کے سلسلہ میں رضاعت یعنی ماں کا بچہ کو دودھ پلانے کے متعلق بعض احکام بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:۔ یا اللہ ہم کو اس قوم اور اس ملک کے اور پوری اُمتِ مسلمہ کو اپنی اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے قرآنِ پاک کا اتباع کامل نصیب فرما۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں خصوصاً ازدواجی زندگی میں قرآنی ہدایات کو مشعلِ راہ بنانے کی توفیق مرحمت فرما۔ یا اللہ ہم کو اپنا وہ خوف و خشیت عطا فرما کہ جو ہم کو ہر طرح کی چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے اور ہر حال میں آپکی اطاعت پر آمادہ رکھے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۲۱

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں۔

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ

یہ مدت اُس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے۔ اور جس کا بچہ ہے اس کے

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ

ذمہ ہے ان کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا

اِلَّا وُسْعَهَا ج لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ م بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ

مگر اسکی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اسکے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف

لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ق وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ج فَاِنْ اَرَادَا

دینی چاہیئے اسکے بچہ کی وجہ سے۔ اور مثل طریق مذکور کے اسکے ذمہ ہے جو وارث ہو۔ پھر اگر دونوں

فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط

دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ

اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی

عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط

گناہ نہیں جب کہ اُن کے حوالہ کردو جو کچھ ان کو دینا کیا ہے قاعدہ کے موافق۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

تفسیر و تشریح:۔ گزشتہ سے طلاق و نکاح کے مسائل کا سلسلہ جاری ہے۔ اور طلاق کے بعد اکثر و بیشتر یہی دیکھا جاتا ہے کہ مرد و عورت کے درمیان ایک قسم کی عداوت اور منافرت پیدا ہو جاتی ہے خصوصاً جب کہ طلاق ایسی حالت میں ہو کہ عورت کی گود میں شیر خوار بچہ بھی ہو۔ ایسی حالت میں بچہ کی پرورش اور دودھ

پلانے اور پلوانے کے معاملات زیر نزاع آجاتے ہیں اور مرد و عورت کے درمیان جھگڑے وفساد کا ذریعہ ہو جاتے ہیں۔ پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں دشواری پیش آتی ہے کبھی مرد یہ چاہتا ہے کہ بچہ کہاں سے چھین کر کسی اور عورت سے دودھ پلوائے اور اس طرح غریب ماں کو فراق میں تڑپائے اور کبھی عورت بچہ کو دودھ پلانے سے اس لئے انکار کرتی ہے کہ ظاہر میں مرد کے پاس کوئی دودھ پلانے والی دوسری عورت موجود نہیں۔ مرد مجبور ہو کر میری خوشامد کرے گا اور جو معاوضہ مانگونگی وہ مجبوراً دیگا۔ یا عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی وجہ سے اس بچہ کی طرف سے بے التفاتی کرتی ہے اور اس کو دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے۔ اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مناسب اور معتدل احکام بیان فرما دیئے کہ جو مرد عورت دونوں کے لئے مناسب اور سہل ہیں اور اس آیت میں ان تمام امور کا ایسا فیصلہ فرما دیا کہ جس سے جھگڑے یا فساد یا کسی فریق پر ظلم و تعدی کا راستہ نہ رہے۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں (خواہ نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو) یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے (اور جو تکمیل نہ کرنا چاہے تو دو سال سے کم مدت میں دودھ چھڑا دینا درست ہے جیسا عنقریب آگے حکم ہے) اور جس کا شرعاً نسب کے اعتبار سے بچہ ہے یعنی باپ اسکے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا و کپڑا قاعدہ کے موافق جب کہ وہ نکاح یا عدت میں ہوں کسی شخص کو خدا کی طرف سے کوئی حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق (یعنی عورتوں کو دودھ پلانا سہل تھا ان کو اس کا حکم دیا گیا اور مردوں کو خرچ کرنا آسان ہے اس لئے ان کو اس کا حکم دیا گیا) آگے ارشاد ہے۔ کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے (یعنی بچہ کے ماں باپ آپس میں کسی بات پر ضد اور ضد نہ کریں مثلاً ماں دودھ پلانے سے معذور ہو اور باپ اس پر یہ سمجھ کر زبردستی کرے کہ آخر اس کا بھی تو بچہ ہے۔ جھک ماریگی اور دودھ پلا دے گی یا کہ باپ مفلس ہے اور ماں کو کوئی معذوری بھی نہیں پھر دودھ پلانے سے یہ سمجھ کر انکار کرے کہ اسکا بھی تو بچہ ہے جھک مار کر کسی سے پلوائے گا) آگے ارشاد ہے۔ اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو مثل طریق مذکور کے بچہ کی پرورش کا انتظام اس محرم قرابت دار کے ذمہ ہے جو شرعاً بچہ کے وارث ہونے کا حق رکھتا ہو۔ پھر یہ سمجھ لو کہ اگر دونوں ماں باپ دو سال سے کم میں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی باہمی رضامندی اور مشورہ سے تو بھی دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ ماں کے ہوتے ہوئے بھی کسی مصلحت ضروریہ سے (مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ اچھا نہیں بچہ کو ضرر ہوگا) اپنے بچوں کو کسی اور آنا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے

حوالہ کردو جو کچھ ان کو دینا کیا ہے خواہ پیشگی یا بعد میں جس طرح معاہدہ ٹھہر جائے (اور اگر اُجرت اُنا کو نہ آگے دے نہ پیچھے تو یہ بات نہیں کہ تم پر کوئی گناہ نہیں بلکہ اُجرت نہ دینے کا گناہ لازم رہے گا) آخر میں ارشاد ہوتا ہے اور حق تعالیٰ سے اِن سب احکام کے بارہ میں ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں "

تو اس آیت میں جو شرعی مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں :-

مسئلہ ۱ :- ماں اگر کسی وجہ سے معذور نہ ہو تو اسکے ذمہ عند اللہ واجب ہے، کہ بچہ کو دودھ پلا دے جبکہ وہ منکوحہ ہو یا عدت میں ہو اور اجرت لینا دودھ پلانے کی ایسی ماں کو درست نہیں ۔

مسئلہ ۲ :- اور اگر طلاق کے بعد عدت گذر چکی تو اب مطلقہ عورت پر بلا اُجرت دودھ بچہ کو پلانا واجب نہیں ۔

مسئلہ ۳ :- اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو سمجھا جائے گا کہ یہ غالباً معذور ہوگی اس لئے اس پر جبر نہ کیا جاوے گا ۔ البتہ اگر بچہ کسی اور کا دودھ لیتا ہی نہیں ۔ نہ اُور کا دودھ پیتا ہے تو ماں کو مجبور کیا جاوے گا کہ بچہ کو دودھ پلائے ۔

مسئلہ ۴ :- ماں دودھ پلانا چاہتی ہے اور اسکے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں تو باپ کو جائز نہیں کہ اس کو پلانے نہ دے اور دوسری اُنا کا پلوائے ۔

مسئلہ ۵ :- ماں دودھ پلانے پر رضامند ہے لیکن اس کا دودھ بچہ کو مضر ہوگا تو باپ کو جائز ہے کہ اس کو دودھ نہ پلانے دے اور کسی اُنا کا پلوائے ۔

مسئلہ ۶ :- ماں دودھ پلانے کی اُجرت مانگتی ہے سو اگر وہ شوہر کے نکاح میں ہے یا طلاق ہوگئی لیکن عدت نہیں گذری ۔ ان دونوں حالتوں میں ماں کو اُجرت لینا جائز نہیں بلکہ مجبور کی جاویگی کہ دودھ پلاوے ۔

مسئلہ ۷ :- اور اگر طلاق کے بعد عدت گذر گئی پھر اُجرت مانگتی ہے تو باپ کو اُجرت دینا پڑے گی ۔

مسئلہ ۸ :- اسی صورت میں یعنی جبکہ طلاق کے بعد عدت گذر جاوے اور وہ اُجرت مانگتی ہے تو باپ اگر دوسری اُنا سے اتنی ہی اُجرت پر پلانا چاہے تب تو ماں مقدم ہے ۔ دوسری اُنا سے پلوانے کا حق نہیں ہے ۔ اور اگر دوسری اُنا اس ماں سے کم اُجرت پر راضی ہے تو ماں کو یہ حق حاصل نہیں کہ خود پلاوے اور اُجرت زیادہ لے ۔ البتہ اگر ماں درخواست کرے تو اتنا حق رکھتی ہے کہ اس اُنا کو اس کے پاس رکھا جاوے گا تاکہ بچہ سے جدائی نہ ہو ۔

مسئلہ ۹ :- باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مر جاوے

اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی مال میں اس کا خرچ ہوگا اور اگر مالک مال کا نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں (یعنی اس بچہ سے ان کا ایسا رشتہ ہے کہ اگر اس رشتہ دار اور بچہ میں سے ایک کو مرد ایک کو عورت فرض کریں تو باہم نکاح درست نہ ہو) اور محرم ہونے کے علاوہ وہ شرعاً اس کے مستحق میراث بھی ہیں (یعنی اگر یہ بچہ مرجاوے تو محرم رشتہ داروں میں دیکھا جاوے گا کہ اس کا مال میراث میں کس کس کو کتنا کتنا پہنچتا ہے پس ایسے محرم وارث رشتہ داروں کے ذمہ اس بچہ کا خرچ واجب ہوگا اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے مثلاً ایک ایسے بچہ کی ایک ماں ہے ایک دادا ہے تو اس کے خرچ کا ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث اسی نسبت سے پاسکتے ہیں (جملہ مسائل از بیان القرآن)

مسئلہ ۱- پوری مدتِ رضاعت یعنی بچہ کو دودھ پلانے کی مدت ۲ دو سال ہے۔ جب تک کوئی خاص عذر مانع نہ ہو بچہ کا حق ہے کہ یہ مدت پوری کی جائے۔ البتہ قرآنِ کریم کی دوسری آیت وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (پ ۲۶ سورۂ احقاف) کی بناء پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر تیس مہینے یعنی ۲½ سال کے عرصہ میں بھی دودھ پلادیا تو احکام رضاعت کے ثابت ہوجائیں گے اور اگر بچہ کی کمزوری وغیرہ کے عذر سے ایسا کیا گیا تو گناہ بھی نہ ہوگا لیکن ڈھائی سال پورے ہونے کے بعد بچہ کو ماں کا دودھ پلانا باتفاق حرام ہے۔ (معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

علامہ عبدالحق مفسر دہلوی اپنی تفسیر حقانی میں لکھتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کی آیت مذکورہ سے امام شافعی اور علقمہ اور شعبی اور ظہری نے دو برس رضاعت کی مدت قرار دی ہے اور یہی رائے حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کی ہے اور صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں ۲½ برس کی مدت ہے اُن کی دلیل یہ آیت ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (پ ۲۶ سورہ احقاف) (اور اس کا حمل اور اس کا فصال یعنی دودھ چھڑائی تیس ۳۰ ماہ ہے) اور سورہ بقرہ کی اس آیت میں جو دو برس کامل مذکور ہیں تو صرف اجرتِ رضاعت کے لئے۔ اور دوسرے ائمہ اس جملہ وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں حمل اور فصال یعنی دودھ چھڑائی۔ ہر ایک کی مستقل مدت نہیں بیان کی بلکہ دونوں کی مجموعی مدت جس سے حمل کی ادنیٰ مدت چھ مہینے اور رضاعت کی دو برس لئے گئے۔ احادیث اور آثارِ صحابہ فریقین کی تائید کرتے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

تو اگرچہ جمہور علماء کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت (یعنی مدتِ رضاعت) ۲ دو سال ہے اور نکاح کے لئے جو جو رشتے نسب کے اعتبار سے حرام ہیں وہ رشتہ دودھ کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر ۲½ برس کے اندر اندر بھی دودھ پیا ہو تب بھی نکاح درست نہیں۔ البتہ اگر ڈھائی برس

Marfat.com

کے بعد دودھ پیا ہو تو اس کا بالکل اعتبار نہیں اور سب کے نزدیک نکاح درست ہے۔
(بہشتی زیور حصہ چہارم)

مسئلہ ۱۱:۔ اگر بچہ کے ماں باپ دونوں کی آپس کی رضامندی اور باہمی مشورہ سے یہ ارادہ کریں کہ بچہ کو مدتِ رضاعت یعنی دو سال سے کم ہی میں دودھ چھڑا دیں خواہ ماں کی معذوری کے سبب یا بچہ کی بیماری کے سبب تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ ۱۲:۔ آنا یعنی جس عورت کو دودھ پلانے پر رکھا جائے اس سے معاملہ تنخواہ یا اجرت کا پوری صفائی کے ساتھ طے کر لیا جائے کہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ اور پھر وقت مقررہ پر طے شدہ اجرت اس کو ادا بھی کر دے۔ اس میں ٹال مٹول یا کوئی کمی نہ کرے۔

یہاں آیت میں یہ سب احکام رضاعت بیان کرنے کے بعد اخیر میں پھر قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز اور اسلوب کے ساتھ قانون پر عمل کو آسان کرنے اور ہر حال میں ان کا پابند رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اسکے علم محیط کا تصور سامنے کر دیا اور وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ فرما کر تنبیہ فرما دی کہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کھلے اور چھپے اور ظاہر و غائب کو پوری طرح دیکھ رہے ہیں اور تمہارے دلوں کے مخفی ارادوں اور نیتوں سے باخبر ہیں۔ اگر کسی نے مذکورہ احکام کی خلاف ورزی کی وہ مستحق سزا ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں تحفظ حقوق اولاد پر رحم و شفقت اور حسنِ معاشرت کے زریں اصول موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کلام پاک کی جملہ ہدایات اور تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

اب آگے شوہر کے وفات پانے کی صورت میں عدت اور نکاح ثانی سے متعلق احکام بیان فرمائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ ہم کو جملہ قرآنی احکام و ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اور اس ملک میں قرآنی احکام کا نفاذ فرما۔ غیر شرعی اور غیر قانونی احکام جو رائج ہیں اُن کے ختم ہونے کی صورت غیب سے ظاہر فرما۔ یا اللہ ہمارے دلوں میں قرآن کریم کی سچی عظمت عطا فرما اور ہم کو اس کے اتباع کے ساتھ زندہ رکھ اور اسی کے اتباع کے ساتھ موت نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۲۲

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا
اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں
يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا
وہ بیبیاں اپنے کو روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن - پھر جب
بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ
اپنی میعاد ختم کرلیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات
اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾
کے لئے کچھ کارروائی کریں قاعدہ کے موافق - اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

تفسیر و تشریح :- ازدواجی تعلقات اور نکاح و طلاق سے متعلق احکام کافی اوپر سے بیان ہوتے چلے آرہے ہیں گذشتہ آیات میں عدت حیات یعنی عدت طلاق کا بیان ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ اثنائے عدت میں رضاعت یعنی بچہ کو دودھ پلانے کے احکام کو بیان فرمایا گیا تھا۔ اب اس آیت میں عدت وفات کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ عورت کی عدت تین طرح کی ہوتی ہے :-

۱ :- عدت طلاق۔ اس کے حکم اور مدت کا بیان گذشتہ آیت نمبر ۲۲۸ (درس نمبر ۱۱۶) میں ہوچکا ہے۔

۲ :- عدت اس حاملہ عورت کی جس کا شوہر مرگیا ہو۔ اس کا حکم سورۂ طلاق۔ پارہ نمبر ۲۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کی ولادت تک ہے۔

۳ :- عدت وفات جس عورت کا شوہر مرجائے اور وہ عورت حاملہ بھی نہ ہو اس کا بیان اس آیت میں فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

"اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں - وہ بیبیاں اپنے آپ کو نکاح وغیرہ سے روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن - پھر جب اپنی عدت کی میعاد ختم کرلیں تو تم کو بھی کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات کے جائز رکھنے میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی نکاح کی کریں قاعدہ کے موافق البتہ اگر کوئی بات خلاف قاعدہ شرع کے کریں اور تم باوجود روک سکنے کے روکو تو تم بھی شریک گناہ ہوگے - اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں"

Marfat.com

اس آیت کے حکم کے مطابق اُس بیوہ کی عدت جو حاملہ نہ ہو چار ماہ اور دس دن ہے۔ اور اگر حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہی بچہ پیدا ہو جائے یا چار ماہ دس دن سے زاید عرصہ میں جب بھی بچہ کی پیدائش ہو۔

عرب میں زمانۂ جاہلیت میں عدت کی رسم سال بھر تک کی تھی اور شروع اسلام میں بھی عورتوں کے لئے یہی ایک سال کی عدت کا حکم تھا جب تک وارثوں کے حصۂ میراث مقرر نہ ہوئے تھے اور آیت میراث اُس وقت تک نازل نہیں ہوئی تھی جیسا کہ اسی سورت کے اگلے رکوع میں یہاں سے پانچ آیات کے بعد حکم موجود ہے

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ ج۔

(اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جا یا کریں اپنی اُن بیبیوں کے واسطے ایک سال منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں)

یہ ایک سالہ عدت کا حکم اس آیت زیر تفسیر و تشریح کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ اور اب بیوہ غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر ہو گئی کہ اس چار ماہ دس دن کے عرصہ میں بیوہ نکاح جدید اور مناسبات نکاح سے پرہیز رکھیں یعنی زیب و زینت اور بناؤ سنگار خوشبو وغیرہ کے استعمال سے الگ رہیں اور بغیر ضرورت خاص اس گھر سے باہر نہ نکلیں جس گھر میں شوہر نے وفات پائی ہے تاکہ نکاح سابق کی عزت و حرمت کا بقا، اور عورت کا شوہر سے محبت کے جذبات کا مظاہرہ ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ شوہر کا بچہ شکم میں ہے یا نہیں۔ اگر معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت بدل جائے گی اور وضع حمل تک اس کا عدت کا زمانہ ہوگا۔ اور جب عدت مقررہ کا زمانہ ختم ہو جائے تو اب عورت کے ورثا یا قریبی عزیز رشتہ دار کسی کو حق نہیں کہ بیوہ کو اس کے شخصی تصرف اور ذاتی استحقاق نکاح سے روکے۔ وہ آزاد ہے۔ زیب و زینت کر سکتی ہے۔ خوشبو وغیرہ استعمال کر سکتی ہے اور جدید نکاح کر سکتی ہے لیکن یہ تمام امور موافق شرعی طریقہ پر ہونے چاہئیں۔ اب اگر کوئی روکے گا اور عورت کو اس کے جائز حق سے محروم کرے گا تو آیت کے اخیر میں وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فرما کر تنبیہ فرما دی کہ خدا تعالیٰ کو بندوں کے تمام اعمال کی خبر ہے۔ وہ ہر ایک کے ظاہر و باطن کے جاننے والے ہیں۔ اس لئے اس کے احکام کی مخالفت مت کرو ورنہ وہ سزا دے گا تو گویا یہاں بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کا حکم بیان ہوا ہے کہ عدت کے بعد اگر وہ اپنی مرضی سے کسی سے شرعی عقد کرنا چاہے تو اس بیوہ کے والی وارث کو اس سے نہیں روکنا چاہیے۔ بشرطیکہ وہ اپنے کفو میں نکاح کریں۔ غیر کفو میں نکاح کرنے سے رشتہ داروں کو روکنے کا حق ہے۔

اس قرآنی حکم کے ہوتے ہوئے بھی بعض جگہ بیوہ عورتوں پر برادری کی رسم و رواج یا اپنے خاندان کی ذلت کے احساس کی بنا پر بیوہ عورتوں پر انتہائی ظلم کیا جاتا ہے کہ بعض عورتیں عین جوانی میں بیوہ

ہو جاتی ہیں مگر ان کو عمر بھر خاوند کے بغیر رہنا پڑتا ہے اور بیوہ کے ورثاء اُسے عقد ثانی کی اجازت نہیں دیتے جو سراسر جہالت ظلم اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہے۔

غور کیجئے کہ شریعتِ اسلامیہ حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ پر کس طرح حاوی ہے اور زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل نہ بتاتی ہو۔ انسان کی پوری زندگی کی فلاح و بہبود کی ضامن اور اسلام کے آسمانی اور فطری مذہب اور دینِ کامل ہونے کی یہ ایک بڑی دلیل ہے۔ افسوس ہے ان کے حال پر جنکو شریعت اسلامیہ کے احکام کی قدر نہیں اور جو اسکے خلاف عمل پیرا ہو کر اپنی دین و دُنیا دونوں خراب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی فہم اور سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

اب چونکہ یہاں عدّت کا بیان تھا اس لئے عدّت سے متعلق چند ضروری مسائل بھی نقل کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ ۱: جس عورت کے خاوند کا انتقال ہو جائے اس کو عدت کے اندر خوشبو لگانا۔ سنگار کرنا مثلاً زیور یا ریشمی کپڑے پہننا۔ سرمہ اور تیل بلا ضرورت دوا لگانا۔ مہندی لگانا۔ رنگین کپڑے پہننا درست نہیں۔ (بیان القرآن)

مسئلہ ۲: اگر چاند رات کو خاوند کی وفات ہوئی تب تو یہ مہینے خواہ ۲۹ دن کے ہوں یا ۳۰ دن کے چاند کے حساب سے پورے کئے جائیں گے۔ اور اگر چاند رات کے بعد وفات ہوئی ہے تو یہ سب مہینے ۳۰ - ۳۰ دن کے حساب سے پورے کئے جائیں گے۔ پس کل ۱۳۰ دن پورے کرنے ہوں گے۔ اور جس وقت وفات ہوئی ہو جب یہ مدت گذر کر وہی وقت آوے گا تو عدت ختم ہو جاویگی۔ (بیان القرآن)

مسئلہ ۳: خاوند کے انتقال کے وقت عورت جس گھر میں رہا کرتی تھی اُسی گھر میں عدت گذارنا چاہیئے۔ باہر نکلنا درست نہیں۔ البتہ اگر کوئی غریب عورت ہے کہ جس کے پاس گذارے کے لئے خرچ نہیں اور اُس نے کھانا پکانے وغیرہ کی نوکری کر لی تو اس کو جانا اور نکلنا درست ہے۔ لیکن رات کو اپنے ہی گھر میں رہا کرے۔ (بہشتی زیور۔ حصہ چہارم)

مسئلہ ۴: بیوہ گھر بھر میں جہاں جی چاہے رہ سکتی ہے۔ بعض جگہ یہ جو دستور ہے کہ خاص ایک جگہ مقرر کر کے رہتی ہے کہ غمزدہ کی چارپائی اور خود غمزدہ وہاں سے ٹلنے نہیں پاتی۔ یہ زیادتی اور بالکل مہمل ہے۔ شرعاً ایسی کوئی پابندی نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم)

مسئلہ ۵: کسی کے شوہر کا انتقال ہو گیا مگر عورت کو خبر نہیں ملی۔ چار مہینے دس دن گذرنے کے بعد خبر آئی تو اُس کی عدت پوری ہو چکی۔ اب جب سے خبر ملی ہے تب سے عدت بیٹھنا ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر شوہر نے طلاق دے دی مگر عورت کو نہ معلوم ہوا بہت دنوں بعد خبر ملی جتنی عدت اُسکے ذمہ تھی وہ خبر ملنے سے پہلے ہی گذر چکی تو اُس کی بھی عدت پوری ہو گئی۔ اب عدت بیٹھنا واجب نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم)

Marfat.com

مسئلہ ۶۔ شوہر کی وفات کے عدت میں اگر عورت حاملہ تھی اور شوہر کے مرنے کے دو چار گھڑی بعد ہی بچہ پیدا ہو گیا تب بھی عدت ختم ہو گئی۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم)

مسئلہ ۷۔ پہلے کبھی ہندوستان میں بعض مسلمان گھروں میں یہ دستور تھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد عورت سال بھر تک عدت میں بیٹھی رہتی۔ یہ بالکل ناجائز ہے اور حرام ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت مسلمان اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کو تین دن سے زیادہ کسی کے غم میں سوگ کرنا جائز نہیں مگر شوہر کے لئے چار مہینہ اور دس دن (مشکوٰۃ)

مسئلہ ۸۔ مرنے کی عدت میں عورت کو روٹی کپڑا نہ دلایا جائے گا اپنے پاس سے خرچ کرے۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم)

مسئلہ ۹۔ کسی کام کے لئے عورت اپنے گھر سے باہر کہیں گئی تھی۔ یا اپنی پڑوسن کے گھر گئی تھی کہ اتنے میں اس کا شوہر مر گیا تو اب فوراً وہاں سے چلی آوے اور جس گھر میں رہتی تھی وہیں رہے۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم)

مسئلہ ۱۰۔ کسی مرد نے اپنی بیماری میں عورت کو طلاق بائن دے دی اور طلاق کی عدت ابھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ مرد مر گیا تو دیکھنا چاہیئے کہ طلاق کی عدت بیٹھنے میں زیادہ دن لگیں گے یا موت کی عدت پوری کرنے میں جس عدت میں زیادہ دن لگیں گے وہ عدت عورت پوری کرے۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم)

الغرض یہاں آیت میں عدت کے بعد نکاح کی اجازت مذکور ہے۔ اب آگے اسی سلسلہ میں عدت کے اندر نکاح کا پیغام۔ نکاح کا وعدہ۔ یا نکاح کا اشارہ یا کنایہ بیوہ سے ظاہر کرنا اس کے احکام بیان گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:۔

اللہ تعالیٰ تمام مومنین و مومنات اور مسلمین و مسلمات کو زندگی کے ہر شعبہ میں دین کے احکام معلوم کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا شوق اور ہمت نصیب فرمائیں اور ہر حال میں ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ زندگی ہو یا موت ہو ہر حال میں ہم کو اتباع قرآنی اور شریعت اسلامیہ کے احکام کی پابندی ظاہراً و باطناً نصیب ہو۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

درس ۱۲۳

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو (جو کہ عدت وفات میں ہیں) پیغام (نکاح) دینے کے بارہ میں کوئی

النِّسَاءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم

سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا

ان عورتوں کا ذکر مذکور کروگے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ مت کرو

اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ

مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو ۔ اور تم تعلق نکاح کا ارادہ بھی

النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا

مت کرو ۔ یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو پہنچ جائے ۔ اور یقین رکھو اس کا

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا

کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو

اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع ۳۰ ۴ ۱۴

کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں ۔

تفسیر و تشریح : ۔ گذشتہ آیت میں عورتوں کی عدت کے احکام بیان ہوئے تھے ۔ اب اسی سلسلہ میں آگے اس آیت میں ایسی عورتوں سے جو کہ عدت کے زمانہ میں ہوں اُن سے نکاح ثانی یا نکاح کا وعدہ یا نکاح کا پیغام کے احکام تبلائے گئے ہیں اور وہ یہ کہ عدت کے اندر اندر نکاح ۔ نکاح کا وعدہ اور نکاح کا صریح پیغام تو جائز نہیں ۔ البتہ نکاح کا اشارہ اور کنایہ جائز ہے اور وجہ اس حکم کی ظاہراً یہی ہے کہ کسی کے مرتے ہی اس کی بیوہ سے نکاح کا پیغام دینا ایک طرح کی بے مروتی ہے ۔ گویا کہ پیغام دینے والا اُس کی موت کا منتظر تھا ۔ اور اسی طرح عدت کے اندر عورت کا نکاح کے متعلق گفتگو کرنا بے وفائی پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے شوہر کے مرتے ہی اس کے حق رفاقت کو بھول گئی اور سابق نکاح کی عزت و حرمت کا کوئی لحاظ نہ کیا کہ جس کے گھر میں عدت گذار رہی ہے اور جس کی میراث تقسیم کرا رہی ہے،

Marfat.com

اس کے مرتے ہی نکاح کی بات چیت کر رہی ہے گویا کہ یہ عورت اپنے شوہر کے مرنے ہی کی منتظر تھی۔ پھر انسان فطرت کے جو تقاضے ہیں اور جو مرد و عورت میں قدرتاً ودیعت کئے گئے ہیں ان کی رعایت بھی اس دین فطرت میں ضروری ہے۔ اس لئے اس آیت میں ان امور کی بابت جامع احکام بیان فرمائے جاتے ہیں۔ چنانچہ آیت میں ارشاد ہوتا ہے :۔

"اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو جو کہ عدتِ وفات میں ہیں پیغام نکاح دینے کے بارہ میں کوئی بات اشارۃً کہو (مثلاً یہ کہ مجھ کو ایک نیک عورت کی ضرورت ہے اور مثل اس کے) یا اپنے دل میں آئندہ نکاح کر لینے کے ارادہ کو پوشیدہ رکھو جب بھی گناہ نہیں۔ اور وجہ اس اجازت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا ضرور ذکر مذکور کرو گے (سو خیر ذکر مذکور کا مضائقہ نہیں) لیکن ان سے صاف لفظوں میں نکاح کا وعدہ اور گفتگو مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو تو مضائقہ نہیں۔ (اور وہ بات قاعدہ کے موافق یہی ہے کہ اشارۃً کہو) اور تم تعلق نکاح کا فی الحال ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنے اختتام کو پہنچ جائے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی۔ سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور ناجائز امر کا دل میں ارادہ بھی مت کیا کرو۔ اور یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں (سو اگر کسی ناجائز امر کا ارادہ کیا تھا پھر توبہ کر لی تو معاف کر دیتے ہیں اور حلیم بھی ہیں سو اگر توبہ نہ کرنے والے کو سر دست سزا نہ دیں تو اس کی وجہ حلم سمجھو۔ دھوکہ مت کھاؤ)

یہاں اس آیت میں عدت کے اندر چار فعل مذکور ہیں۔ دو زبان کے اور دو دل کے اور ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے :۔

اوّل زبان سے تصریحاً اور بالکل کھلے الفاظ میں بیوہ کو پیغام نکاح دینا یہ ناجائز اور حرام ہے۔

دوم زبان سے اشارۃً و کنایۃً کہنا یہ جائز اور اس کی اجازت ہے۔

سوم دل سے یہ ارادہ کرنا کہ ابھی یعنی عدت کے اندر ہی نکاح کر لیں گے یہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے اور ارادہ حرام کا حرام ہے۔

چہارم دل سے یہ ارادہ کرنا کہ عدت کے بعد نکاح کریں گے یہ جائز ہے۔ (بیان القرآن)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں لکھا ہے کہ جو عورت طلاق بائن کی عدت میں ہو اس کا

Marfat.com

بھی یہی حکم ہے۔

اب غور کیجئے کہ معاملات چھوٹے ہوں یا بڑے تعلیم قرآنی اور شریعتِ اسلامیہ سارے دائرہ زندگی میں قدم قدم پر ہدایت بخشتی ہے۔ اور انسانی فطرت کی کس طرح رعایت کرتی ہے۔ طہارت نفس۔ پاکیزگی اخلاق، صفا۔ ظاہر و باطن۔ اور شرافتِ انسانی کی کیسی تعلیم دیتی ہے۔ تہذیب، اخلاق اور اصلاح معاشرہ کی تکمیل کس خوبی سے فرماتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو قرآن پر ایمان کا دعویٰ تو ہے مگر قرآنی تعلیمات و ہدایات کی کوئی قدر نہیں۔ نہ صرف اُن سے بے بہرہ ہیں اور یہود و نصاریٰ کی معاشرۃ کے دلدادہ ہیں اسلئے ہر امر میں یہود و نصاریٰ کا اتباع پسند خاطر ہے۔ اسی لئے ہم دن بدن سچی اسلامی اور ایمانی زندگی سے جو قرآن چاہتا ہے، محروم ہیں اور جس کے نتائج ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں مگر افسوس صد افسوس کہ پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں اور قرآنی اتباع کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

پھر جیسا کہ گذشتہ درسوں میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ انسان کو بدمعاملگی، بداخلاقی اور بددیانتی پر لانے والی چیز اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر نہ ہونا اور اس کے حاضر و ناظر ہونے سے غفلت ہونا اور اس کی ہمہ بینی اور ہمہ خبری کا استحضار نہ ہونا ہے۔ اگر کسی کو یہ ہر وقت مستحضر رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر فعل اور حرکت و سکون کے دانا و بینا ہیں اور ہماری نیتوں اور دلوں کے رازاور بھید سے واقف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی تو گرفت ہوگی اور سزا ملیگی تو کوئی نافرمانی اور بدعملی قصداً اور عمداً صادر نہ ہونے پائے اور قرآن کریم بار بار اسی جذبہ احساس کو بیدار کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمان کسی حال میں بھی اور کسی منزل میں بھی اس امر سے غافل نہ ہو چنانچہ یہاں بھی آیت کے اخیر میں فرمایا:۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ○

"اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کے بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں"

یعنی تم یقین رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں مخفی ہے خداوند تعالیٰ اس سے بھی واقف ہے لہٰذا تم کو اس سے خوف کرنا چاہیئے اور عورتوں کے متعلق کوئی بدنیتی دل میں نہ رکھنی چاہیئے اور نہ اُن سے بدمعاملگی برتنا چاہیئے اور احکامِ خداوندی کی پوری پوری فرمانبرداری اور پابندی کرنی چاہیئے۔ اور خداوند تعالیٰ کے تحمل اور پردہ پوشی سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے اور سزا میں تاخیر ہو تو دلیر نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے حاضر و ناظر ہونے کا ایسا یقین عطا فرمائیں کہ جو ہم سے کسی آن اور

Marfat.com

کسی حال میں احکام خداوندی کے خلاف قصداً نہ ہو - اور بر بنائے بشریت جو ہم سے گذشتہ میں تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان کو اپنی شانِ غفاری سے معاف فرمائیں - آمین -

ابھی مطلقہ عورتوں ہی سے متعلق بعض دیگر احکام کا بیان اگلی آیات میں جاری ہے جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا -

دُعا کیجئے:-

یا اللہ ہمیں ہر حال میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے احکام کی پابندی نصیب فرمائیے - اور اپنے احکام کی خلاف ورزی سے ہم کو کامل طور پر بچائیے

یا اللہ ہمارے دلوں میں اپنا وہ خوف اور ڈر اُتار دے کہ جو ہم کو آپ کی ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے روک دے -

یا اللہ ہمارے ذمہ جو حقوق آپ نے لازم کر دیئے ہیں ان کے بجا آوری کی توفیق عطا فرما اور ہم سے جو اب تک ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرما دے -

یا اللہ ہماری عورتوں اور بچوں کو بھی اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ صادق عطا فرما اور ان کو شریعتِ اسلامیہ کی پوری پابندی نصیب فرما -

یا اللہ اس ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور جو اب تک اسلامی اور قرآنی قوانین سے محروم ہے اب کرم و رحم کی نظر فرما اور اس قوم اور ملک کو جملہ قرآنی احکام اپنانے کی توفیق عطا فرما -

یا اللہ! قرآنی احکام اور شریعتِ اسلامیہ سے اب تک انحراف کر کے ہم سے جو جرم عظیم سرزد ہوا ہے اس کو اپنی رحمت سے معاف کر دے اور غیب سے یہاں قرآنی احکام کے نفاذ کی صورت پیدا فرما دے - آمین -

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۲۴

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ

تم پر کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے۔

أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ

اور نہ اُن کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے - اور ان کو فائدہ پہنچاؤ۔ صاحب وسعت کے ذمہ

قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ

اسکی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اسکی حیثیت کے موافق ہے۔ ایک خاص قسم کا فائدہ پہنچانا جو قاعدہ کے موافق واجب ہے۔

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ

خوش معاملہ لوگوں پر - اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے

قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً

کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ

تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف ہے۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص

الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ

رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق ہے - اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے

لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ

زیادہ قریب ہے - اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو۔

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

تفسیر و تشریح: گذشتہ آیت میں بیوہ سے نکاح ثانی کا پیغام عدت کی مدت کے درمیان دینے نہ دینے کے احکام بیان فرمائے گئے تھے اور یہ سلسلہ طلاق کے مسائل سے متعلق پہلے سے بیان ہوتا چلا آرہا ہے۔ اب یہاں ان دو آیات میں مطلقہ عورتوں کے احکام باعتبار لزوم مہر کے بیان فرمائے گئے ہیں۔ جن عورتوں

Marfat.com

کو طلاق دی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں :-

ایک ۱ یہ کہ نکاح کے وقت مہر معین ہوا تھا اور پھر خلوت کے بعد ان کو طلاق دی گئی۔ تو اس صورت میں شوہر کو تمام مہر دینا ہوگا جو نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا۔ اس کا حکم پانچویں پارہ کی ابتدائی آیت سورۃ نساء میں آیا ہے اور اسی رکوع کے اخیر میں بھی۔

دوسرے ۲ یہ کہ بوقتِ نکاح مہر تو متعین ہوا تھا مگر خلوت سے پہلے ہی طلاق واقع ہوگئی تو اس صورت میں شوہر کو آدھا مہر دینا لازم ہوگا جیسا کہ اسی آیت ۲۳۷ زیرِ تفسیر میں حکم ہے۔

تیسرے ۳ یہ کہ نکاح کے وقت نہ مہر معین ہوا تھا اور نہ خلوت کی نوبت آئی خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی اس صورت میں شوہر کے ذمہ مہر کی ادائیگی نہیں بلکہ دستور کے موافق اور شوہر اپنی حیثیت کے موافق کچھ خرچہ عورت کو دے جو کم از کم ایک جوڑہ تین کپڑوں کا واجب ہے۔ یہ حکم اسی آیت ۲۳۶ زیرِ تفسیر میں موجود ہے۔

چوتھے ۴ یہ کہ بوقت نکاح مہر تو مقرر نہ ہوا تھا مگر خلوت کے بعد طلاق دی ایسی صورت میں مہر مثل دینا پڑے گا یعنی عورت کے خاندان کی عورتوں کا جو مہر رائج ہے۔ اس کا بیان بھی اسی سورۃ کی آیت ۲۴۱ (درس ۱۲۶) میں آیا ہے۔

تو ان چار قسموں میں سے مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کے متعلق ان آیات زیرِ تفسیر میں مذکورہ بالا دوسری اور تیسری قسم کی عورتوں کے مہر کا حکم آیا ہے۔ چنانچہ اس پہلی آیت ۲۳۶ میں ارشاد ہوتا ہے :-

"تم پر مہر کا کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے سو اس صورت میں مہر اپنے ذمہ مت سمجھو اور صرف ان کو ایک فائدہ پہنچاؤ۔ صاحبِ وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے ایک خاص قسم کا فائدہ پہنچانا جو قاعدہ کے موافق واجب ہے، خوش معاملہ لوگوں پر یعنی سب مسلمانوں پر۔"

یہاں آیت میں لفظ مَتِّعُوْهُنَّ فرمایا گیا ہے جس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے "ان کو فائدہ پہنچاؤ"۔ یہ لفظ مَتَاع سے ہے اور مَتَاع لُغت میں اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے تھوڑی دیر فائدہ حاصل ہو۔ اسی لئے دُنیا کو مَتَاع کہتے ہیں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں علمائے مفسرین نے اس سے مراد کم از کم تین کپڑے یعنی ایک جوڑہ لیا ہے لیکن یہ حکم سب مردوں کے لئے یکساں نہیں ہے بلکہ مرد کی وسعت و تنگدستی یعنی مالی حالت کے اعتبار سے ہے۔ جو لوگ دولتمند فراخ دست ہیں ان کو اپنی حیثیت کے موافق جوڑہ دینا چاہیئے حضرت حسن رضؓ کو یہ صورت پیش آئی تھی اور آپ نے دس ہزار درہم یا بیس ہزار

درہم دیئے تھے۔ اور جو لوگ غریب تنگدست ہوں ان کو اپنے مقدور کے موافق مطلقہ کو دینا چاہیئے یعنی کم از کم ایک جوڑہ کپڑے کا اپنی حیثیت کے مطابق۔

یہاں ایک مسئلہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے لیکن مہر بہرحال دینا پڑے گا۔ حنفیہ کے نزدیک کم از کم مہر کی تعداد دس درہم وزن چاندی کی قیمت ہے۔ اس لئے عورت کے کم از کم مہر کی مقدار حنفیہ کے نزدیک رائج الوقت اوزان کے مطابق دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی یا اس کی قیمت ہوئی (رسالہ اوزانِ شرعیہ صفحہ ۱۶ از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان) اگر کوئی اس سے کم مقرر کرے۔ تب بھی اتنا ہی دینا واجب ہوگا۔ اور زیادہ مہر کی کوئی حد شریعت نے مقرر نہیں کی جس قدر دینے کی جس میں استطاعت ہو اس قدر مہر باندھ سکتا ہے مگر مناسب اس میں بھی اتباع سنت ہی ہے

الغرض اس پہلی آیت ۲۳۶ سے متعلقہ مسائل حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اگر کسی عورت کو قربت و خلوت صحیحہ کے قبل مرد طلاق دے دے اور مہر وقت نکاح متعین نہ ہوا ہو تو مہر دینا کچھ نہیں پڑتا بلکہ ایک جوڑہ تین کپڑوں کا دینا واجب ہے۔

۲۔ اس جوڑہ میں مرد کی حیثیت معتبر ہے یعنی مرد کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق جوڑہ دینا ہوگا۔

آگے دوسری آیت زیر تفسیر ۲۳۷ میں ارشاد ہے:۔

"اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا نصف واجب ہے (اور نصف معاف ہے۔ مگر دو صورتیں اس مجموعی حکم سے مستثنیٰ ہیں ایک صورت یہ کہ وہ عورتیں اپنا نصف معاف کر دیں تو اس صورت میں نصف مہر بھی واجب نہ رہا۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق رکھنا اور توڑنا ہے یعنی شوہر پورا مہر اس کو دیدے تو اس صورت میں خاوند کی مرضی سے پورا ہی مہر ادا کرنا لازم ہوگا)۔ اور اے اہل حقوق تمہارا اپنے حقوق کو معاف کر دینا بہ نسبت وصول کرنے کے تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (کیونکہ معاف کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ اور ثواب کا کام کرنا ظاہر ہے کہ تقویٰ کی بات ہے) اور آپس میں احسان اور رعایت کرنے سے غفلت مت کرو (بلکہ ہر شخص دوسرے کے ساتھ رعایت کرنے کا خیال رکھا کرے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں (تو تم اگر کسی کے ساتھ احسان اور سلوک کرو گے اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر تم کو عطا فرمائیں گے)"

اس دوسری آیت سے متعلقہ مسئلہ یہ ہوا کہ جس عورت کا مہر نکاح کے وقت مقرر ہوا ہو اور اس کو

Marfat.com

قربت یا خلوتِ صحیحہ کے قبل طلاق دیدی ہو تو مقرر کئے ہوئے مہر کا نصف مرد کے ذمہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ البتہ عورت اگر معاف کردے یا مرد پورا مہر دیدے تو یہ اختیاری بات ہے۔

یہاں پہلی آیت کے خاتمہ پر حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (یعنی یہ لازم ہے نیکی کرنے والوں پر) اور دوسری آیت کے خاتمہ پر وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط (یعنی آپس میں احسان اور رعایت کرنے سے غفلت مت کرو) فرما کر تلقین فرمائی گئی اور لطیف اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ عورتوں کے حقوق میں جہاں تک ہوسکے مرد کو رعایت اور احسان سے کام لینا چاہیئے۔ اور یہ قرآنی تعلیمات کے خاص میں سے ہے کہ طلاق کے موقع پر بھی جو مرد و عورت کے تعلقات کے اختتام اور انقطاع کا نام ہے۔ باہمی حُسنِ سلوک۔ مروت اور رعایت کی تعلیم دی جاتی ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوا کہ حالتِ طیش اور ناگواری میں بھی لحاظ تقویٰ اور حُسنِ اخلاق اور عفو و احسان کا معاملہ رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی قرآن کریم کے تعلیم کردہ اخلاق سے مزین فرمائیں اور ہر ناگواری کے موقعہ پر حُسنِ اخلاق اور عفو و احسان برتنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

گذشتہ آیات سے یہاں تک سلسلہ طلاق و نکاح اور ان سے متعلق امور جیسے عدت۔ مہر وغیرہ کا بیان ہوا جن کا تعلق حقوق انسانی سے تھا۔ اور آگے چند احکام، پھر طلاق، نکاح۔ عدت ہی کے بیان ہوئے ہیں مگر درمیان میں یعنی اگلی دو آیات میں فریضۂ الٰہی یعنی حقوق اللہ میں سے نماز کی تاکید کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ حقوقِ انسانی کے ساتھ ساتھ فرائض الٰہی کی نگہداشت اور تاکید ہوجائے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ ہم کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں کتاب و سُنت سے وابستہ رکھیں اور ہر حال میں شریعتِ اسلامیہ کا ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرمائیں۔ خصوصاً عورتوں کے حقوق اور معاملات میں ہمیں حُسنِ اخلاق اور عفو و احسان کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے احسان اور سلوک کی توفیق نصیب ہو اور جملہ حقوق العباد کے معاملہ میں کوتاہی اور غفلت سے بچنا نصیب ہو۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۲۵

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ق

محافظت کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی ۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ

اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے ۔ پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو تم کھڑے کھڑے یا

رُكْبَانًا ج فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ

سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو ۔ پھر جب تم کو اطمینان ہو جاوے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اُس طریق سے کرو جو تم کو سکھلایا ہے

مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

جس کو تم نہ جانتے تھے ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں دُور سے سلسلۂ کلام ازدواجی زندگی و احکامِ معاشرت کے متعلق ہوا ۔ اور بیویوں کے حقوق اور طلاق ۔ عدت ۔ مہر ۔ نکاح ثانی وغیرہ کے احکام ذکر ہوئے ۔ اب درمیان میں اِن آیات میں نماز کے متعلق کچھ احکام آگئے ہیں ۔ آگے پھر وہی سلسلہ ازدواجی مسائل کا ہے اور بیوہ عورت کے سکونت اور مطلقہ عورت کے متعلق بعض مزید احکام بیان فرمائے گئے ہیں ۔ تو نکاح ، طلاق ، عدت ۔ مہر وغیرہ کے احکام کے درمیان نماز کی تاکید اور اہمیت کو اس لئے بیان فرمایا گیا کہ دُنیا کے معاملات اور باہمی نزاعات میں پڑ کر کہیں خدا کی عبادت کو بندہ نہ بُھلا بیٹھے اور اہل و عیال میں مشغولی نماز سے غفلت کا سبب نہ ہو جائے ۔ نیز طلاق جیسے رنجدہ معاملہ میں ہوا و ہوس کے بندوں کو بوجہ غلبۂ حرص و بخل عدل و انصاف اور حُسنِ سلوک اور عفو و تقویٰ سے کام لینا جس کا گذشتہ آیت لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ (تم باہمی احسان اور نیکوئی کو نہ بھولو) میں حکم ہوا تھا بہت دُشوار ہے اور اس حالت میں اُن سے عمل کرنے کی توقع بیشک مشکل نظر آتی تھی سو اس کا علاج فرما دیا گیا کہ نماز کی حفاظت اور اُس کی پابندی اور اس کے حقوق کی رعایت کی جائے جو تقویٰ و پرہیزگاری کی بُنیاد ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل ہوتا ہے ۔ جس سے باہمی معاملات میں خدا ترسی پیدا ہوتی ہے ۔ اس لئے نماز کی تاکید و تنبیہ درمیان میں فرمائی گئی ۔

نکاح و طلاق کے مسائل جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے ساتھ فریضہ الٰہیہ یعنی حقوق اللہ کی تاکید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں معاشرت و معاملت ۔ قانون و اخلاق ۔ عبادات سے الگ

Marfat.com

نہیں اور شریعت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ۔

ان آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے ایک روایت یہ لکھی ہے کہ کام کاج میں لگ کر بعض لوگ عصر کی نماز پڑھنے میں تاخیر کر دیتے تھے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے کے قریب ہو جاتا اس وقت آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں۔ اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ دیگر اہلِ کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیا کرتے تھے اس کی ممانعت میں یہ آیات نازل ہوئیں ۔ اس کے بعد مسلمانوں نے نماز میں بولنا اور اشارہ کرنا ترک کر دیا۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے :۔

"محافظت کرو سب نمازوں کی عموماً اور درمیان والی نماز یعنی عصر کی خصوصاً اور نماز میں کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے ۔ پھر اگر تم کو باقاعدہ نماز پڑھنے میں کسی دشمن وغیرہ کا اندیشہ ہو تو تم کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے (جس طرح بن سکے خواہ قبلہ کی طرف منہ نہ ہو اور گو رکوع و سجود صرف اشارہ ہی سے ممکن ہو) پڑھ لیا کرو یعنی اس حالت میں بھی نماز کی محافظت کرو اور اس کو ترک مت کرو۔ پھر جب تم کو بالکل اطمینان ہو جائے اور اندیشہ جاتا رہے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد یعنی ادائے نماز اس طریق سے کرو جو تم کو اطمینان کی حالت میں سکھلایا ہے جس کو تم پہلے سے نہ جانتے تھے "

یہاں نماز کی محافظت اور نگرانی کا جو حکم دیا گیا ہے تو نمازوں کی حفاظت اور نگرانی کے معنی یہ ہیں کہ نمازوں کو اپنے وقتوں پر ادا کرنا اور نماز کے ارکان ، واجبات ، سُنن اور مستحبات کا پورا پورا لحاظ رکھنا۔ پھر تمام نمازوں کی عموماً اور صلوٰۃ وُسطیٰ کی محافظت کا خصوصاً حکم دیا گیا ۔

صلوٰۃ وُسطیٰ یعنی بیچ والی نماز سے کون سی نماز مراد ہے ؟ اس کے متعلق کثرت سے علمائے مفسرین کا قول بعض احادیث کی دلیل سے یہ ہے کہ بیچ والی نماز عصر ہے کیونکہ اس کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں یعنی فجر و ظہر اور ایک طرف دو نمازیں رات کی ہیں یعنی مغرب و عشاء ۔ تو اس بیچ والی نماز کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمائی گئی کہ اکثر لوگوں کو یہ وقت کام کی بھیڑ بھاڑ اور مشغولیت کا ہوتا ہے ۔ اور یہاں یہ جو فرمایا وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ (اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے) اور عاجزی کی تفسیر حدیث میں خاموشی کے ساتھ آئی ہے ۔ اسی آیت سے نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت ہوئی ۔ اور وہ جو بعض احادیث میں ہے کہ نماز میں صحابہ یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اشارہ کیا یا بات کی یا چلے سو یہ سب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کی باتیں ہیں ۔

اب نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایسی شدید حالت میں جب دشمن سے مقابلہ ہو

Marfat.com

اور جب کہ جانوں کی آپا دھاپی پڑ رہی ہو اس وقت بھی نماز مؤخر نہیں کی گئی بلکہ نماز کھڑے کھڑے یا سواری پر بیٹھے بیٹھے پڑھے۔ اس وقت نہ رکوع و سجود کا لحاظ ضروری ہے نہ قبلہ رُو ہونے کا۔ البتہ اشارے سے نماز صحیح جب ہوگی جب ایک جگہ کھڑا ہو سکے اور اس میں سجدہ کا اشارہ ذرا زیادہ پست کرے بہ نسبت رکوع کے اور اگر کھڑا رہنا بھی ممکن نہ ہو بلکہ چلنا پھرنا اور دوڑنا بھاگنا ہو رہا ہو تو عمل کثیر کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک نماز مؤخر کر دی جائے گی جیسا کہ صحابہ کرامؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ اَحزاب میں کیا تھا جیسا کہ بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ مشرکوں نے ہم کو صلوٰۃ وسطیٰ سے روک دیا۔ خدا اُن کی قبر آگ سے بھر دے اور یہ واقعہ جنگِ اَحزاب میں نماز عصر کا ہے اور جب جنگ یا خوف کی حالت نہ ہو۔ امن چین ہو جائے تو پھر اُنہی ارکان و شرائط کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا حکم ہے جو تعلیم کیے گئے ہیں یعنی قبلہ کی طرف رُخ ہو۔ رکوع۔ سجدہ۔ قعود و قیام وغیرہ کا التزام ہو۔

الغرض احکامِ معاشرت اور ازدواجی مسائل کے ضمن میں یہاں محافظت صلوٰۃ پر متنبہ فرمایا گیا۔ تاکہ نماز کی محافظت ناپسندیدہ امور کے ارتکاب سے بچائے اور جن ناپسندیدہ امور کا ارتکاب ہو جائے تو نماز اس کا کفارہ بن سکے۔

اب آگے پھر ازدواجی مسائل کا ذکر ہے اور بیوہ عورت سے متعلق احکام اور مطلقہ عورت کے ساتھ سلوک کرنا اور اس کو کچھ نہ کچھ نفع پہنچانے کے مسائل ہیں جس کا بیان اگلی آیات میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں بھی محافظت نماز کی توفیق عطا فرمائیں۔
یا اللہ ہمیں ایسی نمازوں کی توفیق عطا فرما دے جو آپ کے قرب کا ذریعہ بنیں۔
یا اللہ اس امت میں جو نماز سے غفلت اور لاپرواہی پیدا ہو گئی ہے۔
یا اللہ اس جرم عظیم کو معاف فرما اور اُمت میں نماز کا ذوق و شوق پھر عطا فرما دے۔
یا اللہ ہماری نمازیں دین و دُنیا کو سنوارنے والی ہوں۔
یا اللہ ہماری نمازیں ہم کو اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت دلانے والی ہوں۔
یا اللہ ہمارے دِلوں میں نماز کی عظمت عطا فرما دے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۲۶

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ صلے

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو

وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ

وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال منتفع ہونے کی اس طور پر کہ

اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا

گھر سے نہ نکالی جاویں۔ ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں

فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں کریں۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں

حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا

حکمت والے ہیں۔ اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق مقرر ہوا ہے

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

اُن پر جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

اس توقع پر کہ تم سمجھو۔

تفسیر وتشریح: ۔ گذشتہ سے ازدواجی مسائل کے سلسلہ میں احکام بیان ہوتے چلے آرہے ہیں۔ درمیان میں نماز کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا تاکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ فریضہ الٰہی اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی اہمیت بھی محفوظ رہے۔ اب یہ آیات ازدواجی مسائل کے سلسلہ میں اس سورۃ میں آخری آیات ہیں اور ان میں بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے متعلق مزید بعض احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں بیوہ کی عدت کا دستور ایک سال تک کا تھا۔ بعض وارثین بیچاری بیوہ کو دورانِ عدت ہی میں گھر سے نکال باہر کرتے تھے اور نان نفقہ کچھ نہ دیتے تھے۔ وہ بیوہ اس زمانہ عدت میں نہ تو جدید نکاح کر سکتی تھی اور نہ اس کی معاش کا کوئی ذریعہ ہوتا تھا۔ شروع اسلام میں بھی عورت کی عدت ایک سال تھی اور عورت کے لئے اس وقت تک کوئی میراث نہ تھی۔ پھر اسلام میں بعد

Marfat.com

میں بیوہ کی عدت کا زمانہ چار ماہ دس روز مقرر ہوا جیسا کہ اسی سورۃ کے گذشتہ رکوع آیت ۲۳۴ میں حکم تھا یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (وہ بیبیاں اپنے آپ کو روکے رکھیں چار مہینہ دس دن) ۔ اُس وقت آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی اور بیوہ کا کوئی شرعی حصّہ ترکہ میں مقرر نہ ہوا تھا اس لئے یہ رعایت رکھی گئی کہ بیوہ اگر اپنے متوفی شوہر کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق حاصل ہے اور متوفی شوہر کے ترکہ ہی سے سال بھر تک اس کو نان ونفقہ اور سکونت کا مکان ملے گا۔ کوئی ان کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتا تھا اس پہلی آیت زیر تفسیر میں اسی کا بیان ہے اور خاوندوں کو حکم تھا کہ اس طرح کی وصیت کر جایا کریں ۔ ہاں اگر چار ماہ دس روز عدت کرنے کے بعد بیوہ بقیہ ایام میں متوفی شوہر کے گھر میں نہ رہنا چاہے تو اس کو اختیار ہے کہ اِس مدت یعنی چار ماہ دس روز بعد جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ جب آیت میراث نازل ہو گئی اور شوہر کے ترکہ میں سے بیوی کے لئے چوتھا یا آٹھواں حصّہ مقرر کر دیا گیا یعنی خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصّہ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں متروکہ مال کا چوتھائی حصّہ۔ تو سال بھر کے نفقہ اور سکونت کا حکم جو اس زیر تفسیر آیت میں تھا منسوخ ہو گیا چنانچہ جمہور مفسرین اور فقہاء کے نزدیک یہ آیت منسوخ الحکم ہے اور عدت والی آیت اور میراث والی آیت اس کی ناسخ ہیں ۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر اسے آپ قرآنِ کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں ۔ حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا۔ بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے ۔ یہاں بھی موجود رہے گی ۔ ہم کوئی ہیر پھیر نہیں کر سکتے ۔

الغرض اس آیت کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا اور بعد میں دوسری آیتوں سے منسوخ ہو گیا۔ اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مرنے کے قریب ہوں اُن پر لازم ہے کہ اپنی بیبیوں کے متعلق ورثاء کو وصیت کر دیں کہ بیوہ کو سال بھر تک نان ونفقہ اور سکونت کا مکان دینا۔ ان کو نکال نہ دینا جیسا کہ جاہلیت میں دستور تھا۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے عدت کا زمانہ چار ماہ دس دن گذار کر خوشی سے چلی جائیں اور وہ خود کہیں نکاح جائز طور پر کرنا چاہیں اور دستور کے موافق ذاتی تصرف کرنا چاہیں تو کسی پر کوئی گناہ نہیں ۔

پہلی آیت زیر تفسیر میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

"اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو اُن کے ذمہ لازم ہے کہ وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیبیوں کے واسطے ایک سال تک نان ونفقہ اور گھر میں سکونت رکھنے سے منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر

سے نکالی نہ جاویں ہاں اگر عدت گذار کر (یعنی چار ماہ دس دن یا وضع حمل کے بعد) خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں تجویز کریں جیسے نکاح وغیرہ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں گو تمہاری فہم میں وہ حکمتیں نہ آسکیں"

گویا اس حکم سے رسم جاہلیت کو باطل فرمایا۔ عورت کے حقوق کا تحفظ فرمایا۔ عورت کو مختار بنایا۔ اور آیت کے آخر میں وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فرما کر اشارہ فرما دیا کہ اللہ زبردست ہیں اُن کے حکم کے خلاف مت کرو اور حکمت والے ہیں کہ تمام احکام میں تمہاری مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں گو تمہاری سمجھ میں آویں یا نہ آویں۔

آگے دوسری آیت میں طلاق دی ہوئی عورتوں کے مَتَاعٌ یعنی ان کو نفع پہنچانے کا بیان ہے۔ جس میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا کسی درجہ میں مقرر ہے قاعدہ کے موافق۔ اور یہ مقرر ہوا ہے اُن پر جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے عمل کرنے کے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں، تاکہ تم اُن کو سمجھو اور عمل کرو"

مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم اسی رکوع کی ابتدائی آیات میں بھی آچکا ہے۔ مگر وہاں صرف دو قسم کی مطلقہ عورتوں کے لئے احکام تھے:۔

ایک[1] وہ کہ جن کا نہ مہر مقرر ہوا ہو نہ اُن سے قربت کی نوبت آئی ہو۔ اُن کے متعلق شوہر کو حکم ہوا تھا کہ طلاق دینے پر مہر کچھ واجب نہیں مگر شوہر اپنے پاس سے مطلقہ کو کچھ دیدے۔ کم از کم یہ کہ ایک جوڑہ کپڑے کا اپنی حیثیت اور وسعت کے موافق۔

دوسرے[2] وہ مطلقہ کہ جس کا مہر تو بوقت نکاح مقرر ہوا تھا مگر خلوت و قربت کی نوبت نہیں آئی اور طلاق ہوگئی اس صورت کے متعلق شوہر کو حکم ہوا تھا کہ مقرر کئے ہوئے مہر کا نصف مرد کے ذمہ لازم ہوگا۔ یہاں آیت میں اُن طلاق والی عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم ہے جن کو خلوت یا قربت کے بعد طلاق دی جائے سو ان میں جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اس کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دینا چاہیئے اور جس کا مہر بوقت نکاح مقرر نہ ہوا ہو تو مرد پر مہر مثل واجب ہے یعنی جو اس عورت کے خاندان میں مہر رائج ہے۔

یہ ازدواجی مسائل کے سلسلہ میں اس سورۃ میں آخری حکم ہے۔

اب جہاں سے کہ احکام نکاح۔ طلاق۔ مہر۔ عدت وغیرہ کا بیان گذشتہ آیات میں شروع

Marfat.com

ہوا ہے ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام میں اللہ تعالیٰ نے جابجا نہایت تاکیدی الفاظ استعمال فرمائے ہیں جیسے وَاتَّقُوا اللّٰہَ (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ (یہ خدائی ضابطے ہیں) فَلَا تَعْتَدُوْھَا (سو تم ان سے باہر مت نکلنا) وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا (اللہ کے احکامات کو لہو لعب مت سمجھو) ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ (یعنی جو خلاف ورزی کریں گے وہ اپنا ہی نقصان اور اپنے ہی اوپر ظلم کریں گے) فَاحْذَرُوْہُ (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو)

پھر انہی احکام کے بیان میں جابجا یہ بھی فرمایا ہے کہ:-

وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سب سنتے اور جانتے ہیں۔ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ہیں زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہیں یعنی ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ہیں یعنی تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ہیں یعنی تمہارے سب کاموں کی خبر رکھتے ہیں۔

یہ ارشادات اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ یہ سب احکام شریعت میں مقصود اور واجب ہیں بطور مشورہ کے نہیں ہیں کہ جن میں ترمیم یا تنسیخ یا تبدیل کرنے یا عمل نہ کرنے کا ہم میں سے کسی کو حق ہو یا کوئی اختیار رکھتا ہو۔

یہاں تک سورہ بقرہ کے اکتیس ۳۱ رکوعات کا بیان ختم ہوا اور بائیسویں ۲۲ رکوع کی ابتداء سے جو مختلف احکام کا بیان شروع ہوا تھا وہ یہاں احکام معاشرت یعنی نکاح طلاق وغیرہ کے متعلق احکام پر ختم ہوا۔ اب آگے تذکیر آخرت اور احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کی ممانعت اور قضاء و قدر پر راضی رہنے کی ہدایت کے سلسلہ میں ایک قصہ بنی اسرائیل سے متعلق ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:-

اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ احکام قرآنی کا اتباع ظاہراً و باطناً نصیب فرمائیں اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! اپنے احکام کی عظمت ہمارے دلوں میں اتار دے تاکہ ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں عموماً اور ازدواجی مسائل میں خصوصاً آپ کے احکام کی پابندی نصیب ہو۔

یا اللہ! ہم کو تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت عطا فرما اور اپنے متقین بندوں میں ہم کو شامل ہونا نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۲۷

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ
(اے مخاطب) کیا تجھ کو اُن لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ
اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ
ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے سو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے فرما دیا کہ مرجاؤ
اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
پھر اُن کو جلا دیا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں پر
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا
مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۔ اور اللہ کی
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾
راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں

تفسیر و تشریح :۔اس سورۃ میں بائیسویں ۲۲ رکوع کے شروع سے گذشتہ اکتیسویں ۳۱ رکوع کے ختم تک مختلف انواع کے احکام بیان ہوئے جیسے قصاص ۔روزہ ۔ جہاد ۔انفاق فی سبیل اللہ ۔حج ۔حرمت شراب و جوا ۔نماز اور پھر بعض احکام متعلق معاشرت جیسے احکام یتیمی ۔نکاح ۔طلاق ۔مہر و عدت وغیرہ اور ان احکام معاشرت اور ازدواجی مسائل کے سلسلہ میں بار بار ہدایت و تاکید فرمائی گئی کہ احکام الٰہیہ کی عدول حکمی اور خلاف ورزی سے بچنا چاہیئے ۔اسی سلسلہ میں مزید تاکید اور ہدایت کے لئے ایک قصہ سنایا جاتا ہے جس کو گذشتہ احکام معاشرت کے بیان سے مناسبت و ربط یہ ہے کہ اس قصہ سے تنبیہ فرمائی جاتی ہے کہ اگر تم بے بس اور بے کس عورتوں کا عرصہ حیات تنگ کرو گے اور ان کے حقوق و مطالبات مہر و عدت وغیرہ میں احکام خداوندی کے خلاف ورزی کرو گے یا کوتاہی برتو گے تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عدل حکمی کی سزا میں تمہارے جان ، مال کو تم سے چھین لے جیسا کہ پہلی امتوں میں اس قسم کے واقعات عدل حکمی پر پیش آچکے ہیں جس کی ایک مثال ان آیات زیر تفسیر میں ذکر کی جاتی ہے

ایک لطیف ربط گذشتہ آیات اور موجودہ و آئندہ آیات میں بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہاں تک جو مختلف نوع اور مختلف قسم کے احکام بیان ہوئے ان میں سب سے زیادہ اہم اور مہتم بالشان اور نفس پر شاق اور گراں دو حکم ہیں ۔ایک جہاد و قتال کا ۔ دوسرا انفاق مال کا ۔

اور انسان کو احکامِ خداوندی کی اطاعت سے روکنے والی زیادہ تر دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک حبِ دنیا اور دوسرے کراہتِ موت اس لئے یہی دو چیزیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں مخل اور مزاحم ہوتی ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کی تاکید اور نصیحت کے لئے بنی اسرائیل کا ایک قصہ یہاں ذکر فرمایا جو حکم خداوندی کے خلاف جہاد میں موت کے ڈر سے یا طاعون وبا کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کر بھاگ گئے تھے مگر عدول حکمی کے باعث غضبِ خداوندی سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ اور پھر پیغمبر وقت کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے تاکہ اس بلا سبب موت اور بلا سبب حیات کے مشاہدہ سے یہ یقین کرلیں کہ موت و حیات کسی ظاہری سبب پر موقوف نہیں۔ موت و حیات کا خالق و مالک صرف خدا تعالیٰ ہے۔ وہ بغیر وبا اور طاعون کے اور بغیر میدانِ جنگ میں جائے ہوئے بھی موت دے سکتا ہے۔ لہٰذا موت کے خوف سے بھاگنا بے سود ہے اور جہاد سے جان چُرانا زندگی بچانے کے لئے لاحاصل ہے۔ موت و حیات سب قبضۂ الٰہی میں ہے۔ اس طرح یہ قصہ سنا کر اولاً جہاد و قتال کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اور پھر مزید تاکید کے لئے آگے قصۂ طالوت و جالوت ذکر فرمایا گیا ہے اور پھر خدا کی راہ میں صدقہ و خیر خیرات کے احکام و فضائل بیان فرمائے جاتے ہیں تاکہ جہاد و قتال کے احکام میں اور انفاق فی سبیل اللہ کے احکام میں خلاف ورزی اور عدول حکمی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے مخاطب! کیا تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے حکم فرما دیا کہ مرجاؤ۔ سب مر گئے۔ پھر ان کو جلا دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں کے حال پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اس قصہ مذکورہ میں غور کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں یعنی جہاد کرنے اور نہ کرنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور ہر ایک کی نیت جانتے ہیں اور سب کو جزائے مناسب دیں گے۔"

جس قصہ کی طرف یہاں آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے مشہور یہی ہے کہ یہ ایک بنی اسرائیل یعنی یہود کی جماعت تھی جو جہاد یا طاعون سے بھاگے تھے اور بھاگ کر جہاں پہنچے اور خیال کیا کہ اب ہم سلامتی کی جگہ پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے موت بھی وہیں پہنچ گئی اور سب کے سب جو ہزاروں کی تعداد میں تھے وہیں مر گئے۔ پھر کچھ دنوں بعد اُس زمانہ کے پیغمبر کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اُن کو زندہ کر دیا۔ تو اُمتِ محمدیہ کو یہ قصہ سنانے سے مراد یہ ہے کہ جہاد وغیرہ سے

بسبب خوف موت کے نہ بھاگنا چاہیئے اور موت وحیات سب قبضہ الٰہی میں سمجھنا چاہیئے۔
چنانچہ شریعتِ اسلامیہ کا یہ مسئلہ ہے کہ جس طرح جہاد سے بھاگنا حرام ہے اسی طرح طاعون یا کسی وبا سے بھاگنا حرام ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم یہ سنو کہ فلاں زمین میں وبا اور طاعون ہے تو تم اس زمین میں داخل نہ ہونا اور اگر وبا اور طاعون اس زمین میں پھیل جائے جس میں تم رہتے ہو تو تم اس سے بھاگ کر نہ نکلنا۔ کتب احادیث میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضؓ ملک شام کی طرف چلے۔ راستہ میں آپ کو بعض صحابہ کرام رضؓ نے خبر دی کہ شام میں آج کل طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ بالآخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے مذکورہ بالا حدیث سنائی۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور یہ حدیث سن کر وہاں سے واپس چلے گئے۔

الغرض یہ قصہ بنی اسرائیل کا سنا کر جہاد کی ترغیب دی گئی اور پھر اصل مقصود صاف کھول کر بیان فرما دیا گیا وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی یہ قصہ سن کر تو علم ہو گیا کہ موت سے بھاگنا کچھ فائدہ نہیں دیتا لہٰذا خدا کی راہ میں خوب دل کھول کر لڑو۔ خدا کی راہ میں اگر موت بھی آتی ہے تو حقیقت اس کی حیاۃ ہوتی ہے۔ آخر میں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ فرما کر تنبیہ کر دی کہ جان لو اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ سب سننے والے اور سب جاننے والے ہیں۔ جہاد میں جانے یا نہ جانے کی بابت جو باتیں کرتے ہو وہ سب سنتا ہے اور جو نیت یا ارادہ دل میں رکھتے ہو اس کو جانتا ہے۔

الحاصل مقصود بیان ان آیات کا حکم الٰہی کے خلاف ورزی کرنے کی ممانعت، قضا و قدر پر راضی رہنے کی صراحت۔ اس بات پر یقین رکھنے کی ہدایت کہ موت اور زندگی سب اللہ کے قبضہ میں ہے آئی ہوئی موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اللہ قادر مطلق جس طرح مار سکتا ہے اسی طرح زندہ بھی کر سکتا ہے۔ اب یہاں جنگ جہاد اور خدا کی راہ میں جان دینے کا بیان تھا۔ آگے خدا کی راہ میں مال دینے کی ترغیب دی گئی ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی قضا و قدر پر یقین کامل نصیب فرمائیں۔ اور اپنی قضا و قدر پر راضی رہنا نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اپنے ہر چھوٹے بڑے حکم کی تابعداری ہم کو نصیب فرما۔ اور خلاف ورزی سے کامل طور پر بچنے کی ہمت عطا فرما۔ یا اللہ ہم کو جہاد فی سبیل اللہ کا شوق و ہمت عطا فرما اور جب تک ہم کو زندہ رکھنا منظور ہو اپنی مرضیات پر چلنا نصیب فرما اور جب ہماری موت منظور ہو تو ایمان و اسلام کی موت نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۲۸

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ
کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ
لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪
اس کو بڑھا کر کئی گنا کر دیوے اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں ۔
وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾
اور تم اُسی کی طرف لے جائے جاؤ گے ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا تھا کہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے موت کے ڈر سے جہاد سے بھاگنا نہیں چاہیئے پھر اس ترغیب کے بعد صریح طور پر جہاد کا حکم دیا گیا تھا کہ راہِ خدا میں جہاد کرو۔ دین حق کے لئے دشمنانِ دین سے لڑو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ہیں۔ تمہارے اقوال کو سنتے ہیں اور تمہاری نیتوں اور ارادوں کو جانتے ہیں کہ تم میں سے کون راہِ خدا میں دین حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قربان ہونے کا حوصلہ رکھتا ہے اور کون ہمت ہار کر بزدل بن کر جان چراتا ہے۔ پھر جہاد کے لئے جنگ کے سامان۔ آلات و ہتھیار اور دیگر اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے مال کی ضرورت ہے۔ اس لئے راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ گذشتہ آیت میں خدا کی راہ میں جان دینے کا بیان تھا اب اس آیت میں مال دینے کا بیان ہے۔ یا یوں کہیئے کہ پہلے جہاد جانی کا ذکر ہوا اب جہاد مالی کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

"کون شخص ہے ایسا جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا یعنی اخلاص کے ساتھ۔ پھر اللہ تعالیٰ اس قرض کے ثواب کو بڑھا کر چند گنا کر دیوے اور اس کا اندیشہ مت کرو کہ خرچ کرنے سے مال کم ہو جاوے گا کیونکہ یہ تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہے وہی کمی کرتے ہیں اور وہی فراخی کرتے ہیں اور تم اُسی کی طرف بعد مرنے کے لیجائے جاؤ گے سو اس وقت نیک کام میں خرچ کرنے کی جزا اور واجب موقع پر خرچ نہ کرنے کی سزا تم کو ملے گی۔"

یہاں جو اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کو کہا ہے تو یہ سمجھ لیجیئے کہ اللہ تعالیٰ تو قرض مانگنے سے

Marfat.com

پاک ہے۔ اس کو کوئی حاجت و ضرورت نہیں۔ نیز اس کے قبضہ میں تو آسمان و زمین کے خزانے ہیں۔ اور جو کچھ بندوں کے پاس ہے درحقیقت سب اُسی کا ہے۔ تو یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض دینے سے تعبیر کیا گیا اس بات کے جتلانے کو کہ جس طرح قرض ادا کرنا ضرور ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور دیں گے۔ اور کئی گناہ زیادہ بڑھا کر دیں گے جس کا بیان ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ ایک خرما اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو خدا تعالیٰ اس کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ اُحد پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر اُحد پہاڑ کے ٹکڑے خرمے کے برابر کئے جائیں تو تعداد میں بے شمار ہوں گے تو اس حساب سے افزونی اور زیادتی کی حد سات سو تک نہیں رہی۔ اور شانِ نزول سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب وہ سات سو والی آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی کہ اے رب میری امت کو اور زیادہ دیجئے اُس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اَضْعَافًا كَثِيرَةً کا وعدہ فرمایا۔

پھر یہاں بھی اطمینان کر دیا کہ تنگ دستی اور فراخ دستی سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ جو راہِ خدا میں مال صرف نہیں کرتا وہ یہ خیال نہ کرے کہ میری دولت باقی رہے گی اور اس میں کمی نہ آئے گی۔ خدا اور ہزاروں مصیبتیں بھیج کر تنگ دست کر سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا کمی اور تنگدستی سے نہ ڈرے۔ اللہ تعالیٰ بے شمار راستوں سے اپنی نعمتیں دے سکتا ہے۔ اس لئے درحقیقت مال کے دینے والے اور لینے والے سب اللہ تعالیٰ ہی ہیں، مجازاً اس کو قرض سے تعبیر فرما دیا تاکہ بندے کا دل خوش ہو جائے اور اگر کسی میں عقل و فہم ہے تو غیرت سے شرمسار ہو جائے کہ کریم آقا اپنے فضل و کرم سے ہم کو مال و دولت دیتے ہیں اور پھر ہمارے ہاتھ میں دے کر یہ فرماتے ہیں کہ لاؤ اس میں سے کچھ ہم کو قرض دے دو اور حکم بھی بصورت نہیں بلکہ استفہام کی صورت میں ہے کہ کون ہے جو خدا تعالیٰ کو قرض دے؟

بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا یہ بھی مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے اس کے بندوں کو قرض دینا مراد ہے جیسا کہ مسلم شریف کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمادیں گے اے آدم کے بیٹے میں بیمار ہوا سو تو نے میری عیادت نہ کی۔ بندہ کہے گا کہ اے میرے رب میں کس طرح آپ کی عیادت کر سکتا تھا حالانکہ آپ تو پروردگار عالم ہیں۔ خداوند تعالیٰ فرمائیں گے کہ تجھ کو یاد نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا (یعنی میری خوشنودی رحمت و ثواب کو پاتا) پھر خدا تعالیٰ فرمائیں گے اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے مجھ کو کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ جواب میں کہے گا کہ اے میرے رب میں کیونکر آپ کو کھانا کھلا سکتا تھا۔ آپ تو تمام جہانوں کے پالنے

والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تجھ کو یاد نہیں میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا سو تونے اس کو کھانا نہ کھلایا۔ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا (یعنی میری خوشنودی اور ثواب کو اس کے پاس پاتا) پھر خداوند تعالیٰ فرمائیں گے اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے مجھ کو پانی نہیں پلایا۔ بندہ کہے گا اے میرے رب میں آپ کو کیونکر پانی پلاتا۔ آپ تو سارے جہانوں کے پالنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تھا۔ تو نے اس کو پانی نہ پلایا۔ تجھ کو معلوم نہیں تو اگر اس کو پانی پلاتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا (مسلم)

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بیمار بندوں کی عیادت کرنا۔ بھوکے بندوں کو کھانا کھلانا اور پیاسے بندوں کو پانی پلانا۔ حاجت مند بندوں کو قرض دینا اور ان کی حاجت براری کرنا اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا حالانکہ وہ مقدس ذات تمام احتیاجوں سے پاک و منزہ ہے۔ تو آیت زیر تفسیر کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کون ہے جو اللہ کے بندوں کو قرضہ دے اور حدیث شریف میں قرض دینے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "جو مسلمان دوسرے مسلمان کو قرض دیتا ہے یہ قرضہ دینا اللہ کے راستہ میں اس مال کے دو دفعہ صدقہ کرنے کے برابر ہے"۔ (ابن ماجہ)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا الصدقت بعشر امثالها والقرض بثمانیة عشر (یعنی صدقہ کا اجر دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا) میں نے جبرئیل السلام سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ قرض کو صدقہ سے افضل قرار دیا گیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ سائل سوال کرتا ہے اور اس کے پاس کچھ ہوتا ہے۔ اور قرض مانگنے والا بغیر حاجت کے قرض نہیں مانگتا۔

مفسرین نے حضرت ابن عربیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو سن کر لوگوں کے تین فرقہ ہو گئے۔ پہلا فرقہ ان بدنصیب اور بے بہبود لوگوں کا ہے جنہوں نے یہ آیت سن کر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا ہماری طرف محتاج ہے اور ہم غنی ہیں (نعوذ باللہ) اس کا جواب قرآنِ کریم کے چوتھے پارہ سورۂ آلِ عمران۔ آیت ۱۸۱ میں دیا گیا جہاں ارشاد ہے:۔

"بیشک اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے ان گستاخ لوگوں کا قول جنہوں نے یوں کہا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اور صرف سننے ہی پر اکتفا نہیں کیا جاوے گا بلکہ ہم ان کے کہے ہوئے کو ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رکھیں گے اور اسی طرح ان کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا بھی ان کے نامۂ اعمال میں لکھا جاوے گا اور ہم ان پر سزا جاری کرنے کے وقت بطور جتلانے کے کہیں گے کہ لو چکھو

Marfat.com

آگ کا عذاب "

دوسرا فرقہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اس آیت کو سن کر اس کے خلاف کیا اور بخل ہی کو اختیار کر لیا۔ مال کی رغبت اور اس کی حرص نے ان کو اس طرح باندھ لیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

تیسرا فرقہ ان مخلص مسلمانوں کا ہے جنہوں نے فوراً ہی اس آیت پر عمل کر لیا اور اپنا پسندیدہ مال اللہ کے راستہ میں دے دیا جیسا کہ حضرت ابوالدحداح رضؓ وغیرہ۔

حدیث میں ان انصاری صحابی حضرت ابوالدحداح رضؓ کا واقعہ بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ اس طرح لکھا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح رضؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے تم کو جنت میں داخل کر دیں۔ حضرت ابوالدحداح رضؓ نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ دستِ مبارک دراز کیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف ہاتھ بڑھا دیا انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک پکڑ کر عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس دو باغ ہیں اور خدا کی قسم ان دو باغوں کے سوا اور کسی چیز کا مالک نہیں۔ دونوں باغوں کو خدا تعالیٰ کے لئے قرض دیتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک باغ اللہ کے راستہ میں وقف کر دو اور دوسرا باغ اپنے اہل و عیال کے گذارۂ معاش کے لئے رہنے دو۔ حضرت ابوالدحداح رضؓ نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کو گواہ بناتا کہ ان دو باغوں میں سے جو بہترین باغ ہے جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں اس کو میں اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس کے عوض میں جنت میں باغ دے گا۔ حضرت ابوالدحداح رضؓ حضور صلی اللہ علیہ کے پاس سے اُٹھ کر سیدھے اپنے اس بڑے اور عمدہ باغ پر پہنچے جسے خدا تعالیٰ کی نذر کر آئے تھے۔ حضرت ابوالدحداح رضؓ کی بیوی صاحبہ حضرت اُمّ دحداح رضؓ اور بچے اسی باغ میں تھے اور بچے پھل کھا رہے تھے اور درختوں کے سایہ میں کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوالدحداح نے باغ سے باہر کھڑے ہی کھڑے اپنی بیوی کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آجاؤ۔ یہ باغ اپنے مولا کو قرض دے دیا۔ یہ باغ اب خدا تعالیٰ کا ہو چکا ہے۔ ہمارا نہیں رہا۔ اُمّ دحداح رضؓ نے شوہر کا یہ کلام سنتے ہی اول تو مبارکباد دی اور فرحت و خوشی کا اظہار کیا۔ بعد ازاں وہ بچوں کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بچے جو پھل دامنوں میں لے رہے تھے وہ دامن جھٹک دیئے اور جو کھجوریں بچوں کے منہ میں تھیں وہ انگلی ڈال کر نکال دیں اور بچوں سے کہا کہ اس باغ سے نکلو اور اسی وقت دوسرے باغ میں منتقل ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا نہ معلوم ابوالدحداح کے لئے آخرت میں کتنے بے شمار کھجور کے لمبے درخت ہیں اور

Marfat.com

کتنے وسیع اور کشادہ محلات ہیں (یعنی جنت میں)

اسی ایک واقعہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات صحابیہ رضی اللہ عنہن کے ایمان ویقین کا اندازہ لگائیے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر وہ کس درجہ میں عمل کے لئے تیار ہو جاتے تھے اور اب ایک ہم ہیں کہ اوّل تو ہمیں اللہ اور رسول کے احکامات سننے کی فرصت ہی نہیں اور اگر سنا بھی تو ایک کان سے سنا دوسرے کان سے ٹال دیا۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ اللہ تبارک وتعالیٰ صحابہ کرام رضؓ کے ایمان ویقین کے طفیل میں ان کی مقبولیت کے صدقہ میں اُن کے ایمان ویقین کا کوئی ذرہ ہم کو بھی نصیب فرمائیں۔ آمین۔

یہاں چونکہ قرض دینے لینے کا ذکر آگیا اس لئے اس کے متعلق شریعتِ مطہرہ کا ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے قرض میں واپسی کے وقت اگر زیادتی کی شرط نہ ٹھہرائی گئی ہو اور اپنی طرف سے قرض سے کچھ زیادہ ادا کر دیا تو یہ پسندیدہ ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے حق (قرض) کو اچھے طریقہ سے ادا کرے"

لیکن اگر زیادتی کی شرط ٹھہرائی گئی تو وہ حرام ہے اور سود ہے۔

الغرض گذشتہ آیات جن میں ترغیب اور حکم تھا جہاد وقتال کا اللہ کے راستہ میں اسی کی تائید میں اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے کا مضمون ان آیات میں بیان فرمایا گیا۔ اب آگے حق تعالیٰ بنی اسرائیل ہی کا دوسرا قصہ بیان فرماتے ہیں جس میں جہاد وقتال کی ترغیب اور آدابِ جہاد کی تعلیم اور صبر وتحمل کی تلقین مقصود ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسلام صادق اور ایمان کامل نصیب فرمائیں اور اپنے رستہ میں جان ومال خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! جو کچھ آپ نے دُنیا میں ہمیں عطا فرمایا ہے یہ آپ ہی کا عطیہ ہے اس کو اپنی مرضیات میں خرچ کرنے اور آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کی سعادت ہم کو نصیب فرما۔

یا اللہ! فراخی یا تنگدستی دُنیا میں جو جس کو حاصل ہے وہ آپ ہی کی طرف سے ہے۔ ہمیں ہر حال میں آپ کو راضی رکھنے کی توفیق نصیب ہو۔ اور اپنے مال سے بندگانِ خدا کی حاجت براری کی سعادت نصیب ہو۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۲۹

نقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى

اے مخاطب کیا تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا تحقیق

اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ

نہیں ہوا جبکہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ

کی راہ میں قتال کریں - ان پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے اگر تم کو

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا

جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم جہاد نہ کرو - وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کون

نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا

سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے

وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا

بھی جدا کر دیئے گئے ہیں - پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثناء

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

ایک قلیل جماعت کے سب پھر گئے - اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں -

تفسیر و تشریح: - گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا کہ موت اور زندگی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے جہاد میں موت کے ڈر سے بھاگنا لاحاصل ہے - اس کے بعد صریح طور پر جہاد کا حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی راہ میں دشمنان دین سے لڑو پھر جہاد کے لئے جو سامانِ جنگ آلات و ہتھیار وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے دل کھول کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی تھی - اب آگے اس آیت اور اگلی آیات میں ایک دوسرا قصہ قوم بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا جاتا ہے جس سے مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنا اور جہاد میں ثابت قدمی اور استقلال اور مصائب پر برداشت کرنے کی رغبت دلانا مقصود ہے - نیز اس قصہ سے یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ جہاد امیر اور اطاعت امیر کے بغیر نہیں ہو سکتا -

یہ واقعہ جو اس آیت زیرِ تفسیر میں اجمالاً اور پھر آگے تفصیلاً بیان کیا گیا ہے یہ ملک شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً گیارہ سو برس پہلے قوم بنی اسرائیل میں گذرا تھا۔ علمائے اسلام نے جو اس واقعہ کی تفصیلات لکھی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک بنی اسرائیل کا کام درست رہا۔ پھر جب اُن کی حالت بگڑی اور احکامِ الٰہیہ فراموش کر دیئے اور تورات کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور بنی اسرائیل کی سرکشیاں بڑھتی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو اُن پر مسلط کر دیا مختلف لڑائیوں میں ان کو شکستیں اُٹھانی پڑیں۔ اور ان کے دشمن اُن پر غالب آنے لگے۔ چنانچہ اس قوم بنی اسرائیل کا سب سے بڑا دشمن ایک کافر بادشاہ جالوت تھا وہ ان پر مسلط ہوا۔ اُن کے بہت سے ممالک جالوت نے فتح کر لئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے گیا اور ان پر جزیہ بھی مقرر کیا۔ غرضکہ بنی اسرائیل کو بُری طرح ذلت نصیب ہوئی اور ناقابلِ برداشت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ بنی اسرائیل بھاگ کر بَیْتُ الْمَقْدِسْ میں جمع ہوئے۔ اُس وقت شموئیل علیہ السلام پیغمبر تھے۔ اُن سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کر دیجئے کہ اس کے ساتھ ہو کر ہم جہاد فی سبیل اللہ کافروں سے کریں۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے کہا ایسا نہ ہو کہ بادشاہ مقرر کر دیا جائے اور دشمنوں کی مدافعت تم پر فرض کر دی جائے اور پھر تم جنگ جہاد سے انحراف کر جاؤ۔ سب لوگوں نے پختہ عہد کر لیا تو حضرت شموئیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی اُن پر طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ یہ ایک غریب محنتی آدمی تھے مگر نہایت قوی الجثہ اور ذی علم۔ بنی اسرائیلیوں نے طالوت کے بوجہ صاحبِ مال و دولت نہ ہونے کے اُن کو بادشاہ تسلیم کرنے پر اعتراضات کئے اور ان کو وہ سلطنت کرنے کے قابل نظر نہ آئے۔ اُن کے نبی نے فرمایا کہ سلطنت کسی کا حق نہیں۔ اللہ جس کو چاہے عطا فرمائے پھر طالوت تو تم سے قد آور اور طاقت ور بھی ہے۔ علم میں بھی تم سے زیادہ ہے۔ پھر بادشاہ کے لئے اور کس بات کی ضرورت ہے۔ پھر میں نے اپنی طرف سے اُسے بادشاہ نہیں بنایا بلکہ خدا نے اُسے بادشاہ مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب یہ قوم بنی اسرائیل تو ہمیشہ سے کٹ حجتی کرنے والی رہی ہے۔ اس پر کہنے لگی کہ طالوت کی بادشاہت پر ہم کوئی دلیل اور نشانی دکھلائی جائے تاکہ ہمارے دِل میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ اُن کے نبی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اور طالوت کی بادشاہت کی ایک دوسری نشانی بیان کر دی گئی کہ وہ تابوت جو دشمن تم سے چھین کر لے گئے ہیں طالوت اس کو لے آئے گا۔ یہ تابوت ایک متبرک صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے تبرکات تھے۔ جب جالوت کافر بادشاہ بنی اسرائیل پر غالب آیا تھا تو اُن سے ان کا یہ متبرک صندوق چھین کر لے گیا تھا۔ الغرض جب اس تابوت کے طالوت کے پاس آجانے کی نشانی سُنی تو سب اس شرط پر رضامند ہو گئے۔ اِدھر اللہ تعالیٰ کو طالوت کے پاس وہ صندوق

پہنچانا منظور ہوا تو اس کی یہ صورت ہوئی کہ وہ صندوق ان کافروں کے لئے جو چھین کر لے گئے تھے منحوس ثابت ہوا۔ جہاں وہ صندوق رکھتے وہیں بلا اور وبا آتی۔ کئی شہر کافروں کے اس طرح ویران ہو گئے۔ ناچار ہو کر انہوں نے خیال کیا کہ یہ نحوست بنی اسرائیل میں پھیلانا چاہیئے اس لئے ایک گاڑی پر صندوق کو رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا۔ فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازہ پر پہنچا گئے اور اس طرح وہ تابوت طالوت کے پاس پہنچ گیا۔ اب بنی اسرائیل نے اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور طالوت نے لشکر جمع کیا اور جالوت سے مقابلہ کیلئے چل دیئے۔ پیغمبر وقت حضرت شموئیل علیہ السلام نے طالوت سے کہا کہ یہ لوگ تعداد میں تو بہت ہیں لیکن حکم الٰہی ہے کہ ان کی آزمائش کی جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون شخص عہد کی پابندی کرنے والا اور مصائب پر صبر کرنے والا ہے اور کون شخص عہد شکن اور بزدل ہے۔ چنانچہ پیغمبر کے حکم کے مطابق طالوت نے قوم سے کہا کہ دیکھو راستہ میں ایک دریا آنے والا ہے اور تم کو پیاس کی شدت ہو گی لیکن خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ کوئی شخص ایک چلو سے زاید پانی نہ پیئے۔ اگر کوئی اس سے زاید پیئے گا تو میرے ساتھ سے رہ جائے گا اور میری قوم سے خارج سمجھا جائے گا۔ سب نے وعدہ کر لیا اور طالوت لشکر کو آگے بڑھائے چلے۔ جب اس دریا سے عبور کا موقع آیا تو سوائے تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمیوں کے کوئی صبر و ضبط نہ کر سکا۔ سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو کہنے لگے کہ اب تو ہم میں جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ ہم اُس سے نہیں لڑ سکتے۔ لیکن تعمیل احکام کرنے والی قلیل جماعت بولی کہ آدمیوں کی کثرت اور قوت پر فتح و ظفر موقوف نہیں ہے بلکہ خدا کی امداد پر موقوف ہے۔ بہت سی قلیل تعداد کثیر جماعت پر بحکم الٰہی غالب ہو جاتی ہے۔ بالآخر بنی اسرائیل کے ان عہد شکن بزدلوں نے ایک نہ مانی اور اپنے بادشاہ طالوت کو قلیل جماعت کے ہمراہ چھوڑ دیا۔ طالوت کے ہمراہیوں میں جتنے باقی رہ گئے تھے وہ سب پکے مومن اور صابر تھے لیکن پھر بھی طالوت کو خیال ہوا کہ جماعت قلیل ہے۔ کسی طرح ان کو جرأت دلائی جائے تاکہ ہر شخص جان نثاری کے لئے تیار ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے قوم میں اعلان کیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کا نکاح اپنی بیٹی کے ساتھ کر دوں گا۔ لیکن اس اعلان کے باوجود کسی کو قتلِ جالوت کی ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ جالوت بڑا دیو ہیکل انسان تھا۔ اس کے علاوہ فاتح قوم کا بادشاہ تھا۔ بالآخر حضرت شموئیلؑ سے درخواست کی کہ آپ دعا کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جالوت کو کون شخص قتل کرے گا۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے دعا کی۔ حکم ہوا کہ ایک لڑکا داؤد جالوت کو قتل کرے گا (یہ وہی داؤد تھے جو طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر اور ان کے بادشاہ بنے) چنانچہ حضرت شموئیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے حضرت داؤد کو زرہ پہنائی اور جنگ کے لئے تیار کیا۔ جب جالوت کی فوج کے مقابل طالوت کی فوج نے صف بندی کی اور جالوت

Marfat.com

میدان میں نکل آیا اور اپنا حریف طلب کیا تو حضرت داؤد اس سے لڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ جالوت کا صرف ماتھا کھلا تھا اور تمام بدن لوہے سے ڈھکا ہوا تھا حضرت داؤد امداد الٰہی کے بھروسہ پر نہایت جرأت وہمت سے جالوت کے مقابلہ میں جا کھڑے ہوئے اور ایک پتھر گوپھن میں رکھ کر ایسا کھینچ کر مارا کہ جالوت کے خود پر پڑا اور دماغ کو پاش پاش کرتا ہوا نکل گیا۔ جالوت کا لشکر جالوت کے قتل سے سراسیمہ ہو کر بھاگا اور طالوت کو فتح ہو گئی اور بالآخر چالیس سال سلطنت کرنے کے بعد طالوت کا انتقال ہو گیا اور حضرت داؤد بادشاہ بنائے گئے اور یہی سب سے پہلے ایسے ہوئے کہ نبی اسرائیل کے نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ یہ ہے خلاصہ اس واقعہ کا جس کا بیان اجمالاً اس آیت زیر تفسیر میں فرمایا گیا ہے اور جس کا تفصیلاً ذکر اگلی آیات میں ہوا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے مخاطب کیا تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا (جس سے پہلے جالوت کافر اُن پر غالب آچکا تھا) جب کہ اُن لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا (مراد شموئیل علیہ السلام ہیں) کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اس کے ساتھ ہو کر اللہ کی راہ میں (جالوت) سے قتال کریں۔ اُن پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو تم اس وقت جہاد نہ کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کون سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ جہاد کے لئے ایک اور محرک بھی ہے وہ یہ کہ ہم ان کافروں کے ہاتھوں ہم اپنی بستیوں اور فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں کیونکہ اُن کی بعض بستیاں بھی اُن کافروں نے دبالی تھیں اور ان کی اولاد کو بھی قید کر کے لے گئے تھے۔ پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثناء ایک قلیل جماعت کے باقی سب پھر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو یعنی خلاف حکم کرنے والوں کو خوب جانتے ہیں سب کو مناسب سزا دیں گے۔"

یہاں اس آیت میں قصہ کا اجمالاً ذکر فرمایا گیا ہے۔ اگلی آیات میں اسی قصہ کی مزید تفصیل ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درسوں میں ہوگا۔ اور قصہ کے ختم پر جو نصیحت وعبرت۔ آداب اور اصولِ جہاد اور جہاد میں صبر واستقلال جو اُمتِ محمدیہ کو بتلانا مقصود ہیں۔ اس کا بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دُعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ جہاد فی سبیل اللہ کی روح اور جذبہ اُمت مسلمہ کو عطا فرمائیں اور دشمنان دین اسلام سے جہاد کے لئے کوئی سلطان عادل اور مردِ مجاہد اس قوم کو عطا فرمائیں۔ اور اسلام کو سربلند کرنے کا عزوشرف ہم کو نصیب فرمائیں۔ یا اللہ ہم کو اپنے فرمانبردار اور اطاعت گذار بندوں میں شامل ہونا نصیب فرمائیے اور ظالموں کے زمرہ میں شامل ہونے سے بچائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۳۰

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ

اور اُن لوگوں سے اُن کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا

مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ

کہنے لگے اُن کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ بہ نسبت اُن کے ہم

اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ

حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور اُن کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ۔

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً

اُن پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں اُن کو منتخب فرمایا ہے اور علم و جسامت

فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ

میں اس کو زیادتی دی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں ۔

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

اور اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں جاننے والے ہیں

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے بادشاہ جالوت اور دوسرے کافر دشمنوں کے حملوں سے عاجز، پریشان اور مغلوب ہو کر اپنے اس وقت کے نبی سے درخواست کی کہ کوئی ہم پر بادشاہ مقرر کر دیا جائے تاکہ ہم اس کی تحت ہو کر ان کفار سے جہاد کریں جنہوں نے ہماری بستیوں کو لوٹا اور ہمارے بیٹوں کو قید کیا اور ہم سے ہمارا مقدس تابوت بھی چھین کر لے گئے ۔ بنی اسرائیل کے اصرار پر اُن کے پیغمبر نے بحکم خدا طالوت کو ان کا بادشاہ اور سردار مقرر کر دیا ۔

طالوت کو بادشاہ مقرر کر دینے پر بنی اسرائیل نے جیسا کہ آج کی آیت میں بتلایا گیا اعتراضات شروع کر دیئے کہ طالوت کو ہم پر حکومت و سلطنت کا کیا حق ہے ؟ طالوت کو مال و دولت کی فراخی حاصل نہیں نہ کوئی خاندانی وجاہت حاصل ہے نہ مالی عزت حاصل ہے ۔ ایسے شخص کو ہمارا بادشاہ و سردار بنانا کسی طرح مناسب نہیں ۔ اللہ کے نبی نے ان کے اعتراضات کے جواب میں تفصیل سے بتلایا

Marfat.com

کہ تمہارے یہ اعتراضات سب مہمل اور لایعنی ہیں اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں جس کو چاہیں سلطنت وحکومت عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انتخاب کی مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں اس لئے تم کو طالوت کی بادشاہت میں کوئی حجت نکالنا روا اور زیبا نہیں۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور اُن لوگوں سے اُن کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ کہنے لگے اُن کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ بہ نسبت اُن کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور ان کو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ ان پیغمبر نے جواب میں فرمایا کہ اوّل تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور انتخاب کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں اور دوسرے علم سیاست میں اور جسامت میں ان کو فضیلت دی ہے اور بادشاہ ہونے کے لئے اس علم کی زیادہ ضرورت ہے تاکہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت بایں معنی مناسب ہے کہ موافق ومخالف کے قلب میں ہیبت ہو اور تیسرے اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں اور اپنا ملک جس کو چاہیں دیں اُن سے کوئی سوال کا منصب نہیں رکھتا اور چوتھے اللہ تعالےٰ وسعت دینے والے ہیں ان کو مال دے دینا کیا مشکل ہے جس کے اعتبار سے تم کو شبہ ہے اور پانچویں جاننے والے ہیں کہ کون لیاقت سلطنت کی رکھتا ہے۔"

چونکہ بنی اسرائیل کے سرداروں نے طالوت کے بادشاہ بنانے کو لائق اعتراض سمجھا تھا اس لئے اُن کے رَدّ میں قدرے تفصیل فرمائی گئی اور ان کے نبی نے پانچ دلائل یا وجوہات طالوت کو بادشاہ مقرر کرنے کے اس طرح بیان فرمائے کہ:۔

اوّل تو طالوت کو محض تمہارے نفع اور فائدہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند اور منتخب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جس کو سلطنت کے لئے پسند فرمائیں اُس سے بڑھ کر کوئی شخص سلطنت اور حکمرانی کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انتخابِ خداوندی میں تم کو خدشہ اور وسوسہ نہ کرنا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ سلطنت اور بادشاہت کا اصل مدار عقلِ سلیم اور جسمِ سلیم پر ہے۔ حسب ونسب مال و دولت پر نہیں اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ نے طالوت کو عطا کی ہیں یعنی علم وفہم اور عقل ودانش میں ان کو وسعت اور فراخی عطا کی ہے اور قوتِ جسمانیہ وبدنیہ میں زیادتی عطا فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب فہم وفراست کے ساتھ شجاعت وبہادری بھی مل جائیگی تو کارخانہ سلطنت نہایت خیر وخوبی کے ساتھ چلے گا۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں۔ ان کی عطا اور بخشش ہے جس کو چاہیں بادشاہی عطا

Marfat.com

کرتے ہیں اور غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں ۔

چوتھے ۴ یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور کشائش والے ہیں ۔ان کے خزائن کی کوئی حد و انتہا نہیں ۔انہیں کسی فقیر کو امیر بنا دینا کیا مشکل ہے ۔

پانچویں ۵ یہ کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ کون بادشاہت کے لائق ہے ۔ اور کون اس کے لائق نہیں ۔

الغرض بنی اسرائیل نے جو طالوت کے بادشاہ مقرر کیے جانے پر اعتراض کیا تھا اسکی تردید میں اللہ کے نبی نے تفصیل سے جواب دیا ۔ اِس آیت کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دولتمندی کو فضیلت انسانی میں دخل نہیں ۔ بلکہ وسعتِ علم اور جسمانی تندرستی اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات ہیں اور انہی کے تفاوت سے انسانوں کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے غلط اندیش اور کم فہم یہودیوں نے طالوت کے سردار مقرر کیا جانے پر یہی اعتراض کیا کہ وہ کوئی دولتمند اور مالدار نہیں ۔ایک غریب آدمی ہیں اور ایک غریب کو دولتمندوں پر کیسے سرداری مل سکتی ہے گویا ان کے گمان کے موافق حکومت اور سرداری بس دولت مندوں ہی کا پیدائشی حق ہے ۔ یہ تصور حد درجہ احمقانہ اور غیر منصفانہ ہے ۔آج بھی مادہ پرستوں نے اسی قسم کے غلط اصول بنا رکھے ہیں لیکن قرآنِ کریم نے تمام آئندہ آنے والی نسلوں کی عبرت و نصیحت کے لئے یہود کے اس غلط تصور کی وضاحت کے ساتھ تردید فرمائی تاکہ آئندہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو اور کوئی فرد بشر یا قوم محض دولت و ثروت کو سرداری اور سربلندی کا معیار نہ سمجھے ۔اور دیگر نصائح و امور جو اس قصۂ طالوت و جالوت سے اخذ ہوتے ہیں وہ انشاء اللہ قصہ کے اختتام پر ظاہر کئے جاویں گے ۔

الغرض اللہ کے نبی کے دیئے ہوئے جوابات سے بنی اسرائیل کو کچھ تسلی ہوئی مگر پھر بھی طالوت کے من جانب اللہ بادشاہ مقرر ہونے کی کوئی ظاہری حجت و نشانی اور علامت کو دریافت کرنے لگے اور اپنے نبی سے کہا کہ اچھا ہمارے اطمینانِ قلب کے لئے کوئی ظاہری علامت طالوت کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی بتلا دی جائے جس کو ہم مشاہدہ کر لیں اور پھر پوری طرح اطمینان ہو جاوے ۔اس پر جو جواب اللہ کے نبی نے بنی اسرائیل کو دیا وہ اگلی آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا ۔

دُعا کیجئے :۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں اور ہم کو اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر سرِ تسلیم خم کرنے کی ہدایت و توفیق نصیب فرمائیں ۔ یا اللہ مال و دولت کی بڑائی کے فتنہ سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرما اور آپ نے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے فائدہ اور نفع کے لئے جو باتیں بتلائی ہیں اور جو امور ہمارے لئے پسند فرمائے ہیں ان پر ہم کو دل سے کاربند ہونے اور ان کو دل سے پسند کرنے کی توفیق و ہدایت مرحمت فرما ۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۳۱

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

اور اُن لوگوں سے اُن کے پیغمبر نے فرمایا کہ اُن کے بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ

وہ صندوق آجاوے گا جس میں تسکین کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی

مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ

چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون چھوڑ گئے ہیں اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۴۸ ع ۲۲ ۶ ۱۶

اِس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت شموئیل علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے طالوت کو تمہارا امیر لشکر و بادشاہ مقرر کیا ہے۔ لہٰذا تم اس کی اطاعت کرو اور متحد ہو کر اس کے ماتحت کافروں سے جہاد کرو جس پر دولتمند بنی اسرائیل معترض ہوئے کہ طالوت بنی اسرائیل میں ایک غریب اور مفلس آدمی ہے۔ اُسے ہم پر امارت و ریاست کا کس طرح حق حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ہم دولتمند اور اہل ثروت قوم میں موجود ہیں اس کا جو تفصیلی جواب اللہ کے پیغمبر نے دیا وہ بھی نقل ہو چکا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ کے پیغمبر نے فرمایا کہ یہ انتخاب انسانی نہیں بلکہ خدائی ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ اسے بلا چون و چرا تسلیم کرلو۔ دوسرے یہ کہ تم نے جو امارت و سیادت کا معیار سمجھا ہے کہ امیر لشکر اور بادشاہ وہی ہو سکتا ہے جو دولتمند ہو اور خاندان امارت سے ہو تو دراصل یہ کوئی معیار نہیں۔ بلکہ جن صفات کا امیر لشکر میں ہونا ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو عطا فرمائی ہیں یعنی ایک صفت علم اور دوسرے جسمانی قوت و طاقت۔ پھر حکومت و سلطنت سب خدا کے اختیار میں ہے۔ تمام بندے اُسی کے مخلوق و مملوک ہیں اس لئے وہ جس کو چاہے بادشاہت و سلطنت عطا کرے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ اس پر گو بنی اسرائیل کچھ راضی ہو گئے تاہم پھر بھی حضرت شموئیل علیہ السلام سے یہ درخواست پیش کر دی کہ اگر ہم طالوت کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی کوئی ظاہری علامت یا حجت مشاہدہ کرلیں تو ہمیں پوری طرح اطمینان ہو جائے اور ہمارا قلب اُن کی بادشاہت سے

مطمئن ہو جائے۔ اس پر جو اُن کے پیغمبر حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا وہ آج کی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور جب ان لوگوں نے اپنے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی طالوت کی مِنْ جانب اللہ بادشاہ ہونے کی ہم مشاہدہ کر لیں تو پوری طرح اطمینان ہو جائے۔ اس وقت ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے یعنی طالوت کے مِنْ جانب اللہ بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق بدون تمہارے لائے ہوئے آجائے گا جس میں تسکین اور برکت کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں۔ اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے۔ اس طرح سے صندوق کے آجانے میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔"

یعنی اللہ کے نبی نے اللہ کے حکم سے طالوت کے مِنْ جانب اللہ بادشاہ ہونے کی نشانی یہ بتلائی کہ وہ صندوق یعنی تابوت سکینہ جو کبھی تمہارے پاس تھا اور جو جالوت تم سے چھین کر لے گیا تھا اور جس میں تمہارے لئے اطمینان قلب کا سامان ہے یعنی تورات کا اصل نسخہ اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ملبوسات۔ عمامہ۔ چوغہ وغیرہ اور جس متاع عزیز سے تم محروم ہو وہ تابوت از خود بغیر تمہاری جدوجہد کے تمہارے پاس آجائے گا۔ اس طرح تابوت کے واپس آجانے میں تمہارے لئے ایک ظاہری علامت اور نشانی ہے جو طالوت کی بادشاہت پر دلالت کرتی ہے۔

اب یہ صندوق جس کا نام یہود نے تابوت سکینہ رکھا تھا اور جس کا ذکر اس آیت میں [illegible] کا اہم ترین اور نہایت مقدس اور عزیز ترین قومی ورثہ تھا۔ اس صندوق میں تورات کا اصل نسخہ اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے عصا، اُن کے عمامہ، ملبوسات وغیرہ تبرکات رکھے تھے بنی اسرائیل اس صندوق کو اپنے لئے بڑا بابرکت سمجھتے اور اُسے ہر وقت حتیٰ کہ اُسے سفر اور جنگ میں بھی اپنے ساتھ رکھتے۔ یہود سے ان کا یہ مبارک اور مقدس صندوق کافر بادشاہ جالوت چھین کر لے گیا تھا۔ اور جس کی واپسی کے لئے بنی اسرائیل نہایت مضطرب اور بے چین تھے۔ تو معجزانہ طریقہ سے یہ جالوت کا چھینا ہوا صندوق طالوت کے پاس فرشتوں کا پہنچا دینا اور صندوق کا طالوت کے پاس آجانا بھی ظاہری علامت طالوت کے مِنْ جانب اللہ مقرر ہونے کی بتلائی گئی جس پر تمام بنی اسرائیل بہت خوش ہوئے اب اللہ تعالیٰ نے اس صندوق کے طالوت کے پاس پہنچنے کا یہ سامان فرمایا کہ فلسطینی

Marfat.com

ایک جنگ میں یہ صندوق بنی اسرائیل سے چھین تو لے گئے تھے مگر جس دن سے وہ اس تابوت سکینہ کو چھین کر لائے اور جہاں لے جا کر رکھا وہیں کوئی وبا بڑی مصیبت یا بلا آ کر پڑتی۔ لکھا ہے کہ ان کے پایۂ شہر اسی طرح ویران ہو گئے۔ آخر انہوں نے عاجز آ کر یہ طے کیا کہ یہ صندوق (نعوذ باللہ) منحوس ہے اور اس نحوست کو دور کیا جائے اس کے لئے انہوں نے یہ ترکیب کی کہ ایک بیل گاڑی میں اس صندوق کو رکھ کر بغیر کسی گاڑیبان کے اپنے ملک کی سرحد سے بیلوں کو ہانک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر فرشتوں کو متعین کر دیا جو بیلوں کو ہانک کر بنی اسرائیل کے علاقہ میں لے آئے۔ اور طالوت کے مکان پر پہنچ کر طالوت کے سامنے رکھ دیا۔ لیکن حضرت ابن عباس رضؓ کی ایک روایت ہے کہ فرشتے اس صندوق کو ہوا میں اڑا کر لائے تھے اور لا کر طالوت کے سامنے رکھ دیا۔

الغرض تکوینی طور پر تابوت سکینہ طالوت کے پاس پہنچ گیا اور بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر اور اپنا مقدس اور متبرک چھنا ہوا تابوت واپس پا کر بہت خوش ہوئے اور طالوت کی بادشاہی پر یقین کر لیا۔ اور ان کو اپنا امیر لشکر اور بادشاہ تسلیم کر لیا اور سب کے سب ان کے ماتحت جہاد کے لئے تیار ہو گئے کہ جالوت سے جنگ کر کے اپنا ملکی حصہ واپس لیں۔ اب اس کے بعد کے مزید واقعات اگلی آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں جن کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

یا اللہ! ہمیں وہ قلب سلیم عطا فرما اور وہ فہم دین نصیب فرما کہ جو ہم آپ کے اور آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات کے آگے سر تسلیم خم رکھیں اور بے چون چرا اُن پر صدق دل سے عمل پیرا ہوں۔

یا اللہ! دین میں کٹ حجتی اور شک و شبہ کی باتوں سے ہمیں بچائیے گا اور اس مذموم خصلت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھیئے گا۔

یا اللہ! آپ ہماری غیبی امداد فرمائیں اور اس ملک اور قوم کو بھی کوئی دین دار مجاہد اعظم امیر نصیب فرمائیں اور اس کے ذریعہ سے ہم کو شوکت اسلام اور دین کی سربلندی دیکھنا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! دشمنانِ دین سے ہم کو جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ صادقہ عطا فرما اور اسلام اور ایمان کی برکت سے ہم کو اپنے دشمنوں پر غلبہ اور فتح نصیب فرما اور ہمارے دشمنوں کو ذلیل و خوار فرما۔ آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۳۲

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے

بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ

ایک نہر سے سو جو شخص اس سے پانی پیوے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان

يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ

پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو اتنی رخصت ہے)

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ

سو سب نے اس سے پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے سے آدمیوں نے ان میں سے سو جب طالوت اور جو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

مومنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور

بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ

اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی۔ ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے

مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً

روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں

كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۲۴۹

بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ انہیں طالوت کے من جانب اللہ بادشاہ مقرر کئے جانے کی کوئی ظاہری حجت اور علامت بتلادی جائے تاکہ انہیں پورا اطمینان ہو جائے۔ اس پر اُن کے پیغمبر علیہ السلام نے تابوت سکینہ یعنی وہ صندوق جس میں اسرائیلی انبیاء کے تبرکات تھے اس کا اُن کے پاس دوبارہ آجانے کا حال بتلایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت سے جب وہ صندوق بنی اسرائیل میں پہنچ گیا جس کی تفصیل گذشتہ درس میں ذکر ہو چکی تو سب نے طالوت کو امیر لشکر اور بادشاہ تسلیم کر لیا اور جالوت کے مقابلہ اور اس سے جنگ کرنے

Marfat.com

کے لئے اسّی ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ اس کے بعد اس قصہ کے مزید واقعات اس آیت میں بیان ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"پھر جب بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کر لیا اور جالوت کے مقابلہ کے لئے لوگ جمع ہو گئے اور طالوت فوجوں کو لے کر اپنے مقام یعنی بَیْتُ الْمَقْدِس سے جالوت کے مقابلہ کے لئے چلے تو اُنہوں نے ہمراہی پیغمبر کی وحی سے دریافت کر کے ساتھیوں سے کہا کہ حق تعالیٰ استقلال و بے استقلالی میں تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے جو راہ میں آوے گی اور شدتِ تشنگی کے وقت اس پر پہنچو گے سو جو شخص اس سے افراط کے ساتھ پانی پیوے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں سے نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے اور اصل حکم یہی ہے وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چُلّو بھر لے تو اتنی رخصت ہے۔ غرض وہ نہر رستہ میں آئی پیاس کی تھی شدت سو سب نے اس سے بے تحاشا پانی پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے سے آدمیوں نے اُن میں سے احتیاط کی کہ کسی نے بالکل نہ پیا ہو گا کسی نے چُلّو سے زیادہ نہ پیا ہو گا۔ سو جب طالوت اور جو مومنین اُن کے ہمراہ تھے نہر سے پار اُتر گئے اور اپنے مجمع کو دیکھا کہ تھوڑے سے آدمی رہ گئے اس وقت بعض آپس میں کہنے لگے کہ آج تو ہمارا مجمع اتنا کم ہے کہ اس حالت سے ہم میں جالوت اور اُس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی۔ یہ سُن کر ایسے کامل الایمان لوگ جن کو یہ خیال پیشِ نظر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آ گئی ہیں۔ اصل چیز استقلال ہے اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔"

یہاں آیت میں طالوت کا جو یہ قول نقل فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ امتحان کریں گے ایک نہر سے تو اس امتحان کی علت اور حکمت کے متعلق حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ حکمت اس امتحان کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے موقع پر جوش و خروش میں بھیڑ بھڑ کا بہت ہو جایا کرتا ہے لیکن وقت پر جمنے اور ثابت قدم رہنے والے کم ہوتے ہیں۔ اور اس وقت ایسوں کا اُکھڑ جانا باقی لوگوں کے پاؤں بھی اُکھاڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو فوج میں سے ایسے لوگوں کا علیحدہ کرنا منظور تھا اور اس کے لئے یہ امتحان مقرر کیا گیا کہ جو نہایت ہی مناسب ہے کیونکہ جنگ و قتال میں ضرورت استقلال اور جفاکشی کی ہوتی ہے سو شدت پیاس کے وقت بے منت پانی ملنے پر ضبط کرنا دلیل استقلال کی ہے اور اندھے بادلوں کی طرح پانی پر جا گرنا

Marfat.com

دلیل بے استقلالی کی ہے چنانچہ زیادہ پانی پینے والے غیبی طور پر زیادہ بیکار اور از کار رفتہ ہو گئے اور ان نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی تعداد نے ان کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ صاف جواب دے بیٹھے۔ اور صرف پختہ ایمان والے طالوت کے ساتھ رہ گئے۔

اس امتحان سے اور جو احوال و اقوال اس قصہ میں مذکور ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ طالوت کے لشکر میں تین قسم کے لوگ تھے ایک ناقص الایمان جو امتحان میں پورے نہ اترے اور دوسرے کامل جو امتحان میں پورے اترے مگر اپنی قلت کی فکر ہوئی اور تیسرے اکمل جن کو قلت و کثرت کی کوئی فکر بھی نہ ہوئی۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد طالوت کے فرمانبردار لشکر کی تھی جو ان کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ ۳۱۳۔

غرضکہ اس واقعہ میں جنہوں نے عزیمت پر عمل کیا کہ پانی بالکل نہ چکھا یا وہ جنہوں نے رخصت پر عمل کیا اور اجازت سے تجاوز نہ کیا یعنی بمقدار صرف ایک چلو کے جان بچانے کے لئے برائے نام پانی پی لیا وہ تو اس قابل رہے کہ نہر سے پار ہو سکے اور جنہوں نے کہ خلاف حکم خوب زیادہ پانی پیا وہ بزدل اور نامرد ہو گئے کہ نہ ان کی پیاس بجھی اور نہ وہ اس قابل رہے کہ نہر سے پار ہو سکیں۔ اب جبکہ طالوت کے رفقاء مومنین نہر سے پار ہو گئے اور دیکھا کہ ہم ایک مٹھی بھر جماعت ہیں اور جالوت کا لشکر ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہے۔ اس لئے بعض ضعیف القلب مومنین نے بشریت کی بنا پر یہ خدشہ ظاہر کیا کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ اور ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔ جالوت کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت ہم میں نہیں [illegible] جو اصحاب عزم اور قوی القلب اور اکمل الایمان والے تھے جب انہوں نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنے ساتھیوں کو سمجھانے لگے کہ فتح اور شکست کا مدار صرف فوج اور ساز و سامان کی کثرت و قلت پر نہیں بلکہ یہ معاملہ تو خدا کے اختیار میں ہے کہ تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کئی چھوٹے چھوٹے لشکروں کو محض اپنی مدد اور تائید سے بڑی بڑی فوجوں پر فتح دی ہے اس لئے تم ہمت نہ ہارو اور جم کر استقلال کے ساتھ دشمن سے لڑو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہاری قلت کے باوجود تم کو دشمن کی کثیر فوج پر فتح و نصرت عنایت فرمائے گا کیونکہ وہ صبر و استقلال کا دامن تھامنے والوں کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ اور جس کی وہ مدد فرمائے وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔

الغرض طالوت کا قلیل لشکر جالوت کی کثیر فوجوں کے مقابلہ کے لئے میدان میں آگے بڑھا

Marfat.com

تو اپنی ہمت و شجاعت پر نظر نہیں کی بلکہ خداوند ذوالجلال والاکرام کی طرف متوجہ ہوئے اور تائید ایزدی کے لئے دُعا مانگنی شروع کی۔ وہ دُعا۔ کیا تھی جو ان تین سو تیرہ ۳۱۳ مجاہدین نے مانگی اس دُعا کی قبولیت کا کیا اثر و نتیجہ ہوا۔ کافر بادشاہ جالوت کس طرح مقابلہ میں اور کس کے ہاتھ سے قتل ہوا اور اور اس واقعۂ جہاد کی کیا مصلحت عامہ تھی اور اس واقعہ طالوت و جالوت سے ہم کو کیا کارآمد امور اور نتائج تعلیم دینے مقصود ہیں یہ انشاءاللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں بیان ہوگا۔

دُعا کیجئے۔

حق تعالیٰ ہم کو بھی اپنے کافر دشمنوں اور اعدائے دین کے ساتھ جہاد کا حقیقی جذبہ اور سچا عزم نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہم ایمان کے ضعیف اور کمزور ہیں اور کسی امتحان کے لائق نہیں ہیں

اے اللہ! آپ محض اپنی تائید اور نصرت سے ہمارے قلوب کو طاقت بخشیں اور ہم کو دشمنانِ دین کے مقابلہ میں صبر و استقلال نصیب فرمائیں۔ ہمارے حوصلہ کو بلند فرمائیں اور دین کے لئے جان و مال کی قربانی دینا ہمارے لئے آسان فرمائیں۔

اے اللہ! اپنی رضا اور فرمانبرداری کے ساتھ ہم کو اعدائے دین سے اپنی قلت اور ان کی کثرت کا خیال کئے بغیر بھڑ جانے کا عزم اور ہمت نصیب فرما۔ اور اپنی تائید و نصرت سے ہماری امداد فرما۔ اور ہم قلیل کو دشمن کثیر پر فتح و غلبہ عطا فرما۔

یا اللہ! دشمنانِ دین کو جیسا آپ نے پہلے ذلیل و خوار فرمایا اور ان کو پست و مغلوب فرمایا۔

اے اللہ! اب بھی اپنی قدرت سے ہمارے دشمنوں کو ذلیل و خوار فرما اور ان کو پست و مغلوب فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

درس ۱۳۳

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا

اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال

صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

نازل فرمایئے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے ۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ

پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دیدی اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر ڈالا

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ

اور اُن کو اللہ تعالیٰ نے سلطنت و حکمت عطا فرمائی اور بھی جو جو منظور ہوا اُن کو تعلیم فرمایا ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سر زمین فساد سے

الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

پُر ہو جاتی ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر ۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ

یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور آپ

لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ طالوت اور جالوت کا قصہ جو قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دلانے اور ایسے مواقع میں ثابت قدم رہنے اور صبر و برداشت اور ہمت و استقلال سے کام لینے کی غرض سے بیان فرمایا وہ اِن آیات میں ختم ہو رہا ہے ۔ گذشتہ درس میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب بنی اسرائیلوں میں سے عہد شکنوں اور نافرمانوں اور بزدلوں کی ایک بڑی جماعت لشکر طالوت سے پیچھے رہ گئی اور صرف قلیل جماعت مؤمنین اور صادق الیقین کی اپنے امیر لشکر طالوت کے ساتھ جہاد اور مقابلہ کے لئے رہ گئی ۔ کفار جن کا سردار اور سپہ سالار جالوت تھا اس سے مقابلہ ایمان والوں کا

ہوا اور اس مقابلہ کا انجام و نتیجہ ان آیات میں ذکر فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں یہاں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور جب وہ مومنین جو طالوت کے لشکری تھے جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو دعا میں حق تعالیٰ سے کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر یعنی ہمارے قلوب پر استقلال غیب سے نازل فرمائیے اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے"

یعنی جب وہ مومنین مجاہدین کھلے میدان میں جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے ہوئے تو چونکہ دشمن کی فوج بہت کثیر۔ قریب ایک لاکھ اور بروایتے تین لاکھ سواروں پر مشتمل تھی اور مومنین صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ تھے اس لئے انہوں نے میدان میں نکل کر اپنی ہمت اور شجاعت پر نظر نہیں کی بلکہ خداوند ذوالجلال والاکرام کی ذاتِ عالی کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت عاجزی اور تضرع سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ ہمیں صبر و استقلال اور ثابت قدمی عطا کرنا اور کافروں کی اس فوج پر ہمیں فتحمند فرمانا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ اس دعا کی ترتیب بڑی پاکیزہ ہے کہ غلبہ کے لئے چونکہ ثبات قدمی کی ضرورت ہے اس لئے پہلے اس کی دعا کی اور ثابت قدم رہنے کا مدار اثبات قلب پر ہے اسلئے اس سے پہلے ثباتِ قلب کی دعا کی اور اخیر میں وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کی دعا کی۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی مدد فرمائی اور اس صبر و تحمل اور اللہ پر اعتماد اور توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تھوڑے مومنین نے اللہ کی توفیق اور نصرت سے جالوت کی فوجوں اور لشکروں کو شکست دے دی۔ اسی کے متعلق دوسری آیت میں ارشاد ہوا:۔

"پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دے دی اور داؤد علیہ السلام نے جو کہ اس وقت طالوت کے لشکر میں تھے اور اس وقت تک نبوت وغیرہ نہ ملی تھی جالوت کو قتل کر ڈالا اور مظفر اور منصور واپس آئے اور اس کے بعد انکو یعنی داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سلطنت و حکمت جس سے مراد نبوت ہے عطا فرمائی اور بھی جو جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا (مثلاً بلا آلات زرہ بنانا۔ پرندوں کی بولی سمجھنا۔ توریت کو لحن سے پڑھنا)"

جالوت کے قتل اور اس کی فوج کی شکست کی تفصیل مفسرین نے اس طرح لکھی ہے کہ داؤد علیہ السلام ابھی کم سن نوجوان تھے اور اپنی بکریاں چرایا کرتے تھے اور طالوت کے لشکر میں مع اپنے والد اور چھ بھائیوں کے شامل تھے اور اپنے سب بھائیوں میں چھوٹے تھے۔ ابھی تک آپ کو نبوت نہیں ملی تھی۔ جب میدان کارزار سامنے آیا اور جالوت جو اپنے لشکر کا سپہ سالار اور سردار تھا اور بڑے تن و توش کا پہلوان تھا اور انسان کیا مثل دیو کے معلوم ہوتا تھا۔ توریت کی روایتوں میں ہے کہ اس کا قد دس فٹ تھا

اور بجز چہرے کے سر سے پیر تک آہن پوش رہتا تھا اور اس کی سپر کا وزن کوئی تین من کا تھا۔ وہ نہایت کروفر کے ساتھ زرہ اور خود پہن کر میدان میں آیا اور اس وقت کی جنگ کے طریق کے موافق طالوت کے لشکریوں میں سے اپنا مبارز اور مقابل طلب کیا۔ جالوت گھوڑے پر سوار ہو کر اور زرہ اور تلوار لگا کر میدان میں نکلا اور داؤد علیہ السلام فقط تین پتھر اور ایک گوپھن لے کر آگے بڑھے اور یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مدد نہ کرے تو تلوار و گھوڑا اور ہتھیار بھی بیکار ہے۔ جالوت نے داؤد علیہ السلام سے کہا کہ تو فقط پتھر لے کر میرے سامنے آرہا ہے جیسے کوئی کتے کو مارنے کو نکلتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو کتے سے بھی بدتر ہے اور اللہ کا نام لے کر وہ پتھر گوپھن میں رکھ کر جالوت کی پیشانی پر مارے جو ٹھیک جالوت کے ماتھے میں لگے اور گدی کے پیچھے سے نکل گئے۔ جالوت منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فوراً اُسی کی تلوار نکال کر اس کا سر قلم کر دیا۔ جالوت کے قتل کو دیکھ کر اس کی فوج سراسیمہ ہو گئی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹی جماعت کو دشمن کی کثیر جماعت پر فتح نصیب فرمائی۔ طالوت نے اس خوشی میں حسبِ وعدہ اپنی بیٹی حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں دیدی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے طالوت کے انتقال کے بعد داؤد علیہ السلام کو سلطنت عطا کی۔ اور باتفاق بنی اسرائیل داؤد علیہ السلام اُن کے بادشاہ مقرر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت کے ساتھ علم و حکمت یعنی نبوت سے بھی سرفراز فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں کہ جن میں بادشاہت اور نبوت دونوں جمع ہوئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو بعض خاص معجزات عطا فرمائے مثلاً لوہے کو مثل موم کے آپ کے ہاتھ میں نرم کر دیا گیا کہ آپ بغیر آلات کے زرہیں بنا لیتے تھے اور انہی کو فروخت کر کے آپ اپنا اور گھر والوں کا گذارا کرتے اور آپ کو خوش الحانی کا معجزہ عطا کیا اور پرندوں کی بولی اور زبان سکھائی اور اسی پر طالوت و جالوت کے قصہ کو ختم فرمایا۔

قصہ مذکورہ کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی عام حکمت و مصلحت یعنی حکومتوں کے انقلابات اور فتح و شکست کی تکوینی مصلحت اور حکمت بیان فرمائی ہے کہ جب کسی قوم یا حکومت کی طرف سے دوسروں پر ظلم و ستم اور جبر و تشدد کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ظلم و تشدد کو ختم کرنے کے لئے دوسری قوم کو کھڑا کر دیتا ہے اور اس طرح ظلم و تعدی اور شر و فساد سے زمین کو بچا لیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور ظالم و جابر کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تو زمین شر و فساد کا گہوارہ بن کر رہ جاتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دنیا والوں پر بڑی مہربانی ہے کہ وہ ایسے انقلابات سے عدل و انصاف اور امن و سکون کو قائم و دائم رکھے ہوئے ہے۔ اور اگر کبھی اس کا برعکس اور خلاف ہو جاتا ہے تو اس میں کچھ مصلحتیں اور حکمتیں حق تعالیٰ کی ہوتی ہیں چنانچہ قصہ طالوت و جالوت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو جو کہ مفسد ہوں بعضوں کے

Marfat.com

ذریعہ سے جو کہ مصلح ہوں وقتاً فوقتاً دفع کرتے رہا کرتے ہیں یعنی اگر مصلحین کو مفسدین پر غالب نہ کرتے رہتے تو سرزمین تمام تر فساد سے پُر ہو جاتی۔ ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر (اس لئے وقتاً فوقتاً اصلاح فرماتے رہتے ہیں گویا اس لئے اس نے تم پر جہاد فرض کیا تاکہ کفر و شرک کا فتنہ فساد دفع ہو۔ اس لئے کہ کفر و شرک سے بڑھ کر کوئی فتنہ فساد نہیں۔ جہاد سے اسی فساد کا دفع کرنا اور اسی شر و فساد کا ازالہ مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر مسلمانوں کو کافروں سے جہاد کا حکم نہ دیتے تو بڑا فساد پھیل جاتا۔ اس لئے جہلو کو اللہ کا بڑا فضل سمجھو"

اب اِس قصہ مذکورہ سے جو اہم تعلیمات ملتی ہیں اور جو کارآمد اور نتائج اخذ ہوتے ہیں وہ مفسرین نے حسبِ ذیل تحریر کئے ہیں :-

۱ :- جس جماعت یا قوم میں صبر و استقلال کی سچی روح نہیں ہوتی اس پر جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو راہِ عمل میں ثابت قدم رہنے والے بہت ہی کم نکلتے ہیں۔ تو گویا مسلمانوں کو صبر و استقلال کی سچی روح اپنے اندر پیدا کرنے کی تعلیم دی گئی۔

۲ :- حکومت و قیادت کی قدرتی صلاحیت جن میں ہوتی ہے وہی اس کے اہل ہوتے ہیں اگرچہ مال و دولت سے وہ خالی ہوں۔ تو یہاں مسلمانوں کو اپنا حاکم اور سردار منتخب کرنے کا ادب و معیار بتلایا گیا۔

۳ :- صلاحیت کے لئے اصل جوہر علم و جسم کی قوت و قابلیت ہے یعنی دماغی اور جسمانی صلاحیت نہ کہ مال و دولت نسل و خاندان کا شرف۔ پس مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ وہ اس شخص کو اپنا امیر اور سردار بنائیں جس میں علمی اور جسمانی و دماغی صلاحیت ہو۔

۴ :- جس شخص کو بھی سردار بنایا جائے افراد جماعت کا فرض ہے کہ سچے دِل سے اس کی اطاعت کریں اور کسی قسم کی عہد شکنی نہ کریں۔

۵ :- اس راہ جہاد میں اصلی چیز صبر و طاعت ہے۔ جو لوگ تھوڑی دیر کی پیاس نہ برداشت کر سکے وہ میدانِ جنگ کی مشکلات کیا سہ سکتے ہیں۔

۶ :- کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہوتی ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں اور کتنی ہی بڑی جماعتیں ہیں جو چھوٹی جماعتوں سے شکست کھا جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فتح و شکست کا مدار اصلی افراد کی قلت و کثرت اور ساز و سامان کی کمی و زیادتی پر نہیں بلکہ دلوں کی قوت پر ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد انہی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو صابر اور ثابت قدم ہوتے ہیں۔

۷ :- فتحمندی کے لئے صبر و ثبات کی دعا کی تعلیم دی گئی۔ گویا مسلمانوں کو یہ ادب جہاد بتلایا گیا کہ

دُعا کے ذریعہ سے اللہ کی نصرت و تائید حاصل کریں ۔

یہ ہیں اہم تعلیمات جو اس قصہ سے اہلِ اسلام کو دینا مقصود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ آمین

اب چونکہ قرآن کے عظیم مقاصد سے اثبات نبوتِ محمدیہ بھی ہے اس لئے اکثر جس جگہ کسی مضمون سے مناسبت ہونے کا موقع ہوتا ہے وہاں اس کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر بھی قصہ مذکورہ کے اخیر میں ارشاد ہوا:۔

"یہ آیتیں جن میں یہ قصہ مذکور ہوا اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں"

یعنی ایسے قدیم گذشتہ واقعات کا صحیح صحیح علم جو ہم آپ کو بتا رہے ہیں یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں کیونکہ ان کا علم بغیر کسی سے سُنے اور پڑھے سوائے وحی الٰہی کے نہیں ہو سکتا۔

الحمد للہ ان آیات پر دوسرے پارہ سَیَقُوْل کا بیان ختم ہوا اور سورۂ بقرہ کی ۲۸۶ آیات میں سے یہاں تک ۲۵۲ آیات کا بیان پورا ہوا۔ بقیہ سورۂ بقر کی ۳۴ آیات کا بیان تیسرے پارہ تِلْكَ الرُّسُلُ کی ابتدا سے انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دُعا کیجیے:۔

یا اللہ جب آپ نے اپنے کرم سے ہم کو اسلام سے نوازا ہے تو اسلام و ایمان کی حقیقی رُوح ہم کو نصیب فرما۔ یا اللہ! صبر و استقلال کی دولت ہم کو عطا فرما۔
یا اللہ! ہم کو صالح اور اہل قیادت و حکومت عطا فرما۔
یا اللہ ہم کو اپنے اور دشمنان دین سے جہاد فی سبیل اللہ کا سچا جذبہ اور عزم نصیب فرما
یا اللہ! اس ملک اور قوم میں بھی ایسے مخلص اور سچے مجاہدین پیدا فرما دے جو اسلام کا بول بالا کریں اور دشمنانِ دین سے جہاد کر کے آپ کی تائید و نصرت سے کافروں کو مغلوب اور پست کریں۔ یا اللہ پہلے بھی آپ نے اپنے مومن بندوں کی مدد فرمائی ہے۔
یا اللہ اب بھی مدد فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(پارہ سیقول ختم ہوا)

درس ۱۳۴

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے اُن میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

بعضے اُن میں وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوئے ہیں اور بعضوں کو اُن میں بہت سے درجوں میں سرفراز کیا۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ

اور ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے ۔ اور ہم نے اُنکی تائید روح القدس سے فرمائی

الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ ۢ

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں باہم قتل و قتال نہ کرتے

بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

بعد اس کے کہ اُن کے پاس دلائل پہنچ چکے تھے و لیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ

وہ لوگ باہم مختلف ہوئے سو اُن میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع ۲۳/۵

کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔

تفسیر و تشریح :۔ بفضلہٖ تعالیٰ گذشتہ درس پر دوسرے پارہ سَيَقُوْلُ کا بیان ختم ہو گیا تھا ۔ اس آیت سے تیسرے پارہ تِلْكَ الرُّسُلُ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔

گذشتہ آیت وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ پر ختم ہوئی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا تھا کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں ۔ لیکن جب منکرین و معاندین باوجود دلائل نبوت اور شواہد رسالت کے مشاہدہ کے آپ کی رسالت و نبوت کو تسلیم نہ کرتے تھے تو طبعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اس لئے آگے اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا مضمون مذکور ہے کہ آپ سے پہلے بھی مختلف درجوں کے پیغمبر گذرے ہیں لیکن ایمان کا عام اور ہمہ گیر ہونا کسی کی امت میں بھی نہیں رہا کسی نے موافقت کی اور کسی نے

Marfat.com

مخالفت کی۔ کوئی ایمان اپنے پیغمبر پر لایا اور کوئی نہیں لایا۔ اور اس میں بھی حق تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں جو ہر شخص پر منکشف نہیں ہوتیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو طبیعت انسانی ایسی بنا دیتے کہ اس میں اختلاف اور نزاع کا مادہ ہی نہ باقی رہتا اور وہ ایک حالت پر مجبور کر دیا جاتا لیکن حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا فیصلہ یہی ٹھیرا کہ انسان کو مجبور اور مضطر نہ بنائے بلکہ ہر راہ میں چلنے کی اس کو قدرت دے دے پس کتنے ہیں جو اپنے اختیار سے گمراہی اور کفر کو ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کے پیغمبر کا انکار کرتے ہیں اور اس کی لائی ہوئی ہدایت اور تعلیم سے اختلاف کرتے ہیں اور حق کی دعوت کو قبول نہ کر کے شر و فساد کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ان کے شر و فساد کو دفع کرنے کے لئے جنگ و جہاد کا حکم دیا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ منکرین کے تکذیب و کفر سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ آپ کی رسالت کا قصور نہیں بلکہ تقدیر خداوندی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی طرح ہے کہ کوئی ایمان لائے اور کوئی کفر پر رہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اس میں مصلحت و حکمت کیا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے یہ قضاء و قدر کا راز ہے۔ وہ مالکِ مطلق ہے جس کو چاہے ہدایت بخشے اور جس کو چاہے گمراہی میں پڑا رہنے دے۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یہ حضرات مرسلین جن کا ذکر گذشتہ آیت وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ میں آیا ہے ایسے ہیں کہ ہم نے اُن میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مثلاً بعضے اُن میں وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بلا واسطہ فرشتہ کے ہم کلام ہوئے (مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں میں اعلیٰ مقام سے سرفراز کیا اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل یعنی معجزات عطا فرمائے اور ہم نے اُن کی تائید روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام سے فرمائی کہ ہر وقت یہود سے اُن کی حفاظت کرنے کے لئے ساتھ رہتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو اُمت کے جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے ہیں کبھی دین میں اختلاف کر کے باہم قتل و قتال نہ کرتے بعد اس کے کہ اُن کے پاس امر حق کے دلائل پیغمبروں کی معرفت پہنچ چکے تھے۔ جن کا مقتضیٰ تھا دین حق کے قبول کرنے پر متفق رہنا ولیکن وہ لوگ باہم دین میں مختلف ہوئے سو ان میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا۔ سو اس اختلاف میں نوبت قتل و قتال بھی پہنچ گئی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جو چاہتے ہیں اپنی قدرت سے وہی کرتے ہیں۔"

یہاں اس آیت میں پہلی بات یہ بتلائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل میں بعض کو بعض پر فضیلت دی یعنی اگرچہ وصف نبوت و رسالت میں سب مشترک ہیں پھر بھی بعض کو بعض پر ایک خاص

Marfat.com

فضیلت دی ہے یعنی ہر رسول کو کسی خاص خصوصیت اور خاص فضیلت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے تاکہ ہر ایک کا فضل و کمال الگ الگ نظر آئے۔

قرآن کریم میں جن انبیاء و مرسلین کے اسماء گرامی بالتصریح آئے ہیں وہ کل پچیس[۲۵] ہیں یعنی حضرت آدم[۱] علیہ السلام۔ حضرت ادریس[۲] علیہ السلام۔ حضرت نوح[۳] علیہ السلام۔ حضرت ہود[۴] علیہ السلام۔ حضرت صالح[۵] علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم[۶] علیہ السلام۔ حضرت لوط[۷] علیہ السلام۔ حضرت اسمٰعیل[۸] علیہ السلام۔ حضرت اسحٰق[۹] علیہ السلام۔ حضرت یعقوب[۱۰] علیہ السلام۔ حضرت یوسف[۱۱] علیہ السلام۔ حضرت شعیب[۱۲] علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ[۱۳] علیہ السلام۔ حضرت ہارون[۱۴] علیہ السلام۔ حضرت یونس[۱۵] علیہ السلام۔ حضرت داؤد[۱۶] علیہ السلام۔ حضرت سلیمان[۱۷] علیہ السلام۔ حضرت ایوب[۱۸] علیہ السلام۔ حضرت الیاس[۱۹] علیہ السلام۔ حضرت یسع[۲۰] علیہ السلام۔ حضرت زکریا[۲۱] علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ[۲۲] علیہ السلام۔ حضرت یحییٰ[۲۳] علیہ السلام۔ حضرت ذوالکفل[۲۴] علیہ السلام۔ سید الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ[۲۵] صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہما اجمعین۔ البتہ جن انبیاء و مرسلین کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اُن کی صحیح تعداد کے بارہ میں اختلاف ہے اور مختلف روایات ہیں۔

یہاں ایک بات یہ اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کُلّی تمام انبیاء پر بدلائل نصوص ثابت ہے اور یہی عقیدہ رکھنا لازم ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ایسا مبالغہ کہ جس سے دیگر انبیاء علیہم السلام کی کسی درجہ میں تنقیص یا توہین ہو یہ ہرگز جائز نہیں۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبروں کے درمیان تفضیل اور مفاضلہ نہ کرو۔ اس سے ایسی ہی تفضیل کی ممانعت مراد ہے کہ جو دوسرے نبی کی تنقیص اور تحقیر کا سبب ہو۔

الغرض انبیاء کرام اگرچہ نفس نبوت کی حیثیت سے برابر مگر مراتب و مدارج کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ان کے درجات جُدا جُدا ہیں۔ فضائل و کمالات میں تمام انبیاء برابر نہیں۔ چنانچہ اس امر کی تائید میں بتلایا گیا کہ ان انبیاء میں بعض ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ فرشتہ کے کلام فرمایا مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور بعض کو اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمایا۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں آیت میں وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۚ سے مراد اشرف الانبیاء والمرسلین۔ سرور عالم۔ رسول اکرم۔ نبی معظم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے درجات دیگر انبیاء و المرسلین سے بہت زیادہ بلند فرمائے۔ اس موقع پر اکثر مفسرین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی فضیلتوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر احقر بھی اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند خصوصیات تبرکاً نقل کرتا ہے:۔ اور خصائص نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مراد وہ فضائل و کمالات ہیں جو حق تعالیٰ جل شانہٗ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے اور انبیائے کرام میں سے کسی اور نبی کو اس میں شریک نہیں فرمایا اور یہ چند وہ خصائص ہیں جو احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمائے ہیں:۔

۱:۔ ارشاد فرمایا کہ میری بعثت تمام دُنیا کی طرف ہوئی ہے۔ مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی

Marfat.com

قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں یعنی آپؐ کی دعوتِ اسلام قیامت تک تمام لوگوں کے لئے عام کر دی گئی ہے۔ کسی خاندان کسی قوم یا کسی ملک کی خصوصیت نہیں بلکہ آپؐ کی بعثت کے بعد روئے زمین پر انسان و جنات میں سے ہر ایک کو دین محمدی میں داخل ہونا ضروری قرار دیا۔

۲ :- ارشاد فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میری ذات پر سلسلہ انبیاء ختم ہوا۔ میرے بعد اب تا قیامت کوئی نبی نہیں۔

۳ :- ارشاد فرمایا کہ مجھ کو جَوَامِعُ الْکَلِمْ عطا کئے گئے یعنی ایسے مختصر اور جامع کلمات کہ الفاظ تو تھوڑے ہوں اور معنیٰ بے شمار ہوں۔ جیسا کہ احادیثِ نبویہ کا مجموعہ اس کا شاہد ہے کہ وہ تمام عقائدِ حقہ اور اعمالِ صحیحہ اور مکارمِ اخلاق اور دین و دنیا کے تمام احکام اور دستور و آئین و قوائد و قوانین کا مجموعہ ہے۔

۴ :- ارشاد فرمایا کہ مجھے رعب و ہیبت کے ذریعہ فتح و نصرت عطا کی گئی بلا اسبابِ ظاہری کے ایک ماہ کی مسافت تک میرے دشمن مجھ سے مرعوب اور خوفزدہ رہتے ہیں۔

۵ :- ارشاد فرمایا کہ میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ اور مُطَہِّر بنادی گئی (یعنی اُمتِ مسلمہ کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے خواہ مسجد ہو یا غیر مسجد) اور میرے لئے پاک مٹی سے تیمّم کا حکم نازل ہوا کہ مجھے ہر جگہ تیمّم کی اجازت ہے اور میرے لئے مٹی کو پانی کی طرح مُطَہِّر یعنی پاک کرنے والی چیز بنا دیا۔

۶ :- ارشاد فرمایا کہ میرے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا

۷ :- ارشاد فرمایا کہ میرے پیرو تمام انبیاء و مرسلین کے پیروؤں سے زیادہ ہوں گے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام اُمتوں کے جنتیوں کی صفیں ۱۲۰ ہوں گی جن میں سے ۸۰ صفیں اُمتِ محمدیہ کی ہوں گی۔

۸ :- ارشاد فرمایا کہ مجھے شفاعتِ کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اوّلین و آخرین میری طرف رجوع کریں گے اور میں اُن کے لئے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کروں گا۔

۹ :- ارشاد فرمایا کہ سب انبیاء و مرسلین سے پہلے میں اپنی امت کو پلصراط سے لے کر گذروں گا۔

۱۰ :- ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا اور ابوبکر و عمر میرے دائیں اور بائیں ہوں گے اور جنت میں ہر نبی کے لئے حوض ہوگی اور میری حوض سب سے زیادہ وسیع اور پُر رونق ہوگی

یہاں اجمال اور اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف مذکورہ بالا دس خصائص نقل کئے گئے ہیں ورنہ علمائے محققین نیز محدثین و مفسرین نے بڑی تفصیل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت و خصائص کو

بیان فرمایا ہے۔

الغرض یہاں آیت میں تبلایا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولوں میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشی چنانچہ ان رسولوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی نصیب ہوئی جیسے دنیا میں اترنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو یا جیسے اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یا جیسے عالم بالا میں معراج شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ نے بلند کیا بعضوں کا درجہ جیسے کوئی ایک قوم کا نبی ہوا۔ کوئی ایک قریہ یا گاؤں کا نبی ہوا۔ کوئی ایک شہر یا ملک کا نبی ہوا اور کوئی تمام جہان کے جن وانس کے لئے تا قیامت نبی ہوئے جیسے نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی نبوت ورسالت کی صریح اور واضح نشانیاں اور کھلے ہوئے معجزات عطا فرمائے جیسے مادر زاد نابینا کو اچھا کرنا۔ مردہ کو اللہ کے حکم سے زندہ کرنا۔ کوڑھ اور برص کے بیمار کو شفایاب کرنا وغیرہ اور فقط یہی نہیں بلکہ ایک امتیازی نشان اور ان کو عطا فرمایا اور وہ یہ کہ رُوحُ الْقُدُسُ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی تائید و تقویت اور امداد کے لئے مامور فرمایا۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جاتے حضرت جبرئیل علیہ السلام اُن کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اور یہود سے اُن کی حفاظت فرماتے۔ اسی طرح تمام انبیاء والمرسلین نے بحکم الٰہی دُنیا میں ہدایت پھیلائی۔ شر و فساد کا استیصال کیا۔ اور اشاعتِ توحید میں جان و مال سے دریغ نہ کیا۔ اور معجزات دکھا کر لوگوں کو راہ ہدایت اور راہِ توحید پر لائے۔

آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہوتا تو اُمت کے جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے کبھی دین میں اختلاف کر کے باہم قتل و قتال نہ کرتے اور سب اپنے نبی کی تعلیم پر قائم رہتے کیونکہ نبی کے ذریعہ سے امر حق کے دلائل واضحہ ان کو مل ہی گئے تھے اور تعلیم رسول کی صداقت میں کوئی شبہ بھی نہ رہا تھا ولیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو بعض حکمتیں منظور تھیں اس لئے وہ لوگ باہم دین میں مختلف ہوئے سو اُن میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا پھر اس اختلاف سے نوبت لڑائی جھگڑے اور قتل و قتال کی ہوئی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جو چاہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ کوئی اُن کے فعل میں دخل نہیں دے سکتا وہ حکیم مطلق اور حاکم مطلق ہیں کسی کو یہ مجال نہیں کہ یہ کہہ سکے کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟"

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کفر و گناہ کا وجود بھی مصلحت و حکمت سے خالی نہیں۔ نیز یہ کہ ہر اُمت میں کچھ لوگ ہدایت و ایمان پر قائم رہے اور کچھ لوگ منکر و گمراہ رہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے

اور بے انتہا شکر کرنے کی ہے کہ دُنیا میں اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی مشیت سے کافر و مشرک۔ یہود و نصاریٰ۔ دہریے اور بے دین بھی موجود ہیں اور ان کی بھی نسلیں چل رہی ہیں اور ساتھ ہی مومن و مسلم اور مُوحِد اُمتِ مسلمہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا فضل و احسان ہے کہ اس نے محض اپنے کرم سے ہم کو اُمتِ مسلمہ میں پیدا فرمایا اور اسلام و ایمان اور قرآن جیسی نعمتوں سے نوازا اور کفر و شرک کی گمراہیوں سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اپنے فضل و کرم سے ہم کو ایمان و اسلام پر مرتے دم تک مستقیم رکھیں۔ آمین۔

الغرض اس تمام کلام سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ انبیاء سابقین کی طرح آپ کی نبوت و رسالت بھی دلائل و براہین اور آیاتِ بیّنات سے ثابت ہے لیکن جس طرح بہت سے لوگ انبیاء سابقین کی اُمتوں میں ایمان نہیں لائے اسی طرح اگر بہت سے منکرین و معاندین آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق نہ کریں تو تعجب نہ کیجئے۔ ایمان عام کسی اُمت میں بھی نہیں ہوا۔ اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

بہرحال دُنیا میں ایمان والوں اور کفر و شرک میں گرفتار رہنے والوں دونوں کا وجود ہونا ثابت ہوا تو آگے ایمان والوں کو ایک نہایت اہم اور مہتم بالشان نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ اس زندگی کی فرصت کو غنیمت جانیں اور طاعتِ بدنیہ و مالیہ کو بجا لائیں اور کافروں ظالموں کی طرح نہ بنیں جس کا بیان اگلی آیت میں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

—: دُعا کیجئے :—

یا اللہ! آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آپ نے ہم کو اُمتِ مسلمہ میں پیدا فرمایا اور ایمان و اسلام کے شرف سے ہم کو نوازا۔

یا اللہ! ہم کو اس نعمت کا اہل بنا دے اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور سچا مسلم بن کر زندہ رہنے اور اسی طرح پر مرنے کی سعادت نصیب فرما دے۔

یا اللہ! آپ نے اپنی رحمت سے ہم کو کفر و شرک سے بچایا۔ پس ہم کو مرتے دم تک ہر طرح کی کجی و گمراہی سے بچائے رکھئے گا۔

یا اللہ! ہماری آئندہ نسلوں کو بھی ایمان و اسلام پر قائم رکھئے گا اور دنیا میں ان کو امتِ مسلمہ کی کثرت کا ذریعہ بنائیے گا اور کفر و شرک کی گمراہیوں سے اُن کی بھی حفاظت فرمائیے گا۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۳۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ	
اے ایمان والو !	خرچ کرلو اُن چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا	
قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی	اور نہ دوستی ہوگی اور نہ
شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾	
کوئی سفارش ہوگی	اور کافر ہی لوگ ظلم کرتے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ اس سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے عبادات و معاملات کے متعلق بہت سے احکام بیان فرمائے ہیں لیکن ان تمام نیک کاموں میں سب سے زیادہ دشوار اور نفس پر گراں جان اور مال کی قربانی ہے اور ان ہی کی محبت انسان کو گناہ اور نافرمانی کی طرف لے جاتی ہے ۔ اس لئے بار بار ان دو امور کے متعلق احکام و بیان آتے ہیں ۔ کبھی ترغیب کے رنگ میں کہیں ترہیب کی صورت میں ۔ اوپر جہاد کی تائید اور تقویت کے لئے طالوت اور جالوت کا قصہ ذکر فرمایا گیا تھا جس میں مومنین کو جہاد کی ترغیب دی گئی اور جہاد کے لئے ہتھیار ۔ آلات اور سامانِ جنگ چاہیئے جس کے لئے مال و زر کی بھی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس لئے اب اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے ۔ نیز گذشتہ آیت میں ذکر آیا تھا کہ دنیا میں انسانوں میں ہمیشہ دینی اختلاف رہے گا ۔ بعض اہلِ ایمان ہوں گے تو بعض اُن کے مخالف کفر و شرک پر جمے رہیں گے اور اس اختلاف سے ان میں جنگ اور قتل و قتال کی بھی نوبت رہے گی ۔ اس لئے مسلمانوں کو کفار سے جہاد بھی کرنا ہوگا اور جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کی بھی ضرورت ہوگی اس لئے اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب مومنوں کو دی جاتی ہے اور اہلِ ایمان کو براہ راست خطاب فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :۔

" اے ایمان والو ! خرچ کرلو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دِن آجائے (یعنی قیامت کا دِن) جس میں (کوئی چیز اعمال خیر کا بدل نہ ہو سکے گی کیونکہ اس میں) نہ تو خرید و فروخت ہوگی کہ کوئی چیز دے کر اعمالِ خیر خرید لو اور نہ ہی ایسی دوستی ہوگی کہ کوئی تم کو اپنے اعمالِ خیر سے دے دے اور نہ بلا اِذن الٰہی کسی کی کوئی سفارش ہوگی جس سے اعمالِ خیر کی تم کو حاجت نہ رہے اور کافر ہی لوگ ظلم

Marfat.com

کرتے ہیں (کہ اعمال اور مال کو بے موقع استعمال کرتے ہیں اس طرح کہ طاعتِ بدنیہ و مالیہ کو ترک اور معصیت مالیہ و بدنیہ کو اختیار کرتے ہیں۔ تو تم ایسے مت ہو بننا اور جو عمل خیر ہو سکے خصوصاً جانی اور مالی قربانی فی سبیل اللہ میں وہ ضرور کر لو)"

تو یہاں اس آیت میں خیر خیرات اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ نیکی کمانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع اِس دنیا ہی میں ہے۔ دُنیا میں کی ہوئی نیکی اور اس دُنیا میں دی ہوئی خیر خیرات و صدقات ہی آخرت میں کام آئیں گے۔ آخرت میں نہ تو تجارتی کاروبار ہو گا کہ عذاب سے بچنے کے لئے نیکی خریدی جا سکے یا کچھ مال و فدیہ دے کر بدی کی سزا سے بچ سکے۔ اُس روز اگر ایک گناہ کے بدلہ میں انسان تمام روئے زمین کے خزانوں کو دینا چاہے گا تو قبول نہ ہو گا اور نہ کسی کی دوستی کسی دوست کے کام آئے گی کہ کوئی دوست دوسرے دوست کا عذاب اپنی گردن پر لے لے اور نہ کسی کی کوئی بغیر حکمِ الٰہی سفارش کر سکے گا۔ دُنیا میں تو انسان کچھ لے دے کر یا دوستی آشنائی سے یا سفارش سے کام نکال لیتا ہے لیکن قیامت کے دن یہ تینوں راستے بند ہوں گے اور چوتھی صورت تو ناممکن ہی ہے کہ کوئی زبردستی عذابِ الٰہی سے اپنے کو بچا لے۔

یہاں ایک بات یہ سمجھ لی جائے کہ اس آیت سے مطلق دوستی اور سفارش یعنی شفاعت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ جس دوستی اور سفارش کی یہاں نفی کی جا رہی ہے وہ خاص ہے کفار اور مشرکین کے لئے کیونکہ اہلِ ایمان کی اہل اللہ اور متقین سے دوستی آخرت میں قائم رہے گی اور کام آئے گی جیسا کہ پچیسویں (۲۵) پارہ سورۂ زخرف آیت ۶۷ میں ارشاد ہے:-

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝

(تمام دنیوی دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے بجز متقین یعنی اہلِ ایمان کے)

اور شفاعت کا وجود اگلی آیت ہی میں منصوص ہے جہاں ارشاد ہے:-

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ

(ایسا کون ہے جو اُس کے پاس کسی کی سفارش کر سکے بدون اُسکی اجازت کے) یعنی آخرت میں انبیاء اور اولیاء گناہگار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے لیکن وہ اوّل حق تعالیٰ کی مرضی حاصل کر لیں گے تب شفاعت کریں گے۔

الغرض یہاں آیت میں مسلمانوں کو زندگی میں نیک کاموں میں مال خرچ کرنے کا حکم اور ترغیب دی جا رہی ہے کہ جو نیکی اور عمل خیر کرنا ہے سو اس زندگی میں کر لو۔ آخرت میں کوئی چیز اعمالِ خیر کا بدل نہ ہو سکے گی کیونکہ دُنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء۔

اس آیت سے دو (۲) امور اور بھی واضح ہوئے:-

ایک تو یہ کہ ہر شخص کی موت اس کے لئے ابتدائے قیامت ہے کیونکہ حکم دیا گیا کہ قیامت آنے سے قبل راہِ خدا میں خرچ کرلو اور ظاہر ہے کہ یہ موقعہ موت ہی آنے تک حاصل ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص کی موت اس کے لئے ابتدائے قیامت ہے۔ اگرچہ قیامتِ کبریٰ کا ایک دن مقرر ہے۔

دوسرے یہ کہ کافر ہی حقیقی ظالم ہیں جن کے عدم نجات کی صراحت ہے۔ اگرچہ گناہگار مسلمان بھی اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور اس اعتبار سے وہ بھی ظالم ہے لیکن کامل ظلم کے مرتکب کفار ہی ہیں کیونکہ سب سے بڑا گناہ اور ظلم شرک ہے۔ اِس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور توحید جو آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے اس کا انکار کیا جائے۔ اسی لئے اگلی آیت میں جو آیت الکرسی کے نام سے مشہور ہے اُس میں اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت۔ قدرت اور عظمت کو ظاہر فرماتے ہیں جس کا بیان انشاءاللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

یا اللہ آپ نے ہم کو یہ زندگی کی جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کی ہم کو قدردانی بھی نصیب فرمائیں اور اس کا لمحہ لمحہ اپنی مرضیات میں گذار کر اس جہاں سے کوچ کر نا نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! جو کچھ آپ نے ہم کو اس دنیا میں عطا فرمایا ہے اس میں سے دِل کھول کر آپ کی رضا میں خرچ کرنے کی توفیق ہم کو نصیب ہو۔ اور یا اللہ جو کچھ آپ کی توفیق سے آپ کے رستہ میں خرچ ہو جائے اس کو اپنی رحمت سے قبول فرما کر باعث اجر و ثواب آخرت بنائیں۔

یا اللہ! دنیا میں ہم کو اپنے مقبولین اور اولیاء کاملین سے محبت اور دوستی عطا فرما تاکہ اُن کی یہ محبت اور دوستی آخرت میں ہمارے کام آئے۔

یا اللہ! ہم کو ہر طرح کے ظلم سے بچائیے اور جو کوتاہیاں کر کے ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اس کو دُنیا ہی میں معاف فرما کر ہمارے اعمالنامہ میں سے دھو دیجئے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۳۶

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں زندہ ہے سنبھالنے والا ہے ۔ نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے

وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

اور نہ نیند اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ

ایسا کون ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے ۔ وہ جانتا ہے

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ

اُن موجودات کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ موجودات اسکے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے

بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ

احاطۂ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر وہی چاہے ۔ اس کی کرسی نے سب آسمانوں

وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۲۵۵

اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گذرتی اور وہ عالیشان عظیم الشان ہے

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت کے خاتمہ پر وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ کو ظالم بتلایا گیا تھا کیونکہ کفر و شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور کافر و مشرک ہی خدا تعالیٰ [illegible] والے ۔ اللہ کے مقرر کئے ہوئے اصول و عقائد اور آئین حیات کو نہ ماننے والے ہی اصل ظالم ہیں اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت کا انکار کیا جائے یا اس کے شریک ساجھی بنائے جائیں حالانکہ حق تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت آفتاب سے زیادہ روشن ہے ۔ چنانچہ یہ آیت مبارکہ جس کا لقب **آیۃ الکرسی** اور جس کو حدیث میں اعظم آیت کتاب اللہ فرمایا ہے اس میں حق تعالیٰ اپنی توحید ذاتی و کمالات صفاتی اور اپنی عظمت شان اور تقدس و جلال ذکر فرماتے ہیں اور اپنی توحید پر متعدد عقلی دلائل بیان فرماتے ہیں ۔

قبل اس کے کہ آیت مبارکہ کی تشریح و تفسیر بیان کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت عظیمہ کی فضیلت و عظمت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ارشاد فرمائی ہیں ان کو بیان کر دیا جائے ۔

Marfat.com

۱ :- مُسلم شریف کی حضرت اُبَیّ بن کعبؓ سے روایت ہے۔ صحابہ کرام میں حضرت اُبَیّ بن کعب قرآن مجید کے بڑے حافظ اور عالم تھے اَبَا الْمُنْذِر ان کی کُنیت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَبِیْ مُنْذِرْ کیا تم کو معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی کون سی آیتِ اعظم تمہارے ساتھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ اُبَیّ جانتے ہو کہ قرآن پاک کی کون سی آیت اعظم یعنی سب سے بزرگ آیت تمہارے ساتھ ہے۔ میں نے عرض کیا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنی پوری آیۃ الکرسی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر میرا سینہ تھپکا اور فرمایا کہ تم کو علم مبارک ہو اے اَبَا الْمُنْذِرْ۔

۲ :- ایک دوسری روایت میں حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکڑی کے اس منبر پر یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو اس کو موت کے سوا کوئی چیز جنت میں جانے سے نہیں روکتی اور جو شخص آیت الکرسی کو سوتے وقت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اور اسکے پڑوسی کے اور جتنے مکانات اس مکان کے گرد ہوں سب کو امن میں رکھتا ہے (مشکوٰۃ - بیہقی)

۳ :- ایک روایت میں حضرت ابو ہُریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیاتِ قرآن کی سردار ہے۔ وہ آیت الکرسی ہے۔ جس گھر میں پڑھی جاتی ہے شیطان اُس سے نکل جاتا ہے۔

۴ :- حضرت عمر فاروقؓ کے اس سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کون سی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا مجھے خوب معلوم ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ وہ آیت الکرسی ہے۔

الغرض اس آیت مبارکہ کی فضیلت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ یہ ہر مسلمان اور ہر نمازی کو خصوصاً حفظ یاد ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اِس آیتِ عظیمہ کے وِرد کی شب و روز ہم کو توفیق عطا فرمائیں اور اس کی برکاتِ عظیمہ نصیب فرمائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں آسکتی سنبھالنے والا ہے تمام عالم کا۔ نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے اور نہ نیند دبا سکتی ہے۔ اُسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ بھی آسمانوں میں موجودات ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ ایسا کون ہے جو اُس کے پاس کسی کی سفارش کر سکے بدون اُس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے ان موجودات کے تمام حاضر اور غائب حالات کو اور وہ موجودات

Marfat.com

اُس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لاسکتے مگر جس قدر علم دینا وہی چاہے۔ اُس کی کُرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں آسمان اور زمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں گذرتی اور وہ عالیشان عظیم الشان ہے :"۔

اس آیت مبارکہ میں دس جملہ ہیں۔ اس آیت کی اہمیت وفضیلت کے مدِنظر ہر ہر جملہ کی تشریح وتفسیر علیحدہ علیحدہ بیان کی جاتی ہے :۔

۱:۔ پہلا جملہ ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج ۔ یہ جملہ وہی مطلب اور معنی رکھتا ہے جو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مطلب ومعانی ہیں یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اِس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو عبادت اور بندگی کے لائق ہو بس اللہ تعالیٰ ہی کی ایک اکیلی ایسی ہستی ہے جو بندگی وعبادت کے قابل ہے کیونکہ وہی ہمارا اور سب کا خالق ومالک ہے ۔ وہی پالنے والا اور روزی دینے والا ہے ۔ وہی مارنے والا اور جلانے والا ہے ۔ بیماری اور تندرستی امیری اور غریبی اور ہر طرح کا بناؤ بگاڑ نفع اور نقصان صرف اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اُس کے سوا زمین وآسمان میں جو ہستیاں ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا فرشتے سب اُس کے بندے اور اُس کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اُس کی خدائی میں کوئی اُس کا شریک وساجھی نہیں ہے اور نہ اُس کے حکموں میں اُلٹ پلٹ کا کسی کو اختیار ہے اور نہ اُس کے کاموں میں کسی کو دخل دینے کی مجال ہے ۔ لہٰذا بس وہی اور صرف وہی اِس لائق ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے اور اُسی سے لَو لگائی جائے اور مشکلوں اور مصیبتوں اور اپنی ہر حاجتوں میں اُسی سے التجا اور دعا کی جائے اور جب وہی حقیقی الملک الملک اور احکم الحاکمین ہے تو ضروری ہے کہ اُس کے ہر حکم کو مانا جائے اور پوری وفاداری کے ساتھ اُس کے حکموں پر چلا جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا کوئی حکم ہرگز نہ مانا جائے۔ الغرض جب ہم نے جان لیا اور مان لیا کہ بس اللہ ہی ایک عبادت وبندگی کے لائق ہے اور ہم صرف اُسی کے بندے ہیں تو چاہیئے کہ ہمارا عمل بھی اسی کے مطابق ہو اور لوگ ہمیں دیکھ کر سمجھ لیا کریں کہ یہ صرف اللہ کے بندے ہیں جو اللہ کے حکموں پر چلتے ہیں اور اللہ ہی کے لئے جیتے اور مرتے ہیں۔

۲:۔ دوسرا جملہ ہے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج ۔ لفظ حَیٌّ کے معنیٰ عربی زبان میں "زندہ" کے ہیں

Marfat.com

اسمائے الٰہیہ سے یہ لفظ لاکر یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ غیر فانی اور باقی رہنے والا ہے۔ موت سے بالاتر ہے کہ اُس کو موت کبھی نہیں آسکتی یعنی زندگی کی صفت اس کی ذاتی صفت ہے۔ نہ کبھی موت اُس پر پہلے طاری ہوئی اور نہ آیندہ کبھی ہوگی۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ لفظ قَیُّوْم کے معنیٰ ہیں تھامنے والا سنبھالنے والا یعنی ایسی ہستی جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے قیام اور بقا کا سبب بھی ہے اور تمام کائنات کے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے قَیُّوْم حق تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ جس میں کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔ اس لئے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں۔ جن کا نام عبدالقیوم ہو اُن کو پورا نام لے کر بلانا اور پکارنا چاہیئے محض قیوم کہہ کر پکارنا جائز نہیں۔ اور اس طرح کہنے والا گنہ گار ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ صفاتی میں حَیُّ وقَیُّوْم کا مجموعہ بہت سے اکابر سلف صالحین کے نزدیک اسم اعظم ہے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں میں نے ایک وقت یہ چاہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ پہنچا اور دیکھا کہ آپ سجدہ میں ہیں اور بار بار یَا حَیُّ یَا قَیُّوْم۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْم کہہ رہے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب باذن خداوندی مردہ کو زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو یَا حَیُّ یَا قَیُّوْم پڑھ کر دعا کرتے اور مردہ سے کہتے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ مردہ اسی وقت زندہ ہو جاتا۔

۳ :۔ تیسرا جملہ ہے لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ط نہ اُس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند یعنی اللہ جل شانہٗ اونگھ اور نیند سب سے بری و بالا ہے۔ اونگھ اور نیند سے حیات میں نقصان آتا ہے اس لئے کہ نیند موت کی بہن ہے اور خدا تعالیٰ موت کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ اس جملہ سے حق تعالیٰ کا تغیرات اور حوادث سے پاک اور بری ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ وہ ایسا حَیّ وقیوم ہے کہ سہو۔ نسیان غفلت سستی۔ تکان وتعب وغیرہ سے پاک اور منزہ ہے۔

۴ :۔ چوتھا جملہ ہے۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط یعنی آسمانوں اور زمین اور ان کی تمام کائنات کا وہی موجد ہے سب اُسی کے تابع اور مملوک ہیں اور اسی کے غلبۂ قدرت کے زیر حکومت ہیں۔ وہ مالک و مختار ہے۔ جس طرح چاہے ان میں تصرف فرمائے۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی صفت مالکیت کو ثابت کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک حقیقی وہی ہے۔

۵ :۔ پانچواں جملہ ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط یعنی ایسا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سفارش کر سکے بدون اسکی اجازت کے۔ یعنی وہ مختار کل ہے مالک الملک ہے

قہار مطلق اور واحد قدوس ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُس کے سامنے اُسکی اجازت کے بغیر گنہ گاروں یا مجرموں کی نجات کے لئے سفارش کر سکے۔ اگر انبیاء و اولیاء اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے کسی کی سفارش اور شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ایسا کریں گے ورنہ بغیر اجازت کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوگی۔ پس اس جملہ سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور جلال و کبریائی کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اسکی بارگاہِ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اسکی اجازت کے لب کشائی کر سکے۔

۶:- چھٹا جملہ یہ ہے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان موجودات کے تمام حاضر و غائب۔ گذشتہ اور آئندہ۔ آگے اور پیچھے کے حالات و واقعات یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماضی۔ حال۔ اور استقبال سب برابر ہیں۔ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔ خواہ ہزاروں سال پہلے کبھی واقعات ہوئے ہوں یا موجودہ زمانہ میں ہوں یا آئندہ کبھی ہوں۔ اس کا علم قدیم کامل طور پر تمام کائنات کا دنیا اور آخرت میں احاطہ کرنے والا ہے۔ اُس پر کسی عالم کا کوئی ذرہ مخفی نہیں۔ گویا اِس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط کو بیان فرمایا گیا ہے کہ اُس کا علم مخلوقات کے تمام احوال کو محیط ہے۔

۷:- ساتواں جملہ ہے وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج انسان اور تمام مخلوقات اللہ کے علم کے کسی حصّہ کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر اللہ تعالیٰ ہی خود جس کو جتنا علم عطا کرنا چاہیں صرف اتنا ہی اس کو علم ہو سکتا ہے۔ گویا اس جملہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تمام کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا علم محیط صرف اللہ جل شانہٗ کی خصوصی صفت ہے۔ کوئی دوسری مخلوق اس میں شریک نہیں اور جس طرح مخلوقات کا وجود عطیۂ خداوندی ہے اسی طرح مخلوقات کا علم بھی عطیۂ خداوندی ہے۔ بندے صرف اتنی مقدار جان سکتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ چاہے بعض مفسرین نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم بندوں کو اور دیگر مخلوقات کو اتنا ہی ہے جتنا کہ خود اللہ تعالیٰ نے رسولوں اور فرشتوں کے ذریعہ سے عطا فرما دیا، اس سے زیادہ اسکی ذات مقدس اور صفاتِ کاملہ کا کسی کو علم نہیں۔

۸:- آٹھواں جملہ ہے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج اُس کی کرسی اتنی بڑی ہے کہ اُس نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔

کرسی کی تفسیر اور معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کرسی سے مراد علم ہے یعنی اس کا علم تمام آسمانوں اور زمینوں کا انتظام درست رکھے ہوئے ہے۔ بعض مفسرین نے کرسی کے معنی قدرت و عظمت بیان کئے ہیں یعنی اسکی قدرتِ کاملہ اور عظمتِ باہرہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا انتظام درست رکھے ہوئے ہے۔ بعض نے ظاہری معنی مراد لئے ہیں اور لکھا ہے کہ کرسی ایک جسم ہے عرش سے چھوٹا اور آسمان سے بڑا۔ ایک روایت میں حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ آنہوں نے رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کی نسبت پوچھا۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر ساتوں آسمان اور زمین کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ یعنی چھلا ایک بڑے میدان میں پڑا ہو اور عرش اس کرسی سے اتنا بڑا ہے جیسے وہ میدان اس چھلے سے بڑا ہے۔ علمائے محققین نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نشست و برخاست سے پاک ہے اس لئے کرسی اور تخت پر بیٹھنے سے منزّہ اور بالاتر ہے۔ یہ الفاظ بطور استعارات اس کی ذاتِ مقدسہ کے لئے قرآنِ کریم میں استعمال ہوئے ہیں ان پر بلا تفتیش کیفیت اور بغیر حقیقت جانے ہوئے ہی ایمان رکھنا ضروری ہے۔ گویا اس جملہ میں یہ بتلایا گیا کہ حق تعالیٰ کی حاکمیت و مالکیت آسمانوں اور زمینوں سے بھی متجاوز ہے جہاں تک انسان کا وہم و خیال بھی نہیں پہنچ سکتا

۹ :- تواں جملہ ہے وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ج اللہ تعالیٰ کو ان دونوں یعنی آسمانوں اور زمین کی حفاظت اور ان کے نظم و نسق کو قائم رکھنا کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہے۔ گویا اس جملہ میں یہ تبلایا گیا کہ حق تعالیٰ کی صفت قدرت اور قیومیت کسی ضعف و نقصان اور کمزوری سے بالکل پاک و منزّہ ہے۔

۱۰ :- دسواں اور آخری جملہ ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ اور وہ عالیشان ہے عظیم الشان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز سے عالی مرتبہ اور رفیع الشان ہے۔ یا یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت۔ حکومت اور علیہ کے لحاظ سے بہت رفیع الشان ہے یا ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کوئی کتنا ہی بیان کرے لیکن حقیقتاً اوصاف کی تہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ وہ مخلوق کی رسائی فکر سے برتر و بالا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت مبارکہ کے ان دس جملوں میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے کمالات بیان ہوئے ہیں جن کو جاننے اور سمجھنے کے بعد ہر عقل رکھنے والا انسان یہی کہنے پر مجبور ہے کہ ہر عزت و عظمت اور ہر بلندی و برتری کی مالک و سزاوار اللہ تعالیٰ ہی کی پاک ذات ہے۔ اب جبکہ صفاتِ الٰہیہ کا بیان اس طرح ذکر فرما دیا گیا کہ توحید خداوندی کے قبول کرنے پر ہر عاقل مجبور ہے اور حق و باطل اور نور و ظلمت کا فرق واضح کر دیا گیا تو اب حجت پوری ہو چکی اور قبول حق میں کوئی تامل و گنجائش باقی نہ رہی اس لئے کسی پر جبر و زبردستی نہیں جو چاہے دین حق کو قبول کرے جو چاہے نہ مانے۔ اسی کو اگلی آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے :- حق تعالیٰ ہم کو توحید کی حقیقت نصیب فرمائیں اور اپنی ذات و صفات کی صحیح معرفت عطا فرمائیں یا اللہ ہم کو اس آیتِ عظیمہ کے ورد کی دائمی توفیق مرحمت فرما اور اسکے پورے پورے برکات دنیا و آخرت میں نصیب فرما۔ یا اللہ اپنی صفاتِ کاملہ کا وہ استحضار اور عظمت ہم کو نصیب فرما کہ جو ہم کو آپ کی پوری اطاعتِ کاملہ نصیب ہو اور ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے بچنا نصیب ہو۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۳۷

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ

دین میں زبردستی نہیں ۔ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے ۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

سو جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو تو اُس نے

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں اور خوب جاننے والے ہیں ۔

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت جو آیت الکرسی کے نام سے مشہور ہے ۔ اُس میں حق تعالیٰ کی وحدانیت قدرت اور علم و عظمت کو کچھ اس شان کے ساتھ بیان فرمایا گیا کہ ہر ذی عقل توحید خداوندی کے ماننے پر مجبور ہے ۔ اس طرح حق تعالیٰ کی توحید کو ماننا اور اسکی اطاعت کرنا اور جملہ احکام خداوندی کو قبول کرنا ہر انسان کے لیے ضروری و لازمی ہوا ۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ اگر کفار کو ایمان کے لیے مجبور کرتے تو وہ ایسا بھی کر سکتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ کو اُن پر پوری قدرت ہے اور ایسا کرنا حق بھی تھا کیونکہ حق تعالیٰ سب کے خالق و رازق و مالک ہیں اور مالک کو اپنے ملک میں تصرف کا حق ہے ۔ مگر چونکہ یہ جبر حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا اور ایسا کرنے سے مصلحت ابتلاء و آزمائش فوت ہو جاتی اس لیے کفار کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا گیا ۔ بلکہ صاف اعلان فرما دیا گیا کہ دین حق کے قبولیت میں کوئی جبر نہیں ۔ بلکہ ہر ایک کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار کو ایمان لانے کے کام میں لا کر توحید و رسالت کو قبول کرے یا اپنے اختیار کو کفر و شرک کے لئے استعمال کرے کیونکہ ہدایت گمراہی سے بالکل ممتاز ہو کر ظاہر کر دی گئی ہے اور اس لیے کسی جبر کی ضرورت نہیں ۔ اگر کوئی اپنے اختیار سے گمراہی اختیار کرے گا تو خود اپنے کو برباد کرے گا ۔ اور جب وہ خود دیدہ و دانستہ اپنے کو تباہی میں ڈال رہا ہے تو کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ اسے مجبور کرے کہ تو ایسا نہ کر ۔

اس آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ کے شانِ نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تو نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود کے سپرد کر دیں گے کیونکہ اسلام سے پہلے مدینہ میں یہود اہل کتاب سمجھے جاتے تھے اور بت پرست مشرکین اُن کے مذہب کو بہتر سمجھتے تھے ۔ اس طرح ان کے بہت سے بچے

Marfat.com

یہودیوں کے پاس تھے۔ جب مدینہ میں اسلام آیا اور یہ لوگ مسلمان ہو کر انصار مدینہ بنے تو بعض انصار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم نے اپنی اولاد کو یہودی مذہب پر پہلے اس واسطے کر دیا تھا کہ یہودی مذہب ہمارے مذہب سے بہتر تھا۔ ہم بت پرست تھے وہ اہل کتاب تھے اب جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو دین اسلام عطا فرما دیا تو اب ہم اپنی اولاد کو مسلمان ہونے پر مجبور کریں گے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی مسلمان بنانے میں نہ کرو۔

ایک دوسری روایت آیت کے شانِ نزول میں یہ بھی ہے کہ ایک انصاری تھے جو خود تو مسلمان ہو گئے تھے۔ اُن کے دو لڑکے عیسائی تھے۔ انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنا لوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریہ مسلمان کرنے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

"دین اسلام کے قبول کرنے میں زبردستی کا فی نفسہٖ کوئی موقع نہیں کیونکہ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ یعنی اسلام کی خوبی دلائل قطعیہ سے فی نفسہٖ واضح ہے اور جبر و اکراہ اس امر میں ہوتا ہے جس کی خوبی واضح نہ ہو اور اسی بنا پر ضرورت اکراہ کی ہوتی ہے۔ جب اسلام ایسی چیز ہے کہ جس کی خوبی یقیناً ثابت ہے تو پھر جبر و زبردستی کی کیا ضرورت ہے۔ سو جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو یعنی اسلام قبول کرلے تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں اقوالِ ظاہری کے اور خوب جاننے والے ہیں احوال باطنی کے سو اگر کوئی صرف زبان سے اسلام لے آوے گا اور دل میں کفر رکھے گا تو یہ اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا۔ اس لئے جو اسلام قبول کرے صدق دل سے قبول کرے۔"

یہاں آیت میں اسلام کو مضبوطی سے پکڑنے والے کی مثال اور تشبیہ ایسے شخص سے دی گئی ہے جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے اور ہلاک ہونے سے مامون رہتا ہے۔ اسی طرح اسلام کو مضبوط پکڑنے والا ہلاکت و خسران آخرت سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے سے خطرہ نہیں اسی طرح اسلام میں کسی قسم کی ہلاکت و خسران نہیں ہے۔ ہاں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو پھر ہر وقت ہی گرنے کا خطرہ ہے یعنی اسلام ہی کو چھوڑ دے تو پھر ہلاکت اور خسران ہی ہے۔

الغرض اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ اسلام ہر شخص کو دین مذہب کے بارہ میں اختیار

Marfat.com

عطا کرتا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ ہاں اپنے ماننے والے اور مُتَّبِعِین پر تبلیغ دین کو ضرور واجب قرار دیتا ہے لیکن اس امر کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ کسی کو زبردستی جبر و اِکراہ کے ساتھ اسلام میں داخل کیا جائے۔ اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تاریخ اسلام اس حقیقت پر گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنے ہمسایہ بلکہ محکوم رعایا اور غلام کو بھی اسلام زبردستی قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک غلام نصرانی تھا۔ آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا۔ آپ کہہ دیتے خیر تیری مرضی۔ اسلام جبر سے روکتا ہے۔ مگر ایک بات یہاں یہ بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اسلام میں جبر و اکراہ نہ ہونے سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ ایک شخص جو برضا و رغبت اسلام قبول کرلے وہ اسلام کو قبول کرنے کے بعد آزاد ہے کہ اسلام کا جو حکم چاہے مانے اور جس حکم کو چاہے نہ مانے۔ جب ایک بار اپنے اختیار اور رضا و رغبت سے اسلام کو قبول کر لیا تو اب اسلام کے تمام حکموں کو ماننا ہوگا۔ اب آزادی اور اختیار کا سوال باقی نہیں رہتا۔ آزادی صرف دین کے قبول کرنے یا قبول نہ کرنے تک تھی۔ لیکن قبول کرنے کے بعد عمل میں آزادی نہیں۔ دیکھئے سرکاری ملازمت ہر ایک پر قبول کرنا اگرچہ ضروری اور لازمی نہیں لیکن جب ملازمت قبول کر لی تو پھر جملہ قوانین ملازمت کی پابندی لازمی اور ضروری ہو جاتی ہے۔ ورنہ مجرم ہوگا اور سزا کے قابل سمجھا جائے گا۔ اسی طرح قبول دین میں زبردستی نہیں لیکن جب کوئی اسلام تسلیم کر چکا تو اب اُس کو احکام کی تعمیل میں آزاد نہیں رکھا جائے گا بلکہ جس پابندی کو باختیار خود اس نے اپنے اوپر لاگو کیا ہے اس کی ادائیگی اور پابندی کا اُس سے مطالبہ کیا جائے گا۔ اور یہ جبر قبیح نہیں بلکہ نہایت مُستَحسَن اور الضباطِ نظم کی دلیل ہے۔

اِس آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کو دیکھتے ہوئے بعض کم فہم غیر مسلم اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں حالانکہ اسلام میں جہاد و قتال کی تعلیم ہے۔ تو اگر ذرا سمجھ اور فہم سے کام لیا جائے اور اسلامی احکام میں غور کیا جائے تو یہ اعتراض نہایت لغو ثابت ہو اس لئے کہ اسلام میں جہاد اور جنگ و قتال کی تعلیم لوگوں کو قبول ایمان پر مجبور کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ جنگ و جہاد کی اجازت ظلم و تشدد اور فساد کے انسداد کے لئے دی گئی ہے کیونکہ کفار و مشرکین بھی ظلم و جبر کے ذریعہ اپنا اعتقاد زبردستی دوسروں کے سر تھوپنا چاہتے ہیں قرآن نے اسی زبردستی کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیا تھا۔ پھر جس بات کے خلاف اس نے جنگ کا حکم دیا ہے وہ خود اسی کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے۔ جہاد کے ساتھ جزیہ کی مشروعیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے غیر مسلم کے لئے راستہ تنگ نہیں کیا اور اس کو قبولِ اسلام پر مجبور نہیں کیا بلکہ اس کو آزادی سے اس کا موقع دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بغیر اسلام قبول کئے اپنی جان و مال اور

Marfat.com

اپنا مذہب جزیہ دے کر محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جہاد کی نوبت اور تلوار اٹھانے کا موقع تو شریعت اسلامیہ میں تیسرے نمبر پر آتا ہے۔ اوّل آزادی سے اسلام کے سمجھنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس کے بعد اسلام کے غلبہ کو تسلیم کرانا ہوگا کہ یہی حقیقت ہے جزیہ کی۔ ان دونوں پیش کشوں کو ٹھکرانے کے بعد نتیجۃً تلوار پیش کی جائے گی جس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ پس مخالفین اور غیر مسلمین کا یہ اعتراض کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا بالکل بے حقیقت اور اصولِ اسلام کے خلاف ہے۔

الغرض اس آیت میں بتلایا گیا کہ دین میں جبر و اکراہ نہیں کہ زبردستی اسلام قبول کرایا جائے کیونکہ حق و باطل اور ہدایت و گمراہی میں واضح امتیاز کر دیا گیا ہے۔ اب آگے ہدایت اور گمراہی کے نتیجہ کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ کافر جو گمراہی کو اختیار کرنے والا ہے۔ اس کی مذمت فرمائی گئی ہے اور مومن جو ہدایت کا قبول کرنے والا ہے اس کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:۔

حق تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اسلام اور ایمان سے نوازا اور کفر و شرک کی گمراہیوں سے بچایا۔ یا اللہ! ہمیں اسلام کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے کی توفیق عطا فرما اور اسلام و ایمان کی برکت سے دونوں جہان میں خسران و ناکامی سے بچنا نصیب فرما۔ یا اللہ! ہمارے دلوں میں اپنے احکام کی عظمت عطا فرما اور اس دین اسلام کو جب ہم نے خوشی سے قبول کیا ہے تو اس کے احکام پر خوشی سے عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۳۸

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

اللہ تعالیٰ ساتھی ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے۔ اُن کو تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف

النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ

لاتا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے ساتھی شیاطین ہیں۔ وہ اُن کو نور سے نکال کر

مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

یا بچا کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ یہ لوگ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع

اُس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیت میں یہ ذکر ہوا تھا کہ اسلام میں جبراً کسی کو ایمان قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا۔ نیز اسلام کی راہ اس قدر واضح ہو چکی ہے کہ کفر کی راہ سے اس کا امتیاز بالکل آسان ہے۔ ادنیٰ تامل سے اسلام کی خوبیاں اور کفر کی برائیاں سمجھ میں آسکتی ہیں۔ اور ایک صاحبِ فہم عقل و دانش اسلام کی خوبیاں دیکھ کر اور جان کر رضا و رغبت سے اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اس لئے جبر و اکراہ کی ضرورت ہی نہیں۔ اس طرح اسلام کے حق ہونے اور کفر کے باطل ہونے کا بیان گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا۔ اب اس آیت میں خود صاحبِ ایمان کی خوبی اور [illegible] تذکرہ ہے۔ اور ہدایت و گمراہی اختیار کرنے کے نتیجہ کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ آیت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ اُن کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور اسلام کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نور اسلام سے نکال کر یا بچا کر کفر کی تاریکیوں کی طرف لیجاتے ہیں۔ ایسے لوگ جو اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں دوزخ میں رہنے والے ہیں اور یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔"

یعنی جو لوگ حق کے طالب ہوں اللہ کی طرف انابت کریں اور توحید و رسالت پر ایمان لے آئیں اللہ تعالیٰ اُن کی دستگیری فرماتا ہے۔ اُن کی مدد کرتا ہے اور انہیں کفر و شرک اور شکوک و شبہات کی اُلجھنوں سے نکال کر اُن کے دلوں کو نور ایمان سے منور اور دولت یقین سے مالا مال کر دیتا ہے لیکن

Marfat.com

جو لوگ ضد و عناد کی وجہ سے کفر پر رہنا چاہتے ہیں اور اپنے اختیار سے کفر کا راستا اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر شیطانوں کو مسلط کر دیتا ہے جو اُن کے دِلوں میں طرح طرح کے شک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کے دِل کفر و شرک اور شکوک و شبہات کی ظلمات سے بالکل ڈھک جاتے ہیں اور ان سے فطری نور چھین لیا جاتا ہے اور ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ نتیجہ جس کا یہ ہوتا ہے کہ جنہوں نے عناداً اور اختیاراً کفر قبول کیا وہ جہنمی بنے اور جہنم ان کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگا جس سے انکا کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا

الغرض یہاں اس آیت میں واضح الفاظ میں یہ بتلایا گیا کہ ایمان ایسی عمدہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ سے محبت فرماتے ہیں اُس کے رفیق۔ کارساز۔ ساتھی اور مددگار ہو جاتے ہیں اور جہالت و ضلالت کی اندھیری سے نکال کر نُورِ حق کی روشنی میں لا کھڑا کرتے ہیں اور جو حق تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے تو ایسوں کے محب و مددگار اور ولی شیاطین ہیں جو انہیں نورِ حق سے ہٹا کر ناحق اندھیریوں میں ڈالے رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ کفر و شرک۔ جہالت و ضلالت اور اخلاق رذیلہ کے ظلمات میں گرفتار رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ موت کے بعد جہنم کی صورت میں ظاہر ہوگا اور جس طرح ان اندھیریوں سے ان کو عمر بھر رستگاری نہ ہوئی آخرت میں بھی وہ ہمیشہ جہنم ہی میں پڑے رہیں گے۔ وہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا! العیاذ باللہ

یہاں آیت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ لفظ نور تو صیغۂ واحد میں لائے ہیں اور ظلمات کو جمع کے صیغہ میں اس سے ظاہر ہوا کہ نورِ حق یعنی اسلام اور ایمان کا سچا راستہ ایک ہی ہے۔ اور کفر و شرک کی بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب باطل اور ناحق ہیں اور ان سب کے لئے اصحاب النار یعنی جہنمی ہونا فرمایا گیا اور ساتھ ہی هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ بھی تبلایا گیا یعنی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کبھی وہاں سے نکلنے کے قابل نہ ہوں گے۔

اب یہاں جو دو قانون بیان فرمائے گئے۔ ایک ایمان والوں سے متعلق اور دوسرا کفار و مشرکین سے متعلق تو اسی مضمون کی تائید اور ثبوت میں آگے تین قصے بیان فرمائے گئے ہیں کہ ضدی اور معاند آدمی کو وضوحِ حق کے باوجود قبولِ حق کی توفیق نہیں ہوتی جیسا کہ نمرود کا قصہ ہوا جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بادشاہِ وقت تھا۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف انابت کرتے ہیں حق و صداقت پر یقین رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کس طرح اُنکی دستگیری فرماتے ہیں اور ان کے اطمینانِ قلبی کا سامان مہیا فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت عُزیر علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات ہوئے۔ اگلی آیات میں پہلا قصہ نمرود کا ذکر فرمایا گیا ہے جو اپنے زمانہ کا بڑا ظالم۔ جابر اور سرکش بادشاہ تھا اور جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ ہوا تھا۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔ دُعا کیجئے:۔ حق تبارک تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو نورِ حق اور نورِ ایمان و اسلام سے نوازا ہے تو تا زیست ہم کو اس پر قائم رکھیں اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ یا اللہ! آپ ہمارے رفیق۔ ولی اور کارساز ہو جائیے اور شیاطین کی رفاقت سے ہم کو دُور رکھیے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۳۹

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ

کیا تجھ کو اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے بارہ میں اس وجہ سے

الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ

کہ خدا تعالیٰ نے اسکو سلطنت دی تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا اور مارتا ہے۔ کہنے لگا

اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ

کہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آفتاب کو

بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ

مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال دے اس پر متحیر

الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾

رہ گیا وہ کافر۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے بیجا راہ پر چلنے والوں کو ہدایت نہیں فرماتے۔

تفسیر و تشریح:۔ گذشتہ آیت میں اہلِ ایمان اور اہلِ کفر اور ان کے نورِ ہدایت اور ظلمتِ کفر کا بیان تھا اور بتلایا گیا تھا کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ اپنی نصرت و حمایت عطا فرماتا ہے اور اس کی توفیق سے ان کو نورِ ہدایت حاصل ہوتا ہے اور کافروں کو جہالت و ضلالت کی تاریکی میں شیاطین ڈالے رکھتے ہیں اور راہِ حق سے گمراہ کرتے ہیں۔ آگے اسی مضمون کی تائید اور ثبوت میں تین قصے ذکر فرمائے جاتے ہیں۔ پہلا قصہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس وقت کے متکبر اور دہریہ بادشاہ نمرود کا ذکر کیا گیا ہے کہ جس کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت واضح اور ٹھوس دلائل سے خدا کی توحید بیان کی مگر اس کے باوجود نمرود نے قبول نہ کیا کیونکہ وہ ضد و عناد کی وجہ سے ضلالت و گمراہی میں گرفتار رہا۔

اس آیت زیرِ تفسیر کی تشریح معلوم کرنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رلا ملا کر تین قسم کے مضمون کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے:۔

ایک علم توحید و صفات باری تعالیٰ۔ دوم علم احکام۔ اور سوم علم قصص و حکایات۔ علم قصص و حکایات سے بھی توحید و صفات کی تقریر و تائید مقصود ہوتی ہے یا علم احکام کی تاکید ضرورت

Marfat.com

قرآن کریم میں بڑی خوبی سے ہر ایک قصہ یا واقعہ کو ایسے موقع پر لا کر بیان کیا جاتا ہے کہ جس سے توحید و صفات باری تعالیٰ کا ثبوت ہوتا ہے یا احکام پر ترغیب و ترہیب ہوتی ہے۔ اور یہ بیان کا نہایت عمدہ اور مؤثر طریقہ ہے تاکہ سننے والے کی طبیعت نہ اکتا جائے اور جب ایک بیان سے دوسرے بیان کی جانب توجہ ہوتی ہے تو گویا سننے والا ایک چمن کی سیر کر کے دوسرے چمن کی سیر کرتا ہے جس سے دل پر فرحت اور مضمون سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

جمہور مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں اس آیت میں جس بادشاہ صاحب ملک و سلطنت کا ذکر ہے اس سے مراد نمرود ہے کہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے توحید خداوندی کے بارہ میں جھگڑا اور مباحثہ کیا تھا۔ اور جو اس زمانہ کا بڑا جابر و ظالم سرکش بادشاہ تھا اور نشہ اقتدار سے مغرور ہو کر خدائی کا دعویٰ کرنے لگا تھا۔ اور لوگوں سے اپنے کو سجدہ کراتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب نمرود کو توحید کی دعوت دی اور اس کے سامنے آئے تو اسے سجدہ نہ کیا۔ نمرود نے دریافت کیا کہ اور لوگوں کی طرح تم نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔ نمرود نے کہا کہ رب تو میں ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں حاکم کو رب نہیں کہتا۔ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایسی دو صفات کا ذکر کیا جو بالکل واضح تھیں اور جن کا روزمرہ کی زندگی میں نمرود بھی مشاہدہ کرتا تھا یعنی موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے زندگی ختم کر کے موت دے دیتا ہے اس پر ضدی ملعون نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کو غلط مفہوم میں لیا اور کہا کہ میں جس کو چاہوں مارتا ہوں اور جس کو چاہوں زندہ رہنے دیتا ہوں اور اس کے ثبوت میں اس نے جیل خانہ سے دو قیدی منگوائے۔ بے قصور کو مار ڈالا اور قصوروار کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ دیکھو میں نے جس کو چاہا مار دیا اور جس کو چاہا زندہ رہنے دیا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ نمرود ضد اور ڈھٹائی پر تلا ہوا ہے اس لئے آپ نے فوراً ایک ایسی دلیل پیش کر دی جس کے سامنے نمرود بالکل بے بس ہو گیا اور اس کی ڈھٹائی کی بھی پیش نہ چل سکی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید خداوندی کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کر دی کہ اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے روز نکالتا ہے تو اگر خدائی کا دعویدار ہے تو مغرب کی طرف سے سورج کو نکال لا۔ اس پر وہ نمرود کافر حیرت زدہ رہ گیا اور اس سے اس دلیل کا کوئی جواب بن نہ آیا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ مگر لاجواب ہو کر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کو قبول نہ کیا اور عناد سے کام لیا اور ایمان نہ لایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ہدایت نہیں بخشی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ ان کافروں کو راہِ حق کی ہدایت نہیں بخشتا جو ظلم پر کمربستہ

Marfat.com

ہیں اور محض ضد وعناد سے توحید کی مخالفت کرتے ہیں :۔

اس آیت زیرِ تفسیر میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

"اے مخاطب کیا تجھ کو اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا یعنی نمرود کا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے وجود کے بارہ میں اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ نعمتِ سلطنت پر احسان مانتا اور ایمان لاتا اس نے برعکس انکار وکفر شروع کر دیا اور یہ مباحثہ اس وقت ہوا تھا جب ابراہیم علیہ السلام نے اس کے پوچھنے پر کہ خدا کیسا ہے جواب میں فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کوڑہ مغز جلانے اور مارنے کی حقیقت کو تو سمجھا نہیں۔ کہنے لگا کہ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں چنانچہ جس کو چاہوں قتل کر دوں۔ یہ تو مارنا ہے۔ اور جس کو چاہوں قتل سے معاف کر دوں۔ یہ جلانا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ نمرود بالکل ہی بَجدی عقل کا انسان ہے تو دوسرے جواب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اچھا اللہ تعالیٰ آفتاب کو روز کے روز مشرق سے نکالتا ہے۔ تو ایک ہی دن مغرب سے نکال کر دکھلا دے۔ اس پر وہ کافر متحیر رہ گیا اور کچھ جواب بن نہ آیا۔ اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ طریقِ ہدایت کو قبول کر لیتا مگر وہ اپنی اسی بیجا راہ پر جما رہا اس لئے ہدایت نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ ایسے بے جا راہ پر چلنے والوں کو ہدایت نہیں فرماتے بلکہ عادت یہ ہے کہ اوّل کوئی ارادہ قبولِ حق کا کرے پھر ہدایت کو پیدا کر دیتے ہیں"

الغرض نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو قبول نہ کیا اور اپنے عناد پر قائم رہا۔ پھر نمرود کا جو انجام ہوا وہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ایک حقیر مچھر نے اس کو تڑپا تڑپا کر ہلاکت کو پہنچایا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک مچھر نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا اور ایسے سخت عذاب اور تکلیف میں نمرود رہا کہ اس زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر تھی۔ اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا تھا۔ ہتھوڑوں سے کچلوا تا تھا۔ یونہی تڑپ تڑپ کر ناہنجار نے ہلاکت پائی۔

پس اس واقعہ کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیت کے مضمون کو ثابت فرمایا اس طرح کہ:

۱ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نورِ ہدایت عطا ہوا اور نمرود گمراہی میں پھنسا رہا۔

۲ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے ایسے ظالم وجابر بادشاہ کے مقابلہ میں مدد فرمائی۔

۳ - کفار کے ساتھی شیاطین ہیں جو کفر و شرک کی جہالت و ضلالت کو مزین کر کے انہیں ایمان و توحید سے روکتے ہیں اور نورِ حق سے ہٹا کر ناحق کی اندھیریوں میں جھونک دیتے ہیں۔

الحاصل اس آیت میں طالبان حق کے لئے ایک درسِ عبرت اور ذخیرۂ نصیحت ہے کہ اظہارِ حق میں دلیری اور جراءت اختیار کرنے کی تعلیم ہے اور متکبر ترین بادشاہ کے سامنے بھی اخفائے حق نہ کرنے کا اشارہ ہے خصوصاً علمائے حق اور اصحابِ بصیرت کے لئے کہ اظہار اور تبلیغ حق میں کسی جابر، ظالم پر شکوہ حاکم کا خوف نہ کرنا چاہیئے۔

نیز اس آیت میں دلالت ہے کہ جب ضرورت دینیہ ہو مباحثہ اور مناظرہ کرنا سنتِ انبیاء ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کیا۔

اب دوسرا واقعہ اگلی آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے:-

حق تعالیٰ ہم کو ایمان اور حق پر قائم رکھیں اور ہر حال میں یا اللہ آپ کی توفیق و ہدایت اور نصرت و حمایت ہمارے شاملِ حال ہو۔

یا اللہ ہر طرح کی کجی اور گمراہی سے ہماری حفاظت فرمایئے اور یا اللہ باطل کے مقابلہ کے لئے ہم کو قوت و استطاعت عطا فرمایئے۔

یا اللہ حق کو غلبہ اور شوکت نصیب فرما اور باطل کو مغلوب۔ خاسر۔ ناکام پست و ذلیل فرما۔

یا اللہ ہم کو تبلیغ حق کی قوت و جرأت عطا فرما اور اپنے نورِ ہدایت سے ہمارے قلوب کو مزین و منور فرما۔

اے اللہ! تو اس ملک پاکستان کو ظالم اور جابر حکمرانوں سے نجات عطا فرما۔ اور ہمارے علمائے حق کو صحیح دینِ حق کے تبلیغ کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! تو اس ملک کے عوام کو بھی دینِ حق سے محبت عطا فرما اور بیدینوں سے مقابلہ کے لئے دلیری اور جرأت عطا فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Marfat.com

درس ۱۴۰

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ

یا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھے کہ ایک بستی پر ایسی حالت میں ان کا گذر ہوا کہ اس کے مکانات

قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ

اپنی چھتوں پر گر گئے تھے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو اسکے مرے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کرینگے۔ سو اللہ تعالیٰ نے

مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا

اُن کو سو برس تک مُردہ رکھا پھر ان کو زندہ کر اُٹھایا۔ پوچھا کہ تم کتنی مدت اس حالت میں رہے۔ اُنہوں نے جواب دیا

اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ

کہ ایک دن رہا ہوں گا۔ یا ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم سو برس رہے ہو۔

فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ

تم اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھ لو کہ نہیں سڑی گلی اور اپنے

اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی

گدھے کی طرف نظر کرو اور تاکہ ہم تم کو ایک نظیر لوگوں کے لئے بنا دیں اور ہڈیوں کی

الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا

طرف نظر کرو کہ ہم ان کو کس طرح ترکیب دے دیتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں پھر جب

تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یہ سب کیفیت ان کو واضح ہو گئی تو کہہ اٹھے کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں پہلا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس وقت کے جابر و کافر بادشاہ نمرود کا بیان ہوا تھا جس سے اس مضمون کو ثابت فرمایا گیا تھا جو گذشتہ سے گذشتہ آیت اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ میں فرمایا گیا تھا یعنی جو لوگ حق کے طالب ہوں۔ اللہ کی طرف انابت کریں۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرماتا ہے۔ اُن کی مدد فرماتا ہے اور انہیں شکوک و شبہات کی اُلجھنوں سے نکال کر اُن کے دلوں کو

Marfat.com

نورِ ایمان سے منوّر اور دولتِ یقین سے مالا مال کر دیتا ہے اور جو لوگ ضد و عناد کی وجہ سے کفر پر رہنا چاہتے ہیں اور اپنے اختیار سے کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے ایمان کی توفیق چھین لیتے ہیں اور شیاطین کو ان پر مسلط کر دیتے ہیں جو ان کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں اور اُن کے دِل ظلمت کی سیاہی سے ڈھک جاتے ہیں۔ اسی مضمون کی تائید و ثبات میں پہلا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور کافر بادشاہ نمرود کا گذشتہ آیت میں بیان ہوا تھا۔ اب آگے اس آیت میں دوسرا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف انابت کرتے ہیں حق و صداقت اور اطمینان قلب کے طالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کس طرح اُن کی دستگیری اور مدد فرماتا ہے

اِس آیت زیرِ تفسیر میں جو قصہ ذکر فرمایا گیا ہے وہ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت عُزَیر علیہ السلام کا ہے۔ اور تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قریب چھ سو سال قبل بنی اسرائیل کی مذہبی اور دینی حالت بڑی ابتر ہو گئی تھی۔ وہ طرح طرح کے فسق و فجور اور کفریہ و شرکیہ اعمال میں مبتلا ہو گئے تھے اور پیغمبرِ وقت کے نصیحت کرنے اور سمجھانے پر اللہ کے نبی کو قتل کر ڈالا تھا تو خدا تعالیٰ نے قانونِ قدرت کے موافق شاہ بابل جس کا نام بُخت نَصَر تھا وہ یہود پر مسلط کر دیا گیا۔ بُخت نَصَر نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کی اور یہود کے مشہور شہر یروشلم کو جلا کر برباد کر دیا اور یہود کی عبادتگاہ کو بھی بالکل تباہ کر دیا۔ بنی اسرائیل کی بستیاں برباد کر دیں اور مکانات کو مسمار کر دیا۔ بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے ایک حصّہ کو غلام باندی بنا کر بُخت نَصَر اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک حصّہ کو قتل کر ڈالا اور ایک حصّہ کو وہیں شام میں خانہ بدوشانہ زندگی گذارنے کے لئے چھوڑ دیا۔ جب شہر یروشلم اور یہود کی مقدس عبادتگاہ بالکل ویران ہو گئی تھی تو ایک روز اُدھر سے ایک اسرائیلی نبی کا گذر ہوا۔ راویوں میں اختلاف ہے کہ یہ کون نبی تھے؟ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت عُزَیر علیہ السلام تھے۔ جب آپ کا گذر ویران بستی پر ہوا جس کے تمام مکین مر چکے تھے اور جس کی عمارتیں سب گری ہوئی تھیں تو اس ویرانی اور تباہی کا منظر دیکھ کر بطور حسرت و تعجب یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی والوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا۔

مقصود اس کہنے سے یہ تھا کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کی کیفیت کا وہ مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ بعث بعد الموت یعنی مر کر دوبارہ قیامت میں زندہ ہونے کا یقین نہ تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں کیفیت احیاء کا مشاہدہ کرانے کے لئے اُن پر موت وارد کر دی اور اسی جگہ اُن کی روح کو قبض کر کے ان کو ایک سو برس تک مردہ رکھا اور ان کی سواری کا گدھا بھی وہیں مر گیا۔

Marfat.com

سو سال گذر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا - اس عرصہ میں نہ کسی نے اُن کو وہاں آکر دیکھا - نہ اُن کی خبر ہوئی - اس عرصہ میں بخت نصر بادشاہ بھی مر گیا اور کسی دوسرے بادشاہ نے اس مدت میں شہر یروشلم کو دوبارہ آباد کیا - پھر سو برس کے بعد جب حضرت عُزیر علیہ السلام دوبارہ زندہ کئے گئے تو سو برس پہلے کا اُن کا کھانا اور پانی بغیر کسی تغیر کے اُسی طرح پاس رکھا ہوا تھا - اُن کا گدھا جو مر چکا تھا اس کا گوشت پوست گل سڑ کر خاک ہو گیا تھا - صرف بوسیدہ ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں - جب حضرت عُزیر علیہ السلام زندہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے خود یا بذریعہ فرشتہ کے پُوچھا کہ کتنی مدت اس حالت میں یعنی موت کی حالت میں رہے ہو گے؟ چونکہ حضرت عُزیر علیہ السلام پر موت دن کے شروع حصہ میں طاری ہوئی تھی اور غروب آفتاب کے قریب دوبارہ زندہ کئے گئے تھے تو حضرت عُزیر علیہ السلام سمجھے کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن ہوا اور اگر آج ہی آیا تھا تو دن سے بھی کم رہا - چنانچہ انہوں نے جواب میں یہی عرض کیا کہ ایک دن رہا یا ایک دن سے بھی کچھ کم - اس پر حق تعالیٰ نے بتلایا کہ تم اس حالت موت میں سو سال ٹھیرے ہو - سو سال کی مدت کے بعد ہم نے اپنی قدرت سے تم کو زندہ کیا ہے مگر اس کے باوجود وہ کھانے اور پینے کی چیزیں جو تمہارے ساتھ سو سال پہلے تھیں ان میں کسی قسم کا تغیر اور بُو پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ آج بھی اُسی طرح تر و تازہ ہے جس طرح سو سال پہلے تھا - اس کے مقابل اپنی سواری کے گدھے کی طرف نظر کرو کہ وہ مر کر اور گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکا ہے اور اس کی ہڈیاں بھی نہایت بوسیدہ ہو چکی ہیں تو دیکھئے ہم اُسے کس طرح زندہ کرتے ہیں تاکہ تم ہماری قدرتِ کاملہ کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر لو اور بعث بعد الموت کا مشاہدہ کر لو - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دیکھتے دیکھتے ہی گدھے کو زندہ کر دیا - حضرت عُزیر علیہ السلام نے اس تمام کیفیت کو دیکھنے کے بعد فرمایا کہ مجھ کو عینی مشاہدہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے - اور میں جو جانتا تھا کہ مُردہ کو جلانا خدا تعالیٰ کو آسان ہے سو اب اس کا آنکھ سے مشاہدہ کر لیا - پھر حضرت عُزیر علیہ السلام وہاں سے اُٹھ کر شہر بیت المقدس میں پہنچے کیونکہ اُس وقت پھر شہر دوبارہ بنی اسرائیل سے آباد ہو چکا تھا - مگر کسی نے ان کو نہ پہچانا کیونکہ یہ تو جوان رہے اور ان کے آگے کے بچے بوڑھے ہو گئے - جب انہوں نے توریت حفظ سنائی اور اپنی دوسری مشہور نشانیاں بتلائیں جب لوگوں کو ان کا یقین آیا - تو خلاصہ یہ کہ بعث بعد الموت پر یقین تو پہلے بھی تھا لیکن حضرت عزیرؑ عین الیقین کے خواستگار ہوئے تھے جو مشاہدہ پر موقوف ہے تو اللہ تعالیٰ نے وہ بھی دکھلا دیا - اس آیت زیر تفسیر میں اسی قصہ کا ذکر فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

"یا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھے جس سے مراد اکثر مفسرین

Marfat.com

نے حضرت عزیر علیہ السلام کو لیا ہے کہ چلتے چلتے ایک بستی پر ایسی حالت میں اُن کا گذر ہوا کہ اُس بستی کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے یعنی پہلے مکانات کی چھتیں گریں پھر اُن پر دیواریں گر گئیں یعنی وہ بستی جس سے مراد شہر یروشلم ہے بالکل ویران ہو گئی تھی اور سب آدمی مر مرا گئے تھے وہ یہ حالت دیکھ کر براہ حیرت کہنے لگے کہ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ اس بستی کو یعنی اس کے مُردوں کو اُسکے مرے پیچھے کس کیفیت سے قیامت میں زندہ کریں گے یعنی یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں مُردوں کو دوبارہ زندہ فرما کر اُٹھاویں گے مگر بوجہ امر عجیب ہونے کے ایک حیرت سی دِل پر غالب ہو گئی اور چونکہ خدا تعالیٰ ایک کام کو کئی طرح کر سکتے ہیں اس لیے بطبیعت اس کی جویاں ہوئی کہ خدا جانے یہ دوبارہ زندہ کرنا کس صورت سے ہوگا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس کا نمونہ ان کو دنیا میں ہی دکھلا دیں تاکہ ایک نظیر کے واقع ہو جانے سے لوگوں کو زیادہ ہدایت ہو سو اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کی جان قبض کر کے ان کو سو برس تک مُردہ رکھا۔ پھر سو برس کے بعد ان کو زندہ کر اُٹھایا اور پھر پوچھا کہ تم کتنی مدت اس حالت پر رہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہونگا یا ایک دِن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم اس حالت میں سو برس رہے ہو۔ اور اگر اپنے بدن کے اندر تغیر نہ ہونے سے تعجب ہو تو اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھ لو کہ ذرا نہیں سڑی گلی حالانکہ کھانے پینے کی چیزوں میں بہت جلد تغیر آجاتا ہے کہ موسم گرما میں تو صبح کا کھانا شام تک خراب ہو جاتا ہے پس جو خدا کھانے پینے کی چیز کو اتنی طویل مدت تغیر سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اُسی خدا نے تمہارے جسم کو بھی اتنی مدت تغیر سے محفوظ رکھا۔ ایک قدرت تو ہماری یہ ہوئی۔ اس کے مقابل دوسری قدرت دیکھنے کے واسطے اپنے سواری کے گدھے کی طرف نظر کرو کہ گل سڑ کر کیا تو اس کا حال ہو گیا ہے کہ اس کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ لیکن ہم عنقریب ہی تمہاری آنکھوں کے سامنے اس مرے ہوئے گدھے کو زندہ کریں گے اور ہم نے تم کو سو برس کی موت کے بعد اس لیے زندہ کیا تاکہ ہم تم کو اپنی قدرت کی ایک نظیر لوگوں کے لیے بنا دیں کہ قیامت کے دِن بھی اِسی طرح اللہ کی قدرت سے مُردے زندہ ہو کر اُٹھیں گے اور اپنی ذات کے علاوہ احیائے موتیٰ کی کیفیت کا مشاہدہ دیکھنے کے لیے گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ ہم ان کو کس طرح ترکیب دیتے ہیں۔ پھر اُن پر گوشت چڑھا دیتے ہیں۔ پھر اس میں جان ڈالے دیتے ہیں۔ غرض یہ سب امور یونہی کر دیئے

گئے اور وہ گدھا زندہ ہو کر اُن کے روبرو کھڑا ہو گیا پھر جب یہ سب کیفیت مشاہدہ سے ان پر واضح ہو گئی تو بے اختیار جوش مسرت میں آکر بول اُٹھے کہ میں دل سے یقین رکھتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں یعنی مُردہ کے زندہ ہونے کا علم الیقین تو پہلے بھی تھا لیکن اس مشاہدہ اور معائنہ کے بعد عین الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اور جس چیز کو پہلے صرف جانتا تھا اب اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔

تو اس واقعہ میں جو اس آیت میں اُوپر ذکر فرمایا گیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو چار نشانیاں اپنی قدرت کی دکھلائیں:۔

۱:۔ ایک سو سال تک حضرت عُزیرؑ کو مُردہ رکھ کر اُن کو دوبارہ زندہ فرمانا۔

۲:۔ دوسرے سو سال تک ان کے جسم کا صحیح وسالم محفوظ رہنا۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے بدن کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

۳:۔ جس طرح حضرت عُزیرؑ کے جسم میں سو سال تک کوئی تغیر نہ آیا۔ اسی طرح ان کے طعام وشراب میں سو سال تک کوئی تغیر نہ آیا۔

۴:۔ حمار یعنی گدھے کا مرکر اور گل سڑ کر ختم ہونے پر دوبارہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہو کر کھڑا ہونا۔

غرضکہ اس واقعہ میں حضرت عُزیرؑ نے احیاء موتیٰ پر تعجب فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے تسکین قلب کا سامان فرمایا اور کیفیت احیاء موتیٰ کا عینی مشاہدہ کرا دیا۔ اب آگے تیسرا واقعہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت احیاء موتیٰ کا پورا یقین تھا مگر اس کی کیفیت کا مشاہدہ کر کے مزید اطمینان قلب حاصل کرنا چاہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی اس کا مشاہدہ ایک دوسری راہ سے کرا دیا جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور قدرت کاملہ کا ہم کو بھی یقین کامل نصیب فرمائیں اور ہمارے ایمان ویقین میں پختگی اور ترقی عطا فرمائیں۔

یا اللہ جتنی باتوں پر ایمان بالغیب رکھنے کا ہم کو حکم ہے ہم کو ان پر ایمان کامل اور یقین صادق نصیب فرما اور تازندگی اس پر استقامت عطا فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۴۱

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ

ارشاد فرمایا کہ کیا تم یقین نہیں لائے اُنہوں نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا ولیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جائے۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ

ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو پھر ان کو اپنے لئے ہلا لو۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ

پھر ہر پہاڑ پر اُن میں کا ایک ایک حصہ رکھ دو۔ پھر ان سب کو بلاؤ۔

یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳ ۲ ۲۵

تمہارے پاس سب دوڑتے دوڑتے چلے آویں گے۔ اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیت میں حضرت عُزیرؑ علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا تھا کہ جب اُنہوں نے احیاء موتیٰ پر تعجب فرمایا تو خود اُن ہی کی ذات پر عمل کر کے حق تعالیٰ نے ان کو کیفیت احیاء موتیٰ کا عینی مشاہدہ کرا دیا۔ اور سو برس کی حالت موت کے بعد ان کو زندہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اُن کے تسکین قلب کا سامان فرما دیا۔

اب آگے اس آیت میں تیسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت احیاء موتیٰ پر پورا پورا یقین تھا مگر وہ اس کی کیفیت کا عینی مشاہدہ کر کے مزید اطمینانِ قلب حاصل کرنا چاہتے تھے اس لئے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے اِس کا مشاہدہ کرا دیجئے کہ آپ مُردوں کو قیامت کے بعد دوبارہ کس طرح زندہ فرمائیں گے۔ یہ درخواست حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس وقت اور کس موقع پر کی اس کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گذر سمندر کے کنارے ہوا تو دیکھا کہ ایک آدمی مرا پڑا تھا۔ جب سمندر کا پانی جوش مار کر خشکی پر چڑھتا تو مچھلیاں اُس لاش کو کھاتیں جب پانی اُتر جاتا تو جنگل کے وحشی درندے کھاتے۔ جب درندے چلے جاتے تو پرند چیل، کوّے کھاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ملاحظہ فرمایا تو خیال ہوا کہ ایک لاش کے اجزا کتنے پیٹوں میں پہنچے۔ اس کا گوشت پوست قیامت کے دن کیونکر جمع ہوگا اور یہ کس طرح

دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کی کوئی نہایت نہیں۔ وہ جس کیفیت سے چاہیں مُردوں کو زندہ کر سکتے ہیں اور بے شمار کیفیتیں عقلاً ممکن ہیں معلوم نہیں کہ قیامت کے دن کیا کیفیت ہوگی۔ اس خیال سے بارگاہ الٰہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اَحیاء موتیٰ کی کیفیت دکھا دیجئے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال کسی شک اور تردد کی بنا پر نہ تھا بلکہ مشاہدہ اور معائنہ کے ساتھ خاص اطمینان اور سکون قلب کا حاصل کرنا مقصود تھا کیونکہ جو سکونِ قلب اور اطمینان مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے وہ خبر اور استدلال سے نہیں ہوتا خود ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خبر مشاہدہ اور معائنہ کے برابر نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خبر دی تھی کہ آپ کی قوم گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئی تو اس اطلاع پانے پر توریت کی تختیاں آپ نے ہاتھ سے علیحدہ نہ کیں اور جب بنی اسرائیل میں واپس آکر اُن کی گوسالہ پرستی کا حال آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو غصہ میں آکر توریت کی تختیاں جلدی سے ایک طرف رکھ دیں۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؛ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اس درخواست کی کیا وجہ ہے؛ کیا آپ کو ہماری قدرتِ کاملہ پر یقین نہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یقین کیسے نہ ہوتا کیونکہ آپ کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر ہمہ وقت مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں لیکن انسانی فطرت ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو اُس میں خیالات منتشر رہتے ہیں کہ یہ کیسے اور کس طرح ہوگا۔ اس لئے سکونِ قلب اور اطمینان کے لئے مشاہدہ کی درخواست کی گئی ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست قبول فرما کر اُن کے مشاہدۂ اَحیاءِ موتیٰ کی ایک عجیب صورت تجویز فرمائی۔ اور وہ صورت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ چار پرندے جانور اپنے پاس جمع کر لیں۔ اور اُنہیں اپنے ساتھ ایسا مانوس کر لیں اور وہ ایسے ہل جائیں کہ آپ کے بُلانے سے فوراً آجایا کریں۔ بعد ازاں ان چاروں کو ذبح کر کے اور ان کے گوشت پوست قیمہ سا کر کے خلط ملط کر دیں اور مختلف پہاڑوں پر اس قیمہ کا تھوڑا تھوڑا حصہ رکھ دیں اور پھر اُن جانوروں کو بُلائیں تو وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئیں گے۔ اِس طرح آپ اپنا اطمینان قلبی کر لیں اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والے ہیں جس طرح خدا تعالیٰ ان چاروں کے متفرق اجزاء کو دوبارہ جوڑ کر اور گوشت پوست چڑھا کر زندہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مُردوں کے جسموں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے اُن میں رُوح ڈال سکتا ہے۔

اِن چار پرندوں کے نام کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مگر حضرت ابن عباس رضؓ اور علمائے تابعین

Marfat.com

سے منقول ہے کہ وہ جانور یہ تھے ۔ مور ۔ کبوتر ۔ مرغ اور کوا ۔

اس آیت زیر تفسیر میں اسی واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

"اور اس وقت کے واقعہ کو یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ۔ مجھ کو یہ دکھلا دیجئے کہ آپ مُردوں کو قیامت میں کس کیفیت سے زندہ کریں گے ۔ یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے ۔ مگر عقلاً اس کی مختلف کیفیتیں ممکن ہیں ۔ ان میں معلوم نہیں کون سی کیفیت ہوگی ؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس پر یقین نہیں لائے ۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا ولیکن اس عرض سے یہ درخواست کرتا ہوں تاکہ میرے قلب کو تعین کیفیت کے بارہ میں مشاہدہ کرنے سے سکون ہو جاوے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو ۔ پھر ان کو پال کر اپنے لئے ہلا لو تاکہ اُن کی خوب شناخت ہو جاوے ۔ پھر سب کو ذبح کر کے مع کھال اور پَر وغیرہ کے اُن کا قیمہ سا کر کے اُس کے کئی حصہ کر کے اور کئی پہاڑ اپنے اختیار سے تجویز کر کے ہر پہاڑ پر اُن میں کا یعنی اُس قیمہ کا ایک حصہ رکھ دو پھر اُن سب کو بلاؤ ۔ دیکھو تمہارے پاس سب زندہ ہو کر دوڑے دوڑے چلے آویں گے اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست قدرت والے ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں اور حکمت والے بھی ہیں ۔"

مفسرین نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح چاروں پرندوں کو پال کر کے ہلایا اور پھر ذبح کر کے ان کے خلط ملط قیمہ کو جدا جدا پہاڑوں پر رکھ دیا اور پھر ان جانوروں کو پکارا ۔ نور آ ہی پَر سے پَر ۔ ہڈی سے ہڈی ۔ کھال سے کھال ۔ خون سے خون سب مل ملا کر اپنی اصل ہیئت پر زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے ۔ اس طرح حق تعالیٰ نے یہ واقعہ دکھلا کر کیفیت احیاء موتیٰ بروز قیامت کی بتلا دی کہ اسی طرح اول اجزاء بدنیہ مختلف مقامات سے جمع ہو کر اجساد تیار ہوں گے پھر ان میں روح پڑ جائے گی ۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ جو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کا وہ واقعہ جو گذشتہ آیت میں ذکر ہوا ۔ دونوں واقعے اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ قیامت کے دن احیاء موتیٰ اسی طرح سے ہوگا کہ اجسام کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ان میں ان کی روح ڈال دی جائے گی ۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاد جسمانی ہوگی نہ کہ فقط روحانی اور جو لوگ معاد جسمانی کے منکر ہیں وہ صحیح نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے منکر ہیں اور اس بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں جیسا کہ امام غزالیؒ نے اس کی تصریح کی ہے ۔

Marfat.com

نیز ان دونوں قصّوں سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ کبھی کبھی بطور خرقِ عادت اور بطور معجزہ دُنیا میں بھی مُردوں کو زندہ فرما دیتے ہیں۔ اور بھی متعدد آیات سے صراحۃً دنیا میں مُردوں کا زندہ کر دینا بیان کیا گیا ہے اس لئے ملحد اور بے دین طبقہ جو حضراتِ انبیاء کرام کے معجزات اور خوارق عادات کے منکر ہیں وہ اس قسم کے واقعات میں طرح طرح کی تحریفات کیا کرتے ہیں حالانکہ اُمت کے جمہور مفسرین کا اس پر اجماع ہے جو تفسیر اُوپر بیان کی گئی اور یہی ظاہر قرآن کریم کا مدلول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح ایمان و یقین عطا فرمائیں۔ آمین۔

اب جبکہ ان قصّوں سے قیامت کا حق ہونا معلوم ہو گیا تو پھر اب آگے قیامت کے لئے توشہ تیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے جس کا سلسلہ دُور تک چلا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس سے شروع ہوگا۔

دُعا کیجئے

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو تمام امورِ غیبیہ پر سچا ایمان و یقین عطا فرمائیں اور اپنی قدرتِ کاملہ کی صحیح معرفت نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! اپنی طاعت و بندگی سے ہم کو دُنیا میں سکونِ قلب و اطمینانِ قلب کی دولت عطا فرما اور آخرت میں کامیابی و کامرانی نصیب فرما۔

یا اللہ ہم کو اپنے جملہ عقائد قرآن پاک کے موافق رکھنے کی سعادت نصیب فرما۔ اور ہر طرح کی کجی و گمراہی سے ہماری حفاظت فرما۔

یا اللہ! بے شک آپ ہم کو قیامت میں دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائیں گے۔

یا اللہ ہم کو ایمان و اسلام کے ساتھ اُٹھنا نصیب ہو۔

یا اللہ آپ نے اپنے انبیاء کرام کو جو معجزات دُنیا میں عطا فرمائے ان پر ہم کو ایمان صادق اور یقین کامل عطا فرما۔ اور شکوک و شبہات اور وساوس شیطانیہ سے ہمارے قلوب کو محفوظ فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

درس ۱۴۲

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ

جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں ہر بال کے اندر

مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

سو دانے ہوں - اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے - اور اللہ تعالیٰ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ

بڑی وسعت والے ہیں جاننے والے ہیں - جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں -

سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ

پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں اور نہ آزار پہنچاتے ہیں

لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

اُن لوگوں کو اُن کا ثواب ملے گا اُن کے پروردگار کے پاس - اور نہ اُن پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

مغموم ہوں گے - مناسب بات کہہ دینا اور درگذر کرنا بہتر ہے -

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ایسی خیرات سے جس کے بعد آزار پہنچایا جاوے - اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں حلیم ہیں -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں تین قصے ذکر فرمائے گئے تھے - پہلا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود بادشاہ کا وجود باری تعالیٰ کے اثبات کے لئے ذکر فرمایا - دوسرا قصہ حضرت عزیر علیہ السلام اور تیسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اثبات حشر و نشر یعنی قیامت میں احیاء موتیٰ کے ثبوت میں ذکر فرمایا گیا جس سے قیامت کا حق ہونا صاف معلوم ہوگیا - اب جب اہل ایمان پر عالم آخرت کا ہونا ثابت ہوگیا تو عالم آخرت کے لئے توشہ تیار کرنا بھی ضروری ہوا کہ جو قیامت میں کام آسکے - اور اس دنیا میں عالم آخرت کے لئے خرچ کرنا نفس پر نہایت شاق اور گراں گذرتا ہے اور اگر آخرت کا یقین دل میں

Marfat.com

بیٹھ جائے تو پھر وہاں کے لیے خرچ کرنا آسان اور سہل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اثباتِ قیامت و آخرت کے بعد عالمِ آخرت کے لیے توشہ اور ساز و سامان تیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور دور تک صدقات و خیرات اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب کے سلسلہ میں صدقہ و خیرات کے متعلق احکام و ہدایات کا بیان ہوتا چلا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں پہلے ارشاد ہوتا ہے۔

"جو لوگ اللہ کی راہ میں یعنی امورِ خیر میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ ان کے خرچ کیے ہوئے مال کی حالت عند اللہ ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں اور ہر بال کے اندر سو دانے ہوں یعنی اسی طرح خدا تعالیٰ ایک کارِ خیر کا ثواب سات سو حصہ تک بڑھا دیتا ہے اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بقدر اس کے اخلاص و مشقت کے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑی وسعت والے ہیں یعنی ان کے ہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ سب کو یہ افزونی دے سکتے ہیں مگر ساتھ ہی جاننے والے بھی ہیں اس لیے اخلاصِ نیت وغیرہ کو دیکھ کر عطا فرماتے ہیں۔"

یہاں انفاق فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب کو ایک مثال سے بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں یعنی حج میں یا جہاد میں یا فقراء و مساکین یتیموں اور بیواؤں کی امداد میں یا اپنے عزیز و اقربا۔ دوست، احباب کی امداد وغیرہ میں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کاشتکار ایک دانہ گیہوں کا عمدہ زمین میں بوئے۔ اس دانہ سے گیہوں کا ایک پودا نکلے جس میں سات بالیں گیہوں کی پیدا ہوں اور ہر بال میں سو دانے ہوں تو نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دانہ گیہوں سے کاشتکار کو سات سو دانے حاصل ہو گئے۔ تو اس مثال کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کا اجر و ثواب ایک سے لے کر سات سو گنا تک پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک روپیہ خرچ کرے تو سات سو روپے خرچ کرنے کا ثواب حاصل ہو سکتا ہے اور سات سو گنا کی بھی تحدید نہیں۔ اللہ تعالیٰ بقدر اخلاص و مشقت جس کے لیے چاہے اور بڑھا دیتا ہے کیونکہ اس کی بخشش و عطا کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ کتنا ہی دینے سے اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ باقی اخلاص و نیت کی مقدار اور کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں اس لیے اس کے مطابق بڑھاتے ہیں۔

اب یہاں جو مثال دی گئی ہے اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح کاشتکار ایک دانہ گندم بو کر سات سو دانہ گندم اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جبکہ یہ دانہ عمدہ ہو۔ خراب اور ناقص نہ ہو پھر دانہ بونے والا کاشتکار بھی کاشتکاری کے فن سے پورا واقف ہو۔ پھر جس زمین میں وہ دانہ بویا جائے وہ بھی اچھی زمین ہو تخم ریزی کے قابل ہو۔ بنجر یا پتھریلی نہ ہو۔ پھر آئندہ چل کر بھی

Marfat.com

کھیتی مامون و محفوظ رہے تب پیداوار حاصل ہو گی۔ ان میں سے ایک چیز بھی اگر کم ہو گی تو یا یہ دانہ جو بویا گیا ضائع ہو جائے گا یا پھر ایسا بار آور نہ ہو گا کہ ایک دانہ سے سات سو دانہ بن جائیں۔ اسی طرح اعمال صالحہ اور خصوصاً انفاق فی سبیل اللہ کی مقبولیت اور زیادتی اجر و ثواب کے لئے بھی یہی شرطیں ہیں کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ پاک اور حلال ہو۔ دوسرے خرچ کرنے والا بھی نیک نیت ہو۔ اور تیسرے جس پر خرچ کرے وہ بھی مستحق ہو۔ اس طرح مال کو اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

آگے انفاق فی سبیل اللہ کے مقبول ہونے کے بعض شرائط بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

"جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو جس کو دیا ہے اس پر زبان سے احسان جتلاتے ہیں۔ اور نہ بتاؤ سے اس کو آزار پہنچاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو اُن کے عمل کا ثواب ملے گا اُن کے پروردگار کے پاس جا کر اور نہ قیامت کے دن اُن پر کوئی خطرہ ہو گا اور نہ یہ مغموم ہوں گے"۔

اس آیت میں صدقہ کے قبول ہونے کی دو منفی شرطیں بیان فرمائی گئی ہیں :۔

۱ :۔ ایک یہ کہ دے کر احسان نہ جتایا جائے۔

۲ :۔ دوسرے یہ کہ جس کو دیا جائے اس کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں اور کوئی ایسا برتاؤ نہ کریں جس سے وہ اپنی حقارت اور ذلت محسوس کرے یا جس سے اس کو ایذا پہنچے۔

آگے صدقہ دے کر احسان جتانے اور ایذا پہنچانے کی مذمت میں مزید ارشاد ہوتا ہے :۔

"اگر ناداری کی وجہ سے تم کسی ضرورتمند سوالی کو کچھ نہیں دے سکتے تو جواب میں مناسب اور معقول بات کہہ دینا اور اگر سائل بدتمیزی سے غصہ دلا دے یا اصرار سے تنگ کرے تو اس سے درگذر کرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ ایسی خیرات دینے سے جس کے بعد آزار پہنچایا جاوے اور اللہ تعالیٰ خود غنی ہیں کسی کے مال کی اُن کو حاجت نہیں جو کوئی خرچ کرتا ہے اپنے نفع کے واسطے کرتا ہے۔ پھر آزار کس بنا پر پہنچایا جاوے اور آزار پہنچانے پر جو فوراً سزا نہیں دے دیتے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حلیم بھی ہیں"

یہاں بتلایا گیا ہے کہ ناداری یا کسی معذوری کی حالت میں جبکہ سائل اور حاجت مند کو کچھ دینا نہ ہو تو نرم گفتاری اور شیریں کلامی سے جواب دے دینا چاہیئے اور سائل کی سختی کو ٹال دینا چاہیئے۔ اسے جھڑکنا۔ ڈانٹ ڈپٹ کرنا ہرگز نہ چاہیئے اور ایسے الفاظ نہ کہنا چاہیئے کہ تو بڑا جھگڑالو ہے۔ چمٹ ہی گیا۔ پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔ ہٹ کٹا ہے۔ محنت مزدوری کیوں نہیں کرتا۔ صدقہ اور خیرات کے بعد

Marfat.com

احسان جتلانا نہ صرف یہ کہ اجر و ثواب کو باقی نہیں رکھتا۔ بلکہ از خود یہ نہایت بڑا گناہ ہے۔ اس لئے بار بار حق تعالیٰ اس کی تاکید و تنبیہ فرماتے ہیں۔ صدقہ دے کر احسان جتلانے کی برائی اور ممانعت حدیث شریف میں بھی آئی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کریں گے۔ نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھیں گے۔ نہ انہیں پاک کریں گے بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ ایک تو دیکر احسان جتلانے والا۔ دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تہبند لٹکانے والا تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھیں گے بھی نہیں۔ ایک ماں باپ کا نافرمان دوسرے شراب کا عادی۔ اور تیسرے دے کر احسان جتلانے والا (نسائی) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ ماں باپ کا نافرمان خیرات و صدقہ دے کر احسان جتلانے والا۔ شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ بغیر سزا بھگتے اور عذاب اٹھائے سیدھا جنت میں نہ جائے گا اللہ تعالیٰ ہمیں ان گناہوں سے محفوظ رکھیں اور ایسے صدقات و خیرات کی توفیق عطا فرمائیں کہ جو باعث اجر و ثواب ہوں۔ آمین

خلاصہ یہ کہ یہاں یہی بتلایا گیا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا باعث اجر و ثواب ہے اور اس اجر و ثواب کی زیادتی خرچ کرنے والے کی نیت اور اخلاص پر مبنی ہے۔ اور اسی مال کا خرچ کرنا باعث اجر و ثواب ہے کہ جس کے بعد نہ احسان جتلانا ہو نہ آزار پہنچانا ہو۔ ایسی خیر خیرات سے کہ جس کے بعد آزار۔ ایذا رسانی یا تکلیف دینا ہو تو اس سے نرم گفتاری اور شیریں کلامی ہی بہتر اور باعث اجر ہے۔

آگے اہل ایمان کو مخاطب کر کے پھر اسی مضمون کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ اپنے خیرات و صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع اور برباد نہ کرو جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

حق تعالیٰ اپنے مرضیات و احکام کے مطابق ہم کو اپنے راستہ میں اپنے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے کی توفیق دائمی عطا فرمائیں۔ اور اس کو اپنی رحمت سے قبول فرما کر ہمارے لئے آخرت میں باعث اجر و ثواب بنائیں۔

یا اللہ ہمیں ان تمام گناہوں سے عموماً جن کے متعلق احادیث میں وعید سنائی گئی اور صدقہ دے کر احسان جتلانے سے خصوصاً بچائیے گا اور ہم سے گذشتہ میں جو کوتاہی اس معاملہ میں ہوئی ہو اس کو اپنی رحمت سے معاف فرمائیے گا۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۴۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ

اے ایمان والو! تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو۔

وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا

جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ

ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر ۔ سو اس شخص کی حالت ایسی ہے

صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ

جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے سو اس کو بالکل

صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ

صاف کر دے ۔ ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی ۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶۴ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راستہ نہ بتلاویں گے ۔ اور اُن لوگوں کے

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا

خرچ کئے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو کہ اُس پر زور کی بارش

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ

پڑی ہو ۔ پھر وہ دونا پھل لایا ہو ۔ اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی اُس کو

فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵

کافی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں ۔

تفسیر و تشریح: ۔ گذشتہ آیات میں غیر خیرات و صدقات اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے

Marfat.com

اجر و ثواب کی مثال ایسی بتائی گئی تھی جیسے ایک دانہ زمین میں ڈالا جائے اور اس سے سات سو دانہ حاصل کر لئے جائیں یعنی صدقہ کا ثواب سات سو گنا تک مل جائے گا بشرطیکہ صدقہ کرنے والا صدقہ کے بعد نہ تو زبان سے احسان جتلائے اور نہ اپنے کسی عمل اور برتاؤ سے اس کو ایذا پہنچائے جسے صدقہ دیا ہے۔

اب آگے ان آیات میں صدقہ کی قبولیت کے بعض مزید شرائط بتلائے گئے ہیں اور صدقہ کی مقبولیت اور غیر مقبولیت کو مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے ایمان والو! تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کے ثواب کو برباد مت کرو۔ جس طرح وہ شخص خیرات کے اصل ثواب ہی کو برباد کر دیتا ہے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے محض لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر۔ سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی آگئی ہو۔ پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے سو اس کو جیسا تھا ویسا ہی بالکل صاف کر دے۔ ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی (کیونکہ کمائی نیک عمل ہے اور اس کا ہاتھ لگنا ثواب کا ملنا ہے اور ثواب ملنے کی شرط ایمان و اخلاص ہے اور ان لوگوں میں یہ مفقود ہے کیونکہ ریاکار بھی ہیں اور کافر بھی ہیں) اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو قیامت کے روز ثواب کے گھر یعنی جنت کا رستہ نہ بتلاویں گے۔"

یہاں اس آیت میں اہل ایمان کو نہایت تاکید کے ساتھ مَنّ اور اَذٰی یعنی صدقہ کے بعد احسان جتلانے اور تکلیف دا ایذا پہنچانے سے منع فرمایا گیا کہ ایسا کرنے صدقہ باطل ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی ثواب نہیں رہتا۔ پھر ایمان والوں کو ایک منافق اور ریاکار کی مثال دے کر سمجھایا گیا کہ جس طرح ایک منافق محض لوگوں کے دکھلاوے کے لئے خیر خیرات کرتا ہے اور نہ اللہ پر اس کا ایمان ہے اور نہ یوم آخرت پر یقین ہے تو ایسے منافق ریاکار کی خیرات بالکل رائیگاں اور اکارت ہے اور اس کے لئے کوئی ثواب آخرت نہیں۔ اور جو شخص ریاکاری سے مال خرچ کرتا ہے اس کے عمل کے رائیگاں اور بے نتیجہ ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک چکنا پتھر ہو اور اس پر معمولی سی مٹی ہو۔ پھر اس پر سخت زور کی بارش ہو جائے تو وہ پتھر مٹی سے بالکل صاف ہو جاتا ہے اور اس پر مٹی کا ایک ذرہ بھی نہیں ٹھیرتا۔ ظاہر ہے کہ اس میں دانہ کیا اگے گا۔ یہی حال ریاکاروں کے غیر مخلصانہ اور ریاکارانہ خیرات کا ہے کہ ریا اور نفاق صدقہ خیرات کے ثواب کو بہا کر لے جاتا ہے اور ان پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔ اور آخرت کے لحاظ سے کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا تو یہاں سے واضح ہو گیا کہ جس صدقہ و خیرات کے بعد مستحقین پر احسان جتلانا ہو یا ان کو ایذا پہنچانے کی صورت ہو تو وہ صدقہ باطل ہو جاتا ہے اور خیرات کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح شہرت اور نام آوری اور دکھلاوے کی نیت سے خرچ

Marfat.com

کرنا اپنے مال کو گویا ضائع کرنا ہے۔ یہ تو صدقاتِ غیر مقبولہ کا حال بیان فرمایا گیا۔ آگے صدقات مقبولہ کا حال دوسری آیت میں بیان فرمایا جاتا ہے۔ اور اس کو بھی ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور ان لوگوں کے خرچ کئے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں کو اس عمل شاق کا خوگر بنا کر ان میں پختگی پیدا کریں تاکہ دوسرے اعمالِ صالحہ سہولت سے صادر ہوا کریں پس ان لوگوں کے نفقات وصدقات کی حالت مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلہ پر ہو کہ اس جگہ کی ہوا لطیف اور بار آور ہوتی ہے اور اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ باغ لطافتِ ہوا اور بارش کے سبب اور باغوں سے دوگنا چوگنا پھل لایا ہو۔ اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار یعنی خفیف بارش بھی اس کو کافی ہے کیونکہ زمین اور موقع اس کا اچھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں کہ کون اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے مال خرچ کرتا ہے اور کون ریا اور نفاق سے دیتا ہے اور کون دینے کے بعد احسان جتلاتا ہے۔"

قرآن کریم کے طرزِ بیان کا عمومی طریقہ یہی ہے کہ اچھائی کے مقابلہ میں بدی اور بدی کے مقابلہ میں اچھائی۔ اچھوں کے مقابلہ میں بدوں اور بدوں کے مقابلہ میں اچھوں۔ ایمان و اسلام کے مقابلہ میں کفر و شرک اور کفر و شرک کے مقابلہ میں اسلام و ایمان کا ذکر ہوتا ہے اور ہر ایک کا نتیجہ و انجام اس کے ساتھ بتلا دیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والے کو نیکی کی رغبت اور بدی سے نفرت ہو۔ اوپر پہلی آیت میں کافروں منافقوں اور ریاکاری کے ساتھ صدقات دینے کا بیان کیا گیا اور اس کا نتیجہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ ان کی خیر خیرات سے کوئی نتیجۂ آخرت حاصل نہیں۔ اس کے بعد دوسری آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کی راہ میں مال اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے خوش ہو جائے اُن کے صدقات مقبول ہیں اور ان پر اجر و ثواب آخرت کا وعدہ ہے۔ اور چونکہ مثال بیان کرنے سے مقصد خوب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے اور بات ذہن نشین ہو جاتی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے بھی کلام پاک میں جگہ جگہ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

اوپر پہلے منافق و ریاکار کے غیر مخلصانہ اور ریاکارانہ مال خرچ کی مثال دی گئی۔ اس کے بعد اُن مؤمنین کے صدقات کی مثال بیان فرمائی جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور تزکیۂ نفس حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں کہ اُن کے صدقات اس طرح پھلتے پھولتے ہیں اور بار آور ہوتے ہیں جیسے ٹیلہ یعنی بلندی اور اونچائی پر کوئی باغ واقع ہو اور اس پر موسلا دھار بارش پڑے تو اس باغ کے درخت دوگنا

پھل دیتے ہیں اور اگر موسلا دھار بارش نہ ہو بلکہ خفیف بارش ہی پڑ جائے تب بھی وہ باغ کافی پھل دیتا ہے۔ گویا جس درجہ کا اخلاص ہوگا ویسا ہی اجر و ثواب ہوگا۔ محروم بہرحال کسی صورت میں نہیں۔

آخر میں وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔) فرما کر ظاہر فرما دیا کہ وہ مخلص۔ منافق اور ریاکار کو خوب جانتا ہے۔ ہر ایک کو اس کی نیت کے اور عمل کے موافق جزا دے گا۔

اب چونکہ یہ نہایت خسارہ اور نقصان کی بات ہے کہ آدمی اپنا مال بھی صدقات میں خرچ کرے اور انجام یعنی آخرت میں وہ صدقات نفع بخش اور سودمند بھی ثابت نہ ہوں اس لئے ریاکاروں کے اعمال کے ضائع اور بے نتیجہ ہونے یا صدقہ و خیرات کرکے احسان جتلانے پر خیرات کے ثواب کو ضائع کر دینے سے بچنے کے لئے ایک دوسری مثال سے یہ مضمون سمجھایا جاتا ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

اللہ تبارک و تعالیٰ ایمان کے ساتھ ہم کو اخلاص کی بھی دولت عطا فرمائیں تاکہ ہمارا ہر کام اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے ہو۔

یا اللہ جو مال دولت آپ نے ہم کو دنیا میں عطا فرمایا ہے اس کو اپنے رستہ میں اپنی رضا کے لئے خرچ کرنے کی ہم کو توفیق نصیب ہو۔ اور جو کچھ آپ کی توفیق سے آپ کے دیئے ہوئے مال میں سے آپ کے رستہ میں خرچ ہو جائے اسے اپنی رحمت سے قبول فرمائیے اور اسکو ہمارے لئے باعثِ اجر و ثواب آخرت بنائیے۔

یا اللہ! نفاق اور ریاکاری کی خصلت سے ہمارے قلوب کو پاک رکھئے۔ اور کوئی کام ہم سے نام و نمود۔ ریا اور شہرت کی نیت سے نہ ہونے دیجئے۔

یا اللہ! آپ کی توفیق و تائید سے جو صدقہ خیرات کی ہم کو توفیق نصیب ہو جائے تو اس کے بعد منّ اور اذیٰ سے ہمارے صدقات کو بچائیے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۴۴

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ
بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا اور
اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ
انگوروں کا اُس کے نیچے نہریں چلتی ہوں ۔ اُس شخص کے یہاں اُس باغ میں
كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ
اور بھی ہر قسم کے میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے اہل وعیال بھی ہوں
ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ
جن میں قوت نہیں ۔ سو اس باغ پر ایک بگولا آوے جس میں آگ ہو پھر وہ باغ جل جاوے ۔ ع
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾
اللہ تعالیٰ اس طرح نظائر بیان فرماتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم سوچا کرو ۔

ع ۲۶ ۴

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرنے کا ذکر ہوا تھا اور ایسے لوگوں کے صدقات وخیرات کی مثال اس باغ سے دی گئی تھی جو بلندی پر ہو اور اس پر زور کی بارش پڑی ہو جس سے وہ باغ خوب پھل لایا ہو اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو۔ ہلکی پھوار ہی پڑی ہو تب بھی اس کو کفایت کر جاتی ہے اور باغ بارآور ہو جاتا ہے۔ گویا مومن مخلص کی خیرات بمنزلہ باغ کے ہے اور بقدر اخلاص و نیت اور بقدر اس کے خرچ کے اس کو پھل یعنی اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اب آگے اس آیت میں پھر ایک مثال باغ ہی کی دی جاتی ہے اور اس مثال سے یہ سمجھایا جاتا ہے کہ صدقات وخیرات میں جو ہدایات گذشتہ آیات میں ذکر ہوئیں اور جو شرائط مقبولیت نفقات کی بیان ہوئیں اگر اُن کی خلاف ورزی کی گئی تو صدقہ باطل و مردود ہو جاتا ہے اور نتیجہ میں اجر و ثواب آخرت سے محروم رہ جاتا ہے چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اُس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا اور انگوروں کا اور اس باغ کے درختوں کے نیچے نہریں چلتی ہوں، جس سے وہ خوب سرسبز و شاداب ہوں اور اُس شخص کے یہاں اس باغ میں علاوہ کھجوروں اور انگوروں کے اور بھی ہر قسم کے مناسب میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو جو کہ

Marfat.com

زمانہ زیادہ احتیاج کا ہوتا ہے اور اس کے اہل وعیال بھی ہوں جن میں کمانے کی قوت نہیں۔ اس صورت میں اہل وعیال سے بھی اس کو توقع خبر گیری کی نہیں ہوگی۔ پس وجہ معاش و گذران وہی باغ ہوا سو ایسی حالت میں یہ قصہ ہو کہ اس باغ پر ایک بگولہ آوے جس میں آگ کا مادہ ہو پھر اس سے وہ باغ جل جاوے۔ اس وقت اس شخص پر کس قدر صدمہ اور کیسی بے بسی۔ حیرت اور حسرت طاری ہوگی تو کیا تم میں سے کوئی ایسا چاہتا ہے کہ ایسا باغ ایسی حالت میں تباہ ہو جاوے۔ ظاہر بات ہے کہ کسی کو یہ بات اپنے لئے پسند نہیں۔ پھر اسی کے مشابہ تو یہ بات بھی ہے کہ اوّل صدقہ دیا یا اور کوئی نیک کام کیا جس کے قیامت میں کارآمد ہونے کی اُمید ہو جو کہ وقت ہوگا غایت احتیاج کا پھر ایسے وقت معلوم ہوگا کہ ہمارے مَنّ وَاَذٰی یا معاصی سے ہماری طاعات باطل یا بے برکت ہوگئیں تو اس وقت کیسی حسرت ہوگی۔ پس جب تم مثال کے واقعہ کو پسند نہیں کرتے تو ابطالِ طاعات وصدقات کو کیسے گوارا کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح نظائر بیان فرماتے ہیں تمہارے سمجھانے کے لئے تاکہ تم سوچا کرو۔ اور عبرت ونصیحت حاصل کیا کرو۔"

یہاں مثال سے یہ بتلایا گیا کہ مومن کا صدقہ وخیرات عالم آخرت میں نہایت عمدہ باغ کی صورت میں کہ جس کے صفات مذکور ہوئے ظہور کرتا ہے اور عالم آخرت میں انسان بوڑھے کی طرح حسنات اور اعمال صالحہ کرنے سے مجبور و معذور ہوتا ہے اور اس کو اپنی اس کمائی اور انہیں اعمال کی طرف توقع اور اُمید کی نظر ہوتی ہے لیکن اس کا احسان جتلانا اور ایذا دینا اور خلوص نیت نہ ہونا بمنزلہ اس بگولے کے ہے کہ جس میں لُو اور آگ ہو جو اس کے تر و تازہ باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے اور پھر اس باغ سے کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ تو یہاں یہ تنبیہ مقصود ہے کہ تم اپنے صدقہ وخیرات کے باغ کو تباہ و برباد مت ہونے دینا۔

حضرتِ ابنِ عباس رضؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کا مضمون نہ صرف صدقات وخیرات سے متعلق ہے بلکہ تمام حسنات۔ طاعات وعبادات کے لئے عام ہے یعنی اعمالِ صالحہ کی کچھ شرطیں انوار و برکات کے لحاظ سے بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً ہر قسم کے معاصی اور سیئات سے پرہیز کرنا۔ اگر کوئی شخص طاعات واعمالِ صالحہ کے ساتھ کسی گناہ میں بھی منہمک اور مشغول ہو جاتا ہے تو اس سے دو طرح کے نقصان سامنے آتے ہیں۔ ایک تو خود اُس طاعت کی جو حلاوت و بشاشت قلب میں پیدا ہوئی تھی وہ زائل ہونے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس طاعت کے سب انوار و برکات سلب ہو جاتے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دوسری طاعات کی توفیق بھی اس گناہ کی شامت سے

نہیں ملتی اور جو طاعات معمول بہا ہوتی ہیں ان میں کمی، سستی، بے توجہی اور ناغہ ہونے لگتا ہے اور آخرت میں جو ثمرات و فوائد ان پر مرتب ہوتے اُن سے محرومی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو ضائع و برباد ہونے اور حبط و ضبط سے بچائیں۔ اور جو کچھ انہی کی تائید و توفیق سے ہو جاتا ہے اس کو باعثِ اجر و ثواب آخرت بنائیں۔ آمین۔

یہ پورا ایک رکوع جو اس آیت زیر تفسیر پر ختم ہوا۔ انفاق فی سبیل اللہ ہی کے متعلق تھا جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک انفاق مقبولہ کی چھ شرائط ہیں :۔

۱ :۔ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اس مال کا حلال و پاک ہونا۔

۲ :۔ طریق سنت کے موافق خرچ کرنا۔

۳ :۔ صحیح مصرف میں خرچ کرنا۔

۴ :۔ خیرات کے بعد جس کو خیرات دی ہے اُس پر احسان نہ جتلانا۔

۵ :۔ ایسا کوئی معاملہ نہ کرنا جس سے صدقہ وصول کرنے والے کی تحقیر و اہانت ہو یا اُسی کو کوئی تکلیف و ایذا پہنچے۔

۶ :۔ جو کچھ خرچ کیا جائے اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو۔ نام، نمود، شہرت اور ریا وغیرہ سے پاک ہو۔

خلاصہ یہ کہ یہاں یہ تلقین کی گئی ہے کہ مسلمان کا کوئی دینی و دُنیوی کام اخلاص سے خالی نہ ہونا چاہیئے اور نام و نمود کی خواہش اور شہرت کی خواستگاری مسلمان کا شعار ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہر کام میں مرضیٔ الٰہی کی جستجو پیشِ نظر رہنی چاہیئے اور چھوٹی بڑی۔ ظاہری و باطنی معصیت اور گناہ سے حتی الامکان بچنا چاہیئے تاکہ اعمالِ صالحہ کے ذخیرہ میں نقصان نہ آوے۔ اب اگلا رکوع بھی انفاق ہی کے متعلق ہے اور اُن امور کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جن کی صدقہ و خیرات میں رعایت ضروری ہے اور پھر یہ بتلایا گیا کہ کن لوگوں کو صدقہ دینا جائز ہے اور صدقہ و خیرات کے اصل مستحق کون لوگ ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجیئے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو جو مال دیا ہے اس میں سے اپنے رستہ میں خرچ کرنے کی ہم کو توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ ہر عمل میں ہم کو اخلاص نیت کی دولت عطا فرما اور نام۔ نمود۔ شہرت و ریا کے مہلک اثرات سے بچا۔ یا اللہ ہمارے اعمال و حسنات کو حبط و ضبط اور باطل ہونے سے محفوظ فرمائیے اور ان کو ذخیرہ آخرت بنا کر ہم کو اپنی رحمت سے قیامت میں مالا مال فرمائیے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

درس ۱۴۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ

اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ

اور اُس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے اور ردّی چیزوں کی طرف نیت مت لیجایا کرو

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ

کہ اُس میں سے خرچ کردو حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں ہاں مگر چشم پوشی کرجاؤ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ

اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں۔ شیطان تم کو محتاجی سے

الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً

ڈراتا ہے اور تم کو بُری بات کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی طرف سے گناہ معاف کردینے کا

مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ

اور زیادہ دینے کا۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں۔ دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں

مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا

دے دیتے ہیں۔ اور جس کو دین کا فہم مل جائے اُس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

تفسیر و تشریح ۔۔۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور صدقات و خیرات کا بیان گذشتہ آیتوں سے چل رہا ہے۔ جن میں بتلایا گیا تھا کہ اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے میں ریاکاری اور نمائش سے ہرگز کام نہ لیا جائے۔ نیز لوگوں کو دے کر ستانا اور اپنی بڑائی جتانا بھی نہ ہونا چاہیئے۔ جن کو کچھ دیا جائے اُن پر احسان بھی نہ رکھا جائے اور نہ اُن کو کسی قسم کی ایذا پہنچائی جائے بلکہ نیکنیت اور خلوص دل سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کیا جائے۔

اب آگے یہ بتلایا جاتا ہے کہ کیسی چیزیں خیرات و صدقات میں دینی چاہئیں اور اگر شیطان دل

Marfat.com

میں یہ وسوسہ ڈالے کہ خیرات وصدقات سے مال کم ہو جائے گا یا ختم ہو جائے گا تو اس وسوسۂ شیطانی کا توڑ اور علاج بھی بتلایا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلے ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے ایمان والو نیک کام میں خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور عمدہ چیز کو اُس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے کام میں لانے کے لئے زمین سے پیدا کیا ہے جیسے سونا۔ چاندی۔ پھل اناج وغیرہ اور ردّی اور ناکارہ اور خبیث چیز کی طرف نیت نہ لیجایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو حالانکہ ویسی ہی ردّی اور ناکارہ چیز اگر تم کو کوئی تمہارے حق واجب کے عوض یا تحفہ وسوغات میں دینے لگے تو تم کبھی اس کے لینے والے نہ بنو۔ ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ تو اور بات ہے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں۔ انہیں تو تمہاری اچھی چیزوں کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ بُری اور ناکارہ چیزوں کو تو کیا قبول کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تعریف کے لائق ہیں یعنی ذات وصفات میں کامل ہیں تو اُن کے دربار میں چیز بھی کامل تعریف کے لائق ہی پیش کرنا چاہیئے"

اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں حضرت بَراء بن عَازِبؓ فرماتے ہیں کہ کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے موافق کھجوروں کے خوشہ لاکر مسجد نبوی میں ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے تھے جسے اصحابِ صُفّہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے تھے کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی اس میں ردّی کھجوروں کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں ایسی ہی چیز ہدیہ میں دی جائے تو ہرگز نہ لوگے۔ ہاں اگر شرم ولحاظ سے بادلِ ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے۔ اس کے نازل ہونے کے بعد ہم میں کا ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا۔

اس آیت کے شانِ نزول پر نظر کرتے ہوئے بعض مفسرین نے طیّبات کی تفسیر عمدہ اور اچھی چیز سے کی ہے لیکن بعض علماء نے طیّبات کی تفسیر حلال کے ساتھ کی ہے کیونکہ اصل عمدگی تو حلال مال ہی میں ہوتی ہے۔ حاصل آیت کا یہی ہے کہ جس کے پاس عمدہ چیز ہو اس کے ہوتے ہوئے اللہ کی راہ میں نکمی اور خراب چیزیں دینا اور بیکار وردّی چیزوں کو خیرات کے نام سے محتاجوں اور مسکینوں کو دینا درست نہیں اور اس عمل یعنی ناکارہ اور ردّی چیز خیر خیرات میں دینے کی بُرائی اس طرح ظاہر کی گئی کہ اگر تمہیں کوئی ایسی ردّی چیز دیدے تو کیا تم اس کو پسند کروگے؟ اگر نہیں تو جب اپنے لئے نکمی چیز پسند نہیں کرتے تو اپنے محتاج بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو۔ دوسروں کے ساتھ وہی کرو جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ صدقات وخیرات ایک طرح سے حق تعالیٰ شانہٗ

Marfat.com

کی غنی اور بے نیاز ذات کو ہدیہ دینا ہے۔ تو ہدیہ دینے میں ہدیہ کی ظاہری۔ باطنی۔ اندرونی۔ بیرونی کیفیت و حیثیت پیش نظر رہنی چاہیئے۔ ہاں اگر کسی کو بہترین چیز اور عمدہ شے میسر ہی نہ ہو تو اس کے لئے حسبِ حیثیت ردّی چیز ہی کی خیرات جائز اور باعثِ ثواب ہے اور وہ اس آیت کی ممانعت سے بری اور مستثنیٰ ہے۔

الغرض آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے اپنی جائز اور پاک کمائی میں سے اچھی اعلیٰ اور عمدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنی چاہئیں۔ یہ نہ ہو کہ ردّی۔ ناکارہ۔ خراب اور گلا سڑا غریبوں، محتاجوں اور مسکینوں کو دیا جائے اور اسی مفہوم کو چوتھے پارہ کی ابتدائی آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہو تو اپنی محبوب اور عزیز ترین چیزوں میں سے کچھ خدا کے راستہ میں نکالو۔

اس آیت کے آخر میں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ فرما کر مزید تنبیہ فرما دی کہ اس بات کا یقین رکھو کہ اللہ کو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں۔ وہ ان سے بے نیاز ہے کیونکہ وہ غنی ہے۔ اس کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں یہ احکام محض تمہاری بھلائی اور بہبودی کے لئے نازل کرتا ہے اور وہ حمید ہے یعنی صفاتِ کمال سے متصف ہے اس لئے اُس کامل کے نام پر عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ تر چیزیں قربان کرو۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں۔ دُنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی لیکن دین صرف دوستوں ہی کو عطا فرماتا ہے۔ جسے دین مل جائے وہ خدا کا محبوب ہے۔ خدا کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کا دل اور اسکی زبان مسلمان نہ ہو جائے۔ کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اسکے پڑوسی اسکی [illegible] بے خوف نہ ہو جائیں۔ پھر لوگوں کے سوال پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ایذا سے مراد دھوکہ بازی ظلم و ستم ہے جو شخص حرام وجہ سے مال حاصل کرے اس میں اللہ تعالیٰ برکت نہیں دیتے۔ نہ اس کے صدقہ خیرات کو قبول فرماتے ہیں اور جو چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب اُس کے لئے آگ میں جانے کا توشہ بنتا ہے۔

الغرض یہاں آیت میں حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں حلال طیّب اور عمدہ چیزیں خرچ کرو۔ حرام ناپاک اور خراب ناکارہ چیزیں خدا کی راہ میں نہ دو۔ اب خیرات و صدقات سے اکثر خیالات فاسدہ مانع ہوا کرتے ہیں انسان اپنے نفسانی جذبات اور طبعی بخل کی وجہ سے مال و دولت سے محبت کرتا ہے۔ اس کے جمع کرنے کی حرص اور اسے بچا بچا کر رکھنے کی رغبت ہوتی ہے اس لئے اُسکے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے دولت کم ہو جائے گی۔ میں نادار اور مفلس بن کر رہ جاؤں گا۔ نہ معلوم آئندہ کیا کیا ضرورتیں پیش آنی ہیں۔ ان وساوس و خیالات کو

Marfat.com

دُور کرنے کے لئے انسان کو ایک شیطانی وسوسہ سے آگاہ کیا گیا جو اسے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے مانع بن سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا توڑ اور علاج بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

"شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے کہ اگر خرچ کرو گے یا اچھا مال خرچ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے اور تم کو بُری بات یعنی بخل کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے خرچ کرنے پر اور اچھی چیز خرچ کرنے پر اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا۔ اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں یعنی سب کچھ دے سکتے ہیں اور خوب جاننے والے ہیں یعنی نیت کے موافق ثمرہ دیتے ہیں۔ اور یہ سب مضامین بہت ظاہر ہیں لیکن اِن کو وہی شخص سمجھتا ہے جس کو دین کا فہم ہو اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اور دین کی فہم دے دیتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس کو دین کا فہم اور دین کی سمجھ مِل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔ کیونکہ دُنیا کی کوئی نعمت اس کے برابر نافع نہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں یعنی جو عقل صحیح رکھتے ہیں۔"

یہاں شیطان کا محتاجی سے ڈرانے کا جو ذکر آیا ہے تو اس سے مراد اوہام و وساوس اور خیالات فاسدہ میں مبتلا کرنا ہے مثلاً کہیں خرچ کر دوں گا تو پھر ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی۔ اس طرح گنجائش موجود ہونے پر قبل از مرگ اس واویلا کا اعتبار نہیں اور ایسے اوہام کے جال میں غلطاں و پیچاں رہنا شیطانی وسوسہ ہے۔ ہاں اگر گنجائش نہ ہو بلکہ اسباب محتاجگی موجود ہوں تو شریعت خود ایسے شخص کو نفلی صدقات سے روکتی ہے اور نہ ایسی صورت میں خرچ نہ کرنے کو بخل کہا جا سکتا ہے اور یہی نہیں کہ شیطان صرف محتاجی کا خوف و وسوسہ دلاتا ہے بلکہ وہ فحش اور بُری باتوں کا بھی حکم دیتا ہے مثلاً سائلوں کو بُرا بھلا کہنا۔ نیک کاموں کی مذمت کرنا۔ شہوات و لذات اور نام و نمود و ریاء کے کاموں میں روپیہ اڑانا۔ شراب خواری۔ زنا کاری اور قمار بازی میں مال صرف کرنا۔ شہرت کے لئے مجامع کرنا۔ رقص و سرود کی مجلسیں کرنا وغیرہ جملہ فحش شیطانی الہام ہیں جس کا بدیہی نتیجہ افلاس و رسوائی ہے۔ لیکن کتنا عجیب ہے کہ نیک کاموں میں اور اللہ کے رستوں میں مال خرچ کرنے سے تو افلاس اور تنگدستی سے خوف دلاتا ہے اور فحش کاموں میں بے دریغ روپیہ اڑانے سے افلاس سے نہیں ڈراتا دن رات دیکھا جاتا ہے کہ شیطانی کاموں میں صرف کرنے سے افلاس آتا ہے اور نیک کاموں میں صرف کرنے سے آج تک بھی کوئی محتاج اور نادار ہوتا نہیں دیکھا گیا بلکہ برکت اور فراخ دستی دیکھی جاتی ہے۔ مگر شیطانی الہام نے کیسا برعکس معاملہ سمجھایا ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان ابن آدم پر تصرف رکھتا ہے اور فرشتہ بھی انسان پر تصرف رکھتا ہے۔ شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ انسان کو برائی کا وعدہ اور حکم دیتا ہے اور حق کے جھٹلانے پر آمادہ کرتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ بھلائی کا وعدہ سمجھاتا ہے اور حق کی تائید کراتا ہے۔ پس جس کے دل میں برائی کا وسوسہ پیدا ہو تو اس کو شیطانِ رجیم کی طرف سے سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا چاہیئے یعنی اَعُوذ پڑھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

"شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تم کو بُری بات کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں"

تو اس آیت کے مضمون سے اور اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ انسان کے دل میں شیطان کی طرف سے بھی خیالاتِ فاسدہ آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی نیک خیالات آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو وساوسِ شیطانیہ سے محفوظ فرمائیں اور اپنے الہامات سے منور فرمائیں۔ آمین۔ نیز یہاں آیت میں لفظ فَضْلًا استعمال ہوا ہے۔ فضل سے بعض مفسرین نے یہاں برکت اور بعض نے زیادہ دینا مراد لیا ہے۔ تو چونکہ نیک جگہ خرچ کرنا طاعت ہے اور طاعت سے معصیت کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کسی کو دنیا میں بھی اور کسی کو آخرت میں خرچ کا عوض بھی زیادہ کر کے دیتے ہیں۔

یہاں آخری آیت میں حق تعالیٰ نے جو یہ فرمایا:۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ جس کو حکمت مل جائے اس کو بڑے خیر کی چیز مل گئی۔ تو یہ لفظ حکمت قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے اور اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ کہیں علم نبوت کے معنیٰ لئے گئے ہیں۔ کہیں معرفت اور فہم قرآن کے معنیٰ لئے ہیں۔ کہیں دین کی سمجھ مراد ہے۔ کہیں علم نافع کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں حکمت سے مراد دین کی فہم اور سمجھ ہے اور دین کی فہم اور سمجھ بڑی دولت و نعمت ہے کہ اسی سے عقائد کی درستگی ہوتی ہے۔ اسی سے اعمال کی اصلاح و توفیق ہوتی ہے اور یہی دونوں باتیں سعادتِ دارین کی کنجیاں ہیں۔ انسان میں ایسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ دنیا کے محض ظاہری اور نمائشی فائدوں میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقی نفع اور نقصان کو سمجھ سکے اور اچھائی اور برائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے۔ یہی قرآنی حکمت ہے اور جسے یہ حکمت مل گئی اس نے زندگی کی

Marfat.com

بہت بڑی برکت و نعمت پالی۔

الغرض حاصل آیات کا یہ ہوا کہ ایسے انفاق میں جس کی شرائط اُوپر ذکر ہوئیں ضرر اور نقصان تو بالکل نہیں اور نفع یقینی کہ مغفرت بھی ملے اور فضل بھی۔ پس انسانی فہم کا مقتضا یہ ہونا چاہیئے کہ ایسی حالت میں شیطانی وساوس کو ہرگز قبول نہ کرے مگر خاتمہ پر

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ فرما کر یہ بھی واضح فرما دیا کہ پند و نصیحت سننے کو تو ہر کوئی سُن لیتا ہے مگر اُس سے فائدہ وہی لوگ اُٹھاتے ہیں جن کو اللہ نے حکمت اور عقل دی ہے۔

اب یہاں تک انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں جو شرائط و احکام بیان فرمائے گئے آگے اُن کی تاکید ایک عجیب پیرایہ سے فرمائی جاتی ہے اور پھر انفاق کے متعلق اسکی تحقیق ہے کہ صدقہ کو ظاہر کر کے دینا چاہیئے یا پوشیدہ طور سے چھپا کر جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیات میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجیے

یا اللہ! آپ نے ہم کو جو دنیا میں عطا فرمایا ہے اُس میں سے طیّب مال کو اپنے رستہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور بخل سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرما۔

یا اللہ! نفس اور شیطان کے وساوس اور اوہام فاسدہ سے ہماری حفاظت فرما۔ اور ان پر عمل پیرا ہونے سے ہم کو کامل طور پر بچا۔

یا اللہ ہم کو اپنے وعدوں پر پورا پورا یقین عطا فرما۔ اور اپنی مغفرت فضل و رحمت کو ہمارے شامل حال رکھنا۔

یا اللہ! دین کی سمجھ اور فہم ہم کو عطا فرما اور جملہ قرآنی احکام و ہدایات کی ہم کو فرمانبرداری و پابندی نصیب فرما۔

یا اللہ! ہم کو اولوالالباب میں شامل فرمانا کہ ہم جملہ قرآنی ہدایات سُن کر اس سے فائدہ اُٹھانے والے ہوں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۴۶

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ

اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو

فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

سو حق تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے۔ اور بیجا کام کرنے والوں کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا

اگر تم ظاہر کرکے دو صدقات کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر اُن کا اخفا کرو

وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ

اور فقیروں کو دے دو تو یہ اخفا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے

مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

کچھ گناہ بھی دور کردیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں۔

تفسیر و تشریح: ۔ گذشتہ سے بیان انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے سے متعلق ہوتا چلا آرہا ہے۔ اسی سلسلہ میں انفاق مقبولہ کے لئے متعدد شرائط و احکام گذشتہ آیات میں ذکر ہوئے کہ جن کی رعایت کو لازمی بتلایا گیا۔ اب انہی احکام کی تائید ایک اور پیرایہ سے فرمائی جاتی ہے کہ جو کچھ تم صدقات و خیرات کرتے ہو خواہ شرائط مذکورہ کی رعایت کے ساتھ یا بغیر رعایت اللہ کو سب باتوں کا علم ہے اور وہ اس کی ویسی ہی جزا دیں گے۔ اور یہ اس لئے سنایا جاتا ہے تاکہ حدود اور شرائط انفاق کی رعایت کی ترغیب ہو اور عدم رعایت سے ترہیب ہو چنانچہ ان دو آیات زیر تفسیر میں سے پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو حق تعالیٰ کو سب یقیناً اطلاع ہے اور بے جا کام کرنے والوں کا قیامت میں کوئی حمایتی نہ ہوگا۔"

یعنی تم جو صدقہ کرتے ہو خواہ فرضی ہو یا نفلی۔ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اخلاص سے ہو یا ریا سے حلال و طیب ہو یا ناپاک و خبیث ہو۔ اللہ کی راہ میں ہو یا شیطان کی راہ میں۔ اسی طرح تم جو نذریں مانتے ہو خواہ وہ عبادت مالیہ کی نذر ہو یا عبادت بدنیہ کی اور خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و رضا کے لئے ہو یا غیر اللہ کی تعظیم و خوشنودی کے لئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ان سب باتوں کا علم ہے۔ وہ کسی امر

Marfat.com

سے بیخبر نہیں۔سب کو جانتا ہے اور ہر ایک پر اس کے مطابق جزا دیں گے۔اس کے بعد یہ جو فرمایا وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں تو یہاں ظالمین کا لفظ عام ہے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروری شرائط کی رعایت نہیں کرتے یعنی ریاکار خیرات کرکے احسان جتلانے والے۔اللہ کی راہ میں گھٹیا اور ناکارہ خراب چیز دینے والے۔ناجائز مصارف میں دولت خرچ کرنے والے۔خلاف شریعت نذر ماننے والے اور اللہ کی راہ میں نہ خرچ کرنے والے وغیرہ وغیرہ سب اس میں شامل ہیں اور سب کو وعید سنائی جاتی ہے کہ خدائی احکام کی پرواہ نہ کرکے اپنے حق میں ظلم و ناانصافی کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں جو انہیں اس ظلم کی بدانجامی سے بچا سکے۔

آگے دوسری آیت میں صدقات وخیرات کے اظہار و اخفاء کے متعلق ارشاد ہے:۔

"اگر تم ظاہر کرکے دو صدقات کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفاء کرو اور اخفا کے ساتھ محتاجوں کو دے دو تو یہ اخفاء تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردیں گے۔اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں"

اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں صدقات سے نفلی صدقات مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اگر نفلی صدقات علانیہ غربا اور فقرا کو دیئے جائیں تو یہ بھی اچھا ہے کیونکہ اس سے دوسروں کے دلوں میں بھی خیرات کا جذبہ پیدا ہوگا۔نیک لوگ اس سخاوت کو دیکھ کر دعا کریں گے کہ اے اللہ ایسے سخی کو زندہ رکھ جو تیری راہ میں خرچ کرتا ہے۔نیز دوسرے مستحقین کو جب ایسے سخی کا علم ہوگا تو وہ بھی تمہارے وجود کو اپنے لئے سہارا سمجھیں گے اور تمہارے لئے دعا کریں گے۔

اور اگر نفلی صدقات پوشیدہ طور پر مستحقین کو دے دیئے جائیں تو یہ علانیہ دینے سے بہتر ہے کیونکہ اس طرح تمہارا صدقہ ریا اور نمود سے محفوظ رہا اور فقیر و ندامت اور شرمندگی سے محفوظ رہا اور ان نیکیوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے کچھ گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

اخیر میں وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم الغیب۔خبیر و بصیر اور حاضر و ناظر ہونے کے نظریہ کو پھر دہرایا ہے۔کیونکہ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں پر رغبت کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر اور اکسیری نسخہ یہی بندہ کا اعتقاد ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صدقہ ظاہر کرکے دو یا پوشیدہ طور پر دونوں ہی بہتر ہیں مگر صدقہ کا اخفا مزیادہ اچھا اور بہتر ہے۔صدقات کے علانیہ یا مخفی طریقہ کی افضلیت کے باب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ مفروضہ کا دینے والا اگر مشہور مالدار ہو تو اس کے لئے ادائے زکوٰۃ علانیہ افضل ہے۔اور مال دار اگر مشہور نہ ہو تو زکوٰۃ میں بھی اخفاء ہی بہتر ہے۔

Marfat.com

حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت ہے کہ نفلی صدقات میں علانیہ کے مقابلہ میں اخفا ستر درجہ افضل ہے اور واجبات و فرائض میں بہ نسبت اخفاء کے اظہار پچیس ۲۵ گنا بڑھا ہوا ہے۔ حضرت امام بصریؒ کا قول ہے کہ نفلی و فرضی تمام صدقات میں سب پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے اخفا ہی افضل ہے۔ دینے والے کی مصلحت اس میں یہ ہے کہ وہ ریا سے محفوظ رہتا ہے اور لینے والے کی مصلحت کی رعایت یہ ہے کہ وہ ندامت سے محفوظ رہتا ہے۔ دنیاوی مصلحت یہ ہے کہ عام لوگوں کو اُس کے مال کے اندازہ کا تخمینہ کا موقع نہیں ملتا اور اس کا مال محفوظ رہتا ہے اور دینی مصلحت ظاہر ہے۔ جمہور علماء محققین کے نزدیک اخفاء کی افضلیت فی نفسہٖ ہے اس لئے کسی موقع پر دفعہ تہمت یا امید تقلید وغیرہ مصالح کی وجہ سے اگر اظہار کو ترجیح ہو جائے تو یہ عارضی فضیلت ہے جو اصل فضیلت فی نفسہٖ کے منافی نہ ہوگی۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات گروہوں کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جس دن اس سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک[۱] عادل بادشاہ۔ دوسرے[۲] وہ نوجوان جو اپنی جوانی خدا کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گذارے۔ تیسرے[۳] وہ دو شخص جو اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھیں اس پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں۔ چوتھے[۴] وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے۔ نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک۔ پانچویں[۵] وہ شخص جو خلوت اور تنہائی میں اللہ کا ذکر کر کے رو دے۔ چھٹے[۶] وہ شخص جسے کوئی منصب اور جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے اور وہ کہدے کہ میں تو اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں اور ساتویں[۷] وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو (مراد یہ ہے کہ کسی پر ظاہر نہ ہو)۔ خلاصہ اور لب لباب مسئلہ کا یہی معلوم ہوا کہ اظہار اور اخفاء میں اختیار ہے ساتھ ہی اخفاء کی افضلیت بھی ہے جبکہ اظہار اور اعلان میں کوئی خاص مصلحت نہ ہو۔

آگے یہ بتلایا جاتا ہے کہ صدقہ اور خیرات دینے میں کچھ مسلمان کی تخصیص نہیں۔ اگر کافر بھی حاجتمند ہو تو اس کے ساتھ بھی احسان کرنے سے دریغ مت کرو بشرطیکہ وہ کافر اہل اسلام کو ضرر پہنچانے پر آمادہ نہ رہتا ہو جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے:۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ اس دنیا میں عطا فرمایا ہے اس میں سے اپنے راستہ میں اپنی رضا کے لئے خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ ہمیں ہر حال میں اخلاص نصیب فرما۔ اور اپنے کرم سے ہمیں بھی اس گروہ میں شامل ہونا نصیب فرما جن کو قیامت میں عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۴۷

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اُن کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ نہیں ولیکن خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ

اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے کرتے ہو ۔ اور تم کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

بجز رضا جوئی ذات پاک حق تعالیٰ کے ۔ اور جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب پورا پورا

يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

تم کو مل جاوے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا کمی نہ کی جائیگی۔

تفسیر و تشریح :- گذشتہ سے انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے کا بیان برابر ہوتا چلا آرہا ہے۔ گذشتہ آیت میں بتلایا گیا تھا کہ اگر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کی نیت نہ ہو تو فقراء کو خیرات دینا لوگوں کے روبرو بھی بہتر ہے اور چھپا کر خیرات کرنا بھی بہتر ہے یعنی صدقات و خیرات میں اظہار و اخفاء دونوں بہتر ہیں۔ مگر موقع اور مصلحت کا لحاظ ضروری ہے۔ اب فقراء کی تعمیم کی جاری ہے کہ خیر خیرات دینے میں کچھ مسلمانوں ہی کی تخصیص نہیں غیر مسلم بھی اگر حاجت مند ہو تو اسکے ساتھ بھی سلوک سے گریز نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجز مسلمانوں کے غیر مسلموں پر صدقات خرچ کرنے کی ممانعت فرمایا کرتے تھے چنانچہ بہت سے انصار صحابہ غیر مسلموں کو خیرات نہ دیتے تھے اور مصلحت اس میں یہ خیال کرتے تھے کہ شاید اس تدبیر سے کچھ لوگ مسلمان ہو جاویں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی رائے دی تھی۔ اس لئے اس آیت میں حق تعالیٰ دو طرح کے خطاب فرماتے ہیں۔ پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے :-

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ فرض و واجب نہیں جس کے لئے اتنے دور دراز کے اہتمام کئے جاویں ولیکن یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے جس کو چاہیں ہدایت پر لے آئیں یعنی آپ کا کام صرف ہدایت کا پہنچا دینا اور اس کی تبلیغ کر دینا ہے خواہ کوئی ہدایت پر آوے یا نہ آوے"

Marfat.com

اس کے بعد تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے مسلمانو! جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے کرتے ہو کہ اس کا ثواب تم ہی کو ملے گا اور تم کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی ذاتِ پاک حق تعالیٰ کے اور یہ غرض ہر حاجتمند کی رفع حاجت کرنے سے حاصل ہوتی ہے پھر مسلمان فقیر کی تخصیص کیوں کی جاوے اور نیز جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب یعنی اس کا عوض اور ثواب پورا پورا تم ہی کو آخرت میں مل جاوے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا کمی نہ کی جاوے گی (سو تم کو اپنے عوض سے مطلب رکھنا چاہیئے اور عوض ہر حال میں ملیگا پھر تم کو اس سے کیا بحث کہ ہمارا صدقہ مسلمان ہی کو ملے۔ کافر کو نہ ملے۔ لہٰذا اس فکر میں نہ پڑو۔)"

یہاں اس آیت میں وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ میں خیر سے مراد مال و دولت ہے ویسے تو لفظ خیر مقابل ہے لفظ شر کا اور خیر کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کو انسان اچھا سمجھتا ہے مثلاً مال۔ دولت۔ علم۔ اخلاق۔ عقل وغیرہ وغیرہ۔ قرآنِ کریم میں لفظ خیر کئی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یہاں آیت میں مال کے معنیٰ میں آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مال و دولت اسلام اور قرآن کے نزدیک اچھی اور خوب چیز ہے اسی لئے اسے خیر کہا گیا ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شر اور برائی مال و دولت میں نہیں بلکہ اسے ناجائز طریق پر حاصل کرنے یا جمع کرنے یا ناجائز کاموں میں خرچ کرنے اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے میں ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ اس آیت میں صدقات نافلہ اور عام خیرات کا بیان ہے۔ اور نفلی صدقہ اور خیرات کافر کو بھی دینا جائز ہے۔ اور یہ جو ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تیرا کھانا خاص متقی کھایا کریں تو اس سے مراد طعام دعوت ہے اور اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ طعام حاجت ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ غرضکہ حاجتمندی اور انسانی ہمدردی کی وجہ سے غیر متقی بلکہ غیر مومن بھی صدقات و خیرات کا مستحق ہو سکتا ہے۔ رہا صدقاتِ واجبہ یا صدقۂ فطر تو اس کے مستحق صرف مسلمان فقراء اور مساکین ہیں کیونکہ مسلمان تونگروں سے زکوٰۃ کا مال لیا جاتا ہے جو مسلمان غربا و فقراء کو ہی دینا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا کہ وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور جب اسلام قبول کر لیں تو ان کو یہ بتلا دینا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو مسلمان امیروں ہی سے لیجائے گی اور انہی کے غریبوں کو دی جائے گی پس جس طرح زکوٰۃ مسلمانوں ہی کے امیروں پر فرض ہے۔ اسی طرح ان سے لے کر مسلمان فقراء ہی پر تقسیم کی جائے گی۔ کافر فقیروں پر اس کا تقسیم کرنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح

حربی کافر کو جو اہلِ اسلام کو ضرر پہنچانے پر آمادہ رہتا ہو اس کو کسی قسم کا صدقہ وغیرہ دینا جائز نہیں۔ ذمّی کافر یعنی غیر حربی کو صرف زکوٰۃ و عُشر دینا جائز نہیں اور دوسرے صدقات سب جائز ہیں۔ (بیان القرآن)

علمائے محققین نے احادیث نبوی ؐ اور قرآنی تعلیم کی روشنی میں صدقات کے مراتب و آداب بیان کئے ہیں جو مختصراً حسبِ ذیل ہیں :۔

مخلوق الٰہی رزق دیئے جانے میں مساوی ہے لہٰذا اگر کوئی کافر یا فاجر بھوکوں مرتا ہے تو اس کو صدقہ دینا موجب ثواب ہے اور اگر ایسی حالت نہ ہو تو صدقہ کے مراتب ہیں۔ مثلاً کوئی شخص ایک آدمی کا کھانا دینا چاہتا ہے تو اوّلیٰ یہ ہے کہ اپنے کسی محتاج رشتہ دار کو دے۔ اور محتاج رشتہ داروں میں اگر ایک متقی دوسرا فاسق ہو تو متقی کو ترجیح دے کہ اس میں زیادہ فضیلت ہے لیکن اگر فاسق کو بھی دے دیا تو ثواب ضرور ملے گا۔ ضائع نہیں جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس جو محلہ دار مسلمان اور متقی ہو اس محلہ دار سے صدقہ پانے کا زیادہ مستحق ہے جو کافر ہو یا فاسق مسلمان ہو۔ یہ مراتب بہر حال نفلی صدقات کے ہیں۔

یہاں اس آیت میں حق تعالےٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو یہ ارشاد فرمایا لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ یعنی اُن کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ لازم نہیں۔ اس سے علماء نے یہ دلالت کی ہے کہ کسی کی ہدایت کے لئے زیادہ درپے نہ ہو اور تدبیر میں زیادہ مبالغہ نہ کرے کیونکہ کفار پر خیرات نہ کرنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تدبیر ہی امر فرمایا تھا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہو گئی تو آپ نے ہر دین والے حاجتمند کو نفلی خیرات دینے کا حکم دے دیا۔

الغرض یہاں آیت میں نفلی صدقات میں مومن کی تخصیص نہ ہونے کا بیان تھا۔ آگے اصل مستحقین کا بیان فرمایا جاتا ہے۔ یعنی حاجت کے وقت سب کو دینا چاہیئے لیکن اصل استحقاق ان لوگوں کا ہے جن میں بعض خاص صفات ہوں جن کو اگلی آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دُعا کیجئے :۔

یا اللہ! بیشک ہدایت آپ کے دستِ قدرت میں ہے اور آپ جس کو چاہیں ہدایت نصیب فرمائیں۔ یا اللہ اپنی ہدایت ہمارے لئے مقدر فرما اور اسی ہدایت پر جینا اور مرنا نصیب فرما۔ یا اللہ جو کچھ مال و دولت آپ نے ہم کو دُنیا میں عطا فرمایا ہے اس کے حقوق کی ادائیگی ہر حال میں نصیب فرما۔ اور مال و دولت کے فتنہ سے بچا۔ اور اپنی رضا کے لئے اس میں سے خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۴۸

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا

اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں ۔

يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ

وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے ۔ ناواقف اُن کو تونگر خیال

اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ

کرتا ہے اُن کے سوال سے بچنے کے سبب سے ۔ تم اُن کو اُن کے طرز سے پہچان سکتے ہو ۔ وہ لوگوں سے

النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے ۔ اور جو مال خرچ کروگے بیشک حق تعالیٰ کو اُس کی خوب

عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ ع ۳۰-۱-۷-۵

اطلاع ہے ۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا

پوشیدہ اور آشکارا سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس ۔ اور نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ان پر کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے ۔

تفسیر و تشریح ۔ گذشتہ چند آیتوں سے برابر صدقات و خیرات کا بیان ہو رہا ہے ۔ اور اس سے متعلق متعدد آداب و احکام کا بیان ہوا ۔ گذشتہ آیت میں یہ فرمایا گیا کہ صدقات و خیرات مومن کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ کافر کو بھی خیرات دینا جائز ہے ۔ اب آگے ان آیات میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ صدقات و خیرات کے کون لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں ۔

عام طور پر خیرات کا مستحق انہی لوگوں کو سمجھا جاتا ہے جن کا شیوہ بھیک مانگنا ہو یا پیشہ و اور طور و طریق اختیار کر کے اس فن گداگری میں چاق و چوبند ہوں لیکن ایک خوددار حاجتمند کو کوئی نہیں پوچھتا خصوصاً ایسے لوگ جو دنیا کا کام دھندہ چھوڑ کر خدمت دین کے لئے وقف ہو جائیں ۔ نہ انہیں تجارت و زراعت کی مقدرت ہو ۔ نہ ہی کوئی دوسرا وسیلہ معاش رکھتے ہوں ۔ دن رات دین و ملت کی خدمت میں منہمک

اور مشغول رہتے ہوں تو ایسے حاجتمندوں کے لیے جنہیں اس مشغولیت کے باعث دُنیا کے کمانے اور کام دھندے کی فرصت نہ ہو تو صدقات کے اصل مستحق ایسے فقراء اور حاجتمند لوگ ہیں۔

مفسرین نے اِس پہلی آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ تقریباً چار سو حضرات مہاجرین ترکِ وطن کر کے اور تمام گھر بار اور مال و منال سے کنارہ کش ہو کر مدینہ منورہ چلے آئے تھے اور ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے تھے مسجد نبوی کے پاس ایک چبوترہ تھا۔ رات کو سب اُس پر پڑ رہتے اور اکثر عبادت۔ تلاوت قرآن و احادیث نبوی اور علم دین کے سیکھنے سکھانے میں مشغول رہا کرتے تھے۔ نہ کھانے کمانے کی پرواہ تھی اور نہ دیگر ضروریات کی فکر۔ کسی نے کھانے کو لا دیا تو کھا لیا ورنہ بھوکے سو گئے۔ پھر کہیں جہاد پر کوئی فوجی دستہ بھیجا جاتا تو اس میں شامل ہو کر یہ حضرات بھی جاتے تھے۔ گویا یہ حضرات صحابہ بالکلیہ دینی خدمات پر مامور تھے۔ دُنیا اور معاملات دُنیا سے بالکل الگ ہو گئے تھے۔ مدینہ میں نہ اُن کا گھر تھا۔ نہ رشتہ دار نہ مدینہ سے باہر یہ کہیں کمائی کرنے جا سکتے تھے۔ اِن حضرات کو اصحاب صُفّہ کہا جاتا ہے۔ حضرت بلالؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عمارؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہی اصحابِ صُفّہ میں سے تھے جن کے متعلق یہ پہلی آیت زیرِ تفسیر نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوتا ہے :-

"صدقات اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مُقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں یعنی دین کی خدمت میں اور اسی خدمتِ دین میں مقید اور مشغول رہنے سے وہ لوگ طلب معاش کے لئے کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادۃً امکان نہیں رکھتے اور ناواقف اُن کو تونگر خیال کرتا ہے اُن کے سوال سے بچنے کے سبب سے البتہ تم اُن لوگوں کو اُن کے طرزِ ہیئت سے پہچان سکتے ہو کیونکہ فقر و فاقہ سے چہرہ اور بدن میں گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے اور یوں وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے جس سے کوئی ان کو حاجتمند سمجھے اور ان لوگوں کی خدمت کرے تو جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔" (یعنی اور لوگوں کو دینے سے اُن کی خدمت کا ثواب زیادہ دیں گے۔)

یہاں اس آیت میں خیرات و صدقات کا جن فقراء کو زیادہ مستحق بتلایا گیا اُن کی پانچ صفات ذکر فرمائی گئیں :-

۱ :- ایک یہ کہ وہ اللہ کی راہ میں بندھ گئے ہوں یعنی شب و روز یادِ الٰہی اور خدمت دین میں مشغول رہتے ہوں۔

۲ :- دوسرے یہ کہ وہ اپنی اِس دینی مشغولیت کی وجہ سے کہیں کاروبار از قسم تجارت یا ملازمت وغیرہ

Marfat.com

کے لئے نہیں جاسکتے۔

۳ :۔ تیسرے یہ کہ باوجود فقر و فاقہ کے اس کشادہ پیشانی اور خوبی سے گذارتے ہیں کہ ناواقف اُن کو اس بے اعتنائی اور بے سوالی سے غنی سمجھتا ہے۔

۴ :۔ چوتھے یہ کہ بشریت کے تقاضہ بہر حال ان میں موجود ہیں اسلئے حاجتمندی اور فقر و فاقہ کے آثار اُن کی شکل و صورت سے جانے جاسکتے ہیں۔

۵ :۔ پانچویں یہ کہ اُن میں صفت توکل غالب ہوتی ہے۔ عام سائلوں کی طرح در بدر بھیک نہیں مانگتے اور رستہ میں لوگوں سے سوالی بن کر لپٹتے نہیں پھرتے۔ ایسے لوگوں کو خیر خیرات دینے کی خاص ترغیب اس آیت میں دی گئی ہے۔

اِس وقت ہمارے زمانہ میں اس آیت کا بہترین مصداق وہ طلباء علم دین ہیں جو علوم دینیہ کی تحصیل اور اس کے مشاغل دینیہ میں مشغول ہوں۔ اہلِ زمانہ کا یہ اعتراض کہ وہ بالکل نکمے قوم پر بوجھ اور کمانے کے حق میں بیکار ہیں اس کا جواب قرآنِ کریم میں دے دیا گیا ہے۔

اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں اُسی کا دفعیہ کیا جارہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک شخص ایسے دو کام نہیں کرسکتا۔ جن میں سے ایک میں یا دونوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو اور جس کو علم دین کا کچھ مذاق ہوگا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت مشغولی اور انہماک کی حاجت ہے اس لئے اس کے ساتھ اکتساب مال کا شغل جمع نہیں ہوسکتا اور اس کے کرنے سے علم دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے۔ تو جو بات اہلِ زمانہ کی قابلِ اعتراض اور باعثِ طعن ہے درحقیقت قرآنی تعلیم کے مطابق وہی باعث کمال ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ صدقات و خیرات میں اُن حاجتمند طالبعلموں کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ جو علم دین کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ اگر دنیا میں یہ گروہ نہ رہے تو دنیا سے علم دین اور دین سب رخصت ہوجائے اور لوگ بے دین اور گمراہ ہوجائیں اس لیئے کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی چیز کا باقی رہنا اُس شے کے علم کے باقی رہنے پر موقوف ہے طب جسمانی کی اگر تعلیم نہ ہو اور نہ اس کی کوئی درسگاہ ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا بیماروں سے پُر ہوجائے گی اور کوئی طبیب و معالج نہ مل سکے گا۔ اسی طرح اگر طبِ روحانی یعنی علم دین کی کوئی درسگاہ نہ ہو اور نہ علم دین کے طالب علم ہوں تو دنیا روحانی مریضوں یعنی کفر و الحاد اور معصیت کے روحانی بیماروں سے بھری ہوگی۔ باقی اگر کوئی کفر و بیماری کو بیماری ہی نہ سمجھتا ہو تو اس سے ہمارا خطاب ہی نہیں۔

اب آگے دوسری آیت زیرِ تفسیر میں بتلایا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کسی زمان و مکان اور وقت و حال کی قید نہیں۔ جب موقع ہو خرچ کرنا چاہیئے سب کا اجر ملے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

Marfat.com

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دِن میں یعنی بلا تخصیص اوقات
پوشیدہ اور آشکارا یعنی بلا تخصیص حالات سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا قیامت
کے روز ان کے رب کے پاس جا کر اور نہ اُس روز اُن پر کوئی خطرہ واقع ہوگا
اور نہ وہ مغموم ہوں گے "

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب مذکورہ بالا پہلی آیت لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے بہت سے دینار اصحابِ صفہؓ کو بھیجے اور حضرت علی رضؓ نے آدھی رات کے وقت چھوارے ان کو بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری آیت نازل فرمائی ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے چار ہزار درہم خیرات کئے۔ ایک ہزار رات کو۔ ایک ہزار دن کو۔ ایک ہزار چھپا کر ایک ہزار علانیہ اُسوقت اِس آیت کا نزول ہوا۔ تو گو شانِ نزول خاص حضرات صحابہ کرام رضؓ کے متعلق ہو مگر مضمون آیت کا عام ہے اور اس آیت میں ان لوگوں کے اجرِ عظیم اور فضیلت کا بیان ہے جو اللہ کی راہ میں مال دولت خرچ کرتے ہیں۔ دِن رات حاجتمندوں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ صبح شام صدقات خیرات سے غربا پروری کرتے ہیں۔ اور ظاہراً و پوشیدہ جیسا بھی موقع ہو اس خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ایک تو وعدہ فرمایا۔ اور ایک خوشخبری بیان فرمائی۔ وعدہ تو یہ فرمایا:۔ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی اُن لوگوں کو اُن کا اجر جو اُن کے رب کے پاس جمع ہے ملے گا۔ دیکھئے اگر کسی کا روپیہ یا مال کسی کے پاس جمع ہو تو تلف اور نقصان ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے مگر یہاں اللہ تعالیٰ نے عِنْدَ رَبِّهِمْ فرما کر یہ اطمینان دلا دیا کہ اس کا اجر پروردگار کے پاس جمع رہتا ہے۔ اِس لئے کسی طرح ضائع نہیں ہو سکتا اور نہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ اور خوشخبری یہ سنائی وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ یعنی ایسے نیکی رساں بندوں کو قیامت کے دِن نہ ماضی کا غم ہوگا اور نہ مستقبل کا خوف یعنی ان کو کوئی خطرہ کی بات پیش نہ آئے گی۔ اور یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قیامت کے روز تو خاص بندے بھی بڑے خوف و خطر میں گھرے ہوں گے تو بیشک اُن کو خود تو طبعی خوف و دہشت ہو سکتی ہے مگر جس امر کا خطرہ ہے وہ پیش نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی اس خوشخبری کا مصداق بنائیں اور قیامت کے دِن خوف و غم سے ہم سب کو محفوظ فرمائیں۔ آمین۔ یہاں تک تو انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہوا۔ اسکے بعد صدقہ و خیرات کی ضد یعنی سود کے ذریعہ مال کو بڑھانا اسکے احکام ذکر فرمائے گئے ہیں تاکہ صدقہ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ سود کی برائی مذمت و حرمت کا بھی بیان ہو جائے جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے :۔ اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت ہم کو دُنیا میں عطا فرما رکھا ہے اسمیں سے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو آپ کی توفیق سے خرچ ہو جائے اسکو اپنی رحمت سے قبول فرما لیجئے اور ہمارے لئے باعثِ اجر و ثواب بنا دیجئے آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

درس ۱۴۹

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ

جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے

الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ

ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر - یہ سزا اس لئے ہو گی

بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ

کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال

الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ

فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے - پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت

رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط

پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اسی کا رہا - اور معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا -

وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے - وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے خیرات و صدقات اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلتیں بیان فرمائی تھیں - چونکہ خیرات و صدقات سے غریبوں اور حاجتمندوں کے معاملات میں سہولت اور بے مروتی کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے - بہت سے گناہ دور ہو جاتے ہیں - اخلاق میں نرمی - خیر اندیشی - نفع رسانی - اور خدمتِ خلق کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس لئے اس کی اہمیت خوب کھول کر بیان کی گئی تھی - اور گذشتہ آیات میں صدقہ کرنے والوں کا حال بیان فرمایا کہ دنیا اور آخرت میں ان کو خیرات کا عوض اور ثواب ملے گا اور آخرت میں ان کو کسی قسم کا رنج و غم نہ ہو گا -

اب اس آیت سے سود کی بحث شروع ہوتی ہے اور سود خواروں کا حال بیان فرمایا جاتا ہے - سود ضد ہے صدقہ کی - اگر صدقہ و خیرات سے مروت بڑھتی ہے تو سود سے ظلم ترقی کرتا ہے - صدقہ میں اپنے مال کا بظاہر جائز طور پر گھٹانا ہوتا ہے اور سود میں اس کا ناجائز طور پر بڑھانا - صدقہ میں اہلِ حاجت کو نفع پہنچانا اور سود میں ان کو ضرر پہنچانا - صدقہ و خیرات میں صلہ رحمی اور غربا کی امداد ہوتی ہے

اور سود میں سراسر بے مروتی اور ضرر رسانی ہوتی ہے - نیز سود مانع صدقات وخیرات ہے کیونکہ جب سود لینے کی منشاء مال کی اس درجہ محبت ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی بھی پروا نہیں کرتا تو حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے ایسے محبوب مال کو اپنے سے کیسے جدا کرے گا۔ اس لئے خیرات کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور ممانعت کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ اور اپنی جگہ پر انتہائی مناسب اور برمحل ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کا مقصد کہ انسانوں میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا ہو پورا نہیں ہو سکتا تھا تاوقتیکہ سود خوار کی ذہنیت جو اس کی پوری ضد ہے اس کو نہ روک دیا جاتا۔ اس لئے اس آیت سے ربوٰا یعنی سود کی حرمت کا بیان شروع ہوتا ہے۔

لفظ ربوٰا کے لغوی معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں خصوصاً سرمایہ میں اضافہ۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے اصل قرضہ پر زیادتی یا بلاوجہ مال حاصل کرنا اور مال پر زیادتی چاہنا۔ عربوں کے ہاں ایام جاہلیت میں اس سے مراد وہ زائد رقم تھی جو قرض خواہ معاوضہ میں وصول کرتا تھا۔ جسے آج سود کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے سود کی جگہ نفع کہنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن یوں لفظ بدل دینے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ چنانچہ آیت زیر تفسیر میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

"جو لوگ سود کھاتے ہیں (یعنی لیتے ہیں) وہ قیامت میں قبروں سے اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دے یعنی حیران و مدہوش۔ یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان سود خوار لوگوں نے سود کے حلال ہونے پر استدلال کرنے کے لئے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے کیونکہ اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے پھر سود بھی جو کہ اس کا مثل ہے حلال ہونا چاہیئے حالانکہ دونوں میں کھلا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کہ مالک ہیں احکام کے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پھر جس شخص کو اسکے پروردگار کی طرف سے اس بارہ میں نصیحت پہنچی اور اس سود کے فعل سے اور کفر کے قول سے یعنی سود کو حلال کہنے سے باز آگیا اور حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا تو جو کچھ اس حکم کے آنے سے پہلے لینا ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا یعنی ظاہر شرع کے نزدیک وہ لیا ہوا مال اسی کی ملک ہے اور باطنی معاملہ اس کا کہ وہ دل سے باز آیا ہے یا منافقانہ توبہ کر لی ہے یہ خدا کے حوالہ رہا۔ اور جو شخص نصیحت مذکور سن کر بھی اسی قول اور اسی فعل کی طرف پھر عود کرے تو بوجہ اسکے کہ اس کا یہ فعل خود گناہ کبیرہ ہے یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور بوجہ اس کے کہ ان کا یہ قول کفر ہے اس لئے وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے"

یہ تو ہے اس آیت زیر تفسیر کا تشریحی ترجمہ جس سے کہ سود کی حرمت اور مذمت ظاہر ہے۔ اب اس آیت میں چھ جملے ہیں مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے ہر جملہ کی مزید تفسیر و تشریح عرض کی جاتی ہے۔

۱۔ پہلا جملہ ہے اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط (یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دے)۔

اس جملہ میں سود خواروں کے انجام بد اور محشر میں اُن کی رسوائی اور گمراہی کا ذکر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کھڑے ہونے سے مراد محشر میں قبر سے اُٹھنا ہے کہ سود خوار جب قبر سے اُٹھے گا تو اس پاگل اور مجنون کی طرح اُٹھے گا کہ جس کو کسی خبیث جن نے لپٹ کر خبطی اور دیوانہ سا بنا دیا ہو یعنی قیامت کے دن اس کا حشر اس طرح ہو گا کہ جب سود خوار قبر سے اُٹھے گا تو اُس کے حواس باختہ ہوں گے اور وہ دیوانہ وار لڑکھڑاتا ہوا میدانِ حشر کی طرف چلے گا۔ قیامت کے دن میدانِ حشر میں سود خواروں کی یہ خصوصی علامت ہو گی جس سے ہر ایک انہیں پہچان لے گا اور یہ میدانِ حشر میں اُنہیں رسوا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس جملہ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جنات اور شیاطین کے اثر سے انسان بیہوش، مجنون یا دیوانہ ہو سکتا ہے۔ اور حقیقت اسکی یہ ہے کہ جنات بعضے خبیث ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ کسی شخص کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کے تسلط سے انسان بدحواس ہو جاتا ہے۔ چونکہ جنات کا وجود قرآن سے ثابت ہے اور اسکے انگلی چبھونے کے اثر سے بچہ کا رونا حدیث سے ثابت ہے اس لئے اس جملہ میں یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ رہا یہ کہ اس جرم سود خواری کو اس سزا سے مناسبت کیا ہے کہ جو سود خوار کو خبطی بنا کر محشر میں اُٹھایا جائے گا تو علماء نے لکھا ہے کہ سود خوار کی حرص میں اس قدر مدہوش ہوتا ہے کہ اس کو نہ کسی غریب پر رحم آتا ہے۔ نہ کسی کی شرم مانع ہوتی ہے تو در حقیقت وہ زندگی میں مال کی لالچ میں مدہوش تھا۔ اس لئے محشر میں بھی مدہوشی کی حالت میں اُٹھایا جاوے گا۔

۲۔ دوسرا جملہ یہ ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (یہ سزا اس لئے ہوئی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے) اس جملہ میں سود خواروں کی مذکورہ بالا سزا کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان لوگوں نے دو جرم کئے۔ ایک تو بذریعہ سود کے حرام مال کھایا۔ دوسرے اس کو حلال سمجھا اور تجارتی کاروبار اور سودی لین دین کو یکساں قرار دیا۔ آج بھی جبکہ اس زمانہ میں سودی کاروبار کی کثرت ہے۔ یہی کہا جاتا ہے کہ سود اور بیع میں فرق ہی کیا ہے؟ جس طرح دس روپیہ کی چیز کو پندرہ روپیہ میں بیچنا درست ہے اسی طرح دس روپیہ دے کر پندرہ روپیہ لے لینا بھی جائز ہے۔ کیونکہ وہ بھی روپیہ کا نفع ہے اور یہ بھی روپیہ کا نفع ہے۔ اگر ہم دس روپیہ قرض نہ دیتے تو اتنی مدت میں دس روپیہ

Marfat.com

کی تجارت سے پندرہ کر لیتے لہٰذا بیع وسود دونوں ایک ہی طرح ہیں۔ اسی طرح اور بھی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔ مگر ان تمام قیاس آرائیوں کی اللہ تعالیٰ نے صاف صاف تردید فرمادی اور اس کا جو حاکمانہ جواب دیا گیا وہ تیسرے جملہ میں ارشاد ہے۔

۳۔ تیسرا جملہ ہے وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (اللہ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کر دیا) معلوم ہوا کہ بحکم خداوندی بیع اور ربٰوا میں زمین وآسمان کا فرق ہے خواہ عام انسان اس کو محسوس کرے یا نہ کرے۔ اللہ جل شانہٗ ہی ہر چیز کے نفع وضرر اور برے بھلے کو پوری طرح جانتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایک کو حلال دوسرے کو حرام قرار دیا تو سمجھ لو کہ جس چیز کو حرام کیا ہے اس میں ضرور بالضرور کوئی نقصان ضرر اور خباثت ہے۔ پھر جب حق تعالیٰ مالکِ مطلق وحاکم مطلق ہیں تو ان کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ باقی سود خواروں کے اپنے استدلال میں یہ کہنا کہ جس طرح بیع میں نفع وزیادتی ہوتی ہے اسی طرح سود میں بھی نفع وزیادتی ہوتی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں اس کا جواب بعض علماء نے خوب لکھا ہے کہ سود خواروں کی اس استدلال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی یہ کہے کہ جیسے بیوی عورت ہے اس طرح ماں بھی عورت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بیوی تو حلال ہے اور ماں حرام ہے یا یوں کہئے کہ کتا بھی ایک جانور ہے اور بکری بھی جانور ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک حلال ہے دوسرا حرام ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کتنی بے عقلی کی دلیل ہوئی کہ بیع بھی مثل ربٰوا کے ہے۔

۴۔ چوتھے جملہ میں ارشاد ہے فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ (پس جس کو اس کے پروردگار کی جانب سے نصیحت پہنچ گئی اور وہ اس فعل حرام سے باز آگیا یعنی سود لینا بھی چھوڑ دیا اور اسے جائز ٹھہرانے سے بھی توبہ کر لی تو اب گذشتہ گناہ پر اس کو مواخذہ نہیں ہوگا اور جو سود وہ گذشتہ میں لے چکا ہے اسے اب واپس کرنا ضروری نہیں۔ جو لے چکا سو لے چکا۔ رہا باطن کا معاملہ کہ سچے دل سے توبہ کی یا منافقانہ توبہ کر لی یہ خدا کے سپرد ہے (جیسے آگے پانچویں جملہ میں ارشاد فرمایا)۔

۵۔ پانچواں جملہ ہے وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ (اور معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا) یعنی اگر صدق نیت سے باز آیا ہے اور سود خواری سے سچی توبہ کی ہے تو اللہ اسکی جزا دے گا اور اگر کسی دنیوی مصلحت یا ظاہرداری کی بنا پر ریاکارانہ توبہ کی ہے تو اس کے مطابق معاملہ ہوگا۔

۶۔ چھٹے جملہ یعنی آیت کے اخیر میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (اور جو شخص اس نصیحت کے بعد پھر اسی فعلِ حرام اور قولِ کفر کی طرف رجوع کرے یعنی ربٰوا کی تحریم کے بعد بھی سود سے باز نہ آئے بلکہ سود لیتا رہے اور حسب سابق اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا کہتا رہے یعنی سود کے حلال کرنے کے لئے تقریر کرتا رہے اور دلائل دیتا رہے تو ایسے لوگ جہنمی ہیں۔ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے جو جہنم میں ہمیشہ رہنے کا باعث ہے۔

فقہائے اُمت نے تصریح کی ہے کہ جو شخص سود کو حلال سمجھے وہ باجماع اُمت کافر اور مرتد ہے اور اگر سود کو حلال نہیں سمجھتا مگر چھوڑتا بھی نہیں تو مسلمانوں کے امیر یا بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسے شخص کو قید کرنا واجب ہے یہاں تک کہ توبہ کرے اور اگر کوئی اسی قسم کی جماعت یا جتھا ہے جن کا قید کرنا مشکل ہے تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسی جماعت سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ نیز فقہا نے تصریح کی ہے کہ کھلے ہوئے خالص حرام پر زکوٰۃ نہیں۔ لہٰذا جس شخص کے پاس سود۔ خیانت۔ رشوت غصب کا لاکھوں کروڑوں روپیہ بھی جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ حلال مال پر واجب ہوتی ہے اور جو مال سود رشوت۔ خیانت یا چوری سے حاصل کیا جائے وہ دوسروں کا حق ہے۔ اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلویؒ)

فقہا نے لکھا ہے کہ جو شخص حرام مال کا صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھے تو اندیشہ کفر کا ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں ناپاک اور گندی اور خبیث چیز پیش کرنا اور پھر اس پر اس کی رضا اور خوشنودی کی اُمید رکھنا کمال بے ادبی اور گستاخی ہے۔ (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ اس سود کی وبا سے سب مسلمانوں کو کامل طور پر بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

سود ہمیشہ سے ایسی ناپاک چیز رہی ہے کہ تمام شریعتوں اور آسمانی دینوں میں حرام رہا ہے۔ اب بھی ظاہراً اور فی الحال مال بڑھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن مآل اور انجام اس کا تباہی و بربادی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں بتلایا گیا ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

اللہ تعالیٰ اس سودی پُرفتن دَور میں ہمیں ہر طرح سے سود کے معاملات سے بچنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنے عقائد خصوصاً سود کے معاملات میں قرآن و سُنّت کی تعلیم کے موافق رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یا اللہ! ہمیں ہر طرح سے حرام سے بچنے اور حلال کو حاصل کرنے کا عزم و جزم نصیب فرما۔ اور مُلک میں جو سودی معاملات کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ یا اللہ اس کے اصلاح کی صورت غیب سے فرما۔

اور شرعی احکام کا ہم کو ظاہراً و باطناً اتباع نصیب فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۵۰

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں - اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے
كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾
کسی کفر کرنے والے کو کسی گناہ کے کام کرنے والے کو

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ نے خیرات و صدقات کے فضائل بیان فرمائے اُس کے بعد سُود جو کہ خیرات و صدقات کی ضد ہے اُس کی مذمت اور ممانعت کا ذکر ہوا تھا اور سود کو حرام بتلا کر اُس کے متعلق بعض احکام بیان فرمائے گئے تھے۔

اب سود جیسی ناپاک۔ خبیث اور حرام چیز ہے اُس کے مقابلہ میں صدقات و خیرات نہایت باعث اجر و برکت و ثواب ہے اِس لئے اس آیت میں ایک دوسرے طرز پر صدقہ و خیرات کی ترغیب اور سود لینے کی ترہیب بیان فرمائی جاتی ہے۔ تاکہ اہلِ اسلام سود سے کامل طور پر بچیں اور صدقات و خیرات کی طرف راغب ہوں۔

ایک ظاہر بین کی نظر میں سود میں اگرچہ مال بڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر حق تعالیٰ اس آیت میں حقیقت مآل اور انجام کو بتلاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے :-

"اگرچہ سود لینے سے فی الحال مال بڑھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن انجام کار میں اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں یعنی کبھی تو دُنیا میں سود خوار کا مال برباد ہو جاتا ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی بربادی ہے کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہوگا اور برخلاف اِس کے صدقہ میں گو فی الحال مال گھٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن مآل کار اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتے ہیں کبھی تو دُنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو یقیناً بڑھتا ہے۔ کیونکہ وہاں اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو اور اسی طرح پسند نہیں کرتے کسی گناہ کے کام کرنے والے کو"

یہاں اس آیت میں سود کے ساتھ صدقہ کا ذکر ایک خاص مناسبت سے لایا گیا ہے کہ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں بھی تضاد ہے اور اُن کے نتائج بھی متضاد ہیں اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض اور نیت اور حالات و کیفیات بھی متضاد ہوتے ہیں حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں تو بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے اور سود میں بغیر کسی

Marfat.com

مالی معاوضہ کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے اور دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اسلئے متضاد ہیں کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور ثوابِ آخرت کے لئے اپنے مال کو کم یا ختم کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور سود لینے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بے پرواہ ہو کر اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اور نتائج کا متضاد ہونا قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال کو یا اس کی برکت کو مٹا دیتے ہیں اور صدقہ کرنے والے کے مال کو یا اس کی برکت کو بڑھا دیتے ہیں۔ اور کیفیات کا تضاد یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو دین کے دوسرے کاموں کی بھی توفیق ہوتی ہے اور سود خوار ان سے عموماً محروم رہتا ہے۔

یہاں آیت میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ سود کے مٹانے اور صدقات کے بڑھانے کا مطلب کیا ہے؟ عام طور پر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ مٹانا اور بڑھانا آخرت کے متعلق ہے کہ سود خوار کو اس کا مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گا بلکہ اس پر وبال بن جائے گا اور صدقہ و خیرات کرنے والوں کا مال آخرت میں ان کے لئے ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا۔ اور یہ بالکل ظاہر اور یقینی ہے کہ جس میں شک و شبہ کی بالکل گنجائش نہیں اور اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ صدقہ کا بڑھانا اور سود کا مٹانا آخرت کے لئے تو ہے ہی مگر اس کے کچھ آثار دنیا میں بھی مشاہد ہو جاتے ہیں۔ سود جس مال میں شامل ہو جاتا ہے بعض اوقات تو وہ مال خود ہلاک و برباد ہو جاتا ہے اور پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتا ہے اور اہلِ تجربہ کے بے شمار بیانات اس بات میں مشہور و معروف ہیں کہ سود کا مال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ پائیدار اور دیر تک باقی نہیں رہتا کہ جس کا فائدہ اور نسلوں میں سے اکثر کوئی نہ کوئی آفت پیش آکر اس کو برباد کر دیتی ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا کے معنیٰ یہ ہیں کہ سود کے مال میں سے نہ کوئی صدقہ و خیر خیرات مقبول ہے اور نہ حج و جہاد اور نہ کوئی صلہ رحمی مقبول ہے۔ یہ دنیا کی بربادی ہوئی کہ سود کے روپیہ کا کوئی عمل مقبول نہیں۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور بھی خیرات کرے۔ اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے جس طرح تم لوگ اپنے بچھیروں کو پالتے ہو اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا۔

ایک اور حدیث میں جس کو مسند احمد اور ابن ماجہ میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجام کار نتیجہ اس کا قلت ہے۔

Marfat.com

صدقہ وخیرات میں اگرچہ ظاہراً مال کم ہوتا اور گھٹتا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں مال بڑھتا ہے۔ اس لئے کہ صدقہ وخیرات سے جس قدر نکلتا ہے اس سے کہیں زائد اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے دیتا ہے اور برکت کی حقیقت یہ ہے کہ تھوڑے مال میں کام بہت نکل جائیں یہ مشاہدہ ہے کہ صدقہ وخیرات کرنے والوں کے مال میں بے شمار برکت ہوتی ہے۔ اُن کے تھوڑے مال سے اتنے کام نکل جاتے ہیں کہ جو حرام مال والوں کے بڑے بڑے اموال سے وہ کام نہیں نکلتے کیونکہ ان کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے اور جس مال میں بے برکتی ہوتی ہے اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لئے خرچ ہوتا ہے یا وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا یا غیر مقصود چیزوں میں مثلاً بیماری، علاج معالجہ ڈاکٹروں وغیرہ میں بڑی بڑی رقمیں خرچ ہو جاتی ہیں جس کا سابقہ صاحب صدقہ وخیرات کو اول تو پڑتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو تندرستی وعافیت کی نعمت عطا فرماتے ہیں اور اگر کبھی بیماری وغیرہ آئی بھی تو معمولی اخراجات سے تندرستی وصحت حاصل ہو جاتی ہے۔

الغرض سود کی مذمت اور اس کی برائی کے سلسلہ میں ایک خدائی قانون یہاں بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات وخیرات کی فضیلت وترغیب میں یہ خدائی قانون بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ یہ قوانین خداوندی بتلانے کے بعد آیت کے اخیر میں ارشاد ہوا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو۔ کسی گناہ کا کام کرنے والے کو۔ گویا اس میں اشارہ فرما دیا کہ جو لوگ سود کو حرام ہی نہ سمجھیں بلکہ حلال جانیں وہ کفر میں مبتلا ہیں اور جو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہیں وہ گنہ گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی کا اثر دونوں قسم کے لوگوں پر عذاب آخرت کی شکل میں ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اب آگے ان سود خواروں کے مقابل مومنین صالحین جو نماز اور زکوٰۃ کے پابند ہیں اُن کے اجر عظیم اور آخرت کی راحت کا ذکر ہے جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو جملہ قرآنی احکام کا اتباع کامل ظاہراً وباطناً نصیب فرمائیں۔ اور اس پُرفتن دور میں ہم کو سودی کاروبار اور لین دین سے خصوصیت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو کچھ حق تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمایا ہے اُس میں سے اپنی مرضیات کے لئے صدقہ وخیرات کی سعادت نصیب فرمائیں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۵۱

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز کی پابندی کی

وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ج وَلَا خَوْفٌ

اور زکوٰۃ دی اُن کے لئے اُن کا ثواب ہوگا اُن کے پروردگار کے نزدیک اور اُن پر کوئی خطرہ

عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

نہیں ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے - اے ایمان والو

اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ کُنْتُمْ

اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اُس کو چھوڑ دو اگر تم

مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ

ایمان والے ہو - پھر اگر تم نہ کروگے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے

اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ج

اور اس کے رسول کی طرف سے - اور اگر تم توبہ کرلوگے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے -

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے - اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا -

تفسیر و تشریح :- گذشتہ آیت میں سود اور صدقات کا موازنہ کرکے اللہ تعالیٰ نے دونوں کا انجام بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور ساتھ ہی سود خوار کے متعلق کَفَّارٍ اَثِیْمٍ کے الفاظ استعمال ہوئے تھے - کفار صیغہ مبالغہ ہے یعنی زبردست کافر - بڑا ناشکرا اور اَثِیْمٍ یعنی بہت زیادہ گناہگار - تو وہاں اشارہ فرمایا گیا تھا کہ جو لوگ سود کو حرام ہی نہ سمجھیں بلکہ حلال جان کر لیتے ہیں وہ کفر میں مبتلا ہیں - اور جو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہیں وہ بڑے گنہگار ہیں اور ان دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اعلان فرمایا تھا - اب مذکورہ بالا اشخاص کی ضد کا آگے بیان ہے یعنی کفر میں مبتلا ہونے والوں کے مقابلہ میں ایمان والوں کا اور بدکاروں کے مقابلہ میں نیکوکاروں کا اور سود خواروں کے مقابل زکوٰۃ و صدقات دینے والوں کا اور یہ طرز بیان قرآن کریم کے امتیازی اوصاف میں سے ہے -

کہ ایک نوع کے بیان کے بعد اس کی ضد کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ اچھے بُرے۔ حق ناحق کا صاف صاف اظہار ہو جائے اور ترغیب و ترہیب اور اِنذار و بشارت بدرجۂ کامل حاصل ہو جائے۔ اس لئے سود خواروں کے مقابل اس پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے :۔

" بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کئے یعنی اپنے عقاید کو شریعت اسلامیہ اور قرآنی تعلیم کے موافق رکھا اور حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام سمجھا اور فرائض الٰہیہ کے پابند رہے بالخصوص نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہے تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور اجر و ثواب عطا فرمائیں گے اور ان کا کوئی عمل ضائع نہ جائے گا۔ اپنے پروردگار کے پاس وہ ہر نیک عمل کا ثواب جمع پائیں گے اور آخرت میں نہ اُن پر کوئی خطرہ واقع ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ خاطر ہوں گے "۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار اور مخلص و فرمانبردار بندوں کے لئے قرآنِ کریم میں متعدد جگہ یہ بشارت سُنائی ہے اور وعدہ فرمایا ہے جو یہاں بھی دُہرایا گیا ہے یعنی لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ یعنی قیامت کے دن تمام دُکھ درد سے امن میں رہیں گے اور کوئی خوف و خطر اُن پر واقع نہیں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے انعام و اکرام سے سرفراز فرمائے گا۔ برخلاف اس کے گذشتہ آیات میں سود خواروں اور نافرمانوں کے متعلق اَصْحٰبُ النَّارِ۔ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيمٍ فرمایا گیا یعنی وہ جہنمی ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے یعنی مبغوض رکھتے ہیں ایسے کفر اور گناہ کرنے والوں کو۔

اب اس ترہیبی اور ترغیبی مضمون کے بعد دوسری آیت میں صاف صاف حق تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو بالکل چھوڑ دو چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

" اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اُس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو کیونکہ ایمان کا مقتضا اطاعت کرنا ہے۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار سُن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اُس کے رسول کی طرف سے یعنی تم پر جہاد ہوگا۔ اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مِل جائیں گے اس قانون کے بعد نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے کہ تم اصل مال سے زیادہ لینے لگو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پاوے گا کہ تمہارا اصل مال بھی نہ دلایا جاوے "

ان دونوں آیات زیر تفسیر کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ایامِ جاہلیت میں عرب میں قبیلہ بنو ثقیف سودی کاروبار میں سب سے زیادہ معروف تھا اور اسی قبیلہ نے بحالتِ کفر کہا تھا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے جب ۹ سنہ ہجری میں یہ مسلمان ہو گئے اور ایک دوسرا قبیلہ بنو مغیرہ ان کا حریف تھا وہ بھی مسلمان ہو چکا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سودی کاروبار تو سب ہی نے چھوڑ دیا تھا لیکن

Marfat.com

پچھلے معاملات میں بنو ثقیف کی سود کی رقم بنو مغیرہ کے ذمہ لازم تھی اُنہوں نے اپنا بقایا سود کا مطالبہ بنو مغیرہ سے کیا۔ بنو مغیرہ نے جواب دیا کہ مسلمان ہونے کے بعد ہم سود ادا نہیں کریں گے کیونکہ سود کا جس طرح لینا حرام ہے اسی طرح دینا بھی حرام ہے یہ جھگڑا مکہ میں پیش آیا اور مقدمہ امیر مکہ کی عدالت میں پیش ہوا چونکہ سابق معاملہ کی رقم سود کا مسئلہ اُس وقت تک قرآن پاک میں صاف مذکور نہ تھا۔ اس لئے امیر مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ عریضہ لکھا اور اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا فیصلہ کیا جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہ عریضہ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ ان آیات میں نازل فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد سود کی بقایا رقم کا لین دین بھی جائز نہیں چنانچہ سب حضراتِ صحابہ رضؓ نے یہ قرآنی حکم سن کر اُس کے مطابق اپنے مطالبات بھی چھوڑ دیئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ سود کی اہمیت اور اس میں پیش آنے والے نزاعات کے پیشِ نظر اس مسئلہ کا اعلان حَجَّۃُ الْوَدَاعِ کے اُس خطبہ میں فرمایا جو اسلام میں ایک دستور اور منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام کے آخری مجمع میں کیا گیا۔ اُس میں آپؐ نے زمانۂ جاہلیت کی سودی رقم سے دست برداری کا حکم عام فرمایا۔

یہاں اس بقایا سود کے چھوڑ دینے کے حکم کو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ سے شروع کیا گیا ہے جس میں خوفِ خدا کا حوالہ دے کر سود چھوڑنے کے حکم کو آسان کرنے کی تدبیر فرمائی گئی کیونکہ خوفِ خدا اور خوفِ آخرت ہی ایسی چیز ہے جس سے انسان کے لئے ہر مشکل چیز آسان اور سب تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں۔ پھر بقایا سود چھوڑ دینے کے حکم کے بعد بطور تاکید شدید کے فرمایا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (اگر تم مسلمان ہو) جس میں صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ سود کی پچھلی رقم بھی وصول کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ اس کے بعد اس حکم کی مخالفت کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی کہ اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ یہ ایسی وعید شدید ہے کہ کفر کے سوا کسی بڑے سے بڑے جرم و گناہ پر ایسی وعید کہیں قرآن و حدیث میں نہیں جس سے سود خواری کے گناہ کا انتہائی شدید اور سخت ہونا ثابت ہوا۔ پھر یہ قانون بیان فرمایا کہ سود لینے سے توبہ کر لی جائے اور گذشتہ سود کی بقایا رقم چھوڑ دینے کا عزم بھی کر لیا جائے تو اصل راس المال کے لینے کا حق دار ہے تو یہاں اصل راس المال ملنے کے لئے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ سود سے توبہ کر لی جائے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر سود سے توبہ نہ کی تو اصل راس المال بھی ضبط ہو جائے گا۔ اس کی تصریح علماء مفسرین اور فقہا نے یہ کی ہے کہ سود سے توبہ نہ کرنے کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن میں اصل راس المال بھی ضبط ہو سکتا ہے۔ مثلاً سود کو حرام ہی نہ سمجھے تو یہ قرآن کریم کے قطعی حکم کی خلاف ورزی و قانون شکنی ہے اور ایسی مخالفت جتھہ بنا کر کی جائے تو ایسا کرنے والے باغی ہیں اور باغیوں کا مال بھی ضبط

Marfat.com

کرکے بیت المال میں امانت رکھ دیا جاتا ہے کہ جب وہ توبہ کرلیں اور بغاوت چھوڑ دیں اس وقت ان کو مال واپس دیا جائے۔

تو آپ اندازہ کیجئے کہ سود کی ممانعت کس شدت سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد بھی سود کے جواز کی کوئی صورتیں نکالے اور سودی لین دین سے باز نہ آئے تو وہ اللہ اور رسول کا باغی نہیں تو اور کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی سود کے معاملہ میں ایسے سخت ہیں کہ جن کو سن کر ایک صاحبِ ایمان تو کبھی قصداً اس گناہ میں مبتلا ہونے کی جرأت ہرگز نہ کرے گا۔ اس سلسلہ کی چند احادیث ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:۔

۱:۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ سات مہلک چیزوں سے بچو صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر اللہ کو شریک کرنا۔ دوسرے جادو کرنا تیسرے کسی کو ناحق قتل کرنا۔ چوتھے سود کھانا۔ پانچویں یتیم کا مال کھانا۔ چھٹے جہاد کے وقت میدان سے بھاگنا۔ ساتویں کسی پاک دامن عورت پر تہمت باندھنا۔

۲:۔ ایک حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں کہ اُن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان کو جنت میں نہ داخل کرے۔ اور جنت کی نعمت نہ چکھنے دے۔ وہ چار یہ ہیں۔ ایک جو شراب پینے کا عادی ہو۔ دوسرے سود کھانے والا۔ تیسرے یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور چوتھے اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا (مستدرک حاکم) (یعنی بلا سزا بھگتے سیدھا جنت میں داخل نہ ہوگا۔)

۳:۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ اور سود دینے والے پر بھی اور بعض روایات میں سودی معاملہ پر گواہی دینے والے اور اس کا وثیقہ لکھنے والے پر بھی لعنت آئی ہے۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ شاہد اور کاتب پر لعنت اس صورت میں ہے جب اُن کو اس کا علم ہو کہ یہ سود کا معاملہ ہے۔

۴:۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں لین دین سود کا رواج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُن پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جائے تو دشمنوں کا رعب و غلبہ اُن پر ہو جاتا ہے۔

۵:۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ پھل کو قابلِ استعمال ہونے سے پہلے فروخت کیا جائے اور فرمایا کہ جب کسی بستی میں بدکاری

Marfat.com

اور سودی کاروبار پھیل جائے تو اُس نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اپنے اوپر دعوت دیدی

۱۶- ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی جو سود کا ایک درہم کھاتا ہے۔ وہ چھتیس ۳۶ مرتبہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ ہے اور بعض روایات میں ہے کہ جو گوشت مالِ حرام سے بنا ہو اُس کے لئے آگ ہی زیادہ مستحق ہے اور بعض روایات میں ہے کہ مسلمان کی آبروریزی سود سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔

یہ چند روایات اور ارشاداتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن میں ظاہر ہے کہ سود کی کیسی شدید مذمت اور اس پر کیسی سخت وعید سُنائی گئی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری قوم اور ہمارے ملک کو دین کا احساس اور دین کی سمجھ و فہم عطا فرمائیں اور سودی کاروبار سے بچنے کا عزم و توفیق نصیب فرمائیں۔

الغرض یہاں مسلمانوں کو سود سے توبہ کرنے کا حکم اور سود کی بقایا رقم وصول کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اب آگے نہ صرف سود کے چھوڑ دینے بلکہ قرضدار سے قرضہ وصول کرنے میں مہلت اور نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلی آیت میں آئندہ درس میں ہوگا۔

دعا کیجئے

یا اللہ ہم کو ایمان کے ساتھ عمل صالح کی بھی توفیق نصیب فرما۔ خصوصاً نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی نصیب فرما۔ یا اللہ اس ملک کو جو اسلام کے پاک نام پر قائم ہوا تھا قرآنی احکام کی پابندی نصیب فرما۔ اور جملہ ممنوعاتِ شرعیہ سے عموماً اور سود، رشوت اور بدکاری سے خصوصاً اس ملک کو بچنے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! ہمارے دلوں میں قرآن کی عظمت عطا فرما اور اس ملک میں ہم کو قرآنی حکومت دیکھنا نصیب فرما۔

یا اللہ! جو اہلِ اسلام اس سود کے کاروبار میں مبتلا ہیں اُن کے دلوں کو ہدایت نصیب فرما اور سودی کاروبار کے بالکلیہ ترک کرنے کی اُنہیں توفیق عطا فرما۔ یا اللہ دین کی طرف سے اُن کی آنکھیں کھول دے۔ اور اُن کو دین و دنیا کی تباہی و بربادی سے بچالے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۵۲

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ

اور اگر تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اور یہ کہ معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو خبر ہو۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ

اور اُس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸ ۸ ۶

اُس کا کیا ہوا پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ چند آیات میں سود کے بارہ میں متعدد احکام بیان ہوئے تھے جن میں یہ بات بالکل صاف طور پر واضح کی گئی کہ سود حرام ہے اور جو لوگ سود لیتے ہیں اور سودی کاروبار کرتے ہیں وہ قیامت میں جب میدانِ حشر میں پیش ہوں گے تو اُن کی کیفیت دیوانوں جیسی ہوگی کہ وہ سیدھی طرح کھڑے بھی نہ ہو سکیں گے۔ نیز بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے کام لے کر سابقہ سودی لین دین اور کاروبار کو معاف کر دینے کا اعلان فرمایا اور شدید تاکید فرمائی گئی کہ آئندہ سودی کاروبار اور لین دین پوری طرح ختم کر دیا جائے۔ سود کی جگہ صدقات و خیرات کے ذریعہ حاجتمندوں کی ضروریات پوری کی جائیں۔ نیز یہ بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ اگر کوئی سود سے اب بھی باز نہ آیا تو سمجھا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا باغی ہے لہٰذا اُسے اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ نیز گذشتہ آیت میں بقایا سود کی رقم وصول کرنے کی جب ممانعت ہو گئی تو بعض قرض دینے والوں نے اپنے اصلی رقم کی واپسی کا سخت مطالبہ شروع کیا اور اپنے قرضداروں کو مہلت نہ دیتے اور کہتے جب ہم نے سود چھوڑ دیا تو اصل قرض کے وصول کرنے میں کیوں مہلت دیں اور کیوں اپنی اصل رقم کا سختی کے ساتھ مطالبہ نہ کریں۔ اس وقت پہلی آیت زیرِ تفسیر نازل ہوئی اور اہلِ اسلام کو تلقین کی گئی کہ اگر مقروض تنگ دست ہو اور فوری طور پر تمہارا اس المال واپس نہ کر سکتا ہو تو اُسے کچھ مہلت دے دو۔ اور جب وہ قرض ادا کرنے کے قابل ہو جائے اُس وقت اُس سے اپنا حق وصول کر لو۔ گویا اس میں پہلے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے میں

Marfat.com

نرمی برتنے کی تلقین فرمائی اور پھر مزید اصل مطالبہ ہی سے دست بردار ہو جانے کی ترغیب دی گئی اور بتلایا گیا کہ اگر مقروض اتنا غریب ہو کہ قرض ادا نہ کر سکتا ہو تو تم اُسے معاف کر دو - اس طرح تمہیں اور زیادہ ثواب ملے گا یعنی مہلت دینے کی نسبت اس میں زیادہ ثواب ہے چنانچہ ان آیات میں پہلے ارشاد ہوتا ہے۔

"اور اگر مقروض تنگ دست ہو اور اس لئے میعاد پر قرض ادا نہ کر سکے تو اس کو مہلت دے دینے کا حکم ہے آسودگی تک یعنی جب تک اُس کے پاس ادائیگی کی گنجائش ہو اور یہ بات کہ بالکل معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو اس کے ثواب کی خبر ہو گے"

یہاں یہ تو وجوبی حکم ہے کہ اگر کوئی قرضدار تنگ دست ہو اور اصل مال فوراً ادا نہ کر سکتا ہو تو اُس کو کچھ مدت کے واسطے مہلت دینی چاہیئے کہ اس کو مال میسر آجائے اور وہ فراخ دست ہو جائے۔ اور جب اس کو گنجائش ہو جائے تو مطالبہ کی اجازت ہے۔ دوسرا حکم قرض دینے والوں کو استحبابی ہے اور وہ یہ کہ مقروض کو عسرت کی وجہ سے اگر قرض بالکل معاف ہی کر دیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ یعنی کسی تنگدست قرضدار کو قرض کے مطالبہ سے سبکدوش کر دینا یہ بہت ہی باعثِ اجر و ثواب ہے۔ تو حاصلِ ارشاد اور مقصود بیان یہ ہوا کہ غریبوں، مسکینوں، ناداروں اور مجبور الحال لوگوں کے ساتھ رحم و کرم اور غمخواری و ہمدردی کا معاملہ کیا جائے اور نادار مقروض کو مہلت دی جائے جب تک کہ اس میں گنجائش ادائیگی کی ہو۔

احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی قرضدار کو مہلت دینے اور قرض معاف کر دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص قیامت کے دن خدا کے عرش کا سایہ چاہتا ہو وہ یا تو تنگی والے شخص کو مہلت دے یا معاف کر دے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مفلس مدیون کو مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اتنی رقم کے صدقہ کا ثواب ملیگا جتنی اس مدیون کے ذمہ واجب ہے اور یہ حساب میعاد قرض پورا ہونے سے پہلے مہلت دینے کا ہے اور جب میعاد قرض پوری ہو جائے اور وہ شخص ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس وقت اگر کوئی مہلت دیگا تو اس کو ہر روز اس کی دُگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول ہو یا اُس کی مصیبت دُور ہو تو اس کو چاہیئے کہ تنگ دست مدیون کو مہلت دیدے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے سوال کریں گے کہ بتلا میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا خدایا ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی نیکی ایسی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اسکی جزا طلب کر سکوں

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اس سے پھر پوچھیں گے وہ پھر یہی جواب دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تو پھر کہے گا کہ پروردگار ایک چھوٹی سی بات یاد پڑتی ہے کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا۔ میں تجارت پیشہ شخص تھا۔ لوگ اُدھار سُدھار لے جاتے تھے۔ میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکا تو میں اُسے کچھ اور مدت کی مہلت دے دیتا۔ قرضداروں پر سختی نہ کرتا۔ زیادہ تنگی والا اگر کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں۔ جا میں نے تجھے بخش دیا جنت میں داخل ہو جا۔

الغرض جو احکام بسلسلہ ربوٰی اور قرض یہاں تک بیان ہوئے ان کو اس آیت پر ختم فرمایا جاتا ہے:۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

"اور مسلمانو! اُس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا یعنی اُس کا بدلہ پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔"

مراد یہ کہ تم پیشی کے لئے اپنی کارگذاری درست رکھو اور کسی قسم کی خلاف ورزی مت کرو۔ گویا جو احکام و قوانین سُود یا قرض سے متعلق یہاں تک بیان ہوئے اُن کو بیان کر کے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے پیشیٔ اعمال کے حساب اور آخرت کے عذاب و ثواب ذکر کر کے مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں کو ان قوانین و احکام پر خوشی سے عمل پیرا ہونے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ اور یہ قرآن کریم کا وہ خاص طرز ہے جس میں وہ دنیا بھر کے قانون کی کتابوں سے ممتاز ہے۔ ایک انسان کی نظر میں جب دُنیا و مافیہا کا زوال اور فنا بیٹھ جائے۔ اور آخرت کی طرف سب کار رجوع کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہونا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا اور بالآخر جزا و سزا کا ملنا اس کے دل میں جم جائے تو وہ کبھی احکام خداوندی اور کلام الٰہیہ کی خلاف ورزی قصداً دلیرانہ اور بے باکانہ ہرگز نہیں کر سکتا اسلئے ایک دُنیا کے حریص اور دلدادہ کو ہوش میں لانے کا مؤثر علاج سوائے آخرت کی یاد کے اور کچھ نہیں تو اس خاتمہ کی آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر تم مفلس قرض دار کو قرض کے بار سے سبکدوش کر دو گے تو اُمید رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے میں جو تم سے تساہل ہو گیا ہے۔ یا تم ادا نہ کر سکے ہو۔ یا نسیان ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو معاف فرما دیں گے۔ تم اگر اپنے حقوقِ واجبہ سے مخلوق سے دست بردار ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن اپنے حقوق تم سے معاف فرما دیں گے۔ ورنہ تم کو کیا حق ہے کہ مخلوق خدا سے اپنے حق تو وصول کرو اور خدا کے

Marfat.com

حقوق ادا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حقوقِ واجبہ سے اپنی مخلوق سے دست بردار ہو جانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں تاکہ قیامت میں حق تعالیٰ اپنے کرم سے اپنے حقوق کی معافی ہم کو عطا فرمادیں آمین

بعض روایات سے ثابت ہے کہ پورے قرآنِ کریم میں سب سے آخری آیت جو نازل ہوئی وہ یہی آیت ہے :-

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ق ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اِس آیت کے نزول کے بعد ایک روایت کے مطابق نو رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اِس دارِ فانی میں رہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت ہے۔ اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور اِس کے اکتیس ۳۱ روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

الغرض یہاں تک حق تعالیٰ نے صدقہ اور خیرات کے فضائل کے بعد سود کی مذمت بیان فرمائی اور چونکہ سود کی ضرورت اکثر قرض اور اُدھار کی حالت میں پیش آتی ہے اس لئے سود کے بعد قرض اور اُدھار کے بعض احکام اگلی آیت میں فرمائے جاتے ہیں جس کا بیان اِنشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ہر طرح کے سودی معاملہ سے دُنیا میں بچنا نصیب فرمائیں اور ضرورتمندوں اور حاجتمندوں کی صدقات و خیرات سے امداد کرنے کی سعادت عطا فرمائیں۔

یا اللہ! ہم کو جملہ قرآنی احکام و ہدایات کی پابندی ہر حال میں ظاہراً و باطناً نصیب فرما اور ہر معاملہ میں آخرت کو مدِ نظر رکھنے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ ہمیں دُنیا میں اُن اعمال کی توفیق عطا فرمادے کہ جو آخرت میں آپ کی رضا و خوشنودی اور مغفرت و رحمت کے حصول کا ذریعہ بن جائیں اور اُن اعمال سے کامل طور پر بچالے کہ جو قیامت میں آپ کے ناراضگی اور غصہ و غضب کا سبب ہوں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

درس ۱۵۳

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ

اے ایمان والو ! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد

مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪

معین تک تو اُس کو لکھ لیا کرو ۔ اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس میں کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے ۔

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ

اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھلا دیا اُس کو چاہیئے کہ لکھ دیا کرے ۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ

اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اُس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے ۔

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ

اور اس میں سے ذرہ برابر بھی کمی نہ کرے ۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر

الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ

خفیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو

هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

تو اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے ۔

تفسیر و تشریح :۔ گذشتہ آیات میں پہلے صدقہ و خیرات کی فضیلت اور اُس کے احکام بیان فرمائے گئے ۔ اُس کے بعد سُود ۔ اُس کی ممانعت اور بُرائی بیان فرمائی گئی ۔ اب قرض ۔ اُدھار اور ایسے لین دین کا ذکر ہے جس میں کسی مُدت کا وعدہ ہو ۔ یہ پوری آیت جس کے صرف ایک حصّہ کی تفسیر و تشریح یہاں مقصود ہے قرآن کریم کی تمام آیتوں سے بڑی آیت ہے ۔ اِس پوری آیت میں دَیْن یعنی اُدھار کے لین دین کے احکام ۔ اس کی کتابت اور اس پر شہادت وغیرہ کے احکام مذکور ہیں ۔ گویا اِس آیت میں امور معاشرت اور تمدن کی تکمیل ۔ باہمی صلح اور میل ملاپ ۔ دیانت اور سچائی اور بندوں کی مصالحت کا ایک بے بہا خزانہ مضمر ہے جو دنیا کا کوئی قانون آج تک پیش نہ کر سکا ۔ نہ پیش کر سکتا ہے ۔ یہ کمالات شریعت اسلامیہ ہی کے احکامات میں ہیں ۔ مگر اس بدنصیبی کو کیا کہیئے کہ جو آج خود مسلمانی کا دعویٰ کرنے والوں کو اس کی

Marfat.com

قدر و منزلت نہیں اور اتباعِ شریعت سے جس کا نام از روئے حقارت "ملّاپن" رکھ لیا ہے دُور بھاگتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

چونکہ یہ آیت کافی بڑی ہے اس لئے اِس کا بیان انشاء اللہ دو حصّوں میں پُورا ہوگا۔ آیت کا وہ حصّہ جو اِس درس میں زیرِ تشریح ہے اس میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ جب تم آپس میں اُدھار کا معاملہ کرو کسی مقررہ وقت تک کے لئے تو اُسے لکھ لیا کرو تاکہ رقم اور میعاد خوب یاد رہے۔ زبانی معاملہ کرنے میں چونکہ بھُول چوک کا امکان ہے اِس لئے صفائی معاملات اسی میں ہے کہ ایسے ادھار کے معاملہ کو لکھ لیا جائے تاکہ آئندہ کسی اختلاف اور نزاع کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ آیت کے اس حصّہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے ایمان والو جب اُدھار کا معاملہ کرنے لگو ایک میعاد معین تک کے لئے تو یادداشت دستاویز لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس میں جو کوئی لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے یعنی کسی کی رعایت اور طرفداری کر کے مضمون میں کمی بیشی نہ کرے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اس کو لکھنا سکھلا دیا۔ اسکو چاہیئے کہ لکھ دیا کرے اور کاتب کو وہ شخص بتلاوے اور لکھواوے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو اور لکھواتے وقت اللہ تعالیٰ سے جو اُس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس حق میں سے ذرہ برابر نہ بتلانے میں کمی نہ کرے۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل ہو یا مجنون یا کم عقل ہو یا کسی اور اتفاقی امر سے خود بیان کرنے اور لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو مثلاً گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا یا مثلاً دوسرے ملک کا رہنے والا ہے اور زبان غیر رکھتا ہے اور لکھنے والا اُس کی بولی نہیں سمجھتا تو ایسی حالت میں اس کا ولی یا سرپرست ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے۔"

آیت کے اِس جزو سے ایک وقت مقررہ کے لئے ادھار کرنے کے معاملہ کا جواز ثابت ہوا۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینہ والوں کا اُدھار لین دین دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو۔ بھاؤ تاؤ پکا کر لیا کرو۔ اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔ الغرض اُدھار کا معاملہ کرنے کے یہ آداب تعلیم فرمائے گئے۔

اب یہاں آیت میں اُدھار کے معاملہ کے لکھنے کا جو حکم ہے تو جمہور علماء کے نزدیک یہ لکھنا مستحب ہے، فرض و واجب کے درجہ میں نہیں۔ اِس لئے اگر کوئی نہ لکھے لکھائے تو گنہگار نہیں۔ یہ حکم لکھنے کا استحباب ہے۔

Marfat.com

اور اس مصلحت کے لئے ہے کہ احتمال کسی اختلاف کا نہ رہے۔ حقوق العباد کا پورا تحفظ ہو جائے اور اہل معاملہ میں باہم صفائی رہے۔ کوئی کسی کی طرف سے بد گمان نہ ہو اور کسی کے حق مارے جانے کا خوف ہو۔ آیت کے جس حصہ کا ترجمہ اور تشریح اوپر کی گئی ہے اس سے متعلق حسب ذیل مسائل ہیں :۔

۱ :۔ جب آپس میں اُدھار کا کوئی معاملہ کسی معین مدت کے لئے کیا جائے تو اسکو لکھ لیا جائے۔ یہ لکھنا جمہور علمائے اسلام کے نزدیک مستحب ہے۔ اگر کوئی نہ لکھے لکھاوے تو گنہ گار نہ ہوگا

۲ :۔ جب اُدھار کا معاملہ کیا جائے تو اُس کی میعاد ضرور مقرر کی جائے۔ غیر معین مدت کے لئے اُدھار لینا دینا جائز نہیں کیونکہ اس سے جھگڑے فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔ جس میعاد کے لئے اُدھار کا معاملہ ہو وہ میعاد صاف صاف اور پوری طرح متعین ہو۔

۳ :۔ کاتب یعنی اُدھار کا معاملہ لکھنے والے کو ہدایت کی گئی کہ انصاف کے ساتھ غیر جانبدار ہو کر لکھے اور لکھنے سے انکار نہ کرے۔ یہ کاتب کو لکھنے کا حکم اور انکار سے ممانعت بھی استحباب کے درجہ میں ہے۔ اس واسطے اگر کاتب لکھنے پر اُجرت لے تو جائز ہے۔

۴ :۔ دستاویز کی کتابت اُس شخص کے ذمہ ہے کہ جس کے ذمہ اُدھار ہے۔ یعنی اُدھار لینے والے کے ذمہ ہے کہ وہ دستاویز کا مضمون لکھے یا لکھاوے اور حق کے لکھنے یا لکھوانے میں ذرہ برابر کمی زیادتی نہ کرے۔

۵ :۔ اگر اُدھار کا معاملہ کسی ضعیف العقل سے ہے یعنی اُدھار لینے والا اگر ایسا مجنون ہے کہ جو نیم پاگل ہو یا نابالغ بچہ ہو یا بہت بوڑھا ہو جو سٹھیا گیا ہو تو ایسی صورت میں اُن کی طرف سے اُن کے ولی یا سرپرست یا وکیل و مختار کو انصاف کے ساتھ معاملہ لکھنے یا لکھا دینے کا حکم دیا گیا۔ اِسی لئے مجنون اور نابالغ کی بیع و شراء و اقرار شرعاً ناقابلِ اعتبار ہے۔ اِن لوگوں کیلئے ایسے معاملات شرعاً صحیح و نافذ ہونے کیلئے ولی شرعی کی اجازت درکار ہے۔

الحاصل چونکہ یہ لین دین کا معاملہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہر اُس امر کی تعلیم دی جا رہی ہے جو حقوق العباد کی خاطر خواہ ادائیگی میں معین ہو۔ اس سے حقوق العباد کی اہمیت بھی ظاہر ہے کہ جس کی تکمیل کے لئے حق تعالیٰ آداب و احکام تعلیم فرما رہے ہیں۔ اب آیت کے اس جزو میں تو ایسے معاملات میں لکھنے لکھوانے کے اہم اصول کا بیان تھا۔ آگے آیت کے دوسرے جزو میں بتلایا گیا کہ دستاویز کی صرف تحریر کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس پر گواہ بھی بنالیں اور اس سلسلہ میں ضابطہ شہادت کے چند اہم اصول بتلائے گئے ہیں جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے :۔ حق تعالیٰ ہمیں ان قرآنی ہدایات کی قدر و منزلت نصیب فرمائیں اور ہمیں اپنے تمام معاملات کو قرآن و سنت کے ماتحت رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یا اللہ جملہ حقوق العباد کو خاطر خواہ ادا کرنے اور لین دین کے معاملات کو سچائی، دیانت و امانت کے ساتھ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۵۴

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا

اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کرلیا کرو - پھر اگر وہ دو گواہ

رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ

مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ

تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جاوے تو ان میں سے ایک دوسرے کو یاد دلا دے -

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ

اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب بلائے جایا کریں - اور تم اس کے لکھنے سے اکتایا مت کرو

تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ

خواہ وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو - یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے

عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا

اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم کسی شک

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا

میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے

بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ

دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں -

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا

اور خرید و فروخت کے وقت گواہ کرلیا کرو - اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے - اور نہ

شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

کسی گواہ کو - اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا - اور خدا تعالیٰ سے ڈرو

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

اور اللہ تعالیٰ تم کو تعلیم فرماتا ہے - اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں -

تفسیر و تشریح ۱۔ آیت کے گذشتہ حصّہ میں یہ بیان ہوا تھا کہ جس لین دین میں کسی مدّت وعیاد کا وعدہ ہو تو اُس کو لکھ لینا چاہیئے اور یہ لکھنے کی ہدایت اس لئے دی گئی تھی کہ بھول چوک کا امکان نہ رہے اور آئندہ کسی اختلاف اور نزاع کی نوبت نہ آئے۔ اِسی سلسلہ میں معاملات کی مزید صفائی کے لئے اب یہ ہدایت ہو رہی ہے کہ علاوہ تحریر کے اور دستاویز لکھنے کے اس پر گواہ بھی کر لیا کرو چنانچہ آیت کے اِس حصّہ میں ارشاد ہوتا ہے :۔

"اور اس معاملہ دَین پر علاوہ دستاویز لکھنے کے معاملہ کی پختگی کے لئے دو شخصوں کو اپنے مَردوں میں سے گواہ بھی کر لیا کرو۔ پھر اگر وہ دو گواہ مَرد میسّر نہ ہوں تو ایک مَرد اور دو عورتیں گواہ بنالی جاویں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم اُن کے معتبر ہونے کی وجہ سے پسند کرتے ہو۔ اور ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لئے تجویز کی گئیں تاکہ اِن دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی شہادت کے کسی حصّہ کو خواہ ذہن سے یا شہادت کے وقت بیان کرنے سے بھول جاوے تو اُن میں سے ایک دوسرے کو یاد دلا دے۔ اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب گواہ بننے کے لئے بُلائے جایا کریں کہ اس میں اعانت ہے اپنے بھائی کی اور تم اس معاملہ دَین کے بار بار لکھنے سے اُکتایا مت کرو خواہ وہ معاملہ دَین کا چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم معاملہ کے متعلق کسی شبہ میں نہ پڑو اس لئے لکھ ہی لینا اچھا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو تم باہم لیتے دیتے ہو تو اسکے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام اور مضرت نہیں اور اتنا امر میں بھی ضرور کیا کرو کہ اس کے خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور جس طرح ہم نے اُوپر کاتب اور گواہ کو منع کیا ہے کہ کتابت اور شہادت سے انکار نہ کریں اسی طرح ہم تم کو بھی تاکید کرتے ہیں کہ تمہاری طرف سے بھی کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو تم کو اس میں گناہ ہوگا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اور جن کاموں سے اُس نے منع کر دیا ہے وہ مت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو احکام مفیدہ کی تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں تو وہ مطیع اور عاصی کو بھی جانتے ہیں۔ ہر ایک کو مناسب جزا دیں گے "

اب ویسے تو گواہی اور شہادت کے احکام میں بہت کچھ تفصیل ہے لیکن چند خاص باتیں جو مسئلہ شہادت سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں :۔

۱۔ یہاں جو دو شخصوں کو اپنے مَردوں میں سے گواہ بنانے کا حکم ہے۔ یہ حکم استحبابی ہے۔

Marfat.com

۲ :- سوائے شہادت زنا کے ہر امر کی شہادت کے لئے دو شخص مسلمانوں کی گواہی کافی ہے۔ البتہ زنا کی شہادت کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے کیونکہ زنا کا تعلق مرد و عورت دونوں سے ہے اس لئے چار آدمیوں کی گواہی ضروری ہوئی گویا دو گواہ مرد کے زنا کے لئے اور دو گواہ عورت کے زنا کے لئے۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلوی رح)

۳ :- سوائے زنا کے حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی کافی ہے مگر شرط یہ ہے کہ گواہ عورت نہ ہو کیونکہ حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلوی رح)

۴ :- باقی ان کے سوا تمام معاملات میں خواہ مالی ہوں یا غیر مالی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ (معارف القرآن از حضرت کاندھلوی رح)

جن حقوق کا یہاں آیت میں ذکر ہے یعنی مالی لین دین۔ اُن کے متعلق مسائل حسبِ ذیل ہیں :-

۱ :- شرعاً اصل مدار ثبوت دعوٰی یہی گواہ ہیں۔ گو دستاویز نہ ہو اور خاص دستاویز بدون گواہوں کے ایسے معاملات میں حجت اور معتبر نہیں۔ دستاویز لکھنا صرف یادداشت کی آسانی کے لئے ہے کہ اس کا مضمون دیکھ کر یا سُن کر طبعی طور پر اکثر تمام واقعہ یاد آجاتا ہے (بیان القرآن)

۲ :- گواہوں میں یہ صفات ہونا چاہئیں :- اسلام[1] عقل[2] - بلوغ[3] - آزادی[4] یعنی غلام نہ ہونا - عدالت[5] یعنی بوجہ دین داری کے معتبر ہونا۔ (بیان القرآن)

۳ :- گواہ بننے کے لئے بُلانے پر چلا جانا مستحب ہے۔ البتہ گواہ بن جانے کے بعد گواہی ادا کرنے کے لئے جانا یہ بعض صورتوں میں فرض ہے جیسا کہ اگلی آیت نمبر ۲۸۳ میں ذکر آئیگا (بیان القرآن)

۴ :- کاتب یا گواہ کو تکلیف دینا یا ضرر پہنچانا حرام ہے۔ اس لئے کاتب اگر اُجرت مانگے یا گواہ کو آمد و رفت کے خرچ کی ضرورت ہو تو اُن کو مفت کام کرنے پر مجبور کرنا یہ بھی ضرر پہنچانے میں داخل ہے اور حرام ہے (بیان القرآن)

اب غور کا مقام ہے کہ جہاں قرآنِ پاک میں توحید و رسالت اور قیامت و آخرت اور حشر و نشر جنت و جہنم اور عبادات کے احکام اور قوانین موجود ہیں۔ وہیں تمدن اور معاشرت اور تحفظ حقوق کے احکام کی تعلیم و ہدایت بھی بدرجہ کمال موجود ہیں جن پر کہ فلاح و سعادت دارین موقوف ہے۔ دُنیا کی کوئی مذہبی کتاب ایسا اصلاحی لائحہ عمل آج تک پیش نہ کر سکی اور نہ قیامت تک پیش کر سکتی ہے۔

اس آیت مذکورہ کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ "اسلام نے اپنے نظامِ عدالت میں جس طرح گواہ کو گواہی دینے پر مجبور کیا ہے۔ اور گواہی چھپانے کو سخت گناہ قرار دیا ہے اسی طرح اس کا بھی انتظام کیا کہ لوگ گواہی سے بچنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ اسی دو طرفہ احتیاط کا یہ اثر تھا کہ ہر معاملہ میں سچے اور بے غرض گواہ مل جائیں اور فیصلے جلد

Marfat.com

اور آسان ہو جائیں۔ آج کی دنیا نے اس قرآنی اصول کو نظر انداز کر دیا ہے تو سارا نظام عدالت برباد ہو گیا۔ واقعہ کے سچے اور اصلی گواہ ملنا تقریباً مفقود ہو گیا۔ ہر شخص گواہی سے جی چرانے پر مجبور ہو گیا وجہ یہ کہ جس کا نام گواہی میں آگیا اگر معاملہ پولیس اور فوجداری کا ہے تو روز وقت بیوقت تھانیدار صاحب اس کو بلا بھیجتے ہیں اور بعض اوقات گھنٹوں بٹھائے رکھتے ہیں۔ دیوانی عدالتوں میں بھی گواہ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جیسے یہ کوئی مجرم ہے۔ پھر روز روز مقدمہ کی پیشیاں بدلتی ہیں۔ تاریخیں لگتی ہیں۔ گواہ بیچارہ اپنے کاروبار، مزدوری اور ضروریات چھوڑ کر آنے پر مجبور ہے ورنہ وارنٹ کے ذریعہ گرفتار کیا جائے۔ اس لئے کوئی شریف کاروباری آدمی کسی معاملہ کا گواہ بننا اپنے لئے ایک عذاب سمجھنے اور مقدور بھر اس سے بچنے پر مجبور کر دیا گیا۔ صرف پیشہ ور گواہ ملتے ہیں جن کے ہاں جھوٹ سچ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے ان بنیادی ضروریات کو اہمیت کے ساتھ بتلا کر ان تمام خرابیوں کا انسداد فرمایا اور آیت کے اخیر میں وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فرما کر (یعنی ڈرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اصولِ صحیحہ کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ اس کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے) آیت کا خاتمہ خوفِ خداوندی پر کیا جیسا کہ قرآنِ کریم کی خصوصیت ہے۔ چونکہ اس آیت میں بہت سے احکام آتے ہیں۔ بعض فقہا نے بیس[۲۰] اہم مسائل فقہی اس آیت سے نکالے ہیں اور قرآنِ کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ قانون بیان کرنے سے آگے اور پیچھے خوفِ خدا اور خوفِ روزِ جزا دلا کر لوگوں کے ذہنوں کو تعمیلِ حکم کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ اسی طریقہ کے مطابق اس آیت کا خاتمہ خوفِ خداوندی پر کیا اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ اگر تم کسی ناجائز حیلہ سے بھی کوئی خلاف ورزی کرو گے تو خدا تعالیٰ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔"

الغرض دَین سے متعلق پوری آیت کے احکام کا خلاصہ مندرجۂ ذیل دفعات ہیں :-

۱:- جب کسی میعاد کے لئے لین دین کیا جائے تو اس کے لئے لکھا پڑھی اور گواہی ہونا چاہیئے جس کے تین فائدے ہیں اوّل یہ کہ ایک کا حق دوسرے کے پاس نہ جائے گا نہ رہے گا حقوق العباد سے حفاظت رہے گی۔ دوسرے یہ کہ گواہوں کو آسانی ہو گی۔ تیسرے یہ کہ اہلِ معاملہ کا دل صاف رہے گا طبیعت کو راحت رہے گی۔ دوسرے سے قلب میں کدورت نہ ہو گی۔

۲:- اگر کوئی فریق نابالغ یا ناسمجھ ہو تو اس کا کارندہ یا ولی اس کام یعنی کتابت و شہادت کو انجام دے۔

۳:- کاتب دیانتداری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے۔

۴:- گواہی دینے سے انکار نہ کرنا چاہیئے اور شہادت کو چھپانا حرام ہے۔

۵:- اس کا بندوبست کرنا چاہیئے کہ کاتب یا گواہ کو اہلِ معاملہ نقصان نہ پہنچا سکیں۔

Marfat.com

۶:- گواہی کے لئے اگر دو مرد معتبر سلیقہ کے دستیاب نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اگر لین دین یعنی اُدھار کے معاملہ میں اِن قرآنی ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیا کسی اختلاف۔ نزاع اور بدمزگی کی نوبت آسکتی ہے۔ مگر کیا کہئے اُس قوم کی بدنصیبی اور حرمان کو کہ جو اپنے گھر کی دولت سے ناآشنا اور ناقدردان ہے اور در بدر دوسری قوموں سے ہدایات اور قوانین کی بھیک مانگنے کی ذلت اُٹھا رہی ہے۔ اور نتیجہ میں خسر الدنیا والآخرۃ کی مصداق بنتی چلی جارہی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔ یا اللہ آپ اس قوم اور ملک کے اس جرم عظیم کو جو قرآن و سنت سے اب تک اعراض برت کر کیا گیا ہے اُسے اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور اب ہماری آنکھیں دین کی طرف سے کھول دے اور ہم کو دین کی فہم اور سمجھ عطا فرمادے اور ہم کو قرآنی حکومت عطا فرمادے۔ اور غیب سے اُس کے سامان فرمادے۔ آمین۔

اب آگے اسی سلسلہ میں دو اہم مضمون اور بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اُدھار کے معاملہ میں کوئی یہ چاہے کہ اعتماد کے لئے کوئی چیز گروی رکھ لے تو اس کی بھی اجازت ہے دوسرے یہ کہ جس شخص کو کسی نزاعی معاملہ کا صحیح علم ہو وہ شہادت کو نہ چھپائے ورنہ گناہگار ہوگا جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

حق تعالیٰ ہم کو قرآنی احکام کے مطابق اپنی زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور تمدن و معاشرت کی جو تعلیم اس آیت میں دی گئی ہے اس پر ہم کو عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

یا اللہ ہم کو ہر حال میں دیانت۔ امانت اور سچائی پر قائم رکھنا اور شہادت کی اہمیت جو قرآنِ پاک نے بتلائی ہے اس پر ہم کو عمل پیرا ہونے کا عزم و ہمت نصیب فرما۔

یا اللہ ہم کو جملہ حقوق العباد سچائی کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور خصوصاً لین دین کے معاملہ میں دیانت و امانت سے کام لینے کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

Marfat.com

درس ۱۵۵

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ

اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ تو رہن رکھنے کی چیزیں ہیں

مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى

جو قبضہ میں دی جائیں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے

اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا

اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا حق ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اسکا پروردگار ہے ڈرے ۔ اور شہادت کا

الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ

اخفا مت کرو ۔ اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس کا قلب گنہ گار ہوگا ۔ اور اللہ تعالیٰ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹ ع ۲ ۷

تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں ۔

تفسیر و تشریح ۱۔ گذشتہ آیت میں بتایا گیا تھا کہ اگر اُدھار کا لین دین کیا جائے تو اُس کو لکھ لیا جائے اور اس پر گواہ بھی کر لئے جائیں تاکہ ہر فریق معاملہ کو اطمینان ہو جائے ۔ نیز آئندہ کے لئے کسی اختلاف اور نزاع کا موقعہ نہ رہے ۔ اب آگے اس آیت میں اطمینان کی ایک دوسری صورت کا اظہار کیا گیا ہے یعنی قرض لینے کے لئے کسی چیز کا رہن رکھ دینا ۔

رہن اردو زبان میں بھی عام استعمال ہوتا ہے جس کو گروی رکھ دینا بھی کہتے ہیں یعنی قرض کے سلسلہ میں ضمانت کے طور پر قرضخواہ کو کچھ دے دینا ۔ مثلاً زیور ۔ مکان ۔ جائداد ۔ ہتھیار وغیرہ ۔ جمہور علمائے مفسرین کے نزدیک رہن رکھنا سفر و حضر دونوں میں جائز ہے ۔ لیکن اس کی ضرورت اکثر سفر میں زیادہ ہوتی ہے جہاں نہ کاتب ملتا ہے ۔ نہ گواہ ۔ تو اطمینان کے لئے کوئی چیز رہن رکھ دی جاتی ہے ۔ رہن کے متعلق یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہیئے کہ رہن شدہ چیز سے فائدہ اُٹھانا شریعتِ اسلامیہ میں ممنوع ہے ۔ اگر قرض دینے والا رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے تو یہ سود کے حکم میں ہوگا ۔ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی ۔ رہن صرف ضمانت کی حد تک رکھا جا سکتا ہے ۔

معاملاتِ دَین کے سلسلہ میں اس آیت میں آخری ہدایات دی گئی ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ اگر حالتِ سفر میں تم کسی سے معاملہ بالدَّین کرو اور دستاویز لکھنے والا نہ مل سکے تو پھر جس کے ذمہ حق ہے اُس سے

Marfat.com

کوئی چیز مثلاً زیور ہتھیار وغیرہ رہن رکھ لو تاکہ تمہیں اطمینان ہو جائے اور اپنے حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔ یہاں آیت میں سفر کی قید اتفاقی ہے کیونکہ سفر میں یہ احتمال قوی ہے کہ کاتب میسر نہ آسکے اس لئے رہن رکھنا حالتِ سفر سے مخصوص نہیں بلکہ حضر میں بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر لکھنے والا بھی مل جائے تو بھی رہن رکھنا اور قرض لینا جائز ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی ایک زرہ ابوشحم ایک یہودی کے پاس کچھ غلّہ کے عوض گروی تھی جسے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے چھڑا لیا۔ پھر ہدایت دی جاتی ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو امین سمجھ کر اُس سے اُدھار کا معاملہ کرتا ہے اور اس سے کسی قسم کی دستاویز نہیں لیتا۔ نہ کسی کو گواہ بناتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی چیز بطور رہن اس سے لیتا ہے اور اپنے پاس رکھتا ہے بلکہ اس کی امانت و دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے معاملہ کرے تو دوسرے شخص پر لازم ہے کہ وہ اس کا حق ادا کرے اور خدا سے ڈرے۔ نہ اُس کے حق میں کمی کرے نہ ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے یعنی تعلیم دی گئی کہ کسی کا قرض امانت ہے اور جس طرح امانت میں خیانت کرنا جُرم ہے اسی طرح قرض نہ ادا کرنا بھی جرم ہے اور اس میں کوئی بدنیتی جائز نہیں۔ اخیر میں گواہوں کے لئے ہدایت ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں گواہ بن جائیں تو اُن پر لازم ہے کہ وہ صحیح گواہی دیں اور معاملہ کا کوئی حصہ چھپا کر یا اس میں رقم کرکے کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ کوئی معمولی گناہ نہیں کرتا بلکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس شخص کا دِل مجرم ہے۔ قرآن کریم اپنی خصوصیت کے مطابق یہاں بھی کچھ قوانین بیان فرما کر اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر فعل سے باخبر ہے اور واقف ہے اور وہ تمہارے دِلی ارادہ کو بھی جانتا ہے اس لئے وہ ضرور تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دے گا۔ اس آیت میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور اگر تم دَین کا معاملہ کرنے کے وقت کہیں سفر میں ہو اور [illegible] لکھنے والے وہاں کوئی کاتب نہ پاؤ سو ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ رہن رکھنے کی چیزیں ہیں جو مدیوں کی طرف سے صاحبِ حق کے قبضہ میں دے دی جاویں۔ اور اگر ایسے وقت میں بھی ایک دُوسرے کا اعتبار کرتا ہو اور اس لئے رہن کی ضرورت نہ سمجھے تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے یعنی مدیون اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا حق پُورا پُورا ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور اس کا حق نہ مارے اور شہادت کا اخفا مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس کا قلب گنہ گار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں سو اگر کوئی اخفا کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ضرور ہے سو وہ سزا دیں گے۔"

یہاں شہادت کو نہ چھپانے کی سخت تاکید کی گئی اور شہادت کا اخفا دو طرح سے ہے۔

Marfat.com

ایک یہ کہ بالکل بیان نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ غلط بیان کرے۔ دونوں صورتوں میں اصلی واقعہ مخفی ہو گیا اور دونوں صورتیں حرام ہیں۔ (بیان القرآن) اس آیت سے متعلق مزید چند مسائل حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ جب کسی حقدار کا حق بدون شہادت کے ضائع ہونے لگے اور وہ خود درخواست بھی شہادت دینے کی کرے۔ اس وقت ادائے شہادت سے انکار حرام ہے (بیان القرآن)

۲۔ چونکہ ادائے شہادت واجب ہے لہٰذا اس پر اُجرت لینا جائز نہیں۔ البتہ آمد و رفت کا خرچ اور خوراک بقدر حاجت صاحب معاملہ کے ذمہ ہے۔ اور اگر زیادہ آجائے تو بقیہ واپس کر دے (بیان القرآن)

۳۔ گواہی کے چھپانے کو دل کو یہاں اس لئے گنہ گار فرمایا کہ کوئی شخص اس کو خالی زبان ہی کا گناہ نہ سمجھ لے کیونکہ اوّل ارادہ تو دل ہی سے ہوا ہے (بیان القرآن)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی دینا تو کبیرہ گناہوں میں بدتر گناہ ہے مگر اخفائے شہادت بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور اس گناہ کبیرہ سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آج آپ اپنی عدالتوں کا حال دیکھ لیجئے کہ کس طرح گناہ کبیرہ علانیہ اور بے دھڑک سرزد ہوتا ہے اور تھوڑے سے دُنیا کے لالچ میں جیسی چاہیئے گواہی دلوا لیجئے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

الغرض یہاں جتنی بھی ہدایات دی گئی ہیں سب سے مقصد کائنات انسانی کے حقوق کا تحفظ لوازم تمدن کی تکمیل۔ اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور کسی کے حق تلفی نہ ہونے دینے کی تلقین مقصود ہے تاکہ عالم میں فتنہ فساد جنگ و جدال۔ بے ایمانی و بددیانتی پیدا نہ ہو اور تمام بڑے چھوٹے اپنے اپنے حقوق کے ساتھ رہیں۔

چونکہ اس آیت میں شہادت کے چھپانے کو قلب کا گناہ بتلایا گیا ہے اس لئے اگلی آیات میں اس مسئلہ کی تحقیق بیان فرمائی جاتی ہے کہ قلب کے افعال میں کس فعل پر گناہ ہے اور کس فعل پر نہیں۔ جس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ درس میں ہو گا۔

دُعا کیجئے

حق تعالیٰ ہمیں ہر معاملہ میں قرآنی احکام کے اتباع کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ہر حال میں شریعتِ مطہرہ کی ظاہراً اور باطناً پابندی نصیب فرمائیں۔ یا اللہ! ہم کو ایک دوسرے کے حقوق کو دیانت و امانت کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ خصوصاً اخفائے شہادت یا تبدیلی شہادت کے جرم سے کامل طور پر بچنا نصیب فرما۔

یا اللہ! ہمیں ظاہری و باطنی، قلبی و جسمانی ہر طرح کے گناہ سے بچنا نصیب فرما۔ اور ہر حال میں اپنے علیم و خبیر ہونے کا استحضار نصیب فرما۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

درس ۱۵۶

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ

اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور جو باتیں تمہارے

اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے پھر جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اور جس کو منظور ہوگا سزا دیں گے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ۔

تفسیر و تشریح ۱۔ اس آیت سے سورۃ البقرہ کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے جس میں تین آیات ہیں ۔ گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا تو اُس کا دِل گنہ گار ہوگا ۔ نیز یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ امانت کو گو اس پر کوئی گواہ نہ ہو صاحبِ حق کو پہنچا دو اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ظاہر بیں تو گواہی دیتے ہیں مگر اس میں ایسی گول مول باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جس سے صاحبِ حق کو مضرت ہوتی ہے یا کوئی اور حیلہ کرے شرع اور قانون کو آڑ بنا کے مضرت پہنچاتے ہیں یا بد دیانتی سے ایسا کام کرتے ہیں جو بظاہر اچھا ہے مگر در پردہ اس میں خیانت ہے جس پر حکام ظاہری کچھ مواخذہ نہیں کر سکتے ۔ اِن سب باتوں سے بچنے کے لئے جب تک خوفِ خدا نہ ہو اور یہ بات دل نشین نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب کچھ جانتے ہیں ۔ ہر خطرۂ قلبی بھی اُن کے سامنے موجود ہے ۔ وہ بدنیتی اور باطن کے فریب اور حیلوں سے خوب واقف ہے اور گرفت کر سکتا ہے اور عذاب دے سکتا ہے ۔ اُس وقت تک ایسے گناہوں سے بچنا ممکن نہیں اس لیے یہ آیت نازل ہوئی تاکہ اللہ تعالیٰ کا علام الغیوب اور قادرِ مطلق ہونا دِل پر نقش ہو جائے تاکہ اس سے اطاعت گذار اور فرمانبردار کو تو پوری تسلی ثواب اور جزائے خیر ملنے کی ہو جائے اور سرکش و نافرمان کو پوری تہدید اور تنبیہ ہو جائے ۔ گویا یہ آیت ایک حیثیت سے گذشتہ آیات شہادت کا تکملہ ہے جس میں انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ شہادت کا چھپانا جرمِ عظیم ہے ۔ اگر کسی نے معاملہ کو جانتے ہوئے شہادت کو چھپایا تو ربِ علیم و خبیر اس کا حساب لے گا ۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے :۔

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ ہی کا ہے یعنی وہی ان کا مالک ہے اور اُسی نے ان کو پیدا کیا ہے پھر وہ اُن سے ناواقف کیسے ہو سکتا ہے اور جب کہ وہ اُن سے ناواقف نہیں ہو سکتا تو تمہارے اعمال ۔ نیت اور ارادہ جو کہ انہی میں

Marfat.com

داخل ہیں ان سے ناواقف کیسے ہوگا اور جب کہ وہ مالک ہے مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کا تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ اس کو محاسبہ کا حق ہے۔ تو اگر تم اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرو گے یا اس کو مخفی رکھو گے۔ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کریں گے۔ پھر یہ ضرور نہیں کہ جو مجرم ثابت ہو اُسے سزا ہی دے بلکہ اُسے اختیار ہے کہ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس لئے جس طرح اس کو سزا پر قدرت ہے مغفرت پر بھی ہے۔

پس مقصود اس آیت سے یہ ہوا کہ شہادت اور گواہی کو چھپانے سے احتراز واجب ہے کیونکہ وہ ایک جُرم ہے اور حق تعالیٰ کو اس کا علم بھی ہے اور ان کو اس پر محاسبہ کا حق بھی ہے اور اس پر سزا ہونے کا احتمال بھی ہے گو اس پر لزوم نہ ہو اور احتمال ضرر سے بچنا واجب ہے تو اس طرح گواہی کو چھپانے سے بچنا ضروری ہوا۔ یہ تو تفسیر اس آیت کی تھی گذشتہ آیات شہادت کے تعلق کے اعتبار سے اور عموم الفاظ کے اعتبار سے آیت کے مطلب یہ ہوئے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام اعمال کا محاسبہ فرمائیں گے۔ وہ عمل بھی جس کو وہ کر گذرے ہیں اور وہ بھی جن کا دِل سے پختہ ارادہ کر لیا اور اس کو دل میں چھپا کر رکھا مگر عمل کی نوبت نہیں آئی جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابن عمر رضؓ منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ مومن قیامت کے روز اپنے ربّ عزوجل سے قریب کیا جائے گا یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے ایک ایک گناہ کو یاد دلا دیں گے اور سوال فرمائیں گے کہ تو جانتا ہے کہ تو نے یہ گناہ کیا تھا؟ بندۂ مومن اقرار کرے گا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے دُنیا میں بھی تیری پردہ پوشی کی اور تیرا گناہ لوگوں میں ظاہر ہونے نہیں دیا اور میں آج اس کو معاف کرتا ہوں اور حسنات کا اعمال نامہ اس کو دے دیا جائے گا لیکن کفار و منافقین کے گناہوں کو مجمع عام میں بیان کیا جائے گا اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائیں گے کہ یہ وہ دن ہے جس میں پوشیدہ چیزوں کا جائزہ لیا جائے گا اور دلوں کے پوشیدہ راز کھولے جائیں گے اور یہ کہ میرے کاتبِ اعمال فرشتوں نے تو تمہارے صرف وہ اعمال لکھے ہیں جو ظاہر تھے اور میں ان چیزوں کو بھی جانتا ہوں جن پر فرشتوں کو اطلاع نہیں اور نہ انہوں نے وہ چیزیں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی ہیں اور اب وہ سب تمہیں بتلاتا ہوں اور ان پر محاسبہ کرتا ہوں پھر جس کو چاہوں گا بخش دوں گا اور جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔ پھر مومنین کو معاف کر دیا جائے گا اور کفار کو عذاب دیا جائے گا۔

الغرض آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ جس طرح اعمالِ ظاہرہ کا حساب قیامت میں لیا جائے گا اسی طرح اعمالِ باطنہ کا بھی حساب ہوگا۔ اس بات کی مزید تفسیر و تشریح تفسیر مظہری میں اس طرح لکھی ہے کہ انسان پر جو اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے گئے ہیں یا حرام کئے گئے ہیں وہ کچھ تو ظاہری اعضاء و جوارح سے

متعلق ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ زکوۃ۔ حج وغیرہ تمام معاملات اسی قسم میں داخل ہیں اور کچھ اعمال واحکام وہ بھی ہیں جو انسان کے قلب اور باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان و اعتقاد کے تمام مسائل تو اسی میں داخل ہیں اور کفر و شرک جو سب سے بڑے گناہ اور جرم ہیں اُن کا تعلق بھی انسان کے قلب ہی سے ہے۔ اخلاق صالحہ صبر و شکر۔ تواضع و قناعت و سخاوت وغیرہ اور اسی طرح اخلاقِ رذیلہ۔ کبر و حسد۔ بغض۔ حُبِّ دنیا حرص و طمع وغیرہ یہ سب چیزیں جو قطعی حرام ہیں ان سب کا تعلق بھی انسان کے اعضاء و جوارح سے نہیں بلکہ قلب اور باطن سے ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ فرمایا گیا یعنی جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں اُن کو اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے تو صحابہ کرام رضؓ الفاظ کے ظاہری عموم کو دیکھ کر گھبرا گئے اور بڑے فکرمند ہوئے اس لئے کہ ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دل کے خیالات کا بھی حساب ہوگا۔ اس لئے صحابہ کرام رضؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسُوْلَ اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حکم سخت مشکل ہے۔ اختیاری امور سے تو بچ سکتے ہیں مگر دل کے خطرات اور نفس کے وسوسوں سے بچنا بہت مشکل ہے کیونکہ وہ ہمارے قبضہ و اختیار میں نہیں۔ اگر ان پر بھی محاسبہ اور پکڑ ہوئی تب تو بڑی مشکل ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول کو سُن کر فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی طرح انکار مت کرو اور دل و جان سے اس کے حکم کو قبول کرو۔ یعنی یہود و نصاریٰ پچھلے اہلِ کتاب کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا نہ کہو یعنی ہم نے سُنا اور نہیں مانا بلکہ تم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۝ پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو یعنی یہ کہو کہ ہم نے سُنا اور مانا۔ خدایا ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور اے ہمارے رب ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظارِ وحی میں از خود آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کرام رضؓ کو ادب کی تعلیم و تلقین فرمائی۔ صحابہ کرام رضؓ نے فوراً ہی سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہا اور دل و جان سے حکم تسلیم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کو صحابہ کرام رضؓ کی یہ بات پسند آئی اور پھر اس کے بعد والی آیتیں نازل ہوئیں جن میں صحابہ کرام کی مدح اُتری اور ان کو جو خلجان اور اشکال پیش آیا تھا اس کا جواب ذکر فرمایا گیا کہ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے بندہ اس کا مکلف نہیں۔ لہٰذا دل میں جو گناہ کا خیال اور خطرہ آجائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں جب تک کہ خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اس پر عمل نہ کرے۔ یا زبان سے اس کا تکلم اور تلفظ نہ کرے البتہ جو باتیں بندہ کی قوت اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا۔ اس طرح اطمینان دلا دیا گیا کہ عمل پر تو پکڑ رہی لیکن دل کے خطرات اور نفس کے وساوس سے پکڑ اُٹھ گئی چنانچہ ایک صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے دل خیالات سے درگذر فرمایا، پکڑ اسی پر

Marfat.com

ہے جو زبان سے کہیں یا عمل کریں۔

اِس آیت کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے۔ کہ یہ آیت سورۂ بقرہ کے اخیر میں لائی گئی ہے۔ اس میں بڑی حکمت ہے کیونکہ سورۂ بقرہ قرآنِ کریم کی ایسی بڑی اور اہم سورت ہے جس میں احکامِ الٰہیہ کا بہت بڑا حصّہ آگیا ہے۔ اس سورۃ میں اصولی اور فروعی معاش و معاد کے متعلق اہم ہدایات۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ قصاص۔ حج۔ جہاد۔ طہارت طلاق۔ عدت۔ خلع۔ رضاعت۔ حرمت شراب۔ ربٰوا اور قرض و لین دین کے جائز و ناجائز طریقوں کا تفصیل بیان آگیا ہے۔ اسی لئے حدیث میں اس سورت کا نام "سنام القرآن" بھی آیا ہے یعنی قرآن کا سب سے بلند حصّہ اور ان تمام احکام کی تعمیل میں سب کی روح اخلاص ہے یعنی کسی کام کو کرنا یا اُس سے بچنا دونوں خالص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے ہوں۔ ان میں نام و نمود یا دوسری نفسانی اغراض شامل نہ ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ اخلاص کا تعلق انسان کے باطن اور قلب سے ہے۔ سب کی درستی اسی پر موقوف ہے۔ اس لئے سورۃ کے اخیر میں اس آیت کے ذریعہ انسان کو تنبیہ کر دی گئی کہ فرائض کی ادائیگی یا محرمات سے پرہیز کے معاملہ میں مخلوق کے سامنے تو حیلہ جوئی کے ذریعہ بھی راہِ فرار اختیار کی جا سکتی ہے مگر حق تعالیٰ علیم و خبیر ہیں اُن سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں اس لئے جو کچھ کرے یہ سمجھ کر کرے کہ رقیب و حفیظ میرے سب ظاہری و باطنی حالات کو لکھ رہا ہے اور سب کا حساب قیامت کو دینا ہے۔ یہی وہ روح ہے جو قرآنِ کریم انسانوں میں پیدا کرتا ہے کہ ہر قانون کے اوّل یا آخر میں خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا ایسا محافظ اُن کے قلوب پر بٹھاتا ہے کہ وہ رات کی اندھیری میں اور خلوتوں میں بھی کسی حکم کی خلاف ورزی کرتا ہوا ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنے خوف و خشیت کا وہ حصّہ عطا فرمائیں کہ جو ہم ظاہراً و باطناً ہر چھوٹی بڑی نافرمانی سے رُک جائیں اور گذشتہ تقصیرات کا تدارک توبہ سے کرلیں۔ اب اس آخری رکوع کی بقیہ دو آیات کا بیان جو اس سورۂ بقرہ کی خاتمہ کی آیات ہیں انشاء اللہ آئندہ درس میں ہوگا۔

دُعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم کو ظاہر میں اور باطن میں دل سے اور زبان سے اپنے جملہ احکام کی اطاعت و فرمانبرداری نصیب فرمائیں اور گذشتہ میں ہم سے جو تقصیرات سرزد ہو چکی ہیں ان پر ہم کو سچی توبہ کی توفیق مرحمت فرمائیں اور اپنی مغفرت و رحمت سے ہم کو نوازیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۵۷

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ

اعتقاد رکھتے ہیں رسول اس چیز کا جو ان کے پاس اُن کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی ۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف لَا

سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اُس کی کتابوں کے ساتھ اور اسکے سب پیغمبروں کے ساتھ

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ز

کہ ہم اسکے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے سنا اور خوشی سے مانا ۔

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا

ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا ۔

اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

مگر اُسی کا جو اُس کی طاقت میں ہو ۔ اُس کو ثواب بھی اُسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اُسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا

اے ہمارے رب ہم پر داروگیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جاویں یا چوک جاویں ۔ اے ہمارے رب اور

تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے ۔

قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگذر

عَنَّا ق وَاغْفِرْ لَنَا ق وَارْحَمْنَا ق اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا

کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو ۔ اور رحم کیجئے ہم پر ۔ آپ ہمارے کارساز ہیں سو آپ ہم کو

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾ ع ٣٠ ٣ ٨

کافر لوگوں پر غالب کیجئے

تفسیر و تشریح ۱ ۔ یہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات ہیں ۔ ان کی تفسیر و تشریح سے پہلے ان دو آیات کی فضیلت

Marfat.com

جو احادیث صحیحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے وہ بیان کی جاتی ہے:۔

۱ :۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے رات کو یہ دونوں آیتیں پڑھ لیں تو یہ اس کے لئے کافی ہیں۔

۲ :۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنت کے خزائن میں سے نازل فرمائی ہیں جس کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے لکھ دیا تھا۔ جو شخص ان کو عشا کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اُس کے لئے قیام اللیل یعنی تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔

۳ :۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ان دو آیات پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس خزانۂ خاص سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ اس لئے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ۔

۴ :۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ کوئی آدمی جس کو کچھ بھی عقل ہو وہ سورۂ بقرہ کی ان دونوں آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئے گا۔

۵ ۔ سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں بلا واسطہ عطا ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں تین چیزیں عطا ہوئیں۔ پانچ نمازیں[۱]۔ سورۂ بقرہ[۲] کی آخری دو آیات اور ہر مومن[۳] کی بخشش۔

۶ ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز عشا کے بعد سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھے۔ اُسے تمام رات عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ (درمنثور)

الغرض حدیث کی معتبر اور مستند کتابوں میں ان دو آیات کے بڑے بڑے فضائل ذکر ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے وِرد کی خصوصاً شب میں دائمی توفیق عطا فرمائیں۔

ان آیات کے شانِ نزول کے سلسلہ میں گذشتہ درس میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب اِن سے پہلی آیت نازل ہوئی اور اس میں وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط فرمایا گیا یعنی جو کہ تمہارے دِلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ ہر حال میں اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے تو صحابہ کرامؓ اِن الفاظ قرآن کے عموم سے یہ سمجھ کر کہ انسان کے دِل میں غیر اختیاری طور پر اگر کوئی خیال آجائے گا تو اس کا بھی حساب ہوگا گھبرا اُٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حکم سخت مشکل ہے اختیاری امور سے تو بچ سکتے ہیں مگر خطراتِ قلبیہ اور غیر اختیاری وساوس سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اگر ہر خیال جو دِل میں آئے اس پر حساب ہوگا تو عذاب سے نجات پانا سخت دشوار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

ان کے اس قول کو سُن کر فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی طرح انکار مت کرو اور دل وجان سے اُس کے حکم کو قبول کرو اہلِ کتاب کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا مت کہو بلکہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ کہو (یعنی اے ہمارے پروردگار ہم نے آپ کا حکم سُنا اور اس کی اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار اگر حکم کی تعمیل میں ہم سے کوئی کوتاہی یا فروگذاشت ہوئی ہو تو اس کو معاف فرما دیجئے اور ہمارا سب کا لوٹنا آپ ہی کی طرف ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار وحی میں از خود آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کو ادب کی تعلیم وتلقین فرمائی۔ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ کو صحابہ کی یہ بات پسند آئی اور یہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات نازل فرمائیں جن میں پہلے صحابہ کی مدح فرمائی گئی اور پھر جو خلجان واشکال صحابہ کو پیش آیا تھا اس کا جواب ذکر فرمایا کہ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے۔ بندہ اُس کا مکلف نہیں۔ لہٰذا دل میں جو گناہ کا خیال اور خطرہ آجائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں جب تک خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اس پر عمل نہ کرے یا زبان سے اس کا تکلم اور تلفظ نہ کرے۔ چنانچہ ان آخری آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت جس میں صحابہ کی مدح فرمائی گئی ارشاد ہوتا ہے:-

"اعتقاد رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کے حق ہونے کا جو اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے یعنی قرآن اور دوسرے مومنین بھی اس کا اعتقاد رکھتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ کہ وہ موجود ہے اور واحد ہے اور ذات وصفات میں کامل اور بے مثل وبے نظیر ہے اور عقیدہ رکھتے ہیں اس کے فرشتوں کے ساتھ کہ وہ موجود ہیں اور گناہوں سے پاک ہیں اور مختلف کاموں پر مامور ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں اس کے سب پیغمبروں کے ساتھ کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور سچے ہیں اور پیغمبروں پر ان کا عقیدہ رکھنا اس طور پر ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم اُس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو پیغمبر سمجھیں اور کسی کو نہ سمجھیں اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سُنا اور اس کو خوشی سے مانا۔ ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے"

یہاں جو طرزِ بیان مدح صحابہ میں اختیار کیا گیا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا ذکر فرمایا گیا تو علماء نے لکھا ہے کہ مقصود تو اس مقام پر مدح مومنین کی تھی لیکن اُن کی تقویت مدح کے لئے اُن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل کر دیا جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا کامل ہونا بلا شبہ یقینی ہے۔ اسی طرح صحابہ کا ایمان بھی کامل ہونا یقینی ہے

سے اس قابل ہے کہ ایمان رسولؑ کے ذکر میں اس کا ذکر کیا جاوے گو دونوں کا کامل ہونا ایک مرتبہ میں نہ ہو۔ صحابہ کا کامل ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکمل یعنی بہت ہی کامل۔

پھر دوسری بات جس پر صحابہ کرام کی مدح فرمائی گئی یہ بتلائی گئی کہ پچھلی امتوں کی طرح یہ ایسا نہ کرینگے کہ اللہ کے رسولوں میں باہمی تفرقہ ڈالیں کہ بعض کو نبی مانیں اور بعض کو نہ مانیں جیسا یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ مانا یا جیسا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا لیکن نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہ مانا لیکن صحابہ کی یہ مدح فرمائی گئی کہ اللہ کے کسی رسول کا انکار نہیں کرتے۔ پھر تیسری بات جس پر صحابہ کرام کی تعریف فرمائی گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق اُن کا بخوشی زبان سے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ کہنا تھا یعنی ہم نے حکم سُنا اور خوشی سے مانا ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

اس کے بعد آخری آیت میں ایک خاص انداز سے صحابہ کرام کا وہ شبہ اور اشکال دُور کیا گیا جو وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط سے اُن کے دِلوں میں پیدا ہوا تھا کہ دِل میں جو غیر اختیاری طور پر خیال اور وسوسہ آئیں اگر اُن پر بھی حساب ہوا تو عذاب سے کیسے بچیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط یعنی ہم نے جو گذشتہ آیت میں کہا ہے کہ نفوس کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اس سے مراد امور غیر اختیاری نہیں بلکہ صرف امور اختیاریہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو احکام شرعیہ میں مکلف نہیں بناتا مگر اُسی کا جو اُس کی طاقت و اختیار میں ہو۔ اُس کو ثواب بھی اُسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اُس پر عذاب بھی اُسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے اور جو وسعت سے باہر ہے اس کا مکلف نہیں کیا گیا۔ تو اس تفسیر سے جو قرآن نے خود بیان کر دی صحابہ کرام کو اطمینان ہو گیا کہ غیر اختیاری وساوس و خیالات کا حساب کتاب اور ان پر عذاب ثواب نہ ہوگا اور حدیث سے اس کی مزید توضیح ہو گئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری اُمت سے ان باتوں سے درگذر فرمایا ہے جو دِل میں خیالات پیدا ہوں جب تک عمل نہ کرے یا زبان سے تکلم نہ کرے۔

الغرض خلاصہ کلام یہ کہ افعال اختیاریہ مثلاً غلط عقائد۔ بُرے اخلاق۔ گناہ کا عزم ان پر تو عذاب و مواخذہ ہوگا لیکن غیر اختیاری اور اضطراری افعال قلب میں وساوس و خطرات آنا ان پر مواخذہ اور گناہ نہیں۔

سورۃ کے خاتمہ پر بالکل اخیر میں قرآن کریم نے مومنین کو ایک خاص دُعا کی تلقین فرمائی کہ مسلمانوں کو اس طرح دُعا کرنی چاہیئے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ع یعنی اے ہمارے رب ہم پر دار و گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جاویں یا چُوک جاویں۔ اے ہمارے رب اور ہماری یہ بھی درخواست ہے کہ ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں

پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ ہم پر کوئی ایسا بار تکلیف کا دنیا یا آخرت میں نہ ڈال لیجیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگذر کیجیے ہم سے اور بخش دیجیے ہم کو اور رحم کیجیے ہم پر۔ آپ ہمارے کارساز ہیں۔ اور کارساز طرفدار ہوتا ہے سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجیے۔ گویا خاتمہ سورت پر حق جل شانہٗ نے اہل اسلام کو یہ دعا سکھلائی کہ اپنی تقصیرات کو پیش نظر رکھ کر اس طرح دعا مانگا کرو کہ اے ہمارے پروردگار تیرا حق ربوبیت اور حق عبودیت ہم سے کہاں ادا ہو سکتا ہے۔ بھول چوک ساتھ لگی ہوئی ہے اس لئے تجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اگر ہم تیرے کسی حکم کو بھول جائیں اور بھولے سے اس کی تعمیل نہ کر سکیں یا کسی غفلت اور کوتاہی کی بنا پر چوک جائیں اور ٹھیک عمل کرنے میں غلطی کر جائیں تو اے اللہ ہمارے سہو اور نسیان پر مواخذہ اور دار و گیر نہ فرمانا۔ اے پروردگار ہمارے سروں پر احکام شاقہ کا بار گراں نہ رکھنا جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے پروردگار ہمارے سروں پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو مت رکھنا اور ہماری طاقت و قوت سے بڑھ کر ہم کو مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا نہ فرمانا۔

یہاں پہلے لوگوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ بنی اسرائیل جب بھول چوک سے بھی کوئی گناہ کر بیٹھتے تو فوراً کوئی سزا مل جاتی۔ اور کھانے پینے کی کوئی حلال چیز حرام کر دی جاتی۔ اور اگر قصداً و عمداً گناہ کرتے تھے تو ایسے گناہ کی توبہ سوائے اپنی جان دے دینے کے کوئی اور نہ تھی۔ قصداً و عمداً گناہ کی سزا صرف قتل تھی مگر یہ فضل الٰہی ہے کہ بطفیل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت مرحومہ پر توبہ کا آسان طریقہ رکھا گیا اور ہر گناہ کی معافی کا دروازہ توبہ خالص سے کھلا رکھا۔ بنی اسرائیل کے لئے احکام بہت سخت تھے۔ قصداً گناہ کی سزا قتل تھی۔ زکوٰۃ میں چوتھائی مال دینے کا حکم تھا۔ اگر کپڑے پر کہیں نجاست لگ جاتی تو دھونے سے پاک نہیں ہوتی تھی بلکہ اتنی جگہ کو کاٹ دینے کا حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے پہلی اُمتوں کے متکبرین اور سرکشوں پر شدید اور سخت احکام اُتارے تھے۔ آگے مزید دعا کی تعلیم یہ فرمائی گئی کہ اے ہمارے پروردگار چونکہ احکام شاقہ اور ناقابل برداشت مصائب کے نزول کا سبب بھی ہمارے ہی گناہ ہیں اس لئے تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری پردہ پوشی فرما۔ دنیا و آخرت کی ذلت سے ہم کو بچا اور عفو و مغفرت کے بعد آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم پر مہربانی اور احسان فرما۔ آپ ہی ہمارے آقا اور ولی نعمت اور مددگار ہیں اور ہم آپ کے غلام اور نام لیوا اور محب و عاشق ہیں پس آپ ہماری اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں خاص مدد کیجیے اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہم کو فتح و نصرت عطا فرمایئے۔ کافروں کی قوم آپ کی اور آپ کے دین کی اور آپ کے پیغمبروں کی اور آپ کے دوستوں کی دشمن ہے اور مولا و آقا اپنے غلاموں کا مددگار ہوتا ہے لہٰذا آپ سے یہ درخواست ہے کہ اپنے دوستوں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمایئے تاکہ بے کھٹکے تیری عبادت اور بندگی کر سکیں اور بلا کسی دغدغے کے تیرے قانون کو جاری کر سکیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں اور اس کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے ذریعہ کر دیا۔ یا مولائے کریم آپ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آپ نے ہم کو ایسی اُمتِ مرحومہ میں پیدا فرمایا۔

اِس طرح سورۃ کا خاتمہ معافی اور مغفرت و رحمت کی درخواست پر اور ایمان و تقویٰ کے ساتھ قوم کافرین پر فتح و نصرت پر اور دینی و دنیوی فلاح و کامیابی کی طلب پر فرمایا گیا۔ اور جس طرح سورۃ کی ابتدا مسئلہ ایمان کی تحقیق اور متقین کی مدح سے ہوئی تھی اس کی انتہا بھی اُسی مضمون پر ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

الحمد للہ کہ سورۂ بقرہ کا بیان جو قرآن کریم کی دوسری اور سب سے بڑی سورۃ ہے جو قریب ڈھائی پارہ کی ہے اور جس میں ۲۸۶ آیات اور ۴۰ رکوعات تھے اس درس پر ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمارے اس پڑھنے اور سُننے کو قبول فرمائے اور ہمارے قلوب کو انوار قرآنیہ سے منور فرمائے اور ہمارے دِلوں میں قرآنی اتباع کا ذوق و شوق عطا فرمائے اور اس کا پڑھنا سُننا ہم سب کے لئے نجات و مغفرت و رحمت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

اب انشاء اللہ آئندہ درس میں پوری سورۂ بقرہ کا خلاصہ عرض کیا جائے گا تاکہ پوری سورت کے مضامین اور مفہوم کی یاد پھر تازہ ہو جائے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

دُعا کیجئے

یَا اَللّٰہ! یہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات جو آپ کے خزانہ خاص سے نازل ہوئی ہیں اس کے انوار و برکات خاتمہ ہم کو نصیب فرمائیے۔ اور ان کا شب و روز کا وِرد ہم کو نصیب فرمائیے۔

یَا اَللّٰہ! اپنے رسولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اپنے مقبول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کی آپ نے مدح فرمائی ہے۔ ہم بھی اُنہیں کے نام لیوا ہیں اور انہی کے اتباع میں سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ کہہ کر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ! اے ہمارے رب سارے ہمارے کریم و رحیم آقا۔ ہماری بھول چوک اور خطاؤں گناہوں اور لغزشوں پر ہم سے مواخذہ نہ فرما اور یا اللہ اپنی مغفرت و رحمت سے ہم سب کو اور تمام اُمتِ مسلمہ کو نواز دے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۠

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Marfat.com

درس ۱۵۸

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

بحمداللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ جو قرآنِ کریم کی سب سے بڑی سورت ہے اور جس میں چالیس ۴۰ رکوعات ہیں اس کا بیان گذشتہ درس پر ختم ہوگیا تھا۔ اب پوری سورت کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے تاکہ جملہ گذشتہ مضامین کا مفہوم پھر تازہ ہو جائے۔

رکوع ۱ :- اس سورۃ بقرہ میں سب سے پہلے یہ ارشاد ہوا تھا کہ یہ قرآن ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہے اور اس کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ کتاب بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی مگر اس سے فائدہ اور ہدایت وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف اور پرہیزگاری کا مادہ ہو۔ پھر متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کی شناخت اور صفات کا ذکر فرمایا گیا۔

رکوع ۲ :- دوسرے رکوع میں منافقین کے گروہ کا ذکر فرمایا گیا جو بظاہر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے مگر دراصل انہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور کفار سے ساز باز رکھتے۔ چونکہ نفاق اسلام کی نظر میں بدترین مرض ہے اس لئے نفاق کی خرابیوں سے آگاہ کرنے کے لئے منافقین کے کردار اور ان کی بعض خصلتوں کو واضح کیا گیا۔

رکوع ۳ :- تیسرے رکوع میں تمام بنی نوع انسان کو خطاب کر کے سب سے پہلا حکم تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کا دیا گیا اور بتایا گیا کہ عبادت و اطاعت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہونی چاہیئے۔ اور اس کے لئے بطور دلیل کے چند انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر فرمایا گیا۔ اسی ضمن میں قرآن کریم کی حقانیت کو ثابت فرمایا گیا اور کلامِ الٰہی میں شبہ کرنے والوں کو چیلنج دیا گیا کہ قرآن جیسی ایک سورۃ ہی وہ بنا لائیں ساتھ ہی پیشین گوئی فرما دی گئی کہ ایسا ہرگز کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے منکرین قرآن کو ڈرایا گیا کہ قرآن کو جھٹلا کر جہنم کا ایندھن مت بنو۔

رکوع ۴ :- چوتھے رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے خلافتِ ارضی کے مستحق ہونے کا ذکر ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت اور برتری ظاہر فرما کر تمام ملائکہ کو جن میں ابلیس بھی اس وقت شامل تھا حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرنے کا حکم ہوا جس پر تمام ملائکہ نے احکامِ الٰہی کی تعمیل کی مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور راندہ درگاہ ہوگیا اور حضرت آدمؑ اور ان کی بی بی حضرت حوا کا دشمن بن گیا اور ان کو بہکا کر اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر دیا جس کی ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت کی گئی تھی جس پر حضرت آدمؑ اور ان کی بی بی حضرت حوا کو جنت سے زمین پر اترنے کا حکم ہوا۔ لیکن ان دونوں بزرگ ہستیوں نے ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول

Marfat.com

فرمائی لیکن اُن کے زمین پر رہنے کے حکم کو برقرار رکھا اور ہدایت فرمائی کہ دُنیا میں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا اتباع کریں گے وہ پھر اسی جنت میں لوٹ آئیں گے اور جو اللہ کی باتوں کو جھٹلائیں گے۔ اُن کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔

رکوع ۱۵ - پانچویں رکوع میں بنی اسرائیل یعنی یہود مدینہ سے خاص طور پر خطاب فرمایا گیا اور اُن کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ قرآن کسی نئے دین کی طرف دعوت نہیں دے رہا ہے بلکہ اس کی دعوت اُسی دین اصلی کی طرف ہے جو توراۃ کی دعوت تھی اور جس کی ہدایت پر تم قائم نہ رہے۔

رکوع ۶ تا رکوع ۱۳ :- چھٹے رکوع سے اُن انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ شروع ہوا کہ جن انعامات سے اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو نوازا تھا۔ اور ان انعامات کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ اس قوم نے کس طرح ایک ایک نعمت کا کفران کیا جس کی پاداش میں یہ قوم دُنیا میں کس طرح ذلیل و خوار ہوئی۔ اور یہ سلسلہ بیان تیرھویں ۱۳ رکوع تک جاری رہا۔ جس میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے متعدد واقعات بیان ہوئے مثلاً اُنہیں مصر کے فرعونیوں کے ظلم و ستم سے نجات دی۔ اللہ نے اُن کو کتابِ الٰہی توراۃ کا عطیہ دیا۔ بجائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے وہ بُت پرستی کی طرف مائل ہو گئے اور گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ جب تک اللہ کو وہ اپنی آنکھوں سے علانیہ نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی۔ پھر سینا کی بے آب و گیاہ اور دھوپ سے تپتی ہوئی سرزمین میں بادلوں کے ذریعہ سایہ کا انتظام فرمایا۔ مَن و سلویٰ غذا کے لئے نازل کیا۔ پتھر سے پانی کے چشمہ جاری فرما دیئے لیکن بنی اسرائیل نے ان انعامات کی کچھ قدر نہ کی جس کے نتیجہ میں یہ قوم ذلت و مسکنت سے دوچار ہوئی۔ توراۃ پر عمل کرنے کے لئے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان کوہ طور کو اُن کے سروں پر معلق کر کے لیا جانا۔ ہفتہ کے دن کی احکامِ الٰہیہ کے موافق تعظیم نہ کرنے پر بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو بندروں کی شکل میں مسخ ہو جانے کا واقعہ۔ بنی اسرائیل میں ایک قاتل کی تلاش کے لئے گائے کے ذبح کا واقعہ۔ قتلِ انبیاء کے حالات۔ سحر اور جادو کی ناپاک کوششیں۔ انبیاء کی توہین کی ناجائز حرکات۔ نجات اور بخشش کے غلط اور من گھڑت عقیدہ۔ یہ سلسلہ بیان تیرھویں رکوع کے اخیر تک جاری رہا جن میں یہود کی بد باطنی۔ ضد و عناد۔ سرکشی و نافرمانی۔ اہلِ اسلام سے حسد و دشمنی کے اظہار کے ساتھ اُن کو حکمت کے ساتھ دین اسلام کی حقانیت اور دین حق کی دعوت بھی دی گئی۔

رکوع ۱۴ :- چودھویں رکوع میں یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف کا ذکر ہوا کہ یہ لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کے مذہب کو باطل کہتے ہیں اور ان اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں کی اعتقادی گمراہی کو ظاہر فرما کر دین اسلام کی حقانیت ظاہر فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ اہلِ کتاب میں سے جو صحیح معنیٰ میں توراۃ و انجیل پر ایمان رکھتے ہیں وہ اسلام اور قرآن پر بھی ایمان لے آتے ہیں۔

رکوع ۱۵ :- پندرھویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا اور خانہ کعبہ کا معبد ہونا اور خانہ کعبہ

Marfat.com

کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دُعا مانگی تھی اُس کا تذکرہ فرمایا۔

رکوع ۱۶ :- سولھویں رکوع میں بتایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین بھی دین اسلام تھا اور اُنہوں نے اپنی اولاد اور نسلوں کو بھی یہی وصیت کی تھی کہ وہ ہمیشہ مسلم رہیں۔ اسلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ مشرکین میں سے تھے اور نہ یہودی یا نصرانی تھے بلکہ دین حنیف کے پابند تھے۔ اور اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبع مومنین اسی ملت ابراہیمی اور دین حنیف کی پیروی کر رہے ہیں۔ لہٰذا جو ملتِ ابراہیمی سے اعراض کرتا ہے اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔

رکوع ۱۷ و ۱۸ :- سترہویں اور اٹھارہویں رکوع میں تحویلِ قبلہ کے متعلق بیان ہوا اور یہود کی حماقت آمیز باتوں کا رد فرمایا گیا۔ یعنی ہجرت مدینہ سے سولہ ۱۶، سترہ ۱۷ مہینہ بعد اہلِ اسلام کا قبلہ خانہ کعبہ بیت اللہ کو بنایا گیا جس پر یہود مدینہ نے اعتراضات کئے تو تحویلِ قبلہ کی مصلحت کو ظاہر فرمایا گیا اور ان کے شکوک و شبہات کا جواب دیا گیا اور اہلِ اسلام کو جتلایا گیا کہ خانہ کعبہ کا قبلہ بنایا جانا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن جیسی کتاب کا نازل کیا جانا یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا شکر اہلِ اسلام پر واجب ہے، اور حق تعالیٰ کا شکر یہ ہے کہ اسکی اطاعت کی جائے اور اسکی نعمتوں کا کفران کیا جائے

رکوع ۱۹ :- اُنیسویں رکوع میں اہلِ اسلام کو صبر اور نماز پر ثابت قدم رہنے کی تعلیم دی گئی اور بتایا گیا کہ اس طرح اللہ کی مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ پھر اللہ کی راہ میں جان دیدینے کو زندگی کہا گیا اور بتلایا گیا کہ شہید حقیقتاً زندہ ہوتے ہیں انہیں مُردہ نہ کہا جائے۔ پھر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وفاداروں کو مختلف طریقوں سے آزماتے ہیں اور ان فائز کی طرف سے صبر و ثبات کا ثبوت دیدینے کے بعد پھر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اسی سلسلہ میں صفا و مروہ کا ذکر فرمایا گیا جو حضرت ہاجرہؓ کے صبر و ثبات کی یادگار ہیں جن کے درمیان آپ نے حضرت اسمٰعیل کے لئے پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تھے۔

رکوع ۲۰ :- بیسویں رکوع میں کائنات کے اندر پھیلی ہوئی چند قدرتوں اور نشانیوں کا تذکرہ کر کے سمجھایا گیا کہ انسان عقل اور ہوش سے کام لے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ توحید خداوندی کا اعتراف نہ کرے۔ اسی سلسلہ میں [illegible] فرمائی گئی اور مشرکین کو عذابِ جہنم کی وعید سنائی گئی۔

رکوع ۲۱ :- اکیسویں رکوع میں شرک اور رسوم شرک سے اجتناب کا حکم دے کر صرف حلال اور طیب چیزوں کو رزق بنانے کو کہا گیا اور حرام چیزیں جیسے مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور غیر اللہ سے نامزد کی ہوئی چیزیں ان سے بچنے کا حکم فرمایا گیا

رکوع ۲۲ تا ۳۱ :- بائیسویں رکوع میں نیکی کی حقیقت کو بتایا گیا اور اسلام و ایمان کے کلیات ذکر فرما کر اہلِ اسلام کے لئے متعدد احکام جزئیہ حسبِ ضرورت واقعات کا ذکر اکتیسویں رکوع کے خاتمہ تک ہوا اور احکام قصاص۔ وصیت۔ صوم ماہ رمضان کی فضیلت۔ فرضوں کے بعض مسائل۔ اعتکاف کے احکام۔ جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کے احکام۔ حج و عمرہ کے مسائل۔ شراب و قمار کے احکام۔ یتامیٰ کے ساتھ میں خرچ رکھنے کے احکام۔ کفار و مشرکین سے مناکحت کی ممانعت جیسے متعلق احکام و مسائل۔ ایلاء اور یمین (قسم) کے احکام۔ طلاق و خلع۔ عدت و رضاعت یعنی بچہ کو دودھ پلانے کے احکام۔ عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک وغیرہ کا بیان فرمایا گیا۔

Marfat.com

رکوع ۳۲ و ۳۳ :- تیسویں اور تینتسویں رکوع میں پھر جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا بیان شروع ہوا اور مثال میں بنی اسرائیل کے طالوت بادشاہ کا کافروں کے سردار جالوت سے مقابلہ کا ذکر ہوا اور بتلایا گیا کہ فتح و شکست سامانِ جنگ اور لشکروں کی کمی زیادتی پر منحصر نہیں۔ اکثر چھوٹی فوجیں اللہ کے حکم سے بڑے لشکروں پر غالب آجایا کرتی ہیں۔ اس طرح اہلِ اسلام کو تعلیم دی گئی کہ اگر مسلمان متحد رہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرتے رہے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھا تو دشمنوں پر غالب آتے رہیں گے۔

رکوع ۳۴ :- چونتیسویں رکوع میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے رہنے کی تاکید فرمائی گئی تاکہ آخرت میں کامیابی اور سرخروئی حاصل ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کی توحید ذات و صفات کو ایک آیت میں نہایت اعلیٰ پیرایہ میں بیان فرمایا گیا جس کو آیۃ الکرسی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

رکوع ۳۵ :- پینتیسویں رکوع میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس وقت کے کافر بادشاہ نمرود کے مناظرہ کا ذکر فرمایا گیا کہ کس طرح نمرود اپنے اقتدار کے نشہ میں خدا کی ربوبیت و الوہیت کا منکر تھا اور کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے لاجواب کر دیا پھر بھی وہ ایمان نہ لایا۔ پھر بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا گیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر سو برس تک موت طاری کر دی اور پھر زندہ کر دیا اس طرح اپنی قدرت کی نشانی دکھلا کر لوگوں کے لیے حشر و نشر کا ثبوت فرمایا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور واقعہ ذکر کیا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ انہیں اس کا عینی مشاہدہ کرا دیا جائے کہ قیامت میں مُردوں کو دوبارہ کس طرح اور کس کیفیت سے زندہ کیا جائے گا۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا جب تم یہ دیکھنا چاہتے ہو تو چار پرندے لے لو اور ان کو اپنے سے خوب ہلا لو۔ پھر ان کو ذبح کر کے سب کا گوشت پوست خلط ملط کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھ دو پھر ان پرندوں کو بلاؤ وہ سب زندہ ہو کر تمہارے پاس آجائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایسا کرنے پر وہ جانور سب زندہ ہو کر آ گئے۔ اس طرح حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دکھلا دیا کہ قیامت کے روز اسی طرح سب مُردوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

رکوع ۳۶ :- چھتیسویں رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے رستہ میں مال خرچ کرنے اور صدقات و خیرات کی فضیلت کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا اور پھر صدقات و خیرات کے آداب و احکام تعلیم فرمائے گئے کہ صدقات کے بعد نہ تو احسان جتلانا چاہیئے اور نہ جس کو صدقہ دیا ہے اسکو کوئی آزار و تکلیف پہنچانا چاہیئے کہ ایسا کرنے سے اپنا صدقہ و خیرات برباد ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ پھر صدقاتِ باطلہ غیر مقبولہ اور صدقاتِ مقبولہ کی مثال ایک باغ سے دے کر سمجھایا گیا اور صدقات و خیرات میں اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو مدِ نظر رکھنے کی تعلیم دی گئی۔

رکوع ۳۷ :- سینتیسویں رکوع میں اللہ کے رستہ میں اچھا اور بہتر مال اور عمدہ اور طیب چیز خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی اور ردی اور خبیث و ناپاک چیز کو صدقہ و خیرات میں دینے سے ممانعت فرمائی گئی۔ پھر صدقہ و خیرات کو ظاہر کر کے دینے یا اسکو چھپا کر دینے کے احکام بتلائے گئے اور پھر صدقہ و خیرات کے اصل مستحقین کی نشاندہی فرمائی گئی۔

رکوع ۳۸ :- اڑتیسویں رکوع میں ربٰوا یعنی سود کی حرمت اور اسکے احکام بیان فرمائے گئے اور سود خواری کی پُرزور مذمت فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ میدانِ حشر میں سود خوار کی حالت ایسی حیرانی اور مدہوشی کی ہوگی جیسے کہ کسی شخص کو شیطان لپٹ کر خبطی اور بدحواس بنا دے۔ پھر سود کی مذمت میں اور صدقہ کی فضیلت میں یہ قانونِ خداوندی بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ انجام میں سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ اہلِ اسلام کو سختی سے تاکید کی گئی کہ سود کا لین دین بالکل ختم کر دیں۔ اور بقایا سود کی رقم بالکل چھوڑ دیں۔ اگر کسی نے ایسا نہ کیا تو اس کو اللہ اور اس کے رسُول کی طرف سے جنگ کی وعید شدید سُنائی گئی۔ اور ہدایت کی گئی کہ اگر قرضخواہ مفلس اور تنگدست ہو تو قرض کی وصولیابی میں مہلت دو اور جب قرضخواہ کو گنجائش ہو تو پھر وصول کر لو اور اگر معاف کر دو تو یہ بات بہت ہی زیادہ باعثِ اجر و ثواب ہے۔

رکوع ۳۹ :- اُنتالیسویں رکوع میں اُدھار کے کاروبار اور لین دین کے سلسلہ میں ہدایات دی گئیں اور قرض یا اُدھار کے لئے اقرار نامہ لکھنے کا استحبابی حکم دیا گیا اور اس پر مزید گواہی و شہادت لینے کے احکام بیان فرمائے گئے۔ اس سلسلہ میں کاتب اور گواہوں کو دیانت و امانت کی تاکید کی گئی اور شہادت کو نہ چھپانے اور اس میں کمی زیادتی نہ کرنے اور صاف صاف بے کم و کاست معاملہ کو بیان کرنے کا حکم دیا گیا۔ نیز رہن کا حکم اور اس کی اجازت ظاہر فرمائی گئی۔

رکوع ۴۰ :- سورۃ کے آخری یعنی چالیسویں رکوع میں ایمان و اسلام کا خلاصہ اور ایک جامع دُعا تعلیم فرمائی گئی جس کے آخری الفاظ ہیں فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی کافروں کی جماعت پر ہم اہلِ اسلام کو غلبہ عطا فرما۔ کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہمیں اُن پر فتح نصیب فرما۔ گویا اس میں بتلایا گیا کہ قرآن کی تعلیم سے جو قوم پیدا ہوگی اسکے ذریعہ اللہ کا دین و قانون کفر پر غالب آئے گا۔ اس طرح اللہ اور اسکے دین اسلام کو ماننے والی اور نہ ماننے والی قوم کا انجام ظاہر فرما دیا گیا کہ مومن کامیاب اور منکر مغلوب و ناکام ہوں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ اس درس پر سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مدنیہ کا بیان ختم ہوا اور اس [illegible] درسِ قرآن کی جلد اوّل کو ختم کیا جاتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ اب آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ جلد دوم میں سورۃ آلِ عمران کا بیان شروع ہوگا جس کی کتابت و طباعت کا انتظام حق تعالیٰ اپنی رحمت سے فرمائیں اور ناظرین و شائقین کے ہاتھوں میں جلد پہنچنا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

دُعا کیجئے :- اس سورۃ البقرہ میں جو کچھ ہم نے پڑھا اور سُنا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے دلوں میں اُتار دیں۔ اور اس میں جو ہدایات، تعلیمات اور احکام دیئے گئے ہیں ان پر ہمیں دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما دیں۔ یا اللہ! اس سورۂ مبارکہ کے انوار سے ہمارے قلوب کو منوّر فرما۔ اور اس سورۃ کے آخری الفاظ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کو ہمارے حق میں بھی قبول فرما اور اپنے دین کو سربلند کرنے میں ہماری مدد فرما۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

جلد اوّل ختم شُد

Marfat.com

معزز قارئین - ناظرین وشائقین "درسِ قرآن" ہذا کی خدمت میں احقر مرتب کی ایک گذارش

معزز و محترم ناظرین - اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی -

حق تعالیٰ جل شانہٗ عم نوالہ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے اس درس قرآن کی جلد اوّل کی کتابت و طباعت وغیرہ کے جملہ مراحل طے فرما کر اس کی اشاعت کا سامان فرمایا -

قارئین و ناظرین جلد ہٰذا سے اس احقر مرتب کی یہ عاجزانہ درخواست ہے کہ :-

۱ - حتی الوسع درس قرآن ہٰذا کی طباعت میں صحت کی پوری کوشش وسعی کی گئی ہے - تاہم اگر کوئی سہو یا غلطی کتابت وغیرہ کی ناظرین کو نظر آئے تو احقر مرتب کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں جیسا مناسب ہو اس کا تدارک کیا جاسکے -

۲ - درس قرآن ہٰذا کے مطالعہ اور مساجد و مجامع میں پڑھنے اور سننے سنانے کے بعد قارئین و سامعین حضرات ازراہ عنایت اپنے تاثرات سے احقر مرتب کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں -

والسَّلام مع الاکرام

دُعاگو و دُعاجو

احقر الانام بندہ محمد احمد عفی عنہ

ادارۂ اشاعت القرآن -

اے - ۴۲۷ بلاک ایچ شمالی ناظم آباد

کراچی - پاکستان - (فون نمبر ۶۶۳۵۹۱۲)

مورخہ :-

۲۹ جمادی الآخر ۱۳۹۷ھ

مطابق

۱۷ - جون ۱۹۷۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکمل درسِ قرآن کی گیارہ جلدوں کا نقشہ

نمبر شمار جلد	سورتوں کے نام جن کی تفسیر کی گئی ہے	شمار پارہ
جلد اوّل ۱	الاستعاذہ - تسمیہ - سورہ فاتحہ - سورہ بقرہ	۱-۲-۳
جلد دوم ۲	سورہ آل عمران - سورۂ نسآء	۳-۴-۵-۶
جلد سوم ۳	سورہ مائدہ - سورہ انعام	۶-۷-۸
جلد چہارم ۴	سورہ اعراف - سورہ انفال - سورہ توبہ	۸-۹-۱۰-۱۱
جلد پنجم ۵	سورۂ یونس - سورہ ھود - سورہ یوسف - سورۂ رعد - سورہ ابراھیم -	۱۱-۱۲-۱۳
جلد ششم ۶	سورۂ حجر - سورہ نحل - سورہ بنی اسرآءیل سورہ کھف - سورہ مریم - سورہ طٰہٰ -	۱۳-۱۴-۱۵
جلد ہفتم ۷	سورہ انبیآء - سورہ حج - سورہ مومنون - سورہ نور سورہ فرقان - سورہ شعرآء - سورہ نمل -	۱۷-۱۸-۱۹-۲۰
جلد ہشتم ۸	سورہ قصص - سورہ عنکبوت - سورہ روم - سورہ لقمان - سورہ سجدہ سورہ احزاب - سورہ سبا - سورہ فاطر - سورہ یٰسٓ	۲۰-۲۱-۲۲-۲۳
جلد نہم ۹	سورہ صافات - سورہ ص - سورہ زمر - سورہ مؤمن - سورہ حٰمٓ السجدۃ - سورہ شوریٰ - سورہ زخرف - سورہ دخان - سورہ جاثیہ سورہ احقاف - سورہ محمد - سورہ فتح - سورہ حجرات	۲۳-۲۴-۲۵-۲۶

Marfat.com

نمبر شمار جلد	سورتوں کے نام جن کی تفسیر کی گئی ہے۔	شمار پارہ
جلد دہم ۱۰	سورہ ق۔ سورہ ذازیات۔ سورہ طور۔ سورہ النجم سورہ قمر۔ سورہ رحمٰن۔ سورہ واقعہ۔ سورہ حدید سورہ مجادلہ۔ سورہ حشر۔ سورہ ممتحنہ۔ سورہ صف سورہ جمعہ۔ سورہ منافقون۔ سورہ تغابن۔ سورہ طلاق سورہ تحریم۔	۲۶-۲۷-۲۸
جلد یازدہم ۱۱	سورہ ملک۔ سورہ قلم۔ سورہ حاقہ۔ سورہ معارج سورہ نوح۔ سورہ جن۔ سورہ مزمل۔ سورہ مدثر سورہ قیامہ۔ سورہ دھر۔ سورہ مرسلات۔ سورہ نبا سورہ نازعات۔ سورہ عبس۔ سورہ تکویر۔ سورہ انفطار سورہ مطففین۔ سورہ انشقاق۔ سورہ بروج۔ سورہ طارق سورہ اعلیٰ۔ سورہ غاشیہ۔ سورہ فجر۔ سورہ بلد سورہ شمس۔ سورہ لیل۔ سورہ ضحیٰ۔ سورہ انشراح سورہ تین۔ سورہ علق۔ سورہ قدر۔ سورہ بینۃ سورہ زلزال۔ سورہ عادیات۔ سورہ قارعہ۔ سورہ تکاثر سورہ عصر۔ سورہ ھمزۃ۔ سورہ فیل۔ سورہ قریش سورہ ماعون۔ سورہ کوثر۔ سورہ کافرون۔ سورہ نصر سورہ لھب۔ سورہ اخلاص۔ سورہ فلق۔ سورہ ناس ۔: دُعاء ختم القرآن الکریم۔	۲۹-۳۰

سرٹیفکٹ

میں نے سورۂ بقرہ اور تفسیر درس قرآن جلد اوّل مطبوعہ جولائی ۱۹۸۸ء حرفاً حرفاً پڑھا اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہے۔

۳۱/۱۲/۸۸ قاری محمد برہان الدین

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ

۳۷۳ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی ۵

محمد اقبال صدیقی

ڈیسپیچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر محکمہ اوقاف

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلیفون: ۴۸۱۲۶۳

TELE : 48 12 63

حامداً ومصلیاً

مرکز العلوم الدینیة

الجامعة الحمّادیة

فیصل کالونی-۲-کراچی - الجمہوریۃ الاسلامیۃ باکستان

MARKAZ - ULOLUM - EDDINIA

Jamia Hammadia

FAISAL COLONEY - 2 KARACHI - 25

PAKISTAN

التاریخ ۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

Date ۱۷ جولائی ۱۹۹۲ء

ادارہ اشاعت القرآن - شمالی ناظم آباد - کراچی - بحیثیت ناشر جناب مولانا الحاج محمد احمد صاحب مدظلہ کا تالیف کردہ "درس قرآن" جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے قریب ۱۵ سال سے شائع کر رہا ہے۔ متعدد حضرات علماء کرام کے مشورہ اور ایما پر یہ جلدیں ماہ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ میں اس خادم حدیث و افتاء کے سپرد کی گئی تھیں تاکہ ایک جلد درس کا تحقیقی مطالعہ حرفاً حرفاً کرکے ہر جلد کے خاتمہ پر اپنی رائے کا اظہار تحریراً پیش کر دوں۔ چنانچہ بحمداللہ تقریباً ۹ ماہ میں جملہ جلدوں کا مطالعہ پورا ہوا اور ہر جلد کے مطالعہ کے بعد بندہ نے اپنی سند ادارہ مذکورہ کو پیش کر دی جو منجانب ادارہ متعدد حضرات علماء کرام اندرون و بیرون ملک تقسیم کی جا چکی ہیں۔

مناسب معلوم ہوا کہ پوری تالیف "درس قرآن" پر ایک اجمالی مختصر تقریظ بھی اس خادم دین کی طرف سے ادارہ کو پیش کر دی جائے۔ دوران مطالعہ مختلف جلدوں میں وہ متعدد تقریظات جو منجانب حضرات مشائخ عظام و محقق علماء کرام و دیگر اصحاب علم و فضل نے وقتاً فوقتاً صاحب مؤلف جناب الحاج محمد احمد صاحب کو روانہ کی تھیں وہ بھی نظر سے گزریں۔ ان جملہ تقریظات میں اس مبارک تالیف کی جامعیت و نافعیت کے متعلق جو کلمات تحسین اور بزرگان دین نے جو ارشاد فرمائی ہیں یہ خادم دین متین اُن سے پوری طرح متفق ہے اور بصدق دل عرض کرتا ہوں کہ ہر تقریظ میں حقیقت حال کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ خصوصاً جناب مؤلف کے شیخ ثالث حضرت اقدس شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مبارک الفاظ اس "درس قرآن" اور اس کے مؤلف کے متعلق تحریر فرمائے ہیں وہ اس تالیف کی جامعیت، نافعیت اور مقبولیت کے اظہار میں کافی وشافی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"حاجی محمد احمد صاحب مدظلہم العالی نے درس قرآن کے متعلق اپنے مدت مدید کے تجربہ کی بنا پر منجانب اللہ
ونافع اور مختصر تفسیر قرآن مجید مرتب فرمائی جو عام فہم اور زود فہم ہونے کے ساتھ ساتھ دین مبین کی اہم اور ضروریات
پر مشتمل ہے۔ اور درس قرآن کے نام سے موسوم ہے ... اپنی خصوصیات و جامعیت کے لحاظ سے یہ تفسیر ایک انفرادیت
کا مقام رکھتی ہے۔ یہ محض اللہ جل شانہٗ کا انعام عظیم و احسان عمیم ہے ... اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کتاب کو شرف
قبولیت عطا فرماویں ..." اس مبارک دعا پر بندہ صدق دل سے آمین۔ ثم آمین کہتا ہے اور خاتمہ پر ایک جملہ میں یہی
عرض کرتا ہے کہ اس دور میں یہ تالیف درس قرآن یقیناً بڑی ہی قابل قدر ہے۔ اور یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت جناب
مؤلف کو بے انتہا جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط

خادم حدیث و افتاء و رجسٹرار
جامعۃ حمادیہ۔ شاہ فیصل کالونی نمبر ۲ کراچی
۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

Marfat.com

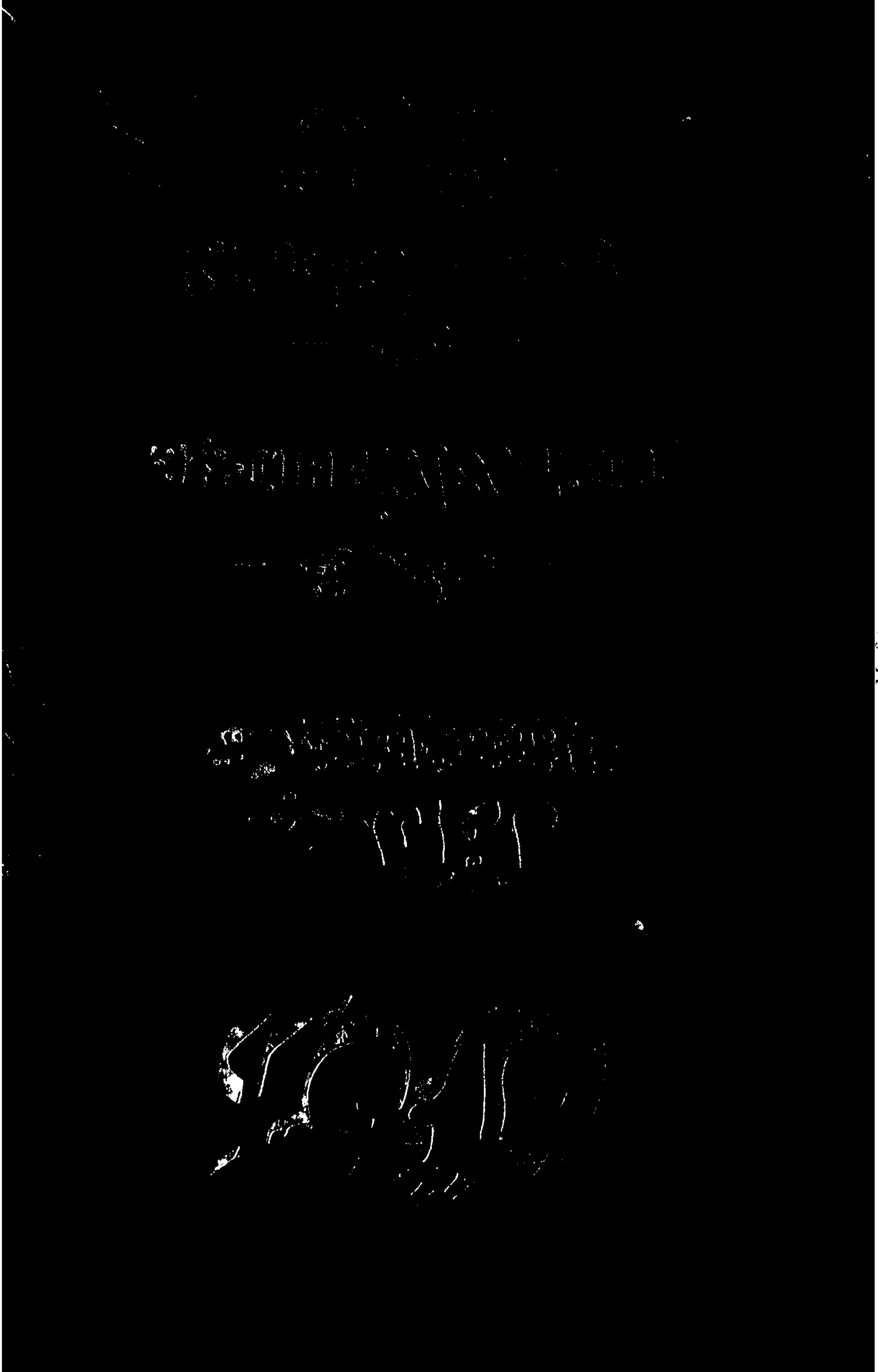

Marfat.com